شاعرِ حسینیت

قیصر بارہوی کے مرثیے

تجزیہ و تدوین

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

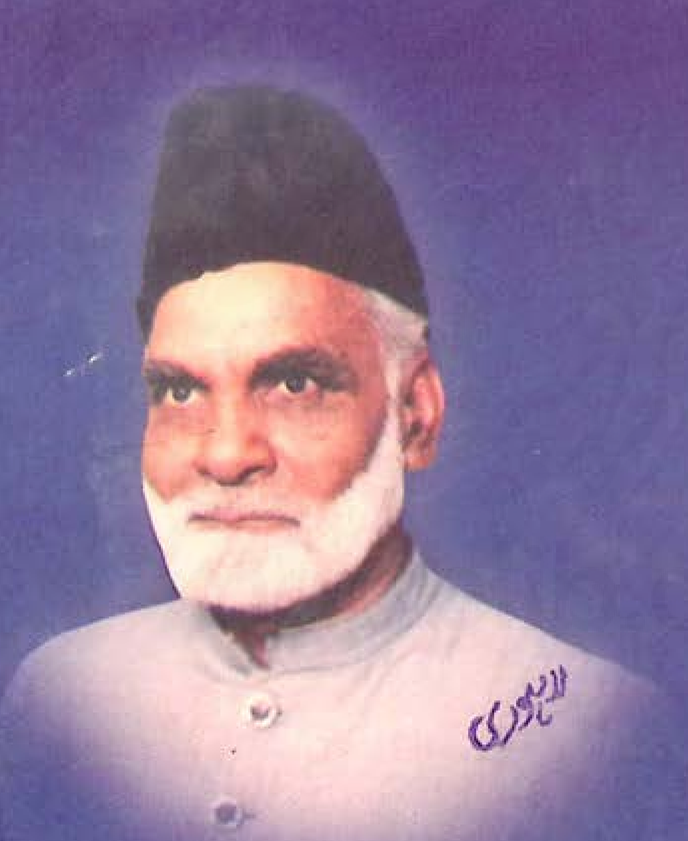

قیصر بارھوی کے مرثیے

(تجزیہ و تدوین)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

maablib.org

❖❖

دنیا میں نیا بابِ سُخن کھول رہا ہوں
حیراں ہوں خزانے وہ گہر رول رہا ہوں
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں
جبریلؑ سمجھتے ہیں، جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجرِ دل پہ سجے ہیں
تخئیل کو سرخاب کے پر آج لگے ہیں

(قیصر بارہوی)

maablib.org

قیصر بارہوی کے مرثیے

(تجزیہ و تدوین)

◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

◆

maablib.org

اظہار سنز
۱۹۔ اُردو بازار، لاہور

انتساب

محمدؐ وآل محمدؐ کے پرستار

محترم شیخ **مبارک علی** صاحب مرحوم ومغفور

محترمہ **ثریا بیگم** صاحبہ مرحومہ ومغفورہ

اور

ان ❖ کے خاندان کے دیگر مرحومین

کے نام

❖

maablib.org

❖ ایک علم دوست شخصیت، محترم شیخ کامران مہدی صاحب کے مرحومین

انتساب

علم دوست، شعر شناس اور مرثیہ فہم

محترم الحاج شیخ ولی محمد صاحب

کے نام

◆◆

maablib.org

انتساب

صاحبِ فہم و ذکا، علم دوست

محترم واصف علی حیدری صاحب

کے نام

maablib.org

ترتیب

	مقدّمہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن	۲۱
۱	دُرِّ یتیم	۲۱۱
	انسان رہنمائے حقیقت تلاش کر (حضرت محمدؐ کے کارنامے اور شہادتِ امامِ حسینؑ)	
۲	شہرِ معلّیٰ	۲۲۳
	معراج عقل و فکر ہے سودائے کربلا (صحرائے کربلا کی عظمت اور مصائبِ اہلبیتؑ)	
۳	عزّتِ وجود	۲۳۷
	شبیرؑ کائنات کی عزّت کا نام ہے (امام حسینؑ کی فضیلتیں اور مصائبِ کربلا)	

۴ پیکرِ عظمت ۲۵۱

تو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ

(امام حسینؑ کے کارنامے اور شہادتِ عظمیٰ)

۵ معراجِ وفا ۲۶۳

کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج

(حضرتِ عباسؑ کی شجاعت اور میدانِ کربلا میں وفاداری کے مظاہر)

۶ جہادِ زینبؑ ۲۷۷

پھر آ گیا ہونٹوں پہ دُھواں آتشِ غم سے

(حضرت زینبؑ کے فضائل اور اسیری کے واقعات)

۷ یتیمانِ مسلمؑ ۲۸۹

دل والو سنو، واقعۂ اشک فشانی

(حضرتِ مسلمؑ کے صاحبزادوں کی کوفہ آمد اور مصائب)

۸ شامِ غریباں ۲۹۹

پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اُٹھا

(امام حسینؑ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے المناک واقعات)

۹ نوائے احساس ۳۱۷

لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے

(کربلا کے میدان میں حضرت علی اصغرؑ کی شہادت)

۱۰ حسینؑ اور انتخاب ۳۳۵

انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے

(دنیا میں کامیابی کیلئے اصحاب و انصارِ حسینؑ کے طرزِ عمل کو اپنانا)

۱۱ صبحِ مودّت ۳۵۱

رازِ بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ میں

(کنیزِ بتولؑ حضرت فضہؓ کی شخصیت اور میدانِ کربلا میں اُن کی خدمات)

۱۲ علمِ علیؑ ۳۶۹

میری زباں پہ علمِ علیؑ کا بیان ہے

(بابِ مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے علم کا بیان)

۱۳ اعجازِ تحمّل ۳۸۷

زنجیرِ تخیّل میں گرفتار ہیں آنسو

(حضرت سیّد سجادؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ)

۱۴ اُجالوں کا سفر ۴۰۵

شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں

(حضرت امام علی نقیؑ کی سیرت اور قید و بند کی صعوبتیں)

۱۵ معراجِ بشر ۴۲۳

نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

(نماز کی فضیلت اور نماز کے قیام کیلئے اہلبیتؑ کی قربانیاں)

۱۶ معصومۂ کربلاؑ ۴۳۹

زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ

(حضرت زینبؑ کی سیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کا بیان)

۱۷ یوسفِ حسینؑ ۴۵۵

دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں

(موت کی اہمیت اور کربلا کے میدان میں حضرت علی اکبرؑ کا کردار)

۱۸ عرفانِ حیات ۴۷۳

فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں

(حضرت حرؑ کی سیرت اور کربلا کے میدان میں قربانیاں)

۱۹ سبطین مرتضیٰؑ ۴۹۷

حیراں ہوں کیا فضائلِ زینبؑ رقم کروں

(جنابِ زینبؑ کے صاحبزادوں حضرت عونؑ اور حضرت محمدؑ کے کارنامے)

۲۰ آشوبِ عصر ۵۱۳

ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے

(اصلاحِ معاشرہ کیلئے امام حسینؑ کی کاوشیں اور اہلبیتؑ کے مصائب)

۲۱ مظلومیت ۵۳۱

مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے

(انسانی زندگی میں مظلومیت کی اہمیت اور حسینیؑ خانوادے کی مظلومیت)

۲۲ انسان اور کربلا ۵۴۹

انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا

(کربلا کی افادیت' دبستان کربلا کے اثرات اور اہلبیتؑ کی قربانیاں)

۲۳ علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؑ ۵۶۷

عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامین سخن

(علمِ غیب کی اہمیت اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی علمِ غیب پر دسترس)

۲۴ کعبہ و محافظانِ کعبہ ۵۸۷
اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو
(کعبہ کی عظمت اور کعبہ کے تحفظ کیلئے امام حسینؑ کی قربانیاں)

۲۵ بے ثباتیِ عالم ۶۰۵
مسافرانِ عدم کا سفر، ارے توبہ
(دنیا کی ناپائیداری اور کربلا میں پائیدار ہستی کے نمونے)

۲۶ سیّدِ مسمومؑ ۶۲۳
شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے
(امامِ حسنؑ کی سیرت اور اُن کی شہادت کے دلخراش مناظر)

۲۷ عرفانِ امامت ۶۴۱
کیا چاہتا ہے آج کا انساں، یہ سوچئے
(عصرِ حاضر میں انسان کی پریشاں خیالی اور حضرت علیؑ کی شہادت)

۲۸ نمازِ دل ۶۵۹
دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے
(انسانی زندگی میں دل کی اہمیت اور اسلام کی خاطر اہلبیتؑ کی قربانیاں)

۲۹ نظامِ اسلام ۶۷۷

امنِ عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام

(مضبوط نظام کیلئے اسلامی تعلیمات کی ضرورت اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی کاوشیں)

۳۰ کربلا و نجف ۶۹۷

جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں

(دیارِ نجف و کربلا کی اہمیت اور حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کی قربانیاں)

۳۱ عظمتِ فن ۷۱۵

کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے

(اہلِ بصیرت کی علم و ادب سے وابستگی اور نسیم امروہوی کی خدمات)

۳۲ مدحِ ابوطالبؑ ۷۳۱

مدحِ ابوطالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور

(حضرتِ ابوطالبؑ کے فضائل اور اُن کے خانوادے کی قربانیاں)

۳۳ آیاتِ آمنہؑ ۷۴۹

ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

(حضور اکرمؐ کی والدہ حضرتِ آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت اور کارنامے)

۳۴ عروجِ عالمِ نسواں ۷۶۷

عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن

(حضرت فاطمہؑ کی سیرت و کردار کا احاطہ اور اِن کے خانوادے کی قربانیاں)

۳۵ عشقِ حسینؑ ۷۸۳

عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو

(حضرت مسلم بن عقیلؑ کی سیرت کے پہلو اور کوفے میں ان کے مصائب)

۳۶ عباسِ نامدارؑ ۷۹۷

عباسؑ نامدار کو جوشِ نبرد ہے

(حضرت عباسؑ کی کربلا میں بے مثال شجاعت اور اُن کی شہادت)

۳۷ سخنِ لاجواب ۸۱۵

یارب مری زبان کو سخن لاجواب دے

(حضرت علی اکبرؑ کی سیرت کے نمایاں محاسن اور شہادت)

۳۸ یوسفِ کربلاؑ ۸۳۳

حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

(کربلا کے میدان میں حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر)

۳۹ ہفت اقلیم ۸۴۷

ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا

(حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی سیرت اور بغداد میں اُن پر ہونے والے مظالم)

۴۰ آبروئے فکر ۸۶۳

دوستو انسان کے اندر بھی اک انسان ہے

(صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت کے نمایاں رُخ اور کربلا میں اذانِ صبح)

۴۱ شاہدِ محضر ۸۸۱

دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں

(حضرت جبرئیلؑ کے کارنامے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اُن کی والہانہ عقیدت کے مظاہر)

۴۲ وحدتِ مذہب ۸۹۹

فکرِ مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو

(عصرِ حاضر میں مذہب کی ضرورت اور امام عالی مقامؑ کی قربانیاں)

۴۳ تربیّت ۹۱۹

تربیّت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے

(رسول اکرمؐ کی تربیّت میں حضرت ابوطالبؑ کا کردار اور عونؑ و محمدؑ کی قربانیاں)

۴۴ آئینۂ انقلاب ۹۳۹

ماہِ محرّم آئینۂ انقلاب ہے

(غمِ حسینؑ کی فضیلت، کربلا میں امام علیہ السلام کی جنگ اور شہادت)

۴۵ معراجِ نفس ۹۵۷

خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال

(روزے کی فضیلت اور حضرت علیؑ کی شہادت)

۴۶ قرآن کی کہانی ۹۷۵

قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سُن لو

(قرآن کی فضیلت اور کربلا میں امامِ حسینؑ کی نیزے پر قرآن کی تلاوت)

۴۷ جنابِ سیّدہؑ ۹۸۹

رکھیے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں

(جنابِ فاطمہؑ کی زندگی اور رسولؐ خدا کے بعد اُن پر ہونے والے مظالم)

۴۸ جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ ۱۰۰۵

زوجِ ابوطالبؑ کا شرف جس شرف ہے

(حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کی سیرت کا جائزہ اور جنابِ زینبؑ کی شہادت)

۴۹ عزاداریِ حسینؑ ۱۰۲۳

انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ

(عزاداری کی اہمیت' عزاداروں کے مصائب اور جنابِ زینبؑ کے بین)

۵۰ شاعرِ دربارِ حسینؑ ۱۰۳۹

میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابن علیؑ ہوں

(دربارِ حسینؑ کے شاعر کا منصب اور دربارِ یزید میں جنابِ زینبؑ اور سیدِ سجادؑ کے خطبات)

۵۱ فریاد ۱۰۵۵

اے جبرئیلؑ فکر، مدینہ دکھا مجھے

(شاعر کا رسولؐ خدا سے فریاد کرنا' آلِ رسولؐ کے مصائب اور جنابِ فاطمہ کا اضطراب)

۵۲ مولانا محمد مصطفٰے جوہر ۱۰۷۱

منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے

(مولانا مصطفٰے جوہر کے سوانحی کوائف اور عاشورۂ محرم کے حالات)

۵۳ روشنیِ فکر و عمل ۱۰۸۹

آیئے خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں

(خانۂ کعبہ کی عظمت' حضرت علیؑ کی ولادت اور شہادت)

◆◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی دیگر کتب

- ❖ مفاہیم (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- ❖ ترجیحات (انعام یافتہ) (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- ❖ اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- ❖ تصریحات (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- ❖ جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ (تحقیق و تنقید)
- ❖ مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی (تحقیق و تنقید)
- ❖ سیّد وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں (تحقیق و تنقید)
- ❖ طاہرین (سیّد وحید الحسن ہاشمی کی نعتیں، مناقب اور سلام۔ تجزیہ و تدوین)
- ❖ العطش (سیّد وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کا تجزیہ و تدوین)
- ❖ آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی (تحقیق و تنقید)
- ❖ باقیاتِ آلِ رضا (سیّد آلِ رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)
- ❖ آغا صاحب (ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت و فن)
- ❖ کلیاتِ حبیب (حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)
- ❖ شام و سحر کی باتیں (ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور کے اداریے)
- ❖ قیصرِ اقلیمِ مرثیہ (تحقیق و تنقید)
- ❖ جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی (شخصیت و فن)
- ❖ سیف زلفی کے مرثیے (تجزیہ و تدوین)

مقدّمہ

(ا)

(قیصر بارھوی کے سوانحی کوائف اور اعترافات)

لکھنو برصغیر کی تہذیب وثقافت کا سب سے بڑا مرکز تھا' یہی سبب ہے کہ جملہ فنونِ لطیفہ یہاں اوجِ کمال تک پہنچے۔ نثر ہو یا شاعری' یہاں کے تخلیق کاروں نے ہر میدان میں اپنی صناعانہ تخلیقی ہنرمندیوں کا ثبوت دیا۔ فن کے اظہار کے لئے نئے نئے راستے تلاش کئے جانے لگے۔(۱) خارجیت اور ڈرامائی عناصر کے امتزاج سے لکھنؤ میں ایک منفرد شعری فضا تشکیل پانے لگی۔(۲) اسی صورتِ حال میں خارجیت' ڈرامائی عناصر اور واقعۂ کربلا کے مثلث نے صنفِ مرثیہ کا تخلیق نامہ مرتب کیا۔ برصغیر کی سرزمین کا طرزِ احساس اور اس کے تہذیبی اثرات نیز عرب کے تاریخی واقعات وعوامل انیس و دبیر کے مرثیوں میں یکجا ہوکر فن کی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگے۔ ان دونوں حضرات نے مرثیے کے تخلیقی امکانات کو وسیع کیا(۳) اور اپنے بہترین افکار کو اپنے متنوع اسالیب میں پیش کر کے ہر عہد کے شعراء کو متاثر کیا۔(۴) تا اینکہ یہ سلسلہ آج

---

(۱) صفدر حسین' سید' ڈاکٹر' مرثیہ بعد انیس' لاہور' سنگ میل پبلی کیشنز' ۱۹۷۱ء' ص ۲۳۔

(۲) عابد علی عابؔد (دیباچہ)' موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ' لاہور' مجلس ترقی ادب' س۔ن' ص ۶۔

(۳) احتشام حسین (مقدمہ)' مراثی انیس میں ڈرامائی عناصر' لکھنؤ: نسیم بکڈپو' ۱۹۵۹ء' ص ۷

(۴) شجاعت علی سندیلوی' تعارف مرثیہ' الہ آباد' ادارہ انیس اردو' ۱۹۵۹ء' ص ۴۴۔

بھی جاری ہے۔ انیس و دبیر نے برصغیر کے تہذیبی عناصر کو جس طرح اپنے مرثیوں میں محفوظ کیا تھا' اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ان کے مرثیوں کے مطالعے سے ہم آج بھی برصغیر کی اسلامی تہذیب و ثقافت کا کھوج لگا سکتے ہیں۔ (۱)

بیسویں صدی میں ہندوستانی معاشرت پر طرح طرح کے بین الاقوامی سیاسی' سماجی' مذہبی اور معاشی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ انیس و دبیر کا لکھنؤ زوال آمادہ تھا اور عظیم تہذیبی روایات دم توڑ رہی تھیں۔ تاہم بقول سیّد عاشور کاظمی :

"—

"۱۸۵۷ء کے بعد اودھ کی تہذیب کو مٹانے کی کوششوں کے باوجود لکھنؤ گہوارۂ علم و ادب تھا...... میر انیس کا شہر لکھنؤ رثائی ادب کا شہر لکھنؤ' تہذیب سیادت کا شہر لکھنؤ وہ شہر جو دماغ وضع کرتا تھا۔ وہ شہر جو پتھروں کو دل بنا دیتا تھا۔ (۲)

—"

دانش مند کہتے ہیں کہ جب چراغ بجھنے لگتا ہے تو اس کی لَو تیز ہو جاتی ہے۔ کچھ یہی صورت حال لکھنؤ میں بھی تھی کہ زوال آمادگی کے باوجود یہاں متداولہ علوم و فنون ترقی کر رہے تھے اور یہاں کی چمک دمک نوواردان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس صورتِ حال میں ایک علمی و ادبی خاندان کا چشم و چراغ قیصر عباس لکھنؤ میں وارد ہوا اور ماحول اور ذہنی استعداد کے باعث کم سنی ہی میں قیصر بارہوی کے نام سے مقبول ہو گیا۔ (۳) یہی قیصر بارہوی سلطنتِ مرثیہ کے قیصر بن کر نصف صدی تک دنیائے مرثیہ پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قابل قدر شاعر کی شخصیت کا بھرپور مطالعہ کیا جائے اور اس کی شاعری کے جملہ محاسن کا احاطہ کیا جائے۔

---

(۱) سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر' معروضات' لاہور' پولیمر پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص ۳۷۔

(۲) عاشور کاظمی' سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس' ۲۰۰۶ء' ص ۲۰۰۔

(۳) قیصر بارہوی احتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۰ء' ص ۱۵۱۔

قیصر بارھوی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ ان کی پوری زندگی جد و جہد سے عبارت ہے۔ ذیل میں موصوف کی زندگی اور نمایاں ترین کارناموں کے کوائف مختصراً پیش کیے جا رہے ہیں:

❖ کوائف

• نام	سیّد قیصر عباس زیدی
• قلمی نام	(ا) قیصر لکھنوی (اولاً)
	(ب) قیصر بارھوی (ثانیاً)
• تخلص	قیصرؔ
• ولادت	(ا) ۱۹۲۷ء (تحقیق کے مطابق اصل)
	(ب) ۱۶ جنوری ۱۹۲۸ء (اسناد کے مطابق)
• مقامِ ولادت	کرنال (پنجاب۔ بھارت)
• والد	سیّد وزارت حسین زیدی (زمیندار)
• نسب	سادات زیدی
	(اولادِ حضرت زید شہیدؒ ابن امام زین العابدینؑ)

❖ تعلیم

• میٹرک	کالی چرن ہائی سکول لکھنؤ	۱۹۴۴ء
• دبیر کامل	لکھنو یونیورسٹی لکھنؤ	۱۹۴۷ء
• منشی فاضل	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۵۵ء
• ادیب فاضل	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۵۶ء
• ایف۔اے	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۵۷ء
• بی۔اے	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۶۰ء

❖ عقد

- ہمراہ خاتون زہرا (مرحومہ) بنت شفیق حسین زیدی' ۱۹۵۱ء
- ہمراہ خدیجہ بیگم بنت شمس الزمان' ۱۹۸۳ء

❖ اولاد

- پانچ بچے ہوئے جو پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گئے۔

❖ ملازمت

- محکمہ ترقیات تھل' خوشاب' پنجاب (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۹ء)
- محکمہ مال پنجاب' لاہور (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۹ء)

❖ سبکدوشی

- ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء (ایک سال کی توسیع مل گئی)
- ۱۴ راگست ۱۹۸۹ء (مکمل سبکدوشی)

❖ ابتدائے سخن

- ۱۹۴۰ء میں صنفِ غزل سے شاعری کا آغاز
- مشورہ سخن حضرت معز لکھنوی
- پہلا شعر۔

بجھ گئے ہیں مری خوشی کے چراغ
اب زمانہ جلائے غمی کے چراغ

❖ سخن زاری

- غزل (۱۰۰ سے زائد)
- مرثیہ (مختلف موضوعات پر ۵۳ مرثیے)
- مناقب (۵۰ سے زائد)

- قصائد (۵۰ سے زائد)
- سلام و نوحہ (۱۰۰ سے زائد)
- منظومات (مختلف موضوعات پر ۵۰ سے زائد)
- قطعات و رباعیات (۳۰۰ سے زائد)

❖ نثری کاوشیں

- مختلف موضوعات پر تحقیقی، تنقیدی اور تاثراتی مضامین فلیپ اور دیباچے

❖ تصانیف

(مطبوعہ)

- شبابِ فطرت (مرثیے) ۱۹۶۹ء
- معراجِ بشر (مرثیہ) ۱۹۷۵ء
- عظیم مرثیے (مرثیے) ۱۹۷۷ء
- آیاتِ آمنہؑ (مرثیہ مع تنقید) ۱۹۸۸ء مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
- منفرد مرثیے (مرثیے) ۱۹۹۰ء
- امتزاج (غزلیں) ۱۹۹۰ء مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
- منتخب مرثیے (مرثیے) ۱۹۹۱ء مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
- بارگاہ (قصائد) ۱۹۹۳ء
- مرثیہ ۱۹۹۷ء
- معتبر مرثیے (مرثیے) ۱۹۹۸ء مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
- قیصر بارہوی کے مرثیے ۲۰۰۷ء مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

(زیرِ طبع)

- ہجومِ احساس (سلام) (مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)
- باقیاتِ قیصر بارہوی (مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)

❖ ادب پروری

- سربراہ، حلقۂ شعرائے اہلبیت، پاکستان
- سرپرست، حلقۂ حمد و نعت و سلام پاکستان
- سرپرست، ادارۂ تقدیسِ قلم کراچی
- صدر، حلقۂ اہلِ قلم لاہور
- ممبر، حلقۂ ارباب ذوق لاہور

❖ خطاب

- شاعرِ حسینیتؑ (علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کا عطا کردہ)

❖ اعزازات

- قیصر بارہوی گولڈن جوبلی کا انعقاد (لاہور، ۱۹۹۰ء)
- ماہنامہ شام وسحر کا قیصر بارہوی نمبر (جون ۱۹۹۰ء)
- قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری، ڈاکٹر ہارون قادر (مقالہ ایم۔فل اُردو)
- قیصرِ اقلیمِ مرثیہ (تحقیق وتنقید)، ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

❖ اسفار

- متحدہ عرب امارات (۱۹۸۴ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۹ء)
- اسلامی جمہوریہ ایران (۱۹۸۵ء)
- بھارت (۱۹۸۹ء)
- عراق (۱۹۸۹ء)

❖ قیصر شناسی

(قیصر بارہوی کی شخصیت اور فن کے بارے میں شائع ہونے والی تحریریں)

- احمد ندیم قاسمی قیصر بارہوی کی غزل

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور، قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر آغا سہیل — قیصر بارہوی کی غزل

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر سلیم اختر — کچھ قیصر بارہوی کے بارے میں

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' فروری ۱۹۹۲ء)

- ڈاکٹر سرفراز قاضی — قیصر بارہوی ایک منفرد غزل گو

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ذوالفقار فرخ — ایک جدید غزل گو۔ قیصر بارہوی

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر اجمل نیازی — غزل اور مرثیے کا امتزاج

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر عارف ثاقب — قیصر بارہوی۔ کچھ یادیں کچھ باتیں

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر ہارون قادر — سیرالحیات' قیصر بارہوی

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- علامہ سیّد انوار ظہوری — اردو مرثیہ اور قیصر بارہوی

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر حق نواز — ایک منفرد مرثیہ نگار

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر حسن عسکری کاظمی — شاعرِ حسینیت۔ ایک مطالعہ

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر شاہین ہارون — شبابِ فطرت۔ ایک مطالعہ

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر شمیم انوار الحق — معراج بشر۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر عبدالکریم خالد — عظیم مرثیے۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- مظہر نیازی — آیاتِ آمنہ۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر عباس رضا — امتزاج۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- سیّد نقاش ہاشمی — منفرد مرثیے۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن — قیصر اقلیم مرثیہ۔قیصر بارہوی
(اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار' لاہور: اظہار سنز' ۲۰۰۴ء)

- ڈاکٹر شبیہ الحسن — قیصر بارہوی کی غزل پر مکالمہ
(امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر عاصی کرنالی — قیصر بارہوی کے بارے میں تاثرات
(عظیم مرثیے لاہور: حلقہ شعرائے اہلبیت' ۱۹۷۷ء)

- سیّد وحید الحسن ہاشمی — قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک
(مرثیہ لاہور: رضا سنز' ۱۹۹۷ء)

- ڈاکٹر طارق عزیز — قیصر بارہوی اور جدید طرزِ احساس
(آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء)

- ڈاکٹر عبیداللہ خان — قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرتِ آمنہؑ
(آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء)

- ڈاکٹر فخر الحق نوری — قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ

(آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)

- حشمت علی قیصر — قیصر بارہوی، شاعرِ انسانیت

(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور، اگست ۲۰۰۳ء)

- حسن عسکری کاظمی — منفرد مرثیے میری نظر میں

(منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ پاکستان، ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر آغا سہیل — قیصر بارہوی کی غزل کا فن

(امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن — قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری (دیباچہ)

(منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈ جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء)

- ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن — جدید مرثیہ اور قیصر بارہوی (مقدمہ)

(معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

❖ قیصر فہمی (وہ کتب جن میں قیصر بارہوی کا تذکرہ موجود ہے)

- اردو مرثیے کا سفر — سید عاشور کاظمی

(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء)

- اُردو مرثیے کی سرگزشت — ڈاکٹر اسد اریب

(لاہور: کاروانِ ادب ۱۹۸۹ء)

- تذکرۂ مرثیہ نگاران اردو — مرزا امیر علی جونپوری

(لکھنؤ: دانش محل جلد اوّل ۱۹۸۵ء)

- بیسویں صدی اور جدید مرثیہ — ڈاکٹر ہلال نقوی

(کراچی: محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء)

- اُردو مرثیہ پاکستان میں — ضمیر اختر نقوی

(کراچی: سیّد اینڈ سیّد، ۱۹۸۲ء)

- قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری — ڈاکٹر محمد ہارون قادر

(لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

- اردو مرثیہ میر انیس کے بعد — ڈاکٹر سیّد طاہر حسین کاظمی
(دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء)
- اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: اظہار سنز، ۲۰۰۴ء)
- ترجیحات — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: اظہار سنز، ۱۹۹۸ء)
- شام و سحر کی باتیں — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)
- لہو لہو کہکشاں — آغا قمر حسنین (مرتب)
(کراچی: ادارہ تقدیس قلم)
- توضیحات — ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
(لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)
- ھل من ناصر — سیّد وحید الحسن ہاشمی
(لاہور: مرثیہ نگارانِ پنجاب، ۲۰۰۰ء)
- تنقید — ڈاکٹر عارف ثاقب
(لاہور: الرزاق پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)
- نجم آفندی۔ فکر و فن — ڈاکٹر نواز حسن زیدی
(لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)
- قیصرِ اقلیمِ مرثیہ — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)

❖ رحلت • ۲۵ دسمبر ۱۹۹۶ء

❖ تدفین • قبرستان سرجانی ٹاؤن۔ کراچی

آراء

(قیصر بارہوی کے بارے میں ناقدین، دانشوروں اور اکابرین کی آراء)

◆ احمد ندیم قاسمی

''آغا حشر کاشمیری کے بارے میں کسی نے کہا تھا کہ اگر وہ ڈرامہ نویسی کی بجائے شاعری کرتے تو بڑے بڑوں کی کرسیاں خالی کرا لیتے۔ میں جناب قیصر بارہوی کے بارے میں بھی اس سے کچھ ملتی جلتی بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ مرثیہ گوئی کی بجائے صرف غزل کہتے تو کتنے ہی غزل گو حضرات کے منصب و مقام خطرے میں پڑ جاتے۔ انہوں نے اپنی بیشتر تخلیقی صلاحیتیں مرثیے پر صرف کر دیں اور اس دور میں مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی کا ایک منفرد اسلوب پیدا کیا۔ جب اہلِ ادب کی عام رائے یہ تھی کہ صنفِ مرثیہ زوال پذیر ہے۔ یوں انہوں نے اُردو شاعری کی ایک محترم صنف ''مرثیہ'' کو نئے امکانات بخشے اور اس کے آفاق کو نئی وسعتوں سے آشنا کیا، مگر خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے غزل کو سپردِ طاقِ نسیاں نہیں کیا بلکہ ساتھ ساتھ غزل بھی کہتے رہے۔''(۱)

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

''دینی نظموں میں عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ شعری حُسن، احساس اور جذبے کی ترجمانی پر زور دینے کی بجائے شعراء محض عقیدت کا سہارا لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ شاعر کا داخلی رشتہ اپنے موضوع سے کٹ جاتا ہے۔ قیصر بارہوی نے عقیدت اور احساس کو مربوط کیا ہے اور حضرت آمنہؑ کے بارے میں یہ نظم لکھ کر ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ انہوں نے مرثیے کی بندوں والی تکنیک کو اختیار کیا ہے اور اُسی لَے اور رچاؤ کو برتا ہے جس سے یہ نظم ایک ایسا تخلیقی عمل بن گئی ہے کہ قیصر بارہوی کا نام

---

(۱) احمد ندیم قاسمی ''قیصر بارہوی کی غزل'' لاہور ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۲۱

ہمیشہ زندہ رہے گا۔"(۱)

◆ سیّد وحید الحسن ہاشمی

"قیصر مرحوم اپنی مرثیہ گوئی کو کلامِ انیس کا صدقہ قرار دیتے تھے لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان کے کلام پر مرزا دبیر اور جوش ملیح آبادی کے طرز کی چھاپ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ابتدا میں انہوں نے میر انیس کا تتبع کیا لیکن جتنا وقت گزرتا گیا ان کے فکری نظام میں تشبیہات' استعارات اور صنائع و بدائع کا عمل دخل زیادہ ہوتا گیا۔ یہ درست ہے کہ مرثیہ کہنے سے قبل وہ مرثیے کا اجمالی پلاٹ تیار کرتے تھے لیکن اکثر مرثیوں میں ان کی توجہ شعریت پر مرکوز ہو جاتی تھی اور پھر اسی بہاؤ میں وہ بند کے بند کہہ جاتے تھے جس سے مرثیے میں شعری حسن بھی پیدا ہوتا تھا اور طوالت بھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ شعر سے پیکر تراشی کرتے تھے۔"(۲)

◆ ڈاکٹر آغا سہیل

"شاعرِ حسینیت حضرت قیصر بارہوی اُردو کی صنفِ مرثیہ کی جدید نہج کے مستند شاعر ہیں۔ مرثیے کے علاوہ موصوف نے دیگر اصناف میں بھی گرانقدر اضافے کئے ہیں' جن میں قصیدہ' سلام' رباعی اور غزل وغیرہ کے اصناف خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے اُردو نظم کے مزاج میں ایک نئے آہنگ کا اضافہ کیا ہے اور بقول میر

ع ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے" (۳)

◆ ڈاکٹر سلیم اختر

"جہاں تک مرثیے کے فن کا تعلق ہے تو قیصر بارہوی نے مسدس کا انداز اپنایا ہے اور اُن کے بیشتر اہم مراثی مسدس ہی میں ہیں۔ اب مسدس کی صورت یہ ہے کہ

---

(۱) وحید قریشی' ڈاکٹر "آیاتِ آمنہ" لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص فلیپ

(۲) وحید الحسن ہاشمی "قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک" لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء' ص ۴

(۳) آغا سہیل' ڈاکٹر' فلیپ بارگاہ' لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۳ء

ماتمِ حسینؑ کا ہو یا قوم کا، مسدّس ان سب کیلئے مخصوص ہو چکی ہے۔ جس اندازِ سُخن کو انیس، دبیر، حالی اور اقبال جیسے شعرا نے یوں استعمال کیا ہو کہ اِس میں مزید تخلیقی امکانات کو تقریباً معدوم کر دیا ہو تو متاخرین کیلئے اس میں تخلیقی جوہر دکھانا خاصا مشکل کام ثابت ہو سکتا ہے۔ قیصر بارہوی نے بھی اظہارِ عقیدت کیلئے مسدّس ہی کو اپنایا اور اسی بے حد آزمائے گئے اندازِ سُخن میں فنّی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے حُسنِ ادا اور حُسنِ معنی کی مساوات برقرار رکھی۔'' (۱)

◆ ڈاکٹر عاصی کرنالی

''قیصر بارہوی کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ آج کے انسانوں کے آلام و مصائب' شکست و ریخت' کرب و ابتلا کا حل اپنے مرثیوں میں پیش کرتے ہیں۔ وہ عصرِ حاضر کے ایک ایک آشوب کو کریدتے ہیں۔ ایک ایک دکھ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ عہدِ نو کی گمراہی' کج روی' منفی اقدار سے وابستگی' دین و اخلاق سے بیگانہ وشی کو پوست کندہ کرتے ہیں اور اس دور کے انسان کے امراض کی چارہ جوئی کرتے ہیں۔ وہ آج کے پراگندہ اور برگشتہ ذہن کو اس روشنی کی جھلک دکھانا چاہتے ہیں جو چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود خاکِ کربلا سے آج بھی ضَو ریز ہے۔ قیصر صاحب اخلاقی کج روی کے اس عہد بلا میں سعادت و ہدایت کے ان چراغوں کی طرف عنانِ نظر موڑ دینا چاہتے ہیں جو اپنی روشنی کے لمحہ اولیں سے لے کر صرصرِ ایام کی تندی کے باوجود آج تک فروزاں ہیں۔'' (۲)

◆ پروفیسر سجاد رضوی

''جدید اُردو مرثیے میں حضرت قیصر بارہوی کا نام ایک منفرد انداز اور مخصوص آواز کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات دوسرے مرثیہ گو حضرات کے

---

(۱) سلیم اختر، ڈاکٹر، کچھ قیصر بارہوی کے بارے میں، لاہور، ماہنامہ 'شام و سحر' فروری ۱۹۹۲ء

(۲) عاصی کرنالی' ڈاکٹر عظیم مرثیے لاہور: حلقہ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء، ص ۹

مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ جدید مرثیے میں ایک خصوصیت اُسے دیگر مراثی سے بالکل ممتاز کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں ایک مخصوص موضوع سامنے رکھ کر مرثیے کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں۔ جناب قیصؔر بارہوی کا زیرِ نظر مرثیہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ گرامی کے بارے میں (جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے) آج تک کسی نے مستقل طور پر کوئی مرثیہ نہیں لکھا' البتہ بعض نظمیں ضرور موجود ہیں جن میں جنابِ آمنہ سلام اللہ علیہا کا ذکر ہے۔ موجودہ مرثیے میں موضوع ہی ان کی ذاتِ گرامی ہے اور اس لحاظ سے اُردو کے رثائی ادب میں ایک مثبت اور گرانقدر اضافہ ہے۔''(۱)

◆ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی

''۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک انیؔس اور نسیمؔ کے اسالیب کی آمیزش سے قیصؔر بارہوی نے اپنے اسلوبِ سخن کے لئے ایک نیا رنگ تیار کیا ہے لیکن اس میں کہیں کہیں رنگِ دبیؔر کے چھینٹے بھی ہیں لیکن اس کے بعد کی شاعری یعنی ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک کا کلام دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ دبیر اور جوش کے اسالیب کی آمیزش سے قیصؔر بارہوی ایک نیا رنگِ سُخن پیدا کر رہے ہیں۔ قدرتِ بیان' دلآویز تراکیب' استعارات کا حُسنِ استعمال' تازگیٔ خیال میں ذیکارانہ دروبست وغیرہ جو مرزا دبیؔر اور جوؔش ملیح آبادی کے کلام میں ہے اس کو اپنے منفرد انداز کے ساتھ قیصر بارہوی نے اپنے کلام میں یکجا کر کے پیش کیا ہے۔''(۲)

◆ ڈاکٹر عبیداللہ خان

''قیصؔر صاحب کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں اس کے لئے پہلے ایک دعویٰ قائم کرتے ہیں' پھر اس کی دلیل لاکر اپنے دعوے کو مستحکم کرتے ہیں۔

---

(۱) سجاد رضوی' پروفیسر آیاتِ آمنہؑ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء ص فلیپ

(۲) مسعود رضا خاکی' ڈاکٹر (مقدمہ) مرثیہ: معراجِ بشر لاہور: امداد اکیڈمی ۱۹۷۵ء ص ۳۶

دوسرے منطق کی زبان میں یوں کہہ لیجئے کہ وہ پہلے صغریٰ کبریٰ قائم کرتے ہیں پھر اس سے نتیجہ نکال کر بات کو یقینی، پُر تاثیر اور صداقت سے بھرپور بنا دیتے ہیں۔

مرثیہ نگار کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہے۔ ہر طرح کے الفاظ ان کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ وہ ان کے استعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔ الفاظ کو خوبصورتی اور صناعی سے استعمال کرنے کا وہ گُر جانتے ہیں اور یہ نعمت ان کے پاس خداداد ہے۔ پھر اس میں وہ احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کی ایک تہذیبی سطح ہے جس سے وہ نیچے نہیں اترتے۔ دشمن کے لئے بھی وہ دشنام طرازی کا انداز اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ ایسے مقام پر سنتِ حسینی پر عمل پیرا نظر آتے ہیں اور وضعداری و ملائمت سے کام لے کر اپنی بات کرتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے الفاظ کے انتخاب میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ تراکیب سے اپنے شعری سرمایہ کی محفل آراستہ کرتے ہیں۔ اس حسنِ انتظام کی وجہ سے اس مرثیہ میں سلاست و روانی اور غنائیت پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اس نغمگی کی کیفیت اور روانی میں وہ کوئی چیز حائل نہیں ہونے دیتے۔"(۱)

◆ پروفیسر سجاد حارث

"مرثیہ گوئی' بالخصوص جدید مرثیہ گوئی کی صنف دیگر اصنافِ سخن سے اس لئے امتیازی حیثیت کی حامل نظر آتی ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کا اجتماعی لاشعور عصری شعور سے فعال سطحوں پر ہم آہنگ اور ہم مرکز ہو جاتا ہے۔ جدید مرثیے کی ہمہ گیری اور وسعتِ خیال ہی جوش ملیح آبادی کے فکر و فن کا مابہ الامتیاز پہلو تھا' جس نے اُردو میں مرثیہ نگاری کی ایک نئی اور توانا روایت کو جنم دیا اور مرثیہ نگاری کو روحِ عصر میں جذب کر کے زندگی اور عصری حقیقتوں سے قریب تر کر دیا تھا۔ حضرت آمنہ پر قیصر

---

(۱) عبیداللہ خان' ڈاکٹر "قیصر بارہوی کا مرثیہ آیاتِ آمنہ" لاہور سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء ص ۵۳

بارہوی کا یہ مرثیہ قدیم وجدید اسلوبِ فکر کی ایک دلکش اور موثر مثال ہے۔ تاریخی اور علمی لحاظ سے اس مرثیے میں چند ایسی باتوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے جن کو ہم بہ آسانی جدّتِ خیال اور انشراحِ حقیقت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بعض مقامات پر جوش کی پیروی کرتے ہوئے عالم اسلام کے خلاف یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں کا وہ نہایت دردمندی سے ذکر کرتے ہیں۔ صیہونی اور مغرب کی استعماری قوتوں نے عالمی سطح پر جس طرح مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا ہے' عصرِ حاضر کی تاریخ کے یہ نہایت دردناک اور خونچکاں باب ہیں۔ روایت اور تاریخ کے حرکی زاویۂ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھنا دشوار نہ ہوگی کہ دنیا میں آج بھی معرکۂ کربلا جاری ہے۔ خیر وشر کی قوتوں کے مابین گھمسان کا رَن پڑ رہا ہے۔ ظالموں' غاصبوں اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد ہو رہی ہے۔ قیصؔر بارہوی کا یہ مرثیہ اُردو کے دیگر مراثی کی طرح' حق وانصاف اور روحانی اقدار میں انسانی یقین کو مستحکم اور معتبر بناتا ہے۔'' (۱)

- ## سیّد انوار ظہوری

''جب ہم جناب قیصؔر بارہوی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو وہ اسی میدان کے مردِ نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں...... قیصؔر بارہوی ان چند گنے چنے حساس طبقے کے شعراء میں شامل ہیں جنہیں مطالعہ و ماحول نے ان موضوعات سے فطری مناسبت کا ذائقہ مہیا کیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تمام زندگی مرثیہ گوئی کے لئے مختص ہوگئی اور یہی صنف ان کی فنی شناخت قرار پائی۔ یہ خصوصیت قیصؔر بارہوی کو حبِ حسینؑ کے متوالے شعرا میں ان سب سے بہت آگے لے آئی' جن کی شعری تخلیقات میں دیگر اصنافِ سخن کے علاوہ مرثیہ گوئی بھی شامل ہے یعنی دوسروں نے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور مرثیہ گوئی کو بھی اپنایا' لیکن قیصؔر بارہوی ان چند

---

(۱) سجاد حارث' پروفیسر آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء ص فلیپ

خوش نصیب شعراء میں سرِ فہرست ہیں جو ہمارے دور میں صرف مرثیہ گوئی کو ہی اپنا ذریعۂ اظہار بنائے اعلیٰ فنی قدروں کے پاسدار نظر آتے ہیں۔''(۱)

◆ عاشور کاظمی

''قیصر بارہوی نے مرثیہ خوانی اور ترویجِ مرثیہ میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو ابدی نہیں تو ابد نما ضرور ہیں۔ اُنہوں نے مرثیے میں ایک ایسا لحن اختیار کیا ہے جو قدیم و جدید کے درمیان ایک پُل کی طرح ہے۔ جدید دور کے مرثیہ نگار ہوتے ہوئے انہوں نے قدیم اسلوب کو ترک نہیں کیا۔ میر انیس ان کی روح میں سما گئے تھے۔ خود کہتے ہیں ۔

شہرہ ہے آج آپ کی طبعِ نفیس کا
یا مل رہا ہے فکر کو صدقہ انیس کا

انہوں نے بعض ایسے موضوعات کو مرثیے کے قالب میں ڈھالا ہے جو روایات رائج سے باہر کی چیزیں ہیں۔''(۲)

◆ ڈاکٹر اسد اریب

''قیصر بارہوی نے بھی اپنا رُخ متعین کر لیا ہے۔ وہ اب صحیح سمت جا رہے ہیں۔ اگر انہوں نے مرثیہ خوانی کو اپنا فن نہ سمجھ لیا ہوتا تو وہ اب تک مرثیہ نگاری کے میدان میں اپنے معاصر مرثیہ گویوں سے کہیں آگے نکل چکے ہوتے اور ان کی شعری فطرت پر کبھی کا شباب آ گیا ہوتا۔''(۳)

◆ پروفیسر حسن عسکری کاظمی

''قیصر بارہوی کلاسیکل مرثیے کی جزئیات سے پہلو بچا کر اسلوبِ خاص سے کام

---

(۱) انوار ظہوری، سید اردو مرثیہ گوئی اور قیصر بارہوی لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۵۳

(۲) عاشور کاظمی، سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء ص ۶۰۰

(۳) اسد اریب، ڈاکٹر اردو مرثیے کی سرگزشت لاہور: کاروانِ ادب ص ۱۴۱

لینے کا ہنر اختیار کرتے ہیں، وہ اس مرحلے میں گھوڑے اور تلوار کی تعریف سے کام لینا اسلاف کا ایسا کارنامہ تصور کرتے ہیں کہ اب اس میں کسی اضافے یا ترمیم کی چنداں حاجت نہیں، اس لئے وہ ایجاز و اختصار کا ایسا قرینہ اپنا لیتے ہیں کہ آج کا قاری اپنی مصروف زندگی سے اتنا وقت ضرور نکال سکتا ہے کہ وہ مرثیے کے انجام تک پہنچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرحلے میں آج کا مرثیہ نگار محتاط رویہ اختیار کرتا ہے کہ تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ منظر پر مکمل گرفت رہے اور جو بات کہی جائے وہ کسی صورت حقائق کے منافی نہ ہو اور پڑھنے یا سُننے والا منظر کی جزئیات کو ذہن رسا اور چشم تصوّر کے ملاپ سے دیکھتا چلا جائے۔" (۱)

◆ ڈاکٹر مظفر عباس

"قیصر بارہوی اردو کے رثائی ادب میں روایتِ انیس کے امین ہیں۔ روایت انیس اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے۔ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی۔ قیصر بارہوی نے ان دونوں پہلوؤں کو ہمارے دور میں زندہ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور اس میں وہ یقیناً کامیاب رہے ہیں انہوں نے روحِ عصر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں مرثیہ نگاری کی روایت میں جدّت کی راہیں نکالیں وہاں مرثیہ خوانی کی روایت کو بھی جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق زندہ رکھا۔ اسی لیے وہ ہمارے دور کے مرثیہ نگاروں کی صفِ اوّل میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔" (۲)

◆ علامہ ضمیر اختر نقوی

"قیصر بارہوی کی مرثیہ خوانی کا انداز منفرد ہے۔ انہوں نے سوز اور تحت اللفظ کے درمیان ایک نیا لحن اختیار کیا ہے اور یہ لحن انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیصر بارہوی پاکستان کے وہ واحد مرثیہ نگار ہیں جن کی مقبولیت پاکستان کے تمام شہروں

---

(۱) حسن عسکری کاظمی، پروفیسر منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت ۱۹۹۰ء، ص ۱۲

(۲) مظفر عباس، ڈاکٹر معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص فلیپ

میں ہے اور ہر سال وہ مجالس میں لاہور سے کوئٹہ' پشاور' ملتان' راولپنڈی اور کراچی بلائے جاتے ہیں۔ پنجاب میں مرثیہ کو مقبول بنانے میں جو کوشش قیصؔر بارہوی نے کی ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ قیصر بارہوی زود گو شاعر ہیں۔ انہوں نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن خصوصیت سے مرثیہ نگاری میں انہوں نے اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔ اُن کے مرثیوں کو بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میر انیسؔ سے بے حد متاثر ہیں۔ وہ جدید مرثیہ نگار ہیں لیکن قدیم اسلوبِ بیان کی جھلکیاں بھی مرثیوں میں موجود ہیں۔''(۱)

◆ ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی

''قیصؔر بارہوی کی شاعری زندہ اور غزل زندگی سے بھرپور غزل ہے۔ ان کی غزل ذاتی جذبوں سے متحرک اور دوسرے انسانوں کے جذبوں کو قیام سے روکنے والی غزل بن جاتی ہے۔ وہ معاشرے کی بے جنبشی میں حرکت کے لئے جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے سماج اور معاشرے کو فعال بنانے والا غزل گو اپنی ذات سے اور اس ذات کی ہیجانی کیفیات سے منکر نہیں ہوسکتا۔

ساری دنیا کو شعورِ آگہی مل جائے گا
جامِ جم کو چھوڑ کر اپنا گریباں دیکھئے'' (۲)

◆ ڈاکٹر ھلال نقوی

''سندھ' سرحد' پنجاب اور بلوچستان کے دُور دراز علاقوں' بستیوں اور دیہاتوں میں جہاں لوگ شعر و ادب کی اعلیٰ اقدار سے واقف نہیں ہیں وہاں قیصؔر صاحب نے لحن میں مرثیہ پڑھ کر عام لوگوں کو مرثیے سے جو محبت اور لگاؤ پیدا کیا ہے اور اس فن کے

---

(۱) ضمیر اختر نقوی' اردو مرثیہ پاکستان میں کراچی: سید اینڈ سید ۱۹۸۲ء ص ۳۶۲

(۲) سرفراز حسین قاضی' ڈاکٹر ''قیصر بارہوی ایک منفرد غزل گو'' لاہور: ماہنامہ ''شام و سحر'' جون ۱۹۹۰ء، ص ۲۶

لئے اُن میں جو کشش بیدار کی وہ مرثیے کے ذیل میں اُن کی خدمات کا ناقابلِ فراموش سرمایہ ہے۔‘‘(۱)

◆ ڈاکٹر میمونہ انصاری

’’نورِ مصطفیؐ کو عالمِ بالا سے دنیائے آب وگل میں ظہور کے لئے جس ایوانِ تجلی کو منتخب کیا گیا‘ اس کا نامِ نامی آغوشِ آمنہؑ تھا۔ اللہ اللہ اس کی عظمت‘ اسکی حرمت‘ اس کی سطوت‘ اس کے تقدس‘ اس کے تفاخر کے مدارج کیا ہوں گے جس پر رحمتہ للعالمینؐ جلوہ فگن ہوئے ہوں گے۔ افلاک کی بلندیوں نے جھک جھک کر اس آستانۂ نور پر جبینِ نیاز خم کی ہو گی۔ قدسیوں نے اپنے پروں سے اس پر سایہ کیا ہو گا۔ صدفِ آمنہؑ میں دُرِ یتیم نے پرورش حاصل کی۔ یہ آمنہؑ آدمِ خاکی کی معراج‘ عفیفۂ دوراں صاحب خلق مسند نشین جاہ جلالت اور حشم‘ فخرِ عرب‘ مخدومۂ جہاں‘ اللہ اللہ یہ دامنِ حیا‘ سجدہ گہِ قدسیاں تھا۔ سرورِ دو عالمؐ نے جس انگلی کو پکڑ کر صراطِ مستقیم پر پہلا قدم رکھا‘ پوری کرۂ ارض کی حرکت اس انگلی کے اشارے کی منتظر تھی۔ یہ رشکِ حاجرہؑ‘ فخرِ مریمؑ وآسیہؑ جنابِ قیصر بارہوی کے اس مرثیے کا قابلِ توجہ عنوان ہے۔ نیا عنوان۔ نیا خیال۔‘‘(۲)

◆ ڈاکٹر اجمل نیازی

’’قیصر بارہوی صاحب نے مرثیے کے علاوہ غزل بھی لکھی ہے مگر یہاں بھی ان کا رشتہ الگ نہیں ہوا۔ غزل مشرق کا نوحہ ہے بلکہ مشرق کا مرثیہ ہے۔ ہماری اُردو غزل میں دُکھوں کا بیان اس قدر پُر تاثیر ہے کہ دنیا کی کوئی شاعری اس کے مقابلے میں نہیں رکھی جا سکتی۔ غزل صرف اور صرف مشرق کی میراث و متاع ہے۔ قیصر بارہوی نے مرثیہ لکھتے ہوئے ملال میں جلال کو شامل کیا اور غزل کہتے ہوئے ملال

---

(۱) ہلال نقوی‘ ڈاکٹر بیسویں صدی اور جدید مرثیہ کراچی: محمدی ٹرسٹ‘ ۱۹۹۴ء ص ۶۸۶

(۲) میمونہ انصاری‘ ڈاکٹر آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء ص فلیپ

میں جلال کو ملا لیا۔ مرثیے میں انسان کے ایثار و قربانی کے کمال کی کہانی کہی اور غزل میں انسان کے تہذیبی اور سماجی زوال کی بات کی۔ قیصر بارہوی نے غزل اور مرثیے کو ترلا ملا دیا ہے۔ وہ بیک وقت ہمارے کمال اور زوال کا ترجمان بنے ہوئے ہیں اور یہ ہنر آسانی سے نہیں آتا۔''(۱)

◆ مرزا امیر علی جونپوری

''قیصر بارہوی نے پاکستان میں مرثیہ نگاری میں بہت نام پیدا کیا۔ ان کی مرثیہ خوانی کا انداز بھی بالکل الگ ہے۔ انہوں نے سوز اور تحت اللفظ کے درمیان ایک نیا لحن اختیار کیا ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی منفرد طرز خواندگی کی وجہ سے پاکستان کے ہر شہر میں بہت مقبول ہیں۔ ان کے مرثیوں کی خصوصیت تصویر کشی' منظر نگاری' ماحول' فضا' حالات اور انسانی جذبوں کی سچی عکاسی ہے۔''(۲)

مرزا امیر علی جونپوری تذکرۂ مرثیہ نگاران اُردو (جلد اول) لکھنؤ دانش محل ۱۹۸۵، ص ۴۰۳

◆ پروفیسر حق نواز

''قیصر بارہوی کے مرثیوں کی بڑی خوبی ان کی تمہیدیں ہیں۔ وہ جس فنی مہارت سے مرثیہ کی تمہید کو مرثیہ کے ممدوح کے ساتھ پیوست کرتے ہیں' وہ قابلِ تعریف ہے۔ ان کی یہ تمہید ان کے احساسِ جمال کی ترجمان ہیں۔ وہ ان تمہیدوں سے آج کے قاری کو اس دور میں لے جاتے ہیں جہاں پہنچنے کی ہر ایک خواہش کرتا ہے اور وہ دور ہے جب

آدمؑ کا حُسن رکھتی ہے شبیرؑ کی جبیں''(۲)

◆ ڈاکٹر سیّد طاہر حسین کاظمی

''قیصر کے مراثی میں زبان کی سادگی' لطافت اور شیرینی کے ساتھ شعور کی گہرائی

---

(۱) اجمل نیازی' ڈاکٹر ''غزل اور مرثیے کا امتزاج'' لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' ۱۹۹۰ء ص ۳۱

(۲) حق نواز' پروفیسر ''ایک منفرد مرثیہ نگار'' لاہور: ماہنامہ ''شام و سحر'' ۱۹۹۰ء ص ۶۴

موجود ہے۔ مصائب کے بیان میں بھی زود گوئی سے کام لیا ہے۔ جس سے سوز و الم اور یاس و حسرت کا ماحول پیدا ہوا ہے۔ ان کا شمار پاکستان کے نمائندہ مرثیہ گو شعراء میں ہوتا ہے۔"(۱)

◆ ڈاکٹر طارق عزیز

"واقعۂ کربلا ہمیں انقلابی فکر عطا کرتا ہے اور ان استحصالی قوتوں سے کسی بھی حال میں سمجھوتہ نہ کرنے کا درس دیتا ہے جو ہم سے ہمارا دینی، فکری، اخلاقی اور سیاسی تشخص چھین لینا چاہتی ہیں۔ قیصر بارہوی کے ہاں اس تشخص کو سنبھالنے کی شدید آرزو پائی جاتی ہے اور یہی آرزو ان کے مراثی کا تشخص بھی ہے۔"(۲)

◆ ڈاکٹر عبدالکریم خالد

"یوں تو اُردو مرثیے کے حوالے سے بے شمار نام ایسے ہیں جنہوں نے انیسؔ و دبیرؔ کے بعد بھی مرثیے کے علم کو جھکنے نہیں دیا بلکہ اپنی محنت اور جگر کاوی سے اسے سربلند ہی رکھا ہے، لیکن ایسے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، جن کی پہچان اور شناخت ہی مرثیہ گوئی ہے۔ اس بحر کی شناوری میں انہوں نے اپنی ساری عمر گزار دی اور یوں اس صنفِ سخن کے زندہ رکھنے میں لفظوں کے چراغ بھی جلائے اور آنکھوں سے جوئے خوں بہانے کے وافر سامان بھی پیدا کیے۔ ان مرثیہ گو شاعروں میں قیصرؔ بارہوی ایک انتہائی اہم نام ہے۔ قیصرؔ بارہوی کے بارے میں اگر میں یہ کہوں کہ وہ انیسؔ و دبیرؔ کے بعد مرثیے کے سفرِ تازہ کے عظیم رہ نورد بلکہ رہنما ہیں تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔"(۳)

---

(۱) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، اُردو مرثیہ میر انیس کے بعد، دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۷۸

(۲) طارق عزیز، ڈاکٹر "قیصر بارہوی اور جدید طرزِ احساس" آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ص ۶۱

(۳) عبدالکریم خالد، ڈاکٹر "عظیم مرثیے۔ ایک مطالعہ" (تبصرہ) لاہور ماہنامہ "شام و سحر" جون ۱۹۹۰ء، ص ۹۷

♦ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری

''قیصر بارہوی کا نام فنِ مرثیہ نگاری میں اعتبار کا حامل ہے۔ ''مرثیۂ آمنہؑ'' میں بھی ان کا فن مختلف صورتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ قریب قریب پورا مرثیہ رواں دواں اور چست مصرعوں پر مشتمل ہے۔ ترکیب سازی، صنعت گری، تشبیہ و استعارہ کے استعمال، دیگر فنی لوازم کے التزام اور لفظی مناسبات کے اہتمام میں ہنر مندی کا ثبوت دیا گیا ہے لہٰذا کہیں بھی تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔ قیصر بارہوی عام طور پر شعریت پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہیں کہیں تو ان کے اشعار دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے ہیں۔''(۱)

♦ ذوالفقار فرخ

''قیصر بارہوی کی غزل کی شاعری کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دو تہذیبوں، دو آوازوں اور دو مزاجوں کے سنگم پر پیدا ہوئی ہے۔ اس کی پرورش غزل کے اس مزاج میں ہوتی ہے، جو تقسیم سے پہلے کا ہے۔ ترقی پسند تحریک نے روایتی شاعری اور شاعری کے گھسے پٹے موضوعات میں جو ایک دھماکہ کیا تھا، قیصر بارہوی کے کان میں اس کی دھمک اب تک ہے۔ اس دھماکے سے زندگی کی ہری بھری فصل کو لگنے والا کیڑا تو ضرور تباہ ہوا مگر خود وہ فصل بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اس کا احساس قیصر بارہوی کو بھی ہے، مگر وہ اس مضر کیڑے کی تخریب کاریوں کو تباہ کرنے پر پورے خلوص سے مصروف ہیں۔''(۲)

♦ ڈاکٹر نواز حسن زیدی

''قیصر بارہوی عزائی ادب کے حوالے سے لاہور کی نمایاں ادبی شخصیات میں شمار

---

(۱) محمد فخر الحق نوری، ڈاکٹر ''قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ (مضمون) آیاتِ آمنہؑ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ص ۷۰

(۲) ذوالفقار فرخ ''ایک جدید غزل گو'' لاہور: ماہنامہ ''شام و سحر'' ۱۹۹۰ء ص ۳۳

ہوتے تھے۔''(۱)

◆ ڈاکٹر ہارون قادر

''قیصر بارہوی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل نہیں ہوئے بلکہ برابر سے' بالکل ایک جیسے قد کے ساتھ قاری سے تعلقات استوار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہنا درست ہے کہ وہ اپنے قاری یا سامع کے سینے سے لگ کر اپنے دل کی دھڑکنوں کو اس کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ قیصر بارہوی کے پرجوش خطیبانہ لہجے کے باوجود اس لہجے میں برگِ گل کی نزاکت' شاخِ گل کی لچک اور قطرۂ شبنم کی نرمی موجود ہوتی ہے۔ ان کا یہ بنیادی نفسیاتی عمل' یعنی قاری کے جذبے سے شناسائی اور اس سے برابر کا روّیہ برتنے کی ادا اور اس کی شخصیت کا عرفان قیصر بارہوی کے نہایت موثر آلاتِ حربیہ ہیں' جن سے وہ اپنے سننے اور پڑھنے والوں کو فتح کر لیتے ہیں۔''(۲)

◆ ڈاکٹر عارف ثاقب

''امتزاج'' کی غزلیں کلاسیکیت اور جدیدیت کا حسین امتزاج ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیصر بارہوی نے کلاسیکی غزل گو شعراء کا گہرا مطالعہ کیا اور اردو غزل کے مختلف لہجوں' رنگوں اور مختلف اسالیب کے امتزاج سے اردو غزل کو ایک نئے انداز سے ہمکنار کیا۔ ہر غزل میں فکر اور اسلوب کے اعتبار سے ایک متنوع کیفیت ملتی ہے۔ کلاسیکی غزل سے اثر پذیری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی غزل مختلف لہجوں کا ایک ملغوبہ بن کر رہ گئی ہو' بلکہ دراصل انہوں نے کلاسیکی غزل کے بوقلموں رنگوں کو اپنی شخصیت کے رنگ کے ساتھ ہم آہنگ کر کے کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ مختلف شعراء سے فیض یابی کے باوجود' ان کا ایک انفرادی لہجہ وجود میں آیا۔ ''امتزاج''

---

(۱) نوازحسن زیدی' ڈاکٹر نجم آفندی۔ فکروفن لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۰ء' ص ۵۸

(۲) ہارون قادر' ڈاکٹر قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری' لاہور :الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۰۴

کی غزلوں میں کلاسیکی روایت سے اکتساب اور رچی ہوئی شعری روایت کے ساتھ ساتھ قیصر بارہوی صاحب کی اپنی شخصیت اور جدید لب و لہجے کی چھاپ بھی بڑی نمایاں ہے۔" (۱)

◆ ڈاکٹر عباس رضا

"قیصر بارہوی کا شعری کینوس نہایت وسیع ہے۔ ان کی غزلوں میں جہاں ایک جانب کلاسیکی رنگ و آہنگ جھلکتا ہے وہاں دوسری جانب وہ اپنی جدّت طبع کی فطری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے فکری و معنوی سطح پر جہانِ نو کی تخلیق کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ یوں ان کی شاعری میں جدّت اور کلاسیکیت کا ایک حسین امتزاج جنم لیتا ہے، جو انہیں ہماری شعری روایت سے بھی پیوستہ رکھتا ہے اور نئے زمانے کے امکانات سے بھی مالا مال کر دیتا ہے۔

بجھا کے فکر کی ظلمت نواز قندیلیں
مثالِ چشمۂ خورشید پھیل جاتا ہوں" (۲)

◆ مظہر نیازی

"آیاتِ آمنہ" کی علمی و ادبی منزلت خواہ کچھ بھی ہو، اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ حضرت قیصر بارہوی نے نہایت خوش عقیدتی سے اپنے خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر، یہ کارنامہ سرانجام دے کر اہلِ حق و انصاف طبقہ سے بے پناہ داد و تحسین سمیٹنے کا اہتمام کیا ہے اور نہایت عجز و انکساری سے اپنی عقیدتوں کے نو شگفتہ پھول قارئین کی جھولیوں میں ڈال کر اپنی روحانی تسکین کا سدا بہار گلشن لٹایا ہے۔ قیصر بارہوی کا یہ شاہکار مرثیہ دل و دماغ اور قلب و روح کو تا ابد تازگی دیتا رہے گا۔" (۳)

---

(۱) عارف ثاقب، ڈاکٹر تنقید لاہور: الرزاق پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء ص ۱۲۷

(۲) عباس رضا، ڈاکٹر "امتزاج۔ایک مطالعہ" لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۰۱

(۳) مظہر نیازی "آیاتِ آمنہ ایک مطالعہ" لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۰۰

◆ پروفیسر شاہین ہارون

"لکھنو کی مہذب فضا میں قیصؔر بارہوی نے مرثیہ کہا اور خوب شہرت حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان تشریف لے آئے۔ پاکستان میں یوں تو بے شمار مرثیہ نگار طبع آزمائی کرتے رہے ہیں تاہم بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مرزا دبیؔر اور خاندانِ انیؔس کے بعد صرف ایسی دو شخصیتیں نمایاں ترین حیثیت میں سامنے آئیں، جن کی زندگیوں کا بیشتر حصہ مرثیے نگاری کے لئے وقف ہو گیا۔ پہلی شخصیت نجم آفندی کی ہے جو جدید دور کے نامور ترین مرثیہ نگار قرار پائے۔ دوسری حیثیت قیصؔر بارہوی کی ہے جو پاکستان میں مرثیہ نگاری کے لئے نہ صرف ذاتی طور پر کوشاں رہے بلکہ اس صنفِ شعر کی خاطر تحریکی دائرے بھی وسیع کرتے چلے گئے اور دیگر شعرا کو اس صنف میں طبع آزمائی کے لئے آمادہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔" (۱)

◆ پروفیسر شمیم انوار الحق

"قیصؔر بارہوی نے بڑی کثرت سے متواتر مرثیے تصنیف کئے ہیں اور ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ روایتی ڈگر سے ہٹ کر اپنی مرثیہ نگاری کے لئے جدید جولان گاہیں پیدا کی ہیں۔ موصوف نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ مرثیہ نگاری کے لئے وقف کر دیا جبکہ دیگر شعراء نے مرثیہ نگاری سے ہٹ کر دوسری شعری اصناف میں بھی اپنی تخلیقات کی طرف توجہ دی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں مرثیہ نگاری کو ایک باضابطہ تحریک بنانے والے شاعر ہمارے دور میں صرف قیصؔر بارہوی ہیں۔" (۲)

---

(۱) شاہین ہارون، پروفیسر "شبابِ فطرت۔ ایک مطالعہ" لاہور : ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۹۳

(۲) شمیم انوار الحق، پروفیسر "معراجِ بشر ایک مطالعہ" لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۹۵

◆ نقاش ہاشمی

’’قیصؔر صاحب کے تمام مرثیوں کو پڑھ جایئے‘ ایک بات آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ قیصؔر صاحب ’’ادب برائے مقصدیت‘‘ کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں حضرت امام حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں۔ یہ تحریک خیر کی تحریک ہے۔ قیصؔر صاحب نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ خیر کی تحریک کا سبق کربلا سے لیا جائے اور عصرِ حاضر میں اس کو دہرایا جائے۔ بعض جگہ وہ مایوس بھی نظر آتے ہیں‘ مگر پھر ایک نئی اُمید لے کر خیر کی تحریک کے استاد بن جاتے ہیں۔ ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے قیصر بارہوی نے پرشکوہ الفاظ کو چُنا ہے مگر یہ پرشکوہ الفاظ ’’صدا بصحرا‘‘ نہیں بلکہ ایک فکری رویّے سے منسلک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنا اثر ہوا میں تحلیل نہیں ہونے دیتے۔ قیصؔر صاحب نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انہوں نے اس راہ میں جس کو روڑا سمجھا ہے‘ اس کو ہٹانے کی کوشش کی ہے۔‘‘ (۱)

◆ حشمت علی قنبر

’’قیصؔر صاحب کے کلام میں جہاں کہیں جید شعرائے گرامی قدر کا رنگ جھلکتا ہے تو ان کا اپنا مخصوص رنگ اس میں ضم نہیں ہوتا بلکہ پوری توانائی کے ساتھ اور پوری آب و تاب کے ساتھ نکھرا نکھرا‘ سنورا سنورا دکھائی دیتا ہے۔ کلاسیکی اور جدید غزل کا امتزاج ان کے کلام کا استغراق کے ساتھ مطالعہ کرنے والے قاری کو مسحور کیے رکھتا ہے۔ شاعر بنیادی طور پر دوسرے لوگوں سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور کربلا پہ شعر کہنے والا سلام گزار یا مرثیہ نگار دیگر حسّاس شعراء سے زیادہ شدّتِ احساس کا اسیر ہوتا ہے‘ اور اُس کی قوتِ مشاہدہ بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قیصؔر بارہوی غزل کے آئینے میں معاشرتی مسائل دُکھ‘ درد‘ کرب‘ پیار‘ محبت‘ احساس‘ حق رسی‘ انسان دوستی کے مضامین سے صرفِ نظر نہیں کر پائے۔‘‘ (۲)

---

(۱) نقاش ہاشمی ’’منفرد مرثیے۔ ایک مطالعہ‘‘ لاہور: ماہنامہ ’’شام و سحر‘‘ جون ۱۹۹۰ء ص ۱۰۳

(۲) حشمت علی قنبر قیصر بارہوی شاعرِ انسانیت‘ لاہور: ماہنامہ ’’شام و سحر‘‘ اگست ۲۰۰۳ء ص ۱۴

خراجِ تحسین

(قیصر بارہوی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے شعرا کا منظوم خراج تحسین)

سیّد وحیدالحسن ہاشمی

(نظم)

ثبت ہے دہر میں دوام ترا
تا قیامت رہے گا نام ترا

جدّتوں کی بہار لایا ہے
اس نئے دور میں کلام ترا

ہے زمینِ سخن تری مملوک
اب چلے گا یہاں نظام ترا

استعاروں میں گفتگو کرنا
یہ ہے ادنیٰ سا ایک کام ترا

صرف شاعر ہی جان سکتا ہے
جس بلندی پہ ہے مقام ترا

ہوں جہاں جمع شاعرانِ جدید
وہاں آتا ہے لب پہ نام ترا

جانے کیا تجھ میں بات ہے کہ شکیبؔ
ذکر کرتا رہا مدام ترا

تو گھرا ہے غموں کی دنیا میں
غم سے چھلکا مگر نہ جام ترا

تیرا چہرہ ہے سوئے صبحِ نجف
کر سکا کچھ نہ جورِ شام ترا

مرثیے پڑھ کے کوئی دیکھے تو
ندرتِ فن میں اہتمام ترا

اہلِ دل کو دکھائی دیتا ہے
تیرے شعروں میں خلقِ عام ترا

وہ صنائع میں نو بہ نو ترکیب
وہ بدائع میں التزام ترا

شاعری تیرے گھر کی ایک کنیز
فن ہے ادنیٰ سا اک غلام ترا (۱)

---

(۱) سیّد وحید الحسن ہاشمی نظم لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۲۹

حسن عسکری کاظمی

(نظم)

اس کی تخلیق میں ہر لفظ ہے گوہر کی طرح
جوہری اور کوئی ہو گا نہ قیصؔر کی طرح

اس کی ہر نظم پہ ہے تازہ بہاروں کا گماں
ہر گلِ حرف نظر آیا گلِ تر کی طرح

نغمگی موج کی ہر شعر میں پنہاں دیکھی
بیکراں پائی ہر اک موج سمندر کی طرح

ہم سفر اس کا کوئی ہوتا تو کھلتا اس پر
اس کی تخیل ہے جبریل کے شہ پر کی طرح

مرثیہ جہدِ مسلسل ہے' جہادِ اکبر!
وہ اکیلا ہی سہی عزم ہے لشکر کی طرح

سرنگوں دیکھا درِ آلِ پیمبرؐ پہ اسے
فقر پہ ناز کیا کرتا ہے بوذرؓ کی طرح

چھوڑ دی ناقۂ دنیا کی مہار اُس نے حسنؔ
عشقِ حیدرؓ میں وہ بے مثل ہے قنبرؓ کی طرح (۱)

شاھد نقوی

(قطعہ تاریخ وفات)

تھک چکا تھا اب سکوں پائے گا آ کر خلد میں
ہو چکا آراستہ اُس کے لئے گھر خلد میں
حکمِ رب ہے بس رہے آرام سے تا روزِ حشر
۱۹۹۶ء
جسمِ قیصر اب لحد میں' روحِ قیصر خلد میں (۲)
۱۹۹۶ء

---

(۱) حسن عسکری کاظمی لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۴۰

(۲) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء

سیّد ظہور حیدر جارچوی
(قطعہ تاریخِ وفات)

کر کے طے منزلِ طویلِ سخن دے گئے ہیں نئی سبیلِ سخن
حُسنِ جنت بڑھا رہے ہیں ظہور قیصرِ بارہوی جمیلِ سخن
۱۴۱۷ھ (۱)

نیساں اکبر آبادی
(قطعہ تاریخِ وفات)

وہ جو تھے تشنۂ معرفت جانبِ حوضِ کوثر گئے
چھوڑ کر آج بزمِ عزا باغِ جنت میں قیصر گئے
۱۹۹۶ء (۲)

ظفر شارب
(نظم)

فرازِ فکر کے تختِ گراں پہ ہیں قیصر زمینِ شعر کے ہر آسماں پہ ہیں قیصر
ہر استعارے میں ایمائیت کی بندش ہے عروجِ ندرت وحسنِ بیاں پہ ہیں قیصر
وہ سنگلاخ زمینیں نچوڑ کر اُٹھے اور اب سفینۂ بحرِ رواں پہ ہیں قیصر
وہ مرثیوں کی فضاؤں میں لحنِ داؤدی نگاہ مردم پیر و جواں پہ ہیں قیصر
وقارِ مجلس و منبر سراپا ماتم ہیں ہر اک نظر نگراں ہے کہاں پہ ہیں قیصر
میں اس کو تابِ تصور کہوں کہ نورِ نظر علم کے سائے میں اِک اِک نشاں پہ ہیں قیصر
ہر ایک قافیہ پیما کے لب پہ ہے شارب گزر نہیں ہے کسی کی جہاں پہ ہیں قیصر (۳)

---

(۱) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء (۲) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء
(۳) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء

ظہور حیدر جارچوی

(نظم)

کس رہنما کے سوگ میں منزل اُداس ہے
کس ناخدا کے یاد میں ساحل اُداس ہے

کس باوفا کے ہجر میں خوش دل اُداس ہے
کس دلربا فراق میں محفل اُداس ہے

خاموش کیوں ہیں مدح گزارانِ شاعری
بکھرا ہوا ہے کس لئے سامانِ شاعری

کس باغباں کے کوچ سے گلشن ملول ہے
کس فصل سے حیات کا خرمن ملول ہے

کس ذکرِ دردمند سے تن من ملول ہے
کس ابر کی کمی ہے کہ ساون ملول ہے

خوشبو مشامِ روح میں ہے کس گلاب کی
کیوں ہے سیاہ پوش کرن آفتاب کی

دیکھا نگاہِ ہوش نے جس دم اِدھر اُدھر
جو سرپرستِ بزم تھا آیا نہیں نظر

پوچھا جو نائبین سے قیصر گئے کدھر
پایا جواب سوئے جناں کر گئے سفر

لرزا بدن، سکون کے ساغر چھلک پڑے
محرومِ دید، آخری آنسو ٹپک پڑے

اک زلزلہ سا قصرِ دل و جاں میں آ گیا
غمگیں بیان گوشِ تصور نے یہ سنا

افسوس ایک اور بڑا حادثہ ہوا
گل ہو گیا چراغ وزارت حسین کا

اب ان کی نسل میں کوئی باقی نہیں رہا
خم خانہ بند ہو گیا ساقی نہیں رہا

مداحِ اہلِ بیتؑ و پیمبرؐ نہیں رہا
تختِ نگارشات پہ قیصر نہیں رہا

سرتاج اب خدیجہ کے سر پر نہیں رہا
چادر تو ہے محافظِ چادر نہیں رہا

پیغمبر خدیجہ جو خاموش ہو گیا
داماد سیدہ کا کفن پوش ہو گیا

قیصر تڑپتے رہتے تھے اولاد کے لئے
بیٹے خدا نے تین دیئے بھی تو لے لئے

اک بیٹی ایک بیٹا جو ہم زلف سے لئے
ان کے حقوق زندگی بھر خوب دے لئے

بیوہ کو اپنی کوئی نشانی نہ دے گئے
ویراں ہے بیت مصرعۂ ثانی نہ دے گئے

اے شاعرِ حسینیتؑ اے افتخارِ قوم
فولادِ شعر و شاعری تو کر گیا ہے موم

تو نے ادا کیا ہے جو فرضِ صلوٰۃ و صوم
یومِ ولائے حُجّتِ قائم ہے تیرا یوم

تو نے گزاری عمر جو مدحِ امامؑ میں
اعلیٰ مقام ہے ترا دارالسلام میں

دارالسلام میں تجھے کرتے ہیں دل سلام
پہنچائیں گے مجسمۂ آب و گل سلام

کوئی قوی کرے کہ کوئی مضمحل سلام
کرتا رہے گا تجھ کو ادب مستقل سلام

تحفے سلام کے جو تجھے بھیجے جائیں گے
وہ نیک نام اپنے بھی رتبے بڑھائیں گے

تو جو مکانِ قبر میں آباد ہو گیا
دل دوستوں کا مضطر و ناشاد ہو گیا

تو بندشِ عمل سے جو آزاد ہو گیا
خوش تجھ سے جبریلؑ کا استاد ہو گیا

مولائے کائنات کا سر پر جو ہاتھ ہے
اب تا ابد خدا کا کرم تیرے ساتھ ہے

اے شاعرِ حسینؑ ثنا خوانِ پنجتنؑ
رحمت خدا کی چوم رہی ہے ترا دہن

روئیں گے تیرے مرثیے سن کر جو مرد و زن
بخشے گا اجر تجھ کو خداوندِ ذوالمنن

احباب حق شناس بھی پہنچائیں گے ثواب
بیٹے نہیں تو مرثیے دلوائیں گے ثواب

اے لعلِ شب چراغ، چمکتا رہے گا تو
اے پھول، گلستاں میں مہکتا رہے گا تو

اے خونِ پاک، دل میں دھڑکتا رہے گا تو
اے شاعر اپنے دور میں یکتا رہے گا تو

پیدا نہ ہو گا کوئی بشر تیری نسل میں
تو مقطعٔ کلام ہے دیوانِ عقل میں

رنگیں بیاں، کلیمِ ادب ساز، بارہوی
اونچی تھی اس قدر تری پرواز بارہوی

ضرب المثل ہے اب ترا انداز بارہوی
گونجے گی ہر جگہ تری آواز بارہوی

محفوظ ادائے شعر کی تصدیق رہ گئی
تو تو نہیں رہا، تری تخلیق رہ گئی

زیدیِ واسطی تھے بزرگانِ ماہرو
آباد تھے کھتوڑے میں آبائے نیک خو

سادات بارہ ضلع مظفر نگر نکو
ماں لکھنؤ کی تھیں وہیں پیدا ہوا تھا تو

تعلیم و تربیت جو تجھے لکھنؤ نے دی
حبِ رسولؐ و آلِ مقدس لہو نے دی

چودہ سو سترہ ہجری رجب کا مہینہ تھا
جشنِ علیؑ میں کوئٹہ پہنچا جو خوش ادا

فالج کا حملہ چودہ رجب کو وہاں ہوا
کچھ روز بعد جا کے کراچی میں چل بسا

مدفوں وہیں ہوا جو وہ سلطانِ شاعری — سنسان ہو گیا چمنستانِ شاعری

دنیا سے اٹھ گیا جو وہ خوش ذوق و خوش مزاج — اس کے لئے ہے بزمِ ادب اشکبار آج

رکھے ہوئے تھا مدحِ علیؑ کا جو سر پہ تاج — احباب پیش کر رہے ہیں اب اسے خراج

چھبیسواں دسمبری دن سوگوار ہے — انیس سو چھیانوے سن یادگار ہے

قیصر جو ملک شاعری میں کام کر گیا — ایماں کی محفلوں میں بڑا نام کر گیا

ہر نظم پیشِ لائقِ انعام کر گیا — مسرور قلبِ بانیِ اسلام کر گیا

کرتا تھا جھوم جھوم کے جب مدحِ اہلبیتؑ — بنتی تھی روحِ علم و ادب مدحِ اہلبیتؑ

جس کو جناں میں دادِ رسالت مآبؐ دیں — تحفہ اسے جو دیں بھی تو کیا شیخ و شاب دیں

توفیقِ کارِ خیر جنہیں بوترابؑ دیں — الحمد و قل کا ہدیہ برائے ثواب دیں

نذرِ قلیل پائے جو حساس بارہوی — کر لے قبول قیصرِ عباسِ بارہوی

کر عرض اے ظہورِ ہر اہلِ ولا سے اب — الحمد و قل درود پڑھے بزم با ادب

پہنچے گا بارہوی کو جو نذرانہ سب کا سب — اجرِ عظیم بھیجنے والوں کو دے گا رب

قیصر کو قصرِ خلد میں راحت سوا ملے
پسماندگاں کو رحمتِ ربِ علیؑ ملے (۱)

جعفر بلوچ

(نظم)

ترا سپاس گذارند اہلِ دل قیصرؔ — فسوں طراز بہ ہر انجمن فسانۂ تست

وظیفۂ تو شدہ مدحِ اہلبیتؑ کرام — نیاز گستر و ایماں فزا ترانۂ تست

نماند قیصر رومی و لے بہ کشورِ فن — دلیلِ اوجِ ادب، طرزِ قیصرانۂ تست

زبس کہ حرف نگاری بہ کاوشِ دل و جاں — نگار خانۂ معنیٰ، نگار خانۂ تست

---

(۱) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۱۹۹۷ء

به شعرِ حضرتِ غالب تصرفے کردم   کہ منطبق بہ کمالاتِ شاعرانۂ تُست

"تو اے کہ محوِ سخن گسترانِ پیشینی
مباش منکرِ قیصؔر کہ در زمانۂ تُست" (۱)

ہلال جعفری

(قطعات)

کس شان سے گزرتے رہے تیرے ماہ و سال   توصیفِ اہلبیتؑ ترا مرکزِ خیال
دیکھا تجھے قریب سے تو یہ پتہ چلا   پھیلا ہوا ہے نصف صدی پر ترا کمال

....

ہو کوئی قدرداں تو قدر کرتا ہے سخنور کی   فقط اک جوہری ہی جانتا ہے قدر جوہر کی
جگر کا خوں پلا کے حضرتِ قیصؔر نے لکھے ہیں   کہ یک صد دو مراثی ہے کمائی زندگی بھر کی

....

اَدب کے فن میں بڑا بااثر اضافہ ہے   بقدرِ جنبشِ اہلِ نظر اضافہ ہے
رقم کیے ہیں جو قیصؔر نے مرثیے وہ سب   میانِ سلکِ سخن معتبر اضافہ ہے

....

شانِ خدا کہ کیا تری قسمت ہے بارہوی   تو مدح خوانِ آلِ رسالتؐ ہے بارہوی
اس طرح تُو نے لکھے مصائبِ حسینؑ کے   تو گویا مرثیے کی ضرورت ہے بارہوی

....

یوں سخن کو سجایا قیصؔر نے   گھر دلوں میں بنایا قیصؔر نے
مرثیے کے طفیل دنیا میں   کس قدر نام پایا قیصؔر نے

....

غمِ حسینؑ میں رونا ہے بندگی تیری   انہی کے ذکر میں پنہاں ہے ہر خوشی تیری
قسم خدا کی بڑا صاحبِ نصیب ہے تُو   علیؑ کے نام پہ مرنا ہے زندگی تیری

---

(۱) جعفر بلوچ لظم لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۴۰

جو ہیں آج کلیاں یہ کل پھول ہوں — ادب کے صحیفوں میں منقول ہوں
دعا ہے کہ قیصؔر کے سب مرثیے — حضورِ امامت میں مقبول ہوں(۱)

سیّد عاصم گیلانی

(قطعہ)

نیند سے آنکھیں کھولو قیصر — چپ چپ کیوں ہو بولو قیصر
تم اپنے میزانِ فن میں — شعر ہمارے تولو قیصر(۲)

حسن عباس زیدی حسنؔ

(نظم)

اے کہ تو ہے شاعرانِ دہر کا اعلیٰ دماغ — تیرے دم سے جل رہا ہے علم و حکمت کا چراغ
شاعرانہ رنگ میں اور مرثیت میں کامیاب — مرثیوں میں تو نے بے شک گل کھلائے لاجواب
تُو نے ہی زندہ رکھا اس صنف کو اے ذی وقار — تیرے ہی دم سے ادب میں بڑھ گیا اس کا شعار
مرثیت میں جوشؔ، صفدرؔ اور نسیمؔ با کمال! — تو بھی اِن سے کم نہیں، تو بھی تو ہے اپنی مثال
تیرے شعروں میں ترنم، جدّ تیں، اُونچا خیال — تیری باتوں میں حلاوت، دل کشی، شیریں مقال
مرثیہ اس ملک میں زندہ ہے تیرے نام سے — چھا گیا ہے مرثیہ گویا ترے اقدام سے
مرثیت میں تُو نے پیدا کر دیئے مضموں نئے — مرثیہ گوؤں کو تو نے دے دیئے ہیں ولولے
مرثیے مقبولِ خاص و عام ہیں اے ذی وقار — شاعری، تیرا تخیل دل پذیر و جاں نثار
شاعری تیری سراپا دل گداز و دل پذیر — ہیں بلند افکار تیرے، اور کتنے بے نظیر
تو ہے قیصرؔ، تیری ہے محکوم یہ ساری زمیں — رنگ تیرا جانفزا، اشعار تیرے دل نشیں

---

(۱) ہلال جعفری قطعات لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۳۸

(۲) یہ قطعہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے

مرثیت میں تو نے ہی بے شک لگائے چار چاند
صنف یہ اُردو ادب میں ہو نہیں سکتی ہے ماند
مرثیوں میں تو نے وہ جوہر دکھائے شان کے
مرتبے اُونچے ہوئے ہیں حضرتِ انسان کے
ہے دُعا بس یہ حسنؔ کی تجھ کو مل جائے سکوں
مرثیت میں اور ادب میں نام ہو تیرا فزوں (۱)

ولی کرنالی

یہ تخلص نہیں میاں قیصر
تم ہو اقلیمِ شعر کے قیصر
تم نے زندہ حسینیتؑ کی ہے
تم ہو مشہور شاعرِ حیدرؑ
تم نے ڈھالیں بنائے ہیں نقطے
تم نے خنجر بنائے زیر و زبر
تم نے تصویر کو حقیقت دی
تم نے واضح کیا ہے ہر منظر
وہ موثر کلام رکھتے ہو
شعر چبھتے ہیں صورت نشتر
شرط پڑھنے کی ہے اور اس کے بعد
یہ سمجھ لو کہ شعر ہے اَزبر
تم مرے ہم وطن ہو میرے دوست
تم نے روشن کیا ہے میرا گھر (۲)

طاہر ناصر علی

(نظم)

وہ جو دنیا میں نظر آتے ہیں قیصرؔ ایسے
درِ شبیرؑ پہ ملتے ہیں سخنور ایسے
مجھ سے قیصرؔ کے ترنم کا تاثر مت پوچھ
موم ہو جاتے ہیں وہ دل، جو ہیں پتھر ایسے
بادشاہوں کے خزانوں میں نہ ڈھونڈو ان کو
کان میں شہؑ کے سخنور کے ہیں گوہر ایسے

---

(۱) حسن عباس زیدی حسنؔ لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۴۱
(۲) ولی کرنالی لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۴۱

وہ کہ وابستہ ہیں جو مدرسۂ قیصرؔ سے — آنکھیں دریا ہیں تو دل ان کے سمندر ایسے
آج دنیا کے دلوں پر ہے حکومت اس کی — دیکھو ہوتے ہیں گدائے درِ حیدرؑ ایسے
اس کے اشعار سے پتھر کا جگر پھٹتا ہے — کسی تلوار کے دیکھے نہیں جوہر ایسے
وہ کہ اشعار کی صورت سے دلوں میں اُترا — دل میں دنیا کے بنائے تو کوئی گھر ایسے
جیسے اپنا لیا ہر شخص نے قیصرؔ کا مزاج
طاہرؔ اس دور کے اشعار ہیں اکثر ایسے (۱)

مرزا حامد بیگ

(نظم)

کہہ رہا ہے کلام قیصر کا — انقلابی ہے کام قیصرؔ کا
ذکر جدّت کا جب بھی چھڑتا ہے — لوگ لیتے ہیں نام قیصرؔ کا
ذہن انساں کی آخری حد کو — چھو رہا ہے سلام قیصرؔ کا
نجمؔ و جوشؔ و رضاؔ، نسیمؔ کے بعد — لب پہ آتا ہے نام قیصرؔ کا
یہ تو مولا حسینؑ جانتے ہیں — کیا ہے اصلی مقام قیصرؔ کا
جامِ جمشید سے فزوں تر ہے — دل کی دنیا میں جام قیصر کا
فکرِ قیصر ہے جس سے عرش مقام — کیسا ہو گا امام قیصر کا
دلِ قیصر اسیرِ حُبِّ حسینؑ
اور حامد غلام قیصر کا (۲)

---

(۱) طاہر ناصر علی لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء، ص ۴۲
(۲) مرزا حامد بیگ لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۴

حشمت علی قنبر

(قطعات)

جہاں سے گرچہ بظاہر گزر گئے قیصر — میں کیوں زبان پہ لاؤں کہ مر گئے قیصر
بنا لیا تھا جو خلدِ بریں میں گھر اپنا — گئے یہاں سے تو اپنے ہی گھر گئے قیصر
(۱)

(ب)

(قیصر بارھوی کے مرثیوں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)

قیصر بارھوی جدید اُردو مرثیے کے مرکزی ستون ہیں (۲) اور خاص طور پر پاکستان میں اُردو مرثیے کو حرفِ اعتبار عطا کرنے والے اور اس صنف کو عوام الناس اور خواص دونوں کے لیے یکساں مقبول بنانے والے ہیں۔ (۳) انہوں نے نصف صدی تک اس صنف کی آبیاری کی اور اپنے دل پذیر لحن اور بیش قیمت افکار سے مرثیے کے نئے نئے امکانات کی نشاندہی کی۔ (۴) قیصر بارھوی نے مختلف موضوعات پر ترپن مرثیے تخلیق کیے اور ہر مرثیے میں اپنی جدتِ فکر اور ندرتِ طبع کے جوہر دکھائے۔ قیصر بارھوی کے مرثیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اب اردو مرثیہ کی صنف اور قیصر بارھوی کا نام لازم و ملزوم ہیں (۵) اور جب تک آفتابِ مرثیہ اُفقِ شاعری پر جلوہ فگن ہے قیصر بارھوی کا نام اور کام جگمگاتا رہے گا۔

---

(۱) حشمت علی قنبر کے یہ قطعات راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں
(۲) نوازحسن زیدی، ڈاکٹر   نجم آفندی، فکروفن   لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۸
(۳) (i) مرزا امیر علی جونپوری   تذکرہ مرثیہ نگارانِ اُردو (جلد اوّل)   لکھنو: دانش محل، ۱۹۸۵ء، ص ۴۰۳
(ii) ضمیر اختر نقوی، علامہ   اردو مرثیہ پاکستان میں   کراچی: سیّد اینڈ سیّد، ۱۹۸۲ء، ص ۳۶۲
(۴) ہلال نقوی، ڈاکٹر   بیسویں صدی اور جدید مرثیہ   کراچی: محمد ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص ۶۸۶
(۵) مظفر عباس، ڈاکٹر   معتبر مرثیے   لاہور: قیصر بارھوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص فلیپ

اب ذیل میں قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے۔
اس خاکہ کے مطالعہ سے قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تفہیم کسی قدر سہل ہو جائے گی:۔

● پہلا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — دُرِ یتیم
۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۳ء
۳۔ کل بند — ۴۶
۴۔ مطلع — ع انسان رہنمائے حقیقت تلاش کر
۵۔ موضوع — حضورِ اکرمؐ کے عظیم کارنامے اور مصائب اہلبیتؑ

● دوسرا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — شہرِ معلّی
۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۸ء
۳۔ کل بند — ۵۲
۴۔ مطلع — ع معراجِ عقل و فکر ہے سودائے کربلا
۵۔ موضوع — صحرائے کربلا کی عظمت اور مصائبِ اہلبیتؑ

● تیسرا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عزّتِ وجود
۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۸ء
۳۔ کل بند — ۵۴
۴۔ مطلع — ع شبیرؑ کائنات کی عزّت کا نام ہے
۵۔ موضوع — حضرت امام حسینؑ کی فضیلتیں اور مصائبِ کربلا کے دلخراش مناظر

• چوتھا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — پیکرِ عظمت

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۱ء

۳۔ کل بند — ۴۶

۴۔ مطلع — ع تو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ

۵۔ موضوع — امام حسینؑ کے وقیع کارناموں کا ذکر اور شہادتِ امامِ عالی مقامؑ

• پانچواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — معراجِ وفا

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۲ء

۳۔ کل بند — ۵۳

۴۔ مطلع — ع کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج

۵۔ موضوع — حضرت عباسؑ علمبردار کی عظمت و شجاعت اور میدان کربلا میں ان کی وفاداری کے مناظر

• چھٹا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — جہادِ زینبؑ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۴ء

۳۔ کل بند — ۵۰

۴۔ مطلع — ع پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے

۵۔ موضوع — حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے فضائل اور آپ کی اسیری کے دردناک واقعات

• ساتواں مرثیہ

ا۔ نام مرثیہ	یتیمانِ مسلمؑ
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۶۸ء
۳۔ کل بند	۳۵
۴۔ مطلع	ع دل والو سنو، واقعۂ اشک فشانی
۵۔ موضوع	حضرت مسلم بن عقیلؑ کے صاحبزادوں کی کوفہ آمد اور ان کے مصائب کا دردناک بیان

• آٹھواں مرثیہ

ا۔ نام مرثیہ	شامِ غریباں
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۴ء
۳۔ کل بند	۷۲
۴۔ مطلع	ع پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اُٹھا
۵۔ موضوع	کرب و بلا کے میدان میں امام حسینؑ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے دردناک مصائب کا بیان

• نواں مرثیہ

ا۔ نام مرثیہ	نوائے احساس
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۲ء
۳۔ کل بند	۷۴
۴۔ مطلع	ع لطفِ حیات، میری پریشانیوں میں ہے
۵۔ موضوع	کرب و بلا کے میدان میں شہادتِ حضرت علی اصغرؑ

• دسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	حسینؑ اور انتخاب
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۸ء
۳۔ کل بند	۷۰
۴۔ مطلع	ع انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے
۵۔ موضوع	اس کائنات میں کامیابی کے لیے انصار و اقربائے امام حسینؑ کی سیرت پر عمل کرنا

• گیارھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	صبحِ مودّت
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۷ء
۳۔ کل بند	۷۴
۴۔ مطلع	ع راز بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ میں
۵۔ موضوع	کنیزِ بتولؑ حضرت فضہؓ کی شخصیت کے گراں قدر پہلوؤں کا احاطہ اور میدانِ کربلا میں اُن کی خدمات

• بارھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	علمِ علیؑ
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۱ء
۳۔ کل بند	۷۲
۴۔ مطلع	ع میری زباں پہ علمِ علیؑ کا بیان ہے
۵۔ موضوع	بابِ مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے علم کا بیان اور چشمِ تخیل سے مناظر کو دیکھنا

◆ تیرھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — اعجازِ تحمل

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۹ء

۳۔ کل بند — ۷۴

۴۔ مطلع — ع زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو

۵۔ موضوع — حضرتِ سیّد سجادؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ اور واقعۂ کربلا کے بعد اُن پر ڈھائے جانے والے مصائب کا بیان

◆ چودھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — اُجالوں کا سفر

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۱ء

۳۔ کل بند — ۷۲

۴۔ مطلع — ع شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں

۵۔ موضوع — حضرتِ امام علی نقیؑ کی قید و بند کی صعوبتیں، اُن کے کردار کے محاسن اور اُن کے الم ناک مصائب

◆ پندرھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — معراجِ بشر

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۶۵ء

۳۔ کل بند — ۷۰

۴۔ مطلع — ع نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

۵۔ موضوع — اسلام کے رکن نماز کی فضیلت و اہمیت او اہلبیتؑ عظام کی نماز کے تحفظ کے لیے بے مثال قربانیاں اور کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی آخری نماز

• سولھواں مرثیہ

ا۔ نام مرثیہ	معصومۂ کربلا
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۰ء
۳۔ کل بند	۷۰
۴۔ مطلع	ع زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ
۵۔ موضوع	حضرت زینبؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن اور شہادتِ امام حسینؑ کے بعد آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار اور مصائب کا بیان

• سترھواں مرثیہ

ا۔ نام مرثیہ	یوسفِ حسینؑ
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۴ء
۳۔ کل بند	۷۴
۴۔ مطلع	ع دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں
۵۔ موضوع	اس کائنات میں موت کی اہمیت اور کربا کے میدان میں حضرت علی اکبرؑ کا خوش دلی سے موت کو قبول کرنا

• اٹھارواں مرثیہ

ا۔ نام مرثیہ	عرفانِ حیات
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۱ء

۳۔ کل بند ۱۰۸

۴۔ مطلع ع فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں

۵۔ موضوع حضرت حرؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ اور کربلا کے میدان میں اُن کی بے مثال قربانیاں

♦ انیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ سبطینِ مرتضیٰ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۷۷ء

۳۔ کل بند ۶۳

۴۔ مطلع ع حیراں ہوں کیا فضائلِ زینبؑ رقم کروں

۵۔ موضوع حضرت زینبؑ کے صاجزادوں حضرات عونؑ و محمدؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا محاکمہ اور میدان کربلا میں اُن کی بہادری کے مختلف رنگ اور حضرت زینبؑ کے بین

♦ بیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ آشوبِ عصر

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۸۷ء

۳۔ کل بند ۷۵

۴۔ مطلع ع ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے

۵۔ موضوع معاشرے کی ابتر صورت حال اور امام حسینؑ کی اصلاحِ معاشرہ کی کاوشیں اور اہلبیتؑ کے مصائب کا بیان

◆ اکیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	مظلومیت
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۹ء
۳۔ کل بند	۷۸
۴۔ مطلع	ع مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے
۵۔ موضوع	انسانی زندگی میں مظلومیت کی اہمیت اور کرب و بلا میں حسینیؑ خانوادے کی مظلومیت اور بے بسی اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی آہ وزاری

◆ بائیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	انسان اور کربلا
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۰ء
۳۔ کل بند	۷۸
۴۔ مطلع	ع انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا
۵۔ موضوع	انسانیت کی تاریخ میں کربلا کی افادیت' دبستان کربلا کے اثرات اور اہلبیتؑ کی قربانیاں

◆ تئیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	علمِ غیب محمدؐ و آلِ محمدؐ
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۰ء
۳۔ کل بند	۹۰
۴۔ مطلع	ع عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن
۵۔ موضوع	علمِ غیب کی اہمیت' فضیلت اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی علمِ غیب پر دسترس' علمِ غیب سے کرب و بلا کے مناظر کی جھلک

• چوبیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — کعبہ و محافظانِ کعبہ
۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۱ء
۳۔ کل بند — ۸۱
۴۔ مطلع — ع اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو
۵۔ موضوع — کعبۃ اللہ کی عظمت اور محافظانِ کعبہ کی خدمات، امام حسینؑ کی کعبہ کے تحفظ کیلئے قربانیاں

• پچیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — بے ثباتیِ عالم
۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۱ء
۳۔ کل بند — ۷۲
۴۔ مطلع — ع مسافرانِ عدم کا سفر، ارے توبہ
۵۔ موضوع — کائناتِ رنگ و بو کی ناپائیداری' بے ثباتی اور فنا پذیری کے مختلف مناظر اور کرب و بلا میں پائیدار ہستی کے مظاہر

• چھبیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — سیّدِ مسمومؑ
۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۹ء
۳۔ کل بند — ۸۰
۴۔ مطلع — ع شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے
۵۔ موضوع — حضرت امام حسنؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ اور انہیں زہر دے کر شہید کرنے کی منصوبہ بندی کا بیان۔ اُن کی شہادت کے دلخراش مناظر

• ستائیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	عرفانِ امامت
۲۔	سنِ تخلیق	1981ء
۳۔	کل بند	۷۴
۴۔	مطلع	ع کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیے
۵۔	موضوع	عصرِ حاضر میں انسان کی پریشاں خیالی کے اسباب کا تجزیہ اور امامت کی عظمتوں کا بیان اور ابو آئمہ حضرت علیؑ کی شہادت کا بیان

• اٹھائیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	نمازِ دل
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۵ء
۳۔	کل بند	۷۴
۴۔	مطلع	ع دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے
۵۔	موضوع	انسانی زندگی میں دل کی اہمیت' باکردار لوگوں کے دلوں میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کی محبت' اسلام کی خاطر اہلبیتؑ کی قربانیاں

• انتیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	نظامِ اسلام
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۲ء
۳۔	کل بند	۸۷
۴۔	مطلع	ع امنِ عالم کی علامت ہے نظامِ اسلام

۵۔ موضوع	اس کائنات میں ایک مستحکم اور مضبوط نظام کیلئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت کا احساس، اسلامی نظام کے استحکام کیلئے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی کاوشیں اور بے مثال قربانیاں

• تیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	کربلا و نجف
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۳ء
۳۔ کل بند	۷۴
۴۔ مطلع	ع جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں
۵۔ موضوع	روئے زمین پر دیارِ نجف و کربلا کی اہمیت اور افادیت، نجف کو حضرت علیؑ سے نسبت اور کربلا کو امام حسینؑ سے نسبت، کربلا میں خاندانِ اہلبیتؑ پر ٹوٹنے والے مصائب کا تذکرہ

• اکتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	عظمتِ فن
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۸ء
۳۔ کل بند	۷۱
۴۔ مطلع	ع کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے
۵۔ موضوع	اہلِ بصیرت کی علم و ادب کی آبیاری، زبان و بیان کے مختلف روّیوں کی پاسداری، نسیم امروہوی کی مرثیہ نگاری کی تحسین اور کربلا میں اہلبیتؑ کے مصائب کا تذکرہ

◆ بتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — مدحِ ابو طالبؑ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۳ء

۳۔ کل بند — ۷۴

۴۔ مطلع — ع مدحِ ابو طالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور

۵۔ موضوع — حضرت ابو طالبؑ کے فضائل اور وقیع کارناموں کا بیان، حضورِ اکرمؐ کی حضرتِ ابو طالبؑ سے والہانہ محبت، کرب و بلا میں حضرتِ ابو طالبؑ کے خانوادے کی قربانیاں

◆ تینتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — آیاتِ آمنہؑ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۷ء

۳۔ کل بند — ۷۸

۴۔ مطلع — ع اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

۵۔ موضوع — حضورِ اکرمؐ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت کے گراں قدر پہلوؤں کا احاطہ، حضورِ اکرمؐ کی سیرت کی تعمیر میں حضرت آمنہؑ کا کردار، مصائبِ اہلبیتؑ

◆ چونتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عروجِ عالمِ نسواں

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۰ء

۳۔ کل بند — ۷۱

۴۔ مطلع
ع عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن

۵۔ موضوع
حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی فضیلتوں کا موازنہ، کرب و بلا کے میدان میں حضرت فاطمہؑ کے خاندان کی بے مثال قربانیاں

◆ پینتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عشقِ حسینؑ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۶۵ء

۳۔ کل بند — ۵۴

۴۔ مطلع
ع عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو

۵۔ موضوع
امام حسینؑ کی سیرت کے پہلوؤں پر عمل کرنے والے جانثار حضرت مسلم بن عقیلؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا بیان، کوفے میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کے مصائب کا دردناک بیان

◆ چھتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عباسِؑ نامدار

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۴۹ء

۳۔ کل بند — ۷۷

۴۔ مطلع
ع عباسِ نامدار کو جوشِ نبرد ہے

۵۔ موضوع
حضرت علیؑ کے چھوٹے صاحبزادے حضرتِ عباسؑ علمبردار کی جرات و بہادری کے بے مثال کارناموں کا ذکر اور کرب و بلا کے میدان میں حضرت عباسؑ کی شجاعت کے کارنامے

◆ سینتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — سخنِ لاجواب

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۰ء

۳۔ کل بند — ۷۹

۴۔ مطلع — ع یارب، مری زباں کو سخنِ لاجواب دے

۵۔ موضوع — امام حسینؑ کے فرزندارجمند حضرت علی اکبرؑ کی سیرت وکردار کے نمایاں محاسن کا بیان اور کرب و بلا کے میدان میں ان کی المناک شہادت

◆ اڑتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — یوسفِ کربلاؑ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۴۹ء

۳۔ کل بند — ۵۵

۴۔ مطلع — ع حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

۵۔ موضوع — کرب و بلا کے میدان میں شبیہ پیمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر کا دردناک بیان

◆ انتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — ہفت اقلیم

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۸ء

۳۔ کل بند — ۶۹

۴۔ مطلع — ع ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدّر میرا

۵۔ موضوع — حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کرنا اور بغداد میں اُن پر ہونے والے مظالم کا دردناک بیان

♦ چالیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	آبروئے فکر
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۹ء
۳۔	کل بند	۷۸
۴۔	مطلع	ع دوستو، انسان کے اندر بھی اِک انسان ہے
۵۔	موضوع	معروف صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت اور کردار کے نمایاں پہلوؤں کا دلچسپ بیان اور کرب و بلا کے میدان میں شبیہِ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ کی اذانِ صبح

♦ اکتالیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	شاہدِ محضر
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۸ء
۳۔	کل بند	۷۵
۴۔	مطلع	ع دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں
۵۔	موضوع	حضرتِ جبرئیلؑ کے وقیع کارناموں کا ذکر اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اُن کی والہانہ عقیدت کے مظاہر، کرب و بلا کے میدان میں حضرت جبرئیلؑ کی تشریف آوری

♦ بیالیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	وحدتِ مذہب
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۹ء
۳۔	کل بند	۸۴

۴۔ مطلع — ع فکرِ مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو

۵۔ موضوع — عصرِ حاضر میں مذہب کی ضرورت، مذہب کی حفاظت کیلئے امام عالی مقام کی بے مثال قربانیاں

• تینتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — تربیت

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۹۱ء

۳۔ کل بند — ۸۲

۴۔ مطلع — ع تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے

۵۔ موضوع — حضرت ابو طالبؑ نے رسولؐ کی تربیت کی، رسولؐ نے اہلبیتؑ کی تربیت کی، جناب زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کی بے مثال تربیت کی، کربلا میں تربیت کے مظاہر

• چوالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — آئینۂ انقلاب

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۹۳ء

۳۔ کل بند — ۷۶

۴۔ مطلع — ع ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے

۵۔ موضوع — غمِ حسینؑ کی فضیلت، کربلا میں امام کی جنگ اور شہادت

• پینتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — معراجِ نفس

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۲ء

۳۔ کل بند ۷۳

۴۔ مطلع ع خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال

۵۔ موضوع روزے کی فضیلت کا بیان اور حضرت علیؑ کی شہادت کا حال

• چھیالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ قرآن کی کہانی

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۶۹ء

۳۔ کل بند ۵۲

۴۔ مطلع ع قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سن لو

۵۔ موضوع قرآن کی فضیلت، پیکرِ رسولؐ میں نزول، کربلا میں حسینؑ کی آواز بن کر جلوہ گر ہونا

• سینتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ جنابِ سیّدہؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۳ء

۳۔ کل بند ۶۲

۴۔ مطلع ع رکھیے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں

۵۔ موضوع جناب فاطمہؑ کی زندگی کے حالات، رسولؐ خدا کی وفات کے بعد ان پر ہونے والے مظالم کا دردناک بیان

• اڑتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۵ء

۳۔ کل بند ۷۸

۴۔ مطلع ع زوجِ ابوطالبؑ کا شرف حسنِ شرف ہے

۵۔ موضوع حضرتِ فاطمہؑ بنتِ اسد کی سیرت و کردار کا ذکر، ان کے بیٹے حضرت علیؑ کے کارنامے اور جناب زینبؑ کی شہادت

• انچاسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ عزاداریِ حسینؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۶۱ء

۳۔ کل بند ۷۲

۴۔ مطلع ع انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ

۵۔ موضوع عزاداری کی اہمیت، عزاداروں کے مصائب، واقعہ کربلا کے بعد حضرت زینبؑ کے بین

• پچاسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ شاعرِ دربارِ حسینؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۵۵ء

۳۔ کل بند ۷۱

۴۔ مطلع ع میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں

۵۔ موضوع شاعرِ دربارِ حسینؑ کا منصب و مرتبہ، دربارِ یزید میں جنابِ زینبؑ اور سیدِ سجادؑ کے خطبات

• اکیاونواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ فریاد

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۶۸ء

۳۔ کل بند ۶۶

۴۔ مطلع ع اے جبرئیلِ فکر، مدینہ دکھا مجھے

۵۔ موضوع شاعر کا رسولِ خدا سے فریاد کرنا' آلِ رسولؐ کے مصائب اور جنابِ فاطمہؑ کی پریشانیاں

◆ باون واں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ مولانا محمد مصطفےٰ جوہر

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۴ء

۳۔ کل بند ۷۸

۴۔ مطلع ع منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے

۵۔ موضوع مولانا مصطفےٰ جوہر کے سوانحی کوائف اور سیرت کے فضائل' عاشورۂ محرم کے حالات

◆ ترپن واں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ روشنیِ فکر و عمل

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۷ء

۳۔ کل بند ۷۲

۴۔ مطلع ع آیۂ خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں

۵۔ موضوع خانۂ کعبہ کی عظمت اور خانۂ معبود میں حضرت علیؑ کی پیدائش' حضرت علیؑ کے وقیع کارنامے اور خانۂ خدا میں شہادت' حضرت علیؑ کے خانوادے کے مصائب اور اہلِ خانہ کی گریہ وزاری

اب ذیل میں قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کا تحقیقی اور تنقیدی تعارف پیش خدمت ہے۔ راقم الحروف نے شعوری کوشش کی ہے کہ اُن مرثیوں کا تجزیہ مختصراً پیش کیا جائے تاکہ قارئین کم سے کم وقت میں اس سے بیش از بیش فائدہ اُٹھا سکیں۔

ا۔ درِ یتیم

قیصر بارہوی کا مرثیہ درِ یتیم چھیالیس بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ مرثیہ ۱۹۵۳ء میں تخلیق ہوا اور قیصر بارہوی کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔(ا)

اس کائنات میں ہر ذی شعور انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے رہنمائے حقیقت مل جائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ رہنمائے حقیقت دراصل نوازشِ رحمت پروردگار ہوتا ہے اور اس دولت کو کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ انسان جب چشمِ حقیقت سے پوری کائنات پر ایک نظر ڈالتا ہے تو اسے خود بخود احساس ہو جاتا ہے کہ

آنکھوں سے ڈھونڈ لے جو تجلی شناس ہے
اللہ کا جمال محمدؐ کے پاس ہے

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ اس کائنات کی تخلیق کا موجب ہیں اور اس دنیا میں جو چہل پہل دکھائی دے رہی ہے وہ حضرت محمدؐ کے وجودِ مبارک سے ہے۔ شاعر نے مختلف مثالوں اور شعری توجیہات کے ذریعہ حضورؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

یہ فرش آب و خاک یہ بے چوبہ سائباں — بادل نما ہوا کے سمندر میں کشتیاں
یہ چاند یہ ستارے یہ پرنور کہکشاں — سورج کی پرورش میں یہ پھولوں کے بوستاں
جلوہ دکھا دکھا کے خدائی نظام کا
کلمہ سنا رہے ہیں محمدؐ کے نام کا

(ا) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبہ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر مسلک اور ہر مزاج کے انسان کے لیے حضورِ اکرمؐ کی سیرت رہنمائے حقیقت ہے اور حضورِ اکرمؐ کے ساتھ ساتھ وہ جلیل القدر ہستیاں بھی لائقِ تقلید ہیں جن کے لبوں میں شہدِ زبانِ رسولؐ موجود ہے۔ حضرت محمدؐ کے بعد رسالت وقار ہستیوں میں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے وجود کو تحفظِ دینِ خدا و رسول کے لیے وقف کر دیا۔ ان دونوں کے طرزِ عمل میں بظاہر فرق تھا لیکن دونوں کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول تھا۔

ابھری کسی کی بات حکومت کو چھوڑ کے
رکھدی کسی نے ظلم کی گردن مروڑ کے

شاعر احساس دلاتا ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑایا جانے لگا اور خدا و رسولؐ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس صورت حال میں امام حسنؑ نے اپنی سطح پر اور امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں اپنے طریقے سے حق کی بقا کے لیے بے مثال قربانیاں دیں۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ ان کی بہن حضرت زینبؑ نے جو قربانیاں پیش کی ہیں وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

بھائی نے گر جہاد میں حجت تمام کی
تاریکیاں بہن پہ کٹیں قیدِ شام کی

۲۔ شہرِ معلّٰی

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''شہرِ معلّٰی'' ۱۹۵۸ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ باون بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنے موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہے۔ (۱)

اس کائناتِ رنگ و بو میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جو مقدس، قابلِ قدر اور لائق

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبۂ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

صدافتخار ہیں تاہم جو مقام و مرتبہ صحرائے کربلا کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے خطے کو حاصل نہیں ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمین پر محمد مصطفیٰؐ کے ستاروں کا نور جلوہ گر ہے یہی سبب ہے کہ جس کو گلستان کربلا کی مہک نصیب ہو جاتی ہے وہ اپنی آنکھوں سے زمین کی طنابیں کھینچ لیتا ہے۔قیصر بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ ایک حساس شاعر ہر وقت اپنے دل و دماغ میں کربلا بسائے رہتا ہے۔یہی سبب ہے کہ اس کے لبوں پر ہمیشہ امام حسین علیہ السلام کی کہانی رہتی ہے۔

کہتی ہے مجھ سے شام وسحر میری بے خودی — گزرے ابوترابؑ کے پھولوں میں زندگی
کرتا ہے یوں کلام مرا ذوقِ شاعری — جاری رہے زباں پہ کہانی حسینؑ کی

پیغامِ زندگی مرے دل کی صدا میں ہے
میں ہوں یہاں، دماغ مرا کربلا میں ہے

شاعر چشمِ تصور سے کربلا کے مناظر کو دیکھتا ہے اور امام عالی مقام کے مقدس مزار پر فروکش ہو کر اس کے در و بام سے اظہارِ محبت و اُلفت کرتا ہے۔شاعر احساس دلاتا ہے کہ صحرا کی اس سرزمین کو امام عالی مقام نے جلوہ گاہِ عشق بنا دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو یہ سرزمین اتنی پسند آئی ہے کہ اس نے عرش معلی کی طرح اس کو بھی کربلائے معلی بنا دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس زمین کو اب نہ تو زوال ہے اور نہ اس بہارستان کو خزاں کے منحوس ہاتھ چھو سکتے ہیں۔حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کی زمین کو اپنے خانوادے کے خون سے گلزار بنا دیا ہے۔آج دنیا میں یزید اس کے حواری، اس کا تاج و تخت اور شاہانہ رعونت ختم ہو گئی ہے لیکن کربلا میں امام عالی مقام کا ایسا دربار سج گیا ہے جسے کبھی زوال نہیں آسکتا۔

کیا ہو گیا وہ شام کی دولت کا تخت و تاج — اب ہے کہاں یزید کا وہ حکمراں مزاج
دیکھے ترے دیار پہ جھکتا ہوا سماج — ملتا ہے آج کس کو عقیدت بھرا خراج

تجھ کو نصیب آج وہ دربارِ عام ہے
جس پر عروجِ سطوتِ شاہی تمام ہے

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں امام حسینؑ کے مزار، ان کی ضریح مقدس، گنبدوں کی چمک دمک، اردگرد کی قبور کی عظمتیں اور زائروں کی والہانہ عقیدتوں کو بڑے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے اور آخر میں امام عالی مقامؑ اور ان کے خانوادے کی بے مثال قربانیوں کو الم انگیز پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ عزتِ وجود

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عزتِ وجود'' ۱۹۵۸ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مرثیوں کے مجموعہ ''شبابِ فطرت'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چون بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ قیصر بارہوی کی خلاقانہ ذہانتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔(۱)

اس کائنات میں جو شخص بامِ عزت پر جلوہ فگن ہے اور اس کا نام کائنات میں باعثِ توقیر ہے عرفِ عام میں اسے شبیرؑ کہتے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہ نام حریت کا مقدس پیغام ہے اور امن عالم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ یہ نام عابدوں کے لیے سجدہ گاہ، قافلوں کے لیے شمعِ راہ، دین کے لیے حقیقی پناہ اور شرحِ اشہدان لا الہ ہے۔ بقول شاعر؎

یہ نام امن و صلح کی تفسیر بن گیا — عالم کے اتحاد کی تصویر بن گیا
ہر نفس کو نجات کی تدبیر بن گیا — ابھرا تو کائنات کی تقدیر بن گیا
کامل یقین عظمتِ پیغام پر ہوا
قوموں کا اتفاق اسی نام پر ہوا

حضرت شبیرؑ کا نام سرچشمۂ مفاد، شش جہات میں عدالت کے انعقاد کا باعث، غارت گرِ فساد، شریعت کا اعتماد، خدا کی مشیت، مصطفےٰؐ کی شرافت، رہِ مستقیم، عقلِ سلیم، وقارِ پیمبریؐ، دستِ حیدریؑ، زمانے کا چین، روحِ دلِ مشرقین، خامسِ آلِ عبا، کشتۂ جور و جفا، شاکر و صبر آزما،

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبہ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

فاتحِ کرب و بلا، کبریا کی صداقت، ارتقائے مذہب و ملت، داعی امن و سلامتی، محافظِ بشریت، کاروانِ ہدایت، فطرت کا رنگ، دل مسلم کی اُمنگ، عشق لامکاں کی نہایت، انبیاؑ کے نفس کی عظمت، معنیِ و مفہوم اسلام، دینِ حق کا علمبردار، صبر کا نمائندہ اور دین حق کا بولتا قرآن ہے۔

قیصر بارہوی کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے۔

اے ہم نشیں، یہ نام زمانے کا چین ہے انسانیت کی روح، دلِ مشرقین ہے
اے ہم نشیں اسی کے لیے شور و شین ہے یہ نام عرفِ عام میں بیکس حسینؑ ہے
مشہور کائنات میں جو تشنہ کام ہے
یہ نام اسی غریب مسافر کا نام ہے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے تحفظِ دین اور بقائے اسلام کے لیے کربلا میں بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ کربلا میں امام عالی مقام نے بارگاہِ احدیت میں جو بے مثال اور لازوال نذرانے پیش کیے ہیں ان کی تابانی سے اسلام آج بھی روشن و تاباں ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا تو فطرت کی ایک ایک چیز نے حق و صداقت کے علمبردار امام حسینؑ سے مدد کی درخواست کی۔

اٹھا ہے بحرِ ظلم کا طوفان آیئے
اے ناخدا سفینۂ عالم بچایئے

حضرت امام حسینؑ نے اس آواز پر لبیک کہا اور حق کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ وہ اپنی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہؑ کی قبر پر پہنچے اور ان سے ہمکلام ہوئے۔ اس موقع پر قیصر بارہوی نے بہت اثر انگیز شاعری کی ہے اور انسانی جذبات و احساسات کی خوبصورت مرقع کشی کی ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے امام عالی مقام کو نصیحت کی کہ دین اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا چاہیے۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بقول شاعر۔

جو مجھ پہ ظلم ہوں گے یہ دُکھیا اٹھائے گی
بیٹا یہ غم نصیب ترے ساتھ جائے گی

۴۔ پیکرِ عظمت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''پیکرِ عظمت'' ۱۹۵۱ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ چھیالیس بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرت امام حسینؑ کی سیرت و کردار کے حوالے سے بے مثال خراجِ تحسین ہے۔ یہ مرثیہ فنی اور فکری ہر دو اعتبار سے قیصر بارہوی کی شعری عظمت پر دلالت کرتا ہے۔(۱)

اس دنیا میں ایسے افراد کی بے حد کمی ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا کر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کر دیں۔ تاہم امام حسین علیہ السلام کی ہستی اعتبارِ نفس کا جوہر، ارتقائے فکر پیمبرؐ اہلِ زندگی کا مقدر اور حقیقی معنوں میں مرضیِ داور ہے۔ یہ وہ جلیل القدر ہستی ہے جو خاتمِ شعورِ قیادت، واقفِ تموّجِ فطرت، معنیِ طریقت اور موجدِ نمازِ محبت کہلا سکتی ہے اس عظیم المرتبت ہستی کو ہر ذی شعور اپنا رہبر سمجھتا ہے کیونکہ بقول شاعر۔

تو صبحِ کائنات کی طلعت ہے اے حسینؑ　　تو زندگی کے واسطے رحمت ہے اے حسینؑ
تو معرفت کی آخری آیت ہے اے حسینؑ　　تو مصطفٰیؐ کے نفس کی صورت ہے اے حسینؑ
جب قومیت بچانے کا ہنگام آئے گا
دشمن کی بھی زباں پہ ترا نام آئے گا

شاعر کا موقف یہ ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں اپنا سب کچھ قربان کر کے موت کو شکست دی اور فتح و شکست کے معنی یکسر تبدیل کر دیئے۔ یہی سبب ہے کہ آج اہلِ خرد امامؑ کے طرزِ حیات کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کو اس بات پر بے حد فخر ہے کہ پوری کائنات میں ظلم و تشدد کے سامنے سینہ سپر ہو جانے والا اور قلت کے ساتھ کثرت کا سر جھکانے والا حسینؑ مسلمان ہی نہیں بلکہ عین اسلام تھا۔ کربلا کے میدان

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　سرگودھا: مکتبۂ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

میں اگرچہ امام حسینؑ نے اپنی جان قربان کر دی لیکن قرآن کی حرمت' اللہ کی وحدت اور رسولؐ کی عزت کو قیامت تک محفوظ کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ پرتاثیر سبق دیا کہ

غیر از خدا کبھی نہ درِ غیر پر جھکے
یعنی بلند ہو کے نہ مسلم کا سر جھکے

اس دنیا میں جو بھی حق و صداقت کی شمع جلاتا ہے ظلم تعدی کی ہوائیں اسے بجھانے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہیں ۔ یہی سبب ہے کہ کربلا کے میدان میں شمعِ رسالت و توحید بجھانے کے لیے یزیدی قوتیں یکجا ہوگئیں لیکن امام حسینؑ نے انتہائی دانش مندی سے کفر کی ہر چال ناکام بنادی۔ امام عالی مقامؑ اور ان کے جانثاروں نے اپنے لہو سے ریگزارِ کربلا پر لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ تحریر کر کے ایک نیا منشور دنیا کے سامنے پیش کر دیا کہ باطل کے سامنے سر جھکانا غیرت مندوں کے لیے ممکن نہیں۔ قیصر بارہوی نے آخر میں دلگداز انداز میں کربلا کے واقعات نظم کیے ہیں اور آخر میں اپنا یہ موقف اُجاگر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ ۔

غیرت پسند اصول نہ توڑیں گے اے حسینؑ
انسان تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اے حسینؑ

۵۔ معراجِ وفا

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''معراجِ وفا'' ۱۹۵۲ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں شائع ہوا۔ ترپن بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرت عباسؑ علمبردار کی مدح میں کہا گیا ہے۔(۱)

اس دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے جنہوں نے وفا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہو۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ آج جس باوفا کے نام سے وفا زندہ بلکہ پائندہ ہے اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستی کا نام حضرت عباسؑ ہے۔ حضرت عباسؑ نے عمر بھر اپنے

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبہ تمکین' ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

خون سے کشتِ وفا کو سینچا اور اسی باعث امام حسینؑ کی نگاہ دور رس نے کربلا کے لیے آپ کا انتخاب کیا۔ حضرت عباسؑ نے کربلا کے میدان میں وہ گراں قدر کارنامے سرانجام دیے کہ لوحِ تاریخ پر آج بھی ان کا نام جگمگا رہا ہے۔ بقول قیصر بارہوی۔

کس کی ادا ہے نقشِ جبینِ حیات پر
قبضہ ہے آج کس کا دلِ کائنات پر

حضرت عباسؑ ایک پر عظمت اور باوقار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ انتہائی شجیع تھے لیکن ان کی شجاعت عمر بھر پابند مشیتِ الٰہی رہی، اسی باعث شاعر نے انہیں آسمان اطاعت کا خوبرو چاند قرار دیا ہے۔ حضرت عباسؑ کرب و بلا کے میدان میں عزم و ثبات کا کوہِ گراں تھے۔ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے امام حسینؑ کو بھی حوصلہ دیا اور اہلِ حرم کو بھی آپ کے وجود سے بے حد ڈھارس تھی۔ خاص طور پر خاندانِ رسالت کی بیبیاں جانتی تھیں کہ جب تک حضرت عباسؑ زندہ ہیں کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ہے اسی لیے شاعر نے وفائے حضرت عباسؑ کو واقعہ کربلا کی جان قرار دیا ہے۔ آپ بھی ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔

کس کی وفا ہے واقعۂ کربلا کی جاں — جاری لبِ فرات پہ ہے کس کی داستاں
تسکینِ اہلبیتؑ ہیں کس کی تسلیاں — لہرایا کس کے دوش پہ اسلام کا نشاں
تکبیرِ عشق کس کی محبت کا ساز ہے
کس مرد پر حسینؑ سے انسان کو ناز ہے

کربلا کے میدان میں خانوادۂ رسولؐ پر تین روز سے پانی بند کر دیا گیا تھا۔ بچوں میں ''العطش''، ''العطش'' کی دلخراش صدائیں گونج رہی تھیں۔ اس صورتِ حال میں حضرت سکینہؑ کا حضرت عباسؑ سے یہ کہنا کہ ''عمو سکینہؑ مرتی ہے پانی کے واسطے'' بہت المناک تھا۔ حضرت عباسؑ نے بصد التجا امام حسینؑ سے پانی لانے کی اجازت حاصل کی اور دریائے فرات کی جانب روانہ ہوئے اس مقام پر قیصر بارہوی نے اپنی شاعرانہ ہنرمندیوں کا خوب خوب اظہار کیا ہے۔ حضرت عباسؑ نے فرات پر قبضہ کیا لیکن وفائے اہلبیتؑ نبھاتے ہوئے اپنے لبوں کو تر نہ کیا۔ شاعر نے یہاں سے مصائبِ حضرت عباسؑ کا ذکر انتہائی کرب ناک انداز

میں کیا ہے کہ قارئین کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب آ جاتا ہے۔ خاص طور پر شہادتِ حضرت عباسؑ کے بعد امام حسینؑ کے خیمہ میں آنے کا منظر انتہائی رقت انگیز ہے' ملاحظہ فرمایئے۔

جس دم شہید ہو گئے عباسِ ذی حشم　　لائے حسینؑ خون میں ڈوبا ہوا علم
آواز دی کہ اے حرمِ سیّد الامم　　کھو آئے اپنے بھائی کو دشتِ بلا میں ہم
یاور رہا نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا
لو اب تمام ہو گیا لشکر حسینؑ کا

۶۔ جہادِ زینبؑ

قیصر بارہوی کا مشہورِ زماں مرثیہ ''جہادِ زینب'' ۱۹۵۴ء میں معرضِ وجود میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ پچاس بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کی سیرت و کردار کا بے مثال مرقع ہے۔(۱)

اس کائنات میں بے شمار ایسی خواتین گزری ہیں جنہوں نے حق کی رضا و رغبت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا لیکن حضرت زینبؑ کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے دینِ اسلام کے لیے اپنا مال اپنی جان اور اولاد تو قربان کر ہی دی لیکن مقامِ حسرت و حیرت ہے کہ اس معظمہ اور آبروئے سادات نے اسلام کی خاطر اپنا پردہ بھی قربان کر دیا۔ یہی سبب ہے کہ جب بھی کسی کے لبوں پر ''زینبؑ'' کا نام آتا ہے تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ہر کس و ناکس کی گردن احترام سے جھک جاتی ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ آج اس کے ہونٹوں پہ آتشِ غم سے دھواں موجود ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہے۔ اس کا بنیادی سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ آج اس کی چشمِ تصور جناب زینبؑ کی اسیری کا حال بیان کرنا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید اور اس کے حواریوں نے صرف دنیاوی جاہ و جلال اور مال و متاع کی خاطر خانوادۂ محمدؐ پر بے شمار مظالم ڈھائے خاص طور پر شہادتِ حضرت امام حسین

---

(۱)　(i) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　سرگودھا: مکتبہ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

علیہ السلام کے بعد عصمت مآب خواتین اور معصوم صفت بچوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا وہ انتہائی الم انگیز ہے۔ خاص طور پر اہلِ حرم کا قید ہو کر کوفے میں لایا جانا اہلبیتؑ کے لیے انتہائی ملال انگیز تھا۔ شاعر نے اس کیفیت کو محسوس کیا اور ایک خاص زاویے سے اس کو اُجاگر کیا ہے۔ آپ درج ذیل بند ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ شاعر نے حضرت زینبؑ کے جذبات کی کتنی حقیقی عکاسی کی ہے۔

عابدؑ نے لیا نام جو کوفے کا تو یک بار   زینبؑ کی نگاہوں میں پھرے حیدرِ کرارؑ
افسوس کہ دیکھا تھا جہاں باپ کا دربار   لائی تھی وہاں گردشِ تقدیر گرفتار
شہزادی جہاں پر کبھی کہلائی تھی زینبؑ
افسوس رسن بستہ وہاں آئی تھی زینبؑ

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزیدی سازش کو بے نقاب کرنے میں حضرتِ زینبؑ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ آپؑ نے مختلف بازاروں‘ چوراہوں اور درباروں میں جو خطبات دیے ہیں شاعر نے ان کی خوب مدح سرائی کی ہے۔ آپ اہلِ کوفہ سے حضرت زینبؑ کا یہ خطاب دیکھیے اور احساس کیجیے کہ جس عورت پر کربلا جیسی مصیبت نازل ہو چکی ہے وہ کس انداز سے خطاب کر رہی ہے۔

اے کوفیو‘ کس گھر سے ملی تم کو ہدایت   کس گھر نے سکھائے تمہیں آئینِ حکومت
اے کوفیو‘ کس گھر نے دیا نورِ محبت   کس گھر نے عطا کی تمہیں قرآن کی دولت
کس گھر کے سبق نے تمہیں انسان بنایا
بولو‘ تمہیں کس گھر نے مسلمان بنایا

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں انسان کے جذبات و احساسات کی بہت خوبصورت عکاسی کی ہے۔ خاص طور پر بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور زمانے کی نیرنگیوں کا اس مرثیے میں بہت دلچسپ انداز میں احوال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی جرأت آموزیوں اور دلنشیں خطبوں کے بیان میں شاعر نے اپنا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔

خاص طور پر یہ شعر پورے مرثیہ کی تلخیص ہے کہ حضرت زینبؑ نے ۔

منہ توڑ دیا دشمنِ اولاد نبیؐ کا
اعلان کیا فتحِ حسینؑ ابنِ علیؓ کا

۷۔ یتیمانِ مُسلمؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ "یتیمانِ مسلمؑ" ۱۹۶۸ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی "شبابِ فطرت" میں طبع ہوا۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ کے فرزندوں کا یہ دلگداز مرثیہ قیصر بارہوی کی شعری عظمتوں پر دال ہے۔ یہ مرثیہ پینتیس بندوں پر مشتمل ہے۔(۱)

سفیر آلِ محمد حضرت مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں امام حسین علیہ السلام کے سفیر بن کر پہنچے تو ان کے ساتھ اُن کے دونوں صاحبزادے بھی تھے۔ اہلِ کوفہ نے حضرت مسلمؑ کو تو گرفتار کرلیا اور ان کے دونوں صاحبزادے پردیس میں دربدر ہو گئے۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں کوفے کی ستم گار فضاؤں میں ان بچوں کے واقعۂ اشک فشانی کو بڑے دردناک انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ کوفہ کی خوف و ہراس کی فضا میں دو بچوں پر کیا گزر رہی ہو گی۔ قیصر بارہوی کا درج ذیل بند اس کیفیت کا بھرپور اظہار کرتا ہے ۔

راتوں میں کبھی خوف اُگلتی ہوئی راہیں　　دیتی تھیں صدا' دیکھ کے بچوں کی نگاہیں
جاتے ہو کہاں ڈالے ہوئے باہوں میں باہیں　　کوئی نہ بچائے گا عبث بھرتے ہو آہیں
رحم آئے جسے ایسا مسلمان نہیں ہے
اس کوفے میں بچو' کوئی انسان نہیں ہے

کوفے کے در و بام ان حسین بچوں کو دیکھ کر افسوس کرتے ہیں۔ اشجار کی شاخیں ان بچوں کو دیکھ کر گریہ وزاری کرتی ہیں اور دعا کرتی ہیں کہ کاش اس طرح کے بچے گرفتارِ بلا نہ ہوں اور ایسے خوبرو بچے اپنے والدین سے کبھی جدا نہ ہوں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ حضرت

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　سرگودھا: مکتبہ تحسین' ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ میں بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ظالموں نے اعلان کر دیا کہ اب یتیمان مسلمؑ کو بھی سزا دی جائے گی بلکہ حکومت کی جانب سے یہ خبر پھیلائی گئی کہ۔

ہر شکل میں انعام کو تقدیر بناؤ
زندہ نہیں لا سکتے تو سر کاٹ کے لاؤ

حکومت کے بہی خواہوں نے انعام کے لالچ میں ان بچوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ حکومت خدمتگار حارث کو تلاش بسیار کے بعد یہ دونوں بچے مل گئے۔ اس ظالم نے ان بچوں کے قتل کا ارادہ کیا اور انہیں دریا کے کنارے لے آیا۔ یہاں دونوں بھائیوں کی درد انگیز گفتگو کو قیصر بارہوی نے جس انداز سے پیش کیا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس ظالم حارث نے ایک ایک کر کے دونوں بچوں کو لب دریا شہید کیا اور ان کے جسموں کو تو دریا کی نذر کر دیا اور دونوں کے سروں کو لے کر حکمران کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ قیصر بارہوی نے اس المناک حالت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

حارث نے تو سر دونوں کے ہاتھوں میں اٹھائے لاشے وہاں موجوں نے یتیموں کے ملائے
دریا نے تو مادر کی طرح اشک بہائے الفاظ یہ کوفے کی فضاؤں نے سنائے

اس شان کے دنیا میں نہ معصوم ملیں گے
مسلمؑ کے یتیموں سے نہ مظلوم ملیں گے

۸۔ شامِ غریباں

قیصر بارہوی کا ''شامِ غریباں'' نامی مرثیہ ۱۹۷۴ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ان کے مجموعہ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ قیصر بارہوی کے مقبول ترین مرثیوں میں سے ایک ہے۔ (۱)

یہ زندگی غم و نشاط سے عبارت ہے۔ کبھی غم کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی خوشی کا۔

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ ''شعرائے اہلبیت'' ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء

یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کی پوری زندگیاں غم و الم میں بسر ہو گئیں۔ خاص طور پر واقعۂ کربلا کے بعد ان مقدس صفات ہستیوں پر جو بیتی ہے اس کا بیان انتہائی خونچکاں ہے۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیہ میں شہادتِ امام حسینؑ کے بعد اہلبیتؑ پر گزرنے والے دردناک واقعات بیان کیے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ جب وہ شامِ غریباں کا تصور ذہن میں لاتا ہے تو ان کے کاروانِ فکر سے شور و فغاں کی آوازیں آنے لگتی ہیں اور اس کے خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اٹھنے لگتا ہے۔ شاعر کی چشمِ تخیل ان تمام الم انگیز مناظر کو دیکھ کر افسردہ ہو جاتی ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کربلا کے میدان میں دشمنوں نے فتح و شادمانی کے باجے بجائے اور شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر بلند کر دیا اور خاندان رسالت کے خیموں کو آگ لگا دی۔ اس موقع پر شاعر کا یہ بند استفسار بھی ہے اور اہلِ دل کو جھنجھوڑنے کا سبب بھی۔

کس کے حرم ہیں کس کے پریشاں نصیب ہیں　　فطرت سے پوچھتا ہوں یہ کیسے غریب ہیں
پھر ان پہ کیا بنی ہے جو سب سے عجیب ہیں　　چہرے تو کہہ رہے ہیں خدا سے قریب ہیں
ہونٹوں پہ آیتوں کا خزینہ لیے ہوئے
بیٹھے ہیں بے کسی کا مدینہ لیے ہو

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے اہلِ خانہ پر جو ظلم و ستم ڈھائے گئے اس کی روداد انتہائی ملال انگیز ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ سیدانیوں کو طرح طرح کے مصائب درپیش تھے۔ ایک جانب تو انہیں بچوں کو سنبھالنا تھا اور دوسری جانب شہیدوں کی لاشوں کی حرمت کو پامال ہونے سے بچانا تھا۔ اسی طرح شہیدوں کے جسموں میں پیوست تیروں کو بھی علیحدہ کرنا تھا۔ ان تمام مصائب کے ساتھ ساتھ جب یہ سیدانیاں اپنے کسی عزیز کے بریدہ سر کو دیکھتی تھیں تو آہ و بکا شروع کر دیتی تھیں۔ اس صورتِ حال میں ثانی زہراؑ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عزم و ہمت کے ساتھ تمام مصائب کو بھی برداشت کیا اور سب کو حوصلہ بھی دیا۔ قیصر بارہوی نے انتہائی ملال انگیز اسلوب میں یہ مرثیہ رقم کیا ہے۔ آپ اس مرثیہ کا آخری بند ملاحظہ فرمایئے:

قیصر بیانِ شامِ غریباں محال ہے تحریر کر سکے کوئی انساں محال ہے
لائے جواب گردشِ دوراں محال ہے یوں بھی کسی کا گھر ہو پریشاں محال ہے
ہر زندگی کو ظلم سے لڑنا سکھائے گی
اب تا بہ حشر شامِ غریباں نہ آئے گی

۹۔ نوائے احساس

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''نوائے احساس'' ۱۹۷۲ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور مجموعہ ''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی سیرت وشہادت کے حوالے سے رقم کیا گیا ہے۔(۱)

انسان کی زندگی تضادات کا مرکب ہے۔ قیصر بارہوی نے اس بے لطف زندگی سے لطف کشید کرنے کا انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ وہ پریشانیوں سے لطف حیات، درد کی جولانیوں سے تسکین روح، قلب کی ویرانیوں سے تعمیرِ فکر، اشک نما پانیوں سے ساحل مراد اور زخموں کی دھوپ سے سایہ تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ اس طرزِ عمل کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب ہر نشترِ عمل سے خونِ دل نکھرتا ہے اور بجھتے ہوئے چراغ مستقل تنویر دینے کا باعث بنتے ہیں۔ خاص طور پر غم والم میں صدائے ''یا حسینؑ'' شاعر کے قلب وروح میں تروتازگی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ خود احساس دلاتے ہیں:

بیدار زندگی کی علامت ہے یا حسینؑ تابندہ ولولوں کی حرارت ہے یا حسینؑ
خورشیدِ بندگی کی تمازت ہے یا حسینؑ فردِ عمل پہ مہرِ صداقت ہے یا حسینؑ
قدرت ہے اس نوائے حق انداز کے لیے
زندہ ہے انقلاب اس آواز کے لیے

شاعر کے نزدیک لفظ ''یا حسینؑ'' گلدستۂ تمدنِ عالم، اقدار کی تجلی عالم، تکمیلِ عزم و

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

عہدِ منظم، صداقتِ بنی آدمؑ امن و اماں کی قدر، مسلسل لاتفسدو کی شرحِ مکمل، عزت کی گفتگوئے مدلل، خود آگہی کی شانِ مفصل، وحدت نما جہاد کا منظر، قدرت کا زور آور لشکر، جرأت کا بے کنار سمندر، لازوال معدنِ تنویر، اک بے مثال جذبۂ تسخیر، ادائے اجل گیر، مستقل وقار کی تحریر، آزادیٔ ضمیر کی نوبت، خودداری مزاج وطبیعت، سرمایۂ تحفظِ غیرت اور جوابِ جہدِ حکومت ہے۔

شاعر کا موقف یہ ہے کہ جب وہ یا حسینؑ کہتا ہے تو کربلا کا پورا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور خاص طور پر شہادتِ حضرت علی اصغرؑ کے دلخراش مناظر اس کے دل کو تار تار کر دیتے ہیں۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ کرب و بلا کا اصل فاتح یہ چھ ماہ کا معصوم بچہ ہے کہ اس نے ہر دردمند دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور آج بھی اس بچے کی شہادت حق و باطل میں حدِ امتیاز پیدا کرتی ہے۔ قیصر بارہوی کے اس مرثیے کے اختتامی بند حزن و ملال سے عبارت ہیں۔ صرف ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

اصغرؑ ہنسے تو ہلنے لگا کربلا کا بن ٹکڑے ہوئے تڑپتی فضاؤں کے پیرہن
دریا پہ تھرتھرا گیا عباسؑ کا بدن بولے حسینؑ صبر کرو میرے خستہ تن
مظلومیت کو محورِ اسلام کردیا
تم نے تو آج سب سے بڑا کام کر دیا

۱۰۔ حسینؑ اور انتخاب

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''حسینؑ اور انتخاب'' ۱۹۷۸ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور اُن کے مرثیوں کے مجموعے ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ستر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ انصار و اقرباء حضرت امام حسینؑ سے قیصر بارہوی کی والہانہ عقیدت کا بے مثال نمونہ ہے۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہے۔ انسان اس دنیا میں آنے کے بعد اپنی حقیقت سے آشنا ہو کر کائنات کو تسخیر کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی دوررس نگاہ دی ہے کہ وہ آبِ حیات کی شناخت کر سکتا ہے اور اپنے کامل شعور سے پوری زندگی کو مسخر کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی کو منوّر کرنا چاہتا ہے تو اُسے اپنے دل کو آفتاب کی طرح روشن اور تاباں بنا لینا چاہیے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس بے مثال کائنات میں وحدت پرست لوگوں کے لیے عظیم مراتب موجود ہیں۔ دانا وہی ہے جو حالات کی یورش سے نہ گھبرائے اور اپنی بصیرت کی مشعل لے کر کائنات کو جگمگا دے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اگر ہم کاروانِ وطن کو تمدّن کی کہکشاں اور اپنے وطن کی زمین کو رشکِ آسمان بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں کربلا کے پیغام سے استفادہ کرنا چاہیے۔

انسانیت کے سلک میں اہلِ نظر عوام ۔۔۔ پیتے ہیں کربلا کی شرابِ عمل کے جام
یہ بات مانتا ہے زمانے کا ہر نظام ۔۔۔ قانونِ انتخاب ہے عاشور کا پیام
یعنی خرد پہ غلبۂ وہم و گماں نہ ہو
نااہل کے سپرد کوئی کارواں نہ ہو

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ جب ذہنوں پر خطا کاریوں کی دھوپ چھائی ہوئی تھی اور دل آزادیوں کے باعث دردمند دلوں کے سینے جل رہے تھے ایسے عالم میں امام عالی مقام نے فیصلہ کیا کہ وہ رعونت شاہی کی برچھیوں اور جبرِ حکومت کی سختیوں کو جھیل لیں گے لیکن تحفظِ اسلام کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت امام حسینؑ نے حق کی سربلندی اور قرآن کی عظمت کے لیے کربلا کی جانب سفر اختیار کیا۔ اُن کی نگاہ دوررس نے دیکھ لیا تھا کہ کربلا کے میدان میں انہیں اپنے بچوں، جوانوں اور بزرگوں کی قربانیاں پیش کرنا ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اُن کی شہادت کے بعد اُن کے اہل خانہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا جائے گا۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی عظیم قربانیوں کو قیصر بارہوی نے درج ذیل بند میں اس طرح بیان کیا ہے:

دریا کے پاس تشنہ لبی کے کنول کھلے   خنجر چلے غریبوں کے زخمِ جگر سلے
کڑیل مجاہدوں کو سنانوں کے پھل ملے   بچوں کا خون دیکھ کے پتھر کے دل ہلے

پیاسوں نے کارنامۂ عاشور لکھ دیا
پانی پہ انتخاب کا دستور لکھ دیا

حضرت امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں جو بے مثال قربانی دی وہ لوحِ تاریخ پر محفوظ ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ عاشور کے روز امام حسینؑ اور اُن کے اقربا اور جانثاروں کی قربانیاں تو مکمل ہوگئیں تاہم خانوادۂ اہلِ بیتؑ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فیصلہ کرلیا کہ یزید اور اس کے حواری جتنا بھی ظلم وستم ڈھالیں وہ مقاصدِ شہادتِ حسینؑ کو کسی طرح چھپنے نہیں دیں گے۔ بلاشبہ یہ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کی بے مثال کاوشیں تھیں جن کے باعث امام حسینؑ کا پیغام آج بھی اہلِ وِلا کے دلوں کی دھڑکن ہے۔

۱۱۔ صبحِ مودّت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''صبحِ مودّت'' ۱۹۷۷ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں کنیز فاطمہ الزہراؑ حضرت فضہؑ کی شخصیت کے گراں قدر پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور میدانِ کربلا میں ان کی خدمات جلیلہ بیان کی گئی ہیں۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اس کائنات میں یوں تو ہر چیز فنا پذیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض شخصیات کو لافانی بنادیا ہے۔ ان عظیم المرتبت شخصیات میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو جو بلند مقام حاصل ہے اظہر من الشمس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جلیل القدر ہستیوں کو یہ اعجاز بھی عطا کیا ہے کہ جو ان کے ساتھ منسلک ہوجائے وہ بھی رفیع الدرجات ہوجاتا ہے۔ گویا قیصر بارہوی کے نزدیک اس دنیا میں بقا کا راز خدمتِ آلِ رسولؐ میں مضمر ہے۔ آلِ رسولؐ کی خدمت

---

(۱) (i) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء

گزاروں میں ایک معتبر نام بی بی فضہؓ کا بھی ہے جنہوں نے عمر بھر خاندانِ رسالت کی خدمت گزاری کی اور محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ان کی اتنی پذیرائی کی کہ آج ان کا اسمِ گرامی اہلِ مودّت انتہائی احترام سے لیتے ہیں۔ بقول شاعر

فضہ کو شہرِ علم کی آب و ہوا نصیب چومے فرازِ عرش وہ ذہنِ رسا نصیب
تائیدِ پنجتنؑ کرمِ کبریا نصیب لاریب اس نصیب کو کہیے بقا نصیب
دامن میں بارگاہِ امامت کی بھیک ہے
فضہؓ کی پرورش میں نبوّت شریک ہے

حضرت فضہؓ آلِ نبی کی قدر و منزلت جانتی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو خدمت اہلبیتؑ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ اپنے افکار میں حدیقۂ عصمت، گفتار میں معانی آیت، کردار میں جمالِ شرافت اور رگ و پے میں حسنِ شریعت لیے ہوئے تھیں۔ وہ ایک عالی قدر اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن حضرت فاطمہؑ کی محبت میں بوریا نشین ہو گئیں تھیں۔ حضرت فاطمہؑ کی صحبت نے انہیں اس مقام ارفع پر پہنچا دیا تھا کہ جہاں وہ رازدارِ درود و سلام ہو گئی تھیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ حبش کی خاک مدینے میں آکر اکسیر ہو گئی تھی۔

حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد چشمِ فضہؓ نے جو مناظر دیکھے وہ انتہائی المناک تھے۔ حضرت فاطمہؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ مسلمانوں نے جو سلوک کیے تھے حضرت فضہؓ ان پر خون کے آنسو روتی رہتی تھیں۔ زمانے کا مزاج بدلا تو امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا کیا گیا۔ امام عالی مقامؑ کے انکار کے بعد کرب و بلا کے میدان میں امام اور ان کے ساتھیوں نے اپنے خون سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ کر ایک جانب دینِ اسلام کو محفوظ کر دیا اور دوسری جانب منافقت کے چہرے پر پڑی نقاب اُلٹ دی۔ حضرت فضہؓ نے کربلا کے میدان میں جو وقیع کارنامے انجام دیے قیصر بارہوی نے بڑے دلنشیں انداز میں اس کا ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر دربارِ یزید میں حضرت فضہؓ کے کارناموں کو شاعر نے بڑے سلیقے اور بلند آہنگی سے بیان کیا

ہے اور آخر میں ان پر درود و سلام بھیجا ہے۔ آپ یہ بند ملاحظہ فرمایئے :

آیاتِ صبر و شکر کی تفسیر پہ سلام ایماں کی بولتی ہوئی تصویر پہ سلام
عہدِ وفا کے خواب کی تعبیر پہ سلام خدمت گزار زینبؑ و شبیرؑ پہ سلام
ذرّیتِ رسولؐ پہ قربان ہو گئی
فضہؓ کتابِ عشق کا عنوان ہو گئی

۱۲۔ علمِ علیؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''علمِ علیؑ'' ۱۹۸۱ء میں تخلیق ہوا اور مجموعہ ''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ یہ مرثیہ بہتر بندوں پر مشتمل ہے جس میں شاعر نے بابِ مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے علم کا بیان انتہائی موثر پیرائے میں کیا ہے اور چشم تخیل سے کربلا کے الناک مناظر کو دیکھ کر پیش کیا ہے۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علم عطیہ الٰہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ دانش مندوں نے علم کو جنت کا میوہ قرار دیا ہے۔ دیگر ادیانِ عالم کی طرح اسلام نے بھی حصولِ علم پر بے حد زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو علم کا مرکز و محور اور حضرت علیؑ کو اُس مرکز تک پہنچنے کا راستہ قرار دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنی ذات کو مدینۃ العلم اور حضرت علیؑ کو اُس کا دروازہ قرار دیا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے علم کا بیان ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

میں اور بیانِ علم علیؑ یا علیؑ مدد میں اور حدیثِ نفس نبیؐ یا علیؑ مدد
منزل ہے جلوۂ ازلی یا علیؑ مدد میں اور نگارش ابدی یا علیؑ مدد
پھیلا رہا ہوں نشۂ جامِ غدیر کو
مل جائے اہلِ بیتؑ کا صدقہ فقیر کو

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز؛ ۱۹۹۸ء

شاعر کا موقف یہ ہے کہ علمِ قدرت کا ترجمان اور باعثِ آرائشِ جہان ہے یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ شاعر کے خیال میں حضرت علیؑ کو علوم کے جو ذخائر ودیعت کیے گئے اُس کے باعث وہ اسرارِ کائنات کے حامل ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ فطرت انسانی اُن کا احترام کرتی ہے۔ پانی ہو یا زمین' ہوا ہو یا منبر' آفتاب ہو یا مہتاب ہر ایک علمِ علیؑ کا گن گاتا ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ علم ہر مرض کی دوا' گم گشتۂ خرد کے لیے رہنما' اہل عمل کے واسطے حسنِ بقا اور مشکلوں کے لیے مشکل کشا ہے' علم بوئے چمن' گلوں کی پھبن' سچائیوں کا بانکپن اور شمع انجمن ہے۔ علم مومن کی روح کے لیے کاشانہ ے خوارِ حق پرست کے لیے میخانہ اور کوثر شناس کے لیے جرأت رندانہ ہے۔ بقول شاعر ؎

حق کارواں ہے علم کا اور کارواں ہے علم　　قدرت اگر دہن ہے تو اُس کی زبان ہے علم
کعبہ مکاں ہے اور خبر لامکاں ہے علم　　پیکر حصارِ جاں ہے تو احساسِ جاں ہے علم

تجسیم ہو کے صورتِ حیدرؑ میں آ گیا
جس گھر کو جانتا تھا اُسی گھر میں آ گیا

قیصر بارہوی نے حضرت علیؑ کے علوم کے مختلف مظاہر انتہائی سلیقے سے بیان کیے ہیں۔ اُن کا موقف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے بعد حضرت علیؑ علم کے مقام بلند پر فائز ہیں اور جب تک یہ دنیا باقی ہے اور علوم وفنون کا ذکر رہے گا حضرت علیؑ کی علمی قابلیت اور ذہانت کا ایک زمانہ معترف رہے گا۔ یہ امر انتہائی المناک ہے کہ دشمنانِ دین واسلام نے حضرت علیؑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ حضرت علیؑ نے طوفانِ ظلم وجور کو گلے لگا کر پیغام کبریا کا سفینہ بچالیا۔ آپؑ نے سجدے کی حالت میں جامِ شہادت نوش کیا۔ وہ خود تو دنیا سے روانہ ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے علم کے ذریعے اسلام کو سرخرو کر دیا۔ شاعر کی چشم تخیل دیکھتی ہے کہ حضرت علیؑ کے علم کا تحفظ اُن کے خانوادے نے بہت اچھی طرح سے کیا اور خاص طور پر کربلا کے میدان میں علم کے تحفظ کے لیے اہلِ بیت نے جو بے مثال قربانیاں دیں وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ شہادتِ امام حسینؑ کے بعد حضرت زینبؑ نے دربار کوفہ وشام میں جو خطبات

دیئے ہیں وہ بھی حضرت علیؑ کے علمی موعظت کو تازہ کرتے ہیں۔اس طرح شاعر نے اس اپنے موقف کو ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علیؑ کا علم کربلا و شام میں بھی تر وتازہ رہا ہے۔

بھیا قدم قدم ہیں ہزاروں مصیبتیں　　بھیا پکارتی ہیں غضب کی مسافتیں
بھیا بہت قریب ہیں خطبوں کی ساعتیں　　کوفے میں دیکھئے گا بہن کی ریاضتیں
زندہ رکھوں گی علمِ علیؑ کے نظام کو
بھیا اُلٹ کے آؤں گی دربارِ شام کو

۱۳۔ اعجازِ تحمّل

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''اعجاز تحمّل'' ۱۹۷۹ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنی جدتِ فکر اور ندرت خیال کے باعث رثائی ادب میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔اس مرثیے میں حضرت سید سجادؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور واقعۂ کربلا کے بعد اُن پر ڈھائے جانے والے مظالم کا دردناک بیان پیش کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت امام حسینؑ کے فرزندوں میں حضرت سیّد سجادؑ کا نام انتہائی معتبر ہے اور وہ اپنی سیرت و کردار کے حوالے سے انتہائی مقام پر فائز ہیں۔خاص طور پر اپنی عبادت گزاری اور سنجیدہ گفتاری کے باعث وہ اہل ولا کے دلوں میں بستے ہیں۔وہ ایک پیکر ایثار، عارف توحید اور احکامِ خداوند کے پاس دار ہیں۔اُن کا سینہ اسرار الٰہی کا مکان ہے۔وہ ہونٹوں پر قرآن محمدؐ سجائے اور اپنے رگ و پے میں شبیرؑ کا مقصد بسائے اپنے کردار سے باطل کو شکست فاش دے رہے ہیں۔وہ عرفان حقیقت کا سمندر، علوم کے گوہر امن کا جھومر، صولت ایمان، ہادیٔ اکمل ابر سخا، مہمان نواز، مشیّت خدا کا علمبردار اور پابند احکام الٰہی ہیں۔شاعر کا موقف یہ ہے کہ کرب و بلا کے میدان میں امامِ عالی مقامؑ نے جو بیش بہا قربانیاں دی ہیں اُن کی تشہیر سیّد سجادؑ نے کی

(۱)　(i) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ قافلۂ اہل بیتؑ کے سالار تھے لیکن اُن کی شہادت کے بعد حضرت سیّد سجاد نے اس قافلے کی جو رہبری کی ہے اُس کا بیان صرف اور صرف دردو غم سے عبارت ہے۔

لشکر کی طرح ظلم کے سیلاب سے پوچھو دورانِ سفر مہر جہاں تاب سے پوچھو
تیروں کے بھنور نیزوں کے گرداب سے پوچھو ناموسِ نبیؐ گلشنِ بے آب سے پوچھو
فطرت پہ جو غالب ہو وہ کہلائے گا سجادؑ
ہر دور میں شبیرؑ نظر آئے گا سجادؑ

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ حضرت سیّد سجادؑ گلزارِ امامت کا صفدر، شریعت کا گل تر، اسلام کا محور، تقدیر حرم اور شہیدوں کے اُجالوں کی سحر ہیں تاہم مقام ملال یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں اس مصدر ایماں کو کوفیوں اور شامیوں نے چاک گریباں کر دیا۔ حضرت سید سجادؑ اگرچہ انتہائی ناتواں تھے مگر انہوں نے اپنے کاندھوں پر بار اسلام اُٹھایا ہوا تھا۔ کربلا سے کوفے اور کوفے سے شام میں امام عالی مقام کو جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ قیصر بارہوی نے انہیں انتہائی ملال انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت سیدِ سجادؑ نے کوفے، شام اور دمشق میں جو خطبات دیے ہیں وہ دردمند دلوں کے لیے نشتر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

اے کوفیو اب میں ہوں وہ مظلوم کا دلبر ملتے ہیں جسے طعنۂ اغیار کے نشتر
دیوانہ صفت دیکھ رہے ہو مجھے ہنس کر اے کوفیو کیوں مارتے ہو درد کے خنجر
پردیس میں اُجڑا ہوا مہمان تو سمجھو
میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر انسان تو سمجھو

حضرتِ سیّد سجادؑ نے اپنے خطبات اور طرزِ عمل سے یزیدی تکبر کے بُت پاش پاش کر دیے۔ انہوں نے مختلف مقامات پر اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کا تحفظ کیا اور یزیدی افکار و نظریات کو باطل قرار دیا۔ انہوں نے اہلِ بیت کا تماشا دیکھنے والوں کو احساس

دلایا کہ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطباتِ جناب سیّد سجاد نے محض مغرور حکمرانوں کو خاموش ہی نہیں کیا بلکہ حاکمِ وقت سے قلمدانِ سخن بھی چھین لیا تھا۔ مرثیے کے آخر میں قیصر بارہوی نے حضرت سکینہ بنتِ حسینؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر کو بھی بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت سیّد سجادؑ نے مصائب برداشت کیے ہیں۔ اُن کا بیان لفظوں میں ممکن ہی نہیں ہے۔ تاہم قیصر بارہوی نے اپنے جذبات واحساسات کے باعث اس کا کچھ نہ کچھ حق ضرور ادا کر دیا ہے۔

۱۴۔ اُجالوں کا سفر

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''اُجالوں کا سفر'' ۱۹۸۱ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور قیصر بارہوی کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں کے اس مرثیے میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے کردار کے محاسن اور قید و بند میں ان کے المناک مصائب کو موضوع بنایا گیا ہے۔(۱)

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے ہمیشہ رواداری اور پیار و محبت کو اہمیت دی ہے تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ اسلام اور توحید کے پرستاروں سے اہلِ دنیا نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ شمعِ توحید ہمیشہ زندانوں میں فروزاں ہوئی اور دین ظلم کے طوفانوں میں پروان چڑھا۔ اہلِ حق کو کبھی مقتل میں زہر کے پیالے پلوائے گئے اور کبھی انہیں درد کی میزانوں میں تلوایا گیا تاہم تابندہ ضمیر رکھنے والے ان وحدت کے سفیروں نے ظلم و بربریت کے سامنے اپنے سر خم نہیں کیے بلکہ حق و صداقت کا علم سربلند کر کے اہلِ دنیا کو یہ سبق دیا کہ ۔

آدمیت کا اُجالا ہے شہیدوں کا لہو
صبحِ فطرت میں غریبوں کے مسلسل آنسو
خشک ہونٹوں سے ہے ایمان کی شاخوں میں نمو
بستیاں دشت سے لائی ہیں وفا کی خوشبو

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیت'' ۱۹۷۷ء

(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

آب کیا پائی ہے احساس کی تلواروں نے
ہاتھ کٹوائے ہیں وحدت کے علمداروں نے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں نے خاندانِ رسالتؐ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ خاص طور پر کربلا کے میدان میں مسلمانوں نے خانوادۂ رسولؐ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اس تمام صورتِ حال کا سبب کیا ہے اس کا تجزیہ قیصر بارہوی کی زبان سے سینئے۔

چھا گیا ذہن ریاست پہ شرابی منظر — نشۂ زر میں اچھالے گئے زرّیں ساغر
کھا گیا غیرتِ انساں کو سنہری خنجر — فکر ٹھہری جو چمکتے ہوئے دیناروں پر

غرقِ باطل ہوئے کیفیتِ حق بھول گئے
کلمہ گو اجرِ رسالت کا سبق بھول گئے

کہا جاتا ہے کہ ہر تاریکی کا انجام سفید ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلم معاشرہ ظلم و جور سے بھر گیا تو ایسے عالم میں خاندانِ رسالتؐ میں حضرت امام علی نقی جلوہ گر ہوئے۔ وہ اپنے اسلاف کی جملہ صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر دینِ اسلام کے حقیقی تصورات بحال کرنے کی کاوشیں شروع کیں۔ اس عہد کے متوکل کو یہ بات پسند نہ آئی لہٰذا اس خصلت نے امام نقی علیہ السلام کو سامرہ کے قید خانے میں ڈلوا دیا۔ متوکل بادشاہ نے کربلا میں گنجِ شہیداں پر ہل چلوائے اور زراعت کے لیے اس زمین پر نہر بنوا دی۔ امام علی نقی پر قید خانے میں طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ یہاں تک کہ صبر و جرأت کا یہ بے مثال مجاہد اور وحدت کا پرستار شہید ہو گیا۔

صبح آئی تو لرزتے ہوئے سورج نے کہا — کھل گیا اب درِ زنداں وہ مسافر نکلا
کون کہتا ہے چھپی آلِ محمدؐ کی ضیا — حشر تک پردۂ فطرت سے یہ آئے گی صدا

جراتِ حق ہو تو ہر ذہن پہ چھا سکتا ہے
ایک انسان زمانے کو ہلا سکتا ہے

۱۵۔ معراجِ بشر

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''معراجِ بشر'' ۱۹۶۵ء میں تخلیق ہو کر پہلی مرتبہ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا اور بعد میں ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' کی زینت بنا۔ ستر بندوں کے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے اسلام کے رکن نماز کی فضیلت و اہمیت اور اس کے تحفظ کے لیے اہلبیتؑ عظام کی بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ (۱)

اسلام میں نماز کو دین کا ستون اور مومن کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ روزِ حشر سب سے پہلے نماز کے بارے میں استفسار کیا جائے گا اور جس کی نماز قبول ہوگی اس کے دیگر اعمال کے رد و قبول پر گفتگو ہوگی۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ نماز سے بشریت کو عروج حاصل ہوتا ہے اور نماز عبد و معبود کے درمیان زینے کا کام دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس بے قرار دنیا میں سکونِ قلب کا متمنی ہے تو نماز سے بہتر کوئی عبادت نہیں ہے۔ نماز صنم پرست ارادوں کو توڑتی، اہلِ تغافل کے مزاج کو جھنجھوڑتی، سفالِ شرک کا ہر ظرف پھوڑتی اور برائیوں کی کلائی مروڑتی ہے۔ نماز گرفتۂ غمِ دنیا کی چارہ گر، مشکلاتِ زمانہ سے نکالنے والی چارہ گر، شکستہ پر کے لیے وجہ بال و پر اور عرش و فرش کو ملانے والی راہگزر ہے بقول قیصر بارہوی۔

نماز نفس کی عزت ہے اولیا کی قسم　　نماز دین کی حرمت ہے اوصیا کی قسم
نماز حسنِ شریعت ہے انبیا کی قسم　　نماز قصۂ وحدت ہے کبریا کی قسم
یہ امر ڈوبتے سورج کو کھینچ لاتا ہے
نماز ہو تو گیا وقت ہاتھ آتا ہے

اس دنیا میں کچھ ایسے نفوس بھی گزرے ہیں جنہوں نے قیام و اہتمام نماز کے لیے

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　معراجِ بشر　لاہور: امداد اکیڈمی، ۱۹۷۵ء
(i) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ، ۱۹۷۷ء
(iii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ حضور اکرمؐ اور ان کے جلیل القدر اصحاب کبارؓ نے قیامِ نماز کے لیے بے پناہ جدوجہد کی اور خانوادۂ رسولؐ نے استحکام نماز کے لیے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ حضرت فاطمہؑ نے فاقوں میں نماز ادا کی اور حضرت علیؑ نے تو نماز پڑھتے ہوئے حالتِ سجدہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اسی طرح کربلا کے میدان میں شبیہ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی دلنشیں آواز آج بھی دل والوں کے لیے سوز و گداز کا سبب ہے۔ استحکام نماز کے لیے امام حسینؑ اور ان کے جانباز سپاہیوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں اور نماز کی حرمت کو بچالیا۔ بقول قیصر بارہوی ؎

وہ ضربِ شمرِ لعیں اور وہ اختتامِ نماز　　قضا کی تیز ہوا اور چراغ ناز و نیاز
خموش ہو گیا جس دم خدا کی حمد کا ساز　　دلِ نبیؐ کی طرح ہل گئی زمین حجاز

عجب ادا سے نمازی نماز پڑھ کے گیا
بہن کے سامنے نوکِ سناں پہ چڑھ کے گیا

۱۶۔ معصومۂ کربلا

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''معصومۂ کربلا'' ۱۹۷۰ء میں معرض تخلیق میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں طبع ہوا۔ ستر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت زینب کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن اور شہادت امام حسینؑ کے بعد آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار اور مصائب کا دردناک بیان ہے۔(۱)

کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ نے حق کی سربلندی کے لیے اپنی اور اپنے جانثاروں کی زندگیاں تو قربان کر دیں مگر ظلم و تمرد کے سامنے سر نہ جھکایا۔ اس لق و دق صحرا میں امام عالی مقام کی یہ بے مثال قربانی صدا بصحرا ہو جاتی اگر زینب سلام اللہ علیہا مقاصد شہادت امام مظلوم اُجاگر نہ کرتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحرا کے اس واقعہ کو قلوب انسانی تک پہنچانے کا

---

(۱)　(i) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

تمام تر اعزاز حضرت زینبؑ کو حاصل ہے۔ قیصر بارہوی اس رمز سے آشنا ہیں لہٰذا وہ اپنے اس مرثیے کا آغاز ہی اسی موقف سے کرتے ہیں۔

زینبؑ کا تذکرہ ہے صدائے حسینیتؑ　　زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ
زینبؑ کی محنتیں ہیں برائے حسینیتؑ　　ہو کیوں نہ سربلند لوائے حسینیتؑ
طوفان سے بچا کے حسینیؑ چراغ کو
زینبؑ نے روح دی ہے محمدؐ کے باغ کو

حضرت زینبؑ اس امر سے بخوبی آگاہ تھیں کہ یزیدی اور استعماری قوتوں کی خواہش ہے کہ اب وہ شہادت امام مظلومؑ پر پردہ ڈالیں اور انہیں محض ایک ''باغی'' کہہ کر تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیں لیکن حضرت زینبؑ نے انتہائی ہمت و جرأت اور استقلال سے یزید کے پیکرِ ستم پاش پاش کیے اور دین کو ترچھی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال لیں۔ حضرت زینبؑ بے بسی و بے کسی کا مظہر تو بن گئیں اور رسن بستہ ہو کر درباروں اور بازاروں میں تو چلی گئیں لیکن انہوں نے چراغ شریعتِ نہ بجھنے دیا۔ انہوں نے اپنے جرأت آموز اور ولولہ انگیز خطبوں سے مقاصدِ حسینؑ کی تشہیر کی اور دردمندوں پر یہ حقیقت آشکار کی کہ امام عالی مقامؑ نے حق اور سچ کی سربلندی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کی ہے۔ انہوں نے اپنی تیغ زبان سے دشمنوں کے ہر وار کو کاٹ کر رکھ دیا۔

لہجہ ملا جو ضیغمِ پروردگار کا
لفظ و بیاں سے کام لیا ذوالفقار کا

قیصر بارہوی نے حضرت زینبؑ کے مصائب انتہائی دردانگیز پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ حضرت زینبؑ نے آغاز تا انتہا جو مصائب برداشت کیے ان کا بیان لفظوں پر ممکن نہیں لیکن یہ بات بہر حال طے ہے کہ کربلا کے واقعہ میں جتنا کردار امام حسینؑ کا ہے اتنا ہی حضرت زینبؑ کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آغاز امام حسینؑ نے کیا اور انتہا حضرت زینبؑ نے کی۔ مصائب کا ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔

آنکھوں میں اب نہ اشک نہ چہرے پہ کچھ ملال اب زندگی تھی مقصدِ شبیرؑ کا خیال
خاموشیوں کی تیغ سے کاٹے ستم کے جال ظلمت کا دم نکل گیا بکھرے جو سر کے بال
اک اک عمل تھا حق کی بھلائی کے واسطے
بازو بندھے تھے عقدہ کشائی کے واسطے

۱۷۔ یوسفِ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''یوسفِ حسینؑ'' ۱۹۷۴ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ امام حسینؑ کے جواں سال بیٹے حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و شہادت سے متعلق ہے۔(۱)

اس چہل پہل اور رونق بخش دنیا میں ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت وہ بدیہی حقیقت ہے، جس سے کسی مذہب، مسلک یا مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے کو بھی انکار نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بادِ اجل ہر چیز کو تاراج کر دیتی ہے۔ انسان ہوں یا کائنات، سمندر ہوں یا محفلِ ہستی، باغ ہوں یا نقوشِ زمانہ، کلیاں ہوں یا پھول، پتیاں ہوں یا اشجار و اثمار، آبادیاں ہوں یا صحرا، ستارے ہوں یا سیارے، آفتاب ہو یا ماہتاب، لق و دق صحرا ہوں یا بے ستونوں کا آسمان، مہیب پہاڑ ہوں یا کمزور ذرّات، آب و تاب والے موتی ہوں یا کنکر پتھر، قدیم عمارات ہوں یا جدید بام و در، آخر کار سب کو فنا ہو جانا ہے۔

جن کی رعونتوں سے لرزتی تھی زندگی ملتی نہیں زمانے کو اب ان کی خاک بھی
اک دم سے بجھ گیا وہ چراغِ سکندری جو دے رہا تھا ذہنِ ارسطو کی روشنی
سب اُٹھ گئے جلالت و حکمت لیے ہوئے
آئینہ رہ گیا رُخِ حیرت لیے ہوئے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس فنا پذیر کائنات اور ارضِ بے ثبات میں اگرچہ

---

(۱) مشمولہ (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء
(iii) شبیہ الحسن، ڈاکٹر قیصرِ اقلیمِ مرثیہ لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

ہر چیز کو فنا ہے لیکن جو لوگ اپنے دل میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت رکھتے ہیں انہیں فنا چھو بھی نہیں سکتی۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں موت کو شکست دے کر حیاتِ ابدی حاصل کر لی ہے۔ اسی طرح حضرت علی اکبرؑ کو بھی حیاتِ دوام حاصل ہے کہ انہوں نے کربلا کے میدان میں اپنے لہو سے موت کی ترشی کو شیریں بنا دیا ہے۔ اب جس کے دل میں حضرت علی اکبرؑ کی محبت موجزن ہے وہ بھی موت کو شہد کی طرح شیریں محسوس کرتا ہے۔

کربلا کے میدان میں یوں تو ہر فرد کی قربانی عظمتوں سے ہمکنار ہوئی لیکن شبیہ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت ایک عظیم سانحہ ثابت ہوئی۔ قیصر بارہوی نے حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر انتہائی دردناک انداز میں بیان کیے ہیں کہ قاری کی آنکھیں اشکبار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ دشمنانِ آلِ پیمبرؐ نے حضرت علی اکبرؑ پر بے شمار مظالم ڈھائے لیکن امام عالی مقامؑ نے انتہائی صبر و استقامت سے یہ عظیم سانحہ بھی برداشت کیا۔ قیصر بارہوی کے اس مرثیے کا ایک بکائی بند ملاحظہ فرمائیے ؎

لیلیٰؑ نے ایسا لال جو دیکھا لہو میں تر   پھیلا کے دونوں ہاتھ یہ لائی زبان پر
یہ کیسی نیند ہے مرے کڑیل جواں پسر   مہندی رچا کے ہاتھوں میں سوتے ہو بے خبر
مقتل کے سرخ پھولوں کا سہرا سجے ہوئے
آئے ہو ماں کے سامنے دولہا بنے ہوئے

۱۸۔ عرفانِ حیات

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عرفانِ حیات'' ۱۹۷۱ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ ایک سو آٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت حُرؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ کر کے قیصر بارہوی نے کربلا کے میدان میں ان کی جرأت مندانہ قربانیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ (۱)

---

(۱) (i) قیصر بارہوی   عرفانِ حیات   پندرہ روزہ ''المنتظر'' لاہور، دسمبر ۱۹۷۵ء
(i) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(iii) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

اردو مرثیے کی تاریخ میں یوں تو بے شمار شخصیات کی سیرت و کردار پر مرثیے لکھے گئے ہیں لیکن حضرت حُرؒ کی شخصیت پر لکھا جانے والا ہر مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم اور قابلِ قدر ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ حضرت حرؒ کی شخصیت ایک شدید کشمکش اور ذہنی اُلجھاؤ کے بعد تعمیر ہوئی اور شعرا نے اس صورتِ حال کا بے حد فائدہ اٹھایا ہے۔ اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے بھی اس صورت حال سے بعض لطیف نکات اُجاگر کیے ہیں۔

قیصر بارہوی ایک خوش فکر اور نیک فطرت انسان تھے۔ اس مرثیے کی تمہید میں انہوں نے احساس دلایا ہے کہ وہ فکر سے پیار کی تصویر بناتے ہیں، اپنی فطرت کو غم کی تہذیب سے سجاتے ہیں، دل کے سورج سے نئے پھول کھلاتے ہیں اور صحنِ تخلیق کو اُجالوں سے بساتے ہیں۔ وہ سچ اور حق کے علمبردار ہیں اور ہمیشہ اہلبیتؑ رسول سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

میرے جذبات زمانے میں اخوت کا رواج　　میرے غم خوارِ تخیّل میں ہے تقدیس مزاج
جانتا ہوں ابھی سمجھا نہیں بیمار سماج　　میرے اشکوں میں بھی ہے زخمِ تعصب کا علاج
نسخۂ وحدت افکار رقم کرتا ہوں
کربلا والے مسیحاؤں کا دم بھرتا ہوں

کربلا کے میدان میں خانوادۂ رسولؐ کی بے مثال قربانیوں کا تو ذکر ہی کیا یہاں تو امام حسینؑ کے انصار و اقربا نے جو قربانیاں دی ہیں وہ لوحِ تاریخ پر جگمگا رہی ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ کربلا میں ہر فرد عزمِ شبیرؑ کی منہ بولتی تصویر اور سورۂ والعصر کی حقیقی تفسیر تھا۔ خاص طور پر حضرتِ حرؒ نے جس طرح امام عالی مقامؑ پر اعتماد کر کے اپنی جان قربان کی ہے وہ بھی ایک معجزہ ہے۔ شاعر نے حضرتِ حرؒ کی کشمکش، بے چینی اور امامؑ کے حضور حاضری کے مناظر کو بڑے دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ حضرت حرؒ نے کربلا کے میدان میں جو وغا کی ہے اس کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔ شاعر نے شہادتِ حضرتِ حرؒ کے رقت انگیز مناظر کو بھی بیان کیا ہے اور اس صورتِ حال میں امام حسینؑ کی الفت کا اظہار بھی کیا۔ آخر میں صرف ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

اپنے مہمان کی میت کو لیے ہاتھوں پر علی اکبرؑ کی طرف دیکھ کے بولے سرورؑ
جاؤ اپنی پھوپھی اماں سے کہو نورِ نظر ماتمِ حُرؑ میں لہو روتا ہے زہراؑ کا پسر
لاش انصار کے خیموں کی طرف لاتا ہوں
حُرؑ کا پرسہ مجھے سب دیں میں ابھی آتا ہوں

۱۹۔ سبطین مرتضیٰؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''سبطینِ مرتضیٰؑ'' ۱۹۷۷ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ تریسٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت زینبؑ کے دو صاجزادوں اور حضرت علیؑ کے نواسوں حضرت عونؑ اور حضرت محمدؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا محاکمہ کیا گیا ہے اور میدانِ کربلا میں ان کی بے مثال قربانیوں کا ذکر ہے۔(۱)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا بے شمار صفات سے مالا مال تھیں۔ حضرت فاطمہؑ کی تربیت نے انہیں عظمتوں سے ہمکنار کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ حضرت زینبؑ نبوتوں کے گلستاں، اماموں کے قلمداں، دیارِ مذہب و ایماں اور عزم واستقلالِ قرآں کی پاسبان ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کی صداقت، والدہ کی عصمت، نانا کی شریعت اور باپ کی زینت کا آئینہ ہیں۔ بقول قیصر بارہوی۔

زینبؑ جہانِ حمد کی سرحد کا نام ہے زینبؑ وجودِ آلِ محمدؐ کا نام ہے
تقدیرِ کاروانِ اب و جد کا نام ہے زینبؑ رسولِ پاکؐ کے مقصد کا نام ہے
وحدت ہے جس کی شان وہ پیغام ہی نہیں
زینبؑ نہیں تو معنیِ اسلام ہی نہیں

حضرت عبداللہ اور بی بی زینبؑ کے دو صاجزادے حضرت عونؑ اور حضرت محمدؑ اپنے اجداد کی

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ ''شعرائے اہلبیت'' ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

سیرت کا آئینہ تھے۔ وہ انتہائی مہذب، نیک سیرت، نیک خصلت اور دین اسلام سے بے پناہ محبت کرنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد اور والدہ نے انہیں ہمیشہ یہ تلقین کی تھی کہ حق و صداقت کی خاطر جان دینا آلِ محمدؐ کا شعار ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان بچوں نے کربلا میں حق کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ قیصر بارہوی نے ان بچوں کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے :

عصمت کے بے مثال گہر تھے وہ دونوں لال　　باغچۂ شرف کے ثمر تھے وہ دونوں لال
عظمت کی شاخ پر وہ گلِ تر تھے دونوں لال　　ماں باپ کی دعا کا اثر تھے وہ دونوں لال
عبداللہ اپنے پھولوں سے باغ و بہار تھے
زینبؑ کے لال رحمتِ پروردگار تھے

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں حضراتِ عونؑ و محمدؐ کی میدانِ جنگ میں روانگی سے قبل ان کی والدہ سے ہونے والی گفتگو انتہائی دردناک انداز میں نظم کی ہے۔ حضرات عونؑ و محمدؑ میدان جنگ میں پہنچے تو دشمنوں نے ان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ ان دونوں بچوں نے اتنی شدت سے حملہ کیا کہ دشمنانِ دین کو حمزہؑ، جعفرؑ اور حیدرؑ کی جنگ یاد آ گئی۔ آخر کار تمام فوج نے مل کر ان بچوں پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ جب ان بچوں کی لاشیں خیمے میں آئیں تو ایک کہرام مچ گیا۔ قیصر بارہوی نے ان غم انگیز اور دردناک مناظر کی تصویر کشی بڑے المناک پیرائے میں کی ہے۔ آپ بھی صرف ایک بند ملاحظہ فرمائیے :

کرتی ہے ناز تم پہ وفا میرے لاڈلو　　تم نے پیا ہے جامِ بقا میرے لاڈلو
ماں سرخرو ہے شکرِ خدا میرے لاڈلو　　لو میں نے دودھ بخش دیا میرے لاڈلو
کچھ غم نہیں جو ماں کا جگر داغ داغ ہے
اب زندگی تمہارے لہو کا چراغ ہے

۲۰۔ آشوبِ عصر

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''آشوبِ عصر'' ۱۹۸۷ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی

''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ پچھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں معاشرے کی ابتر صورتِ حال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اصلاح معاشرہ کے لیے امام حسینؑ کی خدمات اُجاگر کی گئی ہیں۔(۱)

عصرِ حاضر میں ہر انسان پریشان حال اور مضطرب ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں اور خوف و ابتلا کی فضا نے انسان کو غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے۔ خاص طور پر بڑھتی ہوئی اخلاقی گراوٹ نے معاشرے کو تہذیبی سطح پر بدحال کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دہشت گردیوں اور خودکش حملوں نے ہر انسان کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔ ایک زمانے میں شہر کی ابتر صورتِ حال کو دیکھ کر شعرا شہر آشوب کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے لیکن ایک گلوبل ولیج میں رہتے ہوئے قیصر بارہوی کے اس مرثیے کو ملک آشوب بلکہ دنیا آشوب کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ پوری دنیا میں ظلمتیں پھل پھول رہی ہیں' بستیاں آگ اُگل رہی ہیں' بجلیاں اپنا رنگ بدل رہی ہیں اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں انسانی خون دھوئیں کی طرح اگلا جا رہا ہے۔ آپ ان کا ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پہ سر — یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر
بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دُختر — کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر

پاس مذہب نہیں' غیرت نہیں' ایمان نہیں
ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں

قیصر بارہوی کا موقف ہے کہ عصرِ حاضر میں ہر شخص کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔ اخبارات' جرائد اور فلاحی تنظیمیں اپنے اپنے مفادات کی اسیر ہو چکی ہیں۔ ذاتی مفادات کے لیے ہر چیز کو جائز قرار دینا عصرِ حاضر میں ہر شخص ہر ملک اور ہر ادارے کا حق ہو چکا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اگر ہم دنیا میں امن و امان قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں حق کے علمبرداروں

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

سے تعلق خاطر قائم کرنا پڑے گا۔ شاعر یقین دلاتا ہے کہ اگر ہم آج بھی کربلا کے اسباق یاد کر لیں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔ بقول قیصر بارہوی :

لوگ سمجھے ہی نہیں کیا ہے تقاضائے شعور ․․․ اہل دنیا سے ابھی دور ہے دنیائے شعور
ان کی آنکھوں میں کہاں جلوۂ صہبائے شعور ․․․ جو اندھیروں کو سمجھتے ہیں تجلائے شعور

داغِ ظلمت ورقِ دل سے مٹائے تو سہی
کربلا نور فشاں ہے کوئی آئے تو سہی

قیصر بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ اگر ہمیں صحن آفاق میں امن کی جلوہ گری کرنا ہے تو ہمیں حسینؑ مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے اور کربلا کے شہیدوں کے اسوۂ حسنہ کو اپنانا چاہیے۔ کربلا کے میدان میں امام عالی مقامؑ نے ظلم وتمرد کے خلاف اپنے انصار، اقربا اور عزیز و اقارب تو قربان کر دیے لیکن لوحِ تاریخ پر یہ بات رقم کر دی کہ اگر دنیا تہذیب وتمدن کے گلستان کو شاداب دیکھنا چاہتی ہے تو اسے قربانی حیات کا سہارا لینا پڑے گا۔ شاعر نے امام کی بے مثال قربانیوں کو انتہائی دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

کیا تعجب ہے یہ کہتے ہوں تڑپ کر سجادؑ ․․․ آج تو سب سے زیادہ ہے چچا جان کی یاد
وہ اگر ہوتے تو ممکن نہ تھی ہم پر بے داد ․․․ چپ رہو جانِ اخی کون سنے گا فریاد

اب کوئی گھر، کوئی تکیہ، نہ بچھونا ہو گا
آج سے میری بہن خاک پہ سونا ہو گا

۲۱۔ مظلومیت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''مظلومیت'' ۱۹۷۹ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیہ میں مظلومیت کی اہمیت وحقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کربلا کے میدان میں اہلبیتؑ کی مظلومیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ (۱)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان ظالم سے مرعوب ہو کر حق وصداقت کی راہ

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

چھوڑ دیتا ہے۔ ظلم سے خوفزدہ ہونے والے افراد اس راز سے بے خبر ہوتے ہیں کہ مظلومیت اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہوتی ہے اور اس کا وار اس قدر شدید ہوتا ہے کہ یہ ظالموں کی نسل کو برباد کر دیتی ہے۔ اسی لیے قیصر بارہوی نے اس مرثیے کی تمہید میں مظلومیت کو شعور کے خنجر کی دھار قرار دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ مظلومیت قرآن کا حصار، اسلام کا وقار مشیّت کا اختیار اور قوتِ پروردگار ہے۔ مظلومیت وہ قوت ہے جو غم کی آنچ سے سنگِ حیات کو پگھلا کر پوری کائنات کو فتح کر لیتی ہے۔ مظلومیت وہ قوت ہے جس سے دنیا کے تخت و تاج اور استعماری قوتیں لرزہ براندام رہتی ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مظلومیت جبر نگاہی اور رعونتِ شاہی کی موت ہے۔ بقول قیصر بارہوی :

مظلومیت دراصل خدا آشنا مزاج   مظلومیت سے لرزہ براندام سامراج
اس در کی مشتِ خاک ہیں دنیا کے تخت و تاج   مظلومیت کو ملتا ہے کونین سے خراج
ہر معرکے میں جبر نگاہی کی موت ہے
مظلومیت رعونتِ شاہی کی موت ہے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں مظلومیت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اس لق و دق صحرا میں امام حسینؑ اور ان کے جانثاروں نے جس یگانگت اور جوشِ ایمان سے ظلم برداروں کو شکست دی ہے وہ بھی تاریخ کا ایک حیرت انگیز باب ہے۔ واقعۂ کربلا کے بعد خانوادۂ رسالت پر جو ظلم و ستم ڈھایا گیا اس کی دردناک داستان دل والوں کے لیے باعثِ آزار ہے۔

جب دیارِ شام سے خانوادۂ رسالت باہر نکلا تو سب کے لبوں پر حضرت سکینہؑ کا نام تھا کہ وہ اسی قید کے دوران شہید ہو گئی تھیں۔ قیصر بارہوی نے انتہائی ملال انگیز انداز میں اہلبیتؑ کی وطن واپسی کے مناظر بیان کیے ہیں۔ خاص طور پر حضرت زینبؑ کی امام حسینؑ کے مرقد پر تشریف آوری کو شاعر نے جس المناک کیفیات سے بیان کیا ہے وہ اردو مرثیے میں اضافہ ہیں :

بھیا' کہو تو زلفِ مبارک سنوار دوں بھیا' اگر غبار ہو رخ پر صفا کروں
اب تو گلے کے زخم سے بہتا نہیں ہے خوں بھیا بتاؤ اب تو میسّر ہوا سکوں
پہلو میں اب چھپے ہوئے بھالے ہیں یا نہیں
بھیا کسی نے تیر نکالے ہیں یا نہیں

۲۲۔ انسان اور کربلا

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''انسان اور کربلا'' ۱۹۷۰ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اٹہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیہ میں انسانیت کی تاریخ میں کربلا کی افادیت دبستانِ کربلا کے اثرات اور اہلبیتؑ کی بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔(۱)

اس کائنات میں یوں تو مختلف مزاج و مذاق کے لوگ رہتے ہیں اور اپنے اپنے انداز و اطوار کے مطابق زندگیاں بسر کرتے ہیں مگر انسانیت اور آدمیت کے حوالے سے ان کی بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ مثال کے طور پر سب لوگ ظلم کو ناپسند کرتے ہیں اور مظلومیت کا ساتھ دینا اپنا شعار سمجھتے ہیں۔ سچائی سب کے لیے پسندیدہ ہے اور حق و سچ کے لیے اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ہر شخص قربانی دینا پسند کرتا ہے تاہم جو چیز انسان کو عظیم بنا کر ذہنوں میں آفتاب اُگاتی ہے اس کا نام ''کربلا'' ہے۔

قیصر بارہوی کے نزدیک کربلا محض ایک خطۂ ارضی ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مشرق ہو یا مغرب' شمال ہو یا جنوب ہر سمت سے کربلا والوں کے لیے تحسینی کلمات ادا ہو رہے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ کربلا اب ہر صاحبِ شعور کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے اور ہر زمین کربلا سے فکری لحاظ سے متصل ہو چکی ہے۔

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

پیمانۂ مزاج بنا وسعتیں ملیں دل وضع ہو گئے تو نئی دھڑکنیں ملیں
مرکز ملا شعور کی ساری رگیں ملیں سمٹے تمام فاصلے سب سرحدیں ملیں
ہر بزم ایک زلف خرد کی اسیر ہے
ہر ملک کربلا کی زمیں کا سفیر ہے

کہا جاتا ہے کہ تخلیق کار معاشرے کا سب سے حساس طبقہ ہوتا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی قلم اور قلم کار زندہ اور پائندہ ہے جس کی تحریر کی اساس کربلا ہے یعنی بقائے اہل سخن کربلا سے ہے۔ تمام شعرا اور نثر نگاروں نے حق کی سربلندی کے لیے کربلا کو استعارہ بنایا ہے اور اب دنیا کے ہر ادب اور زبان پر حسینؑ کا قبضہ دکھائی دیتا ہے۔

بقول قیصر بارہوی :

شاعر کسی خیال کا ہو یا کوئی ادیب واعظ کسی دیار کا ہو یا کوئی خطیب
تاریخ تولتا ہے جہاں کوئی خوش نصیب اس طرح بات کرتا ہے احساس کا نقیب
دیکھو تو سلسلہ ادبِ مشرقین کا
دنیا کی ہر زباں پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں کربلا کا ذکر اس لیے ہو رہا ہے کہ امام حسینؑ نے انسانیت اور آدمیت کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کی تھی۔ اسی طرح کربلا میں انصار و اقربائے حسینؑ نے اسلام کی سربلندی اور خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر کے اہل دنیا پر یہ راز آشکار کر دیا تھا کہ اب کربلا ظلم و تمرّد کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار ہے اور جہاں انسانیت اور آدمیت پر حرف آئے گا وہاں کربلا اور کربلا والوں سے محبت کرنے والے مزاحمت کریں گے۔ قیصر بارہوی نے آخری بندوں میں امام حسینؑ کی جرأت آفریں شہادت کو پیش کر کے اہلبیتؑ کے دردناک بین بیان کیے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمایئے :

اصغرؑ کی یاد میں تو تڑپتی رہی ربابؑ — مقتل میں ذبح ہو گیا فرزندِ بوترابؑ
فضہؑ دہائی دے کے پکاری بہ اضطراب — زینبؑ کہاں ہو دیکھو لو نیزے پہ آفتاب
بستی اُجڑ گئی ہے مقدر اُلٹ گیا
چوما تھا جس گلے کو وہ خنجر سے کٹ گیا

۲۳۔ علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؑ

قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ ۱۹۸۰ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں شائع ہوا۔ اردو مرثیے کی تاریخ میں یہ پہلا مرثیہ ہے جس میں نوے بندوں میں علم غیب کی اہمیت' فضیلت اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی علم غیب پر دسترس کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے دیگر علوم کی طرح علم غیب بھی خلق کیا۔ دیگر علوم کی طرح یہ علم بھی مخلوق کے لیے تخلیق کیا گیا تھا لیکن کم فہموں نے اسے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص کر کے بعض اشتباہات پیدا کر دیے۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں انتہائی دانائی کے ساتھ مدلل انداز میں علمِ غیب کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آسیبِ زمانہ کے بھیانک خدوخال میں اگر انسان کو قوتِ غیب حاصل نہ ہو تو اس کا جینا محال ہو جائے۔ ان کے خیال میں کائنات کی ہر چیز میں حاضر و غائب کے مسائل واضح کیے گئے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ بظاہر بے ربط نظر آنے والی لکیروں میں عام انسانوں کے لیے تو مفہوم غائب ہوتا ہے لیکن ایک مصور اس کے غائب معنی کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جس طرح ذہن میں آنے سے پہلے ایک خیال متحرک ہوتا ہے جسے عام فہم نگاہیں نہیں پڑھ سکتیں اسی طرح غائب ہونے والی کیفیات بھی دانا و بینا پر منکشف ہوتی ہیں۔ ان کا یہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

غیب اک منزل نادیدہ اک انجام سفر — غیب ہے منظرِ خوش رنگ کا اک پس منظر
غیب زخموں کے بھرے جسم پہ مرہم کا اثر — غیب ہے قافلۂ شام کو پیغامِ سحر

---

(۱) مشمولہ (i) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء
(ii) شبیہ الحسن، ڈاکٹر قیصرِ اقلیم مرثیہ لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

کتنا دلکش یہ اشارہ ہے ادیبوں کے لیے
غیب فردوسِ محبت ہے شہیدوں کے لیے

قیصر بارہوی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کا خالق ہے لہٰذا اس کے لیے غیب کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کا تمام علم اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بخش دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر خلد وسقر کے مناظر بیان کرتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے مضبوط دلائل اور قرآنی واقعات سے ثابت کیا ہے کہ علم غیب اللہ کے نمائندوں کے لیے ہے اور اس کے سب سے بڑے نمائندے حضرت محمدؐ ہیں جو تمام علوم کا سرچشمہ ہیں۔ اسی طرح حضرت محمدؐ نے آلِ محمدؐ کو بھی یہ علم غیب عطا فرمادیا۔ خاص طور پر حضرت علیؑ کے دعوی سلونی نے غیب کے تمام اسرار ورموز واضح کر دیے ہیں۔

طالب حق ہے جو انسان تو در در نہ پھرے مسجدِ کوفہ میں اک منفرد آواز سنے
ایک دعوئ سرِ منبر ہے زمانہ دیکھے مثلِ آئینہ ہیں آنکھوں میں سماوی رستے
ماہ و خورشید سرِ موجِ نظر بہتے ہیں
عالم غیب کے رہبر کو علیؑ کہتے ہیں

حضرت علیؑ کی طرح حضورؐ کے خانوادے کے تمام افراد کو علم غیب سے متصف کیا گیا تھا۔ تاہم ہر فرد نے شریعت کے دائرے میں رہ کر اس علم کے اسرار ورموز منکشف کیے ہیں۔ یہ حضرت امام حسینؑ کی غیبی قدرت تھی کہ انہوں نے کربلا کے معنی ومفہوم کو قبل از وقت اخذ کرلیا اور اس میدان میں اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کا دین اور محمدؐ کا کلمہ بچالیا۔ قیصر بارہوی نے چشمِ تصور اور علم غیب کی مدد سے واقعات کربلا کی اتنی دلکش منظر کشی کی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ آخر میں ایک حزنیہ بند ملاحظہ فرمایئے۔

جانبِ دشت بڑے غور سے دیکھا شہؑ نے کسی منزل پہ نشاں تیغ سے کھینچا شہؑ نے
کبھی اشکوں سے کسی خاک کو چوما شہؑ نے کہیں کانٹا نظر آیا تو اٹھایا شہؑ نے
برچھیاں آنکھوں میں لہرا گئیں پہلو دیکھے
اپنا سینہ کبھی دیکھا، کبھی بازو دیکھے

۲۴۔ کعبہ اور محافظان کعبہ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''کعبہ اور محافظان کعبہ'' ۱۹۸۱ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ اکیاسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں کعبۃ اللہ کی عظمت اور تحفظِ کعبہ کے لیے امام حسینؑ کی بے مثال قربانیوں کو پیش کیا گیا ہے۔(۱)

اس دنیا میں بے شمار چیزیں اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے قابلِ تکریم اور لائق تعظیم ہیں ان میں کعبۃ اللہ کو خصوصی مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ کعبہ وہ پرعظمت اور جاہ و جلال سے مالا مال مقام ہے جس نے آگہی کو شعور رنگ عطا کیا اور بزمِ جہاں کو نور علیٰ نور بنا دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اس دنیا میں اگر کوئی قوم عظمت سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کعبہ کی عظمت اور وقعت کا صدق دل سے اعتراف کرے کیونکہ۔

کعبہ سے آشکار ہوا روشنی کا رنگ　　کعبہ نے زندگی کو دیا آگہی کا رنگ
کعبہ کا پیار بن گیا پیغمبری کا رنگ　　کہتا ہے ہر نظر سے شعورِ خودی کا رنگ

یہ فیصلہ مطابقِ عقل سلیم ہے
کعبہ ہے جس کی روح وہ ملت عظیم ہے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی عظمتوں اور سطوتوں کا ایک زمانہ معترف ہے تاہم محمدؐ و آل محمدؐ نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ کعبہ میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ولادت نے ثابت کر دیا کہ خدا کو خانوادۂ رسالت سے کتنی محبت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی شبانہ روز کی محنتوں کے نتیجہ میں یہ کعبہ وجود میں آیا تھا اور تمام برگزیدہ ہستیوں نے اس کے تحفظ کے لیے قربانیاں دی تھیں مگر رسولؐ اور آل رسولؐ نے اپنی جبینوں سے کعبہ کی شانِ عبادت بڑھا دی۔ شیطانی قوتوں نے مختلف اوقات میں کعبہ کی عظمت گھٹانے کی بے شمار کوششیں کیں لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ ابلیسیت پیکرِ یزید میں اُبھری اور اس نے کعبہ کی شان و شوکت کم کرنے کے لیے اپنے ممکنہ

---

(۱) قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

شیطانی وسائل استعمال کیے تاہم حق کے نمائندے حضرت امام حسینؑ نے تحفظِ کعبہ کے لیے ایسی منصوبہ بندی کی کہ عقل انسانی حیران رہ گئی اور آج دنیا میں جو کعبہ اور اس کی شان و شوکت موجود ہے اس کا بنیادی سبب امام عالی مقام کی عظیم قربانی ہے۔ جب استعماری قوتوں نے امام حسینؑ کو کعبہ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو حسینؑ نمائندہ کعبہ نے حج کو عمرہ میں بدل کر ظالم قوتوں کو شکست فاش دے دی۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ کربلا کے میدان میں حسینؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے ہیں وہ سب تحفظِ کعبہ کے لیے ہیں۔ شاعر نے کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے خانوادے کی شہادت کے دلخراش مناظر دردناک اسلوب میں بیان کیے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

زینبؑ مجھے عزیز ہے کعبہ کا احترام　　لٹ جائے میرا گھر، مرا کعبہ رہے مدام
لازم ہے اب تمہارے لیے ضبط کا نظام　　لکھ لو کتاب دل پہ یہ ماں جائے کا پیام
درّے پڑیں تو یاد خدا کا طواف ہو
کعبہ پہ اب تمہاری ردا کا غلاف ہو

۲۵۔ بے ثباتیِ عالم

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''بے ثباتی عالم'' ۱۹۸۱ء میں معرض تخلیق میں آیا اور ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں دنیا کی بے ثباتی، ناپائیداری اور فنا پذیری کے مختلف مناظر اُجاگر کیے گئے ہیں اور کربلا والوں کی پائیدار اور لافانی ہستی کے مختلف نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ (۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا اپنی حشر سامانیوں کے باعث اہل دنیا کی آنکھوں کا تارا ہے لیکن مسافرانِ عدم اس دنیا سے اتنی خاموشی اور سکون سے روانہ ہو جاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ شاعر کے خیال میں ایک پل میں اِدھر سے اُدھر چلے جانے والے رہروانِ عدم کو نہ تو اپنی جان کی پرواکرتے ہیں اور نہ مال کی۔ نہ تو انہیں اہل خانہ کی محبتوں کی

---

(۱)　قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

پرواہوتی ہے نہ دوستوں اور عزیز واقربا کی نوازشوں کا خیال۔ یہ طالبانِ سفر موسم کی پروا کیے بغیر اور حالات حاضرہ سے لاتعلق ہو کر عدم کو آباد کر دیتے ہیں۔

بڑے خلیق مگر اب نگاہِ خلق نہیں ۔ بڑے کلیم مگر اب خموشیوں کے امیں
وہ کل کی بات 'عزیزوں سے گفتگوئے حسیں ۔ یہ آج سب سے جدائی ہے اور خاکِ زمیں
کہاں پہ حلقۂ اہلِ عدم نے گھیر لیا
ملا ہے کون کہ منہ دوستوں سے پھیر لیا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسافرانِ عدم دنیا کی رنگا رنگیاں چھوڑ کر اور اہلِ دنیا کو روتا دھوتا چھوڑ کر کس کی خاطر یہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں......؟ نیز جانے والے اپنے عزیز واقارب کو کس کے سہارے چھوڑ کر جاتے ہیں اور ان کے غموں کے اندمال کا کیا طریقہ ہے؟ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ بندگانِ نیک نام کے غموں کا سب سے بڑا مرہم ''ذکرِ حسینؑ'' ہے اور اگر لوگ اس غم کا سہارا نہ لیں تو ان کا دم ہی نکل جائے۔ جب انسان امام حسینؑ کے دکھوں اور غموں کا احساس کرتا ہے تو اسے اپنے غم حقیر اور معمولی محسوس ہونے لگتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے ذکرِ غم حسینؑ کے فضائل اُجاگر کرتے ہوئے دردمندوں کو احساس دلایا ہے کہ جس دل میں حسینؑ مودت ہے اس کے لیے یہ دنیا کم حیثیت ہو جاتی ہے۔ شاعر نے حضرت عباسؑ علمبردار کی میدان وغا میں آمد اور ان کی شہادت کے دردناک مناظر بیان کیے ہیں۔ آپ بھی ایک بکائیہ بند ملاحظہ فرمائیے :

حسینؑ لاش برادر پہ اس طرح پہنچے ۔ کہ جیسے روشنی ظلمت میں روشنی سے ملے
لہو بھرے ہوئے ہونٹوں سے چند لفظ سنے ۔ حضورؑ آئے ہیں اب کس طرح غلام اٹھے
بدن میں دم ہی نہیں کیسے احترام کروں
وہ میرے ہاتھ کہاں ہیں انہیں سلام کروں

۲۶۔ سیدِ مسموم

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''سیدِ مسموم'' ۱۹۷۹ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی

'منفرد مرثیے'' میں شائع ہوا۔ اسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں نواسۂ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ حضرت امام حسنؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی مسموم شہادت کے دلخراش مناظر اُجاگر کیے گئے ہیں۔(۱)

یہ دنیا حق کے علمبر داروں کے لیے ہمیشہ مصیبت کا گڑھ ثابت ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہاں چاند جیسے جسموں کو سبز کفن پہنا دیا جاتا ہے اور درد کی لہروں پر خوشبو کو تڑپایا جاتا ہے۔ نورانی پیکروں کو شفق رنگ لہو سے نہلایا جاتا ہے اور روشنی کو خون اُگلنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ شاعر کے نزدیک یہ سب کچھ محض اس لیے رونما ہوتا ہے کہ دنیا میں صاحبانِ فہم و ذکا اور انصاف کے علمبر داروں کی بے حد کمی ہے۔

سر میں سودائے ہوس ہو تو کہاں کا انصاف　　گردشِ خوں سے ابھرتا ہے جفاؤں کا طواف
نشۂ زر جو بناتا ہے دلوں کا حراف　　لوگ سورج پہ چڑھاتے ہیں اندھیروں کا غلاف
آدمیت کا ہر انداز بھلا دیتے ہیں
تہمتیں بولتے قرآں پہ لگا دیتے ہیں

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ جب اہلِ دنیا نے حق و انصاف کا دامن چھوڑ دیا تو بستی بستی پہ سیاست کے طلائی بادل چھا گئے اور مفاد پرستی کی ایسی ہوا چلی کہ اس نے ہر چیز کو تاراج کر دیا۔ لوگوں نے ہوسِ زر میں اپنا قلم اور اپنا ضمیر تک فروخت کر دیا۔ چشمِ احساس نے دیکھا کہ لوگوں نے ساغر کے لیے قران سے آنکھیں پھیر لیں اور اجرِ رسالت ادا کرنے کے بجائے پیغمبرؐ کے لہو کو پانی سے بھی سستا کر دیا۔ یہی سبب ہے کہ کلمہ گو مسلمانوں نے دولتِ دنیا کی خاطر خانوادۂ رسالت پر وہ مظالم ڈھائے کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ خاندانِ رسالت کے ایک چشم و چراغ حضرت امام حسن علیہ السلام بھی جنونی مسلمانوں کی بربریت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ حضرت امام حسنؑ آیتِ خدا، رسول کے کردار کے مظہر، منشائے رب العالمین، سرمایۂ حسنِ دارین، زہراؑ کے نورالعین، سردارِ جوانانِ جناں، حضرت علیؑ کے جگر

---

(۱) قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

گوشے اور سرورِ کائنات کی آنکھوں کا تارا تھے۔اہلِ دنیا نے اس گوہرِ بے بدل کو بہت ستایا اور اس مکار زمانے نے سازش کر کے امام حسنؑ کو زہر پلوا دیا۔شاعر نے شہادت امام حسنؑ کے دلخراش مناظر اتنی مہارت سے بیان کیے ہیں کہ آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔آپ بھی ایک بکائیہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

گھر سے تابوت چلا قبرِ پیمبرؐ کی طرف　　　جیسے دریا کی روانی ہو سمندر کی طرف
ماہِ تاباں کا سفر مہرِ منور کی طرف　　　جیسے پردیس سے آتا ہو کوئی گھر کی طرف
کتنا اچھا ہو گلِ تر کو چمن مل جائے
اس مسافر کو بھی اے کاش چمن مل جائے

۲۷۔ عرفانِ امامت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عرفانِ امامت'' ۱۹۸۱ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیہ میں عصرِ حاضر میں انسان کی پریشاں خیالی کے اسباب کا کھوج لگایا گیا ہے اور تمام مسائل کے حل کے لیے امامت کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔(۱)

عصرِ حاضر میں انسان طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے اور مزید خرابی یہ ہے کہ وہ ایک مسئلے سے نجات حاصل کرتا ہے تو دوسرا مسئلہ اسے گھیر لیتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ عہدِ جدید کے انسان کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس کے اہداف متعیّن نہیں ہیں۔وہ بے سمتی کی جانب سفر کر رہا ہے اور اس کا ہر سانس اس کے لیے زہرِ قاتل بنا ہوا ہے۔قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس طرزِ احساس کے باعث انسان نے اپنی منزل گم کر دی ہے اور اس کے اندر کی بصیرت و بصارت کم ہوتے ہوئے معدوم ہو گئی ہے۔

جھوٹی انا کے پردے میں ایمان چھپ گیا　　　لفظ و بیاں کے رنگ میں انسان چھپ گیا
تحریر خون روتی ہے عنوان چھپ گیا　　　خاموشیوں میں بولتا قرآن چھپ گیا

---

(۱)　قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

بیداری شعور کی دولت نہیں رہی
پڑھ لے جو وقت کو وہ بصیرت نہیں رہی

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ بصیرت و بصارت کی کمی کے باعث ذہن انسانی میں بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور انسان خدا کا حریف بن گیا۔ خاص طور پر مغرب کی ندھادھند پیروی نے انسانیت کو دستِ حبہ سنگ کر دیا۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ اگر عصر حاضر کے انسان کو اس بے سکون معاشرے میں سکون کی تلاش ہے تو اسے ایک رہبر اعظم کی ضرورت ہے۔ قیصر بارہوی کے خیال میں نبوت کے خاتمے کے بعد عرفانِ امامت کے بغیر راہِ مستقیم کا پا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ امامؑ کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول کا مزاج شناس ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ امامؑ میں وہ قائدانہ صلاحیتیں ہونا چاہئیں کہ زمین و آسمان کی مخلوقات اس پر اعتماد اور اعتبار کریں۔ شاعر کے نزدیک امامت کے سب سے زیادہ حقدار حضرت علی علیہ السلام ہیں

پوچھیں خدا کے گھر سے محمدؐ کے نام پر — تو ہی بتا کہ تاجِ امامت ہے کس کے سر
یہ زندگی ہو جس کی اطاعت میں بہرہ ور — کس ماں کا نورِ عین ہے کس باپ کا جگر

کعبہ کہے گا بنتِ اسدؑ سرفراز ہے
عمرانؑ کے پسر پہ امامت کو ناز ہے

قیصر بارہوی نے امام المتقین حضرت علیؑ کے بے شمار فضائل پر روشنی ڈالی ہے اور احساس دلایا ہے کہ خدا کی توحید اور محمدؐ کی نبوت کو بامِ عروج پر پہنچانے اور اس کے تحفظ کے لیے جان قربان کرنے والے حضرت علیؑ اور ان کے خانوادے کے افراد ہی تھے، آخر میں شاعر نے حضرت علیؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر پیش کیے ہیں اور اہلبیتؑ کے مصائب کا حال بیان کیا ہے۔

۲۸۔ نمازِ دل

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''نمازِ دل'' ۱۹۸۵ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں کے اس مرثیے میں شاعر نے

انسانی زندگی میں دل کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس دل کی عظمتیں بیان کی ہیں جو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولا سے مالا مال ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے۔ یوں تو اس احسن تخلیق کا ہر عضو بدن اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم اور قابل قدر ہے تاہم دل کی حیثیت اساسی ہے۔ شاعر کے نزدیک دل، زندگی کے چمن کی بہار، آبروئے سکون و قرار، آدمی کے نگاہوں کا پیار، محبت کا ساز اور انسانیت کی نماز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دل سمندر سے زیادہ گہرا ہے اور وہ اپنے اندر بے شمار اوصاف حمیدہ رکھتا ہے۔ دل محض عضو بدن ہی نہیں اس لفظ سے سینکڑوں محاورے وضع کیے گئے اور بقول قیصر بارہوی۔

تہذیب کی صدا ہے، رئیسِ ادب ہے دل   آوازِ خلق ہے کہ مروّت نسب ہے دل
عقل اس کی پاسبان ہے دیوانہ کب ہے دل   رشتوں کے احترام کا واحد سبب ہے دل
پھرنا اسی کا وجہِ عداوت ہے بیر ہے
دل سے ہوا جو دور، تو اپنا بھی غیر ہے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ ہر انسان کے پیکرِ خاکی میں دل تو موجود ہے لیکن دلوں میں افضل ترین دل وہ ہے جس میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت موجزن ہوتی ہے۔ دنیا کی رونقیں، نیرنگیاں اور چہل پہل اپنی جگہ لیکن جس دل میں گلستانِ کربلا کی نکہتیں بس جاتی ہیں اسے کسی دوسری چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ اگر کوئی شخص عقبیٰ کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی بہتر بنانے کا متمنی ہے تو وہ اپنے دل کو شہدائے کربلا کی یاد سے مالا مال کرے۔ بقول شاعر۔

دل میں بسا لیے ہیں شہیدوں کے تذکرے   ممکن نہیں کہ اب کسی محفل میں دل لگے
دنیا کے دل بڑھانے سے کیا خاک دل بڑھے   محتاج وہ نہیں جسے زہراؑ کا لال دے
سینے میں درد رکھتا ہوں تاثیر کے لیے
دل جا نماز ہے غمِ شبیرؑ کے لیے

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

کربلا، حساس دلوں کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ امام عالی مقام نے کربلا کے میدان میں اپنی تمام ہمتیں جمع کر کے دل والوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر دل میں خدا اور رسولؐ اور آلِ محمدؐ کی محبت ہو تو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا ہے۔ شاعر کے نزدیک کربلا کے ہر شہید نے اپنے دل پر ہر زخم جھیلا مگر اُف تک نہ کی۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ سب کے دلوں میں نورِ خدا کے چراغ جل رہے تھے۔ آخر میں شاعر نے کربلا میں اہلبیتؑ کے المناک مصائب بیان کیے ہیں۔

۲۹۔ نظامِ اسلام

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''نظامِ اسلام'' ۱۹۸۲ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مرثیوں کے مجموعے ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ ستاسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں شاعر نے احساس دلایا ہے کہ ایک مستحکم اور مضبوط سلطنت کے لیے اسلامی طرزِ حیات ناگزیر ہے۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے معتبر، ہمہ گیر اور لازوال دین اسلام ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیا نے اسی اسلام کی تبلیغ کی اور اس کے زرّیں اصولوں کی روشنی سے پورے عالم کو روشن و تاباں کر دیا۔ اسلام کا آفاقی پیغام جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں پیار و محبت کے گلستان کھلتے چلے گئے۔ اسلام نے امن وسکون اور تحفظ وسلامتی کا ایسا نظام مرتب کیا جو آج بھی اقوام عالم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ عصرِ حاضر کے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کی اور اسی سبب سے اب وہ اپنا عکس بھی نہیں پہچان پاتے ہیں۔ بقول شاعر۔

نام اسلام کا اور معنیِ اسلام سے دور — خواہشِ امن ہے اور دل میں زمانے کا فتور
علم کا شوق مگر پختہ جہالت پہ غرور — ہائے یہ زندہ دلی، وائے یہ اندازِ شعور
کیا تماشا ہے کوئی فکر کی میزان نہیں
آئینہ دیکھتے ہیں عکس کی پہچان نہیں

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ صرف اور صرف اسلام ہی دنیا کے لیے راہ نجات ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ ہمیں اسلام کے حقیقی پرستاروں سے تمسک رکھنا چاہیے۔ شاعر کے نزدیک اسلام کی حقیقت اور معنویت کو سمجھنے کے لیے پنجتن پاکؑ سے ربط اور مودّت بے حد ضروری ہے۔ اگر کوئی قوم اسلام کا حقیقی نفاذ چاہتی ہے تو اسے اہلبیتؑ کے اقوال و اعمال پر عمل کرنا چاہیے۔ شاعر کے نزدیک یہی طرزِ عمل افراد اور اقوام کے لیے سرخروئی کا موجب ہو سکتا ہے۔

قیصر بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ خانوادۂ رسولؐ نے نفاذ اسلام کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسی گھر کو تاراج کرنے کے لیے اپنی ممکنہ صلاحیتیں صرف کر دیں۔ شاعر نے اس مرثیے میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شہادت کے المناک واقعات بیان کیے ہیں اور خاص طور پر حضرت علیؑ نے شہادت سے قبل اہلِ خانہ سے جو گفتگو کی ہے قیصر بارہوی نے بڑے دردناک انداز میں اسے نظم کیا ہے۔ ان کے یہ بکائیہ بند اردو مرثیے میں نادر اضافہ ہیں۔

۳۰۔ کربلا و نجف

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''کربلا و نجف'' ۱۹۸۳ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں نجف و کربلا کی روئے زمین پر اہمیت و افادیت بیان کی گئی ہے اور اسی نسبت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسینؑ کے فضائل و مصائب بیان کیے گئے ہیں۔ (۱)

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے ہر مقام کو کسی نہ کسی فضیلت سے ہم کنار کیا ہے تاہم قیصر بارہوی کے نزدیک نجف اور کربلا دو ایسی جگہیں ہیں جنہیں حق کی جانب سے خصوصی فضیلتیں اور عظمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ ان کے خیال میں کربلا اور نجف کمال منزلِ انساں، شبِ حیات میں چراغاں اور صداقت بدن کی جاں ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ کربلا و نجف

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

میں انسانی ذہن کی تعمیر ہوتی ہے اور ۔

خرد کے باغ انہیں جنتوں میں کھلتے ہیں
علومِ عظمتِ انساں یہیں سے ملتے ہیں

نجف اشرف میں حضرت علی کرم اللہ مدفون ہیں اور اسی باب علم کی نسبت سے یہ شہر علم وادب کا گہوارہ ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ علم وادب کے پرستار اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ادب کے پھولوں کی خوشبو سے ایوانِ حیات مہکتا ہے اور اگر تخلیق کار الفاظ کے وزن سے آگاہ ہیں تو ان کی تخلیقات معاشرے کے لیے سودمند ہو سکتی ہیں۔ حضرت علیؑ نے معاشرے کو علمی شعور عطا کیا۔ بقول قیصر بارہوی ۔

وہ ایک لفظ بھی سورج سے کم نہیں ہے حضور دیا ہے نہجِ بلاغت نے جس کو فکر کا نور
پکارتا ہے زمانے میں عالموں کا غرور علیؑ نے دے دیے دنیا کو معجزاتِ شعور

ہمائے عرش جو خطبوں کے عرش پر آیا
تو پھر مدینۂ علم نبیؐ نظر آیا

کربلا امام حسینؑ کا مدفن ہے۔ یہاں کائنات کی وہ عظیم ترین ہستی سو رہی ہے جس نے خوابیدہ ذہنوں کو بیدار کیا اور انسان کے اندر ایک شعور اور احساسِ انقلاب بھر دیا۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں ظالموں نے امام حسینؑ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تاریخ میں رقم ہے اور ہر دردمند دل رکھنے والا اس عمل سے اظہارِ نفرت کر رہا ہے اور پوری دنیا کربلا میں زیارتِ امام حسینؑ کر کے ان سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی ہے۔ آخر میں شاعر نے امام حسینؑ کی خیمے سے رخصت کے مناظر انتہائی دردناک انداز میں بیان کیے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔

کہا حسینؑ نے، بیٹی خدا ہمارا ہے وہی تمہارا نگہباں وہی ہمارا ہے
یہ غم نہیں ہے کہ تشنہ لبی نے مارا ہے خدا کا دین رہے ہر ستم گوارا ہے

اب آؤ گود میں یہ وقت پھر نہ آئے گا
ہمارے بعد زمانہ تمہیں ستائے گا

۳۱۔ عظمتِ فن

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عظمتِ فن'' ۱۹۸۸ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں شائع ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں اہلِ بصیرت کی علم وادب سے وابستگی اور خصوصاً نسیم امروہوی کی رثائی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(۱)

شاعری انسانی جذبات و احساسات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے یہی سبب ہے کہ معاشرے میں شاعر کو ایک اختصاصی مقام حاصل ہوتا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اہلِ بصیرت شعرا نے عقل و دانش کے ایسے چراغ روشن کیے ہیں کہ بزمِ ادب نور سے جگمگا اٹھی ہے اور جب تک کاروانِ سخن کا نظام جاری ہے، اہل فن کی عطر فشانی میں کمی نہ آئے گی۔ شاعر احساس دلاتا ہے اس کائنات میں شعر و ادب کے چرچے انہی معتبر تخلیق کاروں کی بدولت ہیں جنہوں نے شب و روز محنت کی اور فن کا کڑا معیار قائم کیا۔ خاص طور پر صنفِ مرثیہ میں شعرا نے اپنے اسلاف کی بیش بہا صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا اور اپنی جدّت طبع کے ایسے جوہر دکھائے کہ اس صنف کو بام عروج پر پہنچا دیا۔

تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ پڑھ لیجیے عبارتِ ایوانِ مرثیہ
صورت گرِ ادب ہے دبستانِ مرثیہ قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

ایوانِ مرثیے کی تزئین و آرائش کرنے اور اسے فکری و فنی طور پر مستحکم کرنے والوں میں حضرت نسیم امروہوی کا نام بھی شامل ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ نسیم امروہوی علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کم عمری میں مختلف علوم پر مہارت حاصل کر لی اور شاعری میں اپنی جدت طبع کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ اہلِ دانش و بینش عش عش کر اٹھے۔ انہوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف کو اعتبار بخشا۔ قیصر بارہوی کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے:

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیت ۱۹۹۰ء

عالم، فقیہ، معتمدِ فکر و آگہی آئینہ دل، عمیق نظر، منکسر، ذکی
ایماں سرشت، خلق ادا، عیب سے بری بے لوث، وضع دار، آشنا، سخی

یہ سب صفات آئینہ دارِ نسیم ہیں
اس شان کے بشر تو یقیناً عظیم ہیں

اس مرثیے کے آخر میں شاعر نے جنابِ صغریٰ کے مکتوب کا احوال قلمبند کیا ہے۔ جب قاصد بی بی صغراؑ کا خط لے کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام نے وہ مکتوب پڑھا تو ان کی آنکھوں سے حسرت و یاس سے آنسو رواں ہو گئے۔ شاعر نے ان غم انگیز کیفیات کو بڑے سلیقے سے اور دردمندانہ انداز میں اُجاگر کیا ہے۔

۳۲۔ مدحِ ابوطالبؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''مدح ابوطالبؑ'' ۱۹۷۳ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی ''منتخب مرثیے'' میں طبع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرتِ ابوطالبؑ کے فضائل اور اُن کے خانوادے کی اسلام کیلئے بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔(۱)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے منفرد انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ جب یتیمِ عبداللہ سے تمام لوگوں نے آنکھیں پھیر لی تھیں اور اہلِ ستم حضورؐ کو مختلف طریقوں سے ایذا پہنچانے کی فکر میں تھے اس وقت حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کی دستگیری کی اور تمام عمر اُنؐ کے محافظ رہے۔ قیصر بارہوی کا خیال ہے کہ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے حضرت ابوطالبؑ اور ان کی آل نے جو کردار ادا کیا ہے' وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ وہ اپنے پیش کردہ نکات کے ماحصل کے طور پر کہتے ہیں کہ۔

جس کو ابوطالبؑ سے محبت نہیں ہو گی
اس شخص کی محشر میں شفاعت نہیں ہو گی

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

شاعر کا موقف یہ ہے کہ اہلِ عالم نے اسلام کے لئے حضرت ابو طالبؑ کی دی ہوئی قربانیوں کو فراموش کر دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابو طالبؑ اور ان کے خاندان کے بارے میں حاسدین نے طرح طرح کی منفی باتیں مشہور کر دی ہیں اور کربلا کا خونیں سانحہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ تاہم شاعر کا موقف انتہائی واضح ہے کہ جو لوگ حضرت ابو طالبؑ اور حضورؐ اکرم کا دامنِ عصمت تھامے رہیں گے، دنیا اور آخرت میں ان کے لئے فلاح ہی فلاح ہے کیونکہ ؂

مطلق بھی نہیں خوف قیامت کے سفر کا
مل جائے گا سایہ ابوطالبؑ کے شجر کا

۳۳۔ آیاتِ آمنہؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''آیاتِ آمنہؑ '' ۱۹۸۷ء میں تخلیق ہوا اور ''منتخب مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت کے گراں قدر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اُن کے خانوادے کی قربانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔(۱)

راقم الحروف کی درخواست پر حضرت آمنہؑ کے بارے میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے عفت مآب حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت اور سیرت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ابتدا شاعر نے انتہائی ملال انگیز لہجے میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ جس شخصیت نے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا بیٹا عطا کیا، ہم نے اس کی شان میں کوئی مبسوط کتاب یا مرثیہ کیوں نہیں لکھا۔ شاعر کا موقف ہے کہ حضرتِ آمنہؑ نے حضرت عبداللہ کی غیر موجودگی کے باوجود حضورِ اکرمؐ کی جو تربیت فرمائی وہ ہر لحاظ سے قابلِ قدر اور لائقِ توصیف ہے، تاہم کچھ بد باطن لوگ ایسے بھی ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

(۱) مشمولہ (i) شبیہ الحسن، سیّد، ڈاکٹر (مرتب) آیاتِ آمنہؑ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء
(ii) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء
(iii) شبیہ الحسن، ڈاکٹر قیصرِ اقلیمِ مرثیہ لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

والدین کے بارے میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے رہے ہیں شاعر کا موقف یہ ہے کہ کوئی کچھ بھی کہتا رہے لیکن حضرت آمنہؑ کی شان ہمیشہ سے بلند تھی اور ہمیشہ بلند رہے گی۔

غالب رہے گی تا بہ ابد شانِ آمنہؑ
وحدت کی آبرو ہے گلستانِ آمنہؑ

شاعر کا خیال ہے کہ حضورِ اکرمؐ حضرتِ آمنہؑ کی اعلیٰ تربیت کا حسین نمونہ تھے اور حضورِ اکرمؐ کی تربیت کے بہترین نمونے وہ احباب و اصحاب تھے جنہوں نے حق کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کربلا کے میدان میں جانوں کے نذرانے پیش کر دیئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت آمنہؑ ہی کے گلستان کے رنگا رنگ پھول مسل کر رکھ دیے گئے تھے۔ شاعر کا موقف ہے کہ جو کوئی خاندانِ رسالت کا اجر ادا کرے گا اور اس خاندان کے دُکھوں میں شریک ہوگا اسے ۔

صدقہ پسر کا آب بقا دیں گی فاطمہؑ
دنیا و آخرت میں جزا دیں گی فاطمہؑ

۳۴۔ عروجِ عالم نسواں

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عروجِ عالمِ نسواں' ۱۹۸۰ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں طبع ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت فاطمہؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور کرب و بلا کے میدان میں آپؑ کے خاندان کی بے مثال قربانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ (۱)

حضرت فاطمہؑ کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیے کا آغاز انتہائی منفرد ہے۔ شاعر کا موقف ہے کہ عصرِ حاضر میں مرثیے کی صنف نے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہ صنف اس لئے بھی لائقِ توجہ ہے کہ اس میں ذکرِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خوشبو سدا موجزن رہتی ہے اور حضرت فاطمہؑ کے

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

ذکر نے تو گلشنِ مرثیہ نگاری کو مزید سدا ابہار بنا دیا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے مختلف تشبیہات و استعارات کی مدد سے حضرت فاطمہؑ کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اس مرثیے کا سب سے دل کش اور لائق توجہ حصہ وہ ہے جہاں شاعر نے حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی عظمتوں کا موازنہ کیا ہے اور ایسے ایسے نکات پیش کئے ہیں کہ قارئین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس موازنے کے بعد شاعر نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کائنات میں اہلِ بیتؑ ہی وہ منتخب اور پسندیدہ افراد ہیں جو دنیا کے لئے معتبر رہبر و رہنما ثابت ہو سکتے ہیں۔ آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں گلستانِ زہراؑ کے اُجڑنے کی المناک داستان بیان کی ہے اور ثانیِ زہراؑ حضرت زینبؑ کے دردناک بین پیش کئے ہیں۔ اس سلسلے میں زیرِ نظر بیت ملاحظہ فرمائیے ؎

سحر کا قافلہ اک دن میں نذرِ شام ہوا
بتولؑ خاک اڑاتی ہیں گھر تمام ہوا

۳۵۔ عشقِ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عشقِ حسینؑ' ۱۹۶۵ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چون بندوں کے اس مرثیے میں امام حسینؑ کے جانثار حضرت مسلم بن عقیلؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے اور کوفے میں اُن کے دردناک مصائب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔(۱)

حضرت مُسلم بن عقیلؑ کے حال میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جو انسان عشقِ حسینؑ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ اس معروضے کی روشنی میں شاعر نے ایک عاشقِ حسینؑ حضرت مسلم بن عقیلؑ کا تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے کوفے کی سرزمین پر سفیرِ حسینؑ بن کے امام عالی مقام کا پیغامِ اُلفت و صداقت پہنچایا۔ تاہم کوفیوں کے منافقانہ طرزِ عمل کی وجہ سے حضرت مسلم

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

بن عقیل نے جس طرح جامِ شہادت نوش فرمایا' وہ تاریخ کا ایک خونچکاں باب ہے۔ آخر میں شاعر نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کا واقعہ نہایت دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔ خاص طور پر شہادت سے قبل یہ بند عاشقانِ حسینؑ کے والہانہ جذبات کی بالکل صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سوکھی زبان پھیر کے ہونٹوں پہ بار بار ۔۔۔ مسلمؑ یہ کہہ رہے تھے کہ اے میرے کردگار
پروا نہیں حسینؑ پہ ہو جاؤں میں نثار ۔۔۔ تلوار ہو گلے پہ کہ پاؤں مقامِ وار
فرزندِ مصطفےٰؐ کا گزر ہو نہ اس طرف
زہراؑ کی بیٹیوں کا سفر ہو نہ اس طرف

۳۶۔ عباسِ نامدارؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عباسِؑ نامدار' ۱۹۴۹ء میں تخلیق ہوا اور اُن کی کتاب 'منتخب مرثیے' میں طبع ہوا۔ ستتر بندوں پر کے اس مرثیے میں حضرت عباسؑ علمبردار کی جرأت و بہادری اور میدانِ کربلا میں اُن کی شہادت کے دردناک واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ (۱)

حضرت عباسؑ علمبردار کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں شاعر نے حضرت عباسؑ علمبردار کے میدان جنگ میں آنے کا نقشہ نہایت جلالی انداز میں کھینچا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ میدانِ کربلا میں امام عالی مقام کے جان نثاروں کی راہِ خدا میں قربانیوں کے بعد حضرتِ عباسؑ نے جب اذنِ وغا طلب کی تو امام حسین علیہ السلام نے نہایت ملال کے ساتھ فرات سے پانی لانے کی اجازت تو دے دی مگر جنگ نہ کرنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد شاعر نے حضرت عباسؑ علمبردار کی میدانِ جنگ میں آمد اور مدافعتی جنگ کا نقشہ روایتی انداز میں کھینچا ہے البتہ تازہ اور جدید تشبیہات و استعارات اور منفرد اسلوب بیان نے اس روایتی رنگ میں بھی ایک جدت پیدا کر دی ہے۔ آخر میں شہادت حضرت عباسؑ علمبردار انتہائی درد انگیز پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ اس مرثیے کا مطالعہ اس حوالے سے بھی معنی خیز ہے کہ قیصر

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

بارہوی کا یہ پہلا مرثیہ ہے اور خاص طور پر اس مرثیہ کے آخری بند میں انہوں نے صمیم قلب سے جو دُعا مانگی ہے آپ بھی سن لیجئے:

قیصؔر بہ فیضِ حضرتِ عباسؑ نامدار یہ ابتدائے مرثیہ گوئی زہے وقار
کیوں ذکرِ کربلا پہ نہ ہو زندگی نثار یہ ذکر ہے شرافتِ انساں کا اعتبار
اے کاش شہرتِ ابدی حرف حرف ہو
ساری حیات مرثیہ گوئی میں صرف ہو

۳۷۔ سُخنِ لاجواب

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'سُخن لاجواب' ۱۹۵۰ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں شائع ہوا۔ اُناسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں امامِ حسینؑ کے فرزند حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کربلا کے میدان میں اُن کی الم ناک شہادت پیش کی گئی ہے۔(۱)

حضرت امام حسینؑ کے فرزند اور شبیہِ رسولؐ حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے حوالے سے لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصؔر بارہوی نے واضح کر دیا ہے کہ اگر انہیں لاجواب سُخن دستیاب ہو تو وہ۔

ایک ایک لفظ منزلِ راہِ خدا لکھوں
کعبہ لکھوں، مدینہ لکھوں، کربلا لکھوں

شاعر کا خیال یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں امامؑ عالی مقام نے دین کی کھیتی کو سرسبز اور شاداب رکھنے کے لئے اپنے اور اپنے جاں نثاروں کے لہو سے اسے سیراب کر دیا ہے۔ یوں تو ہر شہید نے اپنی اپنی سطح اور بساط کے مطابق نہایت گراں قدر کارنامے سرانجام دیے ہیں تاہم حضرتِ علی اکبرؑ کی شہادت کے معیارِ شہادت کو بلند کر دیا ہے۔ شاعر نے حضرت علی اکبرؑ کی جنگ کا نقشہ نہایت موثر پیرائے میں پیش کیا ہے۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

جس پر پڑا حسینؑ کے شیرِ جری کا ہاتھ ممکن تھا اس کے سر پہ کہاں زندگی کا ہاتھ
اکبرؑ نے اس ادا سے دکھایا علیؑ کا ہاتھ جس نے بھی ہاتھ اٹھایا، اڑایا اسی کا ہاتھ

کیا دل کشی تھی دشتِ وغا کی فضاؤں میں
تیریں نہالِ کفر کی شاخیں ہواؤں میں

آخر میں شاعر نے انتہائی دردناک انداز میں حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے منظر کو پیش کیا ہے۔اس حوالے سے یہ دردناک بند آپ بھی سُن لیجئے۔

برچھی پہ ہاتھ رکھا تو پھٹنے لگا جگر لیکن ہوا یہ نعرۂ تکبیر کا اثر
برچھی کو جب نکال چکے شاہِ بحر و بر آنکھوں کے آگے لختِ جگر کر گیا سفر

نکلا کلیجۂ جامِ اجل نوش کر گئے
شبیرؑ دیکھتے رہے اکبرؑ گزر گئے

شہادتِ علی اکبرؑ کی خبر سن کر اہلِ حرم نے جس طرح بین کیے ہیں۔شاعر نے انہیں بھی دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔

۳۸۔ یوسفِ کربلاؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'یوسفِ کربلاؑ' ۱۹۴۹ء میں تخلیق ہو کر 'منتخب مرثیے' میں شائع ہوا۔پچپن بندوں کے اس مرثیے میں کربلا کے میدان میں شبیہ پیمبرؐ حضرتِ علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر کا دردناک بیان کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت علی اکبرؑ کے حال میں لکھا جانے والا یہ مرثیہ آغاز ہی میں اپنے اندر ایک حزنیہ کیفیت رکھتا ہے۔اس سلسلے میں پہلا بند ہی دیکھئے۔

حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں نہالِ باغِ پیمبرؐ تلاش کرتے ہیں
بھرے چمن کا گلِ تر تلاش کرتے ہیں فلک کا چاند زمیں پر تلاش کرتے ہیں

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

چھپا ہے نورِ نظر ہر طرف اندھیرا ہے

دلِ بتولؑ کو بربادیوں نے گھیرا ہے

شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرتِ امام حسینؑ کی اس کیفیت کی منظر کشی کی ہے۔ جب وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی لگ جانے کے بعد اس کی تلاش میں میدانِ جنگ میں جاتے ہیں۔ آخرکار اپنے زخمی بیٹے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بیٹے کے سینہ کو فگار اور تن داغ داغ دیکھ کر ان کا دل خون اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ضعیف باپ کو اپنے قریب آتا ہوا دیکھ کر حضرت علی اکبرؑ گویا ہوتے ہیں ۔

کہا یہ کانپتے لفظوں میں اے مرے بابا — فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا

کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا — چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا

کھڑے ہیں سیدؑ والا ستم شعاروں میں

نبیؐ کا پھول ہے تیغوں کی تیز دھاروں میں

امامؑ عالی مقام حضرت علی اکبرؑ کے سینے میں پیوست برچھی نکالتے ہیں اور اسی دوران علی اکبرؑ اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ امام عالی مقام جوان بیٹے کی لاش اٹھا کر خیمے میں لاتے ہیں۔ اس تمام صورتِ حال کو بیان کرنے کے بعد شاعر نے خیمے میں اہلِ حرم کی المناک کیفیات کی دردناک انداز میں منظر کشی کی ہے۔ اس حوالے سے خاص طور پر حضرت علی اکبرؑ کے جسدِ خاکی کو خیمے سے باہر لے جانے کا منظر شاعر نے جس دردناک انداز میں پیش کیا ہے وہ عزائی شاعری کا اوجِ کمال ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے ۔

نبیؐ کے لال نے آخر اٹھائی لاشِ پسر — چلے جو خیمے سے باہر تو ہو گیا محشر

ہر اک زبان پہ تھا الوداع اے اکبرؑ — پھوپھی کی طرح سے بے ہوش ہوگئی مادر

گئی جو در پہ تو اک آہ بھر کے لوٹ آئی

سکینہؑ بھائی کو تسلیم کر کے لوٹ آئی

۳۹۔ ہفت اقلیم

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'ہفت اقلیم' ۱۹۷۸ء میں تخلیق ہو کر 'منتخب مرثیے' میں طبع ہوا۔اُنہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت امام موسیٰ کاظم کی سیرت اور اُن پر ڈھائے جانے والے مظالم کا حال بیان کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں شاعر نے اپنے مقدر کو خوب سراہا ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ۔

ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغ رسالتؐ کی ثنا خوانی پر

اس کے بعد شاعر نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کی سیرت و کردار کے محاسن مختلف پیرایوں میں بیان کیے ہیں۔اس سلسلے میں شاعر نے قرآن واحادیث کی روشنی میں اپنے ممدوح کے کارناموں کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔اس حوالے سے یہ بیت نہایت اہم ہے۔

جس طرح جھومتا پانی ہے زراعت کے لئے
اس طرح موسیِ کاظمؑ ہیں امامت کے لئے

آخر میں شاعر نے نہایت رقت انگیز انداز میں حضرت موسیٰ کاظمؑ کو پیش آنے والی مشکلات و تکالیف کا بیان کیا ہے۔خاص طور پر یہ بند اس تمام السیاتی صورتِ حال کا اظہار کرتا ہے۔

بے وطن لاش اٹھی کانپ گئی روحِ رسولؐ — خون رونے لگے انسان کی حرمت کے اُصول
کیا بھلائے گی یہ غم کوئی نگاہِ معقول — لاش ہے پیار کریں حلقۂ زنجیر کے پھول
دیدۂ غم نے عجب رنگِ اجل دیکھے ہیں
زیرِ زنجیر بھی زخموں کے کنول دیکھے ہیں

۴۰۔ آبروئے فکر

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'آبروئے فکر' ۱۹۸۹ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعہ مراثی

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

'منتخب مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا گیا ہے اور میدانِ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ کی اذانِ صبح کا منظر بیان کیا گیا ہے۔(۱)

راقم الحروف کی درخواست پر قیصر بارہوی صاحب نے صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت و کردار کے حوالے سے زیرِ مطالعہ مرثیہ تخلیق کیا اور راقم کے غریب خانے پر سینکڑوں اہلِ علم و ادب کے سامنے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا۔ حضرت بلالؓ کی مدح میں لکھے جانے والے اس منفرد مرثیے میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہر انسان کے باطن میں ایک اور انسان پوشیدہ ہوتا ہے اور جب انسان اس پوشیدہ شخص کو دریافت کر لیتا ہے تو اس کی زندگی انتہائی کامیاب و کامران ہو جاتی ہے۔ شاعر کا خیال یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں نیکی، سچائی اور خیر کی قوتیں موجزن ہوتی ہیں۔ لہٰذا انسان اگر ان قوتوں کی موجودگی کا احساس کر کے انہیں بروئے کار لے آئے تو دنیا کا کوئی ظلم یا جبر اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ س سلسلے میں شاعر نے مشہور صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی مثال پیش کی ہے جنہوں نے غلامی کی چٹائی پر عشقِ محمدؐ کی نماز ادا کی۔ حضرت بلالؓ کے دل میں جو شمعِ صداقت روشن ہو گئی تھی بنو اُمیّہ کی تیز آندھیاں بھی اس کی لَو کو مدھم نہ کر سکیں۔ یہی سبب ہے کہ عشقِ محمدؐ کو دل میں بسا لینے کے نتیجے میں حضرت بلالؓ کو وہ مقام عطا ہوا، جو کسی خوش بخت ہی کے حصے میں آ سکتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

لحنِ مستقبل میں سورج نے قصیدہ پڑھ دیا ہر زمانہ دیکھ لے شانِ غلامِ مصطفیٰؐ
اپنے پیکر میں جو پوشیدہ تھا وہ ظاہر ہوا اب سرِ آفاق حرف و لفظ بولیں گے سدا
عشقِ محبوبِؐ خدا ٹھہرا ہے انعامِ بلالؓ
زندہ و تابندہ و پائندہ ہے نامِ بلالؓ

حضرت بلالؓ کی مدح سرائی کرتے ہوئے شاعر نے اپنے ممدوح کی سیاہ رنگت کی

---

(۱) مشمولہ (i) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء
(ii) شبیہ الحسن، ڈاکٹر قیصرِ اقلیمِ مرثیہ لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

جس طرح اہمیت اُجاگر کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعر کے پیش کردہ نکات سے اس کے ذہنی وفکری رجحانات کی عکاسی بھی ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے صرف ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

ڈھونڈیئے قرآں میں قدر و قیمتِ رنگِ بلالؓ ۔۔۔ چومتی ہے حرمتِ والیل تہذیبِ خیال
اسودی پھولوں میں وہ اک پھول بے مثل و مثال ۔۔۔ گلشنِ شام و سحر میں جس کی خوشبو لازوال

گھپ اندھیرے میں زمانے کا اُجالا بھر دیا
کالی مٹی کو یدِ قدرت نے سونا کر دیا

آخر میں شاعر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ کی معنی خیز خاموشی کو مختلف رنگوں میں اُجاگر کیا ہے اور حضرت بلالؓ کی اذانوں کو میدانِ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ کی دی جانے والی اذان سے متصل کر دیا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

کیا تعجب ہے وہاں موجود ہو روحِ بلالؓ ۔۔۔ چوم کر اکبرؑ کا ماتھا خود سے کرتی ہو سوال
انتہا کی پیاس میں، ایسی اذاں، ایسی جلال ۔۔۔ دینِ پیغمبرؐ کا قد ہے سبطِ پیغمبرؐ کا لال

کوئی اکبر سا مؤذن ہو خیالِ خام ہے
وہ اذاں آغاز تھی اور یہ اذاں انجام ہے

۴۱۔ شاہدِ محضر

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'شاہدِ محضر' ۱۹۸۸ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعے 'منتخب مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ پچھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت جبریلؑ کے وقیع کارناموں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اُن کی والہانہ عقیدت کے مظاہر بیان کیے گئے ہیں۔ (۱)

شاہدِ محضر حضرت جبریل علیہ السلام کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیہ میں شاعر نے ایک منفرد موضوع کو اپنے مرثیے کی زینت بنایا ہے۔ غالباً اسی موضوعاتی انفرادیت

---

(۱) (i) آغا قمر حسنین (مرتب) لہو لہو کہکشاں کراچی: ادارہ تقدیس قلم، ۱۹۸۹ء
(ii) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

کی وجہ سے انہوں نے دعوئی کیا ہے کہ۔

دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں   حیراں ہوں خزانے وہ گہر تول رہا ہوں
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں   جبریلؑ سمجھتے ہیں جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجرِ دل پہ جڑے ہیں
تخئیل کو سرخاب کے پر آج لگے ہیں

شاعر کا موقف یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کی تخلیق رمزِ مشیّت ہے' لہٰذا اس کے بارے میں کوئی انسان قیافہ شناسی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ شاعر نے حضرت جبریلؑ کو حرمت کا محافظ' قانونِ شریعت کا پاسبان' تہذیب کا رکھوالا' عفت کا نگہبان' انبیاؑ کا مددگار اور رسولوں کا معاون قرار دیا ہے۔

منظر ہے انہیں رونقِ بازارِ نبوت   یہ جانتے ہیں منصب و معیارِ نبوت
یہ قصرِ نبوت میں مددگارِ نبوت   کہتے ہیں انہیں واقفِ اسرارِ نبوت
آنکھوں میں ہیں اندازِ رئیسانِ وفا کے
جبریلؑ حدی خواں ہیں سفیرانِ خدا کے

حضرت جبریلؑ کے مناقب بیان کرنے کے بعد آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرت جبریلؑ کی موجودگی کا احساس دلایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح کربلا کے میدان میں گلستانِ محمدؐ کو ویران ہوتے ہوئے دیکھا کیے۔ اس سلسلے میں یہ بند ن لیجیے۔

وہ عصر کا سجدہ وہ تن و سر میں جدائی   مجبور بہن خاک پہ اور نیزے پہ بھائی
جبریلؑ کا وہ ضبط' وہ فضہؓ کی دہائی   خیموں کی جگہ شامِ غریباں نظر آئی
زینبؑ کے قریں دیکھ کے زہراؑ و علیؑ کو
جبریلؑ نے پرسہ دیا مقتل میں نبیؐ کو

۴۲۔ وحدتِ مذہب

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'وحدتِ مذہب' ۱۹۸۹ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعۂ مراثی

'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ چوراسی بندوں کے اس مرثیے میں عصرِ حاضر میں مذہب کی ضرورت اور مذہب کی حفاظت کیلئے امامِ عالی مقام کی بے مثال قربانیوں کا تذکرہ ہے۔(۱)

یہ مرثیہ قیصر بارہوی کی فکر اور عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس مرثیے میں شاعر نے مذہب کی حقیقت اور اس کے صحیح خدوخال کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ مذہبی اقدار کیا ہیں۔ شاعر کے نزدیک مذہب شناسی' اسلام شناسی کے مترادف ہے۔ مذہب ایک راستہ ہے جس پر چل کر ہم اصولِ دین کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان عقل و ادراک سے کام لے اور اپنے قلب میں وسعت اور ذہن میں آزادیِ فکر کی شمع روشن کرے۔ فرقہ کوئی بھی ہو اگر وہ فکری طور پر آزاد ہے اور عقلِ سلیم رکھتا ہے تو آپس میں جنگ و جدل اور بحث و مباحثہ سے گریز کرتا ہے۔ شاعر کے نزدیک تفرقہ باز تعلیمِ اسلام سے بے بہرہ ہے۔ خدا نے تو ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی کہا ہے۔ اگر کوئی شخص س حکم پر عمل پیرا نہیں تو وہ خدا کا باغی ہے اور اسے حبل متیں کے معنی ہی نہیں آتے۔ اگر اتفاق اور اتحاد مقصدِ زندگی نہیں تو لامحالہ نفرت اور بغض جنم لیں گے جن سے معاشرہ کیا پوری دنیا تباہ ہوسکتی ہے۔ مذہب تو ایک ایسا گلاب ہے جس کی خوشبو سے شرافت اور نجابت معطر ہوتی ہے اس سے اخلاق و مروت کے بادل کشتِ عمل پر برستے ہیں اور باغِ اُلفت و محبت کو سیراب کرتے ہیں اگر تعصب اور منافرت نہ ہو تو یہ شجر سایہ دار بھی ہوتا ہے اور ثمر دار بھی۔

باغِ اُلفت کو تعصب سے سروکار نہیں
مثلِ مذہب تو کوئی نخل ثمردار نہیں

شاعر نے مذہب کا تعارف کرانے کے بعد اس کے محاسن بیان کیے ہیں اس سلسلے میں تشبیہات و استعارات کا بڑی خوبی سے استعمال ہوا ہے۔ شاعر کے خیال میں مذہب ایک دوشیزہ عصمت ہے جس کی اداؤں سے خیال کی تطہیر ہوتی ہے۔ مذہب اخوت و مساوات کا ازلی پیغام ہے جس سے نفس کی منزل پر ہر شخص کو یکساں مواقع حاصل ہوتے ہیں شاعر کے نزدیک مذہب کا مفہوم

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

بہت وسیع ہے حمد الٰہی ہو یا توحید کی نشر و اشاعت ' ذات وحدت کا تعارف ہو یا تخلیقِ عالم کی منزل ' کنزِ مخفی کی صدا ہو یا تسلیم و رضا کا میدان ' مذہب کا ایقان خود مشیت الٰہی کی ضرورت ہے اگر کسی شخص نے تسلیم و رضا کے معنی سمجھ لئے تو اس نے خدا کو سمجھ لیا۔

چشم مذہب سے جو تسلیم و رضا کو سمجھا
درحقیقت وہی انسان خدا کو سمجھا

شاعر نے قصۂ آدمؑ و ابلیس کا ذکر کرتے ہوئے بڑے اختصار سے یہ بتایا ہے کہ ابلیس کو جو سجدے کا حکم تھا وہ مذہب ہی کی معرفت تھی کیونکہ دین یا مذہب انسانی نہیں خدائی تخلیق ہے۔ ابلیس نے انکار سجدہ کر کے دین کی توہین کی اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اب ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم مذہب کی حرمت پر جان دے کر عبادتِ خداوندی کا اجر حاصل کریں۔

شاعر نے اپنے نظریے کو مستحکم کرنے کے لئے جنابِ نوحؑ ' جناب ابراہیمؑ اور جناب موسیٰؑ کے واقعات سے استدلال فراہم کیا ہے۔ نوحؑ کا سفینہ ' نمرود کی آگ کا گلزار ہونا اور طور پر شجر سے آواز کا نکلنا مذہب ہی کے کارنامے تھے۔ شاعر کی نظر میں سورۂ الحمد میں جن انعام یافتہ لوگوں کا رستہ بتایا گیا ہے وہی مذہب کا راستہ ہے جو لوگ اس راہ پر گامزن ہوں گے انہیں صراط مستقیم مل جائے گی اور جو اس راہ سے بھٹک جائیں گے وہ گمراہ اور مغضوب ہوں گے۔ شاعر نے نہایت خوش اسلوبی سے بتایا ہے کہ صراطِ مستقیم پنجتن پاکؑ کا راستہ ہے اگر کوئی ان سے تمسک کرلے تو راہِ نجات مل سکتی ہے۔

پنجتن پاکؑ جنہیں خلق خدا کہتی ہے
ان کو اللہ نے دستار فضیلت دی ہے

پنجتن پاکؑ کے آخری فرد حسینؑ ابن علیؑ ہیں اسی مقام سے شاعر گریز کی منزل پار کر کے کربلا میں داخل ہو جاتا ہے۔

حرمتِ کلمۂ اسلام ہے اسلام کا نام
اسی حرمت کا تحفظ ہے حسینیؑ پیغام
کربلا رکھتی ہے وہ درسِ بقا فکرِ دوام
جس کی تنویر پہ ہر دور میں سورج کا سلام

زندگی مصطفویؐ نور سے تابندہ ہے
کربلا روشنیِ مذہب پائندہ ہے

مذہب کی حفاظت اور کلمہ اسلام بچانے کے لئے امام حسینؑ اور ان کے گھرانے نے جو تکالیف اٹھائیں اور جو ظلم وستم برداشت کئے شاعر نے نہایت تفصیل سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ خصوصیت سے امام حسینؑ کی بہن جناب زینبؑ نے دربارِ یزید میں یزید کی گفتگو کا جوار تجالاً جواب دیا ہے وہ جناب زینبؑ کا نہیں بلکہ دینِ اسلام کی قوت کا جواب ہے۔ شاعر نے اس موقع پر ایک بھرپور انداز کی بیت کہی ہے:

دین کی زندگی دربار میں تقریر سے ہے
عزمِ شبیرؑ میں دمؔ خواہر شبیرؑ سے ہے

۴۳۔ تربیت

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'تربیت' ۱۹۹۱ء میں تخلیق ہوا اور سب سے پہلے کراچی میں آغا قمر حسنین نے 'لہولہو کہکشاں' میں شائع کیا۔ اس کے بعد یہ مرثیہ قیصر بارہوی کے مرثیوں کے مجموعے 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ بیاسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت ابوطالبؑ کے طریقہ تربیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں حضرت زینبؑ کی حضرات عونؑ ومحمدؑ کی بے مثال تربیت کے رُخوں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔(۱)

تربیت کا تعلق معاشرتی اور نفسیاتی مسائل سے ہے۔ بچہ کس گھرانے اور کس خاندان میں پرورش پاتا ہے۔ ماں باپ اسے کس نہج پر پروان چڑھاتے ہیں اس کی تعلیم و تربیت اور اہل خانہ، اہل محلّہ اور اہل زمانہ سے تعلقات کی ساری کاوشیں معاشرت سے متعلق ہیں لیکن اس کے رجحانات کو دیکھنا اور پرکھنا اس کے احساسات کا خیال رکھنا اور اس کی پسند و ناپسند پر غور کرنا نفسیات کے زمرے میں آتا ہے۔

---

(۱) (i) آغا قمر حسنین (مرتب) لہولہو کہکشاں کراچی: ادارہ تقدیس قلم، ۱۹۹۰ء
(ii) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

قیصر بارہوی نے اپنے مرثیے کی ابتدا فلسفیانہ انداز میں کی ہے انہوں نے یہ بتایا ہے کہ تربیت ہے کیا اور اس کا فلسفہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک تربیت انسان کے ذہن کی تعمیر ہے یہ زندگی کے آئینے کی جلا اور خواہش دل کے پنپنے کی ادا ہے۔ اگر تربیت اچھی ہو تو انسان ہر شے کو مسخر کر سکتا ہے۔ عمدہ تربیت سے خاندان اور نسلیں عروج پاتی ہیں اسی سے معیشت اور کاروبار میں بہار آتی ہے اور انسان تربیت کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔

یہ امور زندگی میں وقت کی میزان ہے
تربیت انسان کے اوصاف کی پہچان ہے

انسانی زندگی میں حسن نظم اور اس کے دماغ میں جستجو کی خواہش تربیت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اگر انسان کے افکار بکھر جائیں اور ذہن میں انتشار پیدا ہو تو تربیت ان پراگندہ افکار کی ترتیب درست کر دیتے ہیں۔ دنیا میں جتنے مدرسے، ادارے اور دانش کدے موجود ہیں ان کا کام تعلیم و تربیت دینا ہے لیکن اگر کوئی اس مقصد کو پورا نہیں کرتا اور تعصب کا اندھیرا پھیلانا چاہتا ہے تو وہ تربیت کا نہیں انسانیت کا خون کر رہا ہے۔

تربیت تو جلوۂ رب ہے یہ ماحول کو خراب ہونے سے روکتی ہے اور شریعت کی حفاظت کرتی ہے اگر تربیت صحیح ہو تو بڑے سے بڑا یزید اور ابنِ زیاد اس کی شمشیر سے کٹ جاتا ہے۔ صحیح تربیت تو شیر خوار بچوں کو سپاہی بنا دیتی ہے۔

حرمتِ گلشن پہ غنچوں کو گواہی کر دیا
تربیت نے شیر خواروں کو سپاہی کر دیا

شاعر نے مثالوں کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ اچھی تربیت کیا رنگ لاتی ہے۔ جناب ابو طالبؑ نے حضورؐ کی تربیت کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور حضورؐ کی آغوشِ تربیت میں پلنے والا بچہ علی ابن ابی طالبؑ دنیا کا بہترین شمشیر زن اور علم کے میدان میں نابغۂ روزگار ثابت ہوا۔ اس علیؑ کے ذریعے رسولؐ خدا نے دین کی تبلیغ کی اور جب یہ جوان ہوا تو اسی زور بازوئے پیغمبرؐ نے خیبر کا در اکھاڑا اور جنگ خندق میں عرب کے مشہور ترین سورما کا سر کاٹ کر اسلام کے سر پر فتح

کا تاج رکھا۔ یہ ابو طالبؑ کی تربیت کا اثر تھا کہ شب ہجرت علیؑ رسولؐ کے بستر پر سو گئے حالانکہ گھر کے چاروں طرف تلواروں اور شمشیروں کا ہجوم تھا۔ پھر جب علیؑ کا وقت آخر آیا تو آپ نے اپنے بڑے بیٹے حسنؑ کو وصیت کی کہ جب لوگ تمہارے دشمن ہو جائیں تو صبر و ضبط سے کام لینا اگر باطل سر اٹھائے تو صلح کی تلوار سے اس کا سر کاٹ دینا:

اپنے دشمن کو ہرانا ضربتِ کردار سے
کاٹنا باطل کی گردن صلح کی تلوار سے

اسی طرح اپنے چھوٹے بیٹے حسینؑ کو سمجھایا کہ تمہارا دور بہت پر آشوب ہو گا۔ تمہارے سامنے کئی محاذ جنگ ہوں گے لیکن صبر و شکر کرنا۔ دشمن تم سے بدر و احد کا بدلہ لے گا تمہارا گھر لٹ جائے گا، تمہارے بچے بھوکے پیاسے قتل کر دیے جائیں گے لیکن حرف شکایت زبان پر نہ لانا تم نبیؐ کے نواسے ہو نبیؐ کے دین کی حفاظت کرنا۔

مرثیے کے اختتامی بندوں میں شاعر نے شبِ عاشور کا منظر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح مائیں اپنے بچوں اور امام حسینؑ اپنے انصار کی تربیت کر رہے تھے۔ جناب زینبؑ اپنے بچوں کو سمجھا رہی تھیں کہ تم دونوں جعفر طیارؓ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہو خبردار کوئی ایسا عمل نہ کرنا کہ خاندان کی عزت پر بٹہ لگے۔ میں نے تمہیں حسینؑ کے بیٹے علی اکبرؑ کا صدقہ قرار دیا ہے کل جنگ ہو تو اپنے ماموں امام حسینؑ پر سب سے پہلے اپنی جانیں نچھاور کر دینا۔

گلشنِ ایماں شہادت سے نکھارا جائے گا
کل مرے ماں جائے کا صدقہ اُتارا جائے گا

اور جب بچے شہید ہو گئے تو جنابِ ابو طالبؑ، جناب جعفر طیارؓ اور جناب فاطمہ زہراؑ کی روحوں نے عالم بالا سے جناب زینبؑ کو ان کی تربیت اولاد پر تہنیت کے پیغام بھیجے۔

۴۴۔ آئینہ انقلاب

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'آئینہ انقلاب' ۱۹۹۳ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعۂ مراثی

'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ چہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں غمِ حسینؑ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور کربلا میں امام عالی مقامؑ کی جنگ اور شہادت کا بیان ہے۔(۱)

شاعر نے ماہِ محرم کو آئینۂ انقلاب کہا ہے اور یہ بتایا ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا کی زمین پر جو نصاب مرتب کیا ہے اس کی رو سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمینِ شعور پر سورج بچھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ رسول کا خاندان تباہ کر دیا گیا اور باغِ رسول کا ایک ایک نخل کاٹ دیا گیا اس کے باوجود وہ کٹے ہوئے درخت بڑے سایہ دار ہیں ؎

پامال پھول باعثِ فصل بہار ہیں
کاٹے ہوئے درخت بڑے سایہ دار ہیں

شاعر نے غمِ حسینؑ میں گریے کی فضیلت اور فوائد بتاتے ہوئے کہا ہے کہ رونا پست ہمتی کی دلیل نہیں ہے اشکوں سے شعور کی آنکھ دھلتی ہے اور جس آنکھ سے یہ آنسو ٹپکتا ہے اس میں خدا کا نور ہوتا ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ اجر رسالتؐ ادا کرو ہم غمِ حسینؑ میں رو کر اجر رسالتؐ ادا کرتے ہیں اگر انسان کا دل پتھر نہیں تو اپنے اٹھارہ بھائی بیٹوں کی لاشیں اٹھا کر اس کی آنکھ سے آنسوؤں کی برسات کیونکر جاری نہ ہوگی۔

شاعر عصرِ حاضر کی مجالس کے طور طریقوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آج کل اپنی نمود و نمائش کے لئے مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مرثیے میں رثا اور مصائب کا پہلو تقریباً ختم کر دیا گیا ہے۔ مجلسوں میں جھوٹی واہ واہ کا اس طرح شور ہوتا ہے جیسے یہ مجلس نہیں مشاعرہ ہے ؎

بزمِ عزا ہے درد کو تشکیل کیجئے
اس کو مشاعرے میں نہ تبدیل کیجئے

مجلسوں میں امام حسینؑ کی ماں کو حسینؑ کا پرسہ دینے کے لئے شرکت کی جاتی ہے۔ شاعر مرثیہ شناسوں سے سوال کرتا ہے کہ کیا تعزیت کے موقع پر تبسم ریزی مناسب ہے؟ جب مرثیے کی مجلس ہوتی ہے تو اس میں جناب سیدہؑ شریک ہوتی ہیں۔ ایسی مجالس میں چراغ تصنع جلانا اچھی

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

ت نہیں۔ اس قسم کا عمل وہ لوگ کرتے ہیں جو غم شناس نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجالس سے گریے کی صدا بلند نہ ہو۔ مرثیے کا وقار کبھی گھٹ نہیں سکتا کیونکہ مرثیہ نگاروں کی صف میں علیؑ کی بیٹی اُم کلثومؑ بھی شامل ہیں۔ ایسے مرثیہ نگار جو ذہنی تعیشات کے قائل ہیں وہ اپنے کو مرثیہ نگار نہ لکھیں کیونکہ مرثیہ تو اشکوں کی کہانی ہے اور اشکوں کا قافلہ کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتا۔ شاعر نے اگلے بندوں میں فلسفۂ غم پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کے نظریے کے مطابق غم سے شعور بیدار اور وفا جاگتی ہے اس سے قلب کی روشنی اور آدمی کو انصاف کی منزل ملتی ہے۔ غم ہی کی وجہ سے آدمی ہر دل عزیز ہو جاتا ہے اگر انسان غم سے آشنا نہیں تو اسے آدمی نہیں وحشت کا پیکر کہنا چاہیے۔ جب حرمتِ انساں پاش پاش ہو جائے اور انسان کی روح ظلم شناس ہو جائے ایسے موقع پر حسینؑ کا ماتم عین زندگی ہے جس نے اپنی لوحِ دل پر حسینؑ کا نام لکھ لیا۔ اسے فضیلتِ کردار کی سحر مل گئی۔ حسینؑ کی قبر کی زیارت کرنے والوں کو خود رسولؐ خدا گلے سے لگائیں گے۔

آخر کے بندوں میں شاعر قتل گاہ کے مناظر کا نقشہ کھینچ کر یہ بتا رہا ہے کہ جب حضرت علی اصغرؑ بھی شہید ہو گئے تو حسینؑ آخری رخصت کے لئے خیمہ گاہ میں گئے۔ شاعر کو حیرت ہے کہ اتنے زخم کھا کر حسینؑ کس طرح رخصت ہوئے ہوں گے۔ ممکن ہے حسینؑ نے کربلا سے بھی سوال کیا ہو کہ تو نے میرے تمام ستاروں کو اپنی گود میں لے لیا۔ مقتل میں آ کر امام حسینؑ نے کبھی اپنے جوان بیٹے کی لاش پر نگاہ کی کبھی اپنے علمدار کو نہر کے کنارے دیکھا اور پھر خود ہی سوال کیا کہ اے عباسؑ تم تو وفا کی سیج پر آرام سے سو رہے ہو مگر تمام مصیبتیں دلبرِ زہراؑ کے لئے چھوڑ گئے۔ امام حسینؑ کو ان شہیدانِ وفا سے جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے یادگار جنگ کی اور اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے یہ بتایا کہ حسینؑ کسی حالت میں مجبور نہیں۔ آخر کار عصر کے وقت امام حسینؑ نے شہادت پائی۔ خیامِ حسینیؑ میں تہلکہ مچ گیا۔ حسینؑ کی بہن نے بھائی کا سر نوکِ نیزہ پر دیکھا۔ دوسری جانب جناب ربابؑ نے خدا سے دعا کی کہ میرے پروردگار مجھے اس غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔ جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کے سر کی طرف رخ کر کے کہا اے میرے بھائی میں تنہا ربابؑ کو سمجھاؤں یا عباسؑ کی بیوہ کو حوصلہ دوں، سکینہؑ کو

سمجھاؤں یا علی اکبرؑ کی والدہ اُم لیلیٰ اور قاسمؑ کی والدہ اُمِ فروہ کی ڈھارس بنوں۔ ابھی یہ بین جاری تھے کہ خیموں میں آگ لگ گئی۔ جناب زینبؑ فوراً عابدِ بیمارؑ کے خیمے میں گئیں اور پوچھا کہ ہم لوگ آگ میں جل جائیں یا باہر نکل جائیں۔ امامؑ نے فرمایا پھوپھی اماں سب کو لے کر باہر چلی جائیں اور جانوں کی حفاظت کریں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ گھبرائیں نہیں ابھی کوفہ وشام کا سفر باقی ہے اور زنجیر پہن کر میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلوں گا۔

۴۵۔ معراجِ نفس

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'معراجِ نفس' ۱۹۷۲ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعے 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں روزے کی فضیلت کا بیان اور حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

معراجِ نفس حقیقت میں حضرت علیؑ کا مرثیہ ہے جنہیں نفس اللہ اور نفسِ رسولؐ کہا جاتا ہے چونکہ شہادتِ حضرت علیؑ ماہِ رمضان میں ہوئی اور یہی روزے کا بھی مہینہ ہے اس رعایت سے اس مرثیے میں روزے کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ شاعر نے اسی قول کی روشنی میں اپنے مرثیے کی ابتدا اللہ کے شہر مکہ سے کی ہے۔ اللہ کے شہر کا ذکر کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ اگر کوئی اس شہر میں قدم رکھے تو اسے ہر ہر مقام پر نور برستا دکھائی دے گا۔ ہر طرف معرفت کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں ہر چہار جانب رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے جو نعمتیں اس شہر میں نظر آتی ہیں کسی دوسرے شہر میں نہیں ہیں۔ یہاں روحانیت کی محفلیں سجی ہوئی ہیں۔ عارفین ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں۔ زمین و آسمان نور سے معمور ہیں اس شہر میں آنے والا سکون کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اس کی نظر تیز اور اس کی روح شاداب ہو جاتی ہے۔ یہاں آ کر قرآن کی تلاوت میں جو سرور ملتا ہے وہ کہیں نہیں ملتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بستی رحمتوں سے بھری ہوئی ہے۔

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہر اک خیال سے پاکیزگی برستی ہے
جو رحمتوں سے بھری ہے یہی وہ بستی ہے

شہر خدا کا ذکر کرنے کے بعد شاعر روزے کی فضیلتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ روزہ عقل کے باغ میں خوشبو اور ہر برائی کے لئے زہر ہے۔ روزے سے پارسائی آتی ہے اور دلوں کا مکدر آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ روزہ خدا کی حکمت اور ہدایت کی سبیل ہے۔ یہ نمازیوں کے لئے پیغامِ رحمت ہے اور نفس کا جہاد ہے۔ روزہ غم جہاں کا علاج ہے اور دل و دماغ میں اسی سے روشنی آتی ہے۔ اسی سے معاشرے میں مساوات اور زندگی میں ہمدردی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ روزہ حقیقت میں قناعت، محبت اور مروت کی آبرو ہے۔ روزہ ایسا پانی ہے جس سے دل کا غبار دُھل جاتا ہے۔ اسی سے معاشرہ سکون اور انسانیت کو آرام ملتا ہے۔ روزہ ایک جہاد ہے اور اسی سے نفسِ انسانی کو معراج ملتی ہے۔ روزہ ہوش و حواس کا معالج ہے اسی سے عقل تیز ہوتی ہے۔ شک اور گمان کی کیفیت ختم ہو کر یقین کا نور جلوہ گر ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور نماز سے غافل ہے تو سمجھ لیں کہ وہ شخص فقط تکلم کر رہا ہے لیکن اس کا شعور پختہ نہیں ہے۔

روزے کی فضیلت بیان کرنے کے بعد شاعر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ادائے صوم کا حال بیان کرتا ہے۔ حضورؐ کے گھرانے میں نہ عمدہ سحری نہ اعلیٰ افطار کا انتظام ہوتا تھا۔ جناب فاطمہؑ چکی بھی پیستی تھیں اور روزہ بھی رکھتی تھیں۔ جب حسنینؑ بیمار ہوئے تو جناب فاطمہؑ نے یہ منت مانی تھی کہ اگر بچے صحت مند ہو جائیں گے تو تین روزے رکھوں گی۔ بچے صحت مند ہوئے۔ اہل خانہ نے روزے رکھے۔ تین دن عین افطار کے وقت تین سائلوں نے روٹیوں کا سوال کیا۔ اہل خانہ نے روٹیاں سائلوں کو دے دیں اور خود سادہ پانی سے افطار کیا۔ خدا کو اس گھرانے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے سورۂ دہر میں ان حضرات کا شکریہ ادا کیا۔ اس واقعے سے شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر خلوصِ دل سے روزہ رکھا جائے تو خدا خود نعمتیں دیتا ہے۔

انیسویں شب کو ایک ظالم نے حالتِ سجدہ میں حضرت علیؑ پر خنجر سے حملہ کیا، نمازیوں نے قاتل کو پکڑ لیا اس کی گھبرائی اور پریشان حالت دیکھ کر حضرت علیؑ نے اسے دودھ کا شربت

پیش کیا۔ شاعر کہتا ہے کہ جو شخص اتنا رحیم و کریم تھا دنیا والوں نے اسے بھی شہید کر دیا۔ باپ کا سایا سروں سے اٹھتے ہی نہ صرف گھر بلکہ پوری کائنات میں تہلکہ مچ گیا اور کہا گیا کہ یہ علیؑ کا قتل نہیں علم کا قتل ہے، عدالت اور امامت کا قتل ہے، یہ شجاعت اور استقامت کا قتل ہے۔ امام حسنؑ اور حسینؑ یتیم ہو گئے، زینبؑ و کلثومؑ بے وارث ہو گئیں۔ سینکڑوں یتامیٰ لاوارث اور بیوائیں بے سہارا ہو گئیں۔ اہلِ خانہ کی گریہ و بکا سن کر حضرت علیؑ نے انہیں واقعاتِ کربلا کے حالات بتائے اور یہ کہہ کر تسلی دی کہ مجھے تو صرف ایک زخم لگا ہے مگر میرے حسینؑ کے جسم پر ہزاروں زخم لگیں گے۔

۴۶۔ قرآن کی کہانی

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'قرآن کی کہانی' ۱۹۶۹ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ باون بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں قرآن کی فضیات، پیکرِ رسولؐ میں اُس کا نزول اور کربلا میں حسینؑ کی آواز بن کر اُس کا جلوہ گر ہونا قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

شاعر نے قرآن کو مشخص کر کے اسی کی زبانی تمام واقعات کو بیان کیا ہے۔ ابتدائی بندوں میں قرآن نے ان مظالم کا تذکرہ کیا ہے جو نسلِ انسانی نے اس کے ساتھ روا رکھا۔ کبھی اس کے جگر پر تیر برسائے گئے کبھی نیزہ و خنجر مارے گئے کبھی اس کی آیات کا دل چھلنی کر دیا گیا اور کبھی اسے نیزوں پر بلند کیا گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ میں خدائے ذوالجلال کا بنایا ہوا دستور تھا جسے جبریلِ امین نے قلب رسولؐ خدا پر اتارا۔ یہ سچ ہے کہ عہدِ رسالتؐ میں میری بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ لوگوں نے میری آیتوں کو پڑھا اور حفظ کیا لیکن جس مقصد کے لئے مجھے نازل کیا گیا تھا اسے مسلمانوں نے بھلا دیا۔

کہنے کو تو دنیا نے پڑھا' پڑھ کے سنایا
لیکن مرے مقصد کی طرف کوئی نہ آیا

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

قرآن کہتا ہے کہ میری حکمتوں پر عمل کر کے اسلامی لشکر کی تشکیل ہوئی۔ کلمۂ وحدت کی تشہیر ہوئی۔ ممالک فتح ہوئے مگر اُمّت نے میرے احکام پس پشت ڈال کر فساد پھیلایا۔ انسانوں کے دکھ اور درد بھلا کر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی۔ انتہا یہ ہے کہ مسلمان میرے دوست اور دشمن میں فرق نہ کر سکے آج لاکھوں مسلمان حج کرتے ہیں' احرام باندھتے ہیں' طواف کرتے ہیں مگر ان کی نظر مقصدِ حج سے دور ہے۔ خدا کے گھر میں بھی جا کر ان پر دنیا غالب رہتی ہے ان کی حالت یہ ہے کہ۔

کعبے کی جو قسمت ہے وہ منظر نہیں دیکھا
دیوار کو بوسے تو دیے در نہیں دیکھا

قرآن کہتا ہے کہ میں صامت ہوں لیکن تمام انبیا اور رسل میرے پیکر ہیں۔ آدمؑ سے لے کر ختمی مرتبتؐ تک میں ہر نبیؑ کے ساتھ رہا اور میں نے ہر نبیؑ کی کسی نہ کسی صورت سے رہنمائی کی۔ آدمؑ و حوا کی جو بھی تگ و تاز ہوئی میں ان کے ساتھ رہا۔ حضرتِ نوحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت یونسؑ' داوٗدؑ و سلیمانؑ غرض ہر پیغمبر نے معجزے یا مصائب میں مجھے ہی پکارا۔ جناب ایوبؑ جن مصائب سے گزرے الفاظ میں طاقت نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔ انہوں نے میری آیات کا مطالعہ کیا انہیں حرزِ جاں بنایا۔ آخر کار صبر کی تلوار سے انہوں نے حزن و بلا کا گلا کاٹ دیا۔ کوئی نبی ایسا نہ تھا کہ میں نے اس کی مدد نہ کی ہو۔ یہاں تک کہ میں تجسیم ہو کر پیغمبر آخرؐ کے پیکر میں آ گیا۔ شاعر نے اس مقام پر قرآن کے حوالے سے حضورؐ کے زمانے کا بڑی خوبی سے نقشہ کھینچا ہے جب حضورؐ مکے میں پیدا ہوئے تو ہر طرف الحاد اور شرک کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ پتھر کے خداؤں کا راج تھا لیکن جونہی قرآنی آیات اُترنا شروع ہوئیں تو۔

بطحا کی زمیں گونج اٹھی میری صدا سے
بجھنے لگے باطل کے دیے حق کی ہوا سے

حضورؐ نے جونہی نبوت کا اعلان کیا مکے کے تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے اور آپؐ کو قتل کرنے کی سازشیں ہونے لگیں کبھی آپؐ کے جسم اطہر پر کوڑا پھینکا گیا کبھی نازک بدن سنگسار کیا گیا۔

قرآن واضح کرتا ہے کہ کے میں فقط ابوطالبؑ کا گھر تھا جہاں مجھے پناہ ملی کچھ عرصے بعد ابوطالبؑ تو دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے بیٹے علیؑ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر میری حفاظت کی۔ علیؑ کی شہادت کے بعد ان کے دونوں بیٹوں نے آیات قرآنی کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا جب حسنؑ زہر سے شہید ہو گئے تو رسولؐ خدا کا نواسا جو میرا بھی نواسا تھا میدان عمل میں نکل آیا۔

محنت کو مری دے کے دلاسا نکل آیا

میداں میں مرا چھوٹا نواسا نکل آیا

امام حسینؑ نے میدان کربلا میں آ کر قرآن کی حرمت و عزت کو بچایا۔ یزید کا خیال تھا کہ وہ گرداب بن کر قرآن اور قرآن والوں کو بہالے جائے گا مگر حسینؑ نے مری آیات کو ساحل سے ہمکنار کر دیا اور پھر تو جو ہاتھ بھی مجھے مٹانے کے لئے اٹھا پنجۂ حسینیؑ میں آ کر ٹوٹ گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ظالم نے علی اکبرؑ کے سینے پر جو برچھی ماری تھی وہ حقیقت میں میرے سینے پر لگی تھی اور حرملہ نے جو تیر گلوئے اصغرؑ کو مارا وہ میرے گلے پر لگا تھا۔ عاشور کو عصر کے وقت حسینؑ نے جو آخری سجدہ کیا تھا اس سجدے سے قرآن کو تا ابد زندگی مل گئی اگر چہ حسینؑ کا سر کٹ کر نیزے پر چڑھ گیا لیکن قرآنی آیات کی توقیر اور اسلام کی عظمت زائل ہونے سے بچ گئی۔

سر کٹ گیا مقتول کا مقتل میں ہوئی شام

زندہ رہیں آیات بقا پا گیا اسلام

حسینؑ کا سر نیزے پر جا کر تلاوت کرتا رہا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حسینؑ قرآن سے ہے اور قرآن حسینؑ سے ہے۔

انصاف اگر ہو گا تو کہہ دیں گے مسلمان

قرآن سے شبیرؑ ہے شبیرؑ سے قرآن

۴۷۔ جنابِ سیدہؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ "جنابِ سیدہؑ" ۱۹۹۳ء میں تخلیق ہوا اور اُن مرثیوں کے

مجموعے 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ باسٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں جناب فاطمہؑ کی زندگی کے حالات اور رسولؐ خدا کی وفات کے بعد اُن پر ہونے والے مظالم کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

قیصر بارہوی نے مرثیے کی ابتدا میں رسولؐ خدا کی تعریف و توصیف کی ہے اور بتایا ہے کہ حضورؐ اس کائنات کا مقصد عظیم ہیں اور روئے زمین پہ سب کے لئے رحمت ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی نورِ وحدت کی روشنی اور آپ کا گھر مشیت الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس گھر کے تمام افراد وحدت کی روشنی ہیں انہوں نے سجدے کر کے بتایا کہ کعبہ خدا کا گھر ہے۔ جناب سیّدہ فاطمہؑ باغِ رسالت کی ایک کلی ہیں جو عصمت مآب اور شرم و حیا کا مرکز ہیں۔ باغِ رسالتؐ سے جو خوشبو نکل رہی ہے اس خوشبو کا نام زہراؑ ہے۔

کیا حلقۂ اصول کا زریں نظام ہے
خوشبو ہے جس کا نام وہ زہراؑ کے نام ہے

حضورؐ نور اولیں ہیں آپ نے بیٹی کی اس طرح تربیت کی کہ اس میں باپ کی مکمل سیرت کے پہلو نظر آنے لگے۔ کمسنی میں اس بچی کا جھولا سلطان انبیا جھلاتے تھے اور سبحان ربنا کی لوریاں دے کر اسے اپنی آغوش میں سلاتے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جناب فاطمہ مجسم مزاج ہو گئیں خدا نے جناب فاطمہؑ کو ماں بھی ایسی دبدبے اور جلال والی دی تھی کہ ماں کی سیرت و کردار جناب فاطمہؑ کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ جنابِ فاطمہؑ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شاعر نے استعاروں میں بات کی ہے۔ جناب فاطمہؑ اس دنیا میں صرف اٹھارہ سال زندہ رہیں لیکن انہوں نے اپنے طرزِ زندگی سے ثابت کر دیا کہ عورت میں بھی قیادت کی شان ہوتی ہے۔ شاعر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا کی عورتوں سے کہا ہے کہ اگر وہ بھی سیرتِ زہراؑ پر عمل کریں تو ان کا معیارِ زندگی بلند ہو سکتا ہے۔ ان کی زبانوں پر گیتوں کی جگہ قرآنی آیات ہوں اگرچہ بعد رسول فاطمہؑ کی زندگی اجیرن ہو گئی لیکن انہوں نے صبر و شکر کا مظاہرہ کیا اور خندہ پیشانی سے ہر ظلم کا مقابلہ کیا۔

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

شاعر نے جنابِ سیدہؑ اور حضرت علیؑ کی ازدواجی زندگی کا بھی نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا ہے کہ چھوٹے سے گھر میں میاں بیوی کی رفاقت کی وجہ سے اسلامی ماحول پھل پھول رہا تھا۔ زوجین ہم خیال، ہم فکر اور ہم آواز تھے۔ جب گھر کی رونق میں اضافہ ہوا اور بچے پیدا ہوئے تو ماں باپ نے ان کی تربیت اس انداز میں کی کہ وہ زمانے کے آلام اور دشمنوں کے ظلم و ستم کا مقابلہ کر سکیں۔ حسنؑ حسینؑ جیسے بیٹے اور زینبؑ و کلثومؑ جیسی بیٹیاں اس نہج پر پروان چڑھیں کہ ایک طرف تو انہوں نے حفاظتِ اسلام کا فریضہ ادا کیا اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام کا دندان شکن جواب دیا۔ شاعر نے جناب فاطمہؑ کی کنیز خاص جناب فضہؓ کا ذکر بھی بڑی آب و تاب سے کیا ہے۔ خانہ جناب سیدہؑ میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے کنیز کی ایسی تربیت ہوئی کہ وہ مدّتوں سوالات کے جوابات قرآن کی آیتوں سے دیتی تھیں۔

یوں بھی نوازشات کی برسات ہو گئی

ان کی کنیز شاملِ آیات ہو گئی

جنابِ سیدہؑ نے بڑی غربت میں زندگی بسر کی وہ گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھیں۔ چکی پیسنا، گھر کی صفائی کرنا، کھانا پکانا، بچوں کی نگہداشت معصومہؑ کے روزانہ کے کام تھے۔ ان تمام تکالیف و آلام کے باوجود وہ ہمیشہ شکرِ خدا کرتی تھیں۔

اختتامی بندوں میں شاعر نے جناب سیّدہؑ کی وفات کا تذکرہ نہایت درد انگیز لہجے میں کیا ہے۔ مرنے سے قبل آپ نے اپنے جانثار شوہر سے کچھ وصیتیں کیں پھر اپنی کنیز خاص فضہؓ سے کہا کہ کربلا کے واقعے میں تو ہوگی میرے بچوں اور بچیوں کا خیال رکھنا۔ جب میری بیٹیوں پر مصیبت آئے تو ان کی سپر بن جانا۔ وصیت کر کے معصومہؑ انتقال کر گئیں۔ رات کی تاریکی میں آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور اہلِ مدینہ نے جنازے میں شرکت نہ کی۔ شاعر نے اس موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ کہا ہے کہ پیغمبرؐ کی بیٹی کے ساتھ اہلِ دنیا کا یہ سلوک ناقابلِ فہم ہے۔ پہلے تو اسے باپ پر رونے نہ دیا گیا اس کے بعد اس کی خواہش کے مطابق اس کی قبر باپ کے پہلو میں بنانے کی اجازت نہ ملی۔

خوشبو تڑپ کے رہ گئی گلشن نہ مل سکا
بیٹی کو اپنے باپ کا دامن نہ مل سکا

۴۸۔ جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ' ۱۹۹۵ء میں تخلیق ہوا اور 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت فاطمہؑ بنت اسد کی سیرت و کردار کا حال قلمبند کیا گیا ہے اور آخر میں جنابِ زینبؑ کی شہادت بیان کی گئی ہے۔(۱)

اسد جناب ہاشمؑ کے بیٹے تھے۔ فاطمہؑ ان کی صاحبزادی تھیں۔ اسد کے کوئی اولاد زینہ نہ تھی فاطمہؑ کی شادی حضرت ابو طالبؑ سے ہوئی اور فاطمہؑ کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن میں حضرت علیؑ سب سے چھوٹے تھے۔ فاطمہ بنتِ اسد حضورؐ کی چچی تھیں اور جناب آمنہؑ کی وفات کے بعد فاطمہ بنتِ اسدؑ نے ہی حضورؐ کی پرورش کا بار اپنے نازک کاندھوں پر اٹھایا۔

مرثیے کے ابتدائی بندوں میں شاعر نے جنابِ اسدؑ ابن ہاشمؑ کا تعارف پیش کیا ہے۔ اسدؑ کے بارے میں یہی کہنا کافی ہے کہ انہوں نے اصنام پرستی سے کبھی تعلق نہ رکھا اور تاعمر توحید ہی کے پرستار رہے۔ شاعر نے جنابِ آمنہؑ اور جنابِ فاطمہؑ بنت اسد کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آمنہ کی گود رسالت کے نور سے روشن ہوئی اور فاطمہ کی گود امامت کی تجلی سے ضوفشاں ہوئی۔ فاطمہ بنتِ اسدؑ کی توصیف بیان کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ وہ اک پیکر تسلیم تھیں۔ اگر آمنہ فخر دو جہاں کی ماں ہیں تو فاطمہ بھی بولتے قرآن (علیؑ) کی ماں ہیں۔ جبریلؑ امیں ان کی عزت کرتے تھے کیونکہ فاطمہؑ جبریلؑ کے استاد علیؑ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ رسول اکرمؐ کے ساتھ ان کا سلوک بیٹوں سے بڑھ کر تھا وہ اپنے چاروں بیٹوں کو ہمیشہ یہی نصیحت فرماتی تھیں کہ محمدؐ کی دل و جان سے حفاظت کرنا اگر محمدؐ پر کبھی برا وقت آئے تو سب کے سب سینہ سپر ہو جانا۔ جب ابو طالبؑ خدیجہؑ کا سامان تجارت لے کر شام جاتے تھے تو حضورؐ بھی ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ حضورؐ کی محنت اور صداقت کی وجہ سے خدیجہؑ کی آمدنی میں اضافہ

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہوا۔ آخر کار حضورؐ کا عقد خدیجہؓ سے ہوگیا اور خطبہ ابو طالبؑ نے پڑھا۔ نزول قرآن سے قبل جو الفاظ ابو طالبؑ نے ادا کیے وہی قرآن کی آیات بن کر قلبِ رسولؐ پر نازل ہوئے۔

شاعر نے کئی بندوں میں فاطمہ بنت اسد کا کعبے میں جانا اور ولادت حضرت علیؑ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر تلمیحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ماں کی دعاؤں اور اس کے دودھ کی تاثیر کے اثر سے حضرت علیؑ نے مافوق الفطرت کارنامے بچپن میں سرانجام دیئے۔ شبِ ہجرت حضرت علیؑ کا تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ پیغمبرؐ پر سونا فاطمہ بنت اسد کی تربیت کے سبب تھا۔ فاطمہ بنت اسد نے صرف علیؑ ہی کی تربیت پر نظر نہ رکھی بلکہ جناب خدیجہؓ کی بیٹی زہراؑ کی تربیت میں بھی ہاتھ بٹایا وہ زہراؑ کا منہ دھلاتیں، بال سنوارتیں اور ان کے خورونوش کا بھی انتظام کرتی تھیں ان کی دوربین آنکھوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ معصومہ دوجہاں کے لئے حیدرؑ سے بہتر کفو کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ فاطمہ بنت اسدؑ کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ کے رسولؐ نے بنت اسد کے انتقال پر خود ان کی قبر کھودی، اپنی پوشاک کا انہیں کفن دیا خود قبر میں اتارا اور چچی کے لئے دعائے تلقین پڑھی۔ دفن وکفن کے بعد حضورؐ گھر میں آکر لوگوں سے اپنی چچی کی وفات کا پرسہ لیتے رہے اور جب تک زندہ رہے اپنی والدہ سے زیادہ اپنی محسنہ چچی کو یاد کرتے رہے۔ شاعر اس مقام پر ایک غیبی آواز کا سہارا لیتا ہے جو حضورؐ سے کہہ رہی تھی کہ آج آپ جسے کفن پہنا کر اور دفنا کر بیٹھے ہیں کل روز عاشورہ اسی کے پوتے خاکِ کربلا پر بے گور و کفن پڑے رہیں گے اور اس کی پوتیاں سر برہنہ کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں در در پھرائی جائیں گی۔ نوجوانوں کے جگر نیزے سے چھلنی ہوں گے اور بچوں کے گلے تیر اجل کا نشانہ بنیں گے۔ حد یہ ہے کہ کوئی بی بی اپنے وارث کی لاش پر رونے نہ پائے گی۔

قیصر بارہوی نے بیانِ مصائب کے لئے فاطمہ بنت اسد کی پوتی جنابِ زینبؑ کی مظلومیت اور ان کی وفات حسرت آیات کا ذکر منتخب کیا ہے۔ اس بی بی نے کربلا، کوفہ اور شام میں سخت ایذائیں برداشت کیں۔ زندان شام میں شب و روز گزارنے کے بعد پھر کربلا آئیں

اور اپنے ماں جائے امام حسینؑ کی قبر پر اپنی دردناک کہانی سنائی۔ مدینے میں صفِ عزائے حسینؑ بچھا کر یزید کے ظلم وستم کو آشکارا کیا جب دوبارہ امام زین العابدینؑ کی دربارِ شام میں طلبی ہوئی تو ان کے ہمراہ جنابِ زینبؑ اور کنیز فضہؒ بھی تھیں۔ اثنائے سفر میں اس باغ میں قیام ہوا جہاں امام حسینؑ کا سرِ اقدس ایک درخت سے لٹکایا گیا تھا۔ ابھی بہن اپنے بھائی کے مصائب پر گریہ کناں تھی کہ ایک بدبخت نے بیلچے سے جناب زینبؑ کو شہید کردیا۔ اگرچہ درد و الم کے اس مرقع کا خاتمہ ہوگیا مگر ساری دنیا آج جناب زینبؑ کی وفا، بہادری اور استقامتِ فکر ونظر کی داد دے رہی ہے۔

۴۹۔ عزادارئ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عزادارئ حسینؑ' ۱۹۶۱ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں عزاداری کی اہمیت، عزاداروں کے مصائب اور واقعۂ کربلا کے بعد حضرت زینبؑ کے بین قلمبند کئے گئے ہیں۔(۱)

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں فلسفۂ عزاداری پر روشنی ڈالی ہے۔ عزاداری اہلِ اسلام کا ایک طریقۂ زندگی ہے جس میں مظلوم کی حمایت اور ظالم سے نفرت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ عزاداری توحید الٰہی کو بچانے، رسالت و امامت کی حفاظت کرنے اور قرآن و کعبہ کی حرمت کو برقرار رکھنے کا نام ہے چونکہ اسلام کا مدعی یزید ان عقائد سے منحرف ہوگیا تھا اس لئے امام حسینؑ نے یزیدی اسلام کو پھلنے پھولنے سے روکنے کے لئے اپنی اور اپنے اعزہ کی قربانی دے دی اور حقیقی اسلام کو بچالیا یہی احتجاج عزاداری کا مقصد ہے۔ شاعر نے مرثیے کے ابتدائی بندوں میں عزاداری کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے تشبیہات اور استعارات کے ذریعے یہ بتایا ہے کہ عزاداری اصل میں انسان کی آبرو اور خیر العمل کی تجلی ہے۔ اس سے انسانی آنکھ بیدار ہوتی ہے اور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے۔ عزاداری وفا کا حسن اور اللہ کی رضا

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

کا نام ہے یہ ایک ایسا نصاب ہے جس پر عمل کرنے سے ظلمت کا خاتمہ ہوتا ہے اور حق کی روشنی ابھرتی ہے۔ اگر انسان عزاداری کی روح کو سمجھ لے تو اس کی روح عروج پاتی ہے اور قرآن و حدیث کے اصل مفاہیم سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ آلِ پیمبرؑ نے اپنا خون دے کر اہلِ ستم کے جنون کا خاتمہ کر دیا۔ اہلِ ستم نے روشنی کا باغ لوٹ لیا اور کوشش کی کہ عالم میں اندھیرے کا راج ہو جائے۔

ایک وقت آیا کہ یزید تو دنیا سے چلا گیا لیکن یزیدیت نے پر پرزے نکالے۔ بعد کے آنے والے حاکموں نے مدینے کی حرمت گھٹانے اور بغداد کی عظمت بڑھانے کے لئے عزاداروں پر شدید قسم کے حملے کئے۔ عزاداران امام مظلوم کو پابند طوق وسلاسل کیا اور ان کے سر کاٹ کر بغداد میں ان کے خون کے گاروں سے محل بنائے گئے۔ جو کوئی کربلا کا نام لیتا اسے تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا۔ ستم اس قدر بڑھ گیا کہ مقتولین کی لاشوں پر قہقہے لگائے جاتے تھے۔ ان مصائب کے باوجود عزاداروں نے عزائے حسینؑ کا فریضہ ترک نہیں کیا۔ ماؤں کے سامنے ان کے بچوں کو قتل کیا گیا۔ ان کے گھروں میں آگ لگا دی گئی۔ عزاداروں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے مگر عزائے حسینؑ بند نہ ہوئی۔ قوم کے نوجوان علی اکبرؑ کے غم میں قوم کے بچے عون ومحمدؑ کے غم میں اور قوم کی مستورات جنابِ زینبؑ کے غم میں آگے بڑھتی گئیں۔ حسینؑ کا نعرہ صرف عرب ممالک تک محصور نہ رہا بلکہ تمام دنیا نے اس نعرے کو اپنی حیات کا مقصد بنالیا۔ انسان نے صرف زبان سے حسینیؑ اقدام کی تائید نہ کی بلکہ ہر زبان کی تحریر میں بھی خون حسینؑ کی سرخی نظر آنے لگی۔ یہ اسی عزاداری کا اثر تھا کہ طلسمی کہانیاں پڑھنے والے بچوں نے کتابِ کربلا کے اقتباس پڑھنا شروع کر دیئے۔ عزاداری کا سب سے اہم کمال یہ نظر آیا کہ محکوم قوموں نے حسینیؑ انقلاب کا نعرہ لگا کر اپنی اپنی ظالم حکومتوں کو رخصت کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ نامِ حسینؑ اور حسینیتؑ نام انقلاب ہے۔

شاعر نے اس مقام پر چند بند رسوم عزاداری پر کہہ کر بتایا ہے کہ محرم کا چاند نظر آتے ہی عزاخانے سج جاتے ہیں۔ مجلسوں کا اہتمام ہوتا ہے سوز و مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ اہلِ دل

اشک بار ہوتے ہیں۔ اہل ہمت ماتم کرتے ہیں۔ جلوس عزا برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کا علم نشان فتح کے طور پر اٹھایا جاتا ہے۔ دراصل عزاداری سبطِ رسول کا ایک تحفہ ہے جو انہوں نے رسولِ اسلام کو پیش کیا۔ عزادار جو رسوم عزاداری ادا کرتے ہیں ان کا قرآن حکیم میں شعار اللہ کی صورت میں جواز موجود ہے۔

یہاں سے شاعر نے روزِ عاشورہ کا ذکر شروع کر دیا کہ کس طرح محمدؐ کی آل نے محمدؐ کے دین کے لئے قربانی دی۔ بچوں کا قتل امام کی شہادت خیموں میں آگ لگنا' مستورات کا سر برہنہ ہونا' امام زین العابدینؑ کا طوق وسلاسل میں گرفتار ہونا پھر آلِ اطہار کا کوفہ وشام کے بازاروں میں پھرایا جانا اسی قسم کے دیگر مصائب کا ذکر کیا گیا ہے۔ دربار شام کی صعوبت اور قید خانے کی مصیبت جھیلنے کے بعد اہلِ حرم جب لوٹ کر کربلا پہنچے ہیں تو جناب زینبؑ نے بھائی کی قبر سے لپٹ کر جو اندوہناک اور دردانگیز بین کئے ہیں شاعر نے پوری تفصیل سے بیان کر کے مرثیے کا اختتام کیا ہے۔

۵۰۔ شاعرِ دربارِ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'شاعرِ دربارِ حسینؑ' ۱۹۵۵ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں دربارِ حسینؑ کے شاعر کے منصب و مرتبے پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دربار یزید میں جناب زینبؑ اور سیّد سجادؑ کے خطبات پیش کیے گئے ہیں۔(۱)

یہ مرثیہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں قیصر بارہوی نے تعلّی سے کام لیا ہے لیکن یہ تعلّی بے جا نہیں کیونکہ شاعر اپنی نسبت دربار امام حسینؑ سے دے رہا ہے اس نے اپنے کلام کو اس لئے اعلیٰ اور برتر کہا ہے کہ یہ کلام اس کی شخصیت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ رسولؐ کے نواسے امام حسینؑ کے بارے میں ہے۔ شاعر نے کہا ہے کہ میں اس لئے ولی ہوں کہ کربلا کے بہتر شہیدوں کی ولایت مجھے حاصل ہے جب میرے تصور میں علی اکبرؑ کا چہرہ آتا ہے تو میرے

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

لفظوں سے جمالِ پیغمبرؐ کی روشنی نکلتی ہے اور جب میں عباسِ دلاورؑ کو یاد کرتا ہوں تو میرے مصرعوں سے جلالِ حیدریؑ ٹپکنے لگتا ہے۔ مجھے الفتِ شبیرؑ کے آئینے میں طور کا جلوہ نظر آتا ہے جب میں قاسمؑ کا عمل اور اکبرؑ کی اذان صبح عاشورہ پر غور کرتا ہوں تو میرے دل میں اللہ کی توحید اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ میں جب ذکرِ عبادت تحریر کرتا ہوں تو فوراً میرے ذہن میں نیزے پر تلاوت قرآن کرتا ہوا سر نظر آجاتا ہے۔

شاعر اپنی غمگیں طبیعت کا راز بتاتا ہے وہ کہتا ہے کہ مظلوم سے رغبت اور ظالم سے نفرت فطرتِ انسانی ہے۔ میں حسینؑ اور حسینؑ والوں سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ وہ لوگ مظلوم تھے اور بے گناہ قتل کیے گئے۔ میں اس شخص کو انسان ہی تسلیم نہیں کرتا جو ظالم کا ساتھ دے۔ شاعر پھر کربلا کے مناظر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں قافلہ حجاز اترا تھا ایک بد بخت اور بدکار شخص نے امامؑ سے بیعت کا تقاضا کیا۔ یہ تقاضا اس لئے کیا گیا کہ دشمن کے پاس اس وقت زمانے کا لشکر تھا۔ دولت کی فراوانی تھی خدام درباروں میں حاضری دیتے تھے۔ اس کے مقابلے میں حسینؑ کے بہتر سپاہی تھے لیکن ان میں حیدریؑ طاقت تھی۔ یزید قرآن کی صداقت اور محمدؐ کی رسالت کا منکر تھا وہ نہ کعبے کی عظمت کا قائل تھا نہ امامت کے منصب کو تسلیم کرتا تھا۔ وہ اپنے فرمان کے آگے اسلام کے فرمانوں کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ امامؑ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر یزید دینِ نبیؐ کو برباد کرے گا تو میں ہم شکل نبیؐ کا خون دے کر دین نبیؐ کی حفاظت کروں گا اور حسینؑ نے جو کہا تھا کر کے دکھا دیا۔ تاریخ میں ایک گھر سے اتنے زیادہ جنازے نہیں نکلے جتنے عاشور کے دن حسینؑ کے گھر سے نکلے۔

کب گزرا یہ عالم کسی بے کس کی نظر سے
اس طرح جنازے نہیں نکلے کسی گھر سے

شاعر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قرآن لٹ رہا تھا اور حافظ قرآن کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ رسولؐ کی نواسی سر برہنہ ہوگئی اور مسلمان دیکھا کیے۔ ایک زمانہ تھا کہ زینبؑ و کلثومؑ کوفے کی شہزادیاں تھیں لیکن ایک وہ وقت بھی آیا کہ یہی شہزادیاں رسن بستہ ابن زیاد کے

دربار میں کھڑی تھیں۔ کوفے ہی میں یہ کہا گیا کہ مدینے کے ایک باغی نے بغاوت کی تھی جس کی سزا اس کے کنبے والوں کو دی گئی ہے۔ لفظ بغاوت پر جنابِ زینبؑ نے ایک اہم خطبہ دیا اور کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ہم نبیؐ کے خاندان والے ہیں وہی نبیؐ جس نے عرب کے بدوؤں کو مسلمان کیا ہم نے نہ کسی کو مارا نہ قتل کیا اگر یزید یہ سمجھتا ہے کہ ہمیں اسیر کر کے اور ہماری تذلیل کر کے وہ اپنی حکومت مضبوط کر لے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے تم لوگ دیکھ لینا کہ آج نہیں تو کل یزید کی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا۔ جنابِ زینبؑ کے خطبے سے حاکم کے ہوش بجا نہ رہے اور اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ ان مستورات پر مزید ظلم کرے۔ اسی اثنا میں جنابِ زینبؑ نے جو اپنا سر اٹھا کر نیزے پر بھائی کے سر کی طرف دیکھا تو یہ اشارہ ملا کہ اے بہن تمہیں شام بھی جانا ہے تقریر ختم کر دو کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن زین العابدینؑ کی جان ہی لے لیں۔ جناب زینب نے تقریر ختم کی مگر عہد کیا کہ میں حسینیتؑ کے لئے ہر غم کا سامنا کروں گی دربارِ یزید میں بھی جاؤں گی اور سب کو بتاؤں گی کہ تلواروں اور تیروں سے حق والوں کی تحریک کو دبایا نہیں جا سکتا۔

جب یزید نے حسینؑ کا کٹا ہوا سر دیکھا تو آلِ اطہار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب بتاؤ فتح کس کی ہوئی؟ تم بتاؤ وہ عرش سے اتری ہوئی تلوار کہاں گئی؟ اور جس توقیر و منزلت کے تم لوگ مدعی تھے وہ کہاں گئی؟ یزید کی ان باتوں کو سن کر جنابِ زینبؑ اور جنابِ سجادؑ نے الگ الگ خطبوں میں یزید کی باتوں کا مدلل اور قرآن سے جواب دیا۔ ان جوابات سے دربارِ یزید میں کھلبلی مچ گئی۔ آخر کار یزید نے گھبرا کر اہلِ بیتِ محمدؐ کو قید خانے میں مقید کر دیا۔ یزید کا ہزاروں درباریوں کے سامنے گھبرانا حسینیتؑ کی کھلی ہوئی فتح تھی۔

۵۱۔ فریاد

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'فریاد' ۱۹۶۸ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ چھیاسٹھ بندوں کے اس مرثیے میں شاعر کا رسولؐ خدا سے فریاد کرنا، آل

رسولؐ کے مصائب اور جنابِ فاطمہؑ کی پریشانیاں قلمبند کی گئی ہیں۔(۱)

قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ رسولِ خداؐ کے مزار پر فریاد ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے آج فقط میں ہی نہیں اسلام بھی اشکبار ہے۔ شاعر کو اس بات کا شدید غم ہے کہ حضورؐ کے انتقال سے آلِ محمدؐ تو غم واندوہ کی فضا میں مغموم بیٹھے تھے لیکن اہلِ دنیا دنیا کے مسائل میں پھنس گئے۔ یہ کتنا بڑا ستم ہے کہ سردارِ کائنات کے جنازے میں اکابرِ مدینہ شریک نہ ہو سکے۔ حضرت بلالؓ کے آنسو ان کے دل کی کیفیت بیان کر رہے تھے۔ مسجدِ نبوی کو یہ غم تھا کہ بہار رخصت ہو گئی اور اب دورِ خزاں آ گیا ہے۔ حضورؐ کے رخصت ہوتے ہی اخلاق واعمال کا زوال شروع ہو گیا۔ دین کی قوت بڑھانے کے بجائے لوگوں نے ملک کی حدیں بڑھانا شروع کر دیں۔

دنیا کا باغ تیغِ تعصب سے کٹ گیا
لشکر بہت بڑھے مگر اسلام گھٹ گیا

زمانے کی ہوا ایسی بدلی کہ سفیانیت نے فرشِ کائنات پر اپنے پاؤں بڑھانے شروع کر دیے۔ شرعِ نبیؐ میں مداخلت ہونے لگی۔ خدا نے جن چیزوں کی ممانعت کی تھی وہ پھر جاری ہو گئیں اور مذہب میں مصلحت کا دخل ہو گیا۔ حد ہے کہ دنیا کی سازشوں سے اصحابِ پیغمبرؐ بھی نہ بچ سکے۔ ابوذرؓ جیسے اولوالعزم صحابی کو شہر بدر کر دیا گیا۔ مقامِ ربذہ پر عالمِ تنہائی میں ان کا انتقال ہو گیا اور انہیں سپردِ خاک کرنے کے لئے کوئی نہ آیا۔ اس سے زیادہ برا وقت جنابِ فاطمہ بنتِ رسولؐ پر آیا۔ فاطمہؑ پیغمبرِ اسلام کے جگر کا ٹکڑا تھیں۔ مریمؑ کے مقابلے میں ان کا مرتبہ زیادہ تھا۔ انہیں خاتونِ عرش وفرش کا خطاب ملا تھا وہ جنت کی عورتوں کی سردار تھیں لیکن اپنے حق کے لئے انہیں دربار میں جانا پڑا اور ان کی گواہی تسلیم نہیں کی گئی۔ جنابِ فاطمہؑ کو اس واقعے سے شدید اذیت پہنچی۔ اس پر طرّہ یہ کہ ابوالحسنؑ کو بلاوجہ گرفتار کیا گیا اور جس دروازے پر حضورؐ سلام کے لئے آتے جاتے تھے اسے آگ لگا کر گرا دیا گیا جس سے پہلوئے فاطمہؑ شکستہ ہو گیا اور رسولؐ کے انتقال کے نوے دن بعد فاطمہؑ دنیا سے چل بسیں۔ حضرت علیؑ نے معصومہؑ کا جنازہ رکھ کر

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

تمام اعزہ اور احباب سے کہا کہ آ کر دیدار کر لیں۔ سب نے دیدار کیا لیکن حسینؑ نہ آئے جب حضرت علیؑ نے دیدار نہ کرنے کا سبب دریافت کیا تو امام حسینؑ نے کہا۔

اتنا کہا کہ میں یہیں آنسو بہاؤں گا
اماں اگر بلائیں گی مجھ کو تو آؤں گا

شاعر نے مستند روایت کے حوالے سے بیان کیا کہ حسینؑ کے اس جواب کو سن کر جناب فاطمہؑ کی میت تھرتھرانے لگی، بند کفن ٹوٹ گیا، معصومہ کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے۔ امام حسینؑ ابھی میت سے لپٹے ہی تھے کہ حضرت علیؑ نے ماں سے بیٹے کو جدا کر دیا اور رات کی تاریکی میں معصومہؑ کی وصیت کے مطابق حضورؐ کی قبر مطہر کی طرف جنازہ روانہ ہوا لیکن حکومت وقت نے بیٹی کو باپ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا۔

خوشبو تڑپ کے رہ گئی گلشن نہ مل سکا
بیٹی کو اپنے باپ کا دامن نہ مل سکا

جنابِ فاطمہؑ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا اور اہلِ بیتؑ صبر و شکر کر کے خاموش ہو کر آنے والے زمانے کا انتظار کرنے لگے۔

اب شاعر حضورؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ آپ کی بیٹی جناب فاطمہؑ آپؐ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ انہی سے آپ اپنی اُمت کی سرکشی اور اہلِ بیت سے دشمنی کا حال معلوم کر لیں۔ اس کے علاوہ معصومہ کی وفات کے بعد ظلم کی حد کربلا میں نظر آتی ہے جہاں فاطمہ زہراؑ کا ہرا بھرا باغ پامال ہو گیا۔ جناب زینبؑ جنہیں ثانی زہراؑ کہا جاتا ہے، دربار شام میں سر ننگے رسن بستہ یزیدیت کا تنہا مقابلہ کر رہی تھیں۔

۵۲۔ مولانا محمد مصطفےٰ جوہر

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'مولانا محمد مصطفےٰ جوہر' ۱۹۹۴ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں معروف عالم دین مولانا محمد مصطفےٰ جوہرؒ کے سوانحی کوائف اور اُن کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی

ہے اور عاشورۂ محرم کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔(۱)

اردو زبان میں تقریباً دو سو برس سے شخصی مرثیے لکھے جا رہے ہیں۔ پہلا باقاعدہ شخصی مرثیہ آلِ غفراں مآب کا تحریر ہوا اس کے بعد مختلف اہم شعراء نے مختلف علماء کے اس لئے مرثیے کہے کہ علما نائبین امام میں شمار ہوتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیے سے قبل نسیم امروہوی مرحوم کا مرثیہ لکھا۔ مولانا جوہر متقی، پارسا، عالم، فلسفی اور صاحب عدل وانصاف تھے۔ شاعر نے مرحوم کو ایک پھول سے تشبیہ دی ہے اگرچہ ان کی ذات تنہا تھی مگر باطن میں وہ ایک گلدستہ تھے جس نے عقول کی دنیا میں خوشبو تقسیم کر دی اور زمانے میں اپنا رنگ بھر دیا۔

خوشبو جہانِ فکر میں تقسیم کر گیا
وہ پھول اپنا رنگ زمانے میں بھر گیا

مولانا جوہر خواہشاتِ نفسانی سے دور رہے اور انہوں نے ہمیشہ اپنے جسم پر خیر عمل کا لباس پہنا۔ ان کے دل میں اُلفت آل نبی بھری ہوئی تھی اور ساری زندگی ابوذرانہ بسر کر دی۔

شاعر نے چند بندوں میں مولانا مصطفےٰ جوہر کے حالات بیان کئے ہیں۔ مولانا حسین گنج بہار کے رہنے والے تھے۔ یہ شہر علم وعمل کے لئے پورے متحدہ ہندوستان میں مشہور تھا۔ اپنے شہر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنو آئے اور لکھنو کے کامل اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ جناب باقر العلوم سے فقہ اور علامہ رضا فلسفی سے علم فلسفہ سیکھا۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی شہر کو اپنا مستقر بنایا۔ کراچی میں درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا اور سینکڑوں تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی۔ اللہ نے انہیں اولاد سے نوازا اور طالب جوہری کی شکل میں ایک دریائے بے بہا مل گیا۔ ناسازگار حالات کے باوجود انہوں نے نہ کسی رئیس کی آستاں بوسی کی نہ اپنے عزیزوں سے کبھی کسی شے کے طالب ہوئے۔ لوگ غربا اور فقرا کی امداد کے لئے انہیں جو رقوم دیتے تھے جب تک وہ ادا نہیں ہو جاتی تھی انہیں بستر پر نیند نہیں آتی تھی۔

مولانا مرحوم نہایت محتاط قسم کے انسان تھے۔ ان کی روشن ضمیری اور غیرت مندی کا

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنا سر اہل بیتؑ کے در پر جھکا لیا تھا۔ حقیقت میں ان کے لئے فقیر عترت کا خطاب بہت موزوں تھا۔ وہ آخری حجت خدا کے منتظر رہتے تھے اور ہمیشہ عمل عاشورہ کرتے رہے۔ عمل عاشورہ کی رعایت سے شاعر نے اپنے تخیل کو کربلا کے میدان میں پہنچا دیا جہاں امام حسینؑ کا ننھا بچہ پیاس کی شدت سے بے جان تھا۔ اس کے جھولے کے قریب اس کی ماں حسرت بھری نگاہ سے اپنے نورِ عین کو دیکھ رہی تھی۔ ماں اپنے کمسن بچے سے کہہ رہی ہے کہ گھبرانا نہیں امام آئیں گے اور تمہیں بھی جہادِ اکبرؒ کے لئے اپنے ہاتھوں پر لے جائیں گے۔ ماں کہتی ہے کہ اے میرے لال کاش تم بھی جوان ہوتے تو عونؑ و محمدؑ اور قاسمؑ ابن حسنؑ کی طرح امام پر قربان ہو جاتے۔ ابھی ماں اپنے بچے سے یہ گفتگو کر رہی تھی کہ امام حسینؑ خیمے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مادر سے کہا کہ اب اصغرؑ بھی میدان جنگ میں جانے والے ہیں اس لئے تم صبر و تحمل سے کام لو۔ امام حسینؑ نے بچے کو اپنے ہاتھوں پہ لیا اور اس سے کہا اے بیٹا اگرچہ تم بہت کمسن ہو مگر حجت خدا کے پسر ہو۔ میدان قتال میں اس طرح جنگ کرنا کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ بچے کو تیر لگا' بچہ تو اس دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن اپنے خون سے اپنے باپ کی فتح کو یقینی بنا گیا۔ امام نے بچے کا لہو اپنے چہرے پر مل لیا۔ لاش لے کر خیمے کے قریب گئے اور بچے کی لاش زمین میں دفن کر دی۔ جب شام کا وقت آیا اور نیزوں پر شہیدوں کے سر چڑھائے گئے تو ماں نے دیکھا کہ اس کے ننھے سے پسر کا سر بھی نیزے کی نوک پر تھا۔

شہادت علی اصغرؑ کا ذکر قیصر بارہوی نے بڑے درد و الم اور سوز و گداز سے کیا ہے۔ الفاظ بھی اس قدر موزوں استعمال ہوئے کہ فوراً دل پر اثر انداز ہو جاتے ہیں اور شاعر کا مقصد بھی یہی تھا۔

۵۳۔ روشنیِ فکر و عمل

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'روشنیِ فکر و عمل' ۱۹۹۷ء میں تخلیق ہوا اور اُن کی رحلت کے بعد ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں خانۂ کعبہ کی عظمت،

حضرت علیؑ کے وقیع کارنامے اور شہادتِ حضرت علیؑ کے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔(۱)

قیصر بارہوی کے انتقال پر ملال کے بعد سیّد رونق رضا نے ان کا یہ مرثیہ ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔ چوبیس صفحات پر مشتمل اس کتابچے میں ابتدا ظہور حیدر جارچوی، نیساں اکبر آبادی کے قطعات تاریخ شامل کیے گئے ہیں۔ آخری صفحات میں شاہد نقوی کا قیصر بارہوی کی رحلت پر لکھا گیا قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آخر میں ظفر شارب کی ایک نظم بھی شامل کی گئی ہے جو انہوں نے قیصر بارہوی کی مدح میں لکھی ہے۔ کتاب کے اوائل میں سیّد وحید الحسن ہاشمی کا مختصر مضمون ''قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک'' شامل ہے۔ اسی طرح سیّد ظہور حیدر جارچوی کی ایک طویل نظم قیصر بارہوی کی مدح وستائش میں شامل ہے۔ اس مرثیے کے آغاز میں قیصر بارہوی نے خانۂ معبود پر لکھی تحریر کو اہمیت دی ہے۔ ان کے خیال میں اس تحریر کے ذریعہ قافلۂ لوح وقلم آگے بڑھا۔ اس تحریر کے ذریعہ مولود کعبہ حضرت علیؑ کی فضیلت کے کئی رُخ اُجاگر ہوئے۔ ان کا یہ بند ملاحظہ فرمائیے:

وہ بیاں جس پہ رسولوں کے صحیفے نازاں آنے والے کے تعارف میں ہے کعبہ کا بیاں
لامکاں جس کے لیے وقف کرے اپنا مکاں صحنِ تاریخ دکھائے کوئی ایسا انساں
کتنے دلچسپ سوالات ہیں اس منظر میں
ایک بچے کی ولادت ہے خدا کے گھر میں

قیصر بارہوی نے حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے اور ان تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں جو انسان کے ذہن میں خلفشار پیدا کر سکتے ہیں۔ شاعر نے حضرت علیؑ کے محامد ومحاسن گنوانے کے بعد ان پریشانیوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت علیؑ اور خانوادۂ علیؑ کو برداشت کرنا پڑیں۔ آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی بے مثال قربانیوں کے چند مناظر پیش کیے ہیں۔

---

(۱) قیصر بارہوی مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۱۹۹۷ء

(ج)

(جدید اُردو مرثیہ اور قیصر بارھوی کا اختصاص)

بیسویں صدی کا سورج نئے نظریات ومیلانات لے کر طلوع ہوا اور خصوصاً مغربی اصناف کے حوالے سے اُردو اصناف میں جدید افکار ونظریات کی ضرورت کا احساس پیدا ہونے لگا۔(۱) مغربی تہذیب نے اپنی رنگا رنگی کی وجہ سے اہلِ مشرق کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ سوچ اور فکر کے مروجہ معیارات تبدیل ہونے لگے۔ پرانے پیانے بوسیدہ قرار دیئے گئے اور اب نئے شعری پیانوں میں جدید شراب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ مغربی افکار ونظریات نے ایک جانب تو اہل مشرق کے قلب ونظر کو بظاہر کشادہ کیا اور دوسری جانب اُن کی سوچ کے زاویوں کو بدلنے کی حتی الوسع کوشش کی۔ اس طرزِ احساس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ شعروادب کا تعلق فرد سے زیادہ معاشرے سے جوڑا جانے لگا اور اجتماعی لب ولہجہ کو اہمیت ملی۔(۲) نتیجتاً قومی اور ملی شاعری کو عروج حاصل ہوا اور مذہبی مرثیوں کی جگہ قومی اور شخصی مرثیوں نے لے لی۔ اقبالؔ، نظم طباطبائی، صفی لکھنوی، ریاض خیرآبادی، اثر لکھنوی اور چکبست لکھنوی وغیرہ نے قومی اور ملی مرثیوں کے ذریعے ملت کو بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی۔(۳) اس طرح مرثیے کا رشتہ قومی شاعری سے جڑ گیا۔ یہاں یہ امر بھی محلِ نظر رہے کہ اُس عہد کے مرثیہ نگاروں نے بھی ان نظم نگاروں کے شانہ بشانہ اپنے مرثیوں میں سماجی تغیرات، طاغوتی طاقتوں کے استحصالی رویوں اور اخلاقی گراوٹ کو بطور خاص پیش کرنے کی سعی کی اور وہ اس میں بہت حد تک کامیاب وکامگار بھی رہے۔ بعض ناقدین نے اس

---

(۱) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر اُردو مرثیہ میرانیس کے بعد دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۵

(۲) احراز نقوی، ڈاکٹر، جدید فن مرثیہ نگاری، مرتبہ: وحید الحسن ہاشمی، لاہور، مکتبہ تعمیر ادب، ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۲

(۳) محمد رضا کاظمی، جدید اُردو مرثیہ، کراچی، مکتبہ ادب ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۔

منظر نامے کے حوالے سے سطحی بنیاد پر یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ اس عہد میں ''مذہبی مرثیہ'' کو زوال آ گیا تھا(۱) مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔(۲) اگر آپ بنظرِ غائر دیکھیں تو قومی اور ملی مرثیے بھی دراصل اسی روایتی مرثیے کا ایک جدید رُوپ ہیں۔ اب اس حوالے سے صرف دو بند ملاحظہ فرمایئے اور مذہبی مرثیے کا اثر شخصی اور ملی مرثیہ پر ملاحظہ کیجئے۔

علم کی سنجیدہ گفتاری' بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت' جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں' فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

(علامہ اقبال)

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہیں سکتا   رگوں میں خوں کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا   دلوں میں آ کے یہ ارمان جا نہیں سکتا
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ''ہوم رول'' کے بدلے

(چکبست لکھنوی)

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں پوری دنیا میں عموماً اور مختلف اسباب کی بناء پر ہندوستان میں خصوصاً اجتماعی شعور بیدار ہو رہا تھا۔ ایسے لائحہ عمل مرتب کئے جا رہے تھے' جن سے معاشرتی سطح پر انقلابی تبدیلیاں لائی جا سکیں۔(۳) اس حوالے سے مظلوم دیسی عوام کے

---

(۱) شجاعت علی سندیلوی' تعارف مرثیہ' الہ آباد' ادارہ انیس اُردو' ۱۹۵۹ء' ص ۷۰

(۲) اسد اریب' ڈاکٹر' اُردو مرثیے کی سرگزشت' لاہور: کاروانِ ادب' ۱۹۸۹ء' ص ۸۴۔۸۹

(۳) حامد حسن قادری' پروفیسر' مختصر تاریخ مرثیہ گوئی' کراچی' اُردو اکیڈمی سندھ' ۱۹۶۴ء' ص ۱۰۰

اوپر کیے گئے مظالم کو مختلف سطحوں پر پیش کر کے سامراجی استبداد اور ظالمانہ حیثیت کو خوب اُبھارا جارہا تھا۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز کے بعد عوام الناس میں ایک انقلابی رجحان پیدا کرنے کے لئے واقعہ کربلا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا جانے لگا تھا۔(۱) اس رویے کو مرثیہ گو شعراء بھی محسوس کررہے تھے۔(۲) دولہا صاحب عروج کے مرثیے کا یہ شعر اس عہد کے بدلتے ہوئے رجحانات ومیلانات کی نمائندگی کرتا ہے۔

ظلمت کدے میں ہوں پہ تجلی پسند ہوں
میں ہوں عروجؔ کیوں نہ ترقی پسند ہوں

اس سیاسی، سماجی اور معاشرتی صورتِ حال کا اُردو مرثیے کی ہیئت پر تو زیادہ اثر نہ ہو سکا لیکن موضوعات اور مواد کے اعتبار سے اس میں دُوررس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ خاص طور پر شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد کے حالات وواقعات کو بطورِ خاص مرثیوں میں جگہ دی جانے لگی اور پیغامِ امام عالی مقام کی تشہیر ہی اس کا بنیادی موضوع قرار پایا۔(۳) اس سلسلے میں آلِ رضا، نجم آفندی، نسیم امروہوی، جمیل مظہری، علی سردار جعفری اور جوش ملیح آبادی نے جس طرح مرثیے کو مقصدی لے عطا کی اور اس صنف کو جدید عصری تقاضوں کے عین مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، اس کی جتنی بھی مدح کی جائے کم ہے۔ آلِ رضا اور جمیل مظہری نے مرثیے کے مزاج و مذاق میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔(۴) جوش نے انفرادی طور پر مرثیے کو رلانے کے بجائے جگانے کا ہتھیار بنایا۔(۵) نسیم امروہوی نے زبان و بیان کی نزاکتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مرثیے میں ہیئت کے کامیاب تجربے کیے۔(۶) اس طرح

---

(۱) شجاعت علی سندیلوی' تعارف مرثیہ' الہ آباد' ادارۂ انیس اُردو' ۱۹۵۹ء' ص ۸۶

(۲) محمد رضا کاظمی، جدید اُردو مرثیہ کراچی: مکتبۂ ادب ۱۹۸۱ء، ص ۸۶

(۳) ضمیر اختر نقوی (مرتب)' جوش کے مرثیے' کراچی' ادارۂ فیض ادب' ۱۹۸۰ء' ص ۲۲

(۴) کرار حسین' پروفیسر (پیش لفظ)' مراثی آلِ رضا' کراچی' خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر' ۱۹۸۱ء' ص 'م'

(۵) عاشور کاظمی، سید اُردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶، ص ۴۵۴

(۶) اسد اریب' ڈاکٹر' اردو مرثیے کی سرگزشت' لاہور' کاروانِ ادب' ۱۹۸۹ء' ص ۱۰۱

ان قدآور مرثیہ نگاروں کی کاوشوں کے نتیجے میں مرثیے کو ایک مرتبہ پھر عروج حاصل ہوا اور فنی و فکری ہر لحاظ سے یہ صنف دوسرے وقیع اصناف کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ ان معروف مرثیہ نگاروں کے درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ اس زمانے میں مرثیہ کس طرح اپنے اندر عصری شعور کے سبب تبدیلی پیدا کر رہا تھا۔

اہلِ زمیں کی چاند ستاروں پہ ہے نظر ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے

(نجم آفندی)

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابنِ علیؑ ہو

(جوش ملیح آبادی)

حضرت نے کہا کہ رونے والو! اب چپ رہو دل ذرا سنبھالو
اشکوں کا وفور ہو تو ٹالو ہمت سے یہ بارِ غم اُٹھا لو
پیغامِ مشیّت آ گیا ہے
ہنگامِ وصیّت آ گیا ہے

(نسیم امروہوی)

ان جدید مرثیہ نگاروں کا لگایا ہوا تخم ثمردار ہوا اور بہت سے ایسے مرثیہ نگار ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنے افکار جمیل کے ذریعے اس صنف کو مالا مال کیا۔ یہی سبب ہے کہ اس دور میں ہر قابلِ قدر شاعر نے صنفِ مرثیہ میں طبع آزمائی کی۔ ان شعراء میں قمر جلالوی، شوکت

تھانوی، علامہ محسن اعظم گڑھی، ڈاکٹر یاور عباس، راجہ صاحب محمود آباد، عزم جونپوری، رئیس امروہوی، راغب مراد آبادی، ڈاکٹر صفدر حسین، کرار نوری اور فیض احمد فیض کے اسمائے گرامی بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

موجودہ دور ذہنی و فکری انتشار کا دور ہے۔ جب معاشرے میں منتشر قوتیں فروغ پا رہی ہوں تو انسان اپنے اندر سمٹنا شروع کر دیتا ہے۔ چیزوں میں اختصار کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے اور اصنافِ شعر بھی مختصر سے مختصر ترین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی مسائل، سماجی حالات اور اندرونی بے چینیاں بھی انسان کو بے کل کر دیتی ہیں۔ اب قارئین ان اصنافِ ادب و شعر کو اہمیت دیتے ہیں، جو ان کے عصری مسائل سے ہم آہنگ ہوں اور ان کے مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکیں۔ مرثیہ بھی ان عمرانی حالات سے دوچار ہوا مگر اپنے مزاج کے سبب اس صنف نے جلد ہی عُمرانی تقاضوں کو سمجھا اور اپنے اندر تبدیلیوں کی اجازت دے دی۔ (۱) نتیجتاً موجودہ مرثیہ نگاروں نے مرثیے میں جدید نفسیاتی، سماجی اور سیاسی مسائل کو نہ صرف یہ کہ پیش کیا بلکہ ان کے حل کے لئے نسخے بھی تجویز فرمائے۔ موجودہ دور میں صبا اکبر آبادی، شاہد نقوی، سہیل بناری، شائق زیدی، سردار نقوی، ظہو جارچوی، وحید الحسن ہاشمی، سیف زلفی، عبدالرؤف عروج، افسر عباس زیدی، ظفر شارب، اثر ترابی، حسن عسکری کاظمی، آثر جلیلی، سید فیضی، ہلال نقوی، امید فاضلی، قسیم امروہوی، اسیر فیض آبادی، شیدا حسن زیدی، میر رضی میر، عارف امام، احمد نوید، کوثر امروہوی، عرفی ہاشمی وغیرہ کے مرثیوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان شعراء نے فنی اور فکری سطح پر مرثیے کو عہد جدید سے پیوست کر دیا ہے۔ (۲) بیسویں صدی کے آخر میں جس شاعر نے مرثیے میں فکر انگیز اور اجتہادی تبدیلیاں کیں اور اسے مقبولِ خاص و عام بنایا (۳) وہ قیصر بارہوی تھے۔ انہوں نے مرثیے کو

---

(۱) صفدر حسین، سید، ڈاکٹر، مرثیہ بعد انیس، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۱ء، ص ۱۷۴

(۲) اسد اریب، ڈاکٹر اردو مرثیے کی سرگزشت لاہور: کاروانِ ادب، ۱۹۸۹، ص ۸۵

(۳) ہلال نقوی، ڈاکٹر (مقدمہ) 'لہو لہو کہکشاں' کراچی، ادارہ تقدیس قلم، ۱۹۸۹ء، ص ۲۹

واقعۂ کربلا کی خیرہ کردینے والی روشنی میں ایک عالی شان فتح کا نقارہ بنادیا ہے۔

کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقارہ ہے

قیصؔر بارھوی مختلف النوع اصناف پر دسترس رکھنے والے شاعر ہیں۔ انہوں نے مروجہ معروف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنی جدتِ طبع کے رنگا رنگ جوہر دکھائے۔ ان کی غزلوں، قصیدوں اور منقبتوں کے مطالعے سے ان کی ذہنی کشادگی، حساس طبیعت اور الفاظ پر ان کی قدرت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(۱) ان کے نوحوں، سلاموں اور مرثیوں کے مطالعے سے یہ بات آشکار ہوجاتی ہے کہ وہ داخلی کیفیات کے اظہار کے ساتھ ساتھ خارجی معاملات کے بیان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ کربلا کے تاریخی واقعہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھنا اور محسوس کرنا اور پھر ان محسوسات کو مختلف النوع صورتوں میں پیش کرنا دراصل اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کا عمل ہے۔ قیصؔر بارھوی کی یوں تو تمام شاعری ان کے جذبات و احساسات کی آئینہ دار ہے۔ تاہم ان کے مرثیوں میں داخلی اور خارجی دونوں کرب ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں غزل کی داخلی اور حزنیہ کیفیات بھی اُبھرتی ہیں اور قصیدے کا ظاہری شان و شکوہ بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔(۲)

قیصؔر بارھوی نے ۱۹۴۲ء میں دیارِ سخن میں قدم رکھا۔ ابتداً مشقِ سخن کے لئے غزل کو منتخب کیا۔(۳) کچھ عرصہ طبع آزمائی کرنے کے بعد سلام اور قصائد کی صنف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس گلستان میں رنگا رنگ پھول کھلائے۔ جب کلام میں فنی پختگی آگئی تو صنفِ مرثیہ

---

(۱) آغا سہیل، ڈاکٹر بارگاہ (قیصر بارھوی) لاہور: قیصر بارھوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، لاہور ۱۹۹۳ء، ص فلیپ

(۲) اجمل نیازی، ڈاکٹر 'غزل اور مرثیے کا امتزاج'، ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۳۰

(۳) قیصر بارھوی۔ امتزاج (غزلیں) 'لاہور' الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۰ء، ص

کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت عباسؑ علم بردار کی شان میں ۷۷ بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ لکھنؤ کی فضائے شاعری سے متاثر ہو کر، خوب بنا سنوار کر کہا۔ اہلِ علم اور صاحبانِ فن نے اس کی خوب قدر کی اور انہیں مسلسل مرثیہ گوئی کا مشورہ دیا۔ صنفِ مرثیہ کا لگایا ہوا یہ تخم ایسا بارآور ثابت ہوا کہ ایک چھتناور شجر کی صورت اختیار کر گیا اور اب تو مرثیہ قیصر بارہوی کی شناخت بن چکا ہے۔ (۱)

حضرت قیصر بارہوی کی حیات میں راقم الحروف نے پروفیسر ہارون قادر کی معاونت سے موصوف کے مرثیوں کی ایک فہرست مرتب کی تھی جو ایک سو دو مرثیوں پر مشتمل تھی۔ راقم الحروف کی مرتبہ یہ فہرست کئی مضامین و مقالات میں طبع ہوئی۔ (۲) مقام افسوس و حیرت ہے کہ راقم کو کوشش کے باوجود قیصر بارہوی کے ایک سو دو مرثیے دستیاب نہیں ہو سکے۔ راقم الحروف کو سرِ دست تلاش و بسیار کے بعد اُن کے ترپن مرثیے دستیاب ہو سکے ہیں جنھیں ''قیصر بارہوی کے مرثیے'' کے عنوان سے شائع کیا جا رہا ہے اور آئندہ صفحات میں اس کے بارے میں تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔ اب ذیل میں قیصر بارہوی کے مطبوعہ مرثیوں کے مجموعوں کا خاکہ پیش خدمت ہے۔

(۱) شباب فطرت

(مطبوعہ: سرگودھا مکتبۂ تمکین ۱۹۶۹ء)

مشمولہ مرثیے

۱) تو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ

---

(۱) عاصی کرنالی، (تاثرات) عظیم مرثیے، لاہور، حلقۂ شعرائے اہلِ بیتؑ، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶

(۲) (i) شبیہ الحسن، ڈاکٹر، ترجیحات، لاہور، اظہار سنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۳

(ii) قیصر بارہوی، معتبر مرثیے، لاہور، قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

(iii) قیصر بارہوی، منتخب مرثیے، لاہور، قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

(iv) شبیہ الحسن (مدیر)، ماہنامہ شام و سحر، لاہور، مئی جون ۱۹۹۰ء

۲) کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج

۳) انسان، رہنمائے حقیقت تلاش کر

۴) پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے

۵) معراجِ عقل و فکر ہے سودائے کربلا

۶) شبیر کائنات کی عظمت کا نام ہے

۷) دل والو، سنو واقعۂ اشک فشانی

اس کتاب کے بارے میں پروفیسر شاہین ہارون رقمطراز ہیں:۔

''......شباب فطرت کے مطالعہ سے چند خاص باتیں مترشح ہوتی ہیں۔ شباب فطرت کے تمام مرثیے بظاہر تو اسی مسدس کے سانچے میں ہیں جو میر انیس کے اسلوبِ اظہار کی معروف روایتی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مرثیوں کا موضوعاتی مواد میر انیس کے مرثیوں کی نقل محض نہیں ہے...... قیصر بارہوی جس عنوان کے تحت مرثیہ تصنیف کرتے ہیں مرثیے کی پوری فضا میں اسی کا معنوی تاثر قائم کرنے میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں''۔(۱)

(۲) عظیم مرثیے

(مطبوعہ: لاہور حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء)

مشمولہ مرثیے

۱) پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اٹھا

۲) لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے

۳) انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے

۴) رازِ بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ میں

---

(۱) شاہین ہارون پروفیسر 'شباب فطرت ایک مطالعہ' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' جون ۱۹۹۰ء' (قیصر بارہوی نمبر)' ص ۹۳

۵) میری زباں پہ علمِ علیؑ کا بیان ہے

۶) زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو

۷) شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں

۸) نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

۹) زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیت

۱۰) دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں

۱۱) فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں

۱۲) حیراں ہوں کیا فضائلِ زینبؑ رقم کروں

''عظیم مرثیے'' کے حوالے سے پروفیسر عبدالکریم خالد رقم طراز ہیں:

''......قیصر بارہوی کی کتاب ''عظیم مرثیے'' میں شامل مراثی کا مطالعہ قیصر بارہوی کی اس شعری کائنات کو منکشف کرتا ہے جس کی تخلیق انسانی شریانوں کے اندر دوڑنے پھرنے والے اس لہو سے ہوتی ہے جو لفظوں کی صورت میں آنکھ کے کناروں سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جس چیز سے مس ہوتا ہے اسے خون کر دیتا ہے۔ یہ مرثیے جس خوبصورت انداز میں انسانی جذبوں' انسانی رشتوں اور مختلف کیفیتوں کی تجسیم کر کے اسے نگاہوں کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں وہ صاحب نظر کو جتلائے حیرت کرنے کے لیے کافی ہے''۔(۱)

(۳) منفرد مرثیے

(مطبوعہ لاہور حلقہ شعرائے اہلبیتؑ پاکستان ۱۹۹۰ء)

مشمولہ مرثیے

۱) ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے

---

(۱) عبدالکریم خالد، ڈاکٹر عظیم مرثیے۔ایک مطالعہ ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' (قیصر بارہوی نمبر) جون ۱۹۹۰ء' ص ۹۷

۲) مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے

۳) انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا

۴) عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن

۵) اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو

۶) مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ

۷) شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے

۸) کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیے

۹) دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے

۱۰) امنِ عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام

۱۱) جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں

۱۲) کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے

''منفرد مرثیے'' کے حوالے سے سید نقاش ہاشمی رقم طراز ہیں:۔

''...... قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کو پڑھ جایئے۔ ایک بات آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ قیصر صاحب ''ادب برائے مقصدیت'' کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں حضرت امام حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں۔ یہ تحریک خیر کی تحریک ہے۔ قیصر صاحب نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ خیر کی تحریک کا سبق کربلا سے لیا جائے اور عصر حاضر میں اسے دہرایا جائے۔''(۱)

(۴) منتخب مرثیے (مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)

(مطبوعہ لاہور قیصر بارہوی گولڈن جوبلی ۱۹۹۱ء)

مشمولہ مرثیے

۱) مدحِ ابو طالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور

---

(۱) نقاش ہاشمی 'منفرد مرثیے۔ ایک مطالعہ' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' (قیصر بارہوی نمبر)' جون ۱۹۹۰ء' ص ۱۰۲

۲) ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

۳) عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن

۴) عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو

۵) عباسؑ نامدار کو جوشِ نبرد ہے

۶) یارب مری زباں کو سخن لاجواب دے

۷) حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

۸) ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا

۹) دوستو! انسان کے اندر بھی اک انسان ہے

۱۰) دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں

''منتخب مرثیے'' کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی رقم طراز ہیں:

''......شاعر حسینیت جناب قیصر بارہوی ان خوش نصیب مرثیہ نگاروں میں شامل ہیں جنہیں زندگی میں صاحبانِ علم و فضل نے مسندِ عزت پر بٹھایا' ادبی حلقوں میں پذیرائی ملی اور ان کی تخلیقی کاوشوں پر ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں''۔(۱)

(۵) معتبر مرثیے (مرتبہ: ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)

(مطبوعہ لاہور قیصر بارہوی پبلی کیشنز: ۱۹۹۸ء)

مشمولہ مرثیے

۱) فکر مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو

۲) تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے

۳) ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے

(۲۳) حسن عسکری کاظمی' پروفیسر' منتخب مرثیے' (حرف سپاس' 'لاہور' قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء' ص ۷

۴) خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال

۵) قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سن لو

۶) رکھیئے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں

۷) زوجِ ابو طالبؑ کا شرف حسنِ شرف ہے

۸) انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ

۹) میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابن علی ہوں

۱۰) اے جبرئیلِ فکر مدینہ دکھا مجھے

۱۱) منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے

''معتبر مرثیے'' کے بارے میں ڈاکٹر مظفر عباس رقم طراز ہیں:۔

''......قیصر بارہوی اردو کے رثائی ادب میں روایت انیس کے امین ہیں۔ روایت انیس اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے۔ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی۔ قیصر بارہوی نے ان دونوں پہلوؤں کو ہمارے دور میں زندہ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور وہ اس میں یقیناً کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے روح عصر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں مرثیہ نگاری کی روایت میں جدت کی راہیں نکالیں وہاں مرثیہ خوانی کی روایت کو بھی جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق زندہ رکھا۔ اس لیے وہ ہمارے دور کے مرثیہ نگاروں کی صف اول میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔''(۱)

(۶) معراج بشر

(مطبوعہ: لاہور امدادی اکیڈمی ۱۹۷۵ء)

مشمولہ مرثیہ

۱) نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

---

(۲۴) مظفر عباس 'معتبر مرثیے' (فلیپ) لاہور' قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص فلیپ

''معراج بشر'' کے بارے میں پروفیسر شمیم انوار الحق رقمطراز ہیں:

''......معراج بشر کو قیصر بارہوی کے فکروفن کا نقطۂ عروج قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی درست لگتا ہے کہ عقیدت اور ارادت کے خانوں میں ان کے جذبوں کی تمام سچائیاں بھی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ جس کیفیت میں ڈوب کر معراج بشر جیسا مرثیہ تصنیف کر گئے اس میں ان کی یہ دلی تمنا بھی بروئے کار دکھائی دیتی ہے کہ ملت اسلامیہ نماز کی حقیقت سے آشنا ہو کر سنتِ حسینؑ کی اس روایت پر کاربند ہو جو انقطاعِ روح و بدن کے وقت بھی عظمت بندگی کے اظہار کا وسیلہ جان کر سجدۂ حسینؑ کی تقلید کا وہ منصب اپنائے جسے ہم استقرارِ حق کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ ''معراج بشر'' جہاں اپنے مصنف کو حسنِ قبول کے ہار پہنائے گی وہیں ملت اسلامیہ کی جسد بے روح کو بھی روح آشنا کردے گی۔''(۱)

(۷) آیاتِ آمنہؑ (مرتبہ: ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن)

(مطبوعہ: لاہور سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء)

مشمولہ مرثیہ

۱) ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

''آیات آمنہ'' کے بارے میں مظہر نیازی رقمطراز ہیں:۔

''......آیات آمنہ کی علمی و ادبی منزلت خواہ کچھ بھی ہو اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ حضرت قیصر بارہوی نے نہایت خوش عقیدتی سے اپنے خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر یہ کارنامہ سرانجام دے کر اہل حق و انصاف طبقہ سے بے پناہ داد و تحسین سمیٹنے کا اہتمام کیا ہے اور نہایت عجز و انکساری سے اپنی عقیدتوں کے نوشگفتہ پھول قارئین کی جھولیوں میں ڈال کر اپنی روحانی

---

(۱) شمیم انوار الحق ''معراج بشر۔ایک مطالعہ'' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور جون ۱۹۹۰ء ص ۹۹

تسکین کا سدا بہار گلشن لٹایا ہے۔قیصر بارہوی کا یہ شاہکار مرثیہ دل و دماغ اور قلب و روح کو تا ابد تازگی دیتا رہے گا۔"(۱)

(۸) مرثیہ

(مطبوعہ: لاہور رضا سنز پرنٹرز' جنوری ۱۹۹۷ء)

مشمولہ مرثیہ

۱) آیئے خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں

زیر مطالعہ مرثیہ کے حوالے سے سید وحید الحسن ہاشمی رقمطراز ہیں:

"......قیصر مرحوم اپنی مرثیہ گوئی کو کلام انیس کا صدقہ قرار دیتے تھے لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان کے کلام پر مرزا دبیر اور جوش ملیح آبادی کے طرز کی چھاپ ہے"۔(۲)

جدید اردو مرثیے کے معتبر شاعر حضرت قیصر بارہوی ۲۵ دسمبر ۱۹۹۶ء کو راہی ملک بقا ہوئے۔ان کی المناک رحلت سے صنف مرثیہ کا ایک روشن آفتاب غروب ہو گیا۔قیصر بارہوی نے زندگی بھر اپنے خون جگر سے مرثیے کا چراغ روشن رکھا اور اس کی لو مدہم نہ ہونے دی۔وہ جب تک زندہ رہے انہوں نے مرثیے کے فروغ کے لئے اپنی جملہ صلاحیتیں صرف کیں اور مرثیے کو دوسری معروف اصناف کے مقابل لا کھڑا کیا۔انہوں نے اس صنف کو جدید رجحانات و میلانات کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور اسے میدان کربلا کی فتح کا نقارہ بنا دیا۔یہی سبب ہے کہ آپ کی رحلت سے جہاں پورا پاکستان اشک فشاں ہے وہاں صنف مرثیہ کا چہرہ بھی اداس ہو گیا ہے۔(۳)

---

(۱) مظہر نیازی' "آیات آمنہ۔ایک مطالعہ" ماہنامہ "شام و سحر" لاہور' جون ۱۹۹۰ء' ص ۹۹

(۲) وحید الحسن ہاشمی سید "قیصر بارہوی" "ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک" مرثیہ' لاہور' رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷' ص ۴

(۳) محمد ہارون قادر' قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری' لاہور' الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۰۰

(یاد رہے کہ قیصر بارہوی کے وہ مراثی اس فہرست میں شامل نہیں
جو انتخاب مراثی میں شائع ہوئے ہیں۔)

(۹) قیصر بارہوی کے مرثیے

(مطبوعہ: لاہور، جنوری ۲۰۰۷ء)

قیصر بارہوی کی رحلت کے بعد ناقدین نے انہیں یکسر فراموش کر دیا۔ اِدھر اُدھر چھپنے والی تعزیتی تحریروں کو چھوڑ کر ان پر کوئی مبسوط تحقیقی کام نہیں ہو سکا۔ راقم الحروف کی دلی خواہش تھی کہ قیصر بارہوی کے تمام مرثیے یکجا ہو جائیں اور اعزاز کے ساتھ طبع ہوں۔ راقم الحروف کا یہ خواب تعبیر کی منزل میں داخل ہو چکا ہے کہ ''قیصر بارہوی کے مرثیے'' کے عنوان سے راقم الحروف نے قیصر بارہوی کے درج ذیل ترپن مرثیے یکجا کر کے شائع کر دیے ہیں۔ اب ذیل میں اس کتاب میں شامل مرثیوں کی فہرست پیشِ خدمت ہے۔

۱) دُرِّ یتیم (انسان رہنمائے حقیقت تلاش کر)

۲) شہرِ معلیٰ (معراجِ عقل وفکر ہے سودائے کربلا)

۳) عزّتِ وجود (شبیرؑ کائنات کی عزّت کا نام ہے)

۴) پیکرِ عظمت (تو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ)

۵) معراجِ وفا (کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج)

۶) جہادِ زینبؑ (پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے)

۷) یتیمانِ مسلمؑ (دل والو سنو واقعۂ اشک فشانی)

۸) شامِ غریباں (پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اُٹھا)

۹) نوائے احساس (لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے)

۱۰) حسینؑ اور انتخاب (انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے)

۱۱) صبحِ مودّت (رازِ بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ ہیں)

۱۲) علمِ علیؑ (میری زباں پہ علمِ علیؑ کا بیان ہے)

۱۳) اعجازِ تخیل (زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو)

۱۴) اُجالوں کا سفر (شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں)

۱۵) معراجِ بشر (نماز سے بشریت عروج پاتی ہے)

۱۶) معصومۂ کربلا (زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ)

۱۷) یوسفِ حسینؑ (دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں)

۱۸) عرفانِ حیات (فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں)

۱۹) سبطینِ مرتضیٰؑ (حیراں ہوں کیا فضائل زینبؑ رقم کروں)

۲۰) آشوبِ عصر (ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے)

۲۱) مظلومیت (مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے)

۲۲) انسان اور کربلا (انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا)

۲۳) علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ (عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن)

۲۴) کعبہ اور محافظانِ کعبہ (اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سُنو)

۲۵) بے ثباتیِ عالم (مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ)

۲۶) سیدِ مسمومؑ (شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے)

۲۷) عرفانِ امامت (کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچئے)

۲۸) نمازِ دل (دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے)

۲۹) نظامِ اسلام (امنِ عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام)

۳۰) کربلا و نجف (جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں)

۳۱) عظمتِ فن (کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے)

۳۲) مدحِ ابوطالبؑ (مدحِ ابوطالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور)

۳۳) آیاتِ آمنہ (اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام)

۳۴) عروجِ عالمِ نسواں (عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن)

۳۵) عشقِ حسینؑ (عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو)

۳۶) عباسِ نامدارؑ (عباسؑ نامدار کو جوشِ نبرد ہے)

۳۷) سخن لاجواب (یارب مری زبان کو سخن لاجواب دے)

۳۸) یوسفِ کربلاؑ (حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں)

۳۹) ہفت اقلیم (ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا)

۴۰) آبروئے فکر (دوستو انسان کے اندر بھی اک انسان ہے)

۴۱) شاہدِ محضر (دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں)

۴۲) وحدتِ مذہب (فکرِ مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو)

۴۳) تربیت (تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے)

۴۴) آئینۂ انقلاب (ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے)

۴۵) معراجِ نفس (خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال)

۴۶) قرآن کی کہانی (قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سُن لو)

۴۷) جنابِ سیدہؑ (رکھیے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں)

۴۸) جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ (زوجِ ابوطالبؑ کا شرف حسنِ شرف ہے)

۴۹) عزاداریِ حسینؑ (انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ)

۵۰) شاعرِ دربارِ حسینؑ (میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں)

۵۱) فریاد (اے جبرئیلِ فکر مدینہ دکھا مجھے)

۵۲) مولانا محمد مصطفیٰ جوہر (منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے)

۵۳) روشنیِ فکر و عمل (آیئے خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں)

قیصر بارھوی کی مرثیہ نگاری جدّت و کلاسیکت کا حسین امتزاج تھی۔ انہوں نے یوں تو ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی تھی لیکن صنفِ مرثیہ میں ان کے طبعی جوہر کھل کر

ہمارے سامنے آئے۔(۱) حقیقت یہ ہے کہ قیصر بارہوی کے مرثیوں میں دیگر اصناف سخن کی خوشبو بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ خاص طور پر غزل کا رچاؤ اور قصیدہ کا طنطنہ انتہائی حسین امتزاج کے ساتھ ان کے مرثیوں پر جلوہ افروز ہوا۔ اس سلسلے میں پروفیسر حسن عسکری کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

> ''قیصر بارہوی کا نام مرثیہ گوئی کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ بحیثیت مرثیہ نگار پاکستان کا وقار بن کر اکیسویں صدی پر اپنے اثرات مرتب کریں گے ان کا اسلوب اظہار ہم عصر مرثیہ نگاروں میں سب سے الگ اور طرز ادا جداگانہ تھی۔ ان کے ہاں محاکات منظر نگاری اور جزئیات نگاری عہد موجود سے مناسبت رکھتی ہے۔ وہ ہواؤں اور فضاؤں سے گفتگو کرتے اور ریگزاروں سے ہم کلام ہونے کا ہنر جانتے ہیں۔ قیصر بارہوی زمان و مکان کی وسعتوں سے ماورا ایسا مقام بھی ہمارے مشاہدے میں لانے پر قدرت رکھتے ہیں جسے وجدان کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ قدرت بیان کے حوالے سے وہ کسی بھی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اظہار کی سنگلاخ وادی میں پابہ جولاں گزرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں اور اپنے قاری کو ہم رکاب لے کر آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ مرثیے میں انسانی نفسیات کی باریکیوں کو شعریت کا جامہ پہنا کر داد وصول کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ انہیں لفظ برتنے اور معنویت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔''(۲)

قیصر بارہوی نے جدید اردو مرثیے کو سنجیدہ فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ اسالیب کے نئے ذائقوں سے بھی آشنا کیا۔ قیصر بارہوی نے اپنے مرثیوں کو نت نئے موضوعات سے سجایا اور ان موضوعات میں اپنے جوشِ تخیل سے جان ڈال دی۔(۳) انہوں نے موضوع

---

(۱) احمد ندیم قاسمی ''قیصر بارہوی کی غزل'' ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور جون ۱۹۹۰ء، ص ۲۱

(۲) حسن عسکری کاظمی، روزنامہ ''مساوات'' ۳۰ دسمبر ۱۹۹۶ء

(۳) عاشور کاظمی، سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۰

کے انتخاب اور اس کی ترتیب و تشکیل پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ وہ مرثیے کی تخلیق سے قبل موضوع کے تمام رُخوں کا احاطہ کرتے اور کمزور پہلوؤں کو بھی اپنے شاداب اسلوب سے توانا کر دیتے تھے۔ جدید اردو مرثیے کے ایک ناقد ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے مقالے میں یہ حیرت انگیز بات تحریر کی ہے کہ:

> ''قیصر صاحب نے راقم السطور کو ایک بار دورانِ گفتگو بتایا تھا کہ وہ مرثیہ سے قبل کوئی خاکہ اپنے ذہن میں نہیں بناتے۔ ڈاکٹر خاکی نے بھی یہی بات لکھی ہے...... پہلے سے کوئی خاکہ تعمیر نہ کرنا اور مرثیے کو موضوع کی پابندی کے ساتھ لکھنے کا عزم اس فکر میں بڑا تضاد ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موضوع تشنہ رہ جاتا ہے اور اس میں ایک بے ربطی اور تنظیم خیال کا فقدان محسوس ہونے لگتا ہے۔ قیصر صاحب کیونکہ بنیادی طور پر شاعر کا ذہن رکھتے ہیں اور ان کے مصرعوں میں شعریت زیادہ ہوتی ہے چنانچہ شعریت کا یہی لباس موضوع کی بعض دوسری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔''(۱)

ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ اقتباس سے درج ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(ا) قیصر بارہوی مرثیے سے قبل کوئی ابتدائی خاکہ تشکیل نہیں دیتے۔

(ب) قیصر بارہوی کے مرثیوں میں موضوع تشنہ رہ جاتا ہے۔

(ج) قیصر بارہوی کے مرثیوں میں بے ربطی کا احساس ہوتا ہے۔

(د) قیصر بارہوی کے مرثیوں میں تنظیم خیال کا فقدان ملتا ہے۔

(ر) قیصر بارہوی کی شعریت کے نتیجے میں ان کی موضوعاتی خامیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے قیصر بارہوی کے فن پر درج بالا اعتراضات وارد کرتے ہوئے اپنی نجی گفتگو کو بنیاد بنایا ہے جو تحقیقی اعتبار سے ناقص ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے قول کی

---

(۱) ہلال نقوی، ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، کراچی، محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص ۶۸۵

تائید کے لئے ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کا نامکمل اقتباس بھی پیش کیا ہے جو تحقیقی اصولوں کے سراسر خلاف ہے اور خود خاکی صاحب کا پیش کردہ نامکمل اقتباس بھی موصوف کے خیال کی تردید کر رہا ہے۔ اس موقع پر ان اعتراضات کا بھرپور تجزیہ کرنا ممکن نہیں تاہم افسوسناک بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے قول کی صداقت کے لئے قیصر بارہوی کے ان مرثیوں کی نشاندہی نہیں کی جو موضوع کے اعتبار سے تشنہ محسوس ہوتے ہوں یا ان میں بے ربطی و تنظیم خیال کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ راقم الحروف کو قیصر بارہوی کے ساتھ بیس برس سے زیادہ عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قیصر بارہوی نا صرف یہ کہ اپنے مرثیے کی تشکیل سے قبل ایک جزوی خاکہ مرتب کرتے تھے بلکہ اس موضوع کے مختلف رُخوں کا مطالعہ کرنے کے لئے اردو اور انگریزی کتب سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ہم عصروں اور شاگردوں کو تخلیق مرثیہ سے قبل موضوع پر غور وفکر کی دعوت دیتے تھے۔ یہاں مجھے محض ڈاکٹر صاحب کے قول کی تکذیب کرنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ میں ایک بڑے مغالطہ کی نشاندہی بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں ڈاکٹر صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ درج ذیل مرثیوں کا مطالعہ فرمائیں اور اس سوال کا جواب دیں کہ کیا یہ مرثیے مکمل خاکہ بنائے بغیر تشکیل دیئے جا سکتے ہیں......؟؟

۱۔ مرثیہ جناب فضہؑ	۲۔ مرثیہ آیاتِ آمنہؑ
۳۔ مرثیہ نمازِ دل	۴۔ مرثیہ علم غیب
۵۔ مرثیہ حسینؑ اور انتخاب	۶۔ مرثیہ فضیلت حج
۷۔ مرثیہ معراجِ نفس	۸۔ مرثیہ شاہد محضر
۹۔ مرثیہ فاطمہ بنت اسدؑ	۱۰۔ مرثیہ جناب بلالؓ
۱۱۔ مرثیہ ضرورتِ مذہب	۱۲۔ مرثیہ وحدت مذہب
۱۳۔ مرثیہ نسیم امروہوی"	۱۴۔ مرثیہ مولانا جوہر"

قیصر بارہوی ایک ساحرانہ شخصیت کے مالک تھے ان کی شخصیت کا جاہ وجلال ان کی

شاعری میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔(۱) قیصر بارہوی کا تخیل انتہائی ندرت کا مظہر ہے اور شعری تراکیب ولفظیات زبان و بیان پر ان کے عبور کو ظاہر کرتی ہیں۔(۲) قیصر بارہوی نے جس ماحول اور حالات میں صنف مرثیہ کو فروغ دینے کا بیڑا اٹھایا وہ علما سے زیادہ ذاکرین کے زیر اثر تھا۔ یہی سبب ہے کہ طبعی مناسبت اور عصری ضرورت کے تحت قیصر بارہوی نے مرثیہ کی خوانندگی کے لئے تحت اللفظ اور ترنم کے درمیان کا راستہ تخلیق کیا۔(۳) حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ کی خوانندگی کا یہ انداز ان کی پر تجمل اور بیباکانہ شخصیت کے زیر اثر وجود میں آیا ہے۔ قیصر بارہوی مرثیہ پڑھتے ہوئے محض حاضرین کو سحر میں لانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کے اشعار کا جادو سامعین کے دل و دماغ پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔(۴) بعض ناقدین اور مرثیہ نگار اس غلط فہمی کا بھی شکار ہو گئے ہیں کہ قیصر بارہوی کی شہرت و عظمت ان کی شاعری کے بجائے ان کے لحن کے سبب ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کی یہ رائے ملاحظہ فرمایئے:

> ''وہ لحن میں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ مجلسی اعتبار سے اس کا بہت اثر قائم ہوتا ہے جس طرح اچھی پڑھت مرثیے کے معیار کو (مجلس کی حد تک) بلند کر دیتی ہے اسی طرح قیصر صاحب کا لحن بھی تخلیق میں چار چاند لگا دیتا ہے...... قیصر صاحب کی خوانندگی کا طرز جس کی بنیاد لحن پر ہے اس کی اثر انگیزی سے انکار نہیں لیکن اگر ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو لحن کا یہی اثر سامع کو شعر کی حقیقی اور باطنی کیفیت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ فکر و فن اور ادبی معیارات کی کسوٹی پر جب شعر کو پرکھنا ہوگا تو لحن اور ترنم سے ہٹ کر بات کرنا ہوگی...... ان کے فن مرثیہ گوئی کی جو ادبی جہتیں ہیں ان کے ادراک کے لئے ضروری ہے کہ ان کے مرثیے کو کاغذ پر بھی مطالعہ کیا جائے تا کہ اپنے عہد کے ایک

---

(۱) اجمل نیازی ڈاکٹر'غزل اور مرثیے کا امتزاج' ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' جون ۱۹۹۰ء' ص ۳۰

(۲) عبیداللہ خان، ڈاکٹر ''قیصر بارہوی کا مرثیہ آیات آمنہ'' لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۵۳

(۳) مرزا امیر علی جونپوری تذکرہ مرثیہ نگاران اُردو (جلد اول) لکھنو: دانش محل، ۱۹۸۵ء، ص ۴۰۳

(۴) حسن عسکری کاظمی' شاعر حسینیت۔ ایک مطالعہ' ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' جون ۱۹۹۰ء' ص ۶۶

معروف ومشہور مرثیہ نگار کے ادبی پائے کا بھی صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس طرح وہ محاسن شعری بھی صحیح طور پر سامنے آسکیں گے جو لحن کی سحر انگیزی میں دب جاتے ہیں۔" (۱)

ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب نے درج بالا اقتباسات میں قیصر بارہوی کے فن پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کی تلخیص یہ ہے:

۱۔ قیصر بارہوی لحن میں مرثیہ پڑھتے ہیں اسی وجہ سے ان کی مجلسیں پر تاثیر ہوتی ہیں۔

۲۔ قیصر بارہوی کی اچھی پڑھت سے مرثیہ میں وقتی طور پر "معیار" کا احساس بڑھتا ہے اور تخلیق کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

۳۔ قیصر بارہوی کا پر اثر لحن سامع کو شعر کی حقیقی اور باطنی کیفیت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

۴۔ قیصر بارہوی کے مرثیوں کو لحن سے ہٹ کر مطبوعہ شکل میں دیکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کا حقیقی ادراک کیا جائے اور ان کا ادبی معیار متعین کیا جا سکے۔

۵۔ قیصر بارہوی کے لحن کی سحر انگیزی میں دب جانے والے شعری محاسن اسی وقت منظر عام پر آسکتے ہیں جب قیصر بارہوی کے مرثیے طباعت کی منزل میں داخل ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے درج بالا اعتراضات میں بعض انتہائی اہم نوعیت کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ قیصر بارہوی پر اٹھائے گئے ان اعتراضات سے میرے ذہن میں بعض سوالات ابھرتے ہیں مثلاً

۱۔ کیا ایک کمزور اور ناقص مرثیہ محض ترنم یا انداز خوانندگی کی بنا پر معتبر اور مقبول ہو سکتا ہے......؟؟؟

۲۔ کیا معتبر اور معیاری مرثیے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحت اللفظ میں پڑھا جائے......؟؟؟

۳۔ کیا سامع مجلس میں محض ترنم سے مرثیہ پڑھنے والوں سے متاثر ہو کر شعر کی باطنی

---

(۱) ہلال نقوی، ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، کراچی محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص ۶۸۶

کیفیت سے بیگانہ ہو جاتا ہے یا تحت اللفظ مرثیہ گو بھی سامع پر اپنی پڑھت سے سحر کر سکتے ہیں؟؟

۴۔ کیا اچھا سامع مرثیہ سنتے ہوئے ترنم میں اتنا محو ہو سکتا ہے کہ وہ شعری محاسن یا مرثیے کے فنی تقاضوں کو فراموش کر دے؟؟

۵۔ کیا جن مرثیہ نگاروں کے تمام مرثیے مطبوعہ شکل میں موجود نہیں ہیں ان پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں اور کیا تاریخ مرثیہ میں ان کا مقام و مرتبہ متعین نہیں کیا جا سکتا؟؟

ظاہر ہے کہ یہ تمام سوالات فکری و فنی اعتبار سے انتہائی اہم ہیں اور قیصر بارہوی سے ہٹ کر ڈاکٹر صاحب کو ان سوالات کی طرف بھی توجہ چاہیے۔ جہاں تک قیصر بارہوی کا تعلق ہے ان کی لحن کی ترنم ریزیوں کا ایک زمانہ معترف ہے اور تمام ناقدین اس امر پر اتفاق رکھتے ہیں کہ قیصر بارہوی کے فکری کلام کو ان کا ترنم مزید ابھارتا بلکہ نکھارتا ہے۔ (۱) اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا ہے کہ قیصر بارہوی کے مقام و مرتبہ کا تعین اسی وقت کیا جائے گا جب ان کے مرثیے مطبوعہ شکل میں منظر عام پر آئیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب فروری ۱۹۹۴ء میں طبع ہوئی اور اس سن سے قبل قیصر بارہوی کے مرثیوں کے درج ذیل چار دیوان زیور طبع سے آراستہ ہو چکے تھے اور علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہونے والے مرثیے ان کے علاوہ ہیں۔

۱۔	شباب فطرت	۱۹۶۹ء	کل مرثیے ۷
۲۔	عظیم مرثیے	۱۹۷۷ء	کل مرثیے ۱۲
۳۔	منفرد مرثیے	۱۹۹۰ء	کل مرثیے ۱۲
۴۔	منتخب مرثیے	۱۹۹۱ء	کل مرثیے ۱۰

(۱) (i) ضمیر اختر نقوی، اُردو مرثیہ پاکستان میں کراچی: سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء، ص ۴۶۲
(ii) عاشور کاظمی، سید اُردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۳
(iii) مرزا امیر علی جونپوری تذکرہ مرثیہ نگاران اُردو لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۸۵ء، ص ۴۰۳

ڈاکٹر صاحب نے ان مرثیوں کا نہ صرف یہ کہ مطالعہ فرمایا تھا بلکہ اپنی تصنیف میں ان کے حوالے بھی فراہم کئے ہیں اب میں ڈاکٹر صاحب سے یہ استفسار کروں گا کہ کیا یہ مرثیے مطبوعہ شکل میں کاغذ پر تحریر نہیں ہیں کہ ان کا شعری ادراک کر کے قیصر بارہوی کا ادبی مقام متعین کیا جاتا......؟؟

قیصر بارہوی نے فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ اسالیب بیان کے لئے بھی نئی نئی راہیں تراشیں۔ یہی سبب ہے کہ صنف مرثیہ میں ان کی آواز صاف پہچانی جاسکتی ہے۔ قیصر بارہوی کے مرثیوں کی عظمت سے انکار ممکن نہیں ان کا جدید لب ولہجہ اور عصری افکار و نظریات سے ان کی شیفتگی انہیں آئندہ آنے والی صدیوں میں بھی زندہ رکھے گی۔ (۱) ان کے ایک مرثیے کے دو بند میرے اس موقف کی تائید کریں گے۔

دنیا میں نیا باب سخن کھول رہا ہوں حیراں ہوں خزانے وہ گہر تول رہا ہے
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں جبریل سمجھتے ہیں جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجر دل پہ سجے ہیں
تخیل کو سرخاب کے پر آج لگے ہیں

پروانۂ جدّت کو ملی جدّتِ پرواز جو دشمنِ جاں تھیں وہ ہوائیں ہوئیں دمساز
کہتی ہے فرشتوں سے طبیعت کی تگ و تاز یہ سیرِ فلک ہے غمِ شبیرؑ کا اعجاز
تصویرِ ہنر کھینچ کے تہذیبِ ہنر سے
تحسینِ سخن پاؤں گا اربابِ نظر سے

(مرثیہ شاہد محضر......حضرت جبریلؑ)

قیصر بارہوی عصر جدید کے ایک معتبر مرثیہ نگار ہیں۔ انہوں نے اپنے افکار و اسالیب سے صنفِ مرثیہ کو جو نئے رنگ اور ذائقے عطا کئے ہیں، وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ انہوں نے مرثیہ کی صنف کو جدید تقاضوں کی پیشکش کا ذریعہ بنایا اور اسے اپنے عہد کے

---

(۱) آغا سہیل ڈاکٹر، بارگاہ (فلیپ)، لاہور، قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۳ء، صفحہ آخر فلیپ

مسائل سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ عطا کیا۔(۱) یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں آپ کو جدید عہد کے سیاسی و سماجی مسائل و معاملات بھی موجزن دکھائی دیں گے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مخلصانہ تجاویز بھی ملیں گی۔ یہ امر انتہائی مسرت انگیز اور قابل تحسین ہے کہ صنف مرثیہ کو نایاب اور جدید مرثیوں سے مالا مال کرنے کے باوجود قیصر بارہوی عمر بھر نہایت خلوص اور عجز کے ساتھ صنفِ مرثیہ کی آبیاری میں مصروف رہے ہیں۔ وہ بظاہر تو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں لیکن ان کے یادگار مراثی آج بھی ہمارے دلوں کو متاثر کر رہے ہیں۔(۲)

قیصر بارہوی کے مرثیوں کے مطالعے کے نتیجے میں جو بات سب سے پہلے ہماری نگاہ میں جگہ پاتی ہے، وہ ان کا جدید فکری نظام، منفرد اندازِ بیان اور پرتاثیر لب ولہجہ ہے۔(۳) اس سلسلے میں سب سے پہلے خود ان کا یہ دعویٰ ملاحظہ فرمایئے۔

جدید عہد سخن کا نظام لایا ہوں   میں حرف و لفظ میں جدت کا جام لایا ہوں
جو منفرد ہے وہ طرزِ کلام لایا ہوں   اک آفتاب اُجالوں کے نام لایا ہوں

جواہرات کے یہ آئینے مکمل ہیں
برائے سعیٔ عمل زاویے مکمل ہیں

(مرثیہ: کعبہ و نجف)

یہاں جدید نظامِ سخن سے وہ نظامِ فکر مراد نہیں ہے، جو غیر یقینی کیفیات اور ابہام کو جنم دیتا ہے یا جس کے نتیجے میں شاعری نثری پیرائے میں اپنا اظہار کرنے لگتی ہے بلکہ اس نظام اور طرزِ فکر سے مراد یہ ہے کہ تمام ادبی تحاریک سے وابستہ رہتے ہوئے اور اپنے تہذیبی سرمائے سے تعلق کو قائم رکھتے ہوئے کوئی نئی اور تازہ بات پیش کی جائے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بقول

---

(۱) طارق عزیز، ڈاکٹر، قیصر بارہوی اور جدید طرزِ احساس (آیاتِ آمنہ) لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۶۰

(۲) عاشور کاظمی، سید، اُردو مرثیے کا سفر، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۷

(۳) حق نواز، پروفیسر، قیصر بارہوی۔ ایک منفرد مرثیہ نگار، ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۶۲

پروفیسر مجتبیٰ حسین عصرِ حاضر کا کوئی مرثیہ نگار جدید دور کے تقاضوں سے بے خبر رہ کر مرثیہ تخلیق ہی نہیں کر سکتا۔(۱) اس حوالے سے قیصر بارہوی کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے۔

پروانۂ جنت کو ملی جدتِ پرواز | جو دشمن جاں تھیں وہ ہوائیں ہوئیں دمساز
کہتی ہے فرشتوں سے طبیعت کی تگ و تاز | یہ سیرِ فلک ہے غمِ شبیرؑ کا اعجاز

تصویرِ ہنر کھینچ کے تہذیب ہنر سے
تحسین سخن پاؤں گا اربابِ نظر سے

(مرثیہ: جبرئیلؑ۔ شاہد محضر)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جدید رجحانات سے آگہی اور عصری میلانات سے وابستگی کے باوجود قیصر بارہوی نے جدید اصنافِ سخن سے قطع نظر کر کے ایک قدیم صنفِ سخن یعنی مرثیے سے اپنا ناتا کیوں جوڑا ہے......؟؟ اس کا ایک واضح اور سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ جدید افکار کی پیشکش کے باوجود قیصر بارہوی کا مزاج کلاسیکی ہے اور اسی مزاج کے باوصف انہیں اپنے تہذیبی اصناف میں سے مرثیہ ترسیلِ خیالات کے لئے سب سے زیادہ موزوں مفید اور معتبر معلوم ہوا۔(۲) دوسرا سبب مذہب سے ذہنی قربت اور تیسرا بنیادی اور کلیدی سبب ان کی اپنی زبان سے سنیئے :۔

عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن | حسنِ باطن سے مرصع ہیں براہینِ سخن
رُوح کا آئینہ ہے جلوۂ تمکینِ سخن | دل کے دو حرف ہیں سو رنگ سے آئینِ سخن

گفتگو گلشنِ تطہیر سے وابستہ ہے
مرثیہ جنتِ احساس کا گلدستہ ہے

(مرثیہ: غیب)

---

(۱) مجتبیٰ حسین، پروفیسر "مرثیہ اور عہد جدید" مطبوعہ جدید فنِ مرثیہ نگاری (سیّد وحید الحسن ہاشمی)، لاہور: مکتبۂ تعمیر ادب، ۱۹۶۷ء، ص ۱۸۷

(۲) انوار ظہوری سید "اردو مرثیہ گوئی اور قیصر بارہوی" ماہنامہ "شام و سحر" لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۵۸

الفتِ آلِ محمدؐ کے سمندر کی قسم دفترِ نظم سفینہ ہے تو موجیں ہیں قلم
گردِ پاپوش سے زائد نہیں دُنیا کے ستم دستِ کردار میں ہے نادِ علیؑ کا پرچم

ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغِ رسالتؐ کی ثنا خوانی پر

(مرثیہ: امام موسیٰ کاظمؑ)

پڑھ لیجئے عبارت ایوانِ مرثیہ تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ صورت گرِ ادب ہیں نگارانِ مرثیہ

بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

(مرثیہ: بیادِ نسیمؔ امروہوی)

قیصر بارہوی کے یہاں جدت دراصل واقعیت سے جنم لیتی ہے۔(۱) یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں جدیدیت تہذیبی روایت کے سائے میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ ان کے یہاں جدت محض لفظی تراکیب سے تشکیل نہیں پاتی اور نہ بھونڈے خیالات شدتِ جذبات کے ساتھ جلوہ گر ہو کر جدتِ طبع کا نام پاتے ہیں' بلکہ قیصرؔ بارہوی تمام جدید افکار و نظریات کو ایک خاص تہذیبی پس منظر میں سمجھنے اور پرکھنے کے بعد پیش کرتے ہیں۔(۲) ذیل میں ان کے مرثیوں سے منتخب کردہ چند بند ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیئے کہ قیصرؔ بارہوی نے نئی فکر کے سورج کا سفر کس طرح رقم کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان جدتوں کو صنفِ مرثیہ سے کس طرح مربوط کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی دیکھیئے کہ ان بندوں میں کیسے کیسے جدید رنگ اور ذائقے موجزن ہیں' ملاحظہ فرمائیں:۔

---

(۱) عاصی کرنالی (تاثرات)' عظیم مرثیے' لاہور' حلقہ شعرائے اہلبیتؑ' ۱۹۷۷ء' ص ۸

(۲) عبیداللہ خان' ڈاکٹر' قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرت آمنہؑ (آیاتِ آمنہؑ)' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص ۵۱

کون روکے گا نئی فکر کے سورج کا سفر   شہر بستا ہے تو بنتی ہے نئی راہ گزر
ہر زمانے میں ہے ابلاغ کا انداز دگر   قیدیٔ وقت نہیں خونِ شہیداں کا اثر
حشر تک راہ تمدن کا سفر حاصل ہے
مرثیہ قافلۂ حال کا مستقبل ہے

....

وہ لکیریں بھی جو بے ربط نظر آتی ہیں   اک مصور کی نگاہوں میں جگہ پاتی ہیں
خواب مرجھاتے ہیں بیداریاں لہراتی ہیں   مشکلیں نادِ علیؑ سن کے گزر جاتی ہیں
ایک نقطے کو سمجھنا بڑی دانائی ہے
مرثیہ غیب کا معصوم تماشائی ہے

....

ان گنت فاصلے اس عالم رفتار میں ہیں   جتنی صدیاں ہیں وہ اس حلقۂ افکار میں ہیں
انقلابات جہاں پنجۂ کردار میں ہیں   جتنے جوہر ہیں اسی فکر کی تلوار میں ہیں
فرق ظالم پہ یہ تلوار بہت کاری ہے
مرثیہ جذبۂ مظلوم کی بیداری ہے

(مرثیہ:غیب)

کہنے کو آدمی ہے ستاروں کا ہم سفر   کہنے کو آج برق کا سینہ ہے رہ گزر
فتحِ قمر سے فاتحِ گردوں ہوا بشر   کہنے کو اہل عقل نے کاٹے ہوا کے پر
لیکن بلندیوں میں بڑی پستیاں بھی ہیں
گھبرا رہی ہے رُوح وہ سرمستیاں بھی ہیں

(مرثیہ:عرفانِ امامت)

مظلومیت دراصل خدا آشنا مزاج   مظلومیت سے لرزہ براندام سامراج
اس در کی مشتِ خاک میں دنیا کے تخت وتاج   مظلومیت کو ملتا ہے کونین سے خراج

ہر معرکہ میں جبر نگاہی کی موت ہے
مظلومیت رعونتِ شاہی کی موت ہے

(مرثیہ: مظلومیت اور انسان)

دنیائے بندگی کا مکمل نصاب دل   روئے زمیں پہ معدنِ ہر انقلاب دل
معصوم کے بدن میں خدا کی کتاب دل   دو حرف میں ہے سارے جہاں کا جواب دل
فطرت نے ربط و ضبط کا محور بنا لیا
دل ہی تو ہے خدا نے جسے گھر بنا لیا

دل قلعۂ وجود میں قدرت کا آبشار   سیراب جس سے روح کا بے مثل لالہ زار
وہ لالہ زار نام کا پیکر، عجب شعار   جس کی ادا پہ عقل کا ہر ارتقا نثار
لائے جواب یہ کسی صانع میں دم نہیں
دل ہی وہ ظرف ہے جو سمندر سے کم نہیں

(مرثیہ: نمازِ دل)   ....

قیصر بارہوی پچاس سے زیادہ مرثیوں کے خالق ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک شاعر کسی تاریخی واقعے کو کتنی ہی رنگا رنگی اور تنوع کے ساتھ پیش کرے، اس میں بعض تشابہات کا پیدا ہو جانا بدیہی امر ہے، تاہم قیصر بارہوی کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے تکرارِ محض سے اپنا دامن حتی الوسع بچانے کی کوشش کی ہے۔ اس یکسانیت اور تکرار سے بچنے کے لئے انہوں نے یہ راستہ نکالا ہے کہ شعوری طور پر ان موضوعات پر رثائی ادب تخلیق کیا ہے جو اردو مرثیہ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں بلکہ عاشور کاظمی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ قیصر نے ایسے موضوعات کو اپنے مرثیوں میں جگہ دی ہے جو روایاتِ رائج سے باہر کی چیزیں ہیں۔(۱) موضوعات کا یہ تنوع انہیں دوسرے مرثیہ نگاروں سے نہ صرف یہ کہ ممتاز کر دیتا ہے بلکہ یہ ان کی انفرادیت، جدت اور وسعت مطالعہ کی بھی دلیل ہے۔ ذیل میں قیصر بارہوی کے تخلیق شدہ منفرد مرثیوں

---

(۱) عاشور کاظمی، سید اُردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶، ص ۶۰۰

کے اولیں مصرعے مع موضوعات وعنوانات پیشِ خدمت ہیں۔ ان عنوانات ہی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُردو میں ان موضوعات پر شاید ہی مکمل اور منضبط مرثیے لکھے گئے ہوں۔ آپ دیکھیئے کہ کس طرح ان منفرد مرثیوں میں موضوعات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

انساں کی آبرو ہے عزاداریٔ حسینؑ	(عزاداریٔ حسینؑ)
خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال	(روزہ کی فضیلت)
پھر طائرِ خیال ہے شہرِ خلیلؑ میں	(فضیلتِ حج)
عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن	(علمِ غیب)
اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو	(کعبہ اور محافظانِ کعبہ)
جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں	(کربلا اور نجف)
دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے	(نمازِ دل)
ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے!	(آشوبِ عصر)
دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں	(شاہدِ محشر)
دوستو! انسان کے اندر بھی اک انسان ہے	(حضرت بلالؓ)
نماز سے بشریت عروج پاتی ہے	(فضیلت نماز)
ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام	(حضرت آمنہؑ)

....

قیصر بارہوی کی سوچ کے زاویے آفاقی قدروں کے حامل ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ کربلا اور کربلا والوں کو ایک عالم گیر تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس طرح ان کے مرثیے احمد ندیم قاسمی کے بقول نئے امکانات اور آفاق کی نئی وسعتوں سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ (۱) ان کے نزدیک وہ شعر و ادب لائق صد تحسین اور قابلِ افتخار ہے جس میں کربلا کو کسی استعاراتی نظامِ فکر

---

(۱) احمد ندیم قاسمی "قیصر بارہوی کی غزل" لاہور: ماہنامہ شام وسحر، جون ۱۹۹۰ء ص ۲۱

کے حوالے سے پیش کیا جائے۔ قیصر بارہوی کے اس طرزِ احساس کے پسِ پشت ان کا یہ نظریہ کارفرما ہے کہ کربلا کا واقعہ محض ایک اتفاقی اور جذباتی سانحہ نہیں بلکہ درسِ عمل اور درسِ حیات ہے۔(۱) اس سلسلے میں ان کا موقف نہایت واضح ہے کہ کربلا والوں کے طرزِ حیات کا پرچار کرنا دراصل اعلیٰ تر اخلاقی اقدار کا پرچار کرنا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہے کہ وہ افراد سے زیادہ اقدار کے پرچارک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری ''پروپیگنڈے'' سے کوسوں دُور ہے۔ اس سلسلے میں چند بند ملاحظہ فرمائیں:

بے شک وہ حرف و لفظ ہیں مثلِ مہ و نجوم　　جو ذکر کربلا میں ہوئے دفترِ علوم
لاریب اس ادب نے مچائی ادب میں دُھوم　　جو فکر کربلا سے مزین ہے بالعموم
مقتل کی سرخیوں سے قلم زرنگار ہے
جس میں ہے کربلا وہ سخن پائیدار ہے

....

دیکھے ہیں ہم نے سارے جہاں کے سخن طراز　　انسانیت ہے جن کے بدن کی قبائے ناز
اس وحدتِ خیال میں لیکن یہ امتیاز　　ہر شہر جا نماز ہے اور کربلا نماز
ظالم سے نفرتوں کے تقاضے کہاں نہیں
مظلومیت کی فتح کے سجدے کہاں نہیں

....

شاعر کسی خیال کا ہو یا کوئی ادیب　　واعظ کسی دیار کا ہو یا کوئی خطیب
تاریخ تولتا ہے جہاں کوئی خوش نصیب　　اس طرح بات کرتا ہے احساس کا نقیب
اللہ رے سلسلہ ادب مشرقین کا
دنیا کی ہر زباں پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

(مرثیہ: انسان اور کربلا)　　.................................

---

(۱) قیصر بارہوی امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء ص ۱۵۹

واقعۂ کربلا عمودی اور اُفقی دونوں سطحوں پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اُفقی سطح پر کربلا کی علامت انسانی زندگی اور زندگی کے معاشرتی پہلوؤں سے اپنا تعلق ثابت کرتی ہے اور عمودی سطح پر یہ بندے کو خدا سے ملانے کا وسیلہ بنتی ہے۔ قیصر بارہوی اپنے مرثیوں کا مواد واقعۂ کربلا ہی سے حاصل کرتے ہیں مگر اس سلسلے میں وہ آفاقی صداقتوں اور عصری ضرورتوں کو نظرانداز نہیں ہونے دیتے۔(۱) آپ قیصر بارہوی کے مرثیوں کا بنظر غائر مطالعہ کیجئے' آپ کو ان میں جگہ جگہ قومی اور ملی طرزِ احساس اُجاگر ملے گا۔ وہ ان مرثیوں کے ذریعے فقط عوام الناس کی اصلاح کے خواہش مند نہیں بلکہ معاشرے میں رستے ہوئے ناسوروں کا سراغ بھی لگاتے ہیں اور اسلام وکفر کی پنجہ آزمائی میں باطل قوتوں کے چہرے سے نقاب بھی اُلٹ دیتے ہیں۔(۲) ذیل میں مختلف مرثیوں کے چند بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیئے کہ قیصر بارہوی نے مرثیے کو کس طرح شہرِ آشوب میں اور شہرِ آشوب کو کس طرح آشوبِ عصر میں تبدیل کر دیا ہے' ملاحظہ فرمایئے۔

ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے بجلیاں رنگ بدلتی ہیں خدا خیر کرے
گردشیں اور مچلتی ہیں خدا خیر کرے بستیاں آگ اُگلتی ہیں خدا خیر کرے
محوِ حیرت ہوں کہاں بول رہی ہے دنیا
خونِ انساں سے دھواں تول رہی ہے دنیا

یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پہ سر
کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دختر
پاسِ مذہب نہیں' غیرت نہیں' ایمان نہیں
ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

....

(۱) عاصی کرنالی (تاثرات)' عظیم مرثیے' لاہور' حلقۂ شعرائے اہلبیت" ۱۹۷۷ء' ص ۹

(۲) ہارون قادر' ڈاکٹر قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۹۳

کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیے کیا ہے علاجِ ذہنِ پریشاں یہ سوچیے
پہنچی کہاں پہ گردشِ دوراں یہ سوچیے کیا کہہ رہی ہے نبضِ مسلماں یہ سوچیے
ہر سانس اضطراب ہے شعلہ اساس ہے
پانی کے باوجود قیامت کی پیاس ہے

(مرثیہ: عرفانِ امامت)

قیصر بارہوی اس سماجی انتشار و افتراق کا نہ صرف یہ کہ بغور مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ وہ ان نفوس پر بھی کڑی نگاہ رکھتے ہیں، جن کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اور وہ بظاہر مسیحِ دوراں اور بباطن گمراہ اور گم کردۂ راہ ہوتے ہیں۔ قیصر بارہوی ایسے منافقانہ ماحول اور ابتر صورتِ حال پر افسردہ ہو کر چلا اٹھتے ہیں۔

اک طرف حرمتِ انساں پہ ہزاروں مضموں اک طرف زہرِ سیاست سے ہر انسان کا خوں
اک طرف چاند ستاروں پہ حکومت کا جنوں اک طرف مقتلِ کردار کی تدبیر زبوں
لبِ خنداں سے شرافت کا لہو چاٹتے ہیں
کیا ادائیں ہیں گلے مل کے گلا کاٹتے ہیں

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

....

کیا منصفانِ فکر نے سوچا کبھی ذرا ملت ہے کیوں نفاق کی آفت میں مبتلا
کیا سچ نہیں یہ رنگِ طبیعت کا ماجرا دل میں تو رام رام زباں پر خدا خدا
کہنے کو سب کے ہاتھ میں حبل المتین ہے
لیکن سوادِ غیر پہ کامل یقین ہے

(مرثیہ: نمازِ دل) ....

قیصر بارہوی مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کا تجزیہ انتہائی دانش مندی سے کرتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ آج بھی اسلام دشمنی پر کمر بستہ ہیں۔ وہ

''مسلمانوں کو لڑاؤ اور ان پر ٹھاٹھ سے حکومت کرو'' کی پالیسی پر آج بھی کاربند ہیں۔اس صورت حال میں پروفیسر سجاد حارث کے بقول جوش ملیح آبادی کے بعد قیصر بارہوی وہ مستند اور معتبر شاعر ہیں جنہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ عالمی استعماری قوتوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔(۱) ساری دنیا میں یہود و نصاریٰ مختلف حیلوں اور بہانوں سے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رہے ہیں۔مسلمان اپنی بداعمالیوں اور غیر دانش مندانہ حرکات کی وجہ سے اتنے فرومایہ، غیر فعال اور بے حس ہوگئے ہیں کہ نہ تو وہ ان سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس دلدل سے باہر نکلنے کی کاوش کرتے ہیں۔(۲) مسلمانوں کی اس بے عملی، بے غیرتی، بے حسی، انفعالیت اور زبوں حالی کو قیصر بارہوی نے جس حزنیہ لب ولہجہ میں بیان کیا ہے، وہ بجائے خود ملی مرثیے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔خاص طور پر مغربی استعمار کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا لب ولہجہ انتہائی تندوترش ہو جاتا ہے۔اس سلسلے میں آپ بھی چند بند ملاحظہ فرمائیں:

کہنا پڑے گا چھوڑ دی ہم نے رہِ وفا   زندہ تھی جس سے قوم وہ کردار مٹ گیا
کہنا پڑے گا ہم ہیں اندھیروں کی انتہا   قرآں کے دشمنوں کو سمجھتے ہیں ناخدا
توڑے عمل کے شیشے تعیش کے سنگ نے
لوٹا تمام باغ ہوائے فرنگ نے

....

فکر یہود و فکرِ نصاریٰ وہ شیش ناگ   صدیوں کے تن بدن میں ہے جن کے پھنوں کا جھاگ
پھیلی ہے سرحدوں پہ جہاں خشک وتر کی آگ   شعلے وہاں الاپ رہے ہیں انہی کا راگ
اس راگ میں وہ شام ہے جس کی سحر نہیں
اسلام جل رہا ہے ہمیں کچھ خبر نہیں

(مرثیہ: آیاتِ آمنہ) ....

---

(۱) سجاد حارث، پروفیسر آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص فلیپ
(۲) فخر الحق نوری، قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ (آیاتِ آمنہ) لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۶۵

مغرب میں ڈوبتی ہوئی تہذیب کا اثر　مشرق کی حرمتوں کو پھراتا ہے دربدر
اہلِ قلم نے غیرتِ احساس چھوڑ کر　عشرت کے گیت گائے ہیں سورج کی لاش پر
شام و سحر کو عالمِ یک رنگ کر دیا
انسانیت کو دستِ تہہ سنگ کر دیا

.... (مرثیہ: عرفانِ امامت)

اس پر تشدد ہیبت ناک اور خون آشام منظر کو دیکھ کر قیصر بارہوی کا تخیل کربلا کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور وہ کربلا کے میدان میں اپنے لہو سے حق اور صداقت کی شمع جلانے والوں کو فخر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس کرب ناک معاشرتی صورتِ حال سے انسان کو کوئی چیز نجات دلا سکتی ہے، تو وہ صرف اور صرف کربلا ہے۔ قیصر بارہوی کے خیال میں ان کی مرثیہ نگاری میں عہد حاضر کے انسان کو باطل سے جنگ کرنے اور حق کی آواز بلند کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔ (۱) حقیقت بھی یہی ہے کہ کربلا ہی درسِ انقلاب دینے کی معتبر جگہ ہے۔ اگر آج کا انسان اپنا کھویا ہوا شرف اور وقار حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسوۂ شبیری پر عمل پیرا ہو کر آج بھی عظمتِ کردار کا مینارۂ نور بن سکتا ہے (۲) کیوں کہ:۔

انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا　تہذیب ردِ ظلم سکھاتی ہے کربلا
فطرت کو روشنی سے سجاتی ہے کربلا　ذہنوں میں آفتاب اُگاتی ہے کربلا
منسوب ہو جو فکرِ حسینؑ بیان سے
برسیں مہ و نجوم بشر کی زبان سے

.... (مرثیہ: انسان اور کربلا)

اسی بات کو یوں کہہ لیجئے کہ قیصر بارہوی عصرِ حاضر کے کرب کو کربلا کے وسیع تناظر

---

(۱) قیصر بارہوی امتزاج الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۹
(۲) سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر معروضات لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۳۷

میں دیکھتے اور پیش کرتے ہیں۔اس طرح ان کا ایک تہذیبی روایت سے رشتہ بھی قائم ہو جاتا ہے اور اس طرح درد و غم کی کثرت سے ان کی شاعری میں تاثیر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کا موقف یہ بھی ہے کہ کربلا کے واقعے کے اثرات اتنے ہمہ گیر اور زود اثر ہیں کہ کوئی بھی قلم کار اس کے دائرہ اثر سے باہر نہیں نکل سکتا' کیونکہ بقول قیصر بارہوی۔

چہرۂ وقت کے قاری ہیں وہی اہلِ قلم — عدل و انصاف سے رکھتے ہیں جو لفظوں کا بھرم
عالمِ امن ہو یا منظرِ بازارِ ستم — یہ صدا گونجتی ہے سب کے لبوں پر پیہم
جب کوئی درد کی تصویر نظر آتی ہے
کربلا لوحِ تصور پہ اُبھر آتی ہے

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

قیصر بارہوی موجودہ عہد کو کربلا سے جوڑ کر ایک طرف تو انسانوں کے اندر جذبۂ شہادت پیدا کرتے ہیں اور دوسری طرف عوام الناس کو باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں (۱) اور ڈاکٹر ہلال نقوی کے بقول قیصر بارہوی کے مرثیوں میں معاصرین کی نسبت بین و بکا پر زیادہ توجہ ہے۔(۲) اس طرح وہ مجموعی طور پر انسانیت کی تکریم کا سبق دیتے نظر آتے ہیں۔اس سلسلے میں وہ دانشوروں' ادیبوں' شاعروں اور فنکاروں سے یہی التجا کرتے ہیں کہ وہ انسان کی عظمت و حرمت کی پاسداری کریں۔آج انسان جن مسائل و معاملات میں گھرا ہوا ہے' اگر اہلِ دانش و بینش توجہ کریں تو انسان آج بھی اپنا گم گشتہ وقار حاصل کر سکتا ہے۔قیصر بارہوی کی یہ سوچ انتہائی مخلصانہ' توجہ طلب اور قابلِ فخر ہے۔ان کے اسی ایک نکتہ سے ان کی مرثیہ نگاری کا وقار دو چند ہو جاتا ہے' ملاحظہ فرمائیں:۔

حلقۂ شعر و ادب' انجمنِ اہلِ خطاب — سیفِ تخیل سے اب چاہیے بھرپور جواب
پھیلتا جاتا ہے الحادِ سخن کا سیلاب — آج ہر فکر میں درکار ہے وحدت کا نصاب

---

(۱) عاصی کرنالی' ڈاکٹر عظیم مرثیے (تاثرات) لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت' ۱۹۷۷ء' ص ۹

(۲) ہلال نقوی' ڈاکٹر بیسویں صدی اور جدید مرثیہ کراچی: محمدی ٹرسٹ ۱۹۹۴ء' ص ۶۸۴

وقت کا آئینہ دنیا کو دکھانا ہو گا
قید سے حرمتِ انساں کو چھڑانا ہو گا

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

....

قیصر بارہوی کے بعض مرثیوں میں آغاز تا انجام ایک حزنیہ کیفیت طاری رہتی ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ مرثیہ نگار سامعین پر رقت طاری کرنے کے لئے آخری پندرہ بیس بند بکا کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ قیصر بارہوی کا طریقۂ کار اس سے مختلف اور منفرد ہے۔ وہ بعض اوقات ابتداء ہی میں ایک ایسا سحر انگیز حزنیہ دائرہ کھینچ دیتے ہیں کہ قاری و سامع اس سے باہر نہیں نکلتا۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ جدید افکار و نظریات کی پیشکش کے باوجود جوش کے برعکس قیصر بارہوی کے مرثیوں میں ''مرثیت'' کی کمی نہیں ہے۔ مرثیت کے اسی فقدان نے جوش کے بعض مرثیوں کو ''مسدس'' کہلوا دیا ہے۔ قیصر بارہوی کے یہاں حزنیہ ماحول کی رو پورے مرثیے میں سرایت کر جاتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی کا موقف یہ ہے کہ قیصر بارہوی نے مصائب کے بیان میں بھی زود گوئی سے کام لیا ہے اسی باعث ان کے مرثیوں پر سوز و الم اور یاس و حسرت کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔(۱) ذیل میں دیئے ہوئے مرثیوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس طرح قیصر بارہوی نے آغاز ہی میں المیے کی کیفیت کا دائرہ کھینچ دیا ہے:۔

حسینؑ لاشہ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں
شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں
پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے
دل والو سنو! واقعۂ اشک فشانی
پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دُھواں اُٹھا
زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو
زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ

---

(۱) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر اُردو مرثیہ میر انیس کے بعد دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۷۸

قیصر بارہوی کے کلام میں یہ الم انگیز اور غمناک عناصر اس وقت اور بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں، جب مرثیہ اپنے منطقی انجام کی جانب رواں دواں ہوتا ہے۔ ان لمحات میں تو قیصر بارہوی جذبات کا اظہار اتنی شدت سے کرتے ہیں کہ قاری کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیصر بارہوی کے درد و غم سے مالا مال ان بندوں کا مطالعہ فرمائیے اور دیکھیے کہ آہ و فغاں سے مملوان بندوں پر دبیر کی چھوٹ پڑتی دکھائی دیتی ہے(۱)

اصغرؑ کی یاد میں تو تڑپتی رہی ربابؑ　　مقتل میں ذبح ہو گیا فرزندِ بوترابؑ
فضہؑ دہائی دے کے پکاری بہ اضطراب　　زینبؑ کہاں ہو دیکھ لو نیزے پہ آفتاب

بستی اُجڑ گئی ہے مقدر اُلٹ گیا
چوما تھا جس گلے کو وہ خنجر سے کٹ گیا

(مرثیہ: انسان اور کربلا)　　.................

بھیا! کہو تو زلفِ مبارک سنوار دوں　　بھیا اگر غبار ہو رُخ پر صفا کروں
اب تو گلے کے زخم سے بہتا نہیں ہے خوں　　بھیا! بتاؤ اب تو میسر ہوا سکوں

پہلو میں اب چبھے ہوئے بھالے ہیں یا نہیں
بھیا! کسی نے تیر نکالے ہیں یا نہیں

(مرثیہ: مظلومیت اور اسلام)　　.................

کوئی مجھے بتائے یہ صدمے کسی نے پائے　　مارے طمانچے شمر نے، دُکھیا کے ستائے
کانوں سے خون بہتا تھا بچی کے بتائے　　کرتے میں آگ لگ گئی آئے کوئی بجھائے

کیا اب کسی کے سینے میں خوفِ خدا نہیں
بچی تڑپ رہی ہے کوئی پوچھتا نہیں

(مرثیہ: آیاتِ آمنہؑ)　　.................

---

(۱)　وحید الحسن ہاشمی　''قیصر بارہوی، ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک'' لاہور: رضا سنز پرنٹرز ۱۹۹۷ء

قیصر بارہوی کا اسلوب انیسؔ و دبیرؔ کے اسالیب بیان کے امتزاج کا آئینہ دار ہے۔ ان کا تخیل بلند پرواز ہے اور اسی سبب سے ان کے یہاں دبیرؔ کا شان و شکوہ اور جاہ و جلال جلوہ گری کرتا ہے۔ انیسؔ سے بے پناہ متاثر ہونے کی وجہ سے ان کے اسلوبِ بیان میں بے ساختگی اور سلاست و روانی پیدا ہو گئی ہے۔ (۱) ان دونوں مختلف النوع اسالیب کے حسین امتزاج کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ قیصر بارہوی کے یہاں نہ تو دبیرؔ کا سا دشوار اور گنجلک اسلوب ظاہر ہوتا ہے اور نہ انیسؔ کی طرح سلاست و روانی کی وجہ سے اسلوب میں عوامی رنگ پیدا ہوا ہے۔ ذیل کے مرثیوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان پر دبیرؔ کے اسلوبِ بیان کا اثر کس طرح ظاہر ہوا ہے۔

پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے
ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدّر میرا
عباسِ نامدار کو جوشِ نبرد ہے
زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو
پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دُھواں اُٹھا

قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری پر دبیرؔ کے رنگِ شاعری کا اثر دو سطحوں پر ظاہر ہوا ہے۔ پہلی سطح پر تو وہ عملی افکار کی پیشکش کی وجہ سے دبیری رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور اُن کے ہاں دبیر کی طرح لفظوں کا فنکارانہ اور عالمانہ استعمال دکھائی دیتا ہے۔ (۲) دوسری سطح پر قیصر بارہوی کے مرثیوں میں مرزا دبیر کا حزنیہ رنگ دکھائی دیتا ہے۔ میں یہ بات بڑے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ جدید عہد میں قیصر بارہوی کے مرثیوں میں جتنا المیاتی رنگ اور حزنیہ کیفیات کا اظہار ملتا ہے کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملتا ہے۔ قیصر بارہوی کے بعض مرثیے دبیر کی طرح مصائب سے شروع ہوتے ہیں اور پورے مرثیے میں حزنیہ رنگ چھایا رہتا ہے۔ آپ ان کے

---

(۱) ضمیر اختر نقوی اردو مرثیہ پاکستان میں کراچی: سید اینڈ سید ۱۹۸۲ء، ص ۴۶۲

(۲) مظفر حسن ملک 'ڈاکٹر' اُردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام 'لاہور' مقبول اکیڈمی '۱۹۷۶ء، ص ۱۷۲

درج ذیل مرثیوں کا مطالعہ فرمائیے تو آپ میرے درج بالا موقف کی تائید ضرور کریں گے۔

۱۔ حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

۲۔ دل والو، سنو واقعۂ اشک فشانی

۳۔ زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو

قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کے آخری بندوں میں بکائیہ رنگ، حزن و ملال پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ذیل کے بند دیکھیئے کہ کس طرح قیصر بارہوی نے افکار و اسالیب میں دبیر کی شعوری یا لاشعوری پیروی کی ہے۔

''صورتِ خادمہ جاؤں گی مجھے لے چلیے ہاتھ فضہؑ کا بٹاؤں گی مجھے لے چلیے
میں کسی کو نہ ستاؤں گی مجھے لے چلیے منہ سکینہؑ کا دھلاؤں گی مجھے لے چلیے
جسے کہتے ہیں دوا' نام نہ لوں گی بابا
لوریاں آپ کے معصوم کو دوں گی بابا

....

(مرثیہ: غیب)

میں عہد کرتی ہوں ماں جائے کے لہو سے لے تجھے چھپا نہ سکیں گے یہ ظلم کے پردے
تری کہانیاں دھرا کے خشک ہونٹوں سے میں چھین لوں گی زمانے سے دل شکن لہجے
یہ غم نہیں ہے کہ اب سوگوار قیدی ہوں
بہن حسینؑ کی ہوں فاطمہؑ کی بیٹی ہوں

....

(مرثیہ: نقشِ علیؑ و بتولؑ)

بولے علیؑ چلو مرے لختِ جگر چلو تاخیر اب نہ چاہیئے نورِ نظر چلو
دل بے قرار ہو گیا جلدی سے گھر چلو زینبؑ کہیں نکل نہ پڑے تیز تر چلو
عباسؑ سے کہو کہ وہ در پر نظر رکھے
ہم جلد آ رہے ہیں بہن کی خبر رکھے

سُنی جو باپ کی آنسو بھری ہوئی آواز　　بدن میں تھرتھری آئی تڑپ گیا جانباز
سمٹ کے آ گیا آنکھوں میں ضبط کا انداز　　بیانِ دل کیلئے درد ہو گیا دم ساز
اب اضطراب نے کچھ دائرے سمیٹ لئے
نفس نفس پہ طبیعت نے غم لپیٹ لئے

لبوں میں آ گئی جنبش کھلے نگاہ کے در　　نظر پہنچ گئی سبطِ نبیؑ کے چہرے پر
بیان ہو نہیں سکتی یہ حالتِ اکبرؑ　　کچھ اس طرح ہوئی تعظیم سبط پیغمبرؐ
جھکا کے پلکیں شہِ دیں کا احترام کیا
لرزتے ہونٹوں سے مظلوم کو سلام کیا

کہا یہ کانپتے لفظوں میں' اے مرے بابا　　فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا
کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا　　چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا
گھرے ہیں سیدِ والاؑ ستم شعاروں میں
نبیؐ کا پھول ہے تیغوں کی تیز دھاروں میں

(مرثیہ: یوسف کربلا)

....

قیصر بارہوی کے ان مرثیوں میں شاید آپ کو رزمیہ عناصر' ساقی نامے' تلوار کے مدحیہ قصائد' گھوڑے کے محاسن' مناظرانہ مباحث اور فکری موعظت وغیرہ تو کثرت سے نہ مل سکیں۔ لیکن واقعۂ کربلا کی روشنی میں اعلیٰ تر اخلاقی اقدار کی ترجمانی ضرور ملے گی۔ قیصر بارہوی کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کی جدید روایات اور اپنی تہذیبی اور کلاسیکی روایات کے امتزاج سے صنفِ مرثیہ کو ایک نیا ذائقہ دیا اور ایک نئی راہ سجھائی ہے۔(۱) اب کہا جاسکتا ہے' صنفِ مرثیہ کے حوالے سے موجودہ دور قیصر بارہوی کا دور ہے۔

---

(۱)　عبیداللہ خاں' ڈاکٹر' قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرت آمنہؑ (آیات آمنہ)' لاہور۔ سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص ۵۳

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ انیسؔ و دبیرؔ نے برصغیر کے تہذیبی اثرات اور واقعۂ کربلا کے ہمہ گیر اثرات کو نہایت فن کاری کے ساتھ ملا جلا کر اپنے مرثیوں میں محفوظ کر دیا تھا۔ اب اسی معروضے کی روشنی میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیصؔر بارہوی نے بھی پاکستانی طرزِ احساس اور کربلا کے اثرات کو ایک دوسرے میں جذب کر کے مرثیوں کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب اگر ہم چاہیں تو ان مرثیوں میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ پاکستانی اسلامی تہذیب وثقافت کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔

(و)

(کچھ قیصر بارھوی کے مرثیوں کی تدوین کے بارے میں)

بیسویں صدی میں جس مرثیہ نگار نے صنفِ مرثیہ کو اعتبار بخشا وہ قیصر بارہوی ہیں۔ یہ امر انتہائی افسوس ناک ہے کہ ان کی رحلت کے بعد ان کی شخصیت اور فن پر کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہو سکا۔ راقم الحروف کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کو مدوّن کر دے۔ تقریباً دس برس کی محنتِ شاقہ کے بعد کتاب ''قیصر بارہوی کے مرثیے'' آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ اس کتاب کی تدوین کے دوران راقم الحروف کو جو مسائل و مصائب برداشت کرنا پڑے اس کی داستان بہت طویل ہے۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی عنایتوں، محمدؐ و آلِ محمدؐ کی کرم فرمائیوں اور قیصر بارہوی کے مداحین کی دعاؤں کے باعث مکمل ہو سکی ہے۔

اب **"قیصر بارھوی کے مرثیے"** کی تدوین کے سلسلے میں بھی چند معروضات سن لیجیے۔ اس کتاب کی ترتیب کے وقت راقم الحروف کے سامنے درج ذیل پانچ صورتیں تھیں:

ا) مرثیوں کی سن وار تدوین

ب) مرثیوں کی موضوعاتی تدوین

ج) مرثیوں کی فنی و فکری معیار کے حوالے سے ترجیحاتی تدوین

د) مرثیوں کے ممدوحین کے حفظِ مراتب کے لحاظ سے تدوین

ر) مطبوعہ مجموعوں کی سن وار تدوین

راقم الحروف کے لیے تسوید کی یہ تمام صورتیں قابلِ عمل تھیں لیکن اصل صورت حال یہ ہے کہ قیصر بارہوی کے مطبوعہ مجموعوں کے مرثیوں کی ترتیب کو توڑنے سے بعض مغالطے پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس لیے راقم الحروف نے آخر الذکر طریقۂ تدوین کو مناسب خیال کیا ہے لہٰذا جس شکل میں قیصر بارہوی کے مجموعے طبع ہوئے ہیں اسی ترتیب کو بنیاد بنا کر تمام مرثیوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح قیصر بارہوی کے دستیاب ترپن مرثیے پہلی مرتبہ یکجا ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ اس کتاب میں قیصر بارہوی کے نامکمل مرثیوں کو عمداً شامل نہیں کیا گیا ہے۔ انہیں باقیاتِ قیصر بارہوی میں شائع کر دیا جائے گا۔

قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تدوین میں درج ذیل مواد سے مدد لی گئی ہے۔

ا) قیصر بارہوی کے ہاتھ سے لکھی گئی مختلف بیاضیں

ب) قیصر بارہوی کے مطبوعہ مرثیوں کے مختلف ایڈیشن

ج) آڈیو کیسٹس

د) وڈیو کیسٹس

راقم الحروف کو قیصر بارہوی کے مطبوعہ مرثیوں میں اختلافِ متن کے مسائل بھی درپیش رہے ہیں۔ مختلف ایڈیشنوں میں شاملِ اختلافِ متن کو راقم الحروف نے قیاسی تصحیح کے بجائے قیصر بارہوی کے ہاتھ سے لکھی تحریر کو اہمیت دی ہے اور جہاں ان کی تحریر دستیاب نہ ہو سکی وہاں ان کی وڈیو/آڈیو سے مدد لی ہے۔ قیصر بارہوی کے ہاں املا کے بھی بعض مسائل راقم الحروف کو درپیش رہے ہیں۔ راقم الحروف نے حواشی و تعلیقات کے بجائے رائج املا کو ترجیح دی ہے تاکہ قارئین کے لیے مرثیوں کی تفہیم میں آسانی پیدا ہو سکے۔ اس مجموعے کی پیش کش میں راقم الحروف نے ''قیصر شناسی'' کے لیے درج ذیل امور کو شعوری طور پر پیشِ نگاہ رکھا ہے۔

ا) قیصر بارہوی کے ممکنہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ مرثیوں کو پہلی بار یکجا شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

ب) قیصر بارہوی کے قدیم و جدید تمام مرثیوں کو یکجا کردیا گیا ہے تاکہ ان کے ارتقائی سفر کا علم ہوسکے۔

ج) قیصر بارہوی کے مرثیوں کے عنوانات بھی دے دیے گئے ہیں تاکہ موضوعات کی روشنی میں بھی مرثیوں کو تفہیم سہل ہو جائے۔

د) تمام مرثیوں کے سنِ تخلیق بھی درج کردیے گئے ہیں تاکہ قارئین قیصر بارہوی کے موضوعاتی اور اسلوبیاتی مدارج کا بخوبی اندازہ لگاسکیں۔

ر) ہر مرثیے کے بارے میں مختصر معلومات بھی فراہم کردی گئی ہیں۔

س) ہر مرثیے کا مختصراً تجزیہ بھی کردیا گیا ہے تاکہ قارئین اُس مرثیے کے حسن و قبح سے بخوبی آگاہ ہوجائیں۔

اب یہ بات کسی حد تک یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ قیصر بارہوی کے مرثیوں کی یہ کتاب جہاں ایک طرف قیصر بارہوی کے متنوع اور ہمہ رنگ موضوعات رنگ اور ذائقوں کا احاطہ کرتی ہے وہاں دوسری طرف اس کتاب کے ذریعہ قیصر شناسی کے نئے نئے در ہمارے سامنے وا ہورہے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب، تدوین اور تسوید میں عصرِ حاضر کے نامور مرثیہ نگار وحیدِ عصر محترم سیّد وحیدالحسن ہاشمی نے راقم الحروف کی بے پناہ ہمت افزائی کی ہے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا ہے۔ اسی طرح قیصر بارہوی کے ہم دم دیرینہ سیّد رونق رضا صاحب نے مواد کی فراہمی میں راقم الحروف کی بہت مدد کی ہے۔ پروفیسر فرقان قریشی، پروفیسر آصف

وٹو، فاروق انجم، پروفیسر وحید عزیز اور ڈاکٹر کومل عروج نے پروف پڑھنے میں میری خصوصی معاونت کی ہے۔ تصور حسین صاحب نے اس کتاب کے ایک ایک لفظ کو خوش دلی سے ٹائپ کیا اور اظہار الحسن رضوی صاحب اور اُن کے صاحبزادوں نے اس کتاب کو خوبصورت شکل میں شائع کیا ہے۔ خاص طور پر سیّد محمد علی انجم رضوی نے اس کتاب کی اشاعت میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں۔ میں خاص طور پر اپنے عزیز اور مہربان شیخ محمد رضا صاحب کا ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اس کتاب کا ٹائٹل انتہائی دیدہ زیب بنا کر کتاب کے صوری حُسن میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح سمیر صاحب بھی میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ وہ ہمیشہ خلوص و محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میں ان تمام احباب کا صمیمِ قلب سے شکرگزار ہوں۔

اس کتاب کی ترتیب و تسوید میں دس برس سے زیادہ کا عرصہ صرف ہوا ہے۔ میری والدہ، میری زوجہ سیماب رضوی، میرے بھائیوں اور میرے بچوں ایما، اشنا اور وجیہہ نے اس مقدس اور پاکیزہ کام کیلئے میرے ساتھ بے پناہ تعاون کیا ہے۔ میں ان سب کا شکرگزار ہوں۔

اس ضخیم کتاب کی اشاعت ایک خواب تھی مگر محترم شیخ کامران مہدی صاحب، محترم شیخ ولی محمد صاحب، محترم سیّد سرور حسین بلگرامی صاحب، محترم ڈاکٹر ابوالحسن نقوی صاحب، محترم شیخ پرویز ممتاز صاحب اور محترم شیخ حشمت علی قنبر صاحب نے اسے حقیقی تعبیر میں بدل دیا ہے۔ میں قیصر بارہوی کے مداحین اور مرثیے کے شیدائیوں کی جانب سے تمام احباب کا ممنون و متشکر ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

(ڈاکٹر) سیّد شبیہ الحسن

۱۵ جنوری ۲۰۰۷ء

رابطہ

۲۵۹۔ الف' رحمان پورہ اچھرہ، لاہور پاکستان

موبائل: ۰۳۳۳۔۴۲۵۵۱۵۳

◆◆◆

دُرِّ یتیم

(حضرت محمد مصطفیٰؐ کے عظیم کارنامے اور مصائبِ اہل بیتؑ)

۴۶ بند۔ ۱۹۵۳ء

maablib.org

❖ ❖

ہستی کے دل فریب فسانوں میں کچھ نہیں
جادو نگار شعلہ بیانوں میں کچھ نہیں
دنیائے فلسفہ کی دکانوں میں کچھ نہیں
ایجادِ نو بہ نو کے خزانوں میں کچھ نہیں
دولت ہے صرف معدنِ فخرِ کلیمؑ میں
موتی ملیں گے دامنِ دُرِّ یتیم میں

❖ ❖

دُرِّ یتیم

انسان! رہنمائے حقیقت تلاش کر سرچشمۂ نوازشِ رحمت تلاش کر
بے فائدہ نہ رنج کی صُورت تلاش کر جو تیرے کام آئے وہ دولت تلاش کر
کیوں جُستجو ہے منزلِ بے سُود کے لئے
دریا کو چھان گوہرِ مقصود کے لئے

دریا ہے کائنات کی تاریخ کا ورق اوّل ہے جس میں مقصدِ تخلیق کا سبق
لازم ہے شرحِ گلشنِ ہستی بہ عینِ حق خود ہی کہے گا تجھ سے ہر اِک عالِم نسق
اِس کارواں کے نظم کی روحِ رواں بھی ہے
بزمِ جہاں میں صورتِ جانِ جہاں بھی ہے

یُوں تو ہزار رنگ کے جلوے ہیں آشکار جن پر ہزار مکر و فریب و ریا نثار
گلہائے کاغذی سے نہیں رشتۂ بہار عقل و نظر کی بات پہ زیبا ہے اعتبار
دُھندلی ہو روشنی تو فریبِ نظر سمجھ
جو شمع کام آئے اُسے راہبر سمجھ

تقدیرِ زندگی کے صحیفے پہ کر نظر　　آتی ہے صاف عالمِ تحریر سے خبر
پھرتا ہے کیوں تلاشِ حقیقت میں دربدر　　نُورِ خدا ملے گا فقط مصطفیٰؐ کے گھر
آنکھوں سے ڈھونڈ لے جو تجلّی شناس ہے
اللہ کا جمال، محمدؐ کے پاس ہے

یہ فرشِ آب و خاک، یہ بے چوبہ سائباں　　ابر آشنا ہوا کے سمندر میں کشتیاں
یہ چاند، یہ ستارے، یہ پُرنور کہکشاں　　سُورج کی پرورش میں یہ پھولوں کے بوستاں
جلوہ دِکھا دِکھا کے خدائی نظام کا
کلمہ سُنا رہے ہیں محمدؐ کے نام کا

یہ خوشنما پہاڑوں کے دامن میں سبزہ زار　　جن میں سحر کی چھاؤں سے اِک شبنمی خمار
یہ مستقل سُرور میں تسبیحِ آبشار　　جیسے بلندیوں سے برستی ہوئی بہار
میخانۂ اَلست کا ساغر پیے ہوئے
ہیں شانِ مصطفیٰؐ میں قصیدہ لیے ہوئے

یہ وادیوں میں زیورِ کہسار بے شمار　　جس کی چمک دمک پہ عُروسِ خِرد نثار
یاقوت سُرخ نیلم و الماس کی بہار　　حُسنِ عقیق و لعلِ بدخشاں کے لالہ زار
جلوہ نمائیوں میں جسے انہماک ہے
یثرب کے تاجدارؐ کے قدموں کی خاک ہے

دریا کی موج موج کا اندازِ ہست و بُود　　ساحل پہ سبز پوش نباتات کا سُجود
پانی کے آئینے میں کمالِ فلک نُمود　　ٹھنڈی ہوا میں نکہتِ فردوس کا وُرود
منظر تمام عالمِ کیف و سُرور کا
صدقہ ہے صرف احمدِؐ مرسل کے نُور کا

صحنِ چمن میں پھولوں کی چادر شفق نشاں — اور اُس پہ رنگ رنگ کی خوش رنگ تتلیاں
قدرت کی بولتی ہوئی رنگین داستاں — جیسے حیات قوسِ قزح میں رواں دواں
ہر شعبۂ لطیف حسیں کائنات کا
افسانہ کہہ رہا ہے محمدؐ کی ذات کا

جھیلوں میں یہ کنول کی دِل آویز ڈالیاں — قربان جن کے حُسن پہ نازک خیالیاں
پانی پہ تیرتی ہوئی چاندی کی تھالیاں — یا پردہ پوش حوروں کے ہاتھوں میں پیالیاں
جتنے حسین حُسن کی ان بستیوں میں ہیں
سب احمدیؐ شراب کی سرمستیوں میں ہیں

یہ صبح کی لطافتِ رنگیں کا ہر ورق — یہ جنتِ نسیم کی خوشبو طبق طبق
یہ سرمئی نقاب میں دوشیزۂ شفق — تجدیدِ حُسن پر یہ فضائیں عرق عرق
خود کو وفا کے تیر سے گھائل کیے ہوئے
ہیں عشقِ آفتابِ مدینہ لیے ہوئے

مینا بدوش کالی گھٹاؤں کا یہ نظام — اور اُس پہ ڈوبتے ہوئے سورج کا سُرخ دام
لیلائے شب کے دستِ حنائی میں پاک جام — یا صاحبانِ ہوش کو پینے کا اِذنِ عام
ہر زندگی فضاؤں کی میکش اداؤں میں
پیدا ہوئی ہے زُلفِ محمدؐ کی چھاؤں میں

شعلوں کی پرورش میں سمندر کی زندگی — کہیے جسے قصیدۂ توصیفِ ایزدی
ہر مورِ ناتواں کو مقدر کی آگہی — کہیئے جسے فسانۂ مخلوق پروری
جو بھی عجائباتِ جہاں کا نظام ہے
سب آمنہؓ کے لال کی خیراتِ عام ہے

تاریکیوں کے ہاتھ میں قندیلِ ماہتاب جیسے لبِ گناہ پہ ہو ساغرِ ثواب
یہ چاندنی کے فرش پہ ہر چیز محوِ خواب جیسے پلا رہا ہو کوئی سرمدی شراب
ہر بندوبست عالمِ ربِ قدیر کا
شاہد ہے مصطفیٰؐ کے مقدّس ضمیر کا

ذرّے میں قوّتوں کے خزانوں کا انکشاف وہ انکشاف اہلِ تجسّس کریں طواف
دریائے برق و باد پہ خاکستری غلاف وحدت کی شان یا بشرّیت کا اعتراف
تخلیقِ کائنات کا جتنا بیان ہے
احسانِ مصطفیٰؐ کی کُھلی داستان ہے

ہر دم فرازِ کوہ سے نظارۂ جمیل جس کو سلام کرنے جھکے عقل کی فصیل
گہرائیوں پہ چھائی ہوئی بادلوں کی جھیل یا حیُ یا قدیر کی منہ بولتی سبیل
پست و بلند زاویے خُلدِ نگاہ کے
نغمے الاپتے ہیں رسالتؐ پناہ کے

مشرق کا بادشاہ پہن کر کُلاہِ زر اورنگِ آسماں پہ بہ تزئین جلوہ گر
دامن میں لے کے تحفۂ تنظیمِ خشک و تر کرتا ہے روز جادۂ مغرب پہ جب سفر
پی کر ازل کے ساغرِ صد احترام کو
جاتا ہے آستانِ نبیؐ پر سلام کو

اہلِ خرد کے ناخنِ تدبیر کی قسم جملہ تجلّیات کی راہوں کے پیچ و خم
آواز دے رہے ہیں زمانے کو دم بہ دم ہاں طالبانِ شوق بڑھائے ہوئے قدم
وجہِ بہارِ حُسنِ حقیقت کا پھُول ہے
ہر منزلِ مراد بہ فیضِ رسولؐ ہے

ہے جن کو آج خواہشِ تسخیرِ ماہتاب · خود کو سمجھ رہے ہیں جو آئندہ کامیاب
کیا دے سکیں گے آج وہ اس بات کا جواب · شق القمر ہے کس کے اشارے سے بےنقاب
آخر یہ بات آئے گی سب کی زبان پر
سکّہ ہے مصطفیٰؐ کا زمین آسمان پر

ہستی کے دل فریب فسانوں میں کچھ نہیں · جادو نگار شعلہ بیانوں میں کچھ نہیں
دنیائے فلسفہ کی دکانوں میں کچھ نہیں · ایجادِ نو بہ نو کے خزانوں میں کچھ نہیں
دولت ہے صرف معدنِ فخرِ کلیمؑ میں
موتی ملیں گے دامنِ دُرِّ یتیم میں

دنیا ہزار دعویٔ پیغمبری کرے · خود کردہ انقلاب میں رنگِ ریا بھرے
کورانہ پیروی میں کوئی مستقل مرے · لیکن یہی ملیں گے طبیعت کے مشورے
معجز نما نہیں تو بشر ظرفِ خام ہے
لاریب مصطفیٰؐ پہ نبوّت تمام ہے

حاصل یہاں بقائے نبوّت کا ہے سوال · تعلیمِ مصطفیٰؐ ہوئی کس طرح لازوال
وہ کون ہیں کہ فخرِ نبوت ہے جن کا حال · کن سے ہوئی ہے قوتِ الحاد پائمال
دینِ رسولؐ کن کی وفا سے جواں ہوا
وہ کون ہیں کہ جن پہ خدا مہرباں ہوا

اے ہم نشیں! فضول ہے دُنیا کی جستجو · تقصیر کے چمن میں نہیں معرفت کی بُو
اُن سے ملے گی تجھ کو صداقت روی کی خُو · جن کے عمل سے آج ہے یزداں کی آبرو
حاصل ہیں وہ حدیقۂ وحدت کے پھول کا
ہے جن لبوں میں شہد زبانِ رسولؐ کا

وہ کون! مصطفیٰؐ کے نواسے حسنؑ حسینؑ
حیدرؑ کے لال فاطمہؑ زہرا کے نورِ عین
عزّت کی رُوح، عظمتِ ایوانِ قبلتین
انساں نواز، قافلۂ زندگی کا چین
مثلِ رسولؐ جن کا عمل بے مثال تھا
جن کے نفس نفس میں خدائی کمال تھا

تھے جو شریف عزم و یقیں وہ حسنؑ حسینؑ
تھی سجدہ بار جن کی جبیں وہ حسنؑ حسینؑ
کہیے جنہیں بقائے زمیں وہ حسنؑ حسینؑ
جن کا کوئی جواب نہیں وہ حسنؑ حسینؑ
جو کائناتِ ہوش کے پروردگار تھے
جو مصطفیٰؐ کے بعد رسالتؐ وقار تھے

حُسنِ قبول جن کا عمل وہ حسنؑ حسینؑ
غالب ہوئی نہ جن پہ اجل وہ حسنؑ حسینؑ
جو تلخیوں میں کیفِ عسل وہ حسنؑ حسینؑ
جو انقلابِ جنگ و جدل وہ حسنؑ حسینؑ
رگ رگ میں جن کی عشقِ خدا کا خمار تھا
جن کو چمن کے پیار میں کانٹوں سے پیار تھا

اسلام کے چمن کی حفاظت کا انتظام
دونوں کے خونِ دل کی عبارت ہے لاکلام
خاموشیِ حسنؑ نے دیا امن کا پیام
گویائیِ حسینؑ نے دی قوّتِ دوام
خوشبو جو شاخ شاخ مزاجِ حسنؑ نے دی
رُوحِ ابد حسینؑ کے خونیں کفن نے دی

دیکھا وطن میں ایک نے دلسوز انقلاب
تھا ایک پر وطن سے بہت دُور قحطِ آب
گھر میں اگر حسنؑ کو ملا جامِ اضطراب
میدان میں حسینؑ کے غم کا نہیں جواب
دونوں کی آنکھ وقت کا نازک سوال تھی
دونوں کو حفظِ شرع میں فکرِ کمال تھی

دنیائے عقل و ہوش کے دونوں تھے تاجدار　　تقدیر مصلحت پہ تھا دونوں کو اختیار
جیتا کسی نے صلح سے میدانِ کارزار　　کھینچی کسی نے پیاس کے عالم میں ذوالفقار
اُبھری کسی کی بات حکومت کو چھوڑ کے
رکھ دی کسی نے ظلم کی گردن مروڑ کے

دونوں نے ہر قدم پہ وہ پیغامِ حق دیا　　جس نے ہر انقلاب کا زخمِ جگر سیا
دونوں نے حسبِ حال ہر اک غم اُٹھا لیا　　زہر ایک نے پیا تو جہاد ایک نے کیا
اِک ہنس دیا جو اپنے دلِ پاش پاش پر
اِک مُسکرا دیا علی اکبرؑ کی لاش پر

حق تلفیوں پہ ایک نے ڈالی نگاہِ صبر　　تشنہ لبی سے ایک نے کاٹا گلوئے جبر
ظلم و ستم جو ایک پہ برسے مثالِ ابر　　تنہا بنائی ایک نے اپنے پسر کی قبر
مرنے پہ ایک تیروں سے غربال ہو گیا
صحرا میں ایک گھوڑوں سے پامال ہو گیا

سفیانیت پرست نگاہوں کا اژدہام　　مانندِ سیلِ آب رواں تھا جو سوئے شام
خطرے میں تھا مکانِ الٰہی کا احترام　　اسلام کا وجود تھا لیکن برائے نام
قانونِ مصطفٰےؐ کی تباہی قریب تھی
تا حشر اہلِ کفر کی شاہی قریب تھی

پہنے ہوئے تنوں پہ لباسِ مُنافقت　　اُٹھے تھے لوگ دین میں بہرِ مداخلت
باطن میں تھی جو دولتِ ہستی کی منفعت　　ظاہر میں کر رہے تھے محمدؐ کی منقبت
تھی دُشمنی جو فاتحِ بدر و حنین سے
اُلجھے علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسینؑ سے

اربابِ مملکت کی سیاست بھری نظر   تھی منتظر کہ وحدتِ مسلم ہو منتشر
پیدا کئے وہ جنگ کے سامانِ پُرخطر   اغلب یہ تھا رہے نہ شریعت زمین پر
تھی جدوجہد خواہشِ دولت کے واسطے
تلوار تھی حصولِ حکومت کے واسطے

لیکن حسنؑ کی چشمِ حق انداز کے نثار   ہر اک نفس پہ ہو گئی نبّاضِ روزگار
ڈھالی شعورِ امن میں تصویرِ گیر و دار   جھیلے وقارِ ضبط میں سفیانیت کے وار
یُوں مصلحت کا جام لبوں سے لگا لیا
قرآں کو تفرقے کی اجل سے بچا لیا

یوں حل کئے نظامِ زمانہ کے مسئلے   حیرت میں ہیں جہانِ تدبّر کے مشغلے
اُٹھے تھے جن کے سینوں میں خونریز ولولے   منّت کشِ وغا نہ ہوئے ان کے حوصلے
نرمی سے ہر غضب کو تہِ تیغ کر دیا
رنگِ سکوں، فساد کے خاکے میں بھر دیا

فطرت جو تھی مزاجِ نبوّت سے ہمکنار   ٹھکرا دیا حکومتِ ظاہر کا اقتدار
غربت کے موتیوں کو بنایا گلے کا ہار   پر مقصدِ نگاہ رکھا ہاشمی شعار
وقت آ گیا تو رحم کیا مُسلمین پر
بہنے دیا نہ خون کا دریا زمین پر

نکلیں نہ جب حسنؑ پہ جفاؤں کی حسرتیں   بدلیں، ستم شعار زمانہ کی حرکتیں
ہونے لگیں تلاشِ قیامت کی ساعتیں   رکھیں حسینؑ کے لئے جُملہ عداوتیں
ظالم بلا کے تیر چلانے پہ تُل گئے
زہراؑ کا ہر چراغ بجھانے پہ تُل گئے

گذرے نہ دس برس کہ نمایاں ہوئی وہ بات　　شرمائی ابر کفر کی تاریکیوں سے رات
یوں بن گئی مذاق رسولِؐ خدا کی ذات　　ذکرِ فضول ہو گئیں پیغمبریؐ صفات
حق سے یزیدیت کی ہوا کھیلنے لگی
اسلام کی جبیں پہ قضا کھیلنے لگی

اٹھی اُدھر جو شام کے محلوں سے بادِ شر　　خودداریِ حسینؑ نے لیں کروٹیں اِدھر
اٹھا اُدھر یزید لئے کفر کی سپر　　شمشیر لافتیٰ نے اٹھائی اِدھر نظر
بیعت وہاں سوال کے سانچے میں ڈھل گئی
غیرت یہاں علیؑ کے پسر کی مچل گئی

قبضے پہ ہاتھ ڈال کے یوں دے دیا جواب　　شکرِ خدا حسینؑ ہے فرزندِ بوترابؑ
باطل سے کیا ملے گا حقیقت کا آفتاب　　ممکن نہیں ارادۂ فاسق ہو کامیاب
غالب معاویہ کا پسر ہو محال ہے
زہراؑ کا لال، فاتحِ خیبر کا لال ہے

ناناؐ کے دین نے جو پکارا بصد محن　　اٹھا مدد کو وارثِ پیغمبرِ زمنؐ
پوشاکِ زندگی کو بنائے ہوئے کفن　　آواز دی کہاں ہو مری غمزدہ بہن
اسلام کی حیات بچانے کا وقت ہے
زینبؑ اٹھو جہاد پہ جانے کا وقت ہے

زینبؑ سنو جفاؤں میں اسلام کی پکار　　سُن کر جسے حسینؑ کا دل ہو گیا فگار
بھائی کی ہر بلا میں تمہیں ہو شریکِ کار　　اُٹھو وہ دِن بھی آ گیا، تھا جس کا انتظار
بھائی چلا ہے منزلِ ویراں کے واسطے
تُم بھی چلو فرائضِ اعلاں کے واسطے

حیدرؑ کی لاڈلی نے جو بھائی سے یہ سُنا بے ساختہ کہا مرے ماں جائے، مرحبا
اس ہمتِ جلیل پہ انسانیت فدا حاضر ہے یہ بہن جو مرے بھائی کی رضا
پردے کے واسطے ہو کہ تشہیر کے لئے
زینبؑ جہاں میں آئی ہے شبیرؑ کے لئے

اے ہم نشیں، صداقتِ اسلام کی قسم اسلام کا وقار ہے بھائی بہن کا دم
بھائی کا سر جو دین کی خاطر ہوا قلم بے پردگی بہن کے لئے تھی قدم قدم
بھائی نے کربلا میں بھرا گھر لُٹا دیا
کس واسطے، بہن نے یہ مقصد بتا دیا

بھائی کا سر جو نوکِ سناں پر ہوا گہن مظلوم بازوؤں میں بہن کے بندھی رسن
بھائی رہا جو دشت میں بے گور و بے کفن داخل ہوئی یزید کے دربار میں بہن
بھائی نے گر جہاد میں حجت تمام کی
تاریکیاں بہن پہ کٹیں قیدِ شام کی

◆◆

شہرِ مُعلّیٰ

(صحرائے کربلا کی عظمت اور مصائب اہلبیتؑ)

۵۲ بند۔ ۱۹۵۸ء

maablib.org

❖❖

صدقے ترے دیار کی راہوں پہ کہکشاں
گذرا ہے جن پہ تیرے ستاروں کا کارواں
دنیا میں کس زمیں کو ملیں یہ بلندیاں
شرمائے جس کے اوج پہ تجدیدِ آسماں
تُو نے جگر کا خون ملا کر سجا دیا
حق نے جوابِ عرش معلّٰے بنا دیا

❖❖

maablib.org

شہرِ معلیٰ

معراجِ عقل و فکر ہے سودائے کربلا فطرت کا ارتقا ہے تجلّائے کربلا
پیتا ہوں صبح و شام جو صہبائے کربلا میری متاعِ ہوش ہے مینائے کربلا
مستی ہے جس کا نام مرے دل کا چین ہے
میں بادہ خوار ہوں مرا ساقی حسینؑ ہے

پیتا ہوں جامِ عشق بہ عنوانِ کربلا کیفِ سخن ہے بُوئے گلستانِ کربلا
ہمدم نہ پوچھو شدّت ارمانِ کربلا میری جبیں ہے اور درِ سلطانِ کربلا
ہر فاصلے پہ ڈال کے وسعت یقین کی
آنکھوں سے کھینچتا ہوں طنابیں زمیں کی

کرتا ہوں دمبدم چمنِ مرتضیٰؑ کی سیر دولت سرائے عشق و جہانِ وفا کی سیر
اے ہمنشیں یہ سیر نہیں کربلا کی سیر حاصل ہے مجھ کو فرش پہ عرشِ خدا کی سیر
کیا ہے جو رشکِ طائرِ سدرہ شعور ہے
نظروں میں مصطفےٰؐ کے ستاروں کا نُور ہے

کہتی ہے مجھ سے شام و سحر میری بیخودی   گزرے ابوترابؑ کے پھولوں میں زندگی
کرتا ہے یُوں کلام مرا ذوقِ شاعری   جاری رہے زباں پہ کہانی حسینؑ کی
پیغامِ زندگی مرے دِل کی صدا میں ہے
میں ہوں یہاں، دماغ مرا کربلا میں ہے

میرے تصوّرات کی چھلکی ہوئی شراب   ہے مستیوں میں کوثر و تسنیم کا جواب
پیاسوں کی سلطنت سے خیالات کا سحاب   لاتا ہے یوں جہانِ طبیعت میں انقلاب
ہر تازہ فِکر، خُونِ محبت رُلاتی ہے
رگ رگ سے یا حسینؑ کی آواز آتی ہے

آوازِ یا حسینؑ پہ اُٹھتی ہے جب نظر   کرتا ہوں بے خودی میں سُوئے کربلا سفر
کھلتے ہیں یُوں عقابِ محبت کے بال و پر   مظلوم کے مزارِ مقدّس پہ بیٹھ کر
سُنتا ہوں جب تقاضۂ فطرت قریب سے
کرتا ہوں یوں خطاب خُدا کے خطیب سے

اے کربلا کی خاک پہ سوئے ہوئے غریب   قربان تیری نیند پہ جاگے ہوئے نصیب
بے مثل تو صداقتِ اسلام کا خطیب   تیرا مزار آج بھی توحید کا نقیب
درجے وہ تیری خاک نے تکریم کے لیے
عالم جُھکا ہے سجدۂ تعظیم کے لیے

انساں کو تیرے نام پہ جائز غرور ہے   تُو انتہائے عشقِ خدا کا شعور ہے
ہستی میں تیرا ذِکر محبت کا نور ہے   جو تجھ سے دور ہے وہ شرافت سے دُور ہے
ڈھونڈے گی جب مفادِ جہاں کی بہار کو
چُومے گی زندگی ترے سنگِ مزار کو

کہتا ہے زندگی سے ترا گُنبدِ مزار — ہے رفعتِ ضمیر سے انسان کا وقار
اللہ رے تیرے خونِ مقدّس کی یادگار — کہیے جسے حدیقۂ اسلام کی بہار

جس پر شکوہِ دولتِ عالم نثار ہے
اے بے دیار، آج وہ تیرا دیار ہے

ایسا دیار فخرِ مدینہ کہیں جسے — دُنیا میں رشکِ نوحؑ سفینہ کہیں جسے
ایسا دیارِ حق کا نگینہ کہیں جسے — اللہ کی رضا کا خزینہ کہیں جسے

دامن میں جس کے خلّتِ وحدت کا نُور ہے
کعبہ نہیں یہ حُرمتِ کعبہ ضرور ہے

صدقے ترے دیار کی راہوں پہ کہکشاں — گذرا ہے جن پہ تیرے ستاروں کا کارواں
دنیا میں کس زمیں کو ملیں یہ بلندیاں — شرمائے جس کے اوج پہ تجدیدِ آسماں

تُو نے جگر کا خون ملا کر سجا دیا
حق نے جوابِ عرش معلّٰی بنا دیا

تجھ سے کھلی یہ بات محمدؐ کے بے وطن — غربت کے زیرِ پا ہے شہنشاہیِ زمن
اپنا چمن لُٹا کے لگایا ہے وہ چمن — کرتی ہے جس پہ رشک، ستاروں کی انجمن

حاصل نہیں جو گلشنِ لیل و نہار میں
وہ بے خزاں بہار ہے تیرے دیار میں

پائے جہاں سکون بھٹکتی ہوئی جبیں — منزل وہ حق نما ترے در کے سوا نہیں
کلیر کا بوستاں ہو کہ اجمیر کی زمین — کہہ دیں گے آج صاحبِ انصاف بالیقیں

ہستی کوئی نہیں تری ہستی کے سامنے
ہر شہر ہیچ ہے تیری بستی کے سامنے

ذرّوں میں تیرے خون کی سُرخی ہے جلوہ گر
یا مطلعِ بقا میں ہے تہذیب کی سحر
ہوتی ہے تیرے شہر میں تعمیرِ بام و در
یا مستقل روا ہے طمانچہ یزید پر
شہرہ ترے دیار میں آبادیوں کا ہے
یا جلوہ بار سبطِ نبیؐ زادیوں کا ہے

حیرت زدہ ہیں آج زمانے کے فکر بیں
ہونٹوں کو سی رہے ہیں قیامت کے نکتہ چیں
اب جلوہ گاہِ عشق ہے صحرا کی سرزمیں
یا زندگی کے رُوپ میں آئی تری "نہیں"
اب دشتِ آئینہ ہے ضیائے کثیر کا
یا کوئی شاہکار ہے تیرے ضمیر کا

لائے ہیں رنگ یوں ترے عزمِ جواں کے پھول
شرما گئے تصوّرِ کون و مکاں کے پھول
اتنے حسیں ہیں آج ترے گلستاں کے پھول
انساں کی نظر سے گرے آسماں کے پھول
کیا رنگ و بو ہیں تیرے گلاب و سمن کے بعد
جنّت کی آبرو ہے یہ تیرے چمن کے بعد

دیکھے کسی جلالِ حکومت کو کیا نظر
آنکھوں میں بس گئی ترے انوار کی سحر
ملتی ہے وہ ضیا، تری آرام گاہ پر
قربان جس پہ عالمِ صد مہر و صد قمر
انسانیت کو ناز ہے جس پر وہ نُور ہے
اے نازشِ کلیم تو ہی شمعِ طور ہے

یُوں تُو نے فتحِ عشق کی تاریخ کی رقم
ترمیم کر سکے گا نہ انسان کا قلم
کہتے ہیں آج ذہنِ مورّخ کے پیچ و خم
ہر شعبۂ حیات پہ غالب ہے تیرا دم
جس کا وجود قدرتِ حق کا جلال ہے
تیرا دیار آج وہ زندہ مثال ہے

کیا ہو گیا وہ شام کی دولت کا تخت و تاج   اب ہے کہاں یزید کا وہ حکمراں مزاج
دیکھے ترے دیار پہ جھکتا ہوا سماج   ملتا ہے آج کس کو عقیدت بھرا خراج
تجھ کو نصیب آج وہ دربارِ عام ہے
جس پہ عروجِ سطوتِ شاہی تمام ہے

تاریخ کہہ رہی ہے ابھی تک وہ داستاں   جب تیرے زائروں پہ برستی تھیں برچھیاں
اللہ رے تیرے چاہنے والوں کا امتحاں   آیا جو تیرا نام تو کاٹی گئی زباں
پھر بھی وہ یوں گذر گئے خنجر کی دھار سے
جیسے لپٹ کے روئے ہوں تیرے مزار سے

ہر وقت زائروں کا برستا ہوا سحاب   دیتا ہے آج آتشِ بغداد کا جواب
سرسبز ہے زمانے میں گلزارِ بوترابؑ   ہر دم ہے جلوہ گر بنی ہاشمؑ کا آفتاب
حق کی صدا بلند ہے باطل نہیں رہا
شبیرؑ رہ گیا متوکل نہیں رہا

جس نے کبھی چلائے تھے تیری لحد پہ ہل   اک دن تجھے مٹانے اٹھا تھا جو بدعمل
آواز دے رہی ہے اُسے آتشِ اجل   اپنی لحد سے تو متوکّل ذرا نکل
اپنی خزاں، حسینؑ کی فصلِ بہار دیکھ
کاٹی تھی جس پہ نہر اُسی کا مزار دیکھ

وہ حکمراں جسے کبھی قوت پہ تھا غرور   وہ بدشعار تھا جو خودی کے نشے میں چُو
جس کو ترا نشان مٹانے میں تھا سُرور   اُس کو سُنا رہا ہے تری سلطنت کا نُو
جُودِ حیات قصہٴ غم ہے بنا ہوا
مظلوم آج زندہ ہے، ظالم فنا ہوا

زندہ ہیں آج تیرے خیالاتِ سرمدی　　ے جملہ کائنات کے معمارِ زندگی
ممکن نہیں کہ خواہشِ فردوس ہو کبھی　　دیکھے اگر بشر تری بستی بسی ہوئی
روشن جہاں خدا کے بہتر چراغ ہیں
قربان اس زمین پہ رضواں کے باغ ہیں

محفل میں جیسے شمع کا اندازِ بے نیاز　　یوں درمیانِ شہر تری بارگاہِ ناز
جیسے بساطِ عرش پہ جبریلؑ کی نماز　　گنبد پہ تیرے حُسنِ تقدس کا امتیاز
تُربت نہیں ہے جنت کا پردہ لئے ہوئے
تقدیسِ انبیاء سے احاطہ کئے ہوئے

یا دامنِ تُراب پہ قرآنِ پاک ہے　　شکلِ ضریحِ قبر کا عنوان پاک ہے
یا تو حیات و موت کا سلطانِ پاک ہے　　اب نازشِ جہاں ترا ایوان پاک ہے
آرائش نہیں ترے صحنِ جمیل کی
گویا تجلّیاں ہیں مکانِ خلیلؑ کی

سایہ کئے ہے چادرِ زینبؑ مزار پر　　الی نہیں لحد پہ جہاں نے وثارِ زر
آتے ہیں یادگوشِ سکینہؑ لہو میں تر　　نیا بہ دستِ شوق چڑھاتی نہیں گہر
ہے سجدہ گاہِ عشق نشاں تیری قبر کا
یا حُسن آشکار ہے عابدؑ کے صبر کا

مغلوب جس سے طائرِ عقل ونظر کی بات　　تقدیرِ ہر وقار ترے بام و در کی بات
یا قابلِ خیال ہے یزداں کے گھر کی بات　　محراب کی زبان پہ خونِ جگر کی بات
تابندہ فرش ہے تری آرام گاہ کا
یاں پست ہے غرور یزیدی کلاہ کا

وہ تیری پائنتی وہ ترے لاجواب پھول　　جھولا جھلا رہا ہے جنہیں دامنِ بتولؑ
اِک صورتِ علیؑ ہے تو اک صورتِ رسولؐ　　قرآں میں جیسے کوثر و یٰسین کا نزول
سوتے ہیں وہ قیامتِ صغرا کی شام سے
مشہور ہیں جو اکبرؑ و اصغرؑ کے نام سے

اکبرؑ کا آج یوں ترے قدموں سے اتصال　　گویا ابھی جہاد پہ جانے کا ہے سوال
قرباں ترے شعور پہ اے فاطمہؑ کے لال　　کہتا ہے آج اپنی کہانی بہ طرزِ حال
روزِ جہاد کھینچ کے گردن سے تیر کو
اب تک گلے لگائے ہوئے ہے صغیر کو

پہلو میں تیرا دوست، ترا منتظم حبیبؓ　　جس کا مزارِ پاک تری شان کا نقیب
عاشور کو جو صورتِ پروانہ تھا قریب　　تا حشر اس کو تیری رفاقت ہوئی نصیب
یہ روشنی ہے اہلِ خرد کی نگاہ میں
سورج ہے دوستی کا تری جلوہ گاہ میں

تیرے قریب گنجِ شہیدانِ حق سروش　　رُوئے زمین پہ تیرا جہانِ وفا نیوش
آباد جس میں عرصۂ ہمت کے سرفروش　　یا مسندِ شرف پہ سلاطینِ عقل و ہوش
سوتے نہیں وہ جامِ شہادت پئے ہوئے
جیتے ہیں کائنات پہ قبضہ کئے ہوئے

وحدت کے عارفوں کی وہ محفل لگی ہوئی　　قربان جس پہ تا بہ قیامت ہر اک ولی
اب تک زہیرِ قینؓ سے باتیں بریرؓ کی　　وہ ابن عوسجہؓ کی ادا، وہبؓ کی خوشی
قبروں کا اتصال عجب داستان ہے
اب تک ترے شہیدوں میں تیرا بیان ہے

وہ تیرے سامنے ترے عباسؑ کا مزار اورنگِ زندگی پہ محبت کا تاجدار
دریا کے خشک ہونٹ یہ کہتے ہیں بار بار جیتے ہیں اس طرح سے جہاں میں وفا شعار
کیا رونقِ مزار سے خورشید ماند ہے
دامن پہ کربلا کے مروّت کا چاند ہے

اُف یہ تری سپاہ کے سالار کا جلال غالب نگاہ پر در و دیوار کا جلال
صدیوں کے بعد تیرے علمدارؑ کا جلال جیسے دلوں پہ حیدرِؑ کرار کا جلال
شاہوں کے دل لرزتے ہیں جس سے وہ شان ہے
عباسؑ کا مزار تری آن بان ہے

تیرے قریب تیرا ہراول حُرؓ جری جس نے متاعِ صبحِ مقدر خرید لی
عالم میں داستان ہے جس کے نصیب کی رُومالِ فاطمہؑ سے ملی جس کو زندگی
خود کو ترے قدم پہ نچھاور کیے ہوئے
زندہ ہے جو شہادتِ اوّل لیے ہوئے

وہ فاصلے پہ عونؑ و محمدؑ کی یادگار زینبؑ کی تربیت کا نتیجہ بروئے کار
منظر میں ہے کھلی ہوئی تاریخِ کارزار یا تیرے بھانجوں پہ کمالِ وغا نثار
تیغوں کی بجلیوں میں کہاں تک چلے گئے
قبریں وہیں بنیں کہ جہاں تک چلے گئے

جب تیرے خیمہ گاہ کی تعمیر دیکھ کر ماضی کے آئینے میں حقیقت پہ کی نظر
سیدانیوں کے حال پہ روئے دل و جگر وہ آگ اور وہ ثانیِ زہراؑ برہنہ سر
پیاسوں پہ بے کسی میں ستم فوجِ شام کا
تیرے یتیم اور وہ جلنا خیام کا

وہ تیرے اہلِ بیتؑ کا عالم جگر فگار
نامحرموں کے بیچ میں وہ تیرے پردہ دار
تجھ کو پکارنا وہ سکینہؑ کا بار بار
وہ شمر کے طمانچے وہ باقرؑ کا اضطرار
آمادہ ظلم و جور پہ یوں بدشعار تھے
سیدانیوں کی پشت پہ دُرّوں کے وار تھے

زینبؑ کا اضطراب میں سجادؑ سے کلام
بیٹا، اٹھو حسینؑ کی بستی ہوئی تمام
ایسے میں وہ ربابؑ کے ہونٹوں پہ تیرا نام
قربان جس پہ عالمِ احساس کا نظام
ہنسنا کسی کا طوق کو گردن میں ڈال کے
اٹھنا ترے مریض کا بیڑی سنبھال کے

وہ کشمکش، وہ لُوٹ، وہ بڑھتا ہوا دھواں
وہ چھوٹے چھوٹے بچے، سواروں کے درمیاں
وہ ظالموں کا شور، وہ معصوموں کی فغاں
وہ ننھے ننھے ہاتھ، وہ لشکر کی برچھیاں
کس ماں کا دل، تو کس کا کلیجہ جُدا ہوا
ایسے میں کیا خبر کہ یتیموں پہ کیا ہوا

وہ تیری قتل گاہ کا منظر جگر خراش
تڑپی تھی جس پہ عصر کے ہنگام تیری لاش
وہ لاش تھی جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پاش پاش
جس کو اندھیری شب میں سکینہؑ نے کی تلاش
ویران دشت جس کا نگہبان رہ گیا
زینبؑ کو جس پہ رونے کا ارمان رہ گیا

اب تک ہے قتل گاہ کی مٹی میں وہ اثر
جس پر نثار عقلِ مسیحا کے بال و پر
اکسیر ہر مرض ہے تو درمان ہر بشر
عاشور کو نگاہ یہ کہتی ہے دیکھ کر
مٹی نہیں ہے معجزہ بے اشتباہ ہے
تیرے لہو پہ تیری صداقت گواہ ہے

باہر ترے مزار کے اونچا سا وہ مقام
وابستہ جس کے ساتھ ہے تیری بہن کا نام
تیرے گلے پہ دیکھ کے چلتی ہوئی حُسام
زینبؑ نے جس جگہ سے کیا تھا تجھے سلام
دُنیا میں آج تک وہ بلندی گواہ ہے
زینبؑ یہ کہہ رہی تھی کہ تو بے گناہ ہے

کچھ دُور خشک نہر کے آثار کی قسم
تاریخِ درد سینۂ گیتی پہ ہے رقم
احساس کی نگاہ سے دیکھے کوئی یہ غم
توڑا ہے کس کی یاد میں آبِ رواں نے دم
موجوں نے تیرے بعد کہیں منہ چھپا لیا
یا تیری تشنگی کو گلے سے لگا لیا

لاریب آج یہ تری بستی ہے بے مثال
لیکن یہ بات پوچھتا ہوں فاطمہؑ کے لال
خواہر سے جیتے جی تو محبت رہی کمال
دو گز زمیں کے واسطے آیا نہ کچھ خیال
بُوئے حیات کس لئے گلشن سے دُور ہے
زینبؑ کی قبر کیوں تیرے مدفن سے دُور ہے

انصاف کا مقام ہے اے نائبِ رسولؐ
مہکے ہیں جس کی وجہ سے تیرے چمن کے پھول
رونق یہ جس کی دربدری سے ہوئی حصول
کس طرح اُس بہن کی جدائی ہوئی قبول
کیسے بیاں کروں نہیں طاقت کلام میں
تُو کربلا کی خاک پہ ہے اور وہ شام میں

تیری بہن کا شام میں جانا ہے یادگار
بے پردگی کا بوجھ اٹھانا ہے یادگار
تیرے لہو کا راز بتانا ہے یادگار
خطبوں سے انقلاب کا لانا ہے یادگار
ہے تذکرہ جو تیرے چمن کی بہار کا
احسان ہے یہ آج اُسی غمگسار کا

زینبؑ سے آج تیری لحد کا نشان ہے
زینبؑ ترے عمل کا مکمل بیان ہے
زینبؑ سے کربلا کی زمیں آسمان ہے
زینبؑ سے آج تیری کہانی میں جان ہے
وہ اس کی بے کسی، وہ اسیری حیات میں
زینبؑ سے تیرا نام رہا کائنات میں

تاریخ جب سُنائے گی بھائی بہن کا حال
زینبؑ کے نام کی نہ ملے گی کوئی مثال
گلیوں میں شام کی وہ تماشائیوں کے جال
مجبور قافلے سے زمانے کے وہ سوال
دُنیا تو بازوؤں میں رسن دیکھتی رہی
نیزے پہ تیرے سر کو بہن دیکھتی رہی

ایسی بہن نہیں ترے پہلو میں اے حسینؑ
یہ بات لے گئی ترے شاعر کے دل کا چین
شاید یہی جواب ہے زہراؑ کے نُورِ عین
ہے مصلحت کے نام پہ تاریخ شور و شین
دونوں طرف بہار، نبیؐ کے چمن کی ہے
یہ تیری سلطنت وہ حکومت بہن کی ہے

مولاؑ یہی ہے اب ترے قیصرؔ کی آرزو
اٹھوں تیرے خیال سے محشر میں سرخرو
تیرے سوا نہ ہو کسی رہبر کی جستجو
ہو زینتِ کلام ترے گتاں کی بُو
حاصل مجھے اجل کے پسینے میں چین ہو
نکلے جو روح میرے لبوں پر حسینؑ ہو

◆◆

سلام

قیصر بارہوی

پیاس کے ابر کی تخلیق ہیں گوہر کیا کیا
خشک ہونٹوں نے اُچھالے ہیں سمندر کیا کیا

درد کی سیج بنا خونِ گُلِ تر کیا کیا
زخم لہرائے ہیں خوشبو کے بدن پر کیا کیا

تابشِ چہرۂ احساس بڑھی ہے لیکن
خون میں ڈوب گئے آئینہ پیکر کیا کیا

دوستو فکرِ گلستاں ہے تو اتنا سوچو
چند پھولوں نے سہے ناوک و خنجر کیا کیا

کبھی طائف میں، کبھی شام کے بازاروں میں
وحشتِ فکر نے برسائے ہیں پتھر کیا کیا

ایک مظلوم کا اندازِ فراست دیکھو
بھر دیے صبر کی شمشیر میں جوہر کیا کیا

یاد ہے دامنِ تاریخ میں سُورج کا لہو
روشنی روئی ہے مقتل کی زمیں پر کیا کیا

جنگِ بے شیر نے تسخیر کے دَر کھول دیے
اک تبسّم کو ملی قوّتِ لشکر کیا کیا

یہ تو عاشور کا طوفان بتا سکتا ہے
کشتی عظمتِ انساں کے ہیں لنگر کیا کیا

مسندِ بزمِ سخن اہلِ سخن دیتے ہیں
سُرخرو ہے درِ ممدوح سے قیصرؔ کیا کیا

عزّتِ وجُود

(حضرت امام حسینؑ کی فضیلتیں اور کربلا میں اہلبیتؑ کے مصائب)

۵۴ بند۔ ۱۹۵۸ء

maablib.org

❖❖

یہ نام گمرہوں کو رہِ مستقیم ہے
یہ نام فردِ جہل کو عقلِ سلیم ہے
مغرور عالموں کو الف لام میم ہے
یہ نام کج کلاہوں کو ضربِ کلیم ہے
اس نام نے فریب کی رنگت بگاڑ دی
خود ساختہ خداؤں کی صورت بگاڑ دی

❖❖

عزّتِ وجود

شبیرؑ کائنات کی عزّت کا نام ہے   یہ نام حُریت کا مقدّس پیام ہے
اس نام میں عمل کا تقدّس تمام ہے   یہ نام زندگی کے لئے امنِ عام ہے
سمجھا دیا معاملہ حقِ سجود کا
یہ نام آئینہ ہے خدا کے وجود کا

یہ نام وہ ہے جس نے دیا معرفت کا نور   اس نام سے حقیقتِ اسلام کا ظہور
یہ نام وہ ہے جس سے ملا عجز کا شعور   یہ نام وہ ہے جس نے جھکایا سرِ غرور
جیتے ہیں کس طرح یہ طریقہ سکھا دیا
اس نام نے بشر کو مہذّب بنا دیا

یہ نام اہلِ عشق کی طاہر شراب ہے   یہ نام ظلمتوں کے لئے آفتاب ہے
شاہوں کی نخوتوں کا یہی سدِ باب ہے   یہ نام پُر غرور سخن کا جواب ہے
فرعونِ وقت کے لئے دریائے نیل ہے
یہ نام لاشریک کی روشن دلیل ہے

یہ نام عابدوں کے لئے سجدہ گاہ ہے　　یہ نام قافلوں کے لئے شمعِ راہ ہے
یہ نام دینِ حق کی قسم دیں پناہ ہے　　یہ نام شرحِ اشہدُ ان لا الٰہ ہے
وحدت پکارتی ہے خدائے جلیل کی
یہ نام آبرو ہے مکانِ خلیلؑ کی

یہ نام بے نصیب کو پروانۂ نصیب　　یہ نام ہر مریضِ خدا کے لئے طبیب
زندہ دلی کا حوصلہ، ظرف آشنا خطیب　　ہادی تونگروں کے لئے، مونسِ غریب
تکمیل دے کے ولولۂ انقلاب کو
اس نام نے سکون دیا اضطراب کو

اس نام سے عیاں بشریت کے حوصلے　　اس نام سے ٹپکتے ہیں جاوید ولولے
اس نام میں بھرے ہیں شجاعت کے مشغلے　　اس نام پر نثار جگر سوز مرحلے
دل کا سکون ہوش و خرد کی مجال ہے
یہ نام ہر محاذ پہ انساں کی ڈھال ہے

یہ نام زندگی ہے محبت اسی میں ہے　　غیروں کو موہ لینے کی صورت اسی میں ہے
احساسِ دردِ قوم کی لذّت اسی میں ہے　　طوفاں سے کھیلنے کی حقیقت اسی میں ہے
دم ساز ہے جہان میں ہر دم کے واسطے
یہ نام اک سفینہ ہے عالم کے واسطے

یہ نام ہے تحفظِ غیرت کی داستاں　　یہ نام ہے بقائے شرافت کی داستاں
یہ نام ہے امارت و غربت کی داستاں　　یہ نام ہے دراصل محبت کی داستاں
یہ نام روشنی ہے جہانِ اُصول کی
یہ نام تازگی ہے اخوت کے پھول کی

یہ نام امن و صلح کی تفسیر بن گیا عالم کے اتحاد کی تصویر بن گیا
ہر نفس کو نجات کی تدبیر بن گیا اُبھرا تو کائنات کی تقدیر بن گیا
کامل یقین عظمتِ پیغام پر ہوا
قوموں کا اتفاق، اسی نام پر ہوا

یہ نام ہر خیال کا سرچشمۂ مُفاد یہ نام شش جہت میں عدالت کا انعقاد
یہ نام ہر زمانے میں غارت گرِ فساد یہ نام کائناتِ شریعت کا اعتماد
اس نام پر خدا کی مشیّت تمام ہے
یہ نام مصطفےٰ کی شرافت کا نام ہے

یہ نام گُمرہوں کو رہِ مستقیم ہے یہ نام فرد جہل کو عقلِ سلیم ہے
مغرور عالموں کو الف لام میم ہے یہ نام کج کلاہوں کو ضربِ کلیم ہے
اس نام نے فریب کی رنگت بگاڑ دی
خود ساختہ خداؤں کی صورت بگاڑ دی

اس نام نے اُلٹ دیئے نمرودیوں کے تخت اس نام نے سلادیئے، فرعونیوں کے بخت
اس نام نے جلا دیا شدّادیت کا رخت اس نام نے مٹا دیا ہر ایک عہدِ سخت
یہ نام تازیانہ ہے ظالم کے واسطے
انسانیت کا درس ہے حاکم کے واسطے

یہ نام فاسدوں کو قیامت کی ابتری یہ نام سرکشوں کے لئے دستِ جعفری
یہ نام قیصروں کو وقارِ پیمبری یہ نام مرحبوں کے لئے تیغِ حیدری
ٹکرائے آ کے اس سے کوئی کیا مجال ہے
اس نام سے اُلجھ کے سلجھنا محال ہے

اے ہم نشیں! یہ نام زمانے کا چین ہے ۔ انسانیت کی رُوح دلِ مشرقین ہے
اے ہم نشیں، اسی کے لئے شور و شین ہے ۔ یہ نام عُرفِ عام میں بیکس حسینؑ ہے
مشہور کائنات میں جو تشنہ کام ہے
یہ نام اُسی غریب مُسافر کا نام ہے

وہ تشنہ کام، خامسِ آلِ عبا حسینؑ ۔ وہ تشنہ کام کشتۂ جور و جفا حسینؑ
وہ تشنہ کام شاکر و صبر آزما حسینؑ ۔ وہ تشنہ کام، فاتحِ کرب و بلا حسینؑ
جس نے شکست دے کے جہانِ ممات کو
ڈھالا عمل کے سانچے میں نظمِ حیات کو

جو انتہائے اَوجِ مسلماں ہے وہ حسینؑ ۔ جو دینِ حق کا بولتا قرآں ہے وہ حسینؑ
جو ماسوا میں شاہِ شہیداں ہے وہ حسینؑ ۔ جو مشکلوں میں ہمّتِ مرداں ہے وہ حسینؑ
جس نے نبیؐ کے باغ کو شاداب کر دیا
دُنیا کو جس کی پیاس نے سیراب کر دیا

جو لفظِ کبریا کی صداقت ہے وہ حسینؑ ۔ جو ارتقائے مذہب و ملّت ہے وہ حسینؑ
ہر عہد میں جو امن کی صورت ہے وہ حسینؑ ۔ ہر دل پہ آج جس کی حکومت ہے وہ حسینؑ
جو باہمی خلوص کے موتی پرو گیا
جو دوسروں کے واسطے برباد ہو گیا

جو اِک محافظِ بشریت ہے وہ حسینؑ ۔ جو روحِ کاروانِ ہدایت ہے وہ حسینؑ
جو فاطمہؑ کے دودھ کی قوت ہے وہ حسینؑ ۔ جو آپ اپنے خون کی قیمت ہے وہ حسینؑ
دُنیا کو اتحاد کی دولت سے بھر دیا
جس نے بچھڑتے قافلوں کو ایک کر دیا

خود جس نے ہر جفا کو پکارا ہے وہ حسینؑ وہ جس نے ڈوبتوں کو ابھارا ہے وہ حسینؑ
فطرت کا رنگ جس نے نکھارا ہے وہ حسینؑ جو ساری کائنات کا پیارا ہے وہ حسینؑ
وہم و گماں کو ممکن و حاصل بنا دیا
جس نے ہر ایک موج کو ساحل بنا دیا

جو کوثرِ حیا کی روانی ہے وہ حسینؑ جو اصل میں نماز کا بانی ہے وہ حسینؑ
جو حق کی لازوال جوانی ہے وہ حسینؑ جو لافتیٰ کی تیغ کا پانی ہے وہ حسینؑ
جس کا وجود شاخِ نبوتؐ کا پھول ہے
جو صبر کا خدا ہے، وفا کا رسولؐ ہے

چھلکا نہ جس کے صبر کا پیمانہ وہ حسینؑ زندہ ہے جس کے درد کا افسانہ وہ حسینؑ
مرتا ہے جس کے نام پہ بیگانہ وہ حسینؑ ہر گھر ہے آج جس کا عزاخانہ وہ حسینؑ
اشکوں کی اوس ارضِ جہاں کے چمن میں ہے
وہ آج جس کا تذکرہ ہر انجمن میں ہے

جو عشقِ لامکاں کی نہایت ہے وہ حسینؑ جو انبیاء کے نفس کی عظمت ہے وہ حسینؑ
جو فصلِ امر و نہی میں حجت ہے وہ حسینؑ جو آخری فریضۂ طاعت ہے وہ حسینؑ
وہ جس کا سجدہ زیست کا پیغام بن گیا
وہ جس کا نام معنیِ اسلام بن گیا

وہ جس نے دل کو درد میں سمجھایا وہ حسینؑ جو نوجواں کی لاش اُٹھا لایا وہ حسینؑ
وہ جس نے خشک آنکھوں سے رُلوایا وہ حسینؑ جو اپنا گھر لٹا کے نہ گھبرایا وہ حسینؑ
وہ جس نے بیکسی میں طبیعت سنبھال لی
لختِ جگر کے سینے سے برچھی نکال لی

جس نے ستم اٹھا کے سکوں پایا وہ حسینؑ
جو زخمِ دل پہ شُکر بجا لایا وہ حسینؑ
جبریلؑ جس کے عزم پہ تھرّایا وہ حسینؑ
جو بے زباں کو رن میں سُلا آیا وہ حسینؑ
آنکھوں پہ پردہ ڈال کے صبر و قرار کا
چہرہ پہ جس نے خون ملا شِیر خوار کا

بُھولا نہیں زمانہ وہ عہدِ ستم گری
جس وقت تھی سروں میں ہوائے جہاں بھری
چھائی تھی جب شعور پہ دنیائے خود سری
تھا اِک فقط حسینؑ دلِ امن پروری
جس وقت عام شیوۂ نفسِ پلید تھا
قرآں کا لفظ لفظ شکارِ یزید تھا

یوں چل رہے تھے قوتِ طاغوت کے خدنگ
غالب تھے بیکسوں کی صدا پر رباب و چنگ
آئینہ کرم پہ چڑھا تھا ستم کا رنگ
بجتا تھا امن و صلح کی وادی میں طبلِ جنگ
حق کی حمایتوں کا صلہ قتل عام تھا
انساں کو سانس لینا بھی دُشوار کام تھا

فریاد کر رہی تھی شرافت یہ بار بار
ہے کوئی اس جہاں میں جو سُن لے مری پکار
خرمن کو پھونکے دیتے ہیں اُڑتے ہوئے شرار
دستِ ستم سے ہوتی ہے تخریبِ روزگار
جاؤں کہاں قرار کی منزل کوئی نہیں
ہاں اب مرے سفینے کا ساحل کوئی نہیں

تہذیب کی صدا تھی بچا لے مجھے کوئی
دستِ یزیدیت سے نکالے مجھے کوئی
مٹتا ہے میرا نام سنبھالے مجھے کوئی
دامن میں زندگی کے چھپا لے مجھے کوئی
کیا تیرگی مٹانے کی صورت نہیں رہی
کیا اب کسی ضمیر میں قوت نہیں رہی

گیتی زبانِ حال سے کہتی تھی الاماں	پانی ہے میرے سینے پہ اب خونِ بے کساں
اٹھا ہے قصرِ شام سے الحاد کا دھواں	ڈر ہے کہ جل نہ جائے زمانے کا گلستاں
کیا میرے درد کی بھی کسی دل میں راہ ہے
کیا اب جہان میں کوئی گیتی پناہ ہے

منہ سب کا دیکھتی تھی بھٹکتی ہوئی حیات	لیکن نہ مل رہا تھا کہیں دامنِ نجات
ایسا نہ تھا کوئی جو دکھا دے حدِ ثبات	خود کو مٹا دے اور رکھے زندگی کی بات
آسیبِ خودسری کی کلائی مروڑ دے
الحاد کا طلسمِ جہاں گیر توڑ دے

آواز آ رہی تھی یہ کعبہ سے دردناک	عالم یہی رہا تو اُڑے گی یہاں بھی خاک
مفقود ہو چکا مری عظمت کا انہماک	رُوحِ خلیلؑ ہے مرے دامن میں سینہ چاک
اب کون ہے جو میرے لئے سر کٹائے گا
دنیا میں میرے نام کی حُرمت بچائے گا

گونجیں فضا میں جب یہ صدائیں الم نواز	چھوٹا ہر ایک ہاتھ سے عقل و خرد کا ساز
تھرّا کے سرد ہو گئے دنیا کے تیغ باز	اُٹھی نہ مفتیوں کی سسکتی ہوئی نماز
داناؤں کو سکوت کی سوگند ہو گئی
قرآں کے حافظوں کی زباں بند ہو گئی

جتنے تھے سورما وہ بنے تھے شکستہ پر	ڈالے تھے بردبار گریباں میں اپنا سر
قاضیِ وقت دیکھ رہے تھے اِدھر اُدھر	اصحاب پھر رہے تھے چُرائے ہوئے نظر
جو کر رہے تھے عشق کا دعویٰ زبان سے
وہ گھر میں چُھپ کے بیٹھ رہے خوفِ جان سے

فطرت نے تب کہا کہ مدد کیجئے حسینؑ
اسلام مٹ رہا ہے خبر لیجئے حسینؑ
سوتی ہے کائنات جگا دیجئے حسینؑ
اہلِ جہاں کے زخمِ جگر سیجئے حسینؑ
اٹھا ہے بحرِ ظلم کا طوفان آیئے
اے ناخُدا سفینۂ عالم بچایئے

اب آپ ہی کا کام ہے اے نائبِ رسولؐ
بگڑا ہوا نظام ہے اے نائبِ رُسولؐ
حقانیت تمام ہے اے نائبِ رُسولؐ
انساں برائے نام ہے اے نائبِ رسولؐ
دم توڑتی ہے زیست، مرض کی دوا نہیں
اب آپ کے سوا کوئی عیسیٰؑ نما نہیں

چھایا جو تخت و فوق پہ یہ نالۂ حزیں
لبیک کہہ کے اُٹھا محمدؐ کا جانشیں
باندھی کمر، اٹھائے ہوئے بارِ مُرسلیں
ہمت پہ رُوحِ فاطمہؑ نے چُوم لی جبیں
آئی صدا نجف سے چمن کی بہار ہو
اس قوتِ ضمیر پہ حیدرؑ نثار ہو

یُوں تلملا گیا تھا پیمبرؐ کا مہ جبیں
غصے سے بار بار اُلٹتا تھا آستیں
بیعت کا جب سوال اُٹھا کہہ دیا نہیں
واللہ اس "نہیں" نے رکھی آبروئے دیں
برباد کر کے رکھ دیا ظلمِ شدید کو
ماریں فنا کی ٹھوکریں تاجِ یزید کو

رُختِ سفر اٹھا کے چلا حق کا رہنما
کچھ آ گیا خیال جو ماں کے مزار کا
آیا سوئے بقیع، وہ زہراؑ کا لاڈلا
رُخسار رکھ کے صدرِ لحد پر یہ دی صدا
چھٹتا ہے اب مدینہ مرے دِل کو تھام لو
اماں، غریب بیٹے کا آخر سلام لو

امّاں تمہارے لال سے چُھٹتا ہے آج گھر   امّاں تمہارے لال کا دُشمن ہے ہر بشر
امّاں تمہارے لال سے برگشتہ ہر نظر   امّاں تمہارے لال کا ہے آخری سفر
صحرا میں دل کے ٹکڑوں کی بستی بسائے گا
امّاں حسینؑ اب نہ مدینے میں آئے گا

امّاں! سکونِ قلب کی صورت بگڑتی ہے   امّاں! بلا قصور یہ دُنیا جکڑتی ہے
امّاں! وہ رونقِ بنی ہاشم اُجڑتی ہے   امّاں! تمہارے پھولوں پہ اب اوس پڑتی ہے
اب کربلا ہے اور یہ آفت نصیب ہے
امّاں! تمہارے گھر کی تباہی قریب ہے

امّاں! دُعا کرو کہ میں ثابت قدم رہوں   دُنیا خلاف ہو پہ ہراساں ذرا نہ ہوں
ہر لحمہ مسکرا کے ستم پر ستم سہوں   نظروں کے سامنے جو لٹے گھر نہ کچھ کہوں
امّاں! یہ آنکھ روئے نہ اکبرؑ کے واسطے
رعشہ نہ آئے ہاتھوں میں اصغرؑ کے واسطے

امّاں! مرے ارادوں کو آئے نہ کچھ زوال   جس وقت پائمال ہو بھتیا حسنؑ کا لال
امّاں! نہ کانپ اٹھیں یہ قدم بید کی مثال   گھوڑے سے جب گریں مری خواہر کے نونہال
امّاں! کمر جھکے نہ تمہارے فدائی کی
لاؤں جو لاش اٹھا کے برابر کے بھائی کی

امّاں! چھٹوں جو دشت میں ہر مہ جبین سے   دامن چُھٹے نہ صبر کا دستِ یقین سے
لاشے پہ لاشہ لاؤں جو رن کی زمین سے   پیارا نہ ہو مجھے کوئی نانا کے دین سے
پردیس میں نہ اشکِ محبت اُبل پڑے
صغرا کی یاد میں نہ کلیجہ نکل پڑے

لمّاں! کہیں نہ شکوۂ جور و جفا کروں لمّاں! جو بچپنے کا ہے وعدہ وفا کروں
خنجر پھرے جو حلق پہ یادِ خدا کروں اُمّت کے واسطے دمِ آخر دُعا کروں
لغزش نہ پیاس میں ہو دلِ پُرثبات کو
لمّاں، نظر اٹھا کے نہ دیکھوں فرات کو

ماں سے یہ کہہ رہا تھا ابھی ماں کا لاڈلا آواز آئی قبر سے اے میرے مہ لقا
صدقے تری مصیبت و غربت پہ فاطمہؑ بس اے حسینؑ بس کہ ہلا عرشِ کبریا
تڑپے ابوالحسنؑ بھی دلِ بے قرار سے
بیٹا! رسولؐ حق نکل آئے مزار سے

اے میرے لال تیرے ارادوں کے میں نثار یہ آخری سفر ہے مرے دل کا اضطرار
کیسے کہوں جو دل پہ گذرتی ہے گلعذار ہوتا ہے بے چراغ مرے باپ کا مزار
جو تجھ پہ ظلم ہوں گے یہ دُکھیا اٹھائے گی
بیٹا، یہ غم نصیب ترے ساتھ جائے گی

آنسو بہاؤں گی ترے رنج والم کے ساتھ آنکھیں بچھاؤں گی ترے نقشِ قدم کے ساتھ
زہراؑ نڈھال ہوگی ہر اِک تازہ غم کے ساتھ میرا کلیجہ نکلے گا پوتے کے دم کے ساتھ
گھبرا نہ میرے چاند، ہر اک دُکھ بٹاؤں گی
میں تیرے ساتھ لاشۂ اکبرؑ اٹھاؤں گی

جائے گا تو جو نہر پہ بھائی کی لاش پر میں تیرے ساتھ ساتھ چلوں گی برہنہ سر
بیٹا حسینؑ، کیا تجھے اس کی نہیں خبر عباسؑ تیرا بھائی، تو میرا دل و جگر
تو لاش اٹھائے گا تو صفِ غم بچھاؤں گی
میں گود میں کٹے ہوئے ہاتھوں کو لاؤں گی

بیٹا! حسنؑ کے لال کی خاطر نہ کر خیال
میرے حسنؑ نے تجھ پہ نچھاور کیا وہ لال
فدیے کے واسطے کوئی کرتا ہے یوں ملال
بیٹا! میں اُس گھڑی بھی رہوں گی شریکِ حال
غم ہر قدم اٹھا کے دل پاش پاش کے
ٹکڑے چنوں گی رن سے میں قاسمؑ کی لاش کے

بیٹا! حسینؑ اُس تری حالت کے میں نثار
لائے گا قتل گاہ میں جب اپنا شیر خوار
ہو جائے گا جو دشمنِ انسانیت کا وار
تڑپے گا میرے دل کی طرح تیرا گلعذار
اُس دم وہ خون پیشیِ داور کے واسطے
مل لُوں گی اپنے چہرے پہ محشر کے واسطے

ہاں میرے لاڈلے مری زینبؑ سے ہوشیار
بے پردہ ہو نہ جائے کہیں میری پردہ دار
محمل کے ساتھ ساتھ ہو عباسِؑ ذی وقار
تاکید ہو یہ اکبرؑ مہ رُو کو بار بار
آمادہ ہر قدم پہ رہے پیشوائی کو
تکلیف ہو نہ راہ میں زہراؑ کی جائی کو

لے اب لحد سے اُٹھ میرے دلدار، الوداع
آئے کہیں نہ دین پہ آزار، الوداع
حق سے چھڑی ہے کفر کی پیکار، الوداع
کعبے کی چادروں سے خبردار، الوداع
بیٹا ہر ایک تجھ سے دُرِ بے بہا چھنے
لیکن نہ زندگی میں بہن کی ردا چھنے

جا مرقدِ رسولؐ پہ اب میرے لالہ فام
لازم ہے نانا جان کو بھی آخری سلام
دینا مری طرف سے یہ حسرت بھرا پیام
ممکن نہیں مدینے میں زہراؑ کرے قیام
تم بھی لہو میں اپنا چمن دیکھنے چلو
زینبؑ کے بازوؤں میں رسن دیکھنے چلو

جس دم سنا حسینؑ نے زہراؑ کا یہ جواب　　اُبھری دل و نظر میں تمنائے انقلاب
چہرے پہ مسکرانے لگا دین کا شباب　　اُٹھتے ہوئے لحد سے کیا آخری خطاب

یوں خونِ دل سے رنگ بھروں گا حیات میں
زندہ رہے گا دینِ خُدا کائنات میں

◆◆

پیکرِ عظمت

(امام حسینؑ کے وقیع کارنامے اور شہادت)

۴۶ بند۔ ۱۹۵۱ء

◆◆

اے فاطمہؑ کے لال، مسلماں کے سر کے تاج
دیتی ہے کائناتِ محبت تجھے خراج
اُبھرا ترے وجود سے ڈُوبا ہوا سماج
باقی ہے تیرے نام سے تہذیب کا رواج
وحدانیت کا مقصدِ اعلانیہ ہے تُو
پائندگیِ کشورِ اسلامیہ ہے تُو

پیکرِ عظمت

تُو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ
تُو ارتقائے فکرِ پیمبرؐ ہے اے حسینؑ
تو انتہائے مرضیِ داور ہے اے حسینؑ
تو اہلِ زندگی کا مقدر ہے اے حسینؑ

بُنیادِ حُریت ہے اثر تیری بات کا
عنواں ہے تیرا نام کتابِ حیات کا

تُو خاتمِ شعورِ قیادت ہے اے حسینؑ
تو واقفِ تموّجِ فطرت ہے اے حسینؑ
تو معنیِ اُصول و طریقت ہے اے حسینؑ تو
تو موجدِ نمازِ محبت ہے اے حسینؑ

کعبے کی بندگی ہو کہ تقدیسِ دیر ہو
باطل ہے وہ نماز جو تیرے بغیر ہو

تو صبحِ کائنات کی طلعت ہے اے حسینؑ
تو زندگی کے واسطے رحمت ہے اے حسینؑ
تو معرفت کی آخری آیت ہے اے حسینؑ
تو مصطفےٰؐ کے نفس کی صورت ہے اے حسینؑ

جب قومیّت بچانے کا ہنگام آئے گا
دشمن کی بھی زباں پہ ترا نام آئے گا

ایماں ہے جس کا زر وہ خزینہ تُو ہی تو ہے   حق جس کی آب ہے وہ نگینہ تُو ہی تو ہے
توحید جس کا دل ہے وہ سینہ تو ہی تو ہے   اُبھرا جو ڈوب کر وہ سفینہ تو ہی تو ہے

سر دے دیا مگر نہ کہیں اپنی بات دی
تو ہی تو ہے کہ موت کو جس نے حیات دی

غالب جو موت پر ہے وہ انساں تُو ہی تو ہے   جو رُک سکا نہ اُٹھ کے وہ طوفاں تو ہی تو ہے
لاتفسدو فی الارض کا فرماں تو ہی تو ہے   جس کو ملی زبان وہ قرآں تو ہی تو ہے

جب ہر خیال موردِ الزام بن گیا
تیرا قدم محافظِ اسلام بن گیا

تیرا وجود صنعتِ قدرت کا شاہکار   تیرا ضمیر معنیِ قرآنِ کردگار
فطرت کی شاہراہ ہے تیرے لہو کی دھار   تُو اے حسینؑ وقت پہ توحید کی پکار

غلبہ کیا تھا دین پہ جب کفرِ شام نے
عزت نبوتوں کی رکھی تیرے نام نے

خنجر کی دھار پر وہ تری حق نما خودی   کہیے حقیقتاً جسے تقدیرِ زندگی
وہ سجدۂ نیاز، وہ معصوم دلکشی   معبود اور عبد میں وہ شان باہمی

ایسے میں تُو جو حقِ وفا مانگنے لگا
خود کبریا بھی تیری رضا مانگنے لگا

ہمت ترے نثار وہ ہمت لئے اُٹھا   مظلومیت میں عالمِ قوت لئے اُٹھا
کچھ اس طرح سے فکرِ قیادت لئے اُٹھا   تاحشر فتحِ دین و سیاست لئے اُٹھا

تجھ سے جہاں میں اہلِ خرد کا نشاں ہے آج
تیرا خیال منزلِ ہر کارواں ہے آج

نخوت کا نام تابہ قیامت مٹا دیا ظلم و جفا کو موت کا ساغر پلا دیا
دنیا کو مقصدِ بنی ہاشمؑ بتا دیا جب اٹھ گیا، چراغ یزیدی بجھا دیا
خود کو اٹھا کے جبرِ حکومت کے سامنے
کثرت کا سر جھکا دیا قلت کے سامنے

لاریب تو ہے مہرِ درخشانِ زندگی زیبا تجھے صدارتِ ایوانِ زندگی
تیرا شعار بوئے گلستانِ زندگی تو نے دیا زمانے کو فرمانِ زندگی
انسانیت پہ راج ہے تیرے اُصول کا
تو وارثِ تمام ہے قدرِ رسولؐ کا

ٹکڑے تری نگاہ سے قانونِ قیصری قرباں ترے قدم پہ کلاہِ سکندری
قائم ترے عمل سے وقارِ پیمبریؐ ظاہر ترے نظام سے آئینِ داوری
سیراب کر کے خون سے وحدت کے پھول کو
بخشا ہے تُو نے تاجِ شہادت رسولؐ کو

شوکت میں، دبدبے میں، فنِ کارزار میں ہمت میں اور تحمل و صبر و قرار میں
جود و سخا میں طاعتِ پروردگار میں لائے حسینؑ تجھ سا کوئی روزگار میں
اس طرح کون موردِ رنج و الم رہا
تو ہی تھا اے حسینؑ جو ثابت قدم رہا

اے فاطمہؑ کے لال مسلماں کے سر کے تاج دیتی ہے کائناتِ محبت تجھے خراج
اُبھرا ترے وجود سے ڈُوبا ہوا سماج باقی ہے تیرے نام سے تہذیب کا رواج
وحدانیت کا مقصدِ اعلانیہ ہے تُو
پائندگیِ کشورِ اسلامیہ ہے تُو

اُس وقت جب جہاں میں درِ ظلم باز تھا　　غالب حقیقتوں پہ فریبِ مجاز تھا
بگڑا ہوا اُصولِ تمدّن کا ساز تھا　　طوفاں کی زد پہ دینِ خدا کا جہاز تھا
اُس دور میں حمایتِ حق کی سپر لئے
تو ہی اُٹھا تھا اپنی ہتھیلی پہ سر لئے

چھایا ہوا تھا کفر پریشاں تھی زندگی　　اک آگ سی تھی سارے جہاں میں لگی ہوئی
انسان تھے پہ نام کو انسانیت نہ تھی　　برباد ہو رہی تھی کمائی رسولؐ کی
اُس وقت تُو نے بارِ شہادت اُٹھا لیا
باغِ رسولؐ دورِ خزاں سے بچا لیا

اسلام کے شباب پہ آیا تھا جب زوال　　پیشِ نظر حفاظتِ قرآں کا تھا سوال
اللہ رے، حسینؑ ترا نفسِ بے مثال　　دل کا سکوں بنا لیا اندیشۂ ملال
جب ہر نفس نے راہِ گریز اختیار کی
تو نے جوانیِ علی اکبرؑ نثار کی

اے دیں پناہ، محسنِ عالم ہے تیری ذات　　انساں پہ تُو نے سہل کی، دشواریِ ممات
سر دے کے یوں بدل دیا مفہومِ کائنات　　خودداریِ ضمیر ہوا مقصدِ حیات
غیر از خُدا کبھی نہ درِ غیر پر جُھکے
یعنی بلند ہو کے نہ مُسلم کا سر جُھکے

تُو نے حسینؑ، کفر کو حق سے جدا کیا　　تو نے حسینؑ، نامِ فنا کو بقا کیا
تُو نے حسینؑ، عزم کو عزمِ وفا کیا　　تو نے حسینؑ، عشق کو عشقِ خدا کیا
تھے جو رہِ رضا کے طریقے سکھا دیے
تُو نے حسینؑ معنیٔ قرآں بتا دیے

جھیلے خوشی خوشی غمِ دُنیا کے مرحلے گھٹنے دیئے نہ بڑھتے ہوئے دل کے ولولے
سوزِ عطش میں اُف، وہ تحمل وہ حوصلے جاری رہے خدا کی عبادت کے مشغلے
سجدہ زمینِ گرم پہ تیغوں کی چھاؤں میں
گویا سما رہی تھی مشیّت اداؤں میں

ٹھکرائیں ہر قدم پہ جہاں کی ولایتیں رکھ لیں نظر میں دینِ نبیؐ کی حمایتیں
دے کر عمل سے خلقِ خدا کو ہدایتیں لکھ دیں جگر کے خون سے قرآں کی آیتیں
ظلمت جہاں سے مٹ گئی اسلام رہ گیا
قائم رہی نماز ترا نام رہ گیا

جو برتر از گماں ہے وہ دولت خرید لی فطرت کی لازوال حکومت خرید لی
خلاّقِ دو جہاں کی مشیّت خرید لی سر دے کے اپنے خون کی قیمت خرید لی
دُنیا کو اے حسینؑ یہ منزل بہم نہیں
تیرا مزار، خانۂ کعبہ سے کم نہیں

اے مرتضیٰؑ کی شان، امامت کی آبرو اے انبیاؑ کے ناز، نبوّت کی آبرو
اے مصطفیٰؐ کی جان، رسالتؐ کی آبرو اے جملہ کائنات میں وحدت کی آبرو
تو ہی تو معرفت کا شعورِ تمام ہے
اسلام تیرے سجدۂ آخر کا نام ہے

تیرے بدن پہ زخموں کے ہنستے ہوئے گلاب آئینِ ضبط و شکر کی تصویرِ لاجواب
آنکھوں میں انتظارِ شہادت کا اضطراب کہیے جسے تحفّظِ توحید کا شباب
یوں بہہ رہے تھے خون کے قطرے جبین پر
گویا اُتر رہے تھے صحیفے زمین پر

قاسمؑ کی لاش اٹھانے کا انداز، مرحبا وہ لاش جس کے ٹکڑے تھے مقتل میں جا بجا
جلتی زمیں پہ بھائی کا گلشن لٹا ہوا پایا کہیں سے فرق، تو بازو کہیں ملا
ایسے میں تُو نے صبر کے دریا بہا دیے
بکھرے ہوئے کلیجے کے ٹکڑے اُٹھا لیے

وہ تیرے جاں نثار، سرافراز و کامیاب وہ تیرے منتخب کہ فدا جن پہ انتخاب
بے مثل، بے نظیر دو عالم میں لاجواب حق دار و حق گداز و حق آ گاہ و حق مآب
جانباز تھے، دلیر تھے، غازی تھے، مرد تھے
وحدت گواہ، فردِ محبت میں فرد تھے

وہ ان کے ولولے وہ صداقت بیانیاں زندہ ہیں جن کے دم سے خدا کی نشانیاں
وہ حوصلے، وہ دل وہ عمل کی جوانیاں قربان جن پہ تا بہ ابد کامرانیاں
تیری نمازِ عشق کے آئینہ دار تھے
دنیا میں انقلاب کے پروردگار تھے

ایسے وفا پرست کہ جن کی نہیں مثال تیغوں میں تھے بنے ہوئے نورِ خدا کی ڈھال
جنگ و جدل میں جن کے قدم صورتِ جبال نعرہ کریں تو کانپ اُٹھے عرصۂ قتال
لکھتا تھا کوئی نام جو خنجر کی آب پر
پیری میں مسکراتا تھا کوئی شباب پر

جو نصرتِ اللہ، دِل اُن کے کہاں لگے اُف تک نہ کی ہزار ستم کے نشاں لگے
پروا نہ کی کہ سینوں پہ زخمِ سناں لگے ماتھوں پہ بل نہ آئے جو گرزِ گراں لگے
نیند آ گئی تو فرشِ شہادت پہ سو گئے
انسانیت کے نام پہ قربان ہو گئے

جو تیرے ناصروں کی جبینوں سے تھی عیاں — وہ روشنی فلک کے ستاروں میں ہے کہاں
اللہ رے وہ وقار، وہ حشمت وہ عزّ و شاں — کرتا ہے رشک جن کی بلندی پہ آسماں
بھولے ہوئے جہاں کی ہر اک زیب و زین تھے
سب اپنے اپنے عزم میں گویا حسینؑ تھے

مانا کہ پھر نظامِ زمانہ بگڑ گیا — مانا کہ پھر یہ تفرقہ عالم میں پڑ گیا
مانا بشر سلاسلِ زر میں جکڑ گیا — مانا کہ آج باغِ اخوت اُجڑ گیا
لیکن یہ سارے داغ ترے غم سے دھو گئے
جب تیرا نام آ گیا سب ایک ہو گئے

تجھ پر سلام صبر کی دنیا کے تاجدار — تجھ پر سلام ملکِ صداقت کے شہریار
تجھ پر سلام گلشنِ توحید کی بہار — تجھ پر سلام احمدِ مرسلؐ کی یادگار
انساں کو زندگی کا قرینہ سکھا گیا
خود مر گیا زمانے کو جینا سکھا گیا

لایا کچھ ایسا رنگ ترے خون کا اثر — جنبش میں آسکے نہ حکومت کے بال و پر
عفریتِ سرکشی نے اٹھائی نہ پھر نظر — باقی رہے نہ کوفہ و بغداد کے شرر
یوں چھین لی حیاتِ یزیدی نظام سے
بیعت طلب نہ کی گئی پھر نو امامؑ سے

وہ دشتِ کربلا کا مرقع ہے یادگار — اس واقعے سے فطرت عالم ہے بے قرار
دنیائے عقل و ہوش میں پیدا ہے انتشار — ہے دو جہاں میں ہمّتِ معصوم کی پکار
اس دم صدائے ارض و سما دلخراش تھی
ہاتھوں پہ تیرے جب علی اصغرؑ کی لاش تھی

رُخصت کو وہ خیام میں آنا ہے یادگار کہنہ لباس تن پہ سجانا ہے یادگار
اہلِ حرم کو پاس بلانا ہے یادگار زینبؑ کو وہ گلے سے لگانا ہے یادگار
خرد و کلاں پہ جب ترا آخر سلام تھا
ایسے میں دل سنبھالنا تیرا ہی کام تھا

بامِ فلک پہ چاند محرم کا دیکھ کر انساں کہے گا تیری کہانی بچشمِ تر
پانی کے بند ہونے پہ ٹھہرے گی جب نظر روئے گی زندگی ترے بچوں کی پیاس پر
ہل جائیں گے کلیجے بہتر کی یاد میں
پھٹ جائیں گے جگر ترے اصغرؑ کی یاد میں

دنیا کے ہر خطیب کی ہوگی یہی پکار مظلومِ کربلا ہے شرافت کا تاجدار
جادو رقم ادیب لکھیں گے یہ بار بار حق ہے حسینیتؑ کی بقا آشنا بہار
شاعر جہاں چراغِ عقیدت جلائیں گے
نظموں کو تیرے نام کا پرچم بنائیں گے

ہر قوم کو دیے ہیں جو آزادیوں کے جام تجھ کو بھلائے گا نہ کسی قوم کا نظام
دنیا کے ہر محاذ پہ آئے گا تیرا نام ہر زندگی ادب سے کرے گی تجھے سلام
ذہنی ترقیوں کو اُجالا بنائیں گے
تجھ کو حسینؑ، غیر بھی اپنا بنائیں گے

مذہب کے پیر ہوں کہ سیاست کے راہبر مشرق کے نکتہ چیں ہوں کہ مغرب کے دیدہ ور
گوتم کے مقتدی ہوں کہ عیسیٰؑ کے دین پر آتش پرست ہوں کہ بتوں کے جواز گر
غیرت پسند اصول نہ توڑیں گے اے حسینؑ
انسان تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اے حسینؑ

عالم کے پیشواؤں کی تاریخ دیکھ کر بے ساختہ پکار رہی ہے ہر اک نظر
وہ عالمِ جہاد ہو یا غم کی دوپہر سبقت نہیں کسی کو ترے امتحان پر
بھائی کے غم میں تیغ چلانا کمال ہے
اکبرؑ کی لاش رن سے اٹھانا کمال ہے

کس کو ملا ہے ایسا کلیجہ علیؑ کے لال دی کس نے ضبط و صبر کی ایسی کوئی مثال
قاسمؑ کی لاش سامنے ہوتی ہو پائمال تڑپیں لہو میں عونؑ و محمدؑ سے نونہال
چہرے پہ خونِ ہدیۂ آخر لگا رہے
لیکن تری زبان پہ شکرِ خدا رہے

میداں میں یوں رسولؐ کا پرچم اٹھا لیا پنجے کے بدلے بھائی کا بازو لگا لیا
چادر بہن کی لے کے پھریرا بنا لیا ہم شکلِ مصطفےٰؐ کے لہو سے سجا لیا
آخر نشانِ دینِ محمدؐ کو تھامنے
عابدؑ کی بیڑیاں تھیں ہواؤں کے سامنے

تاریخ کے ورق پہ وہ منظر ہے اشکبار تو جس گھڑی فرس پہ ہوا آخری سوار
پردے سے کہہ رہا تھا یہ زینبؑ کا اضطرار بھیّا ذرا کرو علی اکبرؑ کا انتظار
تاخیر کیوں ہوئی مرے کڑیل جوان کو
کہہ دے کوئی سوار کرے بابا جان کو

وہ بار بار زوجۂ عباسؑ کی پکار دریا سے اُٹھ کے آؤ محبت کے تاجدار
بانوئے شاہِ دیں کو نہیں ہوش، میں نثار کیا ہو گیا غلام کو آقا ہوئے سوار
صاحب، ملے نہ داغِ یتیمی سکینہؑ کو
قربان جاؤں روک لو شاہِ مدینہؑ کو

اِک سمت بال کھولے ہوئے زوجۂ حسنؑ   قاسمؑ کو دے رہی تھی صدائیں بصد محن
ایسے میں کام آئے نہ اے میرے گلبدن   اتنا پسند آیا شہادت کا پیرہن
کچھ بھی نہ انتظار مرے مہ لقا کیا
تنہا چچا کو چھوڑ کے سوئے یہ کیا کیا

گوشے میں سر جھکائے ہوئے غمزدہ ربابؑ   کرتی تھی اپنے لال کے جھولے سے یوں خطاب
لاؤں کہاں سے جھولنے والے کا اب جواب   لے جائیں قتل گہہ میں جسے آسماں جناب
خالی ہے گود اور مقدّر زوال پر
قربان اب کسے کروں زہراؑ کے لال پر

اس وقت اے حسینؑ، ترے صبر کی بہار   باقرؑ کو چوم لینا سکینہؑ کو کر کے پیار
وہ غمزدوں کا، تیری تسلّی پہ اعتبار   جس کی ادا پہ آیتِ والعصر ہو نثار
خاموشیوں سے دامنِ سجادؑ بھر دیا
زینبؑ کو قافلے کا نگہبان کر دیا

◆◆

maablib.org

معراجِ وفا

(حضرتِ عباسِ علمبردار کی سیرت اور شہادت)

۵۳ بند۔ ۱۹۵۲ء

❖❖

عباسؑ میرا نام ہے، کیا ہے سپاہِ شام
آنے تو دیجے ہاتھ میں شبدیز کی لجام
کثرت ہے بزدلوں کی سواروں کا اژدہام
کہہ دے گی آپ خون اُگلتی ہوئی حسام
تیغِ دودم کا کھیت نرالا پڑا نہیں
شاید علیؑ کے شیر سے پالا پڑا نہیں

❖❖

معراجِ وفا

کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج
انسانیت میں کس کے عمل کی ضیا ہے آج
کس کا وقار عظمتِ دینِ خدا ہے آج
بزمِ جہاں میں کون ابد ماجرا ہے آج
پانی دیا ہے کس نے ریاضِ رسولؐ میں
کس کے نفس کی بُو ہے محبت کے پھول میں

دنیا میں ارتقائے بشر کا سبب ہے کون
مہرِ شعور نیّرِ بُرجِ ادب ہے کون
قرباں شجاعتیں، وہ شجاعِ عرب ہے کون
جس کو چُنا حسینؑ نے وہ منتخب ہے کون
حیرت ہے اس کے عزم پہ قلبِ ثبات کو
کس تشنہ لب نے فوجوں سے چھینا فرات کو

ہمدردیوں میں نُور ہے کس کے شعور کا
غمخواریوں میں حُسن ہے کس کے ظہور کا
اندازِ عشق ولولہ ہے کس حضور کا
فطرت ہے عکس کس کی ادائے غیور کا
کس کی ادا ہے نقشِ جبینِ حیات پر
قبضہ ہے آج کس کا دلِ کائنات پر

یکتا ہے کون مہر و محبت کے رنگ میں — سُرخی ہے کس کے خُوں کی شرافت کے رنگ میں
کس دل کی آبرو ہے صداقت کے رنگ میں — انسانیت ہے کس کی شہادت کے رنگ میں
جس سے تجلّی نیّرِ اعظم کی ماند ہے
یہ کون آسمانِ اطاعت کا چاند ہے

ہیبت کو تھرتھری ہے یہ کس کا جلال ہے — معنیِ فتح کس کی شجاعت کا حال ہے
قربان کس کی بات پہ لفظِ کمال ہے — تیغوں میں کون مصحفِ ناطق کی ڈھال ہے
کس کا لہو بیاضِ فلک کے ورق پہ ہے
تحریر کس کا نام، لوائے شفق پہ ہے

عظمت فروز احمدِ مختارؐ کون ہے — توحیدِ کبریا کا علمدار کون ہے
نصرت کو ناز ہے وہ مددگار کون ہے — حیدرؑ کی آبرو ہے وہ کرّار کون ہے
کن تیوروں کی شان دلِ پنجتنؑ بنی
محرابِ کعبہ کس کی جبیں کی شکن بنی

اصل وقار مصدرِ اوجِ شرف ہے کون — تاجِ شہِ نجف ہے وہ دُرِّ نجف ہے کون
توقیرِ عصرِ فخرِ جہانِ سلف ہے کون — ہے لفظِ عشق جس کا گہر وہ صدف ہے کون
دل جس کا پاسبان ہے وحدت کے باغ کا
پروانہ ہے یہ کون حسینؑ چراغ کا

ہے راہِ حق میں کس کی خودی سرِّ بیخودی — کس مرد کی وغا ہے کمالِ سپہ گری
روحِ علیؑ نے کس کی شجاعت پہ داد دی — کس نے زرہ بغیر ہزاروں سے جنگ کی
کس کے نشاں کی لاج میں ہے مصطفےٰؐ کی لاج
رکھی ہے کس کے ہاتھوں نے دستِ خدا کی لاج

کس کا خلوصِ قلب ہے تہذیب کائنات — کس کا جمالِ فکر ہے آئینۂ حیات
خیر العمل کی جان ہے کس باعمل کی ذات — کس کے شعورِ ہوش نے رکھ لی خرد کی بات
محسن ہے کون عالمِ انساں کے واسطے
قوت ہے کس کا نام مسلماں کے واسطے

جنت ہے کس شہیدِ منور کے خوں کی بُو — بوئے حسینؑ ہے کس دلِ مضطر کے خوں کی بُو
آتی ہے کس کے جسم سے حیدرؑ کے خوں کی بُو — ملتی ہے کس کے خوں میں پیمبرؐ کے خوں کی بُو
یہ انتہا کہ فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
کون اس طرح بہ نصِّ امامت حسینؑ ہے

کس نے جہاں میں حقِ رفاقت ادا کیا — کس نے عمل سے نصرتِ حق کا سبق دیا
کس نے کمالِ ضبط سے ہر زخمِ دل سیا — کس نے جہانِ نفس کا خود امتحاں لیا
موجوں کو غم ہے کس دلِ پُر اضطراب سے
دریا ہے کس کے سامنے پانی، حجاب سے

کس دل کے حوصلوں کی بلندی ہے آسماں — کس کی نظر سے پست ہے تنویرِ کہکشاں
تاریخ کہہ رہی ہے کسے رُوحِ کارواں — دریا ہے کس کے جذبِ حمیت کی داستاں
راندے ہوئے ہیں کون سے ناکام آب کے
اُلٹے پڑے ہیں شرم سے کوزے حباب کے

جاری لبِ فرات پہ ہے کس کی داستاں — کس کی وفا ہے واقعۂ کربلا کی جاں
لہرایا کس کے دوش پہ اسلام کا نشاں — تسکینِ اہل بیتؑ ہیں کس کی تسلّیاں
تکبیرِ عشق کس کی محبت کا ساز ہے
کس مرد پر حسینؑ سے انساں کو ناز ہے

کس نفسِ معرفت کا فسانہ ہے زندگی
آئینِ بندگی ہے ضیا کس کے قلب کی
پھیلی ہے کس سُہیلِ اطاعت کی روشنی
کس کا وجودِ ناز ہے آئینۂ علیؑ
عباسؑ جس کا نام ہے کون ارجمند ہے
دنیا میں آج کس کا علَم سربلند ہے

اہلِ وفا کی جان ہے کس کا دل و جگر
پیاسوں کا اضطراب ہے کس شیر کی نظر
برسے ہیں کس کے بعد ستم اہل بیتؑ پر
کس کی اجل نے توڑ دی شبیرؑ کی کمر
زینبؑ کی آس ٹوٹ گئی کس جری کے بعد
ذرّیتِ رسولؐ لُٹی کس جری کے بعد

آ ہم نشیں! سناؤں تجھے اُس جری کا حال
مظلوم جس کے بعد ہوا فاطمہؑ کا لال
جب مصطفےٰؐ کے باغ پہ آنے لگا زوال
سولہ پہر کی پیاس سے بچے ہوئے نڈھال
یوں اضطراب ننھے سے چہروں پہ چھا گیا
بچوں نے پانی پانی کہا اور غش آ گیا

تھی اُن میں چار سال کی اک دُخترِ حسینؑ
عباسؑ جانتے تھے جسے اپنے دل کا چین
پیاری تھی سارے گھر کی وہ حضرت کی نورعین
آیا اُسے جو ہوش تو بولی بہ شور و شین
کیجئے سبیل تشنہ دہانی کے واسطے
عمو سکینہؑ مرتی ہے پانی کے واسطے

عباسؑ نے سُنی جو بھتیجی کی یہ صدا
اُٹھا جگر میں درد، کلیجہ تڑپ گیا
فرمایا خون روتا ہے اس بات پہ چچا
قربان تیری پیاس کے اے میری مہ لقا
یہ کمسنی یہ رنج ترے دم کے واسطے
عباسؑ زندہ رہ گیا اس غم کے واسطے

اچھا ابھی فرات پہ جاتا ہوں غم نہ کھا پانی ابھی ترے لئے لاتا ہوں غم نہ کھا
یہ فوج کیا ہے دم میں بھگاتا ہوں غم نہ کھا اے لال، جاکے میں ابھی آتا ہوں غم نہ کھا
روکے گا مجھ کو راہ میں کس کی مجال ہے
بیٹا ترا چچا، اسدِ حق کا لال ہے

معصوم نے سُنا یہ تمنا بھرا کلام پھیلا کے ہاتھ دوڑ کے لپٹی وہ لالہ فام
بولی نثار اپنے چچا کے یہ تشنہ کام اصغرؑ کو بھی پلاؤں گی پانی کا ایک جام
مل جائے گی حیات مرے بے زبان کو
اللہ سر پہ رکھے مرے عمّو جان کو

باتیں چچا بھتیجی کی اُلفت بھری تمام سُنتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ تشنہ کام
آغاز کی نگاہ میں تھے اس طرف کلام انجام کہہ رہا تھا عبث ہے یہ انتظام
کچھ آسرا نہیں دلِ بے آس کے لئے
آخر سکینہؑ روئے گی عباسؑ کے لئے

اس ماجرائے درد کا اتنا ہوا اثر عباسؑ نے رکھا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
کی عرض، اِذن دیجئے پھٹنے لگا جگر آنکھوں سے خوں ٹپکتا ہے بچوں کی پیاس پر
لازم ہے سرزنش سپہ بد نہاد کی
آقاؑ ملے مجھے بھی اجازت جہاد کی

حد سے بڑھی ہے ظلم و جفائے سپاہِ شام انصار و اقربا نے کیا خلد میں قیام
ڈوبے لہو میں عونؑ و محمدؑ سے لالہ فام اکبرؑ سے مہ لقا کی جوانی ہوئی تمام
پیشِ نگاہ لاشۂ قاسمؑ کا حال ہے
مولاؑ بس اب غلام کا آخر سوال ہے

بے چین کر رہی ہے شہادت کی آرزو حسرت یہ ہے غلام بھی ہو جائے سُرخرو
سبقت جو لے گئے ہیں بڑھی اُن کی آبرو کچھ آبرو مری بھی رکھیں شاہِ نیک خُو
اُف اتنی دیر نصرتِ آلِ رسولؐ میں
شرمندہ ہے غلام، نگاہِ بتولؑ میں

سرکارؐ نے کیا تھا مدینے سے جب سفر لمّاں نے خود یہ مجھ سے کہا تھا بچشمِ تر
عباسؑ تو ہے فاطمہؑ کے لال کی سپر ہاں خدمتِ حسینؑ رہے مقصدِ نظر
آئے جو کوئی وقت کنارا نہ کیجیو
سر فاطمہؑ کے لال سے پیارا نہ کیجیو

دیجے رضا کہ حقِ غلامی ادا کروں تکمیلِ آرزوئے دلِ مرتضےٰؑ کروں
حسرت ہے فوجِ شام سے ایسی وغا کروں دہرائے زندگی وہ تلاطم بپا کروں
پروانہ ہوں میں آلِ محمدؐ کے نُور کا
مولاؑ مرا وجود ہے صدقہ حضورؐ کا

عباسؑ میرا نام ہے کیا ہے سپاہِ شام آنے تو دیجے ہاتھ میں شبدیز کی لگام
کثرت ہے بزدلوں کی سواروں کا اژدہام کہہ دے گی آپ خون اُگلتی ہوئی حسام
تیغِ دودم کا کھیت نرالا پڑا نہیں
شاید علیؑ کے شیر سے پالا پڑا نہیں

مل جائے اذنِ جنگ تو دیکھیں گے خود حضورؑ کس طرح ٹوٹتا ہے بنِ سعد کا غرور
وہ رن پڑے، پکار اُٹھیں صاحب شعور میداں بھرا ہے کفر کی لاشوں سے دُور دُور
آبِ شفق زمیں سے نہ شرمائے تو سہی
دریا کا رنگ سرخ نہ ہو جائے تو سہی

سبطِ نبیؐ نے دیکھ کے عباسؑ کا جلال
چھاتی سے سر لگا کے یہ دل میں کیا خیال
دے دی جو اس جری کو اجازت پئے جدال
تکمیلِ داستانِ وفا ہو، یہ ہے محال
اُمّت سے انتقام مرا مُدعا نہیں
یہ صبر کا جہاد ہے، تلوار کا نہیں

پھر انتہائے ضبط سے کی اتنی گفتگو
اچھا کرو ملال نہ اے میرے ماہ رُو
واللہ تم تو سب سے زیادہ ہو سُرخرو
پیاسوں کے واسطے کرو پانی کی جستجو
بے تیغ چھین لو جو ترائی تو خوب ہے
نیزے سے سر کرو یہ لڑائی تو خوب ہے

آنکھوں سے پھر بہن کو بلا کر کیا خطاب
جی بھر کے آج دیکھ لو تصویرِ بوترابؑ
مقتل میں ڈوبنے کو چلا میرا آفتاب
زینبؑ کہاں سے لاؤ گی عباسؑ کا شباب
آتا ہے اب زوال علیؑ کی کمائی کو
رُخصت گلے لگا کے کرو چھوٹے بھائی کو

زینبؑ تم اپنے ہاتھ سے دو بھائی کو علَم
لے لو بلائیں نصر و من اللہ کر کے دم
وہ وقت آ گیا ہے یداللہ کی قسم
اصغرؑ سے بے زباں کو لگے ناوکِ ستم
ٹوٹا دلِ حسینؑ برادر کے داغ سے
یہ داغ بڑھ گیا علی اکبرؑ کے داغ سے

کلثومؑ سے کہو کوئی مشکیزہ لے کے آئیں
بھائی کے جسم پر وہ انوکھی زرہ سجائیں
سقائے اہلِ بیتؑ علمدار کو بنائیں
مانگیں تمام شوکتِ اسلام کی دعائیں
قربان ہو جہاد، نرالی اداؤں پر
دریا جبیں رکھے مرے بھائی کے پاؤں پر

تقدیر نے دکھا دیا آخر وہی سماں عباسؑ نامور، سوئے میداں ہوئے رواں
خیبر کشا کی شان سے نصرت تھی پاسباں مشکیزہ ایک دوش پہ اک دوش پر نشاں
آئینہ تھے جو فاتحِ بدر و حنین کے
جوشن تھے بازوؤں پہ دعائے حسینؑ کے

حائل جو راستے میں ہوئی فوجِ نابکار حملہ کیا، علیؑ کے غضنفر نے ایک بار
نیزے کی جنبشوں میں تھے اندازِ ذوالفقار دانستہ کھیلتے تھے اجل سے ستم شعار
بھاگے وہ بد نہاد جو آئے تھے گھیرنے
قبضہ کیا فرات پہ حیدرؑ کے شیر نے

ڈالا فرس کو آبِ رواں میں بہ کرّوفر آئی ہوائے سرد تو پھکنے لگا جگر
اللہ رے ضبط، آپ نہ پانی پہ کی نظر آہستہ سے فرس سے کہا جھک کے زین پر
تُو بھی تو فرطِ تشنہ لبی سے اُداس ہے
اے بے زبان، پی تجھے دو دن کی پیاس ہے

لیکن فرس نے بھی وہ ثبوتِ وفا دیا جس کا نہ پاس شام کے انسان نے کیا
لہریں جو پاس آ کے اُنھیں منہ پھرا لیا راکب کا رازدار تھا پانی نہیں پیا
مطلب یہ تھا لبوں کی طراوٹ سے کیا جیوں
آلِ رسولؐ پیاسی رہے اور میں پیوں

عباسؑ باوفا نے جو دیکھا فرس کا حال گردن تھپک کے بولے کہ سمجھا ترا ملال
ہے آلِ مصطفےٰؐ سے تجھے عشقِ بے مثال انسانیت کا فخر بنے گا ترا خیال
اُلفت کا حُسن بن کے زمانے پہ چھائے گا
میری وفا کے ساتھ ترا نام آئے گا

یہ کہہ کے ڈالا نہر میں مشکیزہ ایک بار   بھرنے لگا جو آب، جگر ہو گیا فگار
پھرنے لگا نگاہ میں بچّوں کا اضطرار   چھایا دماغ و دل پہ سکینہؑ کا انتظار
غم کا وجود درد کی تاثیر بن گئی
پانی پہ صاف پیاسوں کی تصویر بن گئی

نظریں پھرا کے شیر نے مشکیزہ بھر لیا   تھی پیاس تین دن کی مگر غم نہیں کیا
پینے کی آرزو جو ہوئی خونِ دل پیا   یاد آ گئی بھتیجی تو خود کو بھلا دیا
دل سے کہا خلافِ مروّت یہ کام ہے
پانی تجھے بغیرِ سکینہؑ حرام ہے

یہ کہہ کے موڑی نہر سے شبدیز کی لجام   نکلے تو سامنے ہوا فوجوں کا اژدہام
آفت کی برچھیوں میں گھرا بازوئے امامؑ   بارہ ہزار تیغیں تھیں اور ایک تشنہ کام
بادل تھے ظلمتوں کے علیؑ کے نشان پر
تیروں کا مینہ برسنے لگا ایک جان پر

مشکیزہ رکھ کے چھاتی پہ کہتے تھے بار بار   یارب، نہ رائیگاں ہو سکینہؑ کا انتظار
معبود، تیری راہ میں عباسؑ ہو نثار   لیکن عیاں ہے تجھ پہ غریبوں کا اضطرار
شرمندہ آج تیرے ولی کا خلف نہ ہو
سقّہ بنا ہوں جس کا وہ بچّی تلف نہ ہو

مشکل سے یہ کہا تھا کہ بازو قلم ہوا   ٹھنڈا لبِ فرات علیؑ کا علم ہوا
سنبھلے نہ تھے ابھی کہ ستم پر ستم ہوا   مشکیزہ چھد گیا، سرِ عباسؑ خم ہوا
خوں بہہ گیا تمام بدن کا کھڑے کھڑے
پانی اُدھر بہا، اِدھر عباسؑ گر پڑے

گرتے ہوئے صدا یہ شہِ بے وطن کو دی   صدقے ہوا غلام خبر لو غلام کی
شاہد ہے میرے حال پہ خود میری بے بسی   پانی نہ لا سکا مجھے حسرت یہ رہ گئی
دل اُٹھ گیا ہے آپ کے خادم کا جینے سے
شرمندہ ہو کے رُوح نکلتی ہے سینے سے

دوڑے حسینؑ سُن کے برادر کی یہ صدا   آئے قریب لاش تو دیکھا یہ واقعہ
آہستہ کہہ رہے ہیں یہ عباسِؑ با وفا   یارب تری پناہ میں زہراؑ کا لاڈلا
جو مصطفےٰؐ کی آل ہیں ان سب کی خیر ہو
پروردگار چادرِ زینبؑ کی خیر ہو

بھائی کے اس کلام سے تھرّا گئے امامؑ   آواز دی کہ اے مرے مونس، خجستہ کام
آیا حسینؑ، ہوش کرو میرے لالہ فام   نرغہ ہے ظالموں کا نہیں دیر کا مقام
ہے منتظر جو خیمے میں زینبؑ کھڑی ہوئی
ڈیوڑھی پہ ہیں سکینہؑ کی آنکھیں لگی ہوئی

نامِ سکینہؑ سنتے ہی عباسؑ نے کہا   یا شاہؑ اس غلام نوازی پہ میں فدا
شکرِ خدا کہ آخری دیدار کر لیا   لیکن دمِ اخیر یہ کرتا ہوں التجا
مولاؑ نہ میری رُوح کو تڑپایئے گا آپؑ
خیمے میں میری لاش نہ لے جایئے گا آپؑ

اتنا ابھی کہا تھا کہ سینے میں دم رُکا   سر فاطمہؑ کے لال نے زانو پہ رکھ لیا
اللہ رے یہ رُتبۂ عباسِؑ با وفا   شبیرؑ صاف کرتے تھے چہرہ لہو بھرا
پروانہ تھے جو عشقِ شہِ مشرقین کے
سینے سے رُوح نکلی، قدم پر حسینؑ کے

جس دم شہید ہو گئے عباسِ ذی حشم   لائے حسینؑ خون میں ڈوبا ہوا علم
آواز دی کہ اے حرمِ سیّد الامم   کھوآئے اپنے بھائی کو دشتِ بلا میں ہم
یاور رہا نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا
لو اب تمام ہو گیا لشکر حسینؑ کا

لشکر وہ اب رہا، نہ وہ لشکر کے نوجواں   باقی نشاں ہے قتل ہوا صاحب نشاں
اب زندگی حسینؑ کی خاطر ہوئی گراں   گویا نکل گئی قفسِ عنصری سے جاں
کوئی نہیں جو آ کے بچا لے حسینؑ کو
اب جس کے جی میں آئے ستالے حسینؑ کو

پہنچی جو اہلِ بیتؑ میں یہ درد کی خبر   سیدانیوں نے کھول دیئے اپنے اپنے سر
ماتم ہوا حسینؑ کے غازی کا اس قدر   اک ابرِ یاس چھا گیا زہراؑ کی آل پر
غش آ گیا نگاہ میں دنیا اُلٹ گئی
زینبؑ کی آس بھائی کے جینے سے ہٹ گئی

تھی ایک سمت زوجۂ عباسِؑ نامور   وارث کے واسطے جو سنی موت کی خبر
سکتہ سا ہو گیا یہ ہوا قلب پر اثر   حسرت بھری نشان پہ صاحب کے کی نظر
چہرہ بھی زرد ہو گیا آہیں نہ بھر سکی
شوہر کا حکم یاد رہا اُف نہ کر سکی

شوہر کا حکم تھا کہ مرے بعد دیکھنا   کرنا نہ سر کے بال پریشاں مطلقا
زوجہ ہو باوفا کی، تصور رہے ذرا   چھٹنے نہ پائے شہؑ کی اطاعت کا سلسلہ
لے لینا بنتِ شاہِ مدینہ کو گود میں
بہلانا میرے بعد سکینہؑ کو گود میں

◆◆

سلام

قیصر بارھوی

◆◆

عطرِ کردار سے جب اہلِ نظر مہکے ہیں
بستی بستی میں بہار آئی ہے گھر مہکے ہیں

در و دیوارِ گلستاں کی صباحت کیا ہے
شامِ زنداں میں نقیبانِ سحر مہکے ہیں

نذرِ باطل نہ کرو فکرونظر کی حرمت
اسی خوشبو سے تو اربابِ ہنر مہکے ہیں

اہلِ آیات سے آیات کی خوشبو نہ گئی
خاکِ مقتل پہ بدن، نیزوں پہ سر مہکے ہیں

مشعلِ راہ بنے ان کی طبیعت کے گلاب
شوقِ منزل میں جو دورانِ سفر مہکے ہیں

زخمِ دل، سوزِ جگر، شامِ غریباں کی زمیں
کس قیامت میں گلِ دیدۂ تر مہکے ہیں

رُوحِ کونین میں عاشور کے سربز شہید
جنّتِ اصل سے یہ برگ و ثمر مہکے ہیں

چند پھولوں نے کچھ اس طرح ضیا بندی کی
آئینے بول اُٹھے آئینہ گر مہکے ہیں

یہ گلستانِ شہادت کا شرف ہے قیصرؔ
کوئی پتہ نہ رہا پھر بھی شجر مہکے ہیں

◆◆

جہادِ زینبؑ

(حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کے فضائل و مصائب)

۵۰ بند۔ ۱۹۵۴ء

maablib.org

❖❖

اے کوفیو کیوں بھول گئے صدق بیانی
انصاف ہے دنیا میں حقیقت کی نشانی
گر یاد نہیں تُم کو محمدؐ کی زبانی
محفوظ ہے قرآن میں کس گھر کی کہانی

جو حافظِ قرآں ہیں وہ تفسیر سُنا دیں
ہے کن کے لئے آیۂ تطہیر بتا دیں

❖❖

maablib.org

جہادِ زینبؑ

پھر آج برستا ہے لہو دیدۂ نم سے
پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے
پھر آج یہ آتی ہے صدا نوکِ قلم سے
پھر درد اٹھا تذکرۂ صبر و ستم سے
اِک قافلہ ماضی کے تصوّر میں عیاں ہے
اب سامنے زینبؑ کی اسیری کا بیاں ہے

پھر آج نگاہوں میں ہے تصویرِ قیامت
پھر آج لرزتا ہے بدن بید کی صورت
پھر شام کے طوفان سے ٹکرائی طبیعت
یاد آ گئی پھر آلِ محمدؐ کی مصیبت
درپیش ہیں ماں جائے سے ماں جائی کی باتیں
پھر کہتا ہوں یثرب کے بہن بھائی کی باتیں

روتا ہے لہو جس کی حقیقت پہ زمانہ
آ میرے ہم آواز! سناؤں وہ فسانہ
لوٹا گیا صحرا میں محمدؐ کا گھرانہ
دنیا جو ہوئی دولتِ فاسق کا نشانہ
اُمت نے دیا ساتھ یزیدِ اُموی کا
سر کاٹ لیا زر کے لئے سبطِ نبیؐ کا

یوں پھر لئے اولادِ پیمبر سے مسلماں نسبت نہ رہی جس سے کسی دین کے انساں
بڑھتے رہے سادات پہ یوں ظلم کے طوفاں ہے جن کے لئے دیدۂ تاریخ بھی حیراں
سربستہ ہوا تھا جو مدینے کی فضا میں
وہ راز کھلا معرکۂ کرب و بلا میں

جب داخلِ کوفہ ہوئی اولادِ پیمبرؐ اونٹوں پہ رسن بستہ، پریشان، کھلے سر
عابدؑ سے یہ زینبؑ نے کہا اے مرے دلبر کس شہر میں لائے ہیں ہمیں ظلم کے خوگر
گھبراتا ہے دِل صورتِ آلام ہے بیٹا
بتلاؤ تو اس شہر کا کیا نام ہے بیٹا

آباد ہیں اس شہر میں کس دین کے انساں کافر ہیں یہاں لوگ کہ رہتے ہیں مسلماں
وابستۂ انجیل ہیں یا پیروِ قرآں کیا واقفِ توحید ہے اس شہر کا سلطاں
تعریف یہاں کس کی بیاں ہوتی ہے بیٹا
اس شہر میں وحدت کی اذاں ہوتی ہے بیٹا

اس شہر میں لیتا ہے کوئی نامِ پیمبرؐ اس شہر میں رہتا ہے کوئی عاشقِ حیدرؑ
خاموش ہو کیوں کچھ تو کہو عابدِ مضطر اس شہر میں دیکھا ہے کوئی واقفِ جعفرؑ
شیدا ہے یہاں پر کوئی زہراؑ کے چمن کا
اس شہر میں کوئی ہے طرفدار حسنؑ کا

یہ سُن کے تڑپنے لگا عابدؑ کا کلیجا گردوں پہ نظر ڈال کے آغاز کو دیکھا
پھر بولے کہ اے میری پھوپھی ثانیٔ زہراؑ اس شہر کو دنیا کی زباں کہتی ہے کوفا
ظاہر میں تو اسلام کی آباد زمیں ہے
پر آلِ محمدؐ کا کوئی دوست نہیں ہے

عابدؑ نے لیا نام جو کوفے کا تو یک بار زینبؑ کی نگاہوں میں پھرے حیدرِؑ کرار
افسوس کہ دیکھا تھا جہاں باپ کا دربار لائی تھی وہاں گردشِ تقدیر گرفتار
شہزادی جہاں پر کبھی کہلائی تھی زینبؑ
افسوس، رسن بستہ وہاں آئی تھی زینبؑ

اتنے میں کسی شخص نے لشکر سے یہ پوچھا مارا ہے کسے لوٹا ہے یہ قافلہ کس کا
تھا کون، بنے جس کے حرم آج تماشا تھا کون خطاوار ملی جس کو یہ ایذا
لشکر نے کہا صرف بغاوت کی سزا ہے
باغی تھا حکومت کا جسے لوٹ لیا ہے

زینبؑ نے سنا لفظِ بغاوت تو سنبھل کر خطبہ یہ دیا مثلِ نبیؐ صورتِ حیدرؑ
زندہ ہے ابھی کہنے کو مظلوم کی خواہر پردہ نہ پڑے گا مرے بھائی کے لہو پر
یہ حق و صداقت کی صدا چھا کے رہے گی
ہر ذرّے سے آوازِ حسینؑ آ کے رہے گی

احمدؐ کے نواسے پہ بغاوت کا ہے الزام کہتے ہو کہ باغی کا یہی ہوتا ہے انجام
انصاف کرو کون ہوا باغیِ اسلام کس نے نہ دیا احمدِؐ مختار کا پیغام
وہ کون ہے جو نشۂ دنیا میں پڑا ہے
قرآں کی حفاظت کے لئے کون لڑا ہے

اے کوفیو، کیوں بھول گئے صدق بیانی انصاف ہے دنیا میں حقیقت کی نشانی
گر یاد نہیں تم کو محمدؐ کی زبانی محفوظ ہے قرآن میں کس گھر کی کہانی
جو حافظِ قرآں ہیں وہ تفسیر سنا دیں
ہے کن کے لئے آیۂ تطہیر بتا دیں

تم کو یہ گماں ہے کہ مٹا نامِ شریعت قائم ہوئی بدکارِ زمانہ کی خلافت
تم کو یہ گماں ہے کہ بجھی شمعِ امامت باقی نہ رہا اب کوئی اندیشۂ بیعت
لیکن بخدا ظلم کی قوّت نہ رہے گی
اسلام کے دشمن کی حکومت نہ رہے گی

اے کوفیو کس گھر سے ملی تم کو ہدایت کس گھر نے سکھائے تمہیں آئینِ حکومت
اے کوفیو کس گھر نے دیا نورِ محبت کس گھر نے عطا کی تمہیں قرآن کی دولت
کس گھر کے سبق نے تمہیں انسان بنایا
بولو، تمہیں کس گھر نے مسلمان بنایا

کیوں تم نے رکھا ظلم روا، کچھ تو بتا دو کس جرم پہ دی ہے یہ سزا، کچھ تو بتا دو
نفرت کا سبب وجہِ جفا کچھ تو بتا دو اے کوفیو اس گھر کی خطا کچھ تو بتا دو
خاموش ہو کیوں حق کی صدا کوئی نہیں ہے
شاید یہ خطا ہے کہ خطا کوئی نہیں ہے

بولو مرے نانا نے کسی گھر کو جلایا قیدی کسی مظلوم مسافر کو بنایا
بولو مرے بابا نے یتیموں کو رُلایا اور لوٹ کے بیواؤں کو سر ننگے پھرایا
دیکھا ہے کسی اہلِ وطن غیرِ وطن نے
دُرّے کسی معصوم کو مارے تھے حسنؑ نے

تقریر یہ کرتی تھی ابھی زینبؑ لاچار ناگاہ نظر آنے لگا کوفے کا دربار
غیرت کا پسینہ ہوا ماتھے پہ نمودار دل میں یہ خیال آیا کہ جاؤں گی نہ زنہار
ناقے سے کہا بہرِ خُدا رُخ نہ اُدھر کر
حیوان ہے لیکن مرے پردے پہ نظر کر

یہ کہہ کے سرِ پاک اٹھایا تو یہ دیکھا   کچھ کہتا ہے نیزے پہ محمدؐ کا نواسا
ظاہر رُخِ انور پہ ہے اک اشکوں کا دریا   کیا کہہ دیا ماں جائے نے ماں جائی نے سمجھا
کچھ اتنا اثر کر دیا اشکوں کے سخن نے
اپنا لیا بھائی کے اشارے کو بہن نے

بھائی کا اشارہ تھا بہن ہوش میں آؤ   مظلوم برادر کی وصیّت نہ بھلاؤ
طوفان میں کشتی ہے مرا ہاتھ بٹاؤ   بھائی سے محبت ہے تو آنسو نہ بہاؤ
پروا نہ کرو آج اگر ظلم روا ہے
تم صبر کرو صبر، خدا دیکھ رہا ہے

زینبؑ مری محنت کہیں برباد نہ جائے   بیکس کی ریاضت پہ زوال آنے نہ پائے
پردیس میں جو دولتِ اولاد لٹائے   اُس دل کے ارادوں پہ کہیں حرف نہ آئے
زینبؑ ابھی آغاز ہے انجام نہیں ہے
یہ منزلِ کوفہ ہے ابھی شام نہیں ہے

دربار میں جاتے ہوئے گھبراتی ہو ہمشیر   کیا آج نگاہوں میں نہیں ہمتِ شبیرؑ
بالوں سے عبث منہ کے چھپانے کی ہے تدبیر   کیا میری بہن سر پہ نہیں چادرِ تطہیر
کچھ غم نہ کرو آج بظاہر جو کھلا ہے
بیٹی کے سرِ پاک پہ امّاںؑ کی ردا ہے

لو جاؤ بہن، ہمتِ شبیرؑ دکھا دو   ایوانِ ستم کے در و دیوار ہلا دو
انسان کی سوئی ہوئی تہذیب جگا دو   دنیا کو مری فتح کا پیغام سُنا دو
بڑھتے ہوئے سیلاب کا رُخ موڑ دو زینبؑ
اسلام کے غدّار کا منہ توڑ دو زینبؑ

شکوہ نہ کرو قاسمؑ مضطر کی قسم ہے
کھولو نہ زباں چھوٹے برادر کی قسم ہے
آہیں نہ بھرو لاشۂ اصغرؑ کی قسم ہے
غصے میں نہ آؤ علی اکبرؑ کی قسم ہے
بھائی کے عمل، وقت کی رفتار کو دیکھو
زنجیروں کو اور عابدِ بیمار کو دیکھو

بھائی کے اشارے میں جو تلقین یہ پائی
تھرّا گئی اک دم اسداللہؑ کی جائی
برچھی وہ تصور نے کلیجے پہ لگائی
اٹھارہ برس والے کی صورت نظر آئی
مجبور ہوئی ہاتھ بندھے تھے جو کمر سے
لی گود کے پالے کی بلا دستِ نظر سے

پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ کی بھائی سے تقریر
اچھا مرے ماں جائے نہ گھبرائے گی ہمشیر
خوش ہو کے اٹھالے گی ہر اک ذلت و تحقیر
زینبؑ کی رضا کچھ نہیں جو مرضیِ شبیرؑ
ماں جائے کا ہر حکم بجا لائے گی زینبؑ
لے جائیں گے جس طرح چلی جائے گی زینبؑ

اب چشم کہیں اشک جو بھر لائے تو کہنا
غم سے دل زینبؑ نہ سکوں پائے تو کہنا
پیشانی خواہر پہ شکن آئے تو کہنا
ظالم کی حکومت نہ الٹ جائے تو کہنا
ہر منزل دشوار کو آسان کرے گی
بھیّا، یہ بہن فتح کا اعلان کرے گی

اسلام کے دشمن کو یہ ہو جائے گا معلوم
جھکتے نہیں تلوار سے اسلام کے مخدوم
بھیّا، میں زمانے کو بتا دوں گی یہ مفہوم
حق پر ہو تو ظالم کو مٹا دیتا ہے مظلوم
ہے کفر عبث مصطفویؐ شان کے آگے
جادو کبھی چلتا نہیں قرآن کے آگے

بھیّا مجھے اکبرؑ کی قسم دی ہے تو سُن لو　　خطبوں سے ہلا دوں گی میں ایوانِ ستم کو
پروا نہیں اب شام کی گلیوں میں گذر ہو　　کیا کرتی ہے اب خواہرِ مغموم یہ دیکھو
دربارِ جفا کار ہو یا قید کی راتیں
دہراؤں گی ماں جائے کے کردار کی باتیں

درپیش جواب شام کا رستہ ہے تو کیا ہے　　رستے میں جفاؤں کا اندھیرا ہے تو کیا ہے
ہاتھوں کو پسِ پُشت جو باندھا ہے تو کیا ہے　　بھیّا مجھے کانٹوں پہ بھی چلنا ہے تو کیا ہے
اُس لال پہ قربان ہر اِک آن رہوں گی
میں عابدِؑ مضطر کی نگہبان رہوں گی

ماں جائے سے ماں جائی نے اتنا ہی کہا تھا　　کچھ دور پہ اک لاشۂ بے سر نظر آیا
پہلے اسے زینبؑ نے بڑے غور سے دیکھا　　پھر ضبط کے انداز میں عابدؑ سے یہ پوچھا
اے نورِ نظر خون کے رشتے پہ یقیں ہے
بیٹا یہ کہیں لاشۂ مسلمؑ تو نہیں ہے

عابدؑ نے کہا کیسے کہوں اے پھوپھی اماں　　لاریب، یہی ہیں مرے مظلوم چچا جاں
ہے پاؤں میں باندھی ہوئی رسّی سے نمایاں　　لاشے کو یہاں کھینچ کے لائے ہیں مُسلماں
بابا کی طرح یہ بھی رہے قیدِ جفا میں
یہ کوفے کے بازار میں، وہ کرب و بلا میں

یہ سُنتے ہی اِک بار جھکی ثانیِ زہراؑ　　شاید یہی بے ساختہ جُھکنے کا سبب تھا
احساس کے عالم میں یہ لاشے سے تھی گویا　　اچھا ہوا بھیّا مجھے سر ننگے نہ دیکھا
پردیس میں سر اپنا تو کٹوا دیا مسلمؑ
بچوں کو مگر کس کے حوالے کیا مسلمؑ

القصہ ہوئے اہلِ حرم داخلِ دربار   مصروف جہاں بادہ کشی میں تھے خطا کار
آواز یہ دی شمر نے ہاں قیدیو ہشیار   اب سامنے حاکم ہے خبردار، خبردار
مطلق نہ ہلیں ہونٹ یہ تاکید ہے سب سے
سر اپنا اٹھائے نہ کوئی پاسِ ادب سے

ناقوں پہ جو بیٹھے ہیں وہ نیچے اُتر آئیں   حاکم نہ غضبناک ہو یہ خیر منائیں
کیا جانیے کس رنگ میں نازل ہوں سزائیں   فکر اپنی کریں وارثوں کی یاد بھلائیں
ہے ابنِ زیاد آج مسرت کے نشے میں
لازم ہے رسن، جملہ اسیروں کے گلے میں

یہ سنتے ہی ناقوں کا ٹھہرنا تھا قیامت   ناقوں سے اسیروں کا اترنا تھا قیامت
بچوں کا نئے ظلم سے ڈرنا تھا قیامت   اس دور سے زینبؑ کا گزرنا تھا قیامت
سنبھلا نہ گیا ہاتھ پسِ پُشت بندھے تھے
ایسے ہی گری جیسے کہ عباسؑ گرے تھے

کہتے ہیں کہ اس وقت فقط عابدؑ بیمار   زنجیر سنبھالے ہوئے دوڑے تھے بہ دشوار
فضہؑ کی صدا آئی تھی یا حیدرِؑ کرار   کہتے ہیں پکاری تھی سکینہؑ جگر افگار
کیا نہر پہ سوتے ہو چلے آؤ چچا جان
دُرّے پھوپھی اماں کو نہ کھلواؤ چچا جان

عابدؑ کے سہارے سے محمدؐ کی نواسی   معصوم سکینہؑ کی طرف دیکھ کے اُٹھی
اُٹھی تو بڑے ضبط کے انداز میں بولی   عابدؑ مرے مقسوم کی تحریر یہی تھی
دنیا کا جو ارمانِ جفا ہے وہ نکل جائے
اسلام کی گرتی ہوئی دیوار سنبھل جائے

بعد اس کے قطاروں میں کھڑے ہو گئے قیدی گنتی ہوئی نیزوں پہ شہیدوں کے سروں کی
حاکم نے بنِ سعد سے تفصیل جو پوچھی ہونے لگی پہلے سرِ شبیرؑ کی پیشی

یوں طشت میں سر آیا ستم گار کے آگے
جیسے کوئی قرآن ہو میخوار کے آگے

بدخواہ نے دیکھا جو سرِ سبطِ پیمبرؐ نخوت کی اداؤں سے یہ کہنے لگا ہنس کر
کیوں ابنِ علیؑ، کس کو ہوئی فتح میسّر کس کو مرے لشکر نے دیا موت کا ساغر

جو عرش سے اُتری تھی وہ شمشیر کہاں ہے؟
اب آلِ محمدؐ کی وہ توقیر کہاں ہے؟

پھر دیکھ کے عابدؑ کو سلاسل میں گرفتار یوں کہنے لگا قہر کی آنکھوں سے جفا کار
شاید یہی شبیرؑ کا فرزند ہے بیمار ہے موت کا پیغام جسے طوقِ گرانبار

صد شکر نبیؐ زادیاں تشہیر ہوئی ہیں
رسوائیاں احمدؐ کے گھرانے کو ملی ہیں

یہ لاف زنی سنتے ہی شبیرؑ کی خواہر کہنے لگی کیا کہتا ہے خاموش ستمگر
دولت ہے ترے پاس، ہمیں دین میسّر قرآن میں ہے عزّتِ اولادِ پیمبرؐ

کم ہو نہیں سکتی کبھی توقیر ہماری
اسلام کی تقدیر ہے تشہیر ہماری

اے ابنِ زیاد، اتنا بتا دے ترا لشکر میدان میں کس طرح لڑے وارثِ حیدرؑ
جب سبطِ نبیؐ آئے تھے بعدِ علی اصغرؑ کیا کیا نہ کھلے عرش کی تلوار کے جوہر

کہہ دے کوئی معراجِ وغا تھی کہ نہیں تھی
لشکر میں دہائی کی صدا، تھی کہ نہیں تھی

حاضر ہے بنِ سعد تری فوج کا سردار موجود ہے کھولے تو زباں شمرِ ستم گار
انصاف سے کہہ دیں ترے پیدل ترے اسوار کس کو مرے بھائی سے ہوئی جرأتِ پیکار

مرنے کی ہوا میں کسے جینے کا یقیں تھا
وہ کون بہادر تھا، جو فرار نہیں تھا

ملتا نہ اگر واسطۂ احمدِ مرسلؐ بھائی کو اگر رحم نہ آتا سرِ مقتل
کیا چیز تھی کوفے کی گھٹا شام کا بادل ظالم! سرِ دربار نکلتے ترے کس بَل
لیکن مرے ماں جائے نے امّت پہ نظر کی
یہ ہار نہیں جیت ہے زہراؑ کے پسر کی
اے ابنِ زیاد آج بھرا ہے ترا دربار بیٹھے ہیں بڑی شان سے دولت کے پرستار
ہوتا جو کوئی دینِ محمدؐ کا طرف دار ہم پردہ نشینوں پہ گزرتی نہ یہ زنہار
بے پردگی ناموسِ رسالتؐ کے لئے ہے
کافی یہ طمانچہ تری غیرت کے لئے ہے
گونجی سرِ دربار جو زینبؑ کی یہ آواز ٹکرا گئی ماضی سے خیالات کی پرواز
کچھ لوگوں کو یاد آنے لگے حیدریؑ انداز ہونے لگا ہمدردیِ مظلوم کا آغاز
شرمندگی فکر ہر انسان سے کھیلی
کوفے کی فضا درد کے طوفان سے کھیلی
گھبرا کے اُٹھا ابنِ زیادِ ستم آرا داروغۂ زنداں کو جفا جو نے پکارا
بولا یہ اسیروں کی طرف کر کے اشارا لیجا انہیں جلدی، نہیں تاخیر گوارا
دربار کا انداز دگر دیکھ رہا ہوں
بدلی ہوئی لوگوں کی نظر دیکھ رہا ہوں
چلنے جو لگے اہلِ حرم جانبِ زنداں آنکھوں سے بہن بھائی کے سر پر ہوئی قرباں
اُس وقت مگر بول اُٹھی گردشِ دوراں قربان ترے قافلہ سالارِ غریباں
مُنہ توڑ دیا دُشمنِ اولادِ نبیؐ کا
اعلان کیا فتحِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا
قیصرؔ کی زباں کہہ نہ سکے گی مرے ہمدم زینبؑ نے اُٹھائے جو نئے ظلم نئے غم
سمجھا گیا کوفے کا بدلتا ہوا عالم زینبؑ سے اُٹھا مقصدِ شبیرؑ کا پرچم
باطل کے ہر اِک زعم کی تصویر مٹا دی
زینبؑ کی اسیری نے شہادت کو بقا دی

یتیمانِ مسلمؑ

(حضرت مسلم بن عقیلؑ کے صاحبزادوں کے مصائب)

۳۵ بند۔ ۱۹۶۸ء

maablib.org

❖❖

کہتی تھی ہوا چوم کے مٹی سے بھرے بال
اُس ماں کو خبر کیجئے جس ماں کے ہیں یہ لال
آئینۂ تقدیر میں یہ گردشِ احوال
روئے گی خزاں بھی، وہ گلِ تر ہوئے پامال
کیا کیا نہ ستم وقت کے سانچے میں ڈھلے ہیں
خاک ان کے سروں پر ہے جو نازوں کے پلے ہیں

❖❖

یتیمانِ مسلمؑ

دل والو! سنو واقعۂ اشک فشانی   کوفے کی ستم گار فضاؤں کی زبانی
تاریخ کی آنکھوں سے اُبلتا ہوا پانی   یوں کہتا ہے مسلمؑ کے یتیموں کی کہانی
پردیس میں بچوں پہ عجب وقت پڑا تھا
ہر گام پہ آسیب اجل، سر پہ کھڑا تھا

معصوم تھے یوں کوفے کی گلیوں میں پریشاں   جیسے کسی صحرا میں اُڑے بوئے گلستاں
غربت کا کنواں اور وہ رشکِ مہِ کنعاں   کانٹوں سے بھری سیج پہ جیسے گُلِ خنداں
تھا رنگ نیا تفرقۂ رُوح و بدن میں
دو چاند تھے یثرب کے جو آئے تھے گہن میں

راتوں میں کبھی خوف اُگلتی ہوئی راہیں   دیتی تھیں صدا دیکھ کے بچوں کی نگاہیں
جاتے ہو کہاں ڈالے ہوئے باہوں میں باہیں   کوئی نہ بچائے گا عبث بھرتے ہو آہیں
رحم آئے جسے ایسا مسلمان نہیں ہے
اس کوفے میں بچو، کوئی انسان نہیں ہے

بیٹھے کہیں ڈر کر تو سنی خاک سے فریاد   بچو، یہ اندھیرا کہیں بن جائے نہ جلاّد
کہنے کو بھرے شہر میں ہیں صاحب اولاد   کہنے کو بہت ماؤں کی ہیں گودیاں آباد
لیکن کوئی تم پر نہ ترس کھائے گا بچو
یہ شہر تمہیں ٹھوکریں کھلوائے گا بچو

استادہ ہوئے جب کسی دیوار سے لگ کر   پیدا ہوئی آواز یہ بے جان لبوں پر
دیکھے نہیں اس عمر میں اس شان کے بے گھر   ان چاند سے چہروں کو سدا روئے گی مادر
مقدور اگر ہو انہیں دامن میں چھپا لوں
ان بچوں کو جلاّد نگاہوں سے بچا لوں

تھک کر جو کہیں دم لیا سائے میں شجر کے   شاخوں نے ترس کھا کے یہ دہرا دیئے جملے
یارب نہ پریشاں ہوں کسی باغ کے غنچے   یوں بھی نہ لُٹیں حسرت ارماں کے شگوفے
معصوم نہ اس طرح گرفتارِ بلا ہوں
بچے نہ کسی باپ سے غربت میں جُدا ہوں

کہتی تھی ہوا چوم کے مٹی سے بھرے بال   اُس ماں کو خبر کیجئے جس ماں کے ہیں یہ لال
آئینۂ تقدیر میں یہ گردشِ احوال   روئے گی خزاں بھی وہ گلِ تر ہوئے پامال
کیا کیا نہ ستم وقت کے سانچے میں ڈھلے ہیں
خاک ان کے سروں پر ہے جو نازوں کے پلے ہیں

کہتا تھا کبھی چاند سے ماتھوں پہ پسینہ   افسوس کہاں آ گئے اشراف مدینہ
بچوں پہ کیا ختم جفاؤں کا قرینہ   ڈوبا ہے زمانے کی حمیت کا سفینہ
غیروں کے الم جن کے اب و جد نے سہے ہیں
وہ کوفے میں بے آب و غذا گھوم رہے ہیں

آتی تھی کبھی پیروں کے زخموں سے یہ آواز   آؤ تو ذرا خلد سے اے مسلمؑ جانباز
بھائی کے سوا کوئی نہیں بھائی کا دمساز   دیکھو تو سہی لاڈلوں کے لاڈلے انداز
دونوں نے بڑے پیار سے دُکھ درد ہیں بانٹے
اک سوتا ہے اور دوسرا چن لیتا ہے کانٹے

کہتا تھا زمانے سے پھٹے کرتوں کا عالم   کیوں ایسے غریبوں پہ نہ ہو شیون و ماتم
جس گھر سے ہوئی غیروں کو پوشاک فراہم   اُس گھر کے یتیموں کو فقط دیدۂ پُرنم
اسبابِ سفر جن کے گھرانے نے دیے ہیں
محتاج وہی جسم چھپانے کے لیے ہیں

کہتی تھی قدم چوم کے جنگل کی اُداسی   بچو! تمہیں کس جُرم پہ دُنیا نے سزا دی
دیکھی ہے، مگر ایسی یتیمی نہیں دیکھی   ہونٹوں پہ ہے تکبیر تو فاقوں کی ادا بھی
گذری ہوئی حالت کا پتہ دیتی ہیں آنکھیں
پیاسوں کی نقاہت کا پتہ دیتی ہیں آنکھیں

جاتے تھے اگر پیاس بجھانے کسی در پر   اور دیتا تھا کھانا کوئی معصوم سمجھ کر
دونوں بڑی حسرت سے یہ کہتے تھے برابر   اس امر کی دے تجھ کو جزا خالقِ اکبر
لیکن یہ بتا گر تجھے قرآں پہ یقیں ہے
اے بھائی یہ کھانا کہیں صدقہ تو نہیں ہے

لکھا ہے کہ جب ہوگئی مسلمؑ کی شہادت   مسلم کے یتیموں پہ گرا کوہِ مصیبت
کوفے میں یہ ہونے لگا اعلانِ حکومت   مقصود ہے مسلمؑ کے یتیموں کی حراست
ہر شکل میں انعام کو تقدیر بناؤ
زندہ نہیں لا سکتے تو سر کاٹ کے لاؤ

یہ سُنتے ہی اعلانِ زر و مال کے بندے　　ہاتھوں پہ چمکتے ہوئے خنجر لئے اُٹھے
پرخاش جو تھی احمدؐ مختار کے گھر سے　　یہ کہتے ہوئے کوفے کے بازاروں میں نکلے
ہم درہم و دینار سے دامن کو بھریں گے
بچوں کے گلے کاٹ کے دل شاد کریں گے

تھا جملہ ستمگاروں میں حارث جو ستمگر　　اِک ظلم کا طوفاں لئے پھرنے لگا در در
کہتا تھا کہ معصوم کہاں جائیں گے بچ کر　　اب خون یتیموں کا پئے گا مرا خنجر
ایماں سے تعلق ہے نہ عقبٰی سے غرض ہے
مجھ کو تو فقط دولتِ دنیا سے غرض ہے

مل جائیں گے بچے تو سنور جائے گی قسمت　　قسمت ہے مری حاکمِ کوفہ کی عنایت
کیا نعمتِ فردوس ہے' کیا چیز ہے جنت　　ہے سب سے زیادہ مجھے دربار کی عزت
بچوں کو اگر موت کا پیغام ملے گا
حاکم سے مجھے خلعت و انعام ملے گا

حارث تو اِدھر باندھ رہا تھا یہ ارادے　　معصوم اُدھر جائے اماں ڈھونڈ رہے تھے
یُوں چار طرف گردشِ قسمت کے تھے پہرے　　گھبرا کے یہ آپس میں بیاں کرتے تھے بچے
اس ظلم کے طوفان میں کیوں آئے تھے بابا
آئے تھے تو کیوں ساتھ ہمیں لائے تھے بابا

چھوٹا کبھی کہتا تھا بڑے بھائی سے رو کر　　بھیا نہیں معلوم کہ بابا ہیں کہاں پر
ہم ٹھوکریں کھاتے ہوئے کیوں پھرتے ہیں دردر　　اس حال میں بھیا مرا دل کہتا ہے اکثر
شاید کہ خبر کی نہیں بابا نے کسی کو
لائیں گے مدد کے لئے فرزندِ نبیؐ کو

مکّے سے یہاں تک ہے بھلا فاصلہ کتنا کچھ آپ کو ہے علم بتا دیجئے بھیّا
ٹھہرے ہیں جہاں سب کو لیے سیّدِ والاؑ کبتک اسی منزل پہ پہنچ جائیں گے بابا
اکبرؑ ہمیں لینے کے لیے آئیں گے کب تک
اس کوفے سے بابا ہمیں بلوائیں گے کب تک

ہم جس میں گھرے ہیں یہ مصیبت نہیں معلوم دل کہتا ہے امّاں کو یہ حالت نہیں معلوم
پردیس میں کیا ہوگئی صورت نہیں معلوم بابا سے جدائی کی حکایت نہیں معلوم
ممکن نہیں عباسؑ کہیں دیر لگاتے
امّاں کو خبر ہوتی تو ماموں چلے آتے

ہنستے ہوئے بچّوں کو رُلایا نہیں بھیّا ہم نے تو کسی دل کو ستایا نہیں بھیّا
اِک پھل بھی کسی باغ سے کھایا نہیں بھیّا سامان کسی گھر سے چُرایا نہیں بھیّا
کیا جُرم کیا ہم نے، خطا کون سی کی ہے
بھیّا ہمیں کس واسطے یہ دربدری ہے

ہے کوفے کی جانب لحدِ حیدرؑ کرار بھیّا، مجھے بابا نے بتایا ہے کئی بار
بہتر ہے وہاں جا کے کریں درد کا اظہار اُن سے تو زیادہ کوئی اپنا نہیں غم خوار
مطلوب ہے نانا کی طرف جانے کا رستہ
بھیّا ہمیں مل جائے نجف جانے کا رستہ

سچ کہتے ہو سچ کہتے ہوا ے جانِ برادر کہتا تھا بڑا بھائی کلیجے سے لگا کر
اس حال سے واقف نہیں بھیّا علی اکبرؑ امّاں کو نہیں علم گزرتی ہے جو ہم پر
لیکن یہ دُعا مانگو اِدھر کوئی نہ آئے
تقدیر کبھی کوفے میں امّاں کو نہ لائے

کس طرح سے ہم جائیں گے نانا کی لحد پر راہوں میں ہر اک سمت ہیں موجود ستمگر
ہیں پوچھنے والے تو فقط نیزہ و خنجر سمجھیں کسے ہمدرد کہیں کس سے یہ جا کر
کہنے کو تو کوفے سے نجف پاس ہے بھائی
ہم دونوں کی قسمت میں مگر یاس ہے بھائی

تقریر یہ کرتا تھا اِدھر بھائی سے بھائی تقدیر اُدھر حارثِ بے رحم کو لائی
ظالم کو جو معصوموں کی صورت نظر آئی سمجھا کہ یقیناً ہیں یہ مسلمؑ کی کمائی
کہنے لگا کوفے میں یہ تنویر کہاں ہے
ان بچوں کے انداز پہ مسلمؑ کا گماں ہے

یہ کہتے ہی بچوں کے قریب آیا جفا جو مانندِ اجل تھام لئے دونوں کے گیسو
اور کھینچ کے غصے میں یہ کہنے لگا بدخُو میں نے تو تمہیں ڈھونڈ لیا کوفے میں ہر سُو
اس وقت مری کوششِ کامل سے ملے ہو
تم دونوں تو مجھ کو بڑی مشکل سے ملے ہو

تکلیف ہوئی زلفوں کے کھنچنے میں تو اِک بار بچوں نے تڑپ کر کہا یا حیدرؑ کرار
یا حیدرؑ کرار پہ بولا یہ ستم گار گھبراتے ہو کیوں جلد چلے گی مری تلوار
انعام ملے گا مجھے حاکم سے یقیں ہے
سر دونوں کے کاٹوں گا کوئی دیر نہیں ہے

یہ کہہ کے چلا دونوں کو لے کر سوئے دریا جب آ گیا دریا پہ تو بچوں سے یہ پوچھا
ہے دونوں میں پہلے کسے مرنے کی تمنا ہاں جلد بتاؤ تو کروں خاتمہ اُس کا
فرصت ملے اس کام سے آرام اُٹھاؤں
ہو جاؤں سبکدوش تو، دربار میں جاؤں

مسلم کے بڑے لال نے سر اپنا جھکا کر حارث سے کہا پہلے مناسب ہے مرا سر
تڑپے نہ مرے آگے مرا چھوٹا برادر کیا خوب جو پہلے میں پیوں موت کا ساغر
اے کاش جو ارمان ہے دل میں وہ نکل جائے
سر بھی مرا سجدے میں ہو تلوار بھی چل جائے

یہ کہتے ہی کعبے کی طرف سر کو جھکایا اور بھائی کو خاموش نگاہوں سے بتایا
صد شکر کہ نانا کی زیارت کا دن آیا غربت میں بہت بارِ غم و رنج اُٹھایا
کاشانۂ فردوس میں بابا سے ملیں گے
کچھ دیر میں ہم فاطمہؑ زہرا سے ملیں گے

ناگاہ ستم گار نے تلوار چلائی بھائی نے یہ دیکھا کہ گرا خاک پہ بھائی
دھاروں میں لہو کی یہ حقیقت نظر آئی ظاہر تھی مسافر کے تن و سر میں جدائی
خشکی پہ تو سر خون میں ڈوبا نظر آیا
دریا میں تڑپتا ہوا لاشہ نظر آیا

بھائی نے جو دیکھا یہ بڑے بھائی کا عالم رُخ سوئے مدینہ کیا با دیدۂ پُرنم
آواز دی اے ختمِ رُسلؐ نازشِ آدمؑ اُمت نے کیا دین پہ دُنیا کو مقدم
اب ظلم کی حد ہو گئی انسان کے ہاتھوں
ہم خوں میں نہاتے ہیں مسلمان کے ہاتھوں

کیسے کہوں حارث نے کیا دوسرا اک وار معصوم کی گردن سے ملی ظلم کی تلوار
یثرب میں تو کانپی لحدِ احمدِ مختارؐ مسلمؑ کے تڑپنے سے ہلا کوفہ کا بازار
دریا میں اِدھر دوسرا لاشہ نظر آیا
گردوں سے اُدھر خون برستا نظر آیا

حارث نے تو سر دونوں کے ہاتھوں میں اُٹھائے　　لاشے وہاں موجوں نے یتیموں کے ملائے
دریا نے تو مادر کی طرح اشک بہائے　　الفاظ یہ کوفے کی فضاؤں نے سنائے
اس شان کے دنیا میں نہ معصوم ملیں گے
مسلم کے یتیموں سے نہ مظلوم ملیں گے

اس درد کے منظر پہ قلم روکئے قیصرؔ　　دریا بھی تڑپتا رہا لاشوں کے برابر
کیا جانئے آیا ہو یہ موجوں کی زباں پر　　ہے خوب جو لے جائیں وہاں ہم یہ گُل تر
پانی کے لئے گھاٹ پہ جب آئیں گے عباسؑ
پہچان کے ان لاشوں کو لے جائیں گے عباسؑ

◆◆

شامِ غریباں

(امام حسینؑ کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے واقعات)

۲۷ بند ـ ۱۹۷۴ء

maablib.org

❖❖

فطرت سے پوچھتا ہوں یہ کیسے غریب ہیں
کس کے حرم ہیں، کس کے پریشاں نصیب ہیں
چہرے تو کہہ رہے ہیں، خُدا سے قریب ہیں
پھر ان پہ کیا بنی ہے جو سب سے عجیب ہیں
ہونٹوں پہ، آیتوں کا خزینہ لیے ہوئے
بیٹھے ہیں بیکسی کا مدینہ لیے ہوئے

❖❖

شامِ غریباں

پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دُھواں اُٹھا　　پھر کاروانِ فکر سے شورِ فغاں اُٹھا
دل کی زمیں سے درد کا اِک آسماں اُٹھا　　پھر ہر نفس کے ساتھ غمِ بیکراں اُٹھا
ہیں گرم آنسوؤں میں سمندر ملال کے
پانی پہ چل رہے ہیں سفینے خیال کے

غالب ہے رُوح پر، وہ قیامت کہ الحذر　　جیسے ابھی لٹا ہو کسی بے وطن کا گھر
اِک سمت جشنِ فتح کے باجے شباب پر　　اک سمت سر کھلے ہوئے ناموس نوحہ گر
لشکر میں شور، خلعت و انعام کیلئے
نیزوں پہ کچھ چراغ جلے شام کیلئے

سُنتا ہوں اضطراب کے صحرا کی سائیں سائیں　　جیسے یتیم بچوں کی سہمی ہوئی صدائیں
نوحہ سُنا رہی ہیں تڑپتی ہوئی فضائیں　　جیسے رسول زادیاں بالوں سے مُنہ چھپائیں
یوں دیکھتا ہوں عرش کی تقدیر خاک پر
جیسے بچھی ہو چادرِ تطہیر خاک پر

تاریکیوں کا فرش اُجالوں کی میتیں　　وہ میتیں جو غیرت انساں کی سرحدیں
طوفاں سپرد عظمتِ آدم کی مشعلیں　　بربادیوں کی چھاؤں میں کعبے کی رونقیں
مفہوم کہہ رہا ہے غموں کے بیان کا
گیتی نے پی لیا ہے لہو آسمان کا

قلبِ سحر میں شام کا خنجر لہو لہو　　سورج کی قتل گاہ کا منظر لہو لہو
پامال، بے کفن، مہ و اختر لہو لہو　　تاراجیِ خیام، بھرا گھر لہو لہو
نظروں میں انتہائے الم کا مقام ہے
آنسو تھکے ہوئے ہیں غریبوں کی شام ہے

فطرت سے پوچھتا ہوں یہ کیسے غریب ہیں　　کس کے حرم ہیں کس کے پریشاں نصیب ہیں
چہرے تو کہہ رہے ہیں، خُدا سے قریب ہیں　　پھر ان پہ کیا بنی ہے جو سب سے عجیب ہیں
ہونٹوں پہ آیتوں کا خزینہ لئے ہوئے
بیٹھے ہیں بیکسی کا مدینہ لئے ہوئے

معصوم بندگی کا مہکتا ہوا چمن　　گویا خدا کی حمد میں گلزار پنجتن
معراجِ غم پہ شکر میں ڈھلتے ہوئے سخن　　معلوم ہو رہے ہیں محمدؐ کے خوش دہن
ہر سانس کے وجود میں قرآں سمیت ہیں
کردار کہہ رہا ہے یہی اہلبیتؑ ہیں

پیشانیوں کی خاک میں سجدوں کی داستاں　　جیسے خُدا کے پیار کی تابندہ کہکشاں
تسبیحِ فاطمہؑ سے عبادت نوازیاں　　جیسے پیمبروںؑ کی دعائیں بجسم و جاں
اشکوں کے ساتھ ساتھ جو تکبیر ہوتی ہے
مظلومیت میں دین کی تعمیر ہوتی ہے

بے پردگی کے بوجھ سے اٹھتی نہیں نظر   آنکھیں نثار ہوتی ہیں اک اک شہید پر
مقتول وارثوں کی طرح عالمِ جگر   برچھی کی شکل سینے میں مستقبلِ سفر
خیموں کی راکھ یوں ہے کھلے سر ڈھکے ہوئے
قرآں کو جیسے گرد کی چادر ڈھکے ہوئے

دریا کا قُرب، جلتے ہوئے زخم، تشنگی   دہشت کی لہر، کانپتا ماحول، بے بسی
دشمن کے تازیانے، زمانے کی بے رُخی   چاروں طرف ستم کی کہانی لکھی ہوئی
یہ منظرِ الم جو نگاہوں پہ چھا گئے
اِک بے وطن کے اہلِ حرم یاد آ گئے

اُبھرا بساطِ ذہن پہ میدانِ کربلا   چمکی لہو کی برق بہ عنوانِ کربلا
ظاہر ہوئی شہادتِ مہمانِ کربلا   اب سامنے ہے شامِ غریبانِ کربلا
تاریخ رو رہی ہے یہ سرخی لئے ہوئے
سیدانیاں ہیں خون کے آنسو پیے ہوئے

مانندِ نبض ڈوبتے لمحات کی قسم   بڑھتا گیا تلاطمِ عاشور دم بدم
آخر زبانِ عصر سے گونجی صدائے غم   معصوم کائنات کا سر ہو گیا قلم
خیرالبشرؐ کے سینے سے خنجر گزر گیا
مقتل میں فاطمہؑ کا صحیفہ بکھر گیا

پانی کی طرح بہہ گیا خونِ رسولِ پاکؐ   برچھی سے مرتضیٰؑ کا کلیجہ ہوا ہے چاک
آندھی چلی حدیقۂ زہراؑ میں دردناک   وحدت کا لالہ زار ہوئی کربلا کی خاک
ذرّے عروج پا گئے فخرِ کلیمؑ سے
صحرا میں جان پڑ گئی ذبحِ عظیم سے

دیکھا نہیں نگاہِ فلک نے یہ انقلاب　　کوئی دکھائے اس غم و اندوہ کا جواب
گیتی پہ ہے نشیب میں فرزندِ بوترابؑ　　یا دامنِ بتولؑ میں خوں رنگ آفتاب
پہلو میں اقربا کے ہیں لاشے پڑے ہوئے
یا خاتمِ وفا پہ نگینے جڑے ہوئے

مظلوم کے لہو میں نہائے ہوئے ہیں تیر　　اسلام کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں تیر
قرآں کو ہر طرف سے چھپائے ہوئے ہیں تیر　　انسانیت کا جسم اٹھائے ہوئے ہیں تیر
وحدت کو یہ ادائے شہادت پسند ہے
نیزے پہ سر ہے، لاش زمیں سے بلند ہے

کس بانکپن سے حمد کا پیکر ہے سرخرو　　جیسے ہوئی ہو بندہ و آقا میں گفتگو
آواز دے رہی ہے بریدہ رگِ گلو　　کس نے کیا ہے خونِ جگر بند سے وضو
کافر بھی مان لیں گے صداقت نماز کی
اب سجدۂ حسینؑ ہے عظمت نماز کی

کوئی نہیں جو لاش سے ناوک جدا کرے　　کوئی نہیں جو غسل و کفن بے وطن کو دے
تدفین کے لئے تو کوئی کلمہ گو اٹھے　　کوئی نہیں جو بنتِ نبیؐ کی دعائیں لے
قرآں کو غم ہے حافظِ قرآں خموش ہیں
اسلام رو رہا ہے مسلماں خموش ہیں

اپنے لہو میں تیر گیا آج وہ بشر　　سجدے کریں گے اہلِ وفا جس کی خاک پر
طے کر گیا وہ عشق کے شعلوں کی رہگذر　　جو تشنگی سے توڑ گیا، موت کی کمر
پیغمبری کا حسن تھا جس کی اداؤں میں
وہ سرفروش سو گیا زخموں کی چھاؤں میں

کس نے کہا چراغ بُجھا اہلبیتؑ کا اب تو شفق نے نام لکھا اہلبیتؑ کا
باقی رہے گا درسِ بقا اہلبیتؑ کا دیں اہلبیتؑ کا ہے، خدا اہلبیتؑ کا
یہ غم نہ مٹ سکے گا دلِ مشرقین سے
اب مصطفےٰؐ کا نام چلے گا حسینؑ سے

مستقبلِ حیات سنائے گا اب یہ حال مشکل کشائے دینِ خدا ہے علیؑ کا لال
صحرا میں جس غریب کی میت ہے پائمال اب حشر تک اسی کی کہانی ہے لازوال
کلمہ پڑھیں گے راہِ خدا کے شہید کا
اہلِ شعور نام نہ لیں گے یزید کا

مقتل کی لازوال شفق میں حیات ہے مظلومیت کے سرخ ورق میں حیات ہے
وحدت پسند نظم و نسق میں حیات ہے عاشورِ کربلا کے سبق میں حیات ہے
سیرابِ عقل و ہوش ہیں پیاسے فرات کے
اب تذکرے رہیں گے حسینؑ ثبات کے

جس کے عمل نے جبر کے بازو کیے ہیں شل جس کی حسامِ صبر نے کاٹا سرِ اجل
جس کے بدن نے موڑ دیے برچھیوں کے پھل جس کی نظر نے چھین لئے ابروؤں سے بل
اس کا بیاں تصورِ ہستی پہ چھائے گا
اب سیّدہؑ کا لال بہت یاد آئے گا

اب ظلم کے خلاف اُٹھیں گے جوان و پیر اب سرکشی سے زیر نہ ہو گا کوئی ضمیر
ہتھیار کے پہاڑ ہوں یا لشکرِ کثیر اب ظالموں کی موت ہے مظلومیت کا تیر
حق آشنا دلوں میں اُتر جائے گا حسینؑ
چھپ جائے آفتاب، نظر آئے گا حسینؑ

اب دیکھ لیں گے دولتِ دنیا کے فتنہ گر سرچشمۂ شرافت و عظمت ہے کس کا گھر
دہرائیں گے یہ بات سفیرانِ خشک و تر اولادِ مصطفیٰؐ سے منوّر ہیں بحر و بر
بدلیں گے رنگ، مشغلۂ شور و شین کے
پانی سے اب چراغ جلیں گے حسینؑ کے

لاشوں پہ رقص کر چکے وحشت نما سوار فریاد کر کے بیٹھ گیا دشت کا غبار
مولاؑ کے ساتھ ساتھ موالی ہیں تار تار برباد گلستاں ہے، تو اجڑی ہوئی بہار
قربانیوں کے رنگ حسینؑ چمن میں ہیں
یا ایک ساتھ چاند ستارے گہن میں ہیں

گردوں کا چاند کہتا ہے پہنے ہوئے کفن ماتم کناں ہے میرے ستاروں کی انجمن
ٹکڑے ہوئے ہیں آج وہ معصوم کا بدن زخموں سے چاک ہو گیا فطرت کا پیرہن
کوئی ضیا نہیں ہے کوئی بندگی نہیں
جب فاطمہؑ کا چاند نہیں، چاندنی نہیں

یہ کہہ کے رو رہی ہے ندامت بھری فرات پیاسی شہید ہو گئی زہراؑ کی کائنات
لکھی ہے کربلا نے وہ تاریخِ حادثات قربان جس پہ ساری خدائی کے واقعات
تاروں کو حقِ جلوہ فشانی نہیں ملا
انسانیت کے پھولوں کو پانی نہیں ملا

یہ بات کہہ کے چھپ گیا مغرب میں آفتاب اب شام کا نصیب ہے اور مستقل عذاب
دنیا مٹا سکے گی نہ یہ رنگِ انقلاب مظلوم نے کیا ہے اندھیروں کا سدِّ باب
پہنچے گی اب نہ شام کی ظلمت زمانے میں
قائم رہے گی صبحِ رسالت زمانے میں

چھوٹی سی ایک قبر سُناتی ہے بار بار مجھ کو عطا کیا تھا مسافر نے شیر خوار
بھالے چبھو کے لے گئے ظالم وہ گلعذار بچے کو ذبح کر کے ہنسے ہیں ستم شعار

نیزے پہ آشکار جو ننھا گلاب ہے
باغِ حسینیتؑ کا مکمل شباب ہے

سجدوں میں کہہ رہے ہیں یہ جلتے ہوئے خیام یارب کہاں یہ آگ کہاں خانۂ امام
حکمِ خدا سے فرض ہوا جن کا احترام اُن آیتوں کو لوٹنے آئی سپاہِ شام

خالق نے جن کو خلعتِ عصمت عطا کیا
نامحرموں نے آج اُنہیں بے ردا کیا

تپتی ہوئی زمیں کے اشارے میں دمبدم خیموں کی گرم خاک ہے اور مجلسِ حرم
ایسا کوئی چمن ہے نہ ایسی بہارِ غم مقتل بنی ہوئی ہے یتیموں کی چشمِ نم

میدان میں پڑے ہوئے لاشے نظر میں ہیں
دُرّوں کا ہے خیال طمانچے نظر میں ہیں

یادوں میں سُن رہی ہے کوئی صبح کی اذاں جھولے کو دیکھتی ہے کوئی سوگوار ماں
غالب کسی کے ذہن پہ مشکیزہ و نشاں آنکھوں سے کوئی ملتی ہے عابدؑ کی بیڑیاں

ملتے ہیں کتنے حادثے تصویرِ آہ میں
بھائی کے خشک لب ہیں، بہن کی نگاہ میں

چھائی فضائے دشت پہ جب یہ صدائے غم اُٹھی تڑپ کے خاک سے اِک پیکرِ الم
اسلام کا حصار بنی جنبشِ قدم ہاتھوں کو مل گیا اسداللہؑ کا بھرم

ہمت بڑھی حسینؑ کے احساس کی طرح
زینبؑ کو جوش آ گیا عباسؑ کی طرح

چادر کی فکر، بچوں کے رخسار کی خراش — خود اپنے نونہالوں کی فرقت کا ارتعاش
قاسمؑ کا جسم پھول کی مانند پاش پاش — ماں جائے کا تڑپتا بدن نوجواں کی لاش
یہ سرخیاں جو ایک ہی منظر میں آ گئیں
زینبؑ کو احتجاج کا پیکر بنا گئیں

سینے کے داغ حوصلۂ تشنگاں ہوئے — زخموں کے پھول عزم و عمل کی زباں ہوئے
آنسو نئے سفر کے لئے کہکشاں ہوئے — اکبرؑ کا نام لے کے ارادے جواں ہوئے
دشوار تھی جو راہ وہ آسان ہو گئی
اصغرؑ کی یاد فتح کا عنوان ہو گئی

کہنہ لباس، بھائی کی رخصت نگاہ میں — رخصت کے وقت، جملہ وصیت نگاہ میں
وہ آخری سلام کی نوبت نگاہ میں — تازہ لہو خضاب کی صورت نگاہ میں
لیکن علاجِ گردشِ تقدیر بن گئیں
زینبؑ غمِ حسینؑ کی تاثیر بن گئیں

لیلیٰؑ کی فکر، بیوۂ عباسؑ پر نظر — بے چینیاں ربابؑ کی آغوش دیکھ کر
سینے میں درد زوجۂ مسلمؑ کے حال پر — اشکوں کی آگ مادر قاسمؑ کی چشم تر
طوفانِ رنج دامنِ دل میں چھپا لیا
زینبؑ نے خود کو صبرِ مجسم بنا لیا

کلثومؑ کی برستے ستاروں سے گفتگو — کانوں سے اِک یتیم کے بہتا ہوا لہو
اشکِ عروسِ وہبؓ میں قلب وفا کی بو — کچھ بیبیوں میں گود کے پالوں کی جستجو
کل واقعات اپنی نظر میں بسا لئے
زینبؑ نے سب کے غم تنِ تنہا اُٹھا لئے

اُٹھے مزاج صبر سے جرأت کے ولولے　　پیدا ہوئے کمالِ خطابت کے ولولے
مجبوریاں بنیں جو قیادت کے ولولے　　دوڑے لہو میں حفظِ امامت کے ولولے
جیسے حسینؑ آتے تھے آئیں اسی طرح
عابد کے سر پہ ہاتھ رکھا باپ کی طرح

طوق گراں کو دیکھ کے آئے جبیں پہ بل　　ہتھکڑیاں دیکھ لیں تو کہا زندگی سنبھل
اب خاک ہوں گے شام کے نخوت بھرے محل　　یہ ظلم ہے حکومتِ مغرور کی اجل
بنتِ علیؑ شہیدوں کی آواز ہو گئی
زینبؑ کی جنگ آج سے آغاز ہو گئی

جشنِ طرب میں لشکرِ اعدا کو دیکھ کر　　مقتل میں روحِ سیدِ بطحا کو دیکھ کر
چاروں طرف قیامت صحرا کو دیکھ کر　　عباسؑ کے خیال میں دریا کو دیکھ کر
خود ہی جو آ گئے تھے وہ آنسو نکل گئے
زہراؑ کی نورِ عین کے تیور بدل گئے

مانندِ شب مصیبتِ پیہم کی ایک جھیل　　ہر سمت آسماں کی طرح درد کی فصیل
ہر سانس زندگی کے لئے نوبتِ رحیل　　ایسی فضا میں جرات زینبؑ کی سلسبیل
عہدِ سلف کا آئینہ حیران ہو گیا
بیرالالم کا واقعہ قربان ہو گیا

مریمؑ سرشت قلب، جگر حاجرہ مثال　　معصومیؑ نگاہ میں آیات کا جمال
مقصد کی تیغ جذبۂ خیرالنساء کی ڈھال　　زخمی کمر سے باندھے ہوئے انتہا کی شال
یہ طرزِ جنگ حرمتِ قرآں کے واسطے
پیغمبریؑ ہے عالمِ نسواں کے واسطے

بالوں نے خاک ہو کے بنائی نقابِ رُخ تطہیر کے حجاب نے رکھا حجاب رُخ
رومالِ ہل اتی نے چھپائی کتابِ رُخ غیظ ابوترابؑ سے نکھرا گلاب رُخ
خوف و ہراس کٹ گئے، سیفِ خیال سے
پلکوں نے اشک پی لئے رُعبِ جلال سے

ہر وسعتِ نگاہ رسالتؐ اثر ہوئی قائد بنی صداقتِ عمرانؑ کی روشنی
حاصل ہوئے شعور کو اندازِ جعفری شبیرؑ کے اُصول کی تلوار باندھ لی
پرچم دیا جو فاتحِ خیبر کے نام نے
چومے قدم ارادۂ تسخیرِ شام نے

سہمی فضا لرزنے لگے ظلمتوں کے بام بنیادِ جبر ہل گئی ٹوٹا غرورِ شام
زینبؑ نے زندگی سے کیا اس طرح کلام اب دیکھنا غریب کا خاموش انتقام
تکمیلِ صبر و ضبط ہے بیٹی بتولؑ کی
شبیرؑ بن گئی ہے نواسی رسولؐ کی

دیکھا نگاہِ ارض و سما نے یہ ماجرا حیدرؑ کی لاڈلی ہوئی تقدیرِ کربلا
ماتھے کی سلوٹوں سے کھلا عقدۂ بقا نظریں اٹھا کے جانب یثرب یہ کہہ دیا
لتاں، شکستہ ناؤ کی پتوار دیکھ لو
زینبؑ ہے آج قافلہ سالار دیکھ لو

قلب و نظر کو محوِ شہیداں کیے ہوئے بے چارگی کو درد کا درماں کیے ہوئے
ہر سانس کو مقابلِ طوفاں کیے ہوئے قبضے میں اپنے گردشِ دوراں کیے ہوئے
سب غمزدوں کو پاس بُلا کر بٹھا لیا
بچوں کو پیار کر کے گلے سے لگا لیا

کلثومؑ سے کہا مجھے دیکھو مری بہن		میں بھی تو ہوں مسافر و مظلوم کی بہن
باقی بہت ہے مرحلۂ زندگی بہن		آغازِ انقلاب ہوا ہے ابھی بہن
سنبھلو خدا کے دیں کی بھلائی کے واسطے
ان آنسوؤں کو روک لو بھائی کے واسطے

اٹھو بہن، تحمّلِ بنتِ نبیؐ دکھاؤ		شبیرؑ کی بہن ہو مصیبت میں مسکراؤ
مغموم بھاوجیں ہیں، گلے سے انہیں لگاؤ		عابدؑ بخار میں ہے ذرا اس کے پاس جاؤ
زہراؑ کے مہ لقا کی ضیا اور کون ہے
اب وارثوں میں اس کے سوا اور کون ہے

پھر کچھ خیال آتے ہی دیکھا اِدھر اُدھر		اُٹھے قدم، جلے ہوئے خیموں پہ کی نظر
خیمے کی ایک چوب جو دیکھی زمین پر		یا بوترابؑ کہہ کے اُٹھائی بہ کرّ و فر
دل سے کہا جیے مرا عابدؑ مروں گی میں
اُجڑے ہوئے چمن کی حفاظت کروں گی میں

کاندھے پہ چوبِ خیمہ کو رکھ کر کہی یہ بات		یہ مرحلہ بھی دیکھ لو اے فاتحِ فرات
کل تم اسی طرح سے پھرے تھے تمام رات		اب میں ہوں اور غریبوں کی چھوٹی سی کائنات
منزل بڑی کٹھن ہے جگر تار تار ہے
عباسؑ اب تمہاری بہن پہرہ دار ہے

مقتل کی سمت گیسوؤں والے کو دی صدا		اے نورِ عین، یوسفِ کنعانِ کربلا
انداز دیکھو اپنی پھوپھی کے جہاد کا		ہاتھوں میں چوبِ خیمہ ہے اور سر کھلا ہوا
زینبؑ نہیں یتیموں کی اک پاسبان ہے
اکبرؑ یہ امتحان، بڑا امتحان ہے

اک گوشۂ زمیں کی طرف دیکھ کر کہا　　بچو، تمہیں بتاؤ یہ کیا حادثہ ہوا
صدقہ اتارنے سے بھی زینبؑ کو کیا ملا　　لٹاں کا باغ لُٹ گیا بھائی نہیں رہا
دیکھو تو آ کے عون و محمدؑ کہاں ہوں میں
کیوں مجھ سے بے خبر ہو تمہاری تو ماں ہوں میں

قاسمؑ کی یاد آتے ہی یاد آ گئے حسنؑ　　نظروں میں پھر گئی وہ لہو سے بھری لگن
تھا سامنے بھتیجے کا بکھرا ہوا بدن　　نکلے زبانِ پاک سے برجستہ یہ سخن
ہر سمت ٹکڑے ٹکڑے ورق زندگی کا ہے
بیٹا، تمہاری طرح کلیجہ پھوپھی کا ہے

ناگاہ پاس آ کے یہ فضّہؑ نے کہہ دیا　　اے وارثِ شرافتِ زہراؑ غضب ہوا
گم ہو گئی امانتِ مظلومِ کربلا　　کیا جانے کس طرف گئی معصوم مہ لقا
بچی ہے اس اندھیرے میں دہشت سے مر نہ جائے
جلدی تلاش کیجیے سکینہؑ گزر نہ جائے

یہ سنتے ہی تڑپ گئیں زہراؑ کی یادگار　　تاریکیوں کو دیکھ کے بولیں بہ اضطرار
اے رات ہم غریبوں کی دولت سے ہوشیار　　صحرا میں کھو نہ جائے شہیدوں کی سوگوار
سناٹا بڑھ رہا ہے قیامت بپا نہ ہو
اے رات ہم سے پیاری سکینہؑ جدا نہ ہو

تارو خیال رکھنا وہ رستہ نہ بھول جائے　　کمسن ہے تیز چلنے میں ٹھوکر کہیں نہ کھائے
اے آسماں، طمانچہ نہ کوئی اسے لگائے　　معصوم بے پدر ہے پریشاں نہ ہونے پائے
اولادِ فخرِ خضرؑ ہے صحرا خبر رکھے
عباسؑ کی بھتیجی ہے دریا خبر رکھے

اتنا کہا تو جانبِ مقتل اٹھے قدم قربان ہر قدم پہ ہوئی شدّتِ الم
لاشوں کے ساتھ جوش میں آئی فضائے غم عابدؑ پکارے کس لئے اب جی رہے ہیں ہم
اپنی پھوپھی کے کام بھتیجا نہ آ سکے
چھوٹی بہن کو ڈھونڈنے بھائی نہ جا سکے

زینبؑ قریبِ گنجِ شہیداں جو آ گئیں آواز دی کہاں ہو مری غمزدہ، حزیں
مرتی ہے بنتِ فاطمہؑ کیوں بولتی نہیں لپٹی ہو کس کی لاش سے اے میری مہ جبیں
دشمن ہے وقت، سانس بھی خنجر کی دھار ہے
آواز دو سکینہؑ، پھوپھی بے قرار ہے

اٹھیں جو ایک سمت سے معصوم ہچکیاں بے تاب ہو کے ثانیِ زہرا گئیں وہاں
دیکھا تو ایک لاش ہے مانندِ گلستاں جیسے لہو میں ڈوب کے بکھری ہو کہکشاں
بچی ہے اشکبار سرِ لاش اس طرح
بکھرے ہوئے گلاب پہ شبنم ہو جس طرح

زینبؑ نے چشمِ ضبط سے دیکھا یہ حالِ غم آغوش میں اُٹھا کے یہ پوچھا بصد اَلم
بیٹی بتاؤ تم کو اسی لاش کی قسم کیسے یقیں ہوا کہ یہی ہیں شہِ اُمم
تنہا اندھیری شب میں یہاں کیسے آ گئیں
بیٹی، بتاؤ لاشِ پدر کیسے پا گئیں

بچی نے تھرتھراتے لبوں سے کیا کلام کب ختم ہوگی اے پھوپھی امّاں یہ غم کی شام
چلتی تھی بابا جان کی گردن پہ جب حسام اس وقت آپ ہی نے بتایا تھا یہ مقام
ٹیلے پہ چڑھ کے آپ نے دیکھا تھا اس طرف
بابا کا سر بھی نیزے پہ اُبھرا تھا اس طرف

کیا پوچھتی ہیں آپ سکینہؑ کا حالِ زار لایا ہے اس مقام پہ مجھ کو پدر کا پیار
یہ خون کی کشش تھی جو کہتی تھی بار بار اس لاش کو گلے سے لگانے میں ہے قرار

پہچانتی کہاں جسدِ پاک دیکھ کر
مجھ کو یقین آ گیا، پوشاک دیکھ کر

بچی کے اس بیان پہ زینبؑ کے دل کا حال ہمت کی انتہا کہوں، یا صبر بے مثال
ماحولِ قتل گاہ نے اتنا کیا سوال کیا اس طرح بھی ہوتا ہے زخموں کا اندمال

اُمت کہاں پہ آلِ محمدؐ کو لائی ہے
کیا ایسی کوئی رات کسی گھر پہ آئی ہے

آخر لبِ نگاہ سے میت کو چوم کر زینبؑ چلیں سکینہؑ کو لے کر بچشمِ تر
آئیں وہاں جہاں تھا اسیروں کا مستقر بیمار نے جھکا دیا سجدے میں اپنا سر

سجدے سے سر اٹھا کے نہ روئے نہ آہ کی
عابدؑ نے آسماں کی طرف اِک نگاہ کی

ایسی نگاہ، شکر کا محور کہیں جسے شکووں کے بدلے حمدِ الٰہی میں لب ہلے
سوکھی ہوئی زباں سے یہ جملے ادا کئے تو جس پہ خوش ہو اے مرے مولا وہ صبر دے

غالب رہیں غموں پہ غریبانِ کربلا
یارب، ترے سُپرد یتیمانِ کربلا

اتنے میں اک طرف سے ہوئی روشنی عیاں جس روشنی سے سینوں میں اٹھنے لگا دھواں
لشکر سے آئی زوجۂ حُرؑ سوئے بیکساں آب و غذا کی بات ہوئی محشرِ فغاں

دل پھٹ گئے ستم کی نشانی کو دیکھ کر
پیاسوں نے منہ پھرا لئے پانی کو دیکھ کر

لیکن کمالِ ضبط سے بیمارؑ نے کہا   لازم ہے سب کے واسطے اب حرمتِ غذا
پانی پئیں تمام، بصد شکرِ کبریا   ہر حال میں عزیز ہے اللہ کی رضا
ڈر ہے کوئی قدم سببِ خودکشی نہ ہو
ہاں اہلبیتؑ، شانِ وفا میں کمی نہ ہو

مجبور ہو کے سب نے جو دیکھا سوئے طعام   تصویرِ اشک بن گئے مقتول تشنہ کام
آیا لبِ ربابؑ پر اک بے زباں کا نام   لیلیٰؑ کو یاد آ گیا اپنا مہِ تمام
ایسے میں بے قرار کلیجے کو تھامنے
عباسؑ پھر رہے تھے سکینہؑ کے سامنے

زینبؑ کے دستِ پاک پہ آیا جو ظرفِ آب   مانجائے کے گلے سے ملا دل کا اضطراب
خاموش اِک سوال تھا خاموش اک جواب   لیکن بتا گیا یہ تقاضائے انقلاب
جینا پڑا جو مقصدِ شبیرؑ کے لئے
زینبؑ نے پانی پی لیا تشہیر کے لئے

قیصرؔ بیانِ شامِ غریباں محال ہے   تحریر کر سکے کوئی انساں، محال ہے
لائے جوابِ گردشِ دوراں محال ہے   یوں بھی کسی کا گھر ہو پریشاں، محال ہے
ہر زندگی کو ظلم سے لڑنا سکھائے گی
اب تا بہ حشر شامِ غریباں نہ جائے گی

◆◆

maablib.org

ظلم کی دھوپ سے جس وقت بھی گھبرائے گا
آدمی سایۂ شبیرؑ میں آ جائے گا

ذکرِ شبیرؑ غلامی کو فنا کرتا ہے
کون اس آیتِ کردار کو جھٹلائے گا

دل کی آواز حسین ابنِ علیؑ ہونے دو
وقت انسان کا محتاج نظر آئے گا

حق پرستوں کے لیے موت بھی کیا پیاری ہے
یہ تو شبیرؑ کا پیغام ہی سمجھائے گا

کربلا جس کے خیالات کی رہبر ہو گی
شہریاروں کے ستم سے وہی ٹکرائے گا

وقت کے ساتھ اُتر جائیں گے سارے پرچم
تا ابد پرچمِ شبیرؑ ہی لہرائے گا

جس کی آنکھوں میں اُتر جائے گی تصویرِ حسینؑ
تاجداروں کے خزانے وہی ٹھکرائے گا

عزتِ نفس پہ مرنے کا سلیقہ سیکھو
یہ سلیقہ درِ شبیرؑ پہ لے آئے گا

یا حسینؑ ابنِ علیؑ کہہ کے اُٹھیں گے ہم لوگ
جب زمانے میں کوئی مثلِ یزید آئے گا

مسکرائے گا سرِ دار وہی اے قیصرؔ
جو محمدؐ کے نواسے کی ادا پائے گا

سلام

قیصر بارھوی

نوائے احساس

(کربلا میں حضرتِ علی اصغرؑ کی شہادت)

۴۷ بند۔ ۱۹۷۲ء

◆◆

❖❖

گلدستۂ تمدنِ عالم ہے "یاحسینؑ"
اقدار کی تجلیِ پیہم ہے "یاحسینؑ"
تکمیلِ عزم و عہدِ منظّم ہے "یاحسینؑ"
یعنی صداقتِ نبی آدمؑ ہے "یاحسینؑ"

انسان، اس عمل سے عدالت مزاج ہے
ہر ظلم کے خلاف یہی احتجاج ہے

❖❖

نوائے احساس

لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے　　تسکینِ روح، درد کی جولانیوں میں ہے
تعمیرِ فکر، قلب کی ویرانیوں میں ہے　　ساحل کی بات اشک نما پانیوں میں ہے
پھرتا نہیں بجھی بجھی آنکھوں کے روپ میں
سایہ تلاش کرتا ہوں زخموں کی دھوپ میں

ہر نشترِ الم سے نکھرتا ہے خونِ دِل　　بُجھتے چراغ دیتے ہیں تنویر مستقل
احساسِ رنج کب ہے طبیعت سے منفصل　　محشر کے آئینے میں ہے طوفانِ آب وگل
بے چینیاں کہاں مرے داغِ جگر میں ہیں
باغ و بہار پھولوں کے لاشے نظر میں ہیں

خاموشیوں کی آگ میں جلتا ہوا بدن　　پہنے ہے العطش کی صداؤں کا پیرہن
تنہائیوں کے دشت میں آہوں کی انجمن　　ہے نوحہ خواں برائے شہیدانِ بے کفن
لمحات اشکبار ہیں طوفاں لئے ہوئے
میری سحر ہے شامِ غریباں لئے ہوئے

باغیچۂ نفس میں کہاں دورۂ خزاں ہے دمبدم شہید بہاروں کی داستاں
رگ رگ تڑپتے خون کی موجیں رواں دواں دیتی ہیں کربلا کے تصوّر کی سرخیاں
لبریز گفتگو جو دہن کا ایاغ ہے
توصیفِ اہلبیتؑ کا روشن چراغ ہے

بیٹھا کبھی جو شہرِ خموشاں کی خاک پر کچھ میتوں کی یاد میں پھٹنے لگا جگر
آئی نظر جو لاش کسی کی لہو میں تر پیاسوں کی سرزمیں پہ تڑپنے لگی نظر
آواز سن کے درد بھرے شور و شین کی
کانوں میں گونجتی ہے صدا ''یا حسینؑ'' کی

آ ہم نفس، بتاؤں تجھے کیا ہے ''یا حسینؑ'' ہر عالمِ نفس کا اُجالا ہے ''یا حسینؑ''
ناسازیٔ خرد کا مداوا ہے ''یا حسینؑ'' انسانیت عمل ہے، تقاضا ہے ''یا حسینؑ''
وہ سرزمیں جہاں یہ صدا گونجتی نہیں
توہینِ آدمی ہے، وہاں آدمی نہیں

بیدار زندگی کی علامت ہے ''یا حسینؑ'' تابندہ ولولوں کی حرارت ہے ''یا حسینؑ''
خورشیدِ بندگی کی تمازت ہے ''یا حسینؑ'' فردِ عمل پہ مُہرِ صداقت ہے ''یا حسینؑ''
قدرت ہے اس نوائے حق انداز کیلئے
زندہ ہے انقلاب اس آواز کیلئے

گلدستۂ تمدّنِ عالم ہے ''یا حسینؑ'' اقدار کی تجلیٔ پیہم ہے ''یا حسینؑ''
تکمیلِ عزم و عہدِ منظم ہے ''یا حسینؑ'' یعنی صداقتِ بنی آدم ہے ''یا حسینؑ''
انسان اس عمل سے عدالت مزاج ہے
ہر ظلم کے خلاف یہی احتجاج ہے

افکار کیلئے پرِ پرواز "یا حسینؑ" کردار کی جوان تگ و تاز "یا حسینؑ"
دنیا جو کہہ رہی ہے بصد ناز "یا حسینؑ" گویا نفس نفس ہے بہ اعجاز "یا حسینؑ"
یہ عشق ہے خرد کو مسخر کئے ہوئے
فطرت ہے "یا حسینؑ" کا پرچم لئے ہوئے

امن و اماں کی قدرِ مسلسل ہے "یا حسینؑ" لَا تُفْسِدُو کی شرحِ مکمل ہے "یا حسینؑ"
عزّت کی گفتگوئے مدلل ہے "یا حسینؑ" خود آگہی کی شانِ مفصل ہے "یا حسینؑ"
یہ امر جس شعور کا معیار بن گیا
وہ آدمی اصول کی تلوار بن گیا

وحدت نما جہاد کا منظر ہے "یا حسینؑ" قدرت ہے جس کا زور وہ لشکر ہے "یا حسینؑ"
جرات کا بے کنار سمندر ہے "یا حسینؑ" اُمت ہیں عقل و ہوش پیمبرؐ ہے "یا حسینؑ"
صہبائے معرفت ہے اسی جام کیلئے
یہ آبرو ہے کلمۂ اسلام کیلئے

اِک لازوال معدنِ تنویر "یا حسینؑ" اِک بے مثال جذبۂ تسخیر "یا حسینؑ"
حُسنِ وفا، ادائے اجل گیر "یا حسینؑ" اِک مستقل وقار کی تحریر "یا حسینؑ"
آیاتِ کردگار کی عظمت اسی میں ہے
قرآن کی تمام صداقت اسی میں ہے

ہر دور میں تحفظِ انساں ہے "یا حسینؑ" ہر عہد میں حکایتِ ایماں ہے "یا حسینؑ"
ہر صبح کو متاعِ درخشاں ہے "یا حسینؑ" ہر شام کی جبیں پہ چراغاں ہے "یا حسینؑ"
چشمِ حیات میں یہی نورِ دوام ہے
شمس و قمر اسی کے اُجالوں کا نام ہے

حق آشنا اُمنگ اسی آئینے میں ہے — جینے کا خاص ڈھنگ اسی آئینے میں ہے
سچّی انا کا رنگ اسی آئینے میں ہے — سب سے نرالی جنگ اسی آئینے میں ہے
تکبیرِ زیست ہے یہ ادا مشرقین میں
ملتی ہے مصطفٰےؐ کی اذاں "یا حسینؑ" میں

آزادیِ ضمیر کی نوبت ہے "یا حسینؑ" — خودداری مزاج و طبیعت ہے "یا حسینؑ"
سرمایۂ تحفظِ غیرت ہے "یا حسینؑ" — گویا جوابِ جبرِ حکومت ہے "یا حسینؑ"
اس نعرۂ ثبات کو جب ماننے لگا
انسان اپنے آپ کو پہچاننے لگا

ہستی کے گلستاں ہیں تغیّر کے شاخسار — ہردم ہیں "یا حسینؑ" کی خوشبو سے ہمکنار
ذہنوں کی وادیوں میں ترقی کے سبزہ زار — رکھتے ہیں "یا حسینؑ" کے ابرِ کرم سے پیار
سامان ہیں جہاں بھی نئی زیب و زین کے
موتی برس رہے ہیں وہاں "یا حسینؑ" کے

ہمّت نمائیوں کے تقاضے اسی میں ہیں — مشکل کشائیوں کے نظارے اسی میں ہیں
مقبول بندگی کے طریقے اسی میں ہیں — جو ٹوٹتے نہیں وہ ارادے اسی میں ہیں
ہے مدّعا تمام خُدائی کا "یا حسینؑ"
منزل اسی کی ہے جو پکارے گا "یا حسینؑ"

عاشور کے ورق سے چمکتا ہوا لہو — ہر زندگی سے آج بھی کرتا ہے گفتگو
وہ آدمی جسے ہو بلندی کی جستجو — دیکھے تو "یا حسینؑ" کی تصویرِ سرخرو
ظرفِ نظر سے بحر بھی قطرہ دکھائی دے
ہو سامنے پہاڑ تو ذرّہ دکھائی دے

شعلوں کی دھوپ، آگ کی دیوار، کچھ نہیں
تیروں کی چھاؤں، درد بھرے خار، کچھ نہیں
زخموں کی ٹیس، رنج کی یلغار، کچھ نہیں
تیغوں کی برق، موت کی جھنکار، کچھ نہیں
سب کو شکست دینے کی تدبیر چاہیے
سینے پہ ''یا حسینؑ'' کی تحریر چاہیے

حاصل ہے ارتقا کی سحر اس چراغ سے
روشن ہے کائناتِ نظر اس چراغ سے
دُنیا ہے کامیابِ سفر اس چراغ سے
عقبےٰ ہے چار چاند مگر اس چراغ سے
جس دل کو ''یا حسینؑ'' سے وابستگی نہیں
وہ زندگی کی قبر تو ہے زندگی نہیں

کہتا ہوں ''یا حسینؑ'' تو کھلتا ہے بابِ دل
لفظوں میں ڈھالتا ہے تخیل جوابِ دل
پلکوں کے آسماں سے برستا ہے آبِ دل
کہتی ہے کربلا کی کہانی کتابِ دل
ملتے ہیں اضطراب کے نشتر نگاہ کو
مغموم دیکھتا ہوں رسالتؐ پناہ کو

وہ کربلا کا دشت، وہ معصوم کارواں
گیتی پہ مصطفےٰؐ کے ستاروں کی کہکشاں
وہ درد کی بہار، وہ حیدرؑ کا بوستاں
غربت میں، فاطمہؑ کے غریبوں کے امتحاں
کتنے غم آفریں ہیں یہ پہلو حیات کے
پیاسے رہیں فرات پہ، مالک فرات کے

دنیا ہو جن کے دستِ کرم سے شگفتہ حال
صحرا کی گرم ریت ہو ان کے بدن کی شال
جو دشمنوں کے واسطے زخموں کا اندمال
پردیس کی زمین ہو ان کے لہو سے لال
لائے جو رنگ و بو کے سویرے زمین پر
وہ پھول برچھیوں نے بکھیرے زمین پر

روشن ہوئے ہوں جن کے اُجالوں سے بام و در — لُوٹے ہوائے شام نے وہ روشنی کے گھر
جن کی ضیائے رخ سے ملی تابشِ نظر — وہ آفتاب آ گئے نیزوں کی نوک پر
جو زندگی میں نور کے موتی پرو گئے
وہ ماہتاب شامِ غریباں میں کھو گئے

میدانِ کربلا حق و باطل کا امتیاز — جس کی فضا میں دعوتِ فکر و عمل کا ساز
ہے اس طرح برنگِ شہادت سخن طراز — قتلِ خرد ہے امن کے دشمن سے ساز باز
جو منتشر نہ ہو وہ طبیعت سلیم ہے
دنیا جسے جھکا نہ سکے وہ عظیم ہے

زندہ وہی لہو ہے جو ارزاں نہ ہو سکے — یعنی پگھل نہ جائے امارت کی دھوپ سے
وہ آدمی جسے یہ زمانہ خرید لے — داغِ جزام ہے رُخِ ہستی کے واسطے
جلوہ دکھا سکے نہ جو ابرِ سیاہ میں
وہ روشنی کی موت ہے اہلِ نگاہ میں

کانٹوں کا فرش کیا ہے، پیامِ ثبات ہے — دریا کے پاس تشنہ دہانی حیات ہے
خنجر کے آئینے میں شکستِ ممات ہے — خیموں کی آگ فتحِ صداقت کی بات ہے
مظلوم ہیں دلوں پہ حکومت کیے ہوئے
صحرا کے بے کفن ہیں، قیادت لیے ہوئے

مقصد میں زندگی ہو تو مرتا نہیں بشر — تکمیل بندگی ہو تو حاصل ہیں بحر و بر
دل ہو چراغِ حق تو اُجالے نگر نگر — منزل نجات ہو تو گلستاں ہے رہگزر
لکھ دے جو داستانِ وفا خونِ پاک سے
انسانیت کے چاند اُگیں اس کی خاک سے

راہِ خدا میں طوق و سلاسل کی سختیاں　　انسان کے لئے ہیں مکمل سرورِ جاں
خوشنودیٔ اللہ میں تیغوں کا سائباں　　انسان کیلئے ہے محبت کا بوستاں
کانٹوں پہ صبر و ضبط کا ساغر پیے ہوئے
بیمار ہے شفائے دو عالم لیے ہوئے

خلقِ خدا میں آج بھی ممکن ہے انقلاب　　اس وقت بھی نصیب ہے ظلمت کا سدِ باب
تاریخ ہو سوال تو مل جائے گا جواب　　اسلام ہے حسینؑ کی لکھی ہوئی کتاب
مذہب رسولِ حق کی اطاعت کا نام ہے
انسانیت کی شان حسینیؑ نظام ہے

یعنی جہاں کہیں بھی نظر آئے زندگی　　عرفانِ کردگار میں ڈھل جائے زندگی
اِک باہمی خلوص کی ضو پائے زندگی　　ہر فاصلے پہ ایک ہی کہلائے زندگی
آواز ایک فکر کا دستور ایک ہو
چہرے الگ الگ ہوں مگر نور ایک ہو

فطرت کے اعتماد پہ یوں اجنبی ملے　　جس طرح ایک بھائی سے بھائی کبھی ملے
گلزارِ نظم و ضبط میں یوں دلکشی ملے　　ہر ذہن میں اصول کی شائستگی ملے
آغوشِ ارض مسندِ ماہ و نجوم ہو
اُلفت کی روشنی ہو اخوت کی دھوم ہو

تفریقِ رنگ و نسل نہ ہو وجہِ انتشار　　غالب رہے مزاج پہ تسبیحِ کردگار
مرکز کے ساتھ رشتۂ ہستی ہو استوار　　حاصل ہو سب کو آلِ نبیؐ سے نبی کا پیار
ہر پردۂ نفس پہ اُبھر آئے کربلا
ہر دل کے آئینے میں نظر آئے کربلا

زم ہو اغنیا پہ غریبوں کی پرورش　　واجب ہو تربیت سے اسیروں کی پرورش
نظر ہو کشتہ نصیبوں کی پرورش　　اولاد کی طرح ہو یتیموں کی پرورش

ہر شعبۂ عمل میں حُسینؑ سبق ملے
حق دار کو بغیرِ طلب اس کا حق ملے

اُبھریں خُدا پسند مساوات کے اصول　　جھومے خوشی سے گلشنِ آدم کا پھول پھول
وحدت سے جگمگائیں زمانے کے عرض وطول　　اسلام کا وقار بنے اُمّتِ رسولؐ

ہر سمت بے مثال اخوت کی شان ہو
قالب جُدا جُدا ہوں مگر ایک جان ہو

اے کاش، یہ خیال ہو، کیا کر گئے حسینؑ　　صحرا میں کیوں جہادِ وفا کر گئے حسینؑ
بچوں کو کس عمل پہ فدا کر گئے حسینؑ　　کیوں تشنہ لب، لہو میں نہا کر گئے حسینؑ

کیا خاص وجہ تھی جو خریدی تھی کربلا
کیا مقصدِ وغا کیلئے لی تھی کربلا

مقصد یہ تھا کہ سارا زمانہ ہو باخبر　　مسکن خلافِ شرع نہ ہو اس زمین پر
نقدِ حلال سے جو خریدے کوئی بشر　　اس خطۂ زمیں پہ نہیں جبر کا گزر

اک اشتباہ غصب کی صورت جہاں نہیں
گنجائشِ تعرّضِ حاکم وہاں نہیں

اس پر بھی جبر ہو تو ہر انسان کی نظر　　خود فیصلہ سُنائے گی حالات دیکھ کر
وہ حکمراں مخالفِ یزداں ہے سر بسر　　بدلے فسادِ شام سے جو امن کی سحر

قائد ہو فتنہ گر تو قیادت کی موت ہے
جابر کا اقتدار حکومت کی موت ہے

کیا پیش جز جراتِ گفتار حق نہیں
کیا سرکشوں سے عالم پیکار، حق نہیں
کیا انتہائے صبر کی تلوار حق نہیں
کیا بیعتِ یزید سے انکار، حق نہیں
بیعت میں مصطفےٰؐ کی بقا بیچتے حسینؑ
کیا کربلا میں اپنا خدا بیچتے حسینؑ

کیا فاسدوں کی بات بنانا ستم نہیں
کیا ظالموں کے دیپ جلانا ستم نہیں
کیا باغیوں کا جرم چھپانا ستم نہیں
کیا قاتلانِ دیں کو بچانا ستم نہیں
پھر کیوں حسینؑ ربط بڑھاتے یزید سے
کیا مصطفےٰؐ کا دین چلاتے یزید سے

لیکن علیؑ کے لال نے وہ فیصلہ کیا
جس فیصلے سے آج ہے پیغامِ کبریا
ہر ذہن میں تخیلِ بیعت بدل دیا
تاحشر کائنات کو تسخیر کر لیا
دن رات کربلا کے لبوں کی پکار ہے
سبطِ نبیؐ، اصول کا پروردگار ہے

سب سے عظیم وادیٔ صبر و قرار میں
قربانیوں کی سب سے انوکھی بہار میں
سب سے جدا حواس شکن اضطرار میں
انسانیت کی سب سے بڑی کارزار میں
ایک غنچۂ نہال پیمبرؐ کا خون ہے
فتحِ مبیں حسینؑ کے اصغرؑ کا خون ہے

عاشور سے برستے ہوئے آنسوؤں کے تار
دہرا رہے ہیں قصۂ مظلوم بار بار
آنکھوں میں نقش ہے علی اصغرؑ کی کارزار
مقتل میں شیر خوار مجاہد کا ایک وار
دنیا کے لشکروں کا کلیجہ ہلا گیا
کونین میں حسینؑ کا ڈنکا بجا گیا

آوازِ استغاثۂ مظلوم کی قسم دیکھے تھے ماں نے جرأت اصغرؑ کے پیچ وخم
ننھے سے ہاتھ پاؤں میں جنبش تھی دمبدم ماتھے کی چاندنی سے عیاں حیدریؑ حشم
سب سے جدا ارادۂ میدانِ جنگ تھا
عباسؑ کی ادائیں تھیں اکبرؑ کا رنگ تھا

جھولے میں لے رہے تھے قیامت کی کروٹیں کہیے جنہیں بقائے شریعت کی کروٹیں
ہونٹوں کی خشکیوں میں شہادت کی کروٹیں تبلیغِ حق میں جیسے نبوّت کی کروٹیں
بچپن کے ولولے تھے جوانی لئے ہوئے
یا زندگی علیؑ کی کہانی لئے ہوئے

کونپل سی اُنگلیوں میں اشارہ جہاد کا جیسے بیاں ہو کلمۂ اژدر کا ماجرا
ننھی سی مٹھیوں میں نئی قوتِ وغا دیکھے تو کہہ دے فاتحِ خیبر کی ہر ادا
اس شوق کارزار کا کوئی جواب ہے
یہ کمسنی نہیں ہے، علیؑ کا شباب ہے

آغوش میں اُٹھا کے یہ کہنے لگیں ربابؑ اصغرؑ میں جانتی ہوں یہ حالت، یہ اضطراب
مظلوم کی صدا سے کلیجہ ہے آب آب لبیک کہہ رہے ہو یہاں میرے ماہتاب
بیٹا سمجھ رہی ہوں تمہارے خیال کو
ٹھہرو ابھی بُلاتی ہوں زہراؑ کے لال کو

اصغرؑ یہ ماں ہے جس کو سناتے ہو دل کا حال جاؤ گے قتل گاہ میں، جاؤ گے میرے لال
معصوم آنسوؤں کی عبارت میں ہر سوال کچھ بھی نہیں ہے باپ کی نصرت کا ہے خیال
تنہا ہے فاطمہؑ کا پسر اب کوئی نہیں
جاؤ، خوشی سے جاؤ، یہ ماں روکتی نہیں

دن ڈھل چکا ہے ناصر و یاور نہیں رہے　　اے مہ لقا، پھوپھی کے گلِ تر نہیں رہے
عباسؑ ابنِ حیدرؑ صفدر نہیں رہے　　اصغرؑ میں کیا کہوں علی اکبرؑ نہیں رہے
خالی ہوا ہے گھر تو شکایت نہیں مجھے
پیارا ہے دین، تم سے محبت نہیں مجھے

کیا سوچتے ہو اے مرے معصوم، نورِ عین　　کیا دیکھتے ہو باپ کے آرام، ماں کے چین
کیا فکر ہے کہو تو غریبوں کی زیب و زین　　کس شان سے لڑو گے اگر لے گئے حسینؑ
برگِ چمن ہو، پھول ہو ننھی سی جان ہو
مقتل میں کیا کرو گے ابھی بے زبان ہو

اصغرؑ کا اضطراب پکارا یہ کیا کہا　　اس پھول کی رگوں میں لہو ہے حسینؑ کا
نصرت اُدھر ہے اور اِدھر ماں کی مامتا　　مقتل میں ہو گی آج شجاعت کی انتہا
دنیا ہلے گی برگِ چمن کی زبان سے
اک انقلاب آئے گا ننھی سی جان سے

بچے کے خشک ہونٹوں کو ماں چومنے لگی　　دل مضطرب ہوا، کبھی بیٹھی، کبھی اُٹھی
جب آ گئے حسینؑ، قیامت بپا ہوئی　　پیدا ہوئی فضائے دو عالم میں تھرتھری
باہیں اٹھا کے ماں کا کلیجہ ہلا گئے
اصغرؑ ہمک کے باپ کی گودی میں آ گئے

سینے سے اپنے چاند کو لپٹا کے شاہِ دیںؑ　　کہنے لگے ربابؑ سے، اے غمزدہ حزیں
کیا ہو گئی ہے شکلِ پسر دیکھتی نہیں　　مر جائے تشنگی سے یہ معصوم ہے یقیں
باقی ہے کچھ تو رحم زمانے کے واسطے
لے جا رہا ہوں پانی پلانے کے واسطے

بولیں ربابؑ دیکھ رہی ہوں مرے حضورؐ بے چینیوں میں ڈوب چکا ہے نظر کا نور
اللہ نے دیا ہے مرے لال کو شعور پانی تو اک بہانہ ہے جائے گا یہ ضرور
جھولے سے میری گود میں آنا دہائی ہے
اصغرؑ نے مجھ کو ساری کہانی سنائی ہے

آخر وہی ہوا کہ تڑپتی رہیں ربابؑ مقتل میں آ گئے علی اصغرؑ بہ آب و تاب
حکمِ پدر ہوا تو کیا خود سوالِ آب ننھی زباں دہن سے نکالی بہ اضطراب
قرآں کھلا تو فتح کی آیت عیاں ہوئی
تفسیرِ صبر پیشِ امامت بیاں ہوئی

وہ بے نیازِ لفظ و بیاں منظرِ بیاں وہ ماورائے عقلِ بشر معنیِ زباں
وہ بے نوا خطاب مگر شرحِ انس و جاں وہ دولتِ نگاہِ خریدارِ دو جہاں
انداز دردِ صحنِ دو عالم پہ چھا گئے
ارض و سما تصرفِ اصغرؑ میں آ گئے

بے حرف سرفروشی و نصرت کی گفتگو معصومیت میں رازِ امامت کی گفتگو
حجت کے آئینے میں رسالتؐ کی گفتگو یکتائیِ شعور میں وحدت کی گفتگو
سینے کی دھڑکنوں میں قیامت لئے ہوئے
اصغرؑ تھے کائنات کی قوت لئے ہوئے

قربان ہو کے دھوپ کی شدت گلے ملی تشنہ لبی فرات کی صورت گلے ملی
مقصد پہ انبیاؑ کی نبوت گلے ملی سب سے سوا پھوپھی کی محبت گلے ملی
پہچان کر خطیبِ شہادت کی شان کو
زہراؑ کے ہونٹ چوم رہے تھے زبان کو

ٹکرا کے فرشِ گرم پہ سر پٹختا غبار ماتھے کو چوم چوم کے ہوتا تھا بیقرار
ساحل سے کہہ رہی تھیں ہوائیں بہ اضطرار موجوں کی راہ موڑ دے پیاسا ہے شیر خوار
لے آ قریب پیاسے کے دریا تو کچھ نہیں
عباسؑ کی کمائی ہے تیرا تو کچھ نہیں

دنیا سوال آب سمجھتی رہی مگر جلنے لگے جفا کے ستوں، ظلم کے شجر
سینوں میں اشکبار ہوئے پتھروں کے گھر آنکھوں میں تھرتھرائے خجالت نما شرر
بچے میں انقلاب ابد دیکھنے لگے
دشمن خود اپنے جبر کی حد دیکھنے لگے

بنیادِ کفر زلزلہ انگیز ہو گئی پانی ہر ایک موجِ ستم خیز ہو گئی
غارت گری کی فصلِ حیا بیز ہو گئی احساس کے چراغ کی لَو تیز ہو گئی
اپنے عمل پہ بانیِ شر سوچنے لگے
غالب ہوائے زر تھی مگر سوچنے لگے

پتھر لئے ہوئے تھے جو ہاتھوں میں سنگدل گھبرائے پھر رہے تھے، پریشاں، خجل خجل
جو حوصلے تھے جبر و تشدد پہ مشتمل معلوم ہو رہے تھے ندامت سے مضمحل
ہر سمت پھول جیسے سپاہی کی دھوم تھی
شبیرؑ کے عمل پہ گواہی کی دھوم تھی

زنجیرِ زعم توڑنے والے پیام سے دل کی بساط لوٹنے والے کلام سے
تادیب نفسیات کی تاثیر عام سے بچے نے ذہن چھین لئے فوج شام سے
ہر قلب میں تھے شرم کے خنجر گڑے ہوئے
ظالم، پسینہ پونچھ رہے تھے کھڑے ہوئے

بجلی گری، غرور کی شاخیں ہوئیں قلم لہرائے گرزِ فکر پڑے گردنوں میں خم
ٹھنڈے ہوئے مزاج، لرزنے لگے قدم اصغرؑ نے مسکرا کے کہا دیکھتے ہیں ہم
ہتھیار کیا ہیں ضربِ تبسّم کے سامنے
جھکتے ہیں دل، خموش تکلّم کے سامنے

اصغرؑ ہنسے، تو ہلنے لگا کربلا کا بن ٹکڑے ہوئے تڑپتی فضاؤں کے پیرہن
دریا پہ تھرتھرا گیا عباسؑ کا بدن بولے حسینؑ صبر کرو میرے خستہ تن
مظلومیت کو محورِ اسلام کر دیا
تم نے تو آج سب سے بڑا کام کر دیا

معصوم نے جو باپ کے چہرے پہ کی نظر لشکر میں ابنِ سعد نے دیکھا اِدھر اُدھر
نزدیک حرملا کے جب آیا وہ بدگہر بحرِ ہوس میں ڈوب گئی غیرت بشر
اک تیر یوں چلا کہ نظر دنگ رہ گئی
بے شیر کی حیات لہو ہو کے بہہ گئی

اصغرؑ کا پھول جیسا گلا اور ستم کا تیر اک بے زبان ماہِ لقا اور ستم کا تیر
وہ تشنگی کی خاص ادا اور ستم کا تیر بچے کے ساتھ ماں کی دعا اور ستم کا تیر
دیکھا نہیں یہ رنگ کسی امتحان میں
سب حوصلے ملیں گے اسی داستان میں

وہ باپ کا کلیجہ، وہ میت، وہ بیکسی ہاتھوں پہ وہ غریب کی دنیا لٹی ہوئی
ایسے میں جب خیام کی جانب نظر اُٹھی اصغرؑ کا خون بن گئی قسمت ربابؑ کی
چلنے لگے کبھی تو کبھی رُک گئے حسینؑ
پائی جہاں رضائے خدا، جھک گئے حسینؑ

چہرے پہ انقلاب کی سُرخی مَلے ہوئے بیٹے کے گرم خون سے چُلّو بھرے ہوئے
اشکوں کے ساتھ سوئے نجف دیکھتے ہوئے بے شیر کے قلم سے کہانی لکھے ہوئے
دنیا کو حدِّ صبر دکھائی حسینؑ نے
مقتل میں ایک قبر بنائی حسینؑ نے

وہ قبر جس کو منزلِ تشنہ دہن کہوں وہ قبر جس کو جلوہ گہہِ بے کفن کہوں
وہ قبر جس کو درد بھری انجمن کہوں وہ قبر جس کو فتحِ غریب الوطن کہوں
دامن میں جس کے اور بھی محشر عیاں ہوا
وہ قبر جس کا چاند سناں پر عیاں ہوا

وہ قبر جس کی چھاؤں میں تڑپا وہ گلعذار دیکھی نہ جس نے باغِ زمانہ کی کچھ بہار
وہ قبر جس کو چوم کے کہتی تھی ذوالفقار اے سیدہ کے لال ترے صبر کے نثار
دامن پہ اب یہ خاکِ کہاں لے کے جاؤں گی
مولاؑ میں بوترابؑ کو کیا منہ دکھاؤں گی

ہر دل میں ہے ربابؑ کے اشکوں کی روشنی وہ قبر اور وہ چاند نہ بھولے گی زندگی
پردیس میں کسی کی اگر ماَمتا لٹی یاد آئیں گی ادائیں نرالے شہید کی
دل چاک ہو گا سبطِ پیمبرؐ کے واسطے
ہر خالی گود روئے گی اصغرؑ کے واسطے

جب کوئی اپنے چاند کی میّت اٹھائے گا آنکھوں میں کربلا کا مسافر سمائے گا
جس دم کسی کے پھول کو دفنایا جائے گا مظلوم فاطمہؑ کا پسر یاد آئے گا
آئے گا ذکر تشنہ لبی جس مقام پر
پانی پلایا جائے گا اصغرؑ کے نام پر

قیصرؔ تمہیں بھی داغِ پسر ہے تو کیا ہوا	لکھو شہادتِ علی اصغرؑ کا ماجرا
غالب رہے تصورِ معصومِ کربلا	اس غم کے سامنے تو کوئی غم نہیں رہا

جس وقت کوئی رنج ملے اپنی ذات کو
تم "یا حسینؑ" کہہ کے سنوارو حیات کو

◆◆

حسینؑ اور انتخاب

(کربلا کے میدان میں امامؑ کے انصار و اقربا کی قربانیاں)

۷۰ بند۔ ۱۹۷۸ء

❖❖

معراجِ مصلحت کا یہ انداز دیکھ کر
سب سے جُدا مزاجِ تگ و تاز دیکھ کر
انجام کے لئے رُخِ آغاز دیکھ کر
سبطِ نبیؐ میں سوزِ جہاں ساز دیکھ کر
آواز دی خرد نے یہی کامیاب ہے
قدرت پکار اُٹھی یہ مرا انتخاب ہے

❖❖

حسینؑ اور انتخاب

انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے　　معصومی نظر شرفِ کائنات ہے
سرمایۂ خلوص اگر حُسنِ ذات ہے　　ہر بات عظمتِ بنی آدم کی بات ہے
چشمِ خرد جو دل کی گرہ کھولنے لگے
پتھر بھی آدمی کی طرح بولنے لگے

کامل شعور ہے تو مسخّر ہے زندگی　　دل آفتاب ہے تو منوّر ہے زندگی
کردار کے نمو سے گُلِ تر ہے زندگی　　حق ہے متاعِ زر تو ابوذرؓ ہے زندگی
صورت ملے جو بولتے قرآن کی طرح
آنکھیں دُرود پڑھتی ہیں سلمانؓ کی طرح

گلدستۂ مزاج ہے خوشبو کا آبشار　　خوشبو کا آبشار تمدّن کا لالہ زار
تہذیب کی بہشت ہے احساس کی بہار　　احساس کی بہار میں ہے مستقل قرار
حق آشنا جو ذہن کی آب و ہوا رہے
ہر آدمی کے سامنے اپنا خدا رہے

سچائیوں کے عطر سے مہکا ہوا بدن　　رکھتا ہے مہر و ماہ کے جلوؤں کا پیرہن
بیداریِ ضمیر سے نکھرا ہوا سخن　　تاریخِ انقلاب کو دیتا ہے بانکپن
مقتل برنگِ خُلد ہے روشن دماغ سے
ظلمت کا دم گھٹا ہے لہو کے چراغ سے

ہمت ہے موج موج تو ساحل قریب ہے　　منزل شناس کیلئے منزل قریب ہے
پرواز چاہیے مہِ کامل قریب ہے　　معراج ہو تو عرش کی محفل قریب ہے
دیکھے تو کوئی حُسنِ دوامی لئے ہوئے
سورج ہے اک نظر کی غلامی لئے ہوئے

وحدت پرست روح کی قوت عظیم ہے　　قدرت نما تجلیِ فطرت عظیم ہے
تسخیرِ عقل و فکر کی دولت عظیم ہے　　جو مستقل رہے وہ حکومت عظیم ہے
اُٹھیں قدم جو حق پہ بھروسہ کئے ہوئے
دیوار بھی سلام کرے دَر لئے ہوئے

زندہ تخیلات میں تنہا نہیں بشر　　اک سلطنت ہے قوت دل، وسعتِ نظر
کیا چیز ہیں عقابِ حکومت کے بال و پر　　جرات ہے تخت و تاج، شرافت ہے کرّ و فر
سعیِ عبث ریاستِ باطل کا شور ہے
غربت کی ایک سانس میں لشکر کا زور ہے

بن جائیں ناگ زلفِ سیاست کے پیچ و خم　　ضربِ کلیمؑ ہے تو کہاں سامری میں دم
چھا جائیں سیم و زر کے اُجالے تو کیا ہے غم　　حیدرؑ کا نور چاہیے ہر روشنی ہے کم
ہنستے ہیں بندگانِ خدا مشکلات میں
ہیرے چمک دکھاتے ہیں تاریک رات میں

آبادیوں میں سلسلۂ قہر دیکھ کر بے چینیوں میں ڈوبے ہوئے شہر دیکھ کر
بزمِ نفس میں درد بھری لہر دیکھ کر ماحول کی رگوں میں نیا زہر دیکھ کر
اُٹھے کوئی بشر جو پیمبرؑ کی شان سے
کیسی زمیں، خراج ملے آسمان سے

لازم ہے زندگی کے صحیفے پہ اِک نظر تازہ لہو ہے شیشۂ ماضی میں جلوہ گر
مقتل کے سرخ ہونٹ سناتے ہیں یہ خبر انساں کے نقشِ پا میں ہے تاریخ کا سفر
انداز ہو جو سبطِ رسالتؐ پناہ کا
صدیوں کو ناپ لیتا ہے سورج نگاہ کا

روشن اُسی کے دم سے بصیرت کی مشعلیں جس نے سنی ہیں سینۂ فطرت کی دھڑکنیں
باقی اسی کے خوں سے محبت کی آیتیں جس نے پڑھی ہیں درد کے چہرے کی سلوٹیں
قابض وہی ہے قلب و نظر کی فرات پر
زندہ ہے جس کی پیاس لب کائنات پر

تنظیمِ گلستاں کے تقاضے ہیں بار بار پھولوں کے بندوبست پہ موقوف ہے بہار
صبحِ چمن کے نقرئی جلوؤں کی ہے پکار غالب ہوائے شام نہ ہو جائے ہوشیار
چشمِ غلط، سنہرے اُصولوں کی موت ہے
کم ظرف باغباں ہے تو پھولوں کی موت ہے

حاکم ہے کم نظر تو حکومت ہے بے وقار مخلوق پر عذاب ہے ظالم کا اقتدار
انسانیت ہو جس کے تسلط سے تار تار لازم ہے اس نظام کے آذر سے گیر و دار
مِٹتا ہے کفر چشمِ حق آگاہ چاہیے
بُت ٹوٹتے ہیں ضربِ یداللہ چاہیے

انسانیت کے ملک میں اہلِ نظر عوام
پیتے ہیں کربلا کی شرابِ عمل کے جام
یہ بات مانتا ہے زمانے کا ہر نظام
قانون انتخاب ہے عاشور کا پیام
یعنی خِرد پہ غلبۂ وہم و گماں نہ ہو
نااہل کے سپرد کوئی کارواں نہ ہو

مِلّت بھی کارواں ہے وطن بھی ہے کارواں
دونوں کی روشنی ہے تمدّن کی کہکشاں
مِلّت سے ہے وطن کی زمیں رشکِ آسماں
خاکِ وطن سے دامنِ مِلّت ہے گلستاں
مِلّت، وطن، بحیثیتِ مہر و ماہ ہیں
حاکم یزید ہو تو یہ دونوں تباہ ہیں

تاریخ کہہ رہی ہے غمِ کارواں کی بات
شبیرؑ کی نگاہ تھی اور گردشِ حیات
تخریب میں ڈھلی ہوئی رفتارِ کائنات
وہ شام کا دیار وہ تعمیرِ مشکلات
آندھی کا رُخ تھا کعبۂ اسلام کی طرف
جاتی تھی موت امن کے پیغام کی طرف

ذہنوں پہ چھا رہی تھی خطا کاریوں کی دھوپ
سینے جلا رہی تھی دل آزاریوں کی دھوپ
غربت کی بستیوں میں تھی خونخواریوں کی دھوپ
آنکھیں دکھا رہی تھیں ستمگاریوں کی دھوپ
دشتِ نفس میں چھاؤں کا نام و نشاں نہ تھا
چہرے عرق عرق تھے کہیں سائباں نہ تھا

دام و درم کی آگ سے پگھلے ہوئے ضمیر
سمجھے ہوئے تھے شام کی ظلمت کو دستگیر
ہر آنکھ سے برستے تھے غارت گری کے تیر
حیوانیت کے جال میں انسان تھے اسیر
باقی تھا کس میں ہوش، حساب و کتاب کا
سر چڑھ کے بات کرتا تھا جادو شراب کا

چاروں طرف رعونتِ شاہی کی برچھیاں ہر زندگی پہ جبر حکومت کی سختیاں
بیعت کی ضربتوں سے شرافت کی دھجیاں غیرت کا خون مرگِ حمیّت کی سرخیاں
پھرتے تھے لوگ ساغرِ وحشت پیے ہوئے
مغرور قہقہے تھے جنازے لئے ہوئے

طوفان تھی یزید کے فکر و نظر کی آگ گلشن جلا رہی تھی دلِ فتنہ گر کی آگ
گھیرے ہوئے تھی خیر کو تصویرِ شر کی آگ جُھلسا رہی تھی روح کو رخسارِ زر کی آگ
بربادیاں تھیں گردشِ دوراں کے ہاتھ سے
قرآن جل رہا تھا مسلماں کے ہاتھ سے

ظالم کے ہر خیال پہ نخوت سوار تھی کہیے جسے لباسِ بشر میں درندگی
کرتی تھی رقص شیشۂ بیعت میں سرکشی کہیے جسے یزید کا آئینِ خودسری
ذرّہ، وقارِ شاہِ نجف دیکھنے لگا
بوجہل، مصطفےٰؐ کی طرف دیکھنے لگا

ایسی فضائے درد میں شبیرؑ کی نظر اسلام کی پناہ تھی قرآن کی سپر
اُٹھا یہ کہہ کے سیّدِ کونینؐ کا پسر اب سامنے ہے فیصلۂ جنگِ خیر و شر
مقتل میں رنگ لائیں گے جلوے ثبات کے
جوہر کھلیں گے خلق پہ اب حسنِ ذات کے

تکمیلِ حُسنِ ذات میں شبیرؑ کا خیال اک جذبۂ کمال تھا اک عزمِ لازوال
تشکیلِ بزمِ شوق میں یہ طرزِ بے مثال گویا بقا کے آئینے میں حیدریؑ جلال
اک انقلاب، فکر قیام و سفر میں تھا
یا انتخابِ جادۂ منزل نظر میں تھا

نجران کی فضاؤں سے آنے لگی صدا ابناء نا کی دوسری تصویر مرحبا
وحدت کے انتخاب کا دن یاد آ گیا وہ مصطفیٰؐ کے ساتھ گلستانِ مصطفیٰؐ
ایسی ہے شان آج چراغِ بتولؑ کی
جیسے مباہلے میں قیادت رسولؐ کی

سُن کر لبِ وفا سے وفا کی کہانیاں پڑھ کر تمام چہرۂ ہستی کی داستاں
گھر سے چلا جہانِ شریعت کا حکمراں مقصد کی روح بن گئی تشکیلِ کارواں
گلدستۂ وفا کی بہاروں کو چن لیا
سورج نے اپنے چاند ستاروں کو چن لیا

محور جو تھا رسولؐ کا اندازِ انتخاب فطرت ہوئی تحفظِ اسلام کا شباب
ہجرت کا آئینہ تھا ادھر صبحِ انقلاب رخصت اِدھر مدینے سے آغازِ اضطراب
عزمِ رسولؐ تھا کہ مدینہ بسائیں گے
شبیرؑ کہہ رہے تھے کہ اب ہم نہ آئیں گے

خوش تھے رسولؐ قوتِ بازو کو دیکھ کر عباسؑ پر ٹھہر گئی شبیرؑ کی نظر
رایت اگر وہاں شہِ مرداںؑ کے دوش پر طوبا یہاں تھا پنجۂ عباسؑ نامور
باتیں فضاؤں میں تھیں علیؑ کے ثبات کی
شبیرؑ پڑھ رہے تھے کہانی فرات کی

محبوب تھی جو صورتِ محبوبؐ کبریا ہمراہ اپنے اکبرؑ مہرو کو لے لیا
کڑیل جواں پسر نے وہ حسنِ نظر دیا کھیے جسے جوانیِ تبلیغِ انبیاؑ
لے جا رہے تھے حق کی حمایت کے واسطے
یا منتخب کیا تھا زیارت کے واسطے

بھائی کی یاد تھی جو کلیجے سے ہمکنار دنیا کے ہر خیال میں تھا زہر آشکار
سینے میں آیتوں کی طرح مجتبیٰؑ کا پیار قرآن رُخ لئے ہوئے قاسمؑ سے گلعذار
فردِ سفر میں لختِ جگر نام لکھ دیا
پامال ہو گا پھول یہ انجام لکھ دیا

آنکھوں میں جل رہے تھے محبت کے دو چراغ روشن تھے ذہن و دل میں صداقت کے دو چراغ
بے مثل خانوادۂ عصمت کے دو چراغ بنتِ ابوترابؑ کی قسمت کے دو چراغ
بچوں میں افتخارِ اب و جد تمام تھا
اکبرؑ کے ساتھ عون و محمدؑ کا نام تھا

تقدیر تھیں جو بنتِ پیمبرؐ کی عظمتیں تعظیم کر رہی تھیں دو عالم کی رفعتیں
مستقبلِ نظر میں بہتر شہادتیں پلکوں پہ لکھ رہی تھیں حرم کی مصیبتیں
لیکن علاجِ گردشِ رنج و تعب کیا
زینبؑ کو فاطمہؑ کی جگہ منتخب کیا

زینبؑ کے انتخاب پہ قرآن کی پکار اے میرِ کارواں تری تدبیر کے نثار
خواہر کو امتحاں میں بنایا شریکِ کار اب گلشنِ وفا کو میسّر ہوئی بہار
قانونِ کبریا کا یہی اہتمام ہے
زینبؑ حسینیتؑ کی تجلّی کا نام ہے

سجادؑ کی طرف جو اٹھی چشمِ انتخاب عزمِ سفر پہ چھا گئی زنجیرِ اضطراب
لیکن ثباتِ حق نے کیا اس طرح خطاب سجاد سے ہے فتنۂ بیعت کا سدِ باب
باقی اسی کے دم سے امامت کا نام ہے
یہ نورِ عین، فاتحِ دربارِ شام ہے

طوفانِ ظلم تیز ہے اے جانِ مرتضےٰ ؑ مقتل کے بعد چاہیے اندازۂ جفا
بنتِ علیؑ کے سر سے اگر چھن گئی ردا اُس وقت کون بارِ مشیّت اٹھائے گا
معراجِ صبر و ضبط کی روداد چاہیے
دینِ خدا کو ہمّتِ سجادؑ چاہیے

کیا موج پر تھی جرات و ایثار کی سبیل فہرستِ کارواں تھی کہ ایمان کی فصیل
شبیرؑ کے قریب تھے مسلمؑ بن عقیلؑ جیسے خدائے صبر کی خدمت میں جبرئیل
جعفرؑ کو دی تھی مُہرِ سفارت رُسولؐ نے
مسلمؑ کو منتخب کیا ابنِ بتولؑ نے

مسلمؑ کا نام لکھ کے لرزنے لگا قلم دو پھول کھلنے لگے آنکھوں میں دمبدم
لہرا رہا تھا سامنے اک خنجرِ ستم دریا بنی تھی کوفے کے اندر فضائے غم
پانی تھا یوں غریبوں کی لاشیں لئے ہوئے
جس طرح ماں ہو بیٹوں کی لاشیں لئے ہوئے

فضہؓ کی خدمتوں کا صلہ یوں ادا کیا فہرست میں محافظِ بنتِ علیؑ لکھا
منظر ہوئی جو شام کے دربار کی فضا احساس کی زباں سے خیالات نے کہا
فضہؓ مصیبتوں میں بہت کام آئے گی
یہ اپنی پشت سے سرِ زینبؑ چھپائے گی

آخر میں جب تمام عبارت پہ کی نظر زہراؑ کے نورِ عین نے دیکھا اِدھر اُدھر
اتنا کہا ربابؑ کی آغوش دیکھ کر فہرست ختم ہے علی اصغرؑ کے نام پر
تیرِ قضا پہ ہنسنے کی صورت بھی چاہیے
مقتل میں بے زباں کی شہادت بھی چاہیے

تشکیلِ کارواں جو ہوئی کارواں چلا شبیرؑ کیا بڑھے کہ زمانے کا قد بڑھا
یثرب سے نکلا چاند تو بطحا نے دی ضیا یا بوترابؑ کہہ کے ملا خانۂ خدا
کعبے نے حق جتا دیا اپنی زبان میں
آیا علیؑ کا لال علیؑ کے مکان میں

پیدا ہوئی فضا میں یہ آواز دلنواز شبیرؑ کا وجود ہے کعبے کا امتیاز
ظاہر ہیں اِک مقام پہ وحدت کے سوز و ساز اک منزلِ نماز ہے اک حاصلِ نماز
دونوں ہیں امرِ خاص مگر فرق عام ہے
کعبہ تو صرف نام ہے شبیرؑ کام ہے

کعبہ تو عابدوں کی عبادات پر گواہ شبیرؑ بندگی کی سپر دین کی پناہ
کعبے کا انتخاب ہوا بہرِ سجدہ گاہ شبیرؑ منتخب ہوئے بنیادِ لَا اِلٰہ
کعبے کے ساتھ ذکرِ بُتاں بھی ضرور ہے
شبیرؑ خونِ احمدِ مرسلؐ ہے، نور ہے

لیکن خدا کے گھر میں بھی ممکن نہ تھا قیام امکان تھا حرم کی زمیں پر ہو قتلِ عام
ارکانِ حج پہ نظریں جمائے تھا کفرِ شام اغلب یہ تھا کہ ختم ہو کعبے کا احترام
ایسے میں تیز ولولۂ امتحاں ہوا
شبیرؑ کی نگاہ میں مقتل عیاں ہوا

مقتل کہوں کہ منزلِ آخر کا انتخاب پھر اجنبی ہوائیں تھیں اور باغِ بوتراب
گردِ سفر میں اکبرؑ و عباسؑ کا شباب صحرا کی گرمیوں سے کھلے حمد کے گلاب
غازی رواں تھے منزلِ تقدیر کی طرف
لیکن نظر تھی چہرۂ شبیرؑ کی طرف

طے ہو رہا تھا جادۂ تسلیم جس قدر　　پروانے آ رہے تھے صداقت کی شمع پر
یوں زیبِ کارواں ہوئے انصار خوش سیر　　آیات جیسے دامنِ قرآں میں جلوہ گر
دستِ نظر سے لعل و جواہر اٹھا لیے
خورشید نے تمام اُجالے بُلا لیے

وقت آ گیا چمکنے لگی ارضِ کربلا　　میدان انتخاب اُجالوں سے بھر گیا
جلوہ تھا زندگی کے مہ و آفتاب کا　　وہ روشنی ہوئی کہ اندھیروں کا دم گھٹا
ظلمت سمٹ کے شام کے لشکر میں آ گئی
صبحِ دوام حُرؓ کے مقدر میں آ گئی

تاروں نے پڑھ لیا شبِ عاشور کا سبق　　گلزار انتخاب پہ قرباں ہوئی شفق
سورج کی طرح مصحفِ کردار کے ورق　　اسلام کے نشان، بہتر ستونِ حق
سب مقصدِ رسول کی تصویر بن گئے
شبیرؑ کی نگاہ سے شبیرؑ بن گئے

دنیا دلوں سے مٹ گئی وسواس کی طرح　　چہروں کی آب اور بڑھی پیاس کی طرح
اٹھے جواں حبیبؓ کے احساس کی طرح　　پرچم کھلا طبیعت عباسؑ کی طرح
دیکھا فلک نے جونِؓ حقیقت نگاہ کو
کعبے نے جذب کر لیا سنگِ سیاہ کو

کڑکیں کمانیں، موت کی سرکش ہوا چلی　　تیغوں کی دھوپ تیز ہوئی، زندگی ڈھلی
دوشیزۂ اجل نے لہو کی حِنا ملی　　دنیا کے لوگ اُدھر تھے اِدھر دین کے وَلی
بستی رسولؐ پاک کی ویران ہو گئی
لیکن بشر کو دین کی پہچان ہو گئی

دریا کے پاس تشنہ لبی کے کنول کھلے
خنجر چلے غریبوں کے زخمِ جگر سِلے
کڑیل مجاہدوں کو سنانوں کے پھل ملے
بچوں کا خون دیکھ کے پتھر کے دِل ہلے
پیاسوں نے کارنامۂ عاشور لکھ دیا
پانی پہ انتخاب کا دستور لکھ دیا

اللہ رے تدبرِ شبیرِؑ نامور
مقتل میں لے کے آگئے چھ ماہ کا پسر
طولِ ابد سے بڑھ گئی مظلوم کی نظر
تیروں کا دم نکال گئی پھول کی سِپر
لکھا یہ فیصلہ نگہِ روزگار نے
میدانِ جنگ جیت لیا شیر خوار نے

اصغرؑ کی جنگ دیکھ کے تھرآئی کائنات
روئی قضا لہو سے بھرے دیدۂ حیات
صحرا نے کی ربابؑ کے قلب وجگر کی بات
پانی ہوا کلیجہ تو کہنے لگی فرات
بھڑکی ہوئی ہے پیاس اشارہ محال ہے
مقتل میں ایسے پھول کا ہنسنا کمال ہے

وہ انتخابِ سجدۂ آخر ہے یادگار
خنجر کے ساتھ ساتھ نبیؐ کے لہو کی دھار
عقلِ بشر پہ لکھ گیا فطرت کا اضطرار
سبطِ نبیؐ کی جیت یزیدِ لعیں کی ہار
زینبؑ کا سر کھلا، سرِ شبیرؑ کٹ گیا
لیکن سوادِ ظلم کا تختہ اُلٹ گیا

بھائی کا سر بہن کی نظر انتہائے غم
شعلوں کی نذر بارگہِ سیّدالامم
غربت کی شام خاک پہ بیٹھے ہوئے حرم
گلہائے انتخاب کے لاشے قدم قدم
دہشت کی لہر لہر قیامت لئے ہوئے
سیدانیاں نجف کی طرف رُخ کئے ہوئے

دریا سے یوں جلے ہوئے خیموں نے کہدیا
افسوس ہے نبیؐ کا پسر تشنہ لب رہا
سیراب ہے تمام زمانہ تو کیا ہوا
پانی ہے جس کے مہر میں اس کا چمن جلا
کانٹے تو موج موج کی آواز پر گئے
زہراؑ کے پھول گرم زمیں پر بکھر گئے

ذرّوں سے کی اسیروں کے زخموں نے گفتگو اب ہم ہیں کربلا کے شہیدوں کی آبرو
کیا وقت کا غرور ہے کیا سلطنت کی بُو اب زندگی کا نام ہے شبیرؑ کا لہو
جب کوئی حق پرست لہو میں نہائے گا
دنیا کو صبرِ آلِ نبیؐ یاد آئے گا
بکھرے یہ کہہ کے ثانیِ خیرالنساءؑ کے بال اب مقصدِ حسینؑ ہے دنیا میں لازوال
غالب ہو ظلم و جبر کی شمشیر کیا مجال اب خواہرِ حسینؑ ہے مظلومیت کی ڈھال
پیاسوں کی داستانِ دو عالم سنائیں گے
عاشور کے شہید چھپائے نہ جائیں گے
پھیلی فضا میں شام غریباں کی داستاں زینبؑ کے آنسوؤں کو میسّر ہوئی زباں
ظلمت کی موت بن گئی بازو کی ریسماں بازار میں خطابتِ حیدرؑ ہوئی عیاں
شیرِ خدا جو دخترِ شیرِ خدا ہوئی
تحریکِ احتجاج، صدائے بقا ہوئی
بیمار کے گلے میں پڑا طوقِ خاردار بیکس کی پنڈلیوں کو کیا بیڑیوں نے پیار
اُبھرا نئی اداؤں سے اندازِ کارزار اب چل رہی تھی صبر وتحمّل کی ذوالفقار
ظالم نکل سکا نہ گرفتِ امامؑ سے
عابدؑ نے تیغ چھین لی فرعونِ شام سے
ہتھکڑیوں نے کہا اسے کہتے ہیں انتخاب مغرور کے سوال کا دیتے ہیں یوں جواب
اب حشر تک سنائے گی ہر ذہن کی کتاب شبیرؑ کامیاب ہے شبیرؑ کامیاب
انسان جب لوائے قیادت اٹھائے گا
شبیرؑ کے اصول کو محور بنائے گا
قیصرؔ ہجومِ درد ہے اب روکیے قلم موسم ہے آنسوؤں کا برستا ہے ابرِ غم
ارمان ہے، نصیب ہو وہ ساعتِ کرم شبیرؑ کا مزارِ مقدّس ہو اور ہم
اے کاش یوں دُعا کا چمن ہو بہار پر
نکلے بدن سے روح تو سَر ہو مزار پر

◆◆

صبحِ مودّت

(بی بی فضہؑ کی شخصیت، اُن کی خدمات اور مصائب)

۲۷ بند۔ ۱۹۷۷ء

◆◆

❖❖

دُکھ میں شریک، عالمِ ایثار میں شریک
فاقوں میں ساتھ، صبر کے معیار میں شریک
شامل رضا میں، ضبط کی پیکار میں شریک
ذرّیتِ رسولؐ کے کردار میں شریک

اسلام کی تمام صداقت کا نام ہے
فضّہؓ ادائے اجرِ رسالت کا نام ہے

❖❖

صبحِ مودّت

رازِ بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ میں
خوشبوئے جاوداں ہے مودّت کے پھول میں
سجدے کئے ہیں جس نے فضائے اُصول میں
فضہؓ اسی کا نام ہے صحنِ بتولؑ میں
کس نے کہا بتولؑ ہیں باندی لئے ہوئے
دامانِ اہلبیتؑ ہے چاندی لئے ہوئے

انوار اہلبیتؑ میں فضہؓ کی زندگی
سورج سے جیسے خاک ہو کندن بنی ہوئی
آلِ عباؑ کے ساتھ وہ ہستی کنیز کی
حسنِ سلوک دیکھ کے فطرت پکار اُٹھی
تحریمِ رنگ و نسل نمایاں کئے ہوئے
کعبہ ہے اِک سیاہ نگینہ لئے ہوئے

تطہیر کے گلوں سے مہکتی ہوئی فضا
یٰسین کے چمن سے گذرتی ہوئی صبا
دریائے معرفت میں نہائی ہوئی ہوا
اہلِ یقیں سے آج بھی کہتی ہے برملا
تاحشر، سر پہ بنتِ پیمبرؐ کا ہاتھ ہے
فضہؓ فضائے دہر میں قرآں کے ساتھ ہے

فضہؓ کو شہر علم کی آب و ہوا نصیب چومے فرازِ عرش وہ ذہنِ رسا نصیب
تائیدِ پنجتنؑ، کرمِ کبریا نصیب لاریب اس نصیب کو کہیے بقا نصیب
دامن میں بارگاہِ امامت کی بھیک ہے
فضہؓ کی پرورش میں نبوّت شریک ہے

افکار میں حدیقۂ عصمت لئے ہوئے گفتار میں معانیِ آیت لئے ہوئے
کردار میں جمالِ شرافت لئے ہوئے گویا تمام حُسنِ شریعت لئے ہوئے
حق سے حیات پائی ہے انعام کی طرح
فضہؓ درِ نبیؐ پہ ہے اسلام کی طرح

فضہؓ ہے حق کو حق کی طرح ماننے کا نام فضہؓ ہے قدرِ آلِ نبیؐ جاننے کا نام
یہ نام ہے اصول کو گردانے کا نام فضہؓ ہے اہلبیتؑ کو پہچاننے کا نام
یہ قربِ اہل بیتؑ کسی کو بہم نہیں
فضہؓ کی بات بوذرؓ و سلمانؓ سے کم نہیں

دانائیوں کو ناز وہ دانائیاں بھی ہیں قرباں ہو بندگی وہ جبیں سائیاں بھی ہیں
خیر النساء کے سائے کی زیبائیاں بھی ہیں اس آئینے میں نور کی پرچھائیاں بھی ہیں
ایمانِ کُل کی بزم سے ربطِ دوام ہے
فضہؓ بھی رازدارِ درود و سلام ہے

دنیا میں رہ کے جنتِ عقبیٰ سے باخبر تسلیم کا لباس مودّت کی رہگذر
یادِ خدا کی روشنی دل کی فصیل پر ایوانِ مصطفےٰؐ کے اُجالے نظر نظر
دورِ نفس پہ سایۂ جانِ رسولؐ ہے
فضہؓ کی کائنات ردائے بتولؑ ہے

تاریخ میں سفارت جعفرؑ سے پوچھئے　　اصحمِ شہِ حبش بن ابجر سے پوچھئے
قرآن جس کی بات ہے اس گھر سے پوچھئے　　فضہؑ کے بے مثال مقدر سے پوچھئے
توصیفِ بوترابؑ جو تقدیر ہو گئی
خاکِ حبش مدینے میں اکسیر ہو گئی

شہزادیِ حبش ہے مگر تمکنت سے دور　　زہراؑ کے ہر قدم پہ لٹائے ہوئے غرور
ماتھے پہ سجدہ گاہ کی مٹی مثالِ نور　　جیسے جبینِ طور پہ روشن چراغِ طور
دینِ خدا کو ناز وہ دولت نصیب ہے
فضہ کو فاطمہؑ کی محبت نصیب ہے

ورثہ میں احتشامِ امارت کے باوجود　　دامانِ اختیار میں دولت کے باوجود
اک مطمئن دماغِ ریاست کے باوجود　　یعنی تمام بوئے حکومت کے باوجود
غربت کے بوریے پہ عبادت گذار ہے
فضہؑ کا دین، آلِ محمدؐ کا پیار ہے

ماں باپ سے لئے ہوئے انجیل کا شعور　　انجیل میں پڑھے ہوئے توریت کی سطور
توریت سے پئے ہوئے پیمانۂ زبور　　قرآں میں دیکھتے ہوئے کل انبیاؑ کا نور
عین الیقیں کو ناز ہے جس کے یقین پر
فضہ ہے وہ دلیل محمدؐ کے دین پر

باغِ بتولؑ میں وہ عروجِ بہارِ حق　　وحدانیت کی چھاؤں، مکمل قرارِ حق
حمدِ خدا کا دور شبابِ خمارِ حق　　وہ سورتوں کا نور، وہ آئینہ دارِ حق
آنکھوں میں جب یہ منظرِ عصمت سجا لیا
فضہؑ کو آیتوں نے گلے سے لگا لیا

فضہؓ حق آشنا ہے صداقت نواز ہے　　حسنِ وفا سے تابہ ابد سرفراز ہے
دنیائے اتباع میں تاریخ ساز ہے　　گویا اذاں بلالؓ ہے فضہؓ نماز ہے
سرمایۂ بلالؓ محبت رسولؐ کی
فضہؓ کی سرگذشت، کہانی بتولؑ کی

دکھ میں شریک، عالمِ ایثار میں شریک　　فاقوں میں ساتھ صبر کے معیار میں شریک
شامل رضا میں، ضبط کی پیکار میں شریک　　ذرّیتِ رسولؐ کے کردار میں شریک
اسلام کی تمام صداقت کا نام ہے
فضہؓ ادائے اجرِ رسالت کا نام ہے

تاریخ کے اُفق پہ وہ ماضی ہے جلوہ گر　　غالب ہیں جس کی سرخیاں اخبارِ حال پر
وہ منزلِ شرف وہ صداقت کا مستقر　　صحنِ بتولؑ میں وہ مساوات کی سحر
غم فاطمہؑ کے ساتھ خوشی فاطمہؑ کے ساتھ
فضہ بہن کی طرح رہی فاطمہؑ کے ساتھ

وہ فاطمہؑ جو دخترِ سردارِ انبیأ　　تطہیر کا وجود سراپائے ہل اتیٰ
خیرالنسأ، مطہرہ منتجب خدا　　لیکن بساطِ خاک پہ رحمت کا مدعا
کیا کیا سبق تھے فکرِ حقیقت شناس میں
فضہؓ بھی فاطمہؑ تھی طعام و لباس میں

عرفان و آگہی کیلئے ایں و آں تھے ایک　　بزمِ ولا میں ساکنِ کون و مکاں تھے ایک
مرکز کے اعتبار پہ دونوں جہاں تھے ایک　　دروازۂ علیؑ پہ زمیں آسماں تھے ایک
گویا شریکِ اجر رسالتؐ تمام تھے
فضہؓ کنیز تھی تو فرشتے غلام تھے

ہر سانس میں کمال اطاعت کی آرزو	ہر آرزو گلاب حقیقت سے سُرخرو
آیت کی طرح وارثِ قرآں سے گفتگو	''دامن نچوڑ دیں تو فرشتے کریں وضو''
فضہؑ تھی یوں ملیکۂ عصمت کے سامنے
جس طرح اہلبیتؑ مشیّت کے سامنے

دل ہو رئیسِ حق تو غریبی کا ڈر کہاں	منظر میں خُلد ہو تو فریب نظر کہاں
نادِ علیؑ کے سامنے طولِ سفر کہاں	زہراؑ کے آستاں پہ دُعا بے اثر کہاں
فضہؑ نے جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیے
فرشِ زمیں پہ عرش کے تحفے منگا لیے

اوجِ یقیں پہ اہلِ یقیں نے کیا سلام	عرفانیت پہ دینِ مبیں نے کیا سلام
یہ فرش کیا ہے عرشِ بریں نے کیا سلام	فضہؑ کو جبرئیلِ امیںؑ نے کیا سلام
حاصل ہوا یہ آلِ پیمبرؐ کے ساتھ سے
رضوان بھیک لے گیا فضہؑ کے ہاتھ سے

پڑھئے وہ تین سنّتی روزوں کی داستاں	صدقے ہوں جس ادائے حقیقت پہ انس و جاں
افطار کے قریب وہ محتاج کا بیاں	تقلیدِ اہلبیتؑ میں سائل کو روٹیاں
خیرالعمل سے بزمِ دو عالم پہ چھا گئی
فضہؑ بھی ہل اتیٰ کی کہانی میں آ گئی

فضہؑ کی بات خالقِ یکتا سے پوچھئے	فضہؑ کی شان سیدِ بطحاؐ سے پوچھئے
حقانیت کے نام پہ دنیا سے پوچھئے	فضہؑ کا کیا مقام ہے زہراؑ سے پوچھئے
رکھا لحاظ فاتحِ بدر و حنین نے
فضہؑ کو ماں کہا ہے حسنؑ اور حسینؑ نے

خوش ہو کے درد و غم کی رسائی قبول کی ہر دکھ میں حق کی مدح سرائی قبول کی
خیرالبشرؐ کے در کی گدائی قبول کی زہراؑ کے ساتھ آسیہ سائی قبول کی
پائندہ ہے یہ بات جہانِ عقول میں
فضہؓ نے گھر بنا لیا قلبِ رسولؐ میں

وحشتِ نفس میں دین کی آباد کاریاں سینے میں دل کی طرح صداقت شعاریاں
پہلوئے فاطمہؑ میں تہجد گذاریاں فضہؓ پہ ختم ہو گئیں قسمت نگاریاں
دیکھا ہے جس نے ذوقِ عبادت شباب پر
سجدے ادا کیے ہیں درِ بوترابؑ پر

ایثار کے چمن میں نسیمِ سحر کہوں احیائے خیر کی خبرِ معتبر کہوں
غربت میں استقامتِ فکر و نظر کہوں بے جا نہیں جو اہلِ حرم کی سپر کہوں
آئے جہاں بھی غم کسی یلغار کی طرح
فضہؓ وہاں کھڑی رہی دیوار کی طرح

فضہؓ تھی اور خدمتِ ناموسِ مصطفیٰؐ خرد و کلاں پہ صورتِ اسلام تھی فدا
قرآں کی طرح آلِ محمدؐ کا حکم تھا تعمیل کی مہک سے کلیجہ بسا ہوا
یوں تو وفا شناس رہی سب کے واسطے
فضہ جہاں میں آئی تھی زینبؑ کے واسطے

بعدِ رسولؐ عالمِ شر دیکھتی رہی اِک انقلاب شام و سحر دیکھتی رہی
اُمت کے ہر ستم کا اثر دیکھتی رہی شعلوں کی زد میں دین کا گھر دیکھتی رہی
اشکوں میں اہلبیتِ نبیؐ خوں فشاں رہے
فضہؓ کے دل میں درد کے دریا رواں رہے

خاتونِ کائناتؑ کا وہ آخری سفر بے چینیوں کی دھوپ محمدؐ کے باغ پر
فضہؓ نے کی وصیتِ زہراؑ پہ جب نظر بولی جبینِ زینبؑ و کلثومؑ چوم کر
جب تک بھی سانس لوں گی اطاعت کروں گی میں
شہزادیو! کنیز ہوں خدمت کروں گی میں

شہزادیو! میں یہ نہیں کہتی کہ ماں کہو اک بار مجھ کو پالنے والی پکار لو
کہتی ہے دل کی آگ کلیجے سے آ لگو میں بھی تو سوگوار ہوں پرسہ مجھے بھی دو
زہراؑ سے کیا چھٹی ہے مقدّر سے چھٹ گئی
شہزادیو! مدینے میں فضہؓ بھی لٹ گئی

حسنینؑ تھے جو ماں کی جدائی میں اشکبار طوفانِ اضطرار تھا فضہؓ کا اضطرار
دونوں کے پاؤں چوم کے کہتی تھی بار بار شہزادو! اب نہ روؤ مری زندگی نثار
کس کو یہ امتیاز ہے بچوں کے پیار میں
تم روؤ گے تو روئیں گی زہراؑ مزار میں

شہزادو! اشک پونچھ لو ملتے ہیں شش جہات شہزادو! اب تو ختم نہ ہوگی غموں کی بات
زہراؑ کے ساتھ ختم ہوا لطفِ کائنات شہزادو! اب تمہارے لئے ہے مری حیات
کہہ دو مزارِ سیدِ بطحاؐ کے سامنے
محشر میں سرخرو رہوں زہراؑ کے سامنے

اس منزلِ وقار پہ قربان ہر وقار فضہؓ نے پرورش کئے وحدت کے شاہکار
اُم البنینؑ کے باغ میں جب آ گئی بہار زانو پہ کھیلنے لگے عباسؑ نامدار
انگلی پکڑ کے ساتھ جو زین العباؑ چلے
فضہؓ کے اختیار میں ارض و سما چلے

فضہؓ چلی جو گردشِ دوراں کے ساتھ ساتھ　　کشتی زندگی بڑھی طوفاں کے ساتھ ساتھ
بدلا جو وقت ذہنِ مسلماں کے ساتھ ساتھ　　اسلام نوحہ گر ہوا قرآں کے ساتھ ساتھ
لشکر بڑھے قیادتِ معصوم کے بغیر
کلمہ نبیؐ کا رہ گیا مفہوم کے بغیر

جلاد رنگ ہو گئی اغیار کی اُمنگ　　دل کا غبار سامنے آیا مثالِ زنگ
کہنہ کدورتوں نے دکھایا وہ رنگ ڈھنگ　　امن واماں کے شہر میں گونجی صدائے جنگ
بربادیٔ خلوص کا سامان ہو گیا
تہذیب کی شکست کا امکان ہو گیا

ظرفِ ملوکیت میں چھلکنے لگی شراب　　ٹکرائے دینِ حق سے سیاست کے پیچ وتاب
وقت آ گیا فساد کے رُخ سے ہٹی نقاب　　نذرِ فریب کی گئی اللہ کی کتاب
بد عہد لوگ جان بچا کر نکل گئے
قرآں کو درمیاں میں لا کر بدل گئے

کیا عہد، کیا زبان، کہاں کی شرافتیں　　مقصد یہ تھا کوئی نہ رہے صرف ہم رہیں
مسجد کو قتل گاہ بنانے کی سازشیں　　غیرت کی روح پر تھیں قیامت کی ضربتیں
دنیا نے اس فریب کا اظہار کر دیا
سجدے میں خونِ حیدرِ کرارؑ کر دیا

ایسے تغیرات پہ فضہؓ کی چشمِ تر　　طوفانِ اضطراب تھی اُمت کے حال پر
گویا تھی یوں سوال کی صورت میں ہر نظر　　کیا یہ رسولِ پاکؐ کی محنت کا ہے ثمر
حیرت ہے وحشیوں کو بھی انساں کہیں گے لوگ
کیا ایسے قاتلوں کو مسلماں کہیں گے لوگ

شیرِ خدا کے خون کی معصوم سرخیاں — فضہؓ کی چشمِ نم کو بنائے تھیں خونفشاں
سیلابِ رنج و درد سے فرصت ملی کہاں — فضہؓ ہوئی حسنؑ کے جنازے پہ نوحہ خواں
زینبؑ کے ساتھ درد کا پیکر بنی رہی
تابوت پر جو تیر چلے دیکھتی رہی

بعدِ حسنؑ بدل گیا غیرت کا ہر نظام — اُبھرا بلائے شام کی صورت رئیسِ شام
دولت لٹی عرب کی، حمیّت ہوئی تمام — حرص و ہوس کے نام پہ بکنے لگے عوام
تیغیں کھنچیں حمایتِ نفسِ پلید میں
ظلمت سمٹ کے آ گئی نامِ یزید میں

خونریز ولولوں کے فسانے بیاں ہوئے — ظلمت پرستیوں کے ارادے جواں ہوئے
لیل و نہارِ اہلِ خدا پر گراں ہوئے — اہلِ فساد صاحبِ طبل و نشاں ہوئے
فرعونیت کا ابر اٹھا قصرِ شام سے
ظالم چراغ پا ہوئے قرآں کے نام سے

بے لاگ تھی جو بات وہی لاگ بن گئی — قرأت جو نغمگی میں ڈھلی راگ بن گئی
غارت گری کی دھوپ بڑھی آگ بن گئی — محسن کشی کی لہر اٹھی ناگ بن گئی
قبضہ ہوا خرد پہ ہوس کے خمار کا
ذہنوں میں زہر پھیل گیا اقتدار کا

سرکش ہوا کا زور بڑھا آشیاں لٹے — دنیا نے پھول نوچ لئے گلستاں لٹے
بدلی جو رہبروں کی نظر کارواں لٹے — چرچا جہاں تھا امن کا انساں وہاں لٹے
دنیا نے یوں ستم کی کہانی بیان کی
مہمان کا گلا تھا چھری میزبان کی

دولت کا روپ دھار کے بدکاریاں اٹھیں نخوت کے تیرلے کے ستم کاریاں اٹھیں
سامانِ ہوش لوٹنے مے خواریاں اٹھیں پوشاکِ سلطنت میں دل آزاریاں اٹھیں
بیعت ہوئی سوال شہِ مشرقین سے
سفیانیت اُلجھ گئی عزمِ حسینؑ سے

حالات کے بہاؤ پہ بہنے لگے ضمیر مجرم اڑے ہوا میں تو منصف ہوئے اسیر
غیرت غریب ہوگئی وحشت ہوئی امیر انسانیت کو چھوڑ گیا مجمعٔ کثیر
اس وقت حق مآب خیالوں میں کھو گئی
فضہؓ حسینیت کے اُجالوں میں کھو گئی

آلِ عباؑ کے چاند ستاروں کو دیکھ کر دریائے نور ہو گئی فضہؓ کی ہر نظر
دل بن گیا جو نخلِ نبی کا ثمر ثمر طوبا کی چھاؤں ہو گئی فضہؓ کے فرق پر
زہراؑ کے پھول پھول کی خوشبو دماغ میں
فضہؓ تھی باغ باغ محمدؐ کے باغ میں

قاسمؑ پہ دھوپ آئی تو چادر تھی سائباں آنچل کا فرش عون و محمدؑ کی کہکشاں
باقرؑ کے ساتھ غزوۂ خیبر کی داستاں مادر کی طرح گیسوئے اکبرؑ میں اُنگلیاں
اصغرؑ کو لوریوں سے مجاہد بنا دیا
فضہؓ نے شیر خوار کو ہنسنا سکھا دیا

جھولے کے پاس بیٹھ کے کہتی تھی میں نثار اس خادمہ پہ قصۂ محضر ہے آشکار
سمجھا گئی ہیں دخترِ محبوبِ کردگار اس باغ میں تبسّمِ اصغرؑ سے ہے بہار
تقدیر ہے جہاد نئی آن بان سے
آئے گا انقلاب مرے بے زبان سے

میدانِ کربلا میں ہوئی جنگِ خیر و شر — مقتل کی طرح آ گئی عاشور کی سحر
اب زندگی کی ناؤ تھی اور ظلم کے بھنور — پیاسا تھا فاطمہؑ کا بھرا گھر فرات پر
سیدانیاں کھڑی تھیں صداقت کی راہ میں
بچے سنور سنور کے گئے قتل گاہ میں

اپنے لہو میں ڈوب گئے ناصرانِ دیں — لاشوں کی روشنی سے بنی کہکشانِ دیں
مسلمؑ کے لاڈلوں نے دیا امتحانِ دیں — قاسمؑ نے خونِ دل سے لکھی داستانِ دیں
نیزے کا وار گیسوؤں والے پہ چل گیا
قرآں جوانیِ علی اکبرؑ میں ڈھل گیا

آبِ رواں پہ لکھ گیا عباسؑ کا شباب — بازو کٹا کے لکھتے ہیں اسلام کی کتاب
تیروں کے سامنے علی اصغرؑ کا انقلاب — عزمِ حسینؑ جس کی بلندی سے کامیاب
معصوم کے لہو سے یہ آواز آ گئی
مظلومیِ حسینؑ زمانے پہ چھا گئی

فضہؓ کے سامنے یہ قیامت تھی آشکار — تیغِ ستم، حسینؑ کی گردن، لہو کی دھار
مقتل میں میتوں پہ گزرتے ہوئے سوار — خیموں کی آگ ثانیِ زہراؑ کا اضطرار
ہتھکڑیاں اور بیڑیاں سجادؑ کے لئے
بے پردگی رسولؐ کی اولاد کے لئے

دُرّہ لگا کسی کے تو فضہؓ تڑپ اُٹھی — دوڑی جو اُس طرف تو کبھی اِس طرف گری
پھیلا کے دونوں ہاتھ سکینہؑ پہ جھک گئی — زینبؑ کو روتے دیکھا تو سوئے نجف مڑی
آواز دی حضورؐ بھرا گھر اُجڑ گیا
زینبؑ کے بال کھل گئے بھائی بچھڑ گیا

لاشوں کے پاس شامِ غریباں گذار کے　　سینے میں غم لئے ہوئے اُجڑی بہار کے
مقتل میں شاہزادوں کو آخر پکار کے　　عابدؑ پہ اپنے آپ کو صدقے اُتار کے
کوفے میں بھی مقیدِ رنج و محن رہی
زینبؑ کے ساتھ ساتھ شریکِ رسن رہی

کوفے کے بعد شام کا بازار الاماں　　شہرِ دمشق کے در و دیوار الاماں
دیوار و در پہ مجمعٔ اغیار الاماں　　اور سر برہنہ عترتِ اطہار الاماں
حکمِ یزید نحس غضب پر غضب ہوا
دربار میں نبیؐ کا گھرانہ طلب ہوا

دربارِ کج کلاہ رعونت بھرا نظام　　زربفت کے لباس میں ہنستے ہوئے عوام
اک سمت شادیانۂ فتحِ امیرِ شام　　اک سمت فردِ جرم و خطا قیدیوں کے نام
اُس دم نقابِ زینبؑ دلگیر بن گئی
فضہؓ حصارِ آیۂ تطہیر بن گئی

کم ظرف نے جو بنتِ علیؑ سے کیا خطاب　　اپنی بساط بھول گیا خانماں خراب
غیرت کی تیغ بن گیا فضہؓ کا اضطراب　　تیور بدل کے دے دیا حاکم کو یوں جواب
ہشیار، بدسِیَر یہ ادب کا مقام ہے
بنتِ علیؑ شرافتِ خیرالانامؐ ہے

فضہؓ کے اس جواب پہ حکمِ ستم شعار　　لازم ہیں اس کنیز پہ دُرّوں کے سخت وار
دُرّہ لگا کمر پہ تو فضہؓ کی تھی پکار　　کیا میری قوم تیری حمیّت ہے برقرار
احساس ختم ہو گیا جرات نہیں رہی
اے میری قوم تم میں بھی غیرت نہیں رہی

یہ سنتے ہی دیارِ حبش کے جواں اُٹھے　　تیغوں کو تول تول کے غیرت نشاں اُٹھے
اغلب یہ تھا سناں پہ سرِ حکمراں اُٹھے　　دربار کیا دمشق میں شورِ فغاں اُٹھے
سب نے کہا لہو کا سمندر بہائیں گے
فضہؑ پہ ہاتھ اٹھا تو قیامت بلائیں گے

فضہؑ کے حق میں رنگِ حمیت کو دیکھ کر　　نانا سے کہہ رہی تھی نواسی کی چشمِ تر
دربار میں اٹھا نہیں ایسا کوئی بشر　　ہوتا جو خاندانِ رسالتؐ سے باخبر
اِس امتحاں سے بنتِ علیؑ کو بچا گئی
فضہؑ کو اجرِ خیر ملے کام آ گئی

آخر نگاہِ وقت نے دیکھا یہ دورِ غم　　بھائی کو ڈھونڈتی رہی زینبؑ کی چشمِ نم
جب شام کی زمیں پہ دوبارہ رکھا قدم　　فضہؑ کے بازوؤں پر سدھاریں سوئے اِرم
غربت میں شمعِ درد جلا کر چلے گئے
عابدؑ پھوپھی کی قبر بنا کر چلے گئے

فضہؑ لحد پہ سوگ منانے کو رہ گئی　　اشکوں کے تازہ پھول چڑھانے کو رہ گئی
بالوں سے گردِ قبر ہٹانے کو رہ گئی　　تعویذ پر چراغ جلانے کو رہ گئی
پوچھا اگر کسی نے یہ کس کا مزار ہے
اتنا کہا علیؑ کی غریب الدیار ہے

مرقد کی پائنتی پہ اگر نیند آ گئی　　جو چاہتی تھی خوابِ حقیقت میں پا گئی
قبرِ شہِ نجف پہ گئی، کربلا گئی　　زہراؑ کے پاس خاک بسر بے ردا گئی
نوحہ پڑھا تباہیِ آلِ رسولؐ کا
پرسہ دیا بتولؑ کو فخرِ بتولؑ کا

صدرِ لحد کو چوم کے اتنا کبھی کہا فضہ کا کچھ خیال نہیں بنتِ مرتضیٰؑ
شہزادی اس کنیز کو اب کیوں بھلا دیا شاید بہن کے سامنے چہرہ ہے بھائی کا
ماں جایا پاس ہے تو کسی کی خبر نہیں
فضہؓ ہے اور شام ہے یہ بھی خبر نہیں

بی بی بتاؤ چاند سا اکبرؑ ہے سامنے قاسمؑ ہے روبرو، علی اصغرؑ ہے سامنے
کیا فاتحِ فرات برادر ہے سامنے بی بی بتاؤ اب تو بھرا گھر ہے سامنے
وہ نورِ عین فخرِ اَب و جَد قریب ہیں
شہزادی، اب تو عون و محمدؑ قریب ہیں

بی بی نے زندگی میں اٹھائے ہیں جتنے غم آیات کی طرح دل فضہؓ پہ ہیں رقم
کوئی بیاں کرے یہ کسی میں نہیں ہے دم فضہؓ سے کوئی پوچھے تو شاید لکھے قلم
دربار کی جفاؤں کا ڈر ختم ہو گیا
اب چین سے رہو گی سفر ختم ہو گیا

بی بی، پسند آ گئی فردوس کی بہار زخمی دل و جگر کو ملا ہو گا اب قرار
خوش ہوں گے لاڈلی سے بہت شیرِ کردگار ماں نے لگایا ہو گا کلیجے سے بار بار
واقف ہیں صبرِ ضبط کی ہر کارزار سے
نانا نے سَر پہ ہاتھ رکھا ہو گا پیار سے

گھبرے ہوئے جورات کے سائے کیا خطاب فضہؓ اکیلی رہ گئی اے بنتِ بوترابؑ
ویرانیاں ہیں چار طرف صورتِ عذاب ایسے میں یاد آ گئی اک اور محوِ خواب
گہوارۂ غریب یہی سرزمیں تو ہے
زنداں تو یاد ہو گا، سکینہؑ یہیں تو ہے

پانی ملا جو قبر پہ چھڑکاؤ کے لئے فضہؓ نے سوزِ دل سے یہ جملے ادا کئے
شیرِ خدا کی لاڈلی اور اشکِ خوں پئے دریا پہ جس کا باغ جلا ہو وہ کیا جئے
یوں امتحانِ درد کی تکمیل ہو گئی
پیاسوں کی سوگوار بھی جنگل میں سو گئی

زینبؑ کی قبر، نوحہ، فضہ، زمینِ شام تنہائیوں میں اشکِ مسلسل کا اہتمام
آہوں کے ساتھ ہونٹوں پہ تشنہ لبوں کے نام احساس ہو تو آج بھی زندہ ہے یہ نظام
مجلس ہے شہر شہر شہِ مشرقین کی
فضہؓ سنا رہی ہے کہانی حسینؑ کی

زینبؑ تہہِ مزار تھیں فضہؓ سرِ مزار یا زندگی کی آگ میں انسانیت کا پیار
اک دن یہ کہہ کے ٹوٹ گئے آنسوؤں کے تار دنیا سے کوچ کر گئی زینبؑ کی سوگوار
زینبؑ نے اپنے پاس بلایا گذر گئی
فضہؓ مزارِ پاک پہ رو رو کے مر گئی

اس نیند پر زمانۂ بیدار کا سلام اس بے کسی پہ عالمِ ایثار کا سلام
شبیرؑ کے ہر ایک عزادار کا سلام فضہؓ پہ عقل و ہوش کے معیار کا سلام
کیا ہے ادائے اجرِ رسالتؐ بتا دیا
فضہؓ نے دین کے لئے مرنا سکھا دیا

آیاتِ صبر و شکر کی تفسیر پر سلام ایماں کی بولتی ہوئی تصویر پر سلام
عہدِ وفا کے خواب کی تعبیر پر سلام خدمت گذارِ زینبؑ و شبیرؑ پر سلام
ذرّیتِ رسولؐ پہ قربان ہو گئی
فضہ کتابِ عشق کا عنوان ہو گئی

قیصرؔ اگر نصیب ہوا شام کا سفر دیکھیں گے ہم بھی صبحِ مودّت کا مستقر
آنسو بہا کے بنتِ علیؑ کے مزار پر فضہؑ کی قبرِ پاک پہ جائیں گے ننگے سَر
مجلس پڑھیں گے شوق سے دل بیقرار ہے
یہ مرثیہ بفضلِ خدا یادگار ہے

◆◆

علمِ علیؑ

(باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے علم کا بیان)

۲۷ بند۔۱۹۸۱ء

❖❖

الفاظ کے مہکتے گلابوں کی کیاریاں
جدّت کی فصل فصل، نئی آبیاریاں
تحریر میں شعور کی رنگین دھاریاں
ہر غالبِ سخن کی جواہر نگاریاں
معراج ہوش لے کے خرد کی جناب سے
مدہوش ہیں کلامِ علیؑ کی شراب سے

❖❖

maablib.org

علمِ علیؑ

میری زباں پہ علمِ علیؑ کا بیان ہے گویا زمینِ فکر و سخن آسمان ہے
میثمؒ کی پیروی میں طبیعت جوان ہے گویا زباں نہیں ہے خرد کا نشان ہے
افکار ہیں عروجِ مودّت لیے ہوئے
چشمِ یقیں ہے نہجِ بلاغت لیے ہوئے

جولانیِ خیال ہے اور منزلِ نجف ہیں قلزمِ شعور میں گوہر صدف صدف
خوشبو بکھیرتا ہوا گلدستۂ سلف جیسے حیاتِ ذہن کا ہو نور ہر طرف
علمِ علیؑ کی بات جو مقصودِ فکر ہے
ارض و سما میں تنگیِ داماں کا ذکر ہے

میں اور بیانِ علمِ علیؑ یا علیؑ مدد میں اور حدیثِ نفسِ نبیؐ یا علیؑ مدد
منظر ہے جلوۂ ازلی، یا علیؑ مدد میں اور نگارشِ ابدی، یا علیؑ مدد
پھیلا رہا ہوں نشۂ جامِ غدیر کو
مل جائے اہلبیتؑ کا صدقہ فقیر کو

جاری کچھ اس طرح سے ہو دریائے منقبت کوثر کی موج موج ہو شیدائے منقبت
پوری ہو اس طرح سے تمنائے منقبت جبریلؑ کی زبان پہ آ جائے منقبت
جدّت کو کہکشانِ ادب رونمائی دے
ایک ایک لفظ کوکب درّی دکھائی دے

پیشِ نظر ہو بوذرؓ و سلمانؓ کی آرزو مقدادؓ کی شرابِ عمل سے کروں وضو
جنت سے کم نہ ہو مرے گلشن کی آبرو فطرت کی رہنما رہے قرآں کی گفتگو
دورِ نفس میں ولولۂ قنبریؓ رہے
آنکھوں میں شہرِ علم کی بارہ دری رہے

بنتِ نبیؐ کی گود کے پالوں کا واسطہ کربل کے حق پرست جیالوں کا واسطہ
شبیرؑ کے لہو کے اُجالوں کا واسطہ عاشور کے کھلے ہوئے بالوں کا واسطہ
حالِ درِ کلام ہو پیغام کی طرح
علمِ علیؑ کا ذکر ہو الہام کی طرح

تعریفِ لفظِ علم بڑی بات ہے مگر نامِ علیؑ ولی سے کھلے معرفت کا در
اللہ کی کتاب میں احیائے خشک و تر خود ہی بتائے علمِ علیؑ کے بیان پر
حُسنِ کلام شاہدِ روحِ کلام ہے
قرآن ایک نقطے کی وسعت کا نام ہے

نقطہ نہیں تو آیتِ آغاز ہی نہیں رشتہ نہیں زباں سے تو آواز ہی نہیں
دل کے بغیر جینے کا انداز ہی نہیں اعجاز کیا جو صاحبِ اعجاز ہی نہیں
معراجِ علم، نفسِ پیمبرؐ کی ذات ہے
اللہ کا کلام بھی نقطے کی بات ہے

تسلیم کرتے ہیں یہ زمانے کے نکتہ داں
دنیا میں صرف علم ہے قدرت کا ترجماں
ہے روشنیِ علم سے آرائشِ جہاں
تصویرِ علم ہے جسے کہتے ہیں گلستاں
لیکن زبانِ علم پہ اتنا جواب ہے
ہر پھول میں مشاہدۂ بوترابؑ ہے

محبوبِ کبریا نے پلایا وہ جامِ حق
جس کے خمار میں ہے زمانے کا ہر ورق
کیا صحنِ باغ باغ ہے کیا دامنِ شفق
ہے سرخیِ فضیلتِ حیدرؑ طبق طبق
حسنِ زمین و روشنیِ آسماں نہیں
جس میں علیؑ کا رنگ نہیں گلستاں نہیں

پانی کے آئینے میں رواں عقل کی فرات
انساں سے کہہ رہی ہے یہ انسانیت کی بات
پانی دکھا رہا ہے جو آئینۂ حیات
اہلِ نظر کے واسطے ہے روشنیِ ذات
گردش میں لہر لہر ہے محور کے سامنے
پانی بنا ہے ساقیِ کوثر کے سامنے

آواز دے رہا ہے ہر اک دانۂ زمیں
دانائیوں کے نور سے روشن مری جبیں
میرا کمال پرورشِ جسم ہی نہیں
علمِ بشر کو دیتا ہوں پیمانۂ یقیں
دانہ ہوں زندگی کے چمن کی بہار ہوں
جاگیرِ بوترابؑ کا اک اہلکار ہوں

وحدت کے گیت گاتی ہوئی معتدل ہوا
دامانِ بحر و بر سے یہ کہتی ہے برملا
کوئی سنے یہ حقِ سماعت یہ ماجرا
جلوہ ہے خشک و تر میں علیؑ کے جمال کا
تخلیق کو جو بوئے کمالات مل گئی
بنتِ اسدؑ کے لال کی خیرات مل گئی

منبر سے آ رہی ہے یہ آواز بار بار
میں ہوں خطیبِ علمِ رسالتؐ کی یادگار
ریب وہ ہے دانش و حکمت کا تاجدار
مہر و مہ و نجوم پہ ہو جس کو اختیار
ارشاد پاک ہے یہ خدا کے رسولؐ کا
سکّہ ہے آسمان پہ زوجِ بتولؑ کا

اخبار صبح و شام جو پڑھتا ہے آفتاب
ملتی ہے کائنات کو اک علم کی کتاب
پوشاکِ نور پہنے ہوئے چاند کا شباب
دنیا کے اہلِ علم سے کرتا ہے یوں خطاب
مضمر یہ راز، کن فیکون کی خبر میں ہے
تحصیلِ علم کیلئے ہر شے سفر میں ہے

معدن اگر کلامِ خدا ہے گہر ہے علم
اشجار آیتیں ہیں تو ان کا ثمر ہے علم
اللہ کا وجود ہے، اس کی خبر ہے علم
یہ کائنات جسم کی صورت ہے سر ہے علم
اس جسم و سر میں رشتۂ پیہم نبیؐ سے ہے
لیکن نبیؐ کے علم کا عرفاں علیؑ سے ہے

یہ زندگی مرض ہے تو اس کی دوا ہے علم
گم گشتۂ خرد کے لئے رہنما ہے علم
اہلِ عمل کے واسطے حُسنِ بقا ہے علم
مشکل پکارتی ہے کہ مشکل کشا ہے علم
رفتارِ وقت جب سبقِ سرکشی پڑھے
دنیا تو کیا، رسولؐ بھی نادِ علیؑ پڑھے

ہر فکر کے لئے سببِ معرفت ہے علم
ہر معرفت کو روشنیِ عاقبت ہے علم
ہر عاقبت شناس کی اِک منزلت ہے علم
یعنی قصیدہ گوئیِ انسانیت ہے علم
لہجہ جو مرتضیٰؑ کی طرح منتخب ملے
انسان کو زبانِ خدا کا لقب ملے

تہذیب اک چمن ہے تو بوئے چمن ہے علم — مذہب گلوں سے ہے تو گلوں کی پھبن ہے علم
سچائیاں شباب ہیں اور بانکپن ہے علم — اسلام جس کی شمع ہے وہ انجمن ہے علم
خلقِ خدا پہ بابِ کرم کھولنے لگا
دنیا میں آ کے مثلِ علیؑ بولنے لگا

ملتے ہیں اس زمیں پہ ہزاروں نشانِ علم — دیکھے ہیں زندگی میں بڑے صاحبانِ علم
دنیا کی ہر زبان پہ ہے داستانِ علم — انسان نے بنائے بہت آسمانِ علم
تردیدِ تشنگی نہیں پانی کہے بغیر
بنتی نہیں علیؑ کی کہانی کہے بغیر

مومن کی روح کیلئے کاشانہ علم ہے — میخوارِ حق پرست کا میخانہ علم ہے
کوثر شناس جرات رندانہ علم ہے — ذکر علیؑ کے واسطے پیمانہ علم ہے
جب تک حدودِ علم کو پہچانتا نہیں
کیا ہیں علیؑ یہ کوئی بشر جانتا نہیں

غارت گر فریب و دغا علم ہی تو ہے — تابندگیِ صدق و صفا علم ہی تو ہے
عرفانِ آگہی کی ضیا علم ہی تو ہے — مرتے ہیں جس پہ اہلِ خدا علم ہی تو ہے
فطرت اسی کے شہد سے شیریں کلام ہے
یعسوبِ دیں اسی کی اداؤں کا نام ہے

قدرت اگر دہن ہے تو اس کی زباں ہے علم — حق کارواں ہے علم کا اور کارواں ہے علم
پیکر حصارِ جاں ہے تو احساسِ جاں ہے علم — کعبہ مکاں ہے اور خبرِ لامکاں ہے علم
تجسیم ہو کے صورتِ حیدرؑ میں آ گیا
جس گھر کو جانتا تھا اسی گھر میں آ گیا

تیرہ رجب کی صبح ہے آئینہ دارِ علم ہر سال مستقل ہے چمن میں بہارِ علم
بھولے گا کون جلوہ گہہِ شہریارِ علم وہ نور اور وہ خانۂ پروردگارِ علم
پہلے پہل کمال کی باتیں نبیؐ کے ساتھ
گویا تمام علم بھی آیا علیؑ کے ساتھ

طفلی کے واقعات میں کعبے کے فرش پر دیکھا ہے شِیر خوار کو مانند شیرِ نر
کہتے تھے ہاتھ کلّۂ اژدر کو چیر کر حیدرؑ کی آنکھ جانتی ہے فرقِ خیر و شر
موسیٰؑ نہیں کہ ہاتھ جلا کر ضیا ملے
جب لطف ہے کہ مہد میں علمِ خدا ملے

حُسنِ شعور چاہیے سب سے حَسیں ہے علم خاتم ہیں انبیاؑ کے صحیفے نگیں ہے علم
صادق ہے قول میوۂ خُلدِ بریں ہے علم دیکھے کوئی جہاں بھی علیؑ ہیں وہیں ہے علم
خوشبوئے زندگی گُلِ عمراںؑ کے ہاتھ ہے
یہ علم ہے جو حق کی طرح ساتھ ساتھ ہے

رہتا ہے علم قلب کی گہرائیوں کے ساتھ ہے اس کی جنگ نفس کی رسوائیوں کے ساتھ
ہوکر جواں شباب کی انگڑائیوں کے ساتھ مثلِ علیؑ ہے دین کے شیدائیوں کے ساتھ
دیکھا نہیں کبھی اسے اہلِ فساد میں
نکلا ہے علم مثلِ علیؑ ہر جہاد میں

کہتی ہے صاف عِلم و عَلَم کی مشابہت اعراب سے الگ ہوں تو واحد ہے منزلت
دونوں کے حرف حرف میں حسنِ یگانگت کہیئے جسے نبیؐ و ولی میں مماثلت
وحدت کے مرغزار کی دونوں بہار ہیں
منظر میں مصطفےٰؐ و علیؑ آشکار ہیں

میدانِ بدر، جنگِ اُحد، غزوۂ حنین — غالب کہاں نہیں ابوطالبؑ کا نورِ عین
رفتارِ ذوالفقار میں کون و مکاں کا چین — وہ مطمئن حبیبؐ خدا شاہِ مشرقین
اسلام تو نبیؐ کے قدم چومتا رہا
قرآن مثلِ شیرِ خدا جھومتا رہا

خندق کے معرکے میں شجاعت گواہ ہے — اسلام کی تمام صداقت گواہ ہے
تاریخ کیا، نگاہِ نبوّت گواہ ہے — کیا مل گیا علیؑ کو رسالتؐ گواہ ہے
معراجِ ہر وقار کا فرمان مل گیا
جتنا تھا علم اتنا ہی ایمان مل گیا

کب نامرادِ شوق کو گردانتا ہے علم — اہلِ جفا کی بات کہاں مانتا ہے علم
دنیا ہے کس خیال میں سب جانتا ہے علم — کتنا ہے کس کا ظرف یہ پہچانتا ہے علم
مانندِ شہر، قلبِ پیمبرؐ میں بس گیا
منبر پہ مرتضیٰ کے دہن سے برس گیا

شاہد ہے آج تک درِ خیبر کی داستاں — تاریخِ علم جس کی تجلّی سے کہکشاں
مثلِ علیؑ زمین پہ قوّت کا آسماں — وہ قصۂ علَم وہ زمانے کی تلخیاں
کیا انگلیاں تھیں قلعۂ مسدود کے لئے
فولاد موم ہو گیا داؤدؑ کے لئے

در ہاتھ پر لئے ہوئے شہرِ نبیؐ کا در — جیسے نسیمِ علم اٹھائے ہو برگِ تر
خندق میں پاؤں، ٹھہرے ہوئے سطحِ آب پر — جیسے کلیمؑ کے لئے دریا ہو رہگذر
خندق کے پار لشکرِ اسلام ہو گیا
ارض و سما میں عقدہ کشا نام ہو گیا

کہتے ہیں صاف صاف معانیِ بابِ علم — علمِ نبیؐ نے خود ہی دکھایا شبابِ علم
کر لوں اگر سوال تو آئے جوابِ علم — ممکن نہیں علیؑ کی طرح کامیابِ علم
جس شخص کو علیؑ سے کوئی واسطہ نہیں
اس کو درِ نبیؐ سے کوئی واسطہ نہیں

تاریخِ علم کی یہ عبارت ہے جلوہ گر — واقف ہے جس کے نور سے ہر صاحبِ نظر
دعوائے علم یوں ہے علیؑ کی زبان پر — "جیسے کھلے ہوں گھر کی طرح آسماں کے در"
یوں دو جہاں ہیں نفسِ پیمبرؐ کے سامنے
جیسے زمین مہرِ منوّر کے سامنے

رفتارِ برق ذہنِ بشر کی ترقیاں — دوشِ خلا پہ عقل کی فینس رواں دواں
ارضِ قمر پہ نقشِ قدم فتح کا نشاں — یعنی تمام آج کے انساں کی داستاں
خم ہو نہ جو کبھی کسی ہستی کے سامنے
سجدے میں ہے علیؑ کی بلندی کے سامنے

تخیل میں نئی نئی راہوں پہ گفتگو — ہر گفتگو میں منزلِ انساں کی جستجو
افکار کے حسین چمن میں انا کی بو — کہیے جسے ادب میں خدائی کی آرزو
مغرور ہو کے فکر و نظر کے نظام پر
قربان ہے خدائے نصیری کے نام پر

الفاظ کے مہکتے گلابوں کی کیاریاں — جدّت کی فصل فصل، نئی آبیاریاں
تحریر میں شعور کی رنگین دھاریاں — ہر غالبِ سخن کی جواہر نگاریاں
معراج ہوش لے کے خرد کی جناب سے
مدہوش ہیں کلامِ علیؑ کی شراب سے

تعمیرِ عقل، جلوۂ آئینۂ کمال
کیفیتوں کی زندگی، وجدان کا سوال
تسکینِ قلب، پرورشِ روح کا خیال
تسبیحِ قیل و قال، تماشائے حیل و حال
جتنے بھی تار ہیں بشریت کے ساز میں
مصروف ہیں بیانِ علیؑ کی نماز میں

اشکوں کی ضرب، آئینۂ فکر کی چھنک
مضرابِ درد، ساغرِ احساس کی کھنک
نغماتِ عشق، زیورِ تقدیر کی جھنک
عصمت کی شال، آیۂ تطہیر کی دھنک
بیداریِ شعور، نصابِ علیؑ میں ہے
ہر تابشِ حیات کتابِ علیؑ میں ہے

منزل کی جستجو ہو کہ تنظیمِ کارواں
غربت کا شہر ہو کہ ریاست کی تلخیاں
قانون حکمراں ہو کہ آئینِ باغباں
منصف کا ذکر ہو کہ عدالت کی داستاں
جب تک علیؑ کے علم سے وابستگی نہیں
انسان کی نظر میں کوئی روشنی نہیں

وہ بزم کا جمال ہو یا رزم کا جلال
وہ بارگاہِ امن ہو یا عرصۂ قتال
وہ آرزوئے زیست ہو یا موت کا خیال
کہہ دے گی ماجرائے حقیقت زبانِ حال
بعدِ رسولؐ جس کا مقابل ملا نہیں
وہ جامع الصفات علیؑ کے سوا نہیں

حق ہے شجر تو قوّت نشو و نما علیؑ
تخلیق ہے گلاب تو بوئے بقا علیؑ
خیرالورا رسولؐ ہیں حاجت روا علیؑ
کلمے کی ابتدا ہے خدا، انتہا علیؑ
یہ حق نہیں تو قصۂ حق ناتمام ہے
تکمیلِ دیں، علیؑ کی ولایت کا نام ہے

انسانیت میں عہدِ وفا ہے علیؑ کا نام　　یعنی شعورِ اہلِ خدا ہے علیؑ کا نام
شرعِ نبیؐ سے پوچھئے کیا ہے علیؑ کا نام　　دردِ منافقت کی دوا ہے علیؑ کا نام
جب تک علیؑ ولی کی تجلّی بہم نہیں
کلمے کا اعتبار خدا کی قسم نہیں

نذرِ خزاں ہے پھول اگر تازگی نہیں　　بیکار ہے چراغ اگر روشنی نہیں
ناقص ہے درسِ علم اگر منتہی نہیں　　وہ سلطنت فضول ہے جس کا ولی نہیں
سلطان اصل ہے تو ولی اصل چاہیے
ختمِ رسلؐ کا علم بلافصل چاہیے

ذرّوں کو مہر و ماہ کی صورت عطا کرے　　مٹی کو سیم و زر کی حقیقت عطا کرے
محتاج کو غنی کی فراغت عطا کرے　　مُردے کو زندگی کی حرارت عطا کرے
جس میں تمام شانِ رسالت مآب ہے
وہ بندۂ خدا بخدا بوترابؑ ہے

جب تک رہے گی نفسِ خدا کے لقب کی بات　　قرباں ہوگی نفسِ رسالتؐ پہ سب کی بات
یہ بات کیا بھلائے گی علم و ادب کی بات　　باقی رہے گی صرف محمدؐ کے رب کی بات
محدودِ وقت شاہدِ لوح و قلم نہیں
نفسِ نبیؐ کا علم بھی قرآں سے کم نہیں

پہنچا ہے اس نتیجے پہ انسان کا شعور　　تحریکِ علم ہی نے جلایا چراغ طور
اب تک ہے نورِ علم پہ شاہد حدیثِ نور　　یہ انتہا کہ علم ہے اللہ کا غرور
تخلیقِ پنجتنؑ سے یہ معلوم ہو گیا
علمِ علیؑ حیات کا مقسوم ہو گیا

ممکن ہے کائنات میں ایسا بشر کہاں لکھ دے جو اپنے خون سے قانونِ گلستاں
لائے تو زندگی کوئی ایسا طبیب جاں پھولوں کی نبض دیکھتی ہوں جس کی انگلیاں
مقدور جس کو اہلِ نظر کا خراج ہے
دنیا میں وہ مزاج علیؑ کا مزاج ہے

گلشن میں رنگ و بو ہے علیؑ کے مزاج سے پھولوں کی آبرو ہے علیؑ کے مزاج سے
انسان باوضو ہے علیؑ کے مزاج سے اسلام سرخرو ہے علیؑ کے مزاج سے
طوفانِ ظلم و جور گلے سے لگا لیا
پیغامِ کبریا کا سفینہ بچا لیا

دنیا کہاں سے لائے گی ایسا عمل نواز چھیڑے ہوں جس نے علم خدا سے دلوں کے ساز
انسان کیا دکھائے گا، یہ ناز یہ نیاز جیسے خدا کے گھر میں علیؑ نے پڑھی نماز
قاتل کو خود جگا دیا انجام کیلئے
ایسی نماز چاہیے اسلام کیلئے

یہ جانتے ہوئے کہ ستم گر ہے روبرو کچھ اور نرم ہو گیا اندازِ گفتگو
یہ جانتے ہوئے کہ بہے گا مرا لہو دشمن سے خود ہی کہہ دیا کیوں سو رہا ہے تُو
غصہ نہ آیا ظلم کی تلوار دیکھ کر
سجدہ کیا مشیّتِ غفار دیکھ کر

ماہِ صیام، سجدۂ معبود، زخمِ سر تازہ لہو لئے ہوئے تیاریِ سفر
دل مطمئن کہ جادۂ منزل ہے بے خطر جیسے ہزار بار کی دیکھی ہو رہ گذر
معصوم ہونٹ مصحفِ خیرالبشر کے ساتھ
جیسے کوئی کلام کرے ہمسفر کے ساتھ

رختِ سفر بندھا تو مسافر رواں ہوا	قرآں نے دی صدا میرا جینا گراں ہوا
زہراؑ کے گھر تو محشرِ آہ و فغاں ہوا	اسلام نے کہا مرا سورج نہاں ہوا
چھائی غموں کی دھوپ محمدؐ کے دین پر
ٹھہرا جہازِ علم نجف کی زمین پر

بعد علیؑ جو شام سے ابھریں جہالتیں	نازل ہوئیں خزانۂ شاہی کی ظلمتیں
اہلبیت کے روپ میں اٹھیں قیادتیں	آبادیوں پہ چھا گئیں ویران ساعتیں
دنیا سے امن و صلح کے آثار مٹ گئے
غیرت کو نیند آ گئی کردار مٹ گئے

ہر آدمی فریب میں ڈوبا ہوا ملا	دیکھا جسے وہ شخص رہینِ جفا ملا
کیسے کہوں علیؑ کو زمانے سے کیا ملا	پروردگارِ امن کو زہرِ دغا ملا
مسموم لال تھا شۂ بطحا کی گود میں
ٹکڑے دلِ حسنؑ کے تھے زہراؑ کی گود میں

کیسے کہوں سکوں سے رہا فاطمہؑ کا پھول	کیسے کہوں جہاں سے اٹھا فاطمہؑ کا پھول
سبطِ رسولؐ، سبز قبا، فاطمہؑ کا پھول	کیسے کہوں کفن میں چلا فاطمہؑ کا پھول
مرنے کے بعد بھی تو جنازے پہ تیر تھے
شہرِ نبیؐ میں علم کے لاشے پہ تیر تھے

آخر جوان ہو گئیں بے رحم آندھیاں	کعبے کے ہر ستون سے اٹھنے لگا دھواں
مقتل کی سمت چل دیا معصوم کارواں	میدانِ کربلا میں ہوئی آخری اذاں
ہتھیار سج کے پیاس کے مارے نکل پڑے
علمِ علیؑ کے چاند ستارے نکل پڑے

وہ خشک لب وہ گرمیِ عاشور کا شباب وہ انتہائے صبر وہ تکمیلِ اضطراب
وہ پیکرانِ حمد پہ زخموں کی آب و تاب وہ جذبۂ حسینؑ کے ہنستے ہوئے گلاب
رنگِ وفا پہ خون کی سرخی نثار تھی
علمِ علیؑ کے باغ میں پوری بہار تھی

تیروں کی بارشوں میں وہ جلتے ہوئے چراغ خونخوار خنجروں سے عیاں سرخ سرخ داغ
پھولوں کے جسم تیغوں کے پانی سے باغ باغ لیکن حسینیتؑ کی فضا میں دل و دماغ
انسانیت کے راج دلارے لہو میں تھے
قرآنِ بوترابؑ کے پارے لہو میں تھے

برچھی کا پھل، دہکتی زمیں، نوجواں کی لاش آنکھوں میں جیسے چودھویں کا چاند پاش پاش
ارض و سما میں یا علی اکبرؑ کا ارتعاش خیموں میں اہلبیتؑ کی آوازِ دلخراش
دنیا تھی آیتوں کو پریشاں کیے ہوئے
نوکِ سناں تھی سورۂ یوسفؑ لئے ہوئے

وہ نہر وہ جوانیِ عباسِؑ نامور جیسے علیؑ کے علم کا ساقی فرات پر
وہ شیر کے کٹے ہوئے بازو اِدھر اُدھر کہتی تھی موت عشق کے پتوار دیکھ کر
عباسؑ کی وفا سے حسینیؑ نظام ہے
اب کربلا علیؑ کے سفینے کا نام ہے

قاسمؑ کے جسم پر وہ شہادت کا پیرہن تشبیہ جس کے واسطے پامالیِ چمن
لوٹی تھی اہلِ شام نے یوں دولتِ حسنؑ شبیرؑ جمع کرتے تھے بکھرا ہوا بدن
ایسے میں صبر، کرب و بلا کی زمین پر
سہرا بندھا تھا علمِ علیؑ کی جبین پر

وہ سیّدہؑ کے باغ کا نازک ترین پھول   جس کی ہنسی بچا گئی سرمایۂ رسولؐ
وہ تیر اور وہ زلزلۂ مرقدِ بتولؑ   مظلومیت کا آخری تحفہ ہوا قبول

روحِ چمن حسینؑ کا تازہ نہال تھا
اصغرؑ کی کمسنی میں علیؑ کا کمال تھا

آخر میں وقتِ عصر وہ تنہائیِ حسینؑ   قربان جس پہ معرکۂ خیبر و حنین
مظلومیِ حسینؑ پہ روتے تھے مشرقین   خیمے سے آ رہی تھی یہ آوازِ شور و شین

بھیّا، ستم زدوں کو اکیلا نہ چھوڑنا
زینبؑ کو اس دیار میں تنہا نہ چھوڑنا

کس نے سنی بہن کی یہ آوازِ دلفگار   خنجر پھرا حسینؑ پہ نکلی لہو کی دھار
لیکن صدائے سجدۂ آخر تھی بار بار   علمِ نبیؐ و علمِ علیؑ کو ملی بہار

زینبؑ کے آنسوؤں میں بقا کا پیام ہے
اسلام اب حسینؑ کے سجدے کا نام ہے

بعدِ حسینؑ شامِ غریباں سے پوچھیے   مظلوم کے لٹے ہوئے ساماں سے پوچھیے
زین العباؑ کے چاک گریباں سے پوچھیے   سیّدانیوں کے حالِ پریشاں سے پوچھیے

میزانِ صبر و ضبط میں غم تولنے لگیں
زینبؑ مثالِ علمِ علیؑ بولنے لگیں

آنسو بہے تو ضبط کی چادر سے پونچھ کر   جینے کا فیصلہ کیا بھائی کے نام پر
عزمِ حسینؑ لے کے جو عابدؑ پہ کی نظر   قدموں پہ سر جھکانے لگا شام کا سفر

خطبوں کے ولولوں سے جو دل جھومنے لگا
علمِ ابوترابؑ، جبیں چومنے لگا

مقتل میں آ کے بھائی کے لاشے سے کہہ دیا   بھیا، سلام لیجئے اب قافلہ چلا
ہتھکڑیوں میں ہے آپ کا بیمار مہ لقا   بھیا خفا نہ ہونا کہ زینبؑ ہے بے ردا
ہے واسطہ بہن کو بڑے امتحان سے
اب گفتگو کروں گی علیؑ کی زبان سے

بھیا پکارتی ہیں غضب کی مسافتیں   بھیا قدم قدم ہیں ہزاروں مصیبتیں
کوفے میں دیکھیے گا بہن کی ریاضتیں   بھیا بہت قریب ہیں خطبوں کی ساعتیں
زندہ رکھوں گی علمِ علیؑ کے نظام کو
بھیا الٹ کے آؤں گی دربارِ شام

بھیا میں جانتی ہوں خزاں ہو گیا چمن   صحرا کی نذر ہو گئے زہراؑ کے گلبدن
بھیا تمہاری لاش ہے مقتل میں بے کفن   زینبؑ کے بازوؤں کو میسّر ہوئی رسن
لیکن چراغِ علمِ علیؑ جگمگائیں گے
بھیا تمہارے زخمِ بدن رنگ لائیں گے

قیصؔر بیانِ حضرتِ زینبؑ رقم نہ کر   غم کی حرارتوں سے پگھل جائے گا جگر
اشکوں کی نہر کے لئے کافی ہے اس قدر   بنتِ نبیؐ ہیں شامِ غریباں سے ننگے سر
سورج ہے جس کا پھول وہ گلشن ہے کربلا
علمِ ابوترابؑ کا مخزن ہے کربلا

◆◆

maablib.org

سلام

قیصر بارھوی

واعظ کو فکرِ دولتِ گفتار چاہیے
ہم کہہ رہے ہیں قوم کو کردار چاہیے

اے دوستو، صدائے اناالحق بُری نہیں
لیکن زبانِ حیدرِ کرارؑ چاہیے

ملّت کے گلستاں کی حفاظت کے واسطے
عشقِ ابوترابؑ کی دیوار چاہیے

حُرؑ جری نے دامنِ فطرت پہ لکھ دیا
انسان کو تمیزِ گُل و خار چاہیے

پھر دیکھنا کسی میں علیؑ کی شجاعتیں
پہلے خدا کی دی ہوئی تلوار چاہیے

دریا بھی چھین سکتا ہے فوجوں سے اک بشر
عباسؑ نامور سا علمدار چاہیے

ہر دشت آج بھی ہے طلب گارِ زندگی
مثلِ حسینؑ کوئی خریدار چاہیے

حسنینؑ کے وقار پہ ہوتی ہے گفتگو
یارب نمازِ احمدِ مختارؐ چاہیے

اعجازِ تحمّل

(حضرتِ سیّد سجادؑ کی سیرت اور اُن کے مصائب)

۴۷ بند ـ ۱۹۷۹ء

maablib.org

❖❖

سجادؑ ہے گلزارِ امامت کا مقدز
سجادؑ سے باقی ہے شریعت کا گُلِ تر
تقدیرِ حرمؑ آدمِ اولاد پیمبرؐ
سجادؑ ہے عاشور کے اسلام کا محور
اب تک جو شہیدوں کے اُجالوں کی سحر ہے
سجادؑ کے اعجازِ تحمّل کا اثر ہے

❖❖

اعجازِ تحمّل

زنجیرِ تخیّل میں گرفتار ہیں آنسو احساس کے ذرّوں سے شفق زار ہیں آنسو
غم خیز کہانی ہے تو خونبار ہیں آنسو پلکوں پہ نئے درد کی دیوار ہیں آنسو
یہ درد کی دیوار عجب حشر نما ہے
صحرا میں جلے خیموں پہ بیمار لکھا ہے

مقتل میں لہو روتی ہوئی شامِ غریباں سناٹے کی آغوش میں ہر گردشِ دوراں
لاشوں کی طرح دشت میں بکھرے ہوئے قرآں اور خاک پہ سر کھولے ہوئے عظمتِ انساں
منظر جو خیالات کو بے چین کئے ہیں
اک قافلہ سالار کی تصویر لئے ہیں

اک راہگذر جس پہ تڑپتا ہوا اسلام مظلوم مسافر سے گلے ملتا ہے ہر گام
زنجیر کی جھنکار نئی صبح کا پیغام کوفے کی مصیبت سے زیادہ سفرِ شام
کانٹوں پہ مسافر کا سفر دیکھ رہا ہوں
یا منزلِ معراجِ بشر دیکھ رہا ہوں

اک پیکرِ ایثار ہے اور فکر کی تنظیم　　اک عارفِ توحید ہے اور دین کی تعلیم
ہر سانس میں احکامِ خداوند کی تفہیم　　اک نیّرِ تسلیم ہے اور جادۂ تسلیم

آہوں کا گلا گھونٹ کے مصروفِ دعا ہے
بندہ ہے، مگر ضبط کی دنیا کا خدا ہے

ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے ہاتھوں کی شجاعت　　کرتی ہے جسے پیار یہ اللہ کی قوت
ماتھے کے پسینے میں رسولوں کی عبادت　　آنکھوں سے چھلکتی ہوئی صہبائے رسالتؐ

پاریدہ گریباں کے تبسّم سے عیاں ہے
سینہ نہیں اسرارِ الٰہی کا مکاں ہے

پنجے پہ ہیں رسّی کے نشاں سرخیوں والے　　یا خمسۂ وحدت کی شہادت کے قبالے
پھولوں کی گلابی سے حسیں پاؤں کے چھالے　　یا خون میں ڈوبے ہوئے سورج کے اُجالے

مظلوم جہاں نقشِ قدم چھوڑ رہا ہے
اک نقشۂ تاریخِ حرم چھوڑ رہا ہے

کاندھوں پہ اٹھائے ہوئے دنیائے اَب وجد　　نظروں کو بنائے ہوئے اسلام کی سرحد
ہونٹوں پہ سجائے ہوئے قرآنِ محمدؐ　　رگ رگ میں بسائے ہوئے شبیرؑ کا مقصد

اجسامِ رعونت کی رگیں کاٹ رہا ہے
کردار سے باطل کی جڑیں کاٹ رہا ہے

گردن کے ہرے زخم سناتے ہیں کہانی　　اک طوقِ گرانبار کے خاروں کی زبانی
حائل ہو پہاڑوں کی طرح جبر کا پانی　　رکتی نہیں قدرت کے سفینے کی روانی

جب ظلم کے طوفان سے چھپ جائے گا ساحل
سجادؑ کے قدموں میں نظر آئے گا ساحل

سجادؑ کا نام آتے ہی تاریخ پکاری　　اس نام پہ قربان ہوئی سجدہ گذاری
گلشن میں اسی نام سے ہے بادِ بہاری　　اس نام نے اسلام کی تقدیر سنواری
میداں میں بہتر کی شہادت کا بیاں ہے
سجادؑ کی تکبیر سے وحدت کی اذاں ہے

سجادؑ، اصولِ بنی ہاشم کا نگہباں　　خوشبوئے گلستانِ حرم، دولتِ عرفاں
ایوانِ رسالتؐ کا ستوں، قالبِ قرآں　　حیدرؑ کی امامت کا یقیں، صولتِ ایماں
موتی کی صداقت میں تجلّی ہے صدف کی
اس چاند میں تنویر ہے زہراؑ کے شرف کی

سجادؑ وہ عرفانِ حقیقت کا سمندر　　جس نے بنی آدم کو دیئے علم کے گوہر
ہر ذہن کو ماحول کی تطہیر بتا کر　　جس نے رُخِ ہستی کو دیا امن کا جھومر
نقادِ اجل جس پہ نظر کر نہیں سکتا
سجادؑ وہ انساں جو کبھی مر نہیں سکتا

سجادؑ وہ ماضی، جو نظر آئے مسلسل　　ہر حال میں ہو جس کا بیاں نور کی مشعل
تکمیلِ ہدایت کے لئے ہادیٔ اکمل　　ہر عہد میں توحید کی تقریرِ مدلّل
جب تک بھی نماز آئینۂ حمد رہے گی
سجدوں کی زباں سیّد سجادؑ کہے گی

سجادؑ وہ جذبہ جو زمانے کو سنوارے　　مانندِ سحر چہرۂ احساس نکھارے
چاہے تو گلِ تر سے بدل جائیں شرارے　　ذرّوں سے کرے پیار تو بن جائیں ستارے
تاریک جبیں چاند کی سج دھج نظر آئے
چاہے تو گھنی رات میں سورج نظر آئے

آئینۂ اخلاق میں دیکھا تو یہ دیکھا　　ہر سمت ہے سجادؑ کی سیرت کا اُجالا
جب کوئی بشر سامنے دُشنام پہ اترا　　یہ ابرِ کرمؑ ابرِ سخا اور بھی برسا
جس نے بنی ہاشمؑ کو سدا رنج دیا ہے
وہ شخص بھی سجادؑ کا مہمان رہا ہے

دشمن کی ریاست کے تحفظ کی دعائیں　　اپنوں کی طرح خوں کے پیاسوں کی غذائیں
لائے تو زمانہ یہ شرافت کی ادائیں　　عاشور کے دن لوٹنے والوں کو قبائیں
جب عظمتِ کردار کی تحریر ملے گی
ہر لفظ میں سجادؑ کی تصویر ملے گی

نرمی سے ہر اک سخت کلامی کو مٹایا　　دل جس نے دکھایا اُسے پہلو میں بٹھایا
غم جس نے دیا، اس کو کلیجے سے لگایا　　سر کاٹنے والے کو اخی کہہ کے بلایا
جو صورتِ گل موت کے شعلوں پہ کھلے گا
وہ حوصلہ سجادؑ کے سینے میں ملے گا

ثابت قدمی جس کے قدم چوم رہی ہے　　انجیلِ عزا جس کے مصائب نے لکھی ہے
جس کے لئے ہر اشک چراغِ ابدی ہے　　وہ شیر جو ہمنامِ علیؑ مثلِ علیؑ ہے
آندھی میں ٹھہر جائے جو فولاد کی صورت
وہ عالمِ غربت میں ہے سجادؑ کی صورت

سجادؑ گلستانِ قیادت کی جوانی　　انگاروں پہ ہنستے ہوئے پھولوں کی کہانی
سجادؑ ہے فطرت کی وہ اعجاز بیانی　　پانی میں لگے آگ تو پھر آگ ہو پانی
جو عقل پہ حاوی ہو وہ انداز دکھا دے
سوکھے ہوئے ہونٹوں سے سمندر کو جلا دے

سجادؑ وہ خوشبو جو خیالات کو مہکائے سجادؑ وہ احساس جو انساں کو نظر آئے
شعلوں کی لگن، قطرۂ شبنم پہ اٹھا لائے سجادؑ وہ حیرت ہے جو ہر عقل پہ چھا جائے
انساں کو مشیّت کے سب انداز سکھا دے
سجادؑ وہ عیسیٰؑ ہے جو مردے کو جلا دے

سجادؑ وہ قوّت جو بدل دے رُخِ دوراں ڈر جائے جسے دیکھ کے الحاد کا طوفاں
سجادؑ مشیّت کے صحیفے کا وہ عنواں پھیلے تو محمدؐ ہو سمٹ جائے تو قرآں
اندازِ امامت میں نبوتؐ بھی ملے گی
سجادؑ میں توفیقِ رسالتؐ بھی ملے گی

لشکر کی طرح ظلم کے سیلاب سے پوچھو دورانِ سفر مہرِ جہاں تاب سے پوچھو
تیروں کے بھنور نیزوں کے گرداب سے پوچھو ناموسِ نبیؐ گلشنِ بے آب سے پوچھو
فطرت پہ جو غالب ہو وہ کہلائے گا سجادؑ
ہر دور میں شبیرؑ نظر آئے گا سجادؑ

سجادؑ ہے، گلزارِ امامت کا مقدّر سجادؑ سے باقی ہے شریعت کا گلِ تر
تقدیرِ حرمؑ آدمِ اولادِ پیمبرؐ سجادؑ ہے عاشور کے اسلام کا محور
اب تک جو شہیدوں کے اُجالوں کی سحر ہے
سجادؑ کے اعجازِ تحمل کا اثر ہے

تاریخ کی آواز پہ بہتے ہوئے آنسو لفظوں میں بسا لائے غم و درد کی خوشبو
یاد آئے اسیروں کی مصیبت کے وہ پہلو صحرا کی تپش احمدِ مختار کے مہرو
کونین میں جو مصدرِ ایماں نظر آئے
مقتل میں وہی چاک گریباں نظر آئے

سرکارِ دو عالمؐ کی وہ لوٹی ہوئی سرکار یثرب کے شہنشاہ کا اُجڑا ہوا دربار
بے گوروکفن کشورِ اسلام کا سردار وہ دھوپ کا سایہ وہ زمانے کا مددگار
ماحول کو پابندِ رسن دیکھ رہی تھی
ماں جائے کی میّت کو بہن دیکھ رہی تھی

آلودۂ حسرت وہ غریبوں کی نگاہیں فوجوں کی طرف پردہ نشینوں کی نگاہیں
بکھرے ہوئے لاشوں پہ اسیروں کی نگاہیں مقتل پہ وہ معصوم یتیموں کی نگاہیں
ساحل کی طرف تیزی سے جاتے ہوئے بچے
عباسؑ کو دریا سے بلاتے ہوئے بچے

ہونٹوں پہ کہیں ہائے مرے قاسمِؑ مضطر آہوں سے کسی بھائی کو روتی ہوئی خواہر
اک مادرِ غمگیں کی صدا ''یا علیؑ اکبرؑ'' آنکھوں میں کہیں قبر سے نکلا ہوا اصغرؑ
مقتل کے ستارے تھے ہر اک دیدۂ تر میں
سجادؑ کی نظریں تھیں قیامت کے سفر میں

وہ صبحِ سفر باپ کے لاشے سے جُدائی وہ پیشِ نظر خاک پہ سوتے ہوئے بھائی
سہمے ہوئے بچوں میں وہ خاموش دہائی حیدرؑ کی طرح حیدرِ کرارؑ کی جائی
کوفے کی طرف قافلۂ درد چلا تھا
یا ہمتِ سجادؑ کا آغاز ہوا تھا

کوفے کے درو بام سے نظروں کا تصادم مسلمؑ کے سرِ پاک سے اشکوں کا تکلم
آرائشِ بازار، زمانے کا تبسّم ہر سانس میں ناموس کی غیرت کا تلاطم
مجموعۂ غم سینۂ سجادؑ لیے تھا
یا شوقِ وفا درد کو تسخیر کیے تھا

دربار میں ایک تخت پہ بیٹھا ہوا جلّاد فرعونِ عرب، ابن زیادِ ستم ایجاد
وہ بزمِ رعونت وہ برستی ہوئی بیداد وہ جام، وہ جلّاد وہ زنجیروں میں سجادؑ
وحشت جو شرافت کا لہو چاٹ رہی تھی
فرعونیت، اپنا ہی گلا کاٹ رہی تھی

ظالم کی چھڑی اور لب سبطِ پیمبرؐ یا سینۂ آیات میں توہین کا خنجر
زینبؑ کی طرف ہر نگہِ قہقہہ پرور کانٹوں سے الجھتی ہوئی تطہیر کی چادر
اُس وقت جو سجادؑ کے ہونٹوں پہ دعا تھی
وہ ایک ادا حاصلِ تسلیم و رضا تھی

تحقیر کے الفاظ میں حاکم کا بلانا الزامِ بغاوت بنی ہاشمؑ پہ لگانا
شبیرؑ کو برگشتۂ اسلام بتانا ایسے میں بھی سجادؑ کا غصے میں نہ آنا
افکار پہ اک ضربِ تفکر کا عمل تھا
ہر دشمنِ شبیرؑ کو پیغامِ اجل تھا

اندازِ رسالتؐ میں وہ خطبہ سرِ دربار اعجازِ بیاں، قوتِ حق، جراتِ گفتار
پیرایۂ الفاظ میں احساس کی تلوار لہجے کی تڑپ، ولولۂ حیدرِ کرارؑ
تاثیر سے دربار کی بنیاد ہلی تھی
قرآن کے مفہوم کو آواز ملی تھی

آواز کہ اے وقت کی دولت کے غلامو اے اہلِ ہوس خلعت و دینار کے بندو
کس بات پہ نازاں ہو گریباں میں تو جھانکو اپنے ہی پیمبرؐ کا چمن لوٹنے والو
کعبے کو دیا منزلِ بدنام کی خاطر
تم نورِ سحر بیچ گئے شام کی خاطر

وازٔ کہ مٹ جائے گا یہ عالمِ غفلت   صحرا کا بگولا ہے یہ تخریب کی شدّت
آہوں میں بدل جائے گی لمحوں کی مسرّت   لازم ہے تمہارے لئے پائندہ مصیبت
خوابوں کی طرح سلسلۂ وہم و گماں ہو
تم اپنی تباہی کے سفینے میں رواں ہو

سوچو تو سہی، کون ہیں مجبور گرفتار   یہ کس کے حرم ہیں جو کھڑے ہیں سرِ دربار
یہ چاند ستارے ہیں جو نیزوں پہ ضیا بار   کس گھر کے اُجالے ہیں تو کس قوم کے سردار
دریائے حقیقت کا گہر دیکھ رہے ہو
کیا طشت میں رکھا ہوا سر دیکھ رہے ہو

اے کوفیو! اولادِ پیمبرؐ ہیں یہ قیدی   گلزارِ نبوتؐ کے گلِ تر ہیں یہ قیدی
ایماں کی بقا، دین کے پیکر ہیں یہ قیدی   اللہ کی آیات کے مظہر ہیں یہ قیدی
مٹی میں ہر اک دُرِّ نجف دیکھ رہے ہو
تم ثانیِ زہراؑ کی طرف دیکھ رہے ہو

وہ سامنے عباسؑ ہیں اور وہ علی اکبرؑ   وہ ماہِ لقا ابنِ حسنؑ قاسمِ مضطر
وہ عون و محمدؑ ہیں گلِ گلشنِ جعفرؑ   وہ ننھا مجاہد مرا بھائی علی اصغرؑ
تلوار کی مانند چھڑی جس پہ رکھی ہے
وہ فاطمہؑ کا چاند حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

اے کوفیو! اب میں ہوں وہ مظلوم کا دلبر   ملتے ہیں جسے طعنۂ اغیار کے نشتر
دیوانہ صفت دیکھ رہے ہو مجھے ہنس کر   اے کوفیو کیوں مارتے ہو درد کے خنجر
پردیس میں اُجڑا ہوا مہمان تو سمجھو
میں کچھ بھی نہیں ہوں، مگر انسان تو سمجھو

پتھر کے کلیجوں کو ہلاتی ہوئی آواز　　سوئے ہوئے احساس جگاتی ہوئی آواز
ذہنوں کو نئی سوچ پلاتی ہوئی آواز　　افکار کو ماضی سے ملاتی ہوئی آواز
ہر خیمۂ وحشت کو گراتی ہوئی گزری
دربار میں طوفان اٹھاتی ہوئی گزری

تاریکیٔ زنداں سے گزرتی ہوئی آواز　　سورج کی تمازت سے نکھرتی ہوئی آواز
کانٹوں کی طبیعت میں اترتی ہوئی آواز　　ذرّوں کی قیامت میں سنورتی ہوئی آواز
ہر کیفیتِ جبر تو ہر قہر سے گزری
کوفے کا محل توڑ کے ہر شہر سے گزری

شہروں کی فضاؤں کو بدلتی ہوئی آواز　　قریوں کی ہواؤں پہ مچلتی ہوئی آواز
ہر دامنِ صحرا سے نکلتی ہوئی آواز　　ہر شعلۂ فطرت پہ سنبھلتی ہوئی آواز
جب شام میں آئی تو نقوش اور جلی تھے
سجادؑ کے لہجے میں حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

وہ شہرِ دمشق اور وہ مسموم ہوائیں　　ناگن کی طرح منزلِ باطل کی فضائیں
اقدار پہ چھائی ہوئی ذلّت کی گھٹائیں　　انسان جہاں مانگ لے مرنے کی دعائیں
حاکم کی طرح ظلمتِ پیہم کی زمیں تھی
وہ شام کا مرکز کہ جہاں صبح نہیں تھی

وہ شہر جو گہوارۂ رسوائی و تکذیب　　وہ شہر جو سرچشمۂ بربادی و تخریب
وہ جس کی سحر پرچمِ الحاد کی تنصیب　　وہ شہر جو تذلیلِ خرد مقتلِ تہذیب
اللہ کے پیغام کی توہین کا مرکز
وہ شہر جو اسلام کی توہین کا مرکز

گونجی تھی اُسی شہر میں سجادؑ کی آواز   سجادؑ کی آواز تھی یا صبر کا اعجاز
پہنچے درِ ساعات پہ جب دین کے دمساز   معلوم ہوا سب سے بڑی جنگ کا آغاز
آمد پہ اسیروں کی نیا جشنِ طرب تھا
یا دامنِ لمحات میں صدیوں کا تعب تھا

باجوں کی صدا رقص میں بڑھتا ہوا طوفاں   صحرا کے درندے کہوں یا شام کے انساں
دنیا تھی شرافت کے جنازے پہ غزل خواں   ہنستا ہوا ابہام تو روتا ہوا قرآں
ناواقفِ اسرار نگاہوں کے بھنور تھے
اور بیچ میں ناموسِ محمدؐ کھلے سر تھے

جس وقت نیا رنگ چڑھا، جشنِ طرب پر   خود آپ لہو رونے لگا ظلم کا دفتر
زہراؑ کے غریبوں پہ برسنے لگے پتھر   پوشاک شفق زار تھی اور آلِ پیمبرؐ
نیزوں پہ تڑپنے لگے عاشور کے پیاسے
ناموس کے سر چھپ گئے زخموں کی ردا سے

سجادؑ کے چہرے پہ سجیں، سرخ لکیریں   جس طرح سے لہرائی ہوں ایثار کی فصلیں
حالات میں ڈوبی ہوئی مظلوم کی نظریں   جیسے کسی آندھی میں ٹھہرتی ہوئی شمعیں
تلووں میں چبھے خار تھے ہاتھوں پہ ورم تھا
یا احمدِ مرسل کی رسالتؐ کا بھرم تھا

خشکی سے چٹختے ہوئے ہونٹوں پہ تشکر   یا عالمِ آلام کا اندازِ تفاخر
گرمی کی صعوبت سے پسینے کا تقاطر   یا فاتحِ خیبر کی ریاضت کا تاثر
ہر شخص نے جب دیدۂ پرخار سے دیکھا
سجادؑ نے اُمت کی طرف پیار سے دیکھا

درّوں کی اذیت پہ طبیعت کا سنبھلنا   زخموں کی طرف دیکھ کے ہنستے ہوئے چلنا
یادوں میں بھرے گھر کا مدینے سے نکلنا   آنکھوں میں شہیدوں کے بدن، خیموں کا جلنا
پھر بھی نگہِ عزم کو قاصر نہیں دیکھا
سجادؑ سا دنیا میں مسافر نہیں دیکھا

ہر گام پہ ہنستی ہوئی منحوس دکانیں   فرمانِ حکومت کی جفا خیز چٹانیں
ہر بام پہ کھنچتی ہوئی نفرت کی کمانیں   حاکم کے حیا سوز خیالوں کی اڑانیں
ساماں جو اسیروں کے رُلانے کیلئے تھا
وہ ہمّتِ سجادؑ بڑھانے کیلئے تھا

دربار نظر آیا تو زینبؑ نے پکارا   سجادؑ، مرے سینے سے لگ جاؤ خدارا
اے لال، مصیبت کا سفر ہم نے گزارا   درپیش قیامت کا ہے لیکن یہ اشارا
رسوائے جہاں محفلِ خونخوار یہی ہے
سب سے بڑے جلّاد کا دربار یہی ہے

سجادؑ نے کی عرض بجا ہے پھوپھی لمّاں   اب آپ کی ہمّت ہے مرے صبر کا عنواں
کیا محفلِ خونخوار سے ہم ہوں گے ہراساں   وہ دائرۂ وہم تو ہم وسعتِ قرآں
کیا خوف جو دربارِ یزید اُموی ہے
سجادؑ بھی فرزندِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

آخر وہی دربار تھا اور ثانیِ زہراؑ   سجادؑ تھے اور فتحِ مشیّت کا تقاضا
سب سے بڑا جلّاد یزیدِ ستم آرا   اور سامنے توقیرِ حرم، عظمتِ بطحا
زر بفت لباسوں میں گناہوں کے بدن تھے
عصمت کے گہر زینتِ زنجیر و رسن تھے

بھرپور تکبّر میں گرجتا ہوا حاکم   یا دجلۂ تکفیر میں ڈوبا ہوا ظالم
سمجھا تھا اسیروں کو شکستِ بنی ہاشمؑ   شبیرؑ کے وارث سے ہوا یوں متصادم
حق اپنے اب و جد کا ادا کر دیا میں نے
جادوئے محمدؐ کو فنا کر دیا میں نے

اب ختم ہوا رشد و ہدایت کا فسانہ   باندھا مرے ساغر نے شریعت کا نشانہ
اب ذلّتِ اسلام ہے اور سارا زمانہ   گونجے گا فقط آلِ اُمیّہ کا ترانہ
قرآں جسے کہتے ہیں وہ پیغام نہ ہو گا
دنیا میں محمدؐ کا کہیں نام نہ ہو گا

اس طرزِ تصادم پہ اٹھی ضبط کی شمشیر   تھرّانے لگی خون میں ڈوبی ہوئی زنجیر
ہتھکڑیوں کے ہونٹوں سے اٹھا نعرۂ تکبیر   آزادیِ غیرت میں ڈھلا طوقِ گلوگیر
غالب سرِ دربار ہوا رتبۂ مظلوم
مانندِ اذاں گونج اٹھا خطبۂ مظلوم

وہ خطبۂ مظلوم وہ آیات فشانی   ہر لفظ میں قرآں کی طرح بحرِ معانی
اندازِ خطابت علی اکبرؑ کی جوانی   مضموں کی ادا فاتحِ خیبر کی کہانی
گفتار کی تلوار سے کیا وار کیا تھا
دنیا میں ستمگار کو فی النار کیا تھا

سمجھا دیا انساں کو تکبّر نہیں زیبا   اس حسن کے لائق ہے فقط خالقِ یکتا
سمجھا دیا اسلام ہی پائندہ رہے گا   اسلام کی قوت ہے لہو آلِ نبیؐ کا
دنیا کے لئے حجّتِ دائم ہے محمدؐ
اب سجدۂ شبیرؑ سے قائم ہے محمدؐ

سمجھا دیا قدرت ہے شریعت کا مقدّر   رہ جائیں گے لعنت کی طرح بادۂ ساغر
سمجھا دیا ذلّت ہے اسی نفس کا زیور   ہو گی نہ جسے معرفتِ نفسِ پیمبرؐ
کیا چیز ہے دریوزہ گرِ زر کا ترانہ
قرآن ہے اولادِ پیمبرؐ کا ترانہ

سمجھا دیا، جادو نہیں اللہ کا پیغام   کونین پہ ہے خالقِ کونین کا انعام
آوارگیِ قلب و نظرؐ کیفیتِ جام   اللہ کے محبوب نے توڑے ہیں یہ اصنام
تعلیمِ رسالتؐ نہ پریشان رہے گی
قربانیِ شبیرؑ نگہبان رہے گی

خطبے کی صداؤں پہ مؤذن کی وہ آواز   فتحِ بنی ہاشمؑ کے ابھرتے ہوئے انداز
خفت میں بدلتی ہوئی دولت کی تگ و تاز   دربار میں ہلچل تھی کہ مظلوم کا اعجاز
کیسے کہوں مغرور کو خاموش کیا تھا
حاکم سے قلمدانِ سخن چھین لیا تھا

لکھ دی رُخِ دربار پہ رسوائیِ پیہم   ٹکڑے کیا آلِ ابوسفیان کا پرچم
یہ کہہ کے نکالے ستم ایجاد کے دم خم   اولادِ پیمبرؐ ہے عروجِ بنی آدم
گردش کو اجل آئے گی ہر دور مٹے گا
عاشور کو لکھا ہوا قرآن رہے گا

زندہ ہوئیں اس فتح کے منظر سے فضائیں   تاریخ کو حاصل ہوئیں جینے کی ادائیں
صدقے ہوئیں سجادؑ پہ زینبؑ کی دعائیں   کلثومؑ نے لیں پیار کی نظروں سے بلائیں
مقصد کو فروزاں جو کیا نورِ نظر نے
منہ چوم لیا طشت میں رکھے ہوئے سر نے

قیدی سے گلے ملنے لگا خونِ شہیداں بیکس پہ فدا ہو گیا مستقبلِ دوراں
تعظیم بجا لایا ہر اک سورۂ قرآں چھاتی سے لگانے لگے معراج کے انساں
ہتھکڑیوں کے پھول احمدؐ مختار نے چومے
دُرّوں کے کنول حیدرؑ کرار نے چُومے

نیزوں سے یہ مقتول خطیبوں نے پکارا اب کوئی چھپا سکتا نہیں خون ہمارا
سجادؑ ہے تقدیرِ شہادت کا ستارا اب زینتِ آفاق رہے گا یہ نظارا
تعمیرِ شرافت غمِ پیہم میں رہے گی
انسانیت آغوشِ محرم میں رہے گی

اس فتح کی پاداش تھی آبادی زنداں پھر شامِ غریباں کی طرح بزمِ غریباں
آنکھوں سے نکل آئے تڑپتے ہوئے ارماں پھر خاک تھی اور مرثیۂ شاہِ شہیداں
اشکوں میں سمائے ہوئے بے گور و کفن تھے
پھر مجلسِ شبیرؑ میں دو بھائی بہن تھے

چھوٹی سی بہن چومتی تھی بھائی کی زنجیر یا سارے زمانے سے جُدا درد کی تصویر
ننھی سی زباں خشک تو آواز گلوگیر آہستہ سے کہتی تھی وہ شہزادیٔ تطہیر
کیا حکم رہائی نہ کبھی پاؤں گی بھیّا
کیا اب میں اسی قید میں مر جاؤں گی بھیّا

کیا حالتِ غم یوں ہی رہے گی مرے بھائی کیا ختم نہ ہو گی یہ اسیری مرے بھائی
اب تک ہے یہ زنجیر، یہ بیڑی، مرے بھائی کیا قید میں یوں رہتے ہیں قیدی مرے بھائی
کہہ دیجے مدینے کی ہوا مل نہیں سکتی
کیا آپ کے زخموں کی دوا مل نہیں سکتی

کیا مجھ کو وہ ساعت بھی دکھائے گا مقدر جس وقت میں سو جاؤں گی بابا کی لحد پر
بھیا، مجھے یاد آتا ہے پیارا علی اصغرؑ پھرتے ہیں مرے سامنے بھیا علی اکبرؑ
آنکھوں میں مچلتے ہوئے ارمان بڑے ہیں
آغوش میں لینے کو چچا جان کھڑے ہیں

یہ سنتے ہی سجادؑ کی آنکھوں کا برسنا پلکوں سے بھرے باغ کی یادوں کا برسنا
یادوں کی طرح قلب کے زخموں کا برسنا آہوں میں بہن بھائی کے اشکوں کا برسنا
تابوت خیالوں میں اٹھانے لگے سجادؑ
زندان میں اک قبر بنانے لگے سجادؑ

آخر یہ برستی ہوئی آنکھوں نے سنایا زنداں میں محمدؐ کے نواسے کا سَر آیا
سجادؑ نے زانو پہ سکینہؑ کو بٹھایا دل تھام کے پھر چہرۂ مظلوم دکھایا
اس وقت کی حالت کا بیاں ہو نہیں سکتا
سچ ہے کہ قیامت کا بیاں ہو نہیں سکتا

ایسے میں لرزتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھا کر معصوم نگاہیں سرِ بے کس پہ جما کر
زنداں کے اندھیروں کو اُجالوں سے مٹا کر ہر چہرے پہ اک آخری تسلیم سجا کر
ڈوبی صفتِ نبض تو ابھری نہ سکینہؑ
رخسارِ پدر چوم کے اٹھی نہ سکینہؑ

اُس وقت بھی سجادؑ تھے اور منظرِ ماتم اُس وقت بھی اسلام تھا اور گریۂ پیہم
معصوم سکینہؑ کی جدائی کا وہ عالم اُس وقت بھی ہر زخم پہ تھا صبر کا مرہم
شبیرؑ کی نظروں میں تو پردہ تھا بہن کا
سجادؑ کے ہاتھوں پہ جنازہ تھا بہن کا

کہرام ہے مجلس میں دعا مانگ لے قیصرؔ اے آلِ محمدؐ کے خدا داورِ محشر
کوثر پہ جب آواز ہو اے ساقیِ کوثرؑ یہ مرثیہ لکھا ہو مری فردِ عمل پر

مداح پہ یوں ساقیِ کوثر کی عطا ہو
ہر جام پہ یا سیدِ سجادؑ لکھا ہو

◆◆

اُجالوں کا سفر

(امام علی نقیؑ کی سیرت اور قید و بند کی صعوبتیں)

۲۷ بند۔۱۹۸۱ء

maablib.org

❖❖

گفتگو علم پہ ہوتی تھی جہالت کی طرح
تبصرہ فہم پہ کرتے تھے حماقت کی طرح
روح وابستۂ پیکر تھی، خباثت کی طرح
پانی دولت کے اُجالوں میں تھا ظلمت کی طرح
گردشِ عقل سے اُلجھا ہوا پیرایہ تھے
آدمی کیا تھے ابوجہل کا سرمایہ تھے

❖❖

اُجالوں کا سفر

شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں
دین پروان چڑھا ظلم کے طوفانوں میں
کبھی مقتل میں کبھی زہر کے پیمانوں میں
حق ہمیشہ سے تُلا، درد کی میزانوں میں
سرخیاں دیکھیے تاریخ کی دیواروں پر
شہرِ کردار بسایا گیا انگاروں پر

سبز کانٹوں پہ چلائے گلے گلشن کے امیر
سنگ خاروں پہ سلائے گئے وحدت کے سفیر
آگ میں ڈالے گئے نخلِ کتاب و تفسیر
دار پر کھینچے گئے امن کے تابندہ ضمیر
چشمِ آفاق میں پھیلے ہوئے سناٹے ہیں
خنجرِ وقت نے معصوم گلے کاٹے ہیں

نقرئی بال بکھیرے ہوئے کہتی ہے سحر
نوبتِ فجر پہ خوں روتا ہے اللہ کا گھر
سرخ اشکوں سے بیاں کرتے ہیں ماضی کے بھنور
پھول کی طرح کھلا بولتے قرآن کا سر
قصۂ مسجدِ کوفہ سے جگر ہلتا ہے
پیکرِ علم کا سجدے میں لہو ملتا ہے

حُسنِ ایثار کی پائندہ کہانی کیا ہے　　خواہشِ امن کی بھرپور جوانی کیا ہے
مرگِ ظلمت کیلئے نور فشانی کیا ہے　　جنگ کی آگ ہے کیا صلح کا پانی کیا ہے
تجزیہ کر کے مدینے کی فضائیں دیکھیں
ایک تابوت پہ تیروں کی گھٹائیں دیکھیں

جبر اور صبر کی پیکار ہے تاریخِ حرم　　خونِ آیات سے ہے سینۂ آیات میں دم
ذکرِ معبود میں نیزے پہ تلاوت کی قسم　　ایک مظلوم ہے قانونِ الٰہی کا بھرم
ساری دنیا میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے
بے کفن لاش کا اعجاز نظر آتا ہے

پتیاں پھولوں کی بکھری ہیں تو مہکا ہے چمن　　پیاسے غنچوں نے بنایا ہے بہاروں کو دلھن
غور سے دیکھئے دنیا کا سنہرا آنگن　　پی کے سورج کا لہو خاک ہوئی ہے کندن
حُسنِ شبنم ہے مگر دیدۂ تر کی صورت
چاند تاروں کے جنازے ہیں سحر کی صورت

آدمیت کا اُجالا ہے شہیدوں کا لہو　　صبحِ فطرت میں غریبوں کے مسلسل آنسو
خشک ہونٹوں سے ہے ایمان کی شاخوں میں نمو　　بستیاں دشت سے لائی ہیں وفا کی خوشبو
آب کیا پائی ہے احساس کی تلواروں نے
ہاتھ کٹوائے ہیں وحدت کے علمداروں نے

کٹ گئے سر تو بڑھی رونقِ بازارِ حیات　　لٹ گئے گھر تو مکمل ہوئی دیوارِ حیات
غم کے مارے ہوئے سادات ہیں معمارِ حیات　　ورنہ اسلام کہاں اور کہاں آثارِ حیات
صحنِ عالم میں جو آوازِ اذاں سنتے ہیں
باغِ زہراؑ کے اجڑنے کا بیاں سنتے ہیں

چہرۂ فکر دمکنے کی ادا کچھ بھی نہیں　　پیکرِ عقل پہ جلووں کی قبا کچھ بھی نہیں
ذہنِ انساں کے چراغوں کی ضیا کچھ بھی نہیں　　مشعلِ روح میں تنویرِ بقا کچھ بھی نہیں

ایک بیمار کی خوشبو سے فضا جھومتی ہے
روشنی شامِ غریباں کی ردا چومتی ہے

چاہِ زمزم پہ ہے توحید پرستوں کا ہجوم　　روح کی پیاس بجھاتے ہیں عقیدت کے رسوم
شورِ لبیک ہے بیداریِ اسلام کی دھوم　　حق نگاہوں کو ہے لیکن یہ حقیقت معلوم

زخم اسلام نے کھائے ہیں مسلمانوں سے
پانی چھینا گیا کعبہ کے نگہبانوں سے

دشتِ ماضی پہ اگر ڈالیے چشمِ انصاف　　صیدِ غربت ہیں مدینے کے مقدس اشراف
شام کی راہ میں کہتا ہے بگولوں کا طواف　　صدقۂ چادرِ تطہیر ہے کعبہ کا غلاف

قصرِ وحدت جو سیہ پوش کیا جاتا ہے
بال کھولے ہوئے اک قافلہ یاد آتا ہے

ہم نے تاریخ میں دیکھے ہیں وہ ظالم انساں　　نام لیجے تو اٹھے ذہن کی بستی سے دھواں
کیا مسلمان کہے ان کو مسلماں کی زباں　　جو تڑپتی ہوئی لاشوں پہ رہے رقص کناں

تیغِ وحشت سے شرافت کا گلا کاٹ گئے
وہ درندے جو غریبوں کا لہو چاٹ گئے

حرص کی دھوپ میں وحشت کا اندھیرا توبہ　　زر کے سائے میں شقاوت کا اندھیرا توبہ
کفر پروردہ سیاست کا اندھیرا توبہ　　موت کی چھاؤں، حکومت کا اندھیرا توبہ

نوحہ گر حرمتِ قرآں کے تقاضے دیکھے
طوق و زنجیر میں سادات کے لاشے دیکھے

ظلمتِ شام کی خونخوار ستمگر آندھی
ارضِ بغداد کے محلوں میں جنم لینے لگی
بربریت کے سمندر میں نئی لہر اُٹھی
کفرِ نمرود کی مانند حکومت اُبھری
آ گیا دورِ تشدّد نئے احساس کے ساتھ
ظلم رقصاں ہوا سازِ بنی عباس کے ساتھ

نشۂ زر میں اُچھالے گئے زرّیں ساغر
چھا گیا ذہنِ ریاست پہ شرابی منظر
فکر ٹھہری جو چمکتے ہوئے دیناروں پر
کھا گیا غیرتِ انساں کو سنہرا خنجر
غرقِ باطل ہوئے کیفیتِ حق بھول گئے
کلمہ گو، اجرِ رسالتؐ کا سبق بھول گئے

حکمراں تن پہ سجائے ہوئے پوشاکِ غرور
پوری قوّت سے مٹانے لگے توحید کا نور
طاقِ نسیاں جو ہوا دینِ خدا کا دستور
آمریّت کا ہدف بن گیا حقِ جمہور
شدّتِ جبر ہر اک فکر کا منہ موڑ گئی
جو بھی آواز اُٹھی راہ میں دم توڑ گئی

نغمہ و رقص کا ماحول کنیزوں کا شباب
یا مجسّم تھی حیا سوز فسانوں کی کتاب
ساز کی مست فضاؤں میں تقاضائے شراب
جس طرح خواب میں تعبیر ہو تعبیر میں خواب
کون سا ذہن تعیّش کا پرستار نہ تھا
الف لیلیٰ کا پرستان تھا دربار نہ تھا

اہلِ دربار کو خوشنودیِ حاکم کا خیال
جیسے تکمیل پہ تہذیب فروشی کی مثال
کشتِ دنیا کیلئے جنّتِ عقبیٰ پامال
عزّتِ نفس کا نیلام، شرافت کا زوال
منہ سے حق بات ادا کرنے کی جرات نہ رہی
بے حسی رہ گئی ایمان کی قوّت نہ رہی

گفتگو علم پہ ہوتی تھی جہالت کی طرح
تبصرہ فہم پہ کرتے تھے حماقت کی طرح
روح وابستۂ پیکر تھی خباثت کی طرح
اپنی دولت کے اُجالوں میں تھے ظلمت کی طرح
گردشِ عقل سے اُلجھا ہوا پیرایہ تھے
آدمی کیا تھے ابوجہل کا سرمایہ تھے

دجلۂ وقت میں پیدا ہوئے ایسے گرداب
چھپ گیا اپنی خجالت میں یزیدی سیلاب
اقتدارِ بنی عباس تھا وہ عہدِ عذاب
پوری دنیائے شقاوت میں نہیں جس کا جواب
ایسے جلاّد کہاں ہوتے ہیں جلادوں میں
زندہ انسان چُنے قصر کی بنیادوں میں

ایسے کافر تھے کہ توحید کے مظہر کاٹے
شوقِ الحاد میں ایمان کے پیکر کاٹے
اِس طرح باغِ محمدؐ کے گلِ تر کاٹے
دست و پا کاٹ دیئے پہلے تو پھر سر کاٹے
روحِ اسلام تھی جلتے ہوئے گلشن کی طرح
میتیں آگ میں ڈالی گئیں ایندھن کی طرح

عورتیں قتل ہوئیں، پیر و جواں قتل ہوئے
گودیاں خالی ہوئیں غنچہ دہاں قتل ہوئے
بے غذا قتل ہوئے، خشک زباں قتل ہوئے
قید خانوں میں شریفانِ جہاں قتل ہوئے
کیا چھپے گا چمنِ مرتضویؑ کا مقتل
ارضِ بغداد ہے اولادِ نبیؐ کا مقتل

آہ، وہ بند مکاں آہ وہ گھٹتے ہوئے دم
خشک شاخیں جنہیں کہیے وہ غریبانِ حرم
ہر تصوّر کیلئے شام کے زنداں کا ستم
نام سجادؑ تھا ہر زخمِ جگر کا مرہم
کوئی بچہ جو اندھیرے میں گزر جاتا تھا
سب کو معصوم سکینہؑ کا خیال آتا تھا

ایسے تاریک زمانے میں نقیؑ ابنِ تقیؑ جلوہ گر عرشِ امامت پہ تھے مانندِ علیؑ
وہ مدینے کی فضائیں وہ گلِ باغِ نبیؐ ہر نظر صبر کی تلقین شریعت نگری
محبتِ احمدِ مرسلؐ کو بچانے کے لئے
مرکزِ علمِ الٰہی تھے زمانے کے لئے

دامنِ فکر میں آثارِ نبوّت لے کر چشمِ احساس میں حیدرؑ کی بصیرت لے کر
خون میں فاطمہ زہراؑ کی شرافت لے کر دل کی میزان میں حسنینؑ کی ہمّت لے کر
ظلم اور جبر کی ہر بات کو رد کرتے تھے
دینِ وحدت کی بہرحال مدد کرتے تھے

صاف ماتھے پہ وہ سجادؑ کے سجدوں کی جلا جیسے آئینۂ ''والعصر'' میں تنویرِ بقا
پیاری آنکھوں میں حق آگاہیِ باقرؑ کی ادا جیسے محراب میں وحدت کے چراغوں کی ضیا
ہونٹ ایسے جنہیں گلدستۂ جعفرؑ کہیے
گفتگو وہ جسے قانونِ پیمبرؐ کہیے

اپنے سینے میں لئے اپنے اَب وجَد کا نظام شاہِ مرداں کی طرح عُقدہ کشائے اسلام
شیوۂ خلق و مروت میں رضاؑ کا پیغام دشمنِ جاں کیلئے وجہِ سکون و آرام
ہر نفس کیفیتِ نفس پہ حاکم تھے نقیؑ
غصہ پینے کیلئے صورتِ کاظمؑ تھے نقیؑ

حُسنِ آیات سے حُسنِ ازلی کی صورت سیرتِ پاک حیاتِ ابدی کی صورت
رُوحِ تسلیم و رضا قلبِ نبیؐ کی صورت زہد و تقویٰ میں مکمل تھے تقیؑ کی صورت
زندگی وقف تھی پیغامِ پیمبرؐ کیلئے
سانس لیتے تھے فقط مرضیِ داور کیلئے

ناگہاں چھا گئی دورِ متوکل کی خبر		خوں برسنے لگا، کٹنے لگے ایماں کے شجر
بنی ہاشمؑ کو مٹانے پہ تُلا بانیِ شر		پھر قیامت ہوئی لٹنے لگے سادات کے گھر
وقت کے ہاتھ جفاؤں کا بہانہ آیا
ظلم کی پیاس بجھانے کا زمانہ آیا

وقت بدلا متوکل کی نگاہیں بدلیں		بھر گیا درد کے سیلاب سے دامانِ زمیں
جو تصور میں نہ آئیں وہ جفائیں اُبھریں		پشتِ گردن سے شریفوں کی زبانیں کھینچیں
رنج سے راحتِ دارین کو بہتر سمجھا
اپنی اولاد کو حسنینؑ سے بہتر سمجھا

ذہنِ سفاک سے تخریب کے شعلے بھڑکے		لفظ ہونٹوں سے چلے آتشِ سیال ہوئے
قلبِ مغرور سے یوں قہر کے طوفان اُٹھے		کانپ اٹھی ارضِ مدینہ در و دیوار ہلے
موت کی طرح ستم نامۂ شاہی آیا
پھر مدینے کے لئے حکمِ تباہی آیا

حکمِ حاکم تھا کہ رخصت ہو مدینے سے بہار		اب نہ حاصل ہو کبھی آلِ محمدؐ کو قرار
ختم ہو جائے زمانے سے شریعت کا وقار		دشتِ ویراں میں بدل جائیں شہیدوں کے مزار
عہدِ فردا میں بھی یوں ظلم کی سلطانی ہو
قبرِ زہراؑ کے لئے عالمِ ویرانی ہو

حکمِ حاکم تھا کہ معصوم سے چھٹ جائے وطن		دستِ صیاد میں بلبل ہو اُجڑ جائے چمن
وارثِ مسندِ حیدرؑ ہو گرفتارِ محن		خشک ہوں پھول پریشاں ہو نبیؐ کا گلشن
فرشِ گیتی سے ہدایت کی سحر مٹ جائے
علم جس در کی بدولت ہے وہ در مٹ جائے

ان تڑپتے ہوئے حالات میں کہتے تھے امامؑ　　اپنے بندوں کا مددگار ہے خلاقِ انام
نقش بر آب ہے ذہنِ متوکل کا نظام　　میں تقی ہوں میرا سینہ ہے پناہِ اسلام
نخوتِ دہر ہے کیا، قہر کا سودا کیا ہے
دولتِ صبر سلامت ہے تو دنیا کیا ہے

حق پرستوں پہ رعونت کا اثر کچھ بھی نہیں　　اہلِ ایماں کیلئے خوف وخطر کچھ بھی نہیں
قوتِ خیر بڑی چیز ہے شر کچھ بھی نہیں　　سرفروشوں کیلئے موت کا ڈر کچھ بھی نہیں
سختیاں، عزم کو پروان چڑھا دیتی ہیں
بیڑیاں، طاقتِ رفتار بڑھا دیتی ہیں

صدمۂ ترکِ وطن بھی ہے وطن کی عزت　　خشک پھولوں سے بھی ہوتی ہے چمن کی عزت
چادرِ گرد نے رکھی ہے بدن کی عزت　　بیکسی آپ ہے، پابندِ رسن کی عزت
تاجداروں کا ستم فاتحِ کردار نہیں
زندگی نفس کی تسخیر ہے تلوار نہیں

خونِ دل ہو تو شفق زار ہے مقتل کی زمیں　　رفعتِ فکر سے کھلتا ہے گلستانِ یقیں
میں ہوں اس دور میں اعجازِ رسالت کا امیں　　صرف اللہ کا محتاج ہوں دنیا کا نہیں
خاک کے ذرّے کو انمول نگینہ کر دوں
میں اگر چاہوں تو صحرا کو مدینہ کر دوں

وقت آئے تو زمانہ مری ہمت دیکھے　　کس طرح ہوتی ہے قرآں کی حفاظت دیکھے
حوصلہ دیکھے، عمل دیکھے، شرافت دیکھے　　حاکمِ وقت مری شانِ شجاعت دیکھے
دل کی آواز ہو زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
جنگ باطل سے کروں صبر کی تلوار کے ساتھ

اس تکلّم کو بلاغت کی ادا نے چُوما　　شوقِ بیدار کو تکمیلِ وفا نے چُوما
وسعتِ فکر کا انداز بقا نے چُوما　　جذبۂ دل کو اَب وجد کی دعا نے چُوما
موجِ فطرت پہ شہادت کے کنول کھلنے لگے
روزِ عاشور کے جانباز گلے ملنے لگے

گردشیں لے کے نمودار ہوئی صبحِ سفر　　ہر مصیبت کیلئے باندھ لی مولاؑ نے کمر
مرقدِ احمدؐ مرسل پہ جھکے یہ کہہ کر　　آ گیا وقت، وطن چھوڑ کے جاتا ہے پسر
جبر اور صبر میں اک حربِ شدید آج بھی ہے
حاکمِ وقت کی صورت میں یزید آج بھی ہے

آج آخر ہے ملاقات، مسافر کا سلام　　اب مقدّر نہیں سرکار کی بستی میں قیام
آج سُنتا ہوں فضاؤں سے اجل کا پیغام　　اب نگاہوں میں اُبھرتا ہے شہادت کا مقام
اجنبی شہر سے مسموم ہوا آتی ہے
قید خانے کی طرف موت لئے جاتی ہے

اٹھے مرقد سے تو پردیس کا عالم تھا نصیب　　سائے کی طرح زمانے کی جفائیں تھیں قریب
قریہ قریہ میں وہ گمراہ خیالوں کے نقیب　　جال پھیلا تھا کہ ظالم کا نظامِ تخریب
سامرہ آ کے عجب حالِ پریشاں دیکھا
دستِ میخوار میں روتا ہوا قرآں دیکھا

ہر طرف جاگتی راہوں میں شریفوں کا لہو　　اہلِ فریاد کے ہر زخم کا ذرّوں سے رفو
مسجدیں نوحہ کناں، خندہ بلب جام و سبو　　اہلِ تقدیس کی پلکوں پہ گلابی آنسو
بے کسی صاحبِ کردار غریبوں کے لئے
بے خطا پھول سے اجسام صلیبوں کے لئے

وہ تعصب کے طلسمات، وہ جشنِ دربار وہ بھری بزم پہ چھایا ہوا جادو کا خمار
ایک ساحر سے امامت کی نرالی پکار کہہ گیا دیدۂ ہستی سے عدم کا مختار
روح بے جان لکیروں میں مچل سکتی ہے
ایک تصویر بھی انساں کو نگل سکتی ہے

اُف وہ ظالم کی حراست میں زمانے کا امام اُف وہ ایذاؤں کی بارش، وہ نبی کا گلفام
کیا بھلا سکتی ہے تاریخ وہ خونی ہنگام جس کی ظلمت سے گلے ملتی ہو تاریکیِ شام
غل یہ تھا فردِ شہادت سرِ گیتی نہ رہے
کربلا والوں کی قبروں کا نشاں بھی نہ رہے

تیز ہونے لگی ذہنِ متوکل کی ہوا عزمِ سفاک لئے لشکرِ سفاک چلا
سُرخ آندھی اُٹھی، آکاش کا سینہ دھڑکا زلزلے آ گئے دھرتی کا کلیجہ کانپا
رُخ سواروں نے کیا گنجِ شہیداں کی طرف
ظلم کا زور بڑھا گورِ غریباں کی طرف

کربلا وقف تھی نیرنگِ مصیبت کیلئے دن نکلتا تھا قیامت پہ قیامت کیلئے
ہل چلائے گئے قبروں پہ زراعت کیلئے نہر کاٹی گئی تکمیلِ عداوت کیلئے
خوب سیراب کیا فاطمہؑ کے پھولوں کو
زیرِ مرقد بھی ستایا گیا مظلوموں کو

بند رستے ہوئے، شبیرؑ کے زائر تڑپے قافلے لٹنے لگے موت کے بادل برسے
برچھیاں سینوں میں اتریں تو وفادار گرے ہر طرف تیغ تھی اور اہلِ مودّت کے گلے
عشق کی سیج پہ نیند آ گئی پروانوں کو
سرخیاں مل گئیں ایثار کے افسانوں کو

ہاتھ کٹوائے کسی نے تو یہ آئی آواز　　شکر ہے تیز ہوئی عزم و عمل کی پرواز
یاد ہے نہر پہ سرکارِ وفاؑ کا انداز　　موت کو کھیل سمجھتے ہیں حسینؑ جانباز
سینۂ ارض پہ لکھا ہوا قرآں رہ جائے
ہم رہیں یا نہ رہیں گورِ غریباں رہ جائے

جب کسی قلب میں نیزے کی انی ٹوٹ گئی　　ہچکیاں لے کے فضاؤں میں صدا گونج اٹھی
یاد ہے سینۂ اکبرؑ کے لہو کی سرخی　　سرخرو جس سے ہوا اسلام وہی موت اچھی
ماں کا دل باپ کی جاں مرگِ جوانی کہیے
چاند کس طرح سے ڈوبا یہ کہانی کہیے

گھوڑے دوڑے کسی میت پہ تو بولی کوئی ماں　　فدیۂ ابنِ حسنؑ ہے میرا فرزندِ جواں
اک طرف لاش پہ کہتی تھی کوئی سوختہ جاں　　وہب کلبیؓ پہ مرا لال ہوا ہے قرباں
غم نہ تھا اور کسی دوسرے مقصد کیلئے
اشک نکلے تو فقط عون و محمدؑ کے لئے

تیر کھایا کسی بچے نے تو فطرت نے کہا　　کم نہ ہوگی علی اصغرؑ کے تبسم کی ادا
ایک معصوم تبسم ہے ستمگر کی قضا　　پھول نے کاٹ دیا دیو حکومت کا گلا
بے زبانی جسے کہتے ہیں وہ تقریر بھی ہے
خون کی دھار میں تلوار کی تاثیر بھی ہے

طوق پہنا جو کسی نے تو پکاری زنجیر　　زائرو یاد رہے شامِ غریباں کا اسیر
ذکرِ مظلوم ہے اب اہلِ وفا کی تقدیر　　دل کی دھڑکن پہ لکھو قصۂ خونِ شبیرؑ
غم ہے زہراؑ کی امانت بہ حفاظت رکھنا
سامنے عابدؑ بیمار کی محنت رکھنا

کھل گئے بال کسی کے تو یہ منظر دیکھا   چھا گئی قافلۂ درد پہ غیرت کی گھٹا
پردۂ چشم دکھانے لگا زینبؑ کی ردا   عالمِ فکر سے جلتے ہوئے خیموں نے کہا
ظلم کی آگ میں اب اشک فشانی ہو گی
کچھ بھی ہو ثانیِ زہراؑ کی کہانی ہو گی

تھک گیا ظلم گرفتارِ الم اور بڑھے   نخوتِ عیش گھٹی صاحبِ غم اور بڑھے
دیر تھرّائے سفیرانِ حرم اور بڑھے   نفرتیں رُک گئیں، اُلفت کے قدم اور بڑھے
زندگی ڈھونڈ لی فطرت کے حق اندازوں نے
وادیٔ موت کو سر کر لیا جانبازوں نے

قہقہے ڈوب گئے، درد بیانی اُبھری   گیت مذموم ہوئے، مرثیہ خوانی اُبھری
زندگی حلقۂ ماتم کی زبانی اُبھری   ہمسفر جس کا ہے قرآں، وہ کہانی اُبھری
مستقل نوحہ کناں فکر کے آثار ہوئے
اشک مقتل میں جو ٹپکے وہ عزادار ہوئے

لوگ سمجھے تھے کہ مٹ جائے گا پیاسوں کا دیار   اب نہ آئیں گے زیارت کے لئے نوحہ گزار
لوگ سمجھے تھے کہ اب ختم ہے اشکوں کی بہار   چادرِ آب چھپا لے گی غریبوں کے مزار
لیکن اس طرح بھی تحریمِ شہادت دیکھی
تند سیلاب سے قبروں کی حفاظت دیکھی

بے زبانوں کی شرافت کہ اٹھائے نہ قدم   آدمی بھول گئے حرمتِ فخرِ آدمؑ
وقت بولا وہی انسان ہے حیوان سے کم   جس کی تدبیر سے تعمیر ہو دیوارِ ستم
یوں جفائے متوکل کا جنازہ نکلا
صبر کا پھول جو نکلا تر و تازہ نکلا

پھر وہی فرش زمیں پھر وہی سامانِ عزا　　پھر وہی اشکِ رواں، سینہ زنی، جوشِ بکا
پھر وہی نوحے، وہی قصۂ باغِ زہراؑ　　پھر وہی چار طرف ہائے حسیناؑ کی صدا
آہیں بھرتی ہوئی یثرب کی ہوائیں نکلیں
سامرہ سے کسی قیدی کی دعائیں نکلیں

قید خانے میں وہ معصومِ زمانہ کی دُعا　　یا الٰہی، تری وحدت ہے غمِ کرب و بلا
تو محافظ ہے مرے جد کے عزاداروں کا　　یا الٰہی، ترے شبیرؑ کا ماتم ہو سدا
ہر زمانے کے لئے فکر کا نظارہ ہے
قبرِ شبیرؑ نہیں دین کا سیارہ ہے

رونما ہو گیا معصوم دعاؤں کا اثر　　صبر کی فتح نے دنیا کو سنائی یہ خبر
اپنے گرداب میں خود ڈوب گیا بانیِ شر　　باپ کے سینے میں اترا ہے پسر کا خنجر
لاش بن کر متوکل کی رعونت نکلی
اپنے تابوت میں دنیا کی خلافت نکلی

پھر بھی سمجھے نہ مسلماں کہ حقیقت کیا ہے　　جس کا دستور ہے قرآں وہ خلافت کیا ہے
آدمی جس سے ہو انساں وہ شریعت کیا ہے　　جس پہ نازاں ہے رسالتؐ وہ امامت کیا ہے
پیشوا مان لیا زر کے پرستاروں کو
دے دیا تاجِ اولی الامر گنہ گاروں کو

معصیت خیز حکومت نے کہاں رُخ پھیرا　　پھر وہی خواہشِ دربار، وہی رنگِ خطا
شوقِ دینار میں قانونِ محمدؐ سے دغا　　پھر وہی حکمِ ستمگر وہی تعمیلِ جفا
عہدِ معتز کی ہوا زہر پلانے آئی
سرکشی دین کی تصویر مٹانے آئی

خون اگلنے لگے زنداں کے اندھیرے میں تھی　　بے کسی مہرِ امامت سے گلے ملنے لگی
موت نے آہ بھری، گونج اٹھی خاموشی　　صرف زنداں نے کہا قید سے چھوٹا قیدی
جان دی سیرتِ سجادؑ کے شیدائی نے
بیڑیاں چوم کے ماتم کیا تنہائی نے

فرشِ زنداں پہ مسافر کے کلیجے کا لہو　　زہر کی تیغ سے اسلام کے زخموں کا رفو
پھول مرجھایا ہوا خاک اڑاتی خوشبو　　چادرِ شب تھی کہ میت پہ بہن کے گیسو
خاک پر نیرِ وحدت کو جو سوتے دیکھا
چاند کو روزنِ دیوار سے روتے دیکھا

صبح آئی تو لرزتے ہوئے سورج نے کہا　　کھل گیا اب درِ زنداں وہ مسافر نکلا
کون کہتا ہے چھپی آلِ محمدؐ کی ضیا　　حشر تک پردۂ فطرت سے یہ آئے گی صدا
جراتِ حق ہو تو ہر ذہن پہ چھا سکتا ہے
ایک انسان زمانے کو ہلا سکتا ہے

پوری دنیا سے ہے مظلوم کی میت کا سوال　　کیا مٹا سکتا ہے کوئی یہ صداقت کی مثال
لاکھ منشائے حکومت ہو مورّخ کا خیال　　ہر ورق سے نظر آئے گا شہادت کا جمال
جب خلافت کی کہانی کوئی دہرائے گا
خونِ اولادِ نبیؐ سامنے آ جائے گا

لبِ خاموش سے نوحہ پڑھا دیواروں نے　　درد کو جیت لیا دین کے معماروں نے
زخم پر زخم لگائے ہیں ستم گاروں نے　　چین پایا ہی نہیں فاطمہؑ کے پیاروں نے
آج بھی چشمِ وفا مثلِ حسنؑ روتی ہے
بیکسی آج بھی میت پہ فدا ہوتی ہے

دعوتِ فکر ہے انصاف سے دنیا کہہ دے سلطنت کیلئے کب آلِ پیمبرؑ اُٹھے
زیرِ خنجر کبھی سوئے تو کبھی قید رہے بعدِ قربانیِ شبیرؑ کہاں اشک تھمے
رہبرِ وقت بنایا گیا جلّادوں کو
سولیاں دی گئیں غربت میں نبیؐ زادوں کو

حق نمائی ہے اگر جرم تو ہر جُرم بجا بے گناہی کو خطا کہیئے تو برحق ہے خطا
خنجر و زہر ہیں قرآں کی حفاظت کا صلہ یہ ہے اسلام کا دستور تو اسلام ہے کیا
اس شبِ فکر میں کیوں عالم صد یاس نہ ہو
روشنی خاک میں چھپ جائے اور احساس نہ ہو

کتنی ظالم ہے اندھیروں کی پجاری دُنیا پھر گئی نور کے مینار سے ناری دُنیا
دین والوں نے کچھ اس طرح گزاری دُنیا سچی باتوں پہ مخالف ہوئی ساری دُنیا
شدّت ظلم پہ توثیق ہے تنسیخ نہیں
فکر کی لاش نظر آتی ہے تاریخ نہیں

ہائے افسوس زمانے کا یہ اندازِ نظر ظلمتِ شام کو مانا گیا تنویرِ سحر
درد ہی درد ہے ماضی کی روایت قیصر قصۂ مقتل و زنداں ہے اُجالوں کا سفر
فرشِ مخمل پہ رہے جھوٹی انا کے بندے
بسترِ خار پہ سوئے ہیں خدا کے بندے

◆◆

منقبت

قیصر بارھوی

اے ارضِ کربلا ترے جلوے کہاں نہیں
تو ہی تو وہ چراغ ہے جس میں دھواں نہیں

انسانیت کا نور تری روشنی سے ہے
تیرے بغیر صبحِ زمان و مکاں نہیں

تیرے ابد جمال ستاروں کو دیکھ لے
کس نے کہا زمیں پہ کوئی کہکشاں نہیں

تیری ہی کہکشاں کو ملے بولتے نجوم
تیری بلندیوں کا جواب آسماں نہیں

تیرے مجاہدوں پہ کڑی دھوپ کی قسم
سارے جہاں میں تجھ سا کوئی سائباں نہیں

وہ خونِ مصطفےٰ ترے ذرّوں میں جذب ہے
یہ کائنات جس سے زیادہ گراں نہیں

اے ارضِ کربلا وہ قصیدہ سُنا مجھے
جس کے بغیر فکر میں تاب و تواں نہیں

فرماں روائے ملکِ وفا تیرے پاس ہے
گر تو نہیں تو سجدہ گہہِ عاشقاں نہیں

عباسؑ جس کا نام ہے وہ بازوئے حسینؑ
کیا تیری داستاں میں سرِ داستاں نہیں

مدحت کا وہ ورق دلِ قیصر پہ کھول دے
جس پہ ہنوز دسترسِ دیگراں نہیں

(منتخب اشعار)

معراجِ بشر

(نماز کی فضیلت اور اہلبیتؑ کی قربانیاں)

۷۰ بند۔ ۱۹۶۵ء

maablib.org

❖❖

نماز نفس کی عزت ہے، اولیا کی قسم
نماز دین کی حرمت ہے، اوصیا کی قسم
نماز حُسنِ شریعت ہے، انبیاؑ کی قسم
نماز قصۂ وحدت ہے، کبریا کی قسم
یہ امر ڈوبتے سورج کو کھینچ لاتا ہے
نماز ہو تو گیا وقت ہاتھ آتا ہے

❖❖

معراجِ بشر

نماز سے بشریت عروج پاتی ہے　　نماز شیوۂ انسانیت سکھاتی ہے
نماز سے رُخِ فطرت پہ آب آتی ہے　　نماز عبد کو معبود سے ملاتی ہے
اسی ادا سے طبیعت کا پھول کھلتا ہے
سکونِ قلب اسی بندگی میں ملتا ہے

اگر وجود ہے گلشن تو رنگ و بُو ہے نماز　　نجات جس کا صلہ ہے وہ جستجو ہے نماز
میانِ طالب و مطلوب گفتگو ہے نماز　　خلوص ہو تو مسلمان کی آبرو ہے نماز
جمالِ فخر اسی پیرہن سے ملتا ہے
یہ وہ لباس ہے جو پنجتن سے ملتا ہے

نماز عالمِ قلب و نظر کی تابانی　　اسی عمل سے مکمل شعورِ انسانی
نماز منبعٔ تہذیب حکمِ قرآنی　　اسی دلیل کا انکار ہے پشیمانی
نماز ہی سے حقیقت کا بول بالا ہے
اسی چراغ کے چاروں طرف اُجالا ہے

صنم پرست ارادوں کو توڑتی ہے نماز مزاج اہلِ تغافل جھنجھوڑتی ہے نماز
سفالِ شرک کا ہر ظرف پھوڑتی ہے نماز برائیوں کی کلائی مروڑتی ہے نماز
نماز نیّتِ انساں کو تول لیتی ہے
بندھے ہوں ہاتھ کسی کے تو کھول دیتی ہے

نماز ہی نے خرد کو دیے پرِ پرواز نماز ہی نے پریشاں کیے نقوشِ مجاز
نماز ہی نے بتائے اصولِ ناز و نیاز نماز ہی نے ڈبوئے منافقت کے جہاز
جسے سمجھتے ہیں عارف یہی وہ خوشبو ہے
نماز اصل میں اعمال کی ترازو ہے

نگاہِ اہلِ مروّت کا نور کیا ہے؟ نماز وفا شناس دلوں کا سرور کیا ہے؟ نماز
خود آگہی کی شرابِ طہور کیا ہے؟ نماز بنامِ عشق متاعِ شعور کیا ہے؟ نماز
معاشرے میں یہ اصلاح کا طریقہ ہے
جو زندگی کو سنوارے یہ وہ سلیقہ ہے

شعورِ عشق و تقاضائے دلبری ہے نماز خودی کو ناز ہے جس پر وہ بے خودی ہے نماز
زبانِ رُشد و ہدایت کی چاشنی ہے نماز عمل کی جان ہے ایماں کی پختگی ہے نماز
وہ بدنصیب جو اس جام سے قریب نہیں
خمارِ بادۂ کوثر اُسے نصیب نہیں

خدا کے قہر و غضب سے ڈرا رہی ہے نماز خدا کے لطف و کرم سے ملا رہی ہے نماز
گروہِ شر سے مسلسل بچا رہی ہے نماز نشانِ اہلِ خدا کا دکھا رہی ہے نماز
پیمبریؑ کے اصولوں کی داستان کہیے
نماز ہے جسے دستورِ کارواں کہیے

بشر کے جسم پہ ہو لاکھ زرق برق لباس
رکھی ہو فرق پہ دستارِ نیلم و الماس
جواہرات میں ڈوبی ہو کائناتِ قیاس
اگرچہ زیرِ نگیں ہو جہانِ ہوش و حواس
مگر نگاہِ بشر گمرہی سے داغی ہے
جو بے نماز ہے وہ تاجدار باغی ہے

نماز عرضِ تمنا کی داستانِ لطیف
نماز اہلِ محبت کا ماجرائے شریف
یہ عکس جس میں نہیں ہے وہ آئینہ ہے کثیف
ہو بے نماز تو انسان ہے خدا کا حریف
بغیر اس کے بشر خود سے آشنا بھی نہیں
جہاں نماز نہیں ہے وہاں حیا بھی نہیں

نماز ہی سے تو قانونِ اتحاد ملا
وہ اتحاد جو قوموں کو اہتمامِ بقا
نماز ہی سے ملی دردِ زندگی کی دوا
وہ کامیاب دوا جو معینِ صدقِ و صفا
جلائے شیشۂ خاطر، غبار کی دشمن
نماز ہے مرضِ انتشار کی دشمن

نماز روحِ عبادت، نماز جانِ عباد
نماز عجز کی دنیا نماز شانِ عباد
یہی نشان ہے مقصودِ کاروانِ عباد
نماز کیوں نہ کہی جائے امتحانِ عباد
اسی کمال سے مشرک زوال یافتہ ہے
اسی کے واسطے اسلام سرشگافتہ ہے

نماز رحمتِ پروردگار کی قندیل
نماز قاطعٔ عصیاں، سعادتوں کی سبیل
خدا کا دین مدینہ، نماز اس کی فصیل
نماز کیلئے واجب ہے کیجئے تعجیل
خوہے نصیب جو اس کے جلو میں رہتے ہیں
اسی ادا پہ تڑپنے کو عشق کہتے ہیں

نماز ہی نے بسائی ہے عشق کی بستی　　نماز ہی کی ضیا ہے چراغِ سرمستی
سمجھ سکے گی نہ اس کو خیال کی پستی　　نماز ہی سے نمایاں ہوئی ہر اک ہستی
جو ظلمتوں میں گھری ہو وہ آنکھ کیا دیکھے
اسی عروس پہ قربان اولیا دیکھے

نماز خوف کی تردیدٗ امن کا پیغام　　نوید جرات و ہمت، صداقتوں کا نظام
نماز ہی سے مکمل تجلیِ اسلام　　یہی اصول ہے سرمایۂ خواص و عوام
اسی کو رشتۂ شاہ و فقیر کہتے ہیں
اسی کو محفلِ ربِّ قدیر کہتے ہیں

غلط کہ عالمِ مجذوبیت میں گم ہے نماز　　مقامِ جذب تو ہے آگہی کا سوز و گداز
غلط کہ ترک خرد ہے خدا رسی کا جواز　　خدا رسی تو مکمل متاع عقل نواز
عمل سے دور کہاں عاشقی کی دنیا ہے
جو بے نماز ہے دیوانگی کی دنیا ہے

گرفتۂ غمِ دنیا کی چارہ گر ہے نماز　　جو مشکلوں سے نکالے وہ راہبر ہے نماز
شکستہ پر کیلئے وجہِ بال و پر ہے نماز　　جو عرش و فرش ملائے وہ رہگذر ہے نماز
زمیں کی بات سرِ آسماں سناتی ہے
نماز میوۂ خلدِ بریں کھلاتی ہے

نماز قلبِ مسلماں کی مونس و یاور　　نماز بازوئے مومن میں قوتِ لشکر
نماز حُسنِ نبیؐ حُسنِ فاتحِ خیبر　　نماز سینۂ باطل میں موت کا خنجر
حق آشنا کے لئے پاسبان ہوتی ہے
نماز نانِ جویں سے جوان ہوتی ہے

نماز ہی سے ملا ہے چراغِ علم و یقیں یہی جلالتِ مذہب، یہی صباحتِ دیں
نماز ہی نے دکھائے صداقتوں کے نگیں یہی ادا ہے جو موقوفِ رنگ و نسل نہیں
اذاں کا حُسن دلیلِ کمال ہوتا ہے
نماز ہی سے مسلماں بلالؓ ہوتا ہے

نشانِ فخر کہوں، وجہِ امتیاز کہوں بیانِ عشق کہوں، ماجرائے ناز کہوں
خدا کی یاد میں تکمیلِ سوز و ساز کہوں حجاب آتا ہے گر تحفۂ حجاز کہوں
خرد کی تیغ ہے رہبانیت کی قاتل ہے
نماز مُسلم و کافر میں حدِّ فاصل ہے

اگر معانی الحمد پہ نگاہ رہے متاعِ کعبۂ دل، جلوۂ اِلٰہ رہے
نفس نفس جو حقیقت کی سیدھی راہ رہے محال ہے کہ زمانے میں پھر گناہ رہے
خدا سے جن کو بڑی نعمتیں میسّر ہیں
قسم نماز کی وہ زندگی کے رہبر ہیں

سُنے تو غور سے کوئی نماز گویا ہے خدا ہر ایک نمازی کی بات سنتا ہے
رجوع میں طلبِ مغفرت کا سودا ہے خدا کی دی ہوئی قوت ہر اک سراپا ہے
سمجھ کے واحد و یکتا اُسے کریم کہے
وہی عظیم ہے جو رَبّیَ العظیم کہے

نماز ہی تو ہے پاکیزہ خصلتوں کا شجر اسی شجر کو ملے ہیں خدا پسند ثمر
نماز کیا ہے؟ محاسن کا مرکز و مصدر اسی سے ملتے ہیں اخلاقیات کے گوہر
تمام حکمتِ علم و ہنر نماز میں ہے
حیات صورتِ شب ہے سحر نماز میں ہے

نماز نفس کی عزت ہے، اولیا کی قسم نماز دین کی حرمت ہے، اوصیا کی قسم
نماز حُسنِ شریعت ہے انبیاؑ کی قسم نماز قصۂ وحدت ہے کبریا کی قسم
یہ امر ڈوبتے سورج کو کھینچ لاتا ہے
نماز ہو تو گیا وقت ہاتھ آتا ہے

نماز قوتِ ایماں کا بے نظیر سبق نماز مظہرِ کردار، بے خودی کا ورق
اسی میں کُھلتے ہیں عرفانیت کے جملہ طبق نماز ہو تو نمازی کے زیرِ پا ہے شفق
اسی میں آنکھ اِدھر اور اُدھر نہیں ہوتی
بدن سے تیر نکالو خبر نہیں ہوتی

اسی میں ہوتا ہے انسان ذوالجلال کے پاس اسی میں ہوتے ہیں مرکوز آدمی کے حواس
اسی میں پاتی ہے تکمیل بندگی کی اساس اسی میں ملتا ہے اللہ کی رضا کا لباس
رضا ملے تو مجسّم صلوٰۃ ہوتی ہے
اسی میں مُہرِ سلیمانؑ زکوٰۃ ہوتی ہے

ہر اک ادا پہ مقدّم ہوئی ادائے نماز ہر اک اصول اصالت میں مقتضائے نماز
ازل سے جملہ فرائض پہ ہے لوائے نماز پڑا جو وقت' گلے کٹ گئے برائے نماز
یہ آبرو ہے خدائی نگار خانے کی
یہی کلید ہے توحید کے خزانے کی

نماز کے لئے جملہ نبوتوں کا قیام نماز ہی کیلئے ہے اماموں کا نظام
نماز صورتِ قرآں نماز حرفِ دوام نماز ہی کی حفاظت کا نام ہے اسلام
یہی ہے جس کیلئے حجّتِ خدا ہے کوئی
نماز آج بھی پانی پہ پڑھ رہا ہے کوئی

اسی کے واسطے آیات عرش سے اُتریں　　اسی کا نام ہے تقدیرِ آسمان و زمیں
اسی کے فہم نے بخشا شعورِ حبلِ متیں　　اسی کا دوسرا انداز ہے امامِ مبیں
تمام خلق کو فرمانِ آگہی ہے نماز
لِیَعْبُدُوْنَ کی تشریح کر رہی ہے نماز

نماز چہرۂ تقدیس پر جبیں کی طرح　　نماز خاتمِ تبلیغ پر نگیں کی طرح
نماز دل کی عمارت میں شہ نشیں کی طرح　　فروعِ دیں میں ہے لیکن اُصولِ دیں کی طرح
دمِ امامؑ ہوئی، شیوۂ رسولؐ ہوئی
اصول نے اسے اپنا لیا اصول ہوئی

لبِ نماز سے لیکن یہ آ رہی ہے صدا　　دلِ نماز میں کیا ہے کوئی سمجھ نہ سکا
فروع و اصل میں کچھ امتیاز اگر نہ رہا　　خدا کے گھر کی عبادت بھی کچھ نہیں بخدا
وہی سمجھتا ہے اس بات کو جو عاقل ہے
بغیرِ آلِ محمدؐ نماز باطل ہے

نماز کہتی ہے آلِ نبیؐ کا حق ہے عظیم　　یہی عقیدۂ حق ہے تو زندگی ہے کلیم
نماز دیتی ہے انسان کو یہ فکرِ سلیم　　غلط ہے جس کا عقیدہ وہ آدمی ہے رجیم
اگر وسیلۂ ذرّیتِ رسولؐ نہیں
تمام عمر عبادت کرو، قبول نہیں

نماز درد کے گلزار میں نجات کا پھول　　نماز لحجۂ فریاد میں صدائے قبول
برائے تزکیۂ جاں ذریعۂ معقول　　نماز ہم کو سکھاتی ہے اتباعِ رسولؐ
وہ ذات جس کا شرف ہر شرف پہ غالب ہے
اسی کے حکم پہ ترکِ نماز واجب ہے

خدا کے گھر میں خدا کے حبیبؐ سے پوچھو — بیانِ حمد میں توصیفِ اہلبیتؑ سنو
دمِ نماز پیمبرؐ کی پُشت پر دیکھو — طویل سجدۂ خیرالوریٰؐ پہ غور کرو
زبانِ عشق پہ توحید کی کہانی ہے
حسینؑ، تذکرۂ حمد کی جوانی ہے

بتا رہا ہے دعائے قنوت کا عالم — سرشتِ عبد میں ہے التجائے رحم و کرم
طلب وجود کی راحت ہو یا سکونِ عدم — نماز میں ہے میسّر یہ جذبۂ پیہم
دعا کے وقت جو آنکھوں کے جام بھرتا ہے
خدا اسی کی خطائیں معاف کرتا ہے

نماز، لفظِ اطاعت کی خوشنما تفسیر — نماز، حق مساوات کی حسین تصویر
نماز، عشق کا قانون حُسن کی توقیر — نماز، دین کا عنواں بہ اُسوۂ شبیرؑ
ہجوم رنج و بلا کو شکست دیتی ہے
نماز وہ ہے جو میدان جیت لیتی ہے

پکارتا ہے یہ سلمانؓ کا وقارِ سجود — نمازؔ مردِ مسلماں کو تحفۂ معبود
سنا رہا ہے ابوذرؓ کا عشقِ ربِّ ورود — نماز ہی تو ہے تعبیرِ شاہد و مشہود
جگا کے اپنے ہی قاتل کو مرتضےٰؑ نے پڑھی
نماز وہ ہے جو فاقوں میں مصطفٰےؐ نے پڑھی

ثبوت دیتا ہے ماضی کا منظرِ آفات — جناب موسیٰ کاظمؑ پہ ظلم کی برسات
بلا کی فاقہ کشی اور امامِ وقت کی ذات — مگر نماز کے جلووں میں کٹ گئے دن رات
بتا دیا کہ خدا کی رضا مقدّم ہے
نماز عبد کے زخمِ جگر کا مرہم ہے

بتا دیا غمِ زنداں میں ساری عمر کٹے　　ملے ستم کا اندھیرا، چراغ کے بدلے
غذا نصیب نہ ہو، سرد آب کو ترسے　　خدا کی یاد میں لیکن سرِ نیاز جُھکے
جہاں پہ ظلم بنیں شہریار کی باتیں
وہاں پہ چاہئیں پروردگار کی باتیں

سُنو کہ حجرۂ زہراؑ سے آ رہی ہے صدا　　وہ کائنات کی عزت وہ تیسرا فاقہ
نقاہتوں میں مگر تھی یہ بندگی کی ادا　　بچھا رہی تھیں مصلےٰ شریکِ عقدہ کشا
غذائے صبر سے بچوں کا پیٹ بھرتی تھیں
مگر خدائے دو عالم کو یاد کرتی تھیں

بساطِ ارض و سما کے رئیس کی دختر　　ابوترابؑ کی زوجہ حسینؑ کی مادر
وہ جن کے ناز اٹھاتا تھا خالقِ اکبر　　وہ جن کے پاؤں کے نیچے بہشت اور کوثر
عمل سے حمد کا درس عظیم دے کے گئیں
وہی نماز کا عزمِ صمیم دے کے گئیں

بشر کو چاہیئے میدانِ کربلا پہ نظر　　جہاں نماز ادا کر گیا بتولؑ کا گھر
وہ بے مثال نمازی وہ نیزہ و خنجر　　وہ رخصتِ شب عاشور وہ طلوعِ سحر
نمازِ فجر کا عالم اذان کی آواز
وہ آخری کسی کڑیل جوان کی آواز

بلا کے دشت میں ہم شکلِ مصطفےٰ کی اذاں　　جسے سما نہ سکی وسعتِ زمین و زماں
وہ لاجواب اذاں اور وہ بے نظیر جواں　　جسے نہ دیکھ سکی پھر نگاہِ کون و مکاں
سحر اُسی کیلئے اشکبار ہوتی ہے
نماز آج بھی اُس نوجواں کو روتی ہے

وہ کربلا کی فضاؤں میں لحنِ داؤدیؑ
وہ کاروانِ خدا میں فریضۂ سحری
صفیں بنائے ہوئے ہاشمیؑ و مطلبی
جہاں برائے امامت حسینؑ ابنِ علیؑ
تمام پالنے والے سے لَو لگائے ہوئے
وہ بندگی کے سرافراز سر جھکائے ہوئے

وہ انتہا پہ خضوع و خشوع کا عالم
کہ جس کو دیکھ کے شرمائے گریۂ آدمؑ
وہ دلکشی کا سمندر، وفا کا جاہ و حشم
نگاہِ عقل میں وحدت کی عظمتوں کا بھرم
جواب ہی نہیں گردوں کے شامیانے میں
نہ ہو گی ایسی جماعت کسی زمانے میں

وہ مختصر سی جماعت مرقعٔ اسلام
حصارِ درد پہ چھایا ہوا سکونِ دوام
عروجِ شوق کا منظر کمالِ استحکام
ہر ایک سانس میں تقدیرِ کائنات کا جام
ادائے حمد نئے بانکپن سے اُبھری تھی
شرابِ عشق لبِ کربلا پہ اُتری تھی

سحر کی چھاؤں میں پیاسوں کے خشک ہونٹوں پر
کھلا ہوا تھا گلستانِ سورۂ کوثر
جمالِ صبح پہ عباسؑ نامور کی نظر
کہ جیسے اپنی شہادت پر مطمئن حیدرؑ
تجلّیات میں تھا کربلا کا آئینہ
نماز دیکھ رہی تھی بقا کا آئینہ

وہ خیمہ گاہ وہ سیدانیاں، وہ ذکرِ خدا
وہ جانماز پہ اک سمت ثانیِ زہراؑ
پسِ سلام یہ خالق سے کر رہی تھیں دُعا
تو ہی تو ہے مرے مالک مغیث آلِ عباؑ
قبول ہے، علی اصغرؑ پہ قحطِ آب رہے
حسینؑ اپنے ارادوں میں کامیاب رہے

کہیں نماز میں لیلیٰؑ کے آنسوؤں کی پکار — ترے نثار غریبوں کے مالک و مختار
خزاں کے دیس میں ہے باغِ فاطمہؑ کی بہار — کھنچی ہوئی ہے زمانے میں ظلم کی تلوار
جوانیٔ علی اکبرؑ لہو میں بہہ جائے
مگر نبیؐ کے نواسے کی بات رہ جائے

کسی مقام پہ عباسؑ کی شریکِ حیات — بیان کرتی تھیں یوں پیشِ قاضی الحاجات
تری نظر میں ہے مولا یہ گردشِ حالات — گھری ہے رنج و بلا میں ترے حسینؑ کی ذات
تباہیوں سے جُدا مصطفیٰؐ کی آل رہے
مرا سہاگ لٹے، فاطمہؑ کا لال رہے

اٹھا کے ہاتھ کہیں بیوۂ حسنؑ کا سوال — تو ہی تو رکھتا ہے یارب مسافروں کا خیال
بہت قریب ہے پیاسے نمازیوں سے جدال — بخیر ہو ترے محبوب کے چمن کا مآل
کروں گی صبر میں قاسمؑ سے لال کو یارب
ترے حسینؑ کا پرچم نگوں نہ ہو یارب

کہیں یہ کہتی تھیں سجدے میں زوجۂ مسلمؑ — تری کنیز ہوں میں کائنات کے مُنعم
کہاں گیا مرا وارث، حسینؑ کا خادم — ابھی تو پیش ہے میدانِ کربلا کی مُہم
زوال ہو نہ محمدؐ کے چاند تاروں کو
کبھی نہ روؤں گی میں اپنے بے دیاروں کو

بوقتِ ظہر نرالی ادائے ناز و نیاز — حسینؑ اور حسینیؑ مجاہدوں کی نماز
وہ بندگی کا نیا رنگ اور نیا انداز — وہ غازیوں میں نئے انقلاب کی آواز
خوشی سے گرم زمیں پر قدم جمائے ہوئے
وہ بھوک پیاس کو ہنس کر گلے لگائے ہوئے

وہ فوجِ شام سے تیروں کی مستقل بوچھار　　وہ زندگی میں تلاطم وہ موت کی جھنکار
سپر کیے ہوئے سینوں کو دین کے انصار　　حرم کے سامنے عزمِ رسولؐ کی دیوار
فدائیوں کو تمنا کہ زندگی نہ رہے
مگر اطاعتِ مولاؑ میں کچھ کمی نہ رہے

بدن پہ روک لیے تیر سر سے تا بہ قدم　　بہادروں نے مگر رکھ لیا وفا کا بھرم
ہوئی نہ جنبشِ یک لحہ بھی خدا کی قسم　　پکارتی تھی یہ خود بارشِ جفا و ستم
لہو کی نہر میں ضبط آزما نہیں دیکھے
اس انتہا کے خدا آشنا نہیں دیکھے

بڑے بڑوں کی ہے تاریخِ بندگی معلوم　　کسے نصیب ہوئی ہے یہ دولتِ مقسوم
کوئی دکھائے مجھے اس ادا کے ماہ و نجوم　　کہاں امامؑ کے آگے کھڑے ہوئے ماموم
کہاں پہ خون کی سرخی بہار دکھلائی
کہاں قیام نے، سجدوں کی آبرو پائی

اُدھر تمام ہوئی ابنِ فاطمہؑ کی نماز　　اِدھر لہو کے مصلّوں پہ گر پڑے جانباز
اُدھر حسینؑ پہ چھائے جہاد کے انداز　　اِدھر تمام خدائی میں گونج اٹھی آواز
یہ بات سبطِ رسالتؐ پناہ سے پوچھو
نماز کیا ہے حسینیؑ سپاہ سے پوچھو

زبانِ حال سے کہتا ہے عصر کا ہنگام　　مری جبیں پہ لکھا ہے نماز کا پیغام
کرو جو غور تو تاریخِ کربلا ہے تمام　　نماز خون کا دریا' رسولؐ کا گلفام
نئی ادا سے رکوع و قعود کی تفسیر
گلا کٹا کے مکمل سجود کی تفسیر

وہ قتل گاہ میں اکبرؑ کی لاش کا منظر   اجل کی دھوپ میں اٹھارہ سال کا دلبر
ضعیف باپ کا جھکنا پسر کے سینے پر   وہ ہاتھ ڈالنا برچھی پہ یا علیؑ کہہ کر
نظر کے سامنے خونِ جگر بہا ہو گا
بتاؤ اس سے زیادہ رکوع کیا ہو گا

وہ بے زبان کی میت وہ تحفۂ آخر   زبانِ کون و مکاں جس کی شرح میں قاصر
بنا کے ننھی سی تربت، حسینؑ سا صابر   زمیں پہ ہو کے دو زانو بہ عالمِ خاطر
خود اپنے لال کو دفنا کے مسکراتا تھا
قعود کیا ہے زمانے کو یہ بتاتا تھا

لہو بھرے ہوئے ہاتھوں سے گاہ کر کے سلام   پکارتا تھا یہ مظلوم یا رسولِ انام
تمہارے لال پہ ہے امتحان کا ہنگام   ذرا سی دیر میں ہو گی مرے گلے پہ حسام
خوشی سے ظلم کا ہر زہر پی لیا نانا
خدا کے نام پہ اصغرؑ بھی دے دیا نانا

گواہ رہنا نواسے پہ کیا نہیں گزری   سپردِ خاک ہوئی اہلبیتؑ کی بستی
شہید ہو گئے وہ ہاشمی و مطلبی   تھی جن کے دم سے بہارِ حسینؑ ابنِ علیؑ
نہیں یہ عرض کہ مشکل میں کچھ کمی ہو جائے
قبول آج نواسے کی بندگی ہو جائے

گواہ رہنا نواسے نے کیا نہیں دیکھا   نگاہ میں ہے برابر کے بھائی کا لاشہ
حسینؑ حسب وصیت جسے اٹھا نہ سکا   وہ انتظارِ سکینہؑ وہ العطش کی صدا
فرات کیا ہے، مرے درد کی کہانی ہے
اسی فرات پہ عباسؑ کی جوانی ہے

یہ کہہ کے سجدۂ آخر میں وہ ادائے حسینؑ   کہ جس ادا پہ دو عالم ہیں زیرِ پائے حسینؑ
تمام ناوک و تیغ و سناں برائے حسینؑ   تمام خون میں ڈوبی ہوئی قبائے حسینؑ
بجز خدا، نگہِ شوق میں کوئی نہ رہا
اسیر ہو گی بہن یہ خیال بھی نہ رہا

ہر ایک زخمِ بدن سے یہ آ رہی تھی صدا نثار ہو تری وحدت پہ گلشنِ زہراؑ
زبانِ خشک پہ سبحانَ ربی الاعلیٰ نگاہِ عشق میں تشریحِ بندہ و آقا
کہاں یہ وقت پڑا عشق کے امیروں پر
زمینِ گرم پہ سر اور جسم تیروں پر

وہ ضربِ شمرِ لعین اور وہ اختتامِ نماز قضا کی تیز ہوا اور چراغ ناز و نیاز
خموش ہو گیا جس دم خدا کی حمد کا ساز دلِ نبیؐ کی طرح ہل گئی زمینِ حجاز
عجب ادا سے نمازی نماز پڑھ کے گیا
بہن کے سامنے نوکِ سناں پہ چڑھ کے گیا

نظر میں بھائی کے سجدے کی آب و تاب جو تھی بہن نے سر کھلے مقتل میں مغربین پڑھی
نظر کے سامنے ہر مہ لقا کی لاش رہی مگر جلے ہوئے خیمے کی جا نماز بچھی
غمِ حسینؑ کی برچھی اٹھا گئیں زینبؑ
مگر نماز کی دنیا بسا گئیں زینبؑ

فضائے شامِ غریباں ربابؑ کے آنسو نفس نفس میں خیالِ حسینؑ کی خوشبو
دل و نگاہ میں اصغرؑ سے تشنہ لب کا لہو مگر یہ کہہ کے تیمم کیا بجائے وضو
لٹایا گھر مرے وارث نے کبریا کیلئے
ربابؑ سر کو جھکائے گی اس ادا کیلئے

وہ رنجِ طوق و سلاسل وہ عابدِ بیمار وہ بیکسی کا سہارا وہ تشنگی وہ بخار
ستم نصیب اسیروں میں یا علیؑ کی پکار پھوپھی کا صبر، غریبوں کا قافلہ سالار
جہاں سکوت کیا آسماں کی بستی نے
وہاں نماز پڑھی کربلا کے قیدی نے

یہ بات کہہ کے قلم روک قیصرِ غمگیں عمل ہے روحِ محبت عمل ہے جانِ یقیں
بتا گئی ہے شہیدانِ کربلا کی جبیں جو بے نماز ہے وہ پیروِ حسینؑ نہیں
رضائے دوست مقدّم ہے دوستی کیلئے
نماز رشتۂ اوّل ہے بندگی کے لئے

◆◆

معصومۂ کربلاؑ

(حضرت زینبؑ کی سیرت اور مصائب)

۷۰ بند۔ ۱۹۷۰ء

maablib.org

❖❖

سفیانیت کا زہر گھلا تھا فضاؤں میں
زنجیرِ زر پڑی تھی زمانے کے پاؤں میں
لادینیت کا رنگ تھا دولت کی چھاؤں میں
انسان کی حیات چھپی تھی جفاؤں میں
شبیرؑ کی بہن نے یہ نقشہ بدل دیا
تاجِ یزید اپنے قدم سے کچل دیا

❖❖

معصومۂ کربلاؑ

زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیت زینبؑ کا تذکرہ ہے صدائے حسینیت
ہو کیوں نہ سر بلند لوائے حسینیت زینبؑ کی محنتیں ہیں برائے حسینیت
طوفان سے بچا کے حسینیؑ چراغ کو
زینبؑ نے روح دی ہے محمدؐ کے باغ کو

تاریخِ کربلا یہ سناتی ہے بار بار زینبؑ کا حوصلہ ہے شہیدوں کی یادگار
قرآں کا احترام ہو یا دین کی بہار زینبؑ کے بےنقاب سفر سے ہے برقرار
جتنا بھی غیرتِ بشری کا نظام ہے
زینبؑ کے بازوؤں کی رسن کا پیام ہے

صحرا میں کارنامۂ مردانِ حق مآب زینبؑ کی جراتوں سے بنا روحِ انقلاب
کام آ چکا جو اکبرؑ و عباسؑ کا شباب زینبؑ کا صبر بن گیا تیغِ ابوترابؑ
ظلم آشنا دلوں کو فنا کر کے دم لیا
باطل کے بازوؤں کو جدا کر کے دم لیا

کیا تھے مخالفانِ محمدؐ کے پیچ و خم — زینبؑ نے پاش پاش کیے پیکرِ ستم
لے کر اٹھی جو غیرتِ شبیرؑ کا علَم — توڑیں یزیدیت کی چٹانیں قدم قدم
قانونِ کبریا کی طنابیں سنبھال لیں
جو دین پر اٹھی تھیں وہ آنکھیں نکال لیں

قلبِ جفا میں موت کا خنجر اُتار کے — فرقِ ستم پہ ضبط کی تلوار مار کے
بیداریٔ ضمیر کی زلفیں سنوار کے — مظلومیت کی راہ سے خود کو گزار کے
اربابِ اقتدار کی دنیا جھنجھوڑ دی
زینبؑ نے ہر غرور کی دیوار توڑ دی

رفتارِ وقت دین کی صورت مٹا نہ دے — ظلمت کہیں چراغِ شریعت بجھا نہ دے
قربانیوں کا رنگ یہ دنیا چھپا نہ دے — کیا کر گئے حسینؑ، زمانہ بھلا نہ دے
اس ولولے میں شام کی تسخیر کے لئے
زینبؑ اسیر ہو گئی تشہیر کے لئے

کیوں لُٹ گیا رسولؐ کا مہکا ہوا چمن — مقتل میں کیوں بکھر گئے زہراؑ کے گلبدن
کیوں نہر کے قریب تھے سوکھے ہوئے دہن — مظلوم کیوں پڑے رہے صحرا میں بے کفن
کیا کیا چراغ بادِ مخالف بجھا گئی
زینبؑ کی بیکسی یہ کہانی سنا گئی

محشر نما تبسّمِ اصغرؑ کا ماجرا — کہتا ہے زندگی سے لہو میں چھپا ہوا
راہِ خدا میں تحفۂ آخر حسینؑ کا — کیسے دیا گیا یہ کوئی جانتا نہ تھا
کیوں دولتِ ربابؑ لہو ہو کے بہہ گئی
زینبؑ یہ بات شامِ غریباں میں کہہ گئی

سنیے تو ڈوبتے ہوئے سورج کی گفتگو   زینبؑ ہے، کاروانِ قیادت کی آبرو
کہہ دے گا خود حسینؑ کے ہر زخم کا لہو   زینبؑ کے دم قدم سے امامت ہے سرخرو
عاشور کے جلے ہوئے گھر کا بیان ہے
زینبؑ کے آنسوؤں سے رسالت کی شان ہے

وہ کوفہ و دمشق کی گلیاں وہ بام و در   اب تک زبانِ حال سے کہتے ہیں چیخ کر
خطبوں کا لفظ لفظ لکھا ہے فضاؤں پر   زینبؑ کا انقلاب ہے بیداریِ بشر
اسلام کیا ہے غم کے اُجالوں سے لکھ گئی
دربار میں کھلے ہوئے بالوں سے لکھ گئی

فرعونیت کے شیش محل، کانپنے لگے   نخوت مزاج دیو اجل کانپنے لگے
نام آورانِ جنگ و جدل کانپنے لگے   زینبؑ اٹھی تو اہلِ دوَل کانپنے لگے
لہجہ ملا جو ضیغمِ پروردگار کا
لفظ و بیاں سے کام لیا ذوالفقار کا

سفیانیت کا زہر گھلا تھا فضاؤں میں   زنجیرِ زر پڑی تھی زمانے کے پاؤں میں
لادینیت کا رنگ تھا دولت کی چھاؤں میں   انسان کی حیات چھپی تھی جفاؤں میں
شبیرؑ کی بہن نے یہ نقشہ بدل دیا
تاجِ یزید اپنے قدم سے کچل دیا

سیلابِ اقتدار نے روکا ہزار بار   دنیا نے بام و در سے کیے پتھروں کے وار
چاروں طرف تھے قہقہہ پرورِ ستم شعار   ذرّوں سے جسم پاک ہوا سرخ آبشار
لیکن رعونتوں کے کلیجے ہلا دیے
زینبؑ نے انقلاب کے دریا بہا دیے

پانی کا شہر شہر، ہوا کا چمن چمن　　آبادیوں کی محفلیں، ویرانیوں کے بن
صحراؤں کی بساط پہاڑوں کی انجمن　　دنیا کا ہر مقام ہے اس طرح نعرہ زن
ماتم سے "یا حسینؑ" کی جتنی بہار ہے
زینبؑ کے احتجاج کی اک یادگار ہے

زندانِ شامؑ دشتِ بلاؑ مرقدِ بتولؑ　　زینبؑ نے ہر زمیں کو دیئے آنسوؤں کے پھول
غم کی بہار، نوحہ گرِ خانۂ رسولؐ　　ہوگی نہ کائنات میں زینبؑ سی دل ملول
زینبؑ دلوں کا درد بھی ہے اور دوا بھی ہے
یہ سوگوار، بانیِ بزمِ عزا بھی ہے

خوشبوئے گلستانِ عمل معدنِ وقار　　مریمؑ نظرؑ خدیجہؑ اثرؑ حاجرہؑ شعار
قرآں مزاجِ ثانیِ خاتونِ روزگار　　مثلِ حسنؑ حسینؑ، شرافت کی تاجدار
تقدیس دوجہاں کے صدف میں ڈھلی ہوئی
دامانِ مصطفٰےؐ و علیؑ میں پلی ہوئی

ظاہر ہے صاف اسمِ گرامی سے زینِ اب　　زینبؑ کے سامنے ہے مؤدب ہر اک ادب
کس کو ملا ہے ذاتِ الٰہی سے یہ نسب　　اجداد منتخب ہیں تو ماں باپ منتخب
سب سے عظیم گھر ہے یہ تحریر ساتھ ہے
یعنی گواہ، آیۂ تطہیر ساتھ ہے

نانا محمدؐ عربی، ختمِ مرسلینؐ　　وجہِ وجودِ کون و مکاں، نورِ اولیں
تزئینِ عرشؑ صاحبِ معراج بالیقیں　　بعدِ خدا ملے کوئی ایسا، نہیں نہیں
کس کی مجال حقِ تعارف ادا کرے
ہو کوئی انتہا تو کوئی انتہا کرے

پورے ہوئے نہ تھے سنِ ہجری کے پانچ سال　　بزمِ جہاں میں آ گئی زینبؑ خجستہ حال
نانا کے بازوؤں میں دوبالا ہوا جمال　　یا صاحب نصیب ہوئی سیدہؑ کی آل
آنکھیں کھلیں تو اپنی ہی تقدیر بن گئی
زینبؑ خدا کے نور کی تصویر بن گئی

فطرت ہوئی جو شاہِ رسالتؐ سے بہرہ ور　　ساری فضیلتیں ہوئیں زینبؑ کی ہم سفر
لیکن رسولؐ اپنی نواسی کو دیکھ کر　　انجام کی خبر سے یہ بولے بچشمِ تر
زینبؑ اسے کہو یہ مری نورِ عین ہے
یہ مہ لقا، محافظِ نامِ حسینؑ ہے

نانی ملیں جنابِ خدیجہؑ خدا شناس　　تقدیس کی پناہ تو عزّ و شرف کی آس
فضلِ خدا سے دولتِ دنیا تھی جن کے پاس　　مضبوط جن کے دم سے ہوئی دین کی اساس
عصمت انہیں کے لعل و جواہر کی بات ہے
انسانیت، جنابِ خدیجہؑ کی ذات ہے

دنیا میں وہ رسولؐ کی غربت کے ماہ و سال　　فاقہ کشی میں چار طرف دشمنوں کے جال
وہ ابتلا کا دور وہ محبوبِؐ ذوالجلال　　ہوتیں نہ گر جنابِ خدیجہؑ شریکِ حال
تبلیغِ دیں کی راہ کھلے یہ محال تھا
کعبے سے گردِ کفر دُھلے یہ محال تھا

دادا خدا کے فضل و کرم سے خدا پرست　　تفویض جن کو حرمتِ کعبہ کا بندوبست
ایسے جری، تمام زبردست' زیردست　　وہ تیغ آزما کبھی کھائی نہیں شکست
سکّہ تھا مصطفےؐ کے ولی کی حسام کا
ڈنکا عرب میں تھا ابوطالبؑ کے نام کا

ایثار و خلق و جرات و ہمّت کے تاجدار　　دریائے علم و حلم، شرافت کے شہ سوار
نورِ خدا کے محسنِ اوّل، وفا شعار　　سائے میں ہے وقارِ دو عالم، وہ باوقار
قدرت کو جس پہ ناز وہ نایاب گل ملا
مومن تھے بے نظیر تو ایمانِ کُل ملا

منصف مزاج صاحبِ عزمِ صمیم بھی　　طاہر خیال، مظہر خُلقِ عظیم بھی
نباضِ وقت، مردِ متین و فہیم بھی　　حق آشنا، محافظِ دُرِ یتیم بھی
کیا ہو جواب اس شرفِ لاجواب کا
خطبہ پڑھا ہے عقدِ رسالت مآب کا

وادی ملیں خدا سے وہ زینبؑ کو بے مثال　　مخصوص جن پہ بارشِ انوارِ ذوالجلال
کعبہ کہے گا فاطمہؑ بنتِ اسد کا حال　　یہ انتہا کہ حرمتِ کعبہ سے اتّصال
کیسے بتاؤں کوئی فضیلت کی حد بھی ہے
کعبہ نہیں ہے، خانۂ بنتِ اسدؑ بھی ہے

کس ماں کی گود کو یہ مکمل شرف ملا　　کس کو اماموں کا منوّر صدف ملا
کس ماں کو فخرِ جہانِ سلف ملا　　کس ماں کو لال صورتِ شاہِ نجف ملا
بنتِ اسدؑ نے دین کو معیار دے دیا
دنیا میں مصطفٰےؐ کو مددگار دے دیا

زینبؑ کے باپ ضیغمِ یزداں، ابوترابؑ　　نفسِ رسولؐ، گوہرِ کعبہ، شرف مآب
جرأت کے آسمانِ شجاعت کے آفتاب　　عینِ خدا، لسانِ خدا، وارثِ کتاب
قرآں گواہ، صاحبِ تاجِ غدیر ہیں
مثلِ رسولؐ دونوں جہاں کے امیر ہیں

یعسوبِ دیں، خلیلِ نبوّت، رئیسِ حق　　فردِ عمل کتابِ خدا کا ورق ورق
روح الامیں کو عرشِ بریں پر دیا سبق　　پیشِ نگاہ ارض و سما کا طبق طبق
ظاہر ہوا رسولؐ خدا کے بیان سے
باتیں خدا نے کی ہیں علیؑ کی زبان سے

جنگ و جدل میں جوہرِ شمشیر کی قسم　　ہر ضرب میں ادائے اجل گیر کی قسم
جوشِ جہاد، نعرۂ تکبیر کی قسم　　پروردگار مالکِ تقدیر کی قسم
لاسیف و لافتیٰ کی تجلی علیؑ علیؑ
خیبر میں مصطفیٰؐ کی صدا تھی علیؑ علیؑ

زینبؑ کی ماں رئیسِ دو عالم کی نورِ عین　　فرمانروائے کون و مکاں کے جگر کا چین
خاتونِ عرش و فرش، رسالت کی زیب و زین　　قدرت نے جن کو لال دیے تھے حسنؑ حسینؑ
پیغمبری صفات کی آئینہ دار تھیں
زہراؑ تمام مرضیِ پروردگار تھیں

عفت میں لاجواب، صداقت میں بینظیر　　عصمت کی تاجدار، شرافت میں بینظیر
زہد و ورع کی روح، عبادت میں بینظیر　　صورت نبیؐ کا آئینہ سیرت میں بینظیر
دنیا میں تھیں رسولؐ کے ایمان کی طرح
زہراؑ کا ہر اصول تھا قرآن کی طرح

سارے جہاں کا آب و نمک جن کے مہر میں　　دامن میں صبر و شکر کی انمول دولتیں
حورانِ خلد صورتِ فضہؓ ادب کریں　　محبوبِ کردگار بھی تعظیم کو اٹھیں
توحید کے مبلّغِ اعظم کی جان تھیں
زہراؑ نبیؐ نہ تھیں پہ نبوّت کی شان تھیں

قربان ہو شعور، وہ حُسنِ شعور بھی　　فاقہ کشی بھی سجدۂ حق کا سُرور بھی
لوحِ جبیں میں گیارہ اماموں کا نور بھی　　کرتیں اگر غرور تو سجتا غرور بھی
لیکن ہجومِ درد میں شکرِ خدا کیا
زینبؑ کو صبر و ضبط کا زیور عطا کیا

زینبؑ کے بھائیوں کا میسّر نہیں جواب　　دونوں کے خون سے ہے رسالتؐ کی آب و تاب
تحریکِ صلح و جنگ میں اندازِ انقلاب　　دونوں کی زندگی سے ہے تا حشر کامیاب
آواز آ رہی ہے لبِ مشرقین سے
وحدت کی آبرو ہے حسنؑ اور حسینؑ سے

ابھری جو قصرِ شام سے رسمِ ملوکیت　　چھائی دلوں پہ ساغر و مینا کی سلطنت
ظاہر ہوا تمام خمارِ منافقت　　اب ہر طرح تھی آلِ نبیؐ سے مخالفت
کس کو رہی تمیزؔ گناہ و ثواب میں
قرآن ڈوبنے لگا جامِ شراب میں

مدہوشیوں نے توڑ دیا رشتۂ اصول　　رویا جہانِ علم، ہنسا فتنۂ جہول
حاصل ہوئے جو کفر نما عشرتوں کے پھول　　کانٹے کی طرح چبھنے لگی عترت رسولؐ
بربادیِ چمن کی وہ ساعت عیاں ہوئی
یثرب میں مجتبیٰؑ کی شہادت عیاں ہوئی

زینبؑ نظر سے دیکھ رہی تھی یہ دورِ غم　　کیسے کلیجہ توڑ کے نکلا حسنؑ کا دم
بھائی گزر گیا تو بڑھی شدّتِ الم　　دنیا سے کہہ رہی تھی یہ زینبؑ کی چشمِ نم
بجھنے لگے چراغ، شہِ ذوالفقارؑ کے
دنیا کو کیا ملا، مرے بھائی کو مار کے

بعدِ حسنؑ چلیں وہ پُرآشوب آندھیاں تاریکیوں میں ڈوب گیا گلشنِ جہاں
انسانیت کے خون کا دریا ہوا رواں بیٹھا سریرِ شام پہ خونخوار حکمراں
پنہاں جو دشمنی تھی وہ منظر میں آ گئی
ابلیسیت یزید کے پیکر میں آ گئی

حاصل ہوئیں جو دولتِ شاہی کی تھیلیاں پھرنے لگے یزید کی بیعت کے نغمہ خواں
دنیا کے طالبوں کی اُمنگیں ہوئیں جواں سودا بڑھا تو خوب چلی کفر کی دُکاں
پایا سکون، شرم و حیا بیچ بیچ کے
اٹھے عوام، اپنا خدا بیچ بیچ کے

وقت آ گیا حسینؑ سے بیعت ہوئی سوال لیکن یہ بات کہہ کے اٹھا سیّدہ کا لال
دنیا، ابوترابؑ پہ حاوی ہو کیا مجال اب کربلا کا دشت ہے اور آخری جدال
اپنے لہو سے شمعِ مشیّت جلاؤں گا
نوکِ سناں پہ معنیِ بیعت بتاؤں گا

زینبؑ سمجھ گئی تھی ارادے حسینؑ کے آنکھوں میں اضطراب کے طوفان چھا گئے
جا کر کہا یہ شوہرِ عالی وقار سے صاحب قریب ہے مری اماں کا گھر لُٹے
بھیّا حسینؑ جاتے ہیں اکبرؑ بھی جائے گا
صاحب، میں کیا کہوں علی اصغرؑ بھی جائے گا

اصغرؑ کے واسطے جو سنی گردشِ سفر عبداللہؓ آہ بھر کے یہ بولے بچشمِ تر
سچ ہے مصیبتوں میں گھرا فاطمہؑ کا گھر منزل ہے قافلے کی کہاں کچھ نہیں خبر
پردیس میں نہ جانے کہاں پر قیام ہو
یارب، نہ بیکسی میں غریبوں کی شام ہو

اے کاش، اپنے ساتھ مجھے لے چلیں امامؑ　　اے کاش قافلے میں لکھا جائے میرا نام
بیمار ہوں تو کیا ہے نہیں فکر کا مقام　　ہر طرح خدمتوں میں گزاروں گا صبح و شام
لطفِ حیات ہے مرے آقا کی چھاؤں میں
مجھ کو سکوں ملے گا مسیحا کی چھاؤں میں

گھبرا رہی ہو کس لئے اے بنتِ مرتضیٰؑ　　اللہ سے ملی ہے تمہیں دولتِ وفا
شاید یہی ہے وقت مرے امتحان کا　　فرزندِ مصطفیٰؐ کی رضا ہے مری رضا
میں کچھ نہیں ہوں، تابعِ حکمِ امامؑ ہوں
بھائی نہیں ہوں، سبطِ نبیؐ کا غلام ہوں

لیکن سُنے ہیں دفترِ محضر کے واقعات　　زینبؑ تمہارے صبر سے ہے دین کی حیات
کٹ جائے گا نبیؐ کا گلستاں لبِ فرات　　سالارِ قافلہ بھی بنے گی تمہاری ذات
اس دم خدا کے واسطے ہمّت نہ ہارنا
عابدؑ کے ساتھ شام کی منزل گزارنا

یہ سُنتے ہی تڑپ گئی زہراؑ کی لاڈلی　　پردیس میں حسینؑ کی فرقت سے کانپ اُٹھی
یکبار تھرتھراتے لبوں سے یہ بات کی　　مرجاؤں میں، بچے مرے بھائی کی زندگی
بھائی نہیں تو خاک زمانے پہ ڈالیے
صاحب، نہ ایسی بات زباں سے نکالیے

صاحب، خدا نہ کردہ اکیلے نہیں حسینؑ　　سائے کی طرح ساتھ ہے اکبرؑ سا نورِ عین
مسلم بنِ عقیلؑ سمجھتے ہیں دل کا چین　　عباسؑ کا جلال محافظ ہے جانبین
دیکھے نگاہِ بد، مرے بھائی کو دم نہیں
گر ساتھ ہوں تو عون و محمدؑ بھی کم نہیں

اس گفتگو پہ دیکھ کے بنتِ علیؑ کا حال عبداللہ اتنا روئے کہ حالت ہوئی نڈھال
آئے جو پاس عونؑ و محمدؑ سے نونہال زینبؑ سے اتنا کہہ دیا لے جاؤ دونوں لال
منظور ہے مجھے مرا گھر بے چراغ ہو
لیکن سدا بہار پیمبرؐ کا باغ ہو

سنتے ہی یہ کلام، جھکی بنتِ مرتضیٰؑ سرتاج کو سلامِ تشکّر ادا کیا
بھائی کے پاس آ کے بڑے فخر سے کہا بھیّا خدا کا شکر، مجھے مل گئی رضا
خوش ہوں کہ زندگی ہے اسی در کے واسطے
میں بھی چلوں گی خدمتِ اکبرؑ کے واسطے

پھر اس کے بعد گردشِ حالات کی نظر غم کا پہاڑ بن گئی زینبؑ کے حال پر
ماں کا مزار، نانا کی تربت کو چھوڑ کر بھائی کے ساتھ جانبِ صحرا کیا سفر
بڑھتی رہیں مصیبتیں ابنِ رسولؐ کی
مثلِ بتولؑ ساتھ تھی بیٹی بتولؑ کی

اک دن یہ راستے میں سنی درد کی خبر کوفے میں تیغ چل گئی مسلمؑ کے حلق پر
دنیا نے خاندانِ رسالت کو چھوڑ کر بے دین کی مدد کے لئے باندھ لی کمر
زینبؑ سمجھ گئی کوئی طوفاں قریب ہے
سبطِ نبیؐ کے قتل کا ساماں قریب ہے

مسلمؑ کے غم سے اور بڑھا ماجرائے غم ظاہر ہوئی ہلال کی صورت فضائے غم
صحرائے کربلا سے یہ آئی صدائے غم افسوس اہلبیتؑ ہوئے مبتلائے غم
زہراؑ کے پھول درد کے ساحل پہ آ گئے
شبیرؑ امتحان کی منزل پہ آ گئے

زینبؑ زمین کرب و بلا، دیکھتی رہی بھائی کے سر پہ ابرِ قضا دیکھتی رہی
بڑھتی ہوئی ستم کی گھٹا دیکھتی رہی پانی بھی کیسے بند ہوا، دیکھتی رہی
بچوں کے تشنگی سے جو چہرے اُتر گئے
زینبؑ کے قلب پاک سے خنجر گزر گئے

طوفان لے کے آ گئی عاشور کی سحر چمکے فضا میں تیر و سناں خنجر و تبر
باہیں غریب بھائی کی گردن میں ڈال کر زینبؑ یہ کہہ رہی تھی بصد غم بچشمِ تر
زندہ رکھے خدا مرے بھائی کے نام کو
کیا جانے کیا بہن پہ بنے، آج شام کو

بھیّا مجھے یقین سا آنے لگا ہے اب کٹ جائے گا نبی کا چمن آج سب کا سب
فرزندِ فاطمہؑ کو نہ چھوڑیں گے بے ادب ہو جائے گی یتیم سکینہؑ بھی تشنہ لب
اے کاش اس الم سے کلیجہ نہ چاک ہو
بھیّا، دعا کرو یہ بہن زیرِ خاک ہو

آخر سیاہِ شام میں نقارۂ وغا انسانیت کو خون کے آنسو رُلا گیا
گزری جو دوپہر تو قیامت ہوئی بپا موجود تھا علم نہ عامدارِ باوفا
پھولوں کی طرح قاسمِ مضطر کی لاش تھی
زینبؑ کے سامنے علی اکبرؑ کی لاش تھی

بہتا رہا لہو نہ مٹی وقت کی لکیر کام آ گئے تمام حسینیؑ جوان و پیر
بے شیر کے گلے پہ لگا حرملہ کا تیر اک سیدہؑ کا لال تھا اک میّتِ صغیر
مقتل میں خون دیکھ کے ننھے گلاب کا
زینبؑ کلیجہ تھام رہی تھی ربابؑ کا

آواز دے رہا تھا فضاؤں کا شور وشین دوڑو حبیبؓ لٹ گیا زہراؑ کا نورِ عین
کیا سو رہے ہو خاک پہ اٹھو زہیرِ قینؓ زینبؑ سے اتنا کہہ دو اکیلے نہیں حسینؑ
شمشیر ایسے وقت میں کیوں تولتے نہیں
زینبؑ صدائیں دیتی ہے کیوں بولتے نہیں
فریاد کر رہی تھی تڑپتی ہوئی فرات افسوس آج خشک ہوا گلشنِ حیات
اتنے کسی بشر پہ نہ گزریں گے حادثات برباد ہو گیا پسرِ فخرِ کائنات
ناموسِ مصطفےٰؐ کو بڑا انتظار ہے
عباسؑ گھر میں جاؤ بہن بے قرار ہے
بامِ فلک پہ کانپتے سورج کی تھی پکار سیّد کی تشنگی نے کیا قلب تار تار
آؤ نجف سے عقدہ کشائی کے شہسوار دیکھو حسینؑ تکتے ہیں خیموں کو بار بار
غالب تمام درد پہ غیرت کا حال ہے
زینبؑ کہیں نکل نہ پڑے یہ خیال ہے
چلا رہی تھی دشت کی جلتی ہوئی زمیں یا بوترابؑ دیکھیے فرزند کی جبیں
سجدے میں آج یوں ہے پیمبر کا نازنیں بھالے چبھے ہوئے ہیں مگر کوئی غم نہیں
زخموں میں حشر خیز چمک پائی جاتی ہے
شاید بہن کے سر کی ردا یاد آتی ہے
مقتل کے ساتھ گرم ہوائیں تھیں ہمکلام افسوس ذبح ہوتے ہیں شبیرؑ تشنہ کام
ایسے میں کاش عون و محمدؑ سے لالہ فام شمرِ لعیں کو قتل کریں چھین کر حسام
دیوار کر کے سینوں کو ماموں کے سامنے
خیمے میں جائیں ماں کے کلیجے کو تھامنے
بھائی کی بے کسی کا یہ منظر بھی دیکھ کر زینبؑ نے وقتِ عصر جو مقتل پہ کی نظر
دنیا بدل چکی تھی، زمانہ تھا نوحہ گر بھائی کا سر تھا شمر کے نیزے کی نوک پر
باجوں کی آ رہی تھی صدا فوجِ شام سے
اٹھنے لگے تھے آگ کے شعلے خیام سے

ایسے میں کس کو ثانیِ زہراؑ پکارتی — مقتل میں پاش پاش تھی میت حسینؑ کی
کیسے کہوں کہ چادرِ تطہیر چھن گئی — بے وارثوں کو لے کے کھلے سر نکل پڑی
دُرّے تھے ہر یتیم کی فریاد کے لیے
طوقِ گراں تھا گردنِ سجادؑ کے لیے

سورج چھپا تھا، شامِ غریباں تھی آشکار — بے پردہ خاک پر تھے محمدؐ کے پردہ دار
اک لاش سے یہ کہتی تھی زینبؑ جگر فگار — بھیا حسینؑ، دیکھ لو اُجڑی ہوئی بہار
چھوڑا تھا جس کو خیمے میں پردہ کیے ہوئے
وہ بے ردا ہے شامِ غریباں لیے ہوئے

پھر کوفہ و دمشق کے بازار اور عوام — پیشِ عوام عترتِ پیغمبرؐ انام
زنجیر و طوق پہنے ہوئے وقت کا امامؑ — نیزوں پہ ساتھ ساتھ محمدؐ کے لالہ فام
ایسے میں فاطمہؑ کا جگر چومتی رہی
زینبؑ نظر سے بھائی کا سر چومتی رہی

آنکھوں میں اب نہ اشک نہ چہرے پہ کچھ ملال — اب زندگی تھی مقصدِ شبیرؑ کا خیال
خاموشیوں کی تیغ سے کاٹے ستم کے جال — ظلمت کا دم نکل گیا بکھرے جو سر کے بال
اک اک عمل تھا حق کی بھلائی کے واسطے
بازو بندھے تھے عقدہ کشائی کے واسطے

اب مقصدِ سفر تھا، سفر کی تھکن نہ تھی — اب درد کے چراغ تھے فطرت کی روشنی
زخموں کی ٹیس ہمتِ سجادؑ بن گئی — اب فتحِ کائنات کی سرخی تھی بیکسی
دربارِ شام قلعۂ خیبر سے کم نہ تھا
زینبؑ کا انقلاب بھی حیدرؑ سے کم نہ تھا

قیصؔر مری نگاہ میں زندانِ شام ہے — پلکوں پہ خونِ دل نہیں طوفانِ شام ہے
احساس میں حدیثِ اسیرانِ شام ہے — یہ مرثیہ بھی نذرِ غریبانِ شام ہے
قرطاسِ عقل و فکر پہ حرفِ دوام ہوں
میں خواہرِ حسینؑ کا ادنیٰ غلام ہوں

◆◆

یوسفِ حسینؑ

(حضرت علی اکبرؑ کی سیرت اور کربلا میں شہادت)

۴۷ بند۔ ۱۹۷۴ء

maablib.org

❖❖

جن کی رعونتوں سے لرزتی تھی زندگی
ملتی نہیں زمانے کو اب ان کی خاک بھی
اک دم سے بجھ گیا وہ چراغِ سکندری
جو دے رہا تھا ذہنِ ارسطو کی روشنی
سب اُٹھ گئے جلالت و حکمت لئے ہوئے
آئینہ رہ گیا رُخِ حیرت لئے ہوئے

❖❖

یوسف حسینؑ

دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں   کس کی زباں پہ لذّت خارِ اجل نہیں
دنیا میں کون آئینہ دارِ اجل نہیں   کس جسم کا لباس غبارِ اجل نہیں
سب غلغلے ہیں عالمِ خاموش کیلئے
ہر زندگی ہے موت کی آغوش کیلئے

ہے دمبدم جو محفلِ ہستی میں انقلاب   کہتا ہے دیکھ لو یہ زمانہ ہے مثلِ خواب
دریائے خواب میں، یہ تلاطم یہ اضطراب   ہر نفس تیرتا ہے یہاں صورتِ حباب
بادِ اجل ہے ساتھ احاطہ کئے ہوئے
موجیں گزر رہی ہیں جنازہ لئے ہوئے

پھولوں کے ہار پہنے ہوئے باغ کی بہار   ہر دم خزاں کی دھوپ کا کرتی ہے انتظار
موجوں سے کھیلتی ہوئی تصویرِ شاخسار   آبِ وجود کو ہے عدم کی ہوا سے پیار
ملتی ہے ہر نگاہ بچھڑنے کے واسطے
ہر نقش بن رہا ہے بگڑنے کے واسطے

کلیاں چٹک چٹک کے یہ کہتی ہیں بار بار	اے قادرِ مقدّرِ گلشن ترے نثار
غالب ہر اِک نظام پہ تیرا ہے اختیار	دیکھی ہے یوں بھی تیری مشیت بروئے کار
جس کی مہک سے دامنِ گلزار بھر گیا
آخر وہی گلاب ہوا میں بکھر گیا

تیز آندھیوں میں ہاتھ ہلاتے ہوئے شجر	چلا رہے ہیں دیکھ کے ٹوٹے ہوئے ثمر
کوئی نہ ہو نتیجۂ ہستی سے بے خبر	دنیا بسی ہے تُند ہواؤں کے دوش پر
آخر ہر ایک خلعتِ جاں چاک چاک ہے
پتّہ جو شاخ پر ہے وہ پیوندِ خاک ہے

آبادیوں کے روپ میں ویرانیاں بھی ہیں	پردے میں راحتوں کے پریشانیاں بھی ہیں
چشمِ خرد میں چاک گریبانیاں بھی ہیں	اہلِ سحر کو شام کی مہمانیاں بھی ہیں
سامانِ انہدام چُھپا ہے فصیل میں
سورج بھی ڈوبتا ہے اندھیروں کی جھیل میں

ہر خشک وتر کے واسطے لازم ہے انقلاب	روئے ہوا کی ضرب سے، بنتے ہوئے سحاب
ڈالی ہے بادلوں نے رخِ مہر پر نقاب	تاروں کو نیند آئی ہے سویا ہے ماہ تاب
سیارے آسمان پہ محور بدل گئے
پانی ہوئے پہاڑ، سمندر بدل گئے

ہے دعوتِ نگاہ کی تحریر ہر طرف	فانوسِ آب وتاب ہوئے صورت خذف
ملتے ہیں ریگزار میں ٹوٹے ہوئے صدف	یا زندگیِ قطرۂ نیساں ہوئی تلف
کہنے کو جزوِ سنگ تھے پانی میں حل ہوئے
سچے جو تھے بہت، وہی موتی کھرل ہوئے

ہر نکتہ داں فنا ہے تو ہر نکتہ رس فنا　　ہر گنبد نظر کے، سنہری کلس فنا
دنیا کے تحت و فوق فنا، پیش و پس فنا　　چلاّ رہا ہے سازِ نفس، ہر نفس فنا
انجام سے الگ ہے تو آغاز ہی نہیں
ٹھہرے نہ جو کہیں پہ وہ آواز ہی نہیں

تاریخ کے ورق پہ، حسیں سرخیاں پڑھو　　قدرت ہے جن کا نام وہ دلچسپیاں پڑھو
کیا ہیں حیات و موت کی رنگینیاں پڑھو　　آنکھوں سے دھوپ چھاؤں کی سرگوشیاں پڑھو
کیا وقت کے شجر پہ مشیّت کی بیل ہے
دنیا نہیں ہے آنکھ مچولی کا کھیل ہے

دنیا سے کہہ رہی ہے یہ صحراؤں کی زباں　　گزرے ہیں بے شمار زمانے کے کارواں
وہ کارواں تلاش کرے گردشِ جہاں　　گردش کہے گی، نام کو ملتا نہیں نشاں
جن کے قدم کی خاک بھی دنیا نہ پا سکے
وہ یوں ہوا ہوئے کہ نظر تک نہ آ سکے

موجود ہیں قدیم عمارات کے کھنڈر　　کہیے جنہیں فسانۂ عبرت زمین پر
کہتی ہے انقلاب سے حیرت زدہ نظر　　کل تک اِسی مقام پہ دنیا تھی جلوہ گر
کیا ہو گیا کہ آج فضا اشکبار ہے
تعمیر سرنگوں ہے، زمیں سوگوار ہے

آواز دے رہی ہیں زمیں دوز بستیاں　　رُکتی نہیں تغیرِ پیہم کی آندھیاں
وہ راجدھانیاں ہیں نہ وہ حکمرانیاں　　کہیے جنہیں غرور کی رنگیں جوانیاں
تھے جن کے تن پہ لعل و جواہر جڑے ہوئے
دیکھے ہیں ان کے حال پہ پتھر پڑے ہوئے

جن کی رعونتوں سے لرزتی تھی زندگی ملتی نہیں زمانے کو اب ان کی خاک بھی
اک دم سے بُجھ گیا وہ چراغِ سکندری جو دے رہا تھا ذہنِ ارسطو کی روشنی
سب اُٹھ گئے جلالت و حکمت لئے ہوئے
آئینہ رہ گیا رُخِ حیرت لئے ہوئے

سقراط کا وجود نہ بقراط کا نشاں گویا عدم کی بات ہے لقمان کا بیاں
جو نبضِ جالینوس میں دم تھا وہ اب کہاں آخر پکارتی ہے یہ تاریخ کی زباں
جو نامور بڑے تھے وہ مٹی میں رُل گئے
دنیا کے افلاطون ہواؤں میں گھل گئے

دارا و کیقباد و فریدوں گزر گئے افراسیاب و رُستم و سُہراب مَر گئے
مثلِ غبار قیصر و کسریٰ بکھر گئے لگتا نہیں پتہ کدھر آئے کدھر گئے
ہر کج کلاہ موت کے دریا میں بہہ گیا
نوشیرواں کا نام عدالت میں رہ گیا

چنگیز نے پیے تھے بڑی نخوتوں کے جام طوفاں بنا ہوا تھا ہلاکو کا انتقام
اُبھرا اصولِ جنگ میں نپولین کا نام تاریخِ ہند جانتی ہے اکبری نظام
لیکن دلوں پہ کوئی بشر حکمراں نہیں
ہر زندگی زمین تو ہے آسماں نہیں

حاکم ہوئے جو شاہجہاں کے لقب کے ساتھ اب ان کا نام بھی نہیں آتا ادب کے ساتھ
چھائے تھے جو زمانے پہ غیظ و غضب کے ساتھ اب سو رہے ہیں موت کی بستی میں سب کے ساتھ
دو گام بھی جو مثلِ گلاب و سمن گئے
اُن کے مزار میّتِ احساس بن گئے

دانشورانِ خطّۂ مغرب کی انجمن الحاد کے خیال سے ہو لاکھ خندہ زن
تسخیرِ دہر میں ہو قیامت کا بانکپن لیکن زبانِ وقت پہ آئے گا یہ سخن
سنگِ قضا نے عقل کے چھکّے چھڑا دیے
ہر جدّتِ فرنگ کے ٹکڑے اڑا دیے

اس ارض بے ثبات، پہ ہر شے ہے بے ثبات لیکن دلِ ثبات ہے آلِ نبیؐ کی ذات
زندہ رہیں گی صرف حسینؑ خصوصیات دیوِ اجل کو دی ہے شہِ کربلاؑ نے مات
مستقبلِ حیات کو جاگیر کر لیا
سبطِ نبیؐ نے موت کو تسخیر کر لیا

آتی ہے عرش و فرش سے آواز "یا حسینؑ" غالب ہے کائنات پہ زہراؑ کا نورِ عین
فطرت کا آبشار ہے طوفانِ شور و شین تہذیبِ غم سے ہے دلِ انساں کی زیب و زین
نظروں میں امتحان غریب الوطن کا ہے
ماتم لبِ فرات پہ تشنہ دہن کا ہے

یاد آ گئیں حسینؑ کی ہمت نمائیاں ہونٹوں سے آہ بن کے نکلنے لگا دھواں
میدانِ کربلا ہے تصور میں نوحہ خواں قربانیوں کی دھوم پیمبرؐ کا گلستاں
مقتل میں نونہالِ رسالتؐ کٹے ہوئے
زہراؑ کے پھول تیر و سناں میں بٹے ہوئے

ہے ضربِ غم سے آئینۂ ذہن پاش پاش جیسے خلا میں گریہ و ماتم کا ارتعاش
کانوں میں آ رہی ہے صدائے جگر خراش جیسے کوئی غریب اٹھائے پسر کی لاش
یوں ہوک اٹھ رہی ہے دلِ بیقرار میں
جیسے کسی کا باغ لٹا ہو بہار میں

دل ہے وفورِ درد کا خنجر لیے ہوئے آنکھیں ہیں آنسوؤں کا سمندر لیے ہوئے
ذوقِ سخن ہے لذتِ محشر لیے ہوئے جذبات ہیں شہادت اکبرؑ لیے ہوئے
ماحول داستانِ الم کہہ رہا ہے آج
احساس کی زمیں پہ لہو بہہ رہا ہے آج

بے چینیوں کی دھوپ ہے یادوں سے ہمکنار یا لٹ گیا کسی کی مرادوں کا لالہ زار
ڈوبا ہے آنسوؤں میں طبیعت کا اضطرار یا ظلم سے کسی کا کلیجہ ہوا فگار
کس کا چراغ بادِ اجل نے بجھا دیا
قدرت نے غم کو فکر کا محور بنا دیا

جو بے نشاں ہوئی وہ نشانی نظر میں ہے زندہ رہی جو تشنہ دہانی نظر میں ہے
اٹھارہویں برس کی کہانی نظر میں ہے زینبؑ کے مہ لقا کی جوانی نظر میں ہے
کیوں پڑ گئے شگاف اجل کی فصیل میں
ڈوبا ہے کوئی چاند قیامت کی جھیل میں

دشتِ نظر پہ چھائی ہوئی برچھیوں کی شام لیتی ہے یوں حسینؑ کے کڑیل جواں کا نام
یارب کسی کے باغ کا بدلے نہ یوں نظام جیسے جوانیِ علی اکبرؑ ہوئی تمام
غربت میں حسرتوں کا یہ نعم البدل ملا
جینے کے دن جو آئے تو برچھی کا پھل ملا

آباد ہے خیال میں صحرا کی دوپہر تیغ و سناں کی چھاؤں شبیہِ رسولؐ پر
گہنا گیا شباب میں ڈوبا ہوا قمر کیا جانے اس جہان میں کس کی لگی نظر
یہ بات کیا ہے گردشِ دوراں بتائے گی
اجڑی ہے جس کی گود وہی ماں بتائے گی

ہر گلستاں میں یوں تو کھلیں گے ہزار پھول　　پائے گی کائنات بدستِ بہار پھول
پیدا کرے گی ارضِ جہاں بے شمار پھول　　دلکش، نظر نواز، تبسّم نگار پھول
لیکن گلِ رسولؐ ملے یہ محال ہے
اکبرؑ سا کوئی پھول کھلے یہ محال ہے

اللہ رے تصورِ عاشور کا دھواں　　جیسے فضا کے دوش پہ تیروں کا سائباں
تیروں کے سائباں میں قیامت کی برچھیاں　　وہ چاند چھپ گیا جسے ڈھونڈے گا آسماں
روئے گی رات داغِ جدائی لیے ہوئے
سورج پھرے گا آبلہ پائی لیے ہوئے

تاریخ میں حقیقتِ ماضی ہے نوحہ گر　　خود بیکسی بھی روئی، محمدؐ کے لال پر
وہ کربلا کا دشت، مصیبت کا مستقر　　وہ قحطِ آب اور وہ قیامت کی دوپہر
مہرِ مبیں، تلاشِ قمر میں نڈھال تھا
بدلی میں جب حسینؑ کا یوسف جمال تھا

سیلاب کی طرح وہ جفا پروروں کی فوج　　کہیے جسے اصول کے غارت گروں کی فوج
حیدرؑ کے لاڈلے کیلئے اژدروں کی فوج　　جیسے پئے خلیلِؑ خدا، آذروں کی فوج
جس کا وجود آتشِ سیّال کی طرح
پھیلی تھی جو یزید کے اعمال کی طرح

چاروں طرف چمکتے ہوئے خنجروں کی دھار　　جیسے نگاہِ ظلم پہ سُفیانیت نثار
ہر سمت سر اٹھائے ہوئے برچھیوں کے خار　　جیسے خدا پسند گلوں کو پیامِ دار
تیر و کماں سوار و پیادہ لیے ہوئے
قرآں کو لوٹنے کا ارادہ کیے ہوئے

لشکر نُما ضمیر فروشوں کا اژدھام ابلیس کی سپاہ کہوں یا سپاہ شام
گر آدمی کہوں تو یہ ہو گا خیالِ خام دشمن ابوترابؑ کے تھے وہ نمک حرام
اپنا لیا تھا شیوهٔ نفسِ پلید کو
حکمِ خدا سمجھتے تھے، حکمِ یزید کو

آنکھوں سے دیکھتے تھے تجلّائے مصطفیٰؐ سمجھا نہ پھر بھی کوئی تقاضائے مصطفیٰؐ
اتنا تھا احترامِ تمنّائے مصطفیٰؐ نوکِ سناں تھی اور سراپائے مصطفیٰؐ
تیغیں تھیں فاطمہؑ کے گُلِ تر کے واسطے
تیروں کے زخم تھے علی اکبرؑ کے واسطے

کہنے کو پوری فوج میں تھے کلمہ گو مگر اتنا بھی آ سکا نہ کسی کی زبان پر
یارو اُسی کی جان ہے یہ غیرتِ قمر کہتے تھے اپنی روح جسے سیّدالبشرؐ
تم جانتے ہو کون یہ حق انتساب ہے
یہ نوجواں شبیہِ رسالتؐ مآب ہے

کوئی نہ کہہ سکا اسے مارو نہ برچھیاں پیدا نہ ہو گا اب کوئی اس شان کا جواں
پیاسا بہت ہے دیکھ لو سوکھی ہوئی زباں اس کے بغیر جی نہ سکے گی غریب ماں
لازم ہے جس پہ رحم وہ حالت گواہ ہے
سیّد ہے اس پہ ہاتھ اٹھانا گناہ ہے

افسوس ہے کوئی نہ پکارا، ڈرو ڈرو اس مہ لقا کو تیر نہ مارو، ستمگرو
آخر ہے خاک، دولتِ دنیا پہ کیوں مرو معصوم کے لہو سے نہ دامن کو تر کرو
انسانیت کو ہاتھ سے چھوڑو نہ ظالمو
یہ بھی کسی کا پھول ہے توڑو نہ ظالمو

لیکن فضا میں گرم ہواؤں کی تھی پکار — مظلوم کے پسر علی اکبرؑ ترے نثار
عزمِ حسینؑ تیرے لہو سے ہے تابدار — تیرا عمل ہے ساغرِ توحید کا خمار
دنیا حسینیتؑ کے جہاں گیت گائے گی
ہر نوجواں کے دل میں تری یاد آئے گی

فوجوں سے جنگ، تشنہ لبی، سامنے فرات — قربان اس ادا پہ ہر اک قوتِ ثبات
کہہ دیں گے ضبط و جرات و ہمت کے واقعات — ہر داستاں کو جذبۂ اکبرؑ نے دی حیات
فطرت کا رنگ لذتِ تیر و تبر سے ہے
انسانیت حسینؑ کے نورِ نظر سے ہے

خیمے سے آ رہی تھی صدا، میرے چاند آ — اشکوں میں ڈھل رہی ہے دعا، میرے چاند آ
تو کیسی بدلیوں میں چھپا، میرے چاند آ — کچھ سوجھتا نہیں مجھے، آ، میرے چاند آ
میدان میں جہاد کیا کس ادا کے ساتھ
آئی ہے تیرے خون کی خوشبو ہوا کے ساتھ

اٹھارہ سال سے یہ پھوپھی ہے مزاج داں — عباسؑ کی طرح تری غیرت ہے میری جاں
پانی تجھے پلائیں گے، ایسے بشر کہاں — بازو کہیں تھکے تو نہیں میرے نوجواں
کیوں وسوسوں کے تیر جگر میں اتر گئے
کیا رزم گاہ میں ترے گیسو بکھر گئے

آخر چراغِ درد کی لَو تیز ہو گئی — فوجوں میں چھپ گئی دلِ زینبؑ کی روشنی
اپنے لہو سے سرخ ہوا چہرۂ نبیؐ — برچھی لگی تو نعرۂ اکبرؑ تھا، یا علیؑ
ایسے میں کیا بلند طبیعت کا حال تھا
پشتِ فرس پہ شکر کا سجدہ کمال تھا

رہوار پر سنبھل نہ سکا جب، وہ لالہ فام   آواز دی امامِ زمانہ، مرا سلام
آیا اجل کا وقت نہیں دیر کا مقام   لیجے خبر حضور لڑائی ہوئی تمام
آ جایئے کہ سیّدِ والا کو دیکھ لوں
میں آخری نگاہ سے آقا کو دیکھ لوں

سنتے ہی اپنے چاند کی آوازِ دل فگار   دوڑے حسینؑ کھینچ کے حیدرؑ کی ذوالفقار
حائل جو راستے میں ہوئی فوجِ نابکار   آواز دی مجھے تو نہیں زندگی سے پیار
لیکن علیؑ کا زور بھی دکھلائے گا حسینؑ
مقتل سے اپنے چاند کو لے جائے گا حسینؑ

تم کیا سمجھ رہے ہو ذرا سامنے تو آؤ   حیدرؑ کا شیر غیظ میں ہے زندگی بچاؤ
سیراب تم ہو اور میں پیاسا، یہ بھول جاؤ   جو کٹ چکے ہیں نہر پہ وہ ہاتھ آزماؤ
چھنی ہے جس سے تاب و تواں اُس کو روک لو
مرتا ہے جس کا شیرِ جواں اُس کو روک لو

اے اہلِ شام، صاحب اولاد ہو اگر   کہدو تمہارے دل میں نہیں الفتِ پسر
انسان ہو تو مجھ کو بتاؤ یہ سوچ کر   کیا فرقتِ پسر سے اجڑتا نہیں ہے گھر
اتنا تو کوئی صاحب دل فیصلہ کرے
اکبرؑ سا لال جس سے جدا ہو وہ کیا کرے

برباد کر چکے ہو سحر سے بھرا چمن   مسلمؑ کے مہ جبیں ہیں، نہ قاسمؑ سا گلبدن
سمجھاؤں کس طرح سے نہیں طاقتِ سخن   خیمے میں خالی گود کھڑی ہے مری بہن
تصویر اب تو لوٹ چکے نانا جان کی
کیا لاش بھی نہ دو گے مرے نوجوان کی

یہ کہہ کے مثلِ برق بڑھے سیّدالانامؑ چلنے لگی علیؑ کی قیامت نما حسام
جو سامنے ہوئے وہ پرے ہو گئے تمام کٹنے لگی خیار کی مانند فوجِ شام
تقسیم ہو کے ظلم و جفا کے شجر گرے
غارت گروں کے جسم اِدھر، سر اُدھر گرے

یا بوترابؑ کہہ کے جو اٹھتی تھی ذوالفقار تھا زلزلہ زمیں کی طنابوں میں بار بار
دیکھی اجل کی شکل تو بھاگے ستم شعار مشکل میں کام آ ہی گئی عادتِ فرار
مطلق نہ دور دور کوئی خیرہ سر رہا
میدان، لافتیٰ کا پسر جیت کر رہا

جس دم گئی وہاں پہ تڑپتی ہوئی نظر تھا جس جگہ پہ گیسوؤں والا لہو میں تر
لختِ جگر کے سینے میں برچھی کو دیکھ کر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے کہا، آ گیا پدر
کیا حال ہو گیا ہے مرے نورِ عین کا
بیٹا نکل رہا ہے کلیجہ حسینؑ کا

بالیں پہ آ کے بیٹھ گئے اور کیا کلام کیسے گلے لگاؤں تمہیں میرے لالہ فام
دیکھے نہ کوئی باپ، نگاہوں سے یہ مقام کیسے اٹھو گے جسم تو ٹکڑے ہوا تمام
کوئی مدد کو آئے گا یہ آس بھی نہیں
اے لال، اب تو سامنے عباسؑ بھی نہیں

بیٹے کے کان میں جو گئی باپ کی صدا بہرِ سلام ہاتھ اٹھایا، نہ اُٹھ سکا
اُلفت بھری نظر کے اشاروں سے یہ کہا اب جاں کنی کا وقت ہے یا شاہِ دوسراؑ
دامن عبا کا چہرۂ خادم پہ ڈالیے
بابا مرے کلیجے سے برچھی نکالیے

بولے حسینؑ، اے مرے دلبر یہ کیا کہا
زینبؑ کی حسرتوں کے گُل تر یہ کیا کہا
اے میرے شیر، ضبط کے پیکر یہ کیا کہا
میں اور یہ کام اے علی اکبرؑ یہ کیا کہا
یہ امتحان فاطمہؑ کے نورِ عین سے
کیسے نکالی جائے گی برچھی حسینؑ سے

اچھا مجھے قبول ہے، یہ امتحان بھی
مرضی اسی میں ہے مرے پروردگار کی
کیا ہے مصیبتوں کی اگر انتہا ہوئی
صابر ہے ہر مقام پہ ذرّیتِ نبیؐ
درپیش مشکلوں سے نہ آنکھیں چرائے گا
یہ داغ بھی نبیؐ کا نواسہ اٹھائے گا

یہ کہہ کے دل کو تھام لیا، کھینچ لی سناں
نکلی سناں تو خون کا دریا ہوا رواں
ٹپکے قضا کے اشک، گیا شیر نوجواں
یا لٹ گیا مسافرِ یثرب کا کارواں
جو مرکزِ نظر تھی وہ صورت بچھڑ گئی
زینبؑ لٹی، حسینؑ کی دنیا اجڑ گئی

آخر جھکے کماں کی طرح شاہِ مشرقینؑ
کیسے کہوں کہ لاش اٹھانے لگے حسینؑ
فطرت نے دی صدا کہ اُٹھا زندگی سے چین
برپا ہوا خدا کی خدائی میں شور و شین
ہر خشک و تر پہ حالتِ مظلوم چھا گئی
مقتل میں ہر طرف سے یہ آواز آ گئی

وا حسرتا، حسینؑ کہاں، کربلا کہاں
بادِ خزاں کہاں، چمنِ مرتضیٰؑ کہاں
خیر النساءؑ کا لال کہاں، اشقیا کہاں
یہ بے کسی کہاں پسرِ مصطفیٰؐ کہاں
ثابت قدم ہے صبح سے لاشیں اٹھانے میں
ایسا خدائے صبر نہ ہو گا زمانے میں

جس وقت لاش اٹھا کے چلے جانبِ خیام — پہلے کیا زمیں نے قدم چوم کر کلام
معراجِ بندگی ہے اسی بندگی کا نام — عشقِ خدا یہی ہے محمدؐ کے لالہ فام
ہرگز یہ صفدری کسی صفدر سے کم نہیں
اکبرؑ کی لاش اٹھانا بھی خیبر سے کم نہیں

کرتی تھی بار بار شہِ دیںؑ سے التجا — اکبرؑ کے بال چوم کے روتی ہوئی ہوا
لاشِ جواں پسر ہے ٹھہر جایئے ذرا — سرکارؑ، آپ فخرِ سلیمانؑ ہیں، میں فدا
آتے نہ ہوں حبیبؑ ذرا دیکھ لیجیے
مولاؑ، زہیرِ قینؑ کو آواز دیجیے

کہتی تھی یہ تمازتِ خورشیدِ آسماں — سب سے سوا ہے دلبرِ زہراؑ کا امتحاں
پھر بھی دلِ حسینؑ ہے فطرت پہ حکمراں — اغلب ہے کربلا کی زمیں سے اُٹھے دھواں
طائر بھی اس فضا میں اڑے یہ محال ہے
اس تشنگی میں لاش اٹھانا کمال ہے

آنسو بہا کے نہر کا پانی پکار اٹھا — کوثر کے بادشاہ پہ کیا وقت پڑ گیا
مرجھا گیا بتولؑ کا گلشن ہرا بھرا — خشکی میں ڈوبتا ہے سفینہ رسولؐ کا
ایسے میں کوئی ڈوبتی کشتی اُبھار دے
ساحل پہ شیر سوتا ہے کوئی پکار دے

اتنے میں راہ ختم ہوئی آ گئے خیام — ڈیوڑھی پہ لاش رکھ کے پکارے شہِ انامؑ
زینبؑ کہاں ہو، آ گیا اکبرؑ سا لالہ فام — زینبؑ تمہارے بھائی کی مشکل ہوئی تمام
کس طرح فوجِ شام سے آیا ہوں دیکھ لو
مقتل سے اپنے چاند کو لایا ہوں دیکھ لو

آؤ بہن، چراغ بُجھا روشنی گئی باغِ ابوترابؑ لٹا، دلکشی گئی
زہراؑ کا لال ختم ہوا زندگی گئی اب کیا رہا، رسولؐ کی تصویر بھی گئی
کام آ گئی ہیں محنتیں اٹھارہ سال کی
لے جاؤ لاش اپنے فقید المثال کی

یہ سُن کے اہلبیتؑ میں کہرام ہو گیا دوڑے سوئے امامؑ کُھلے سَر، برہنہ پا
لیکن اٹھی جو زوجۂ عباسؑ باوفا دریا کی سمت دیکھ کے وارث کو دی صدا
یہ کیا غضب ہوا، مرے وارث دہائی ہے
اکبرؑ کی لاش، سبطِ نبیؐ نے اٹھائی ہے

زینبؑ اُدھر تڑپ کے پکاریں بہ حالِ زار بھیّا یہ کیا بہن کو سنایا، بہن نثار
کیا اس لئے کیا تھا جوانی کا انتظار اکبرؑ جوان ہوں گے تو لُٹ جائے گی بہار
اُف یہ گلاب، نیزے پہ کِھلنے کے واسطے
پالا تھا میں نے خاک میں ملنے کے واسطے

لیلیٰؑ نے اپنا لال جو دیکھا لہو میں تر پھیلا کے دونوں ہاتھ یہ آئی زبان پر
یہ کیسی نیند ہے مرے کڑیل جواں پسر مہندی رچا کے ہاتھوں میں سوتے ہو بے خبر
مقتل کے سرخ پھولوں کا سہرا سجے ہوئے
آئے ہو ماں کے سامنے دولہا بنے ہوئے

اکبرؑ کھڑی ہیں ثانیِ زہراؑ، اٹھو اٹھو دیکھو خفا نہ ہوں پھوپھی امّاں، پکار لو
کب جاؤ گے مدینے مرے مہ لقا کہو صغریٰؑ کو اپنے ہاتھ کی تحریر بھیج دو
اس کو وہی سمجھتا ہے جس کو تمیز ہے
بھائی بہن کا پیار تو انمول چیز ہے

بیٹا، اگر بہن کو یہ معلوم ہو گیا تھا جس کا انتظار وہ بھائی نہیں رہا
انصاف سے بتاؤ قیامت نہ ہو گی کیا اے لال کس طرح وہ سنے گی یہ ماجرا
غم سے تڑپ تڑپ کے گزر جائے گی بہن
بیٹا' عجب نہیں ہے کہ مر جائے گی بہن

ہو جس بہن کو بھائی کے سہرے کی آرزو وہ کیا سنے گی بھائی کے مرنے کی گفتگو
ماں دیکھتی ہے زخموں سے بہتا ہوا لہو بیٹا یہ زخم ہیں کہ بہاروں کی آبرو
وہ حادثہ ہوا کہ جگر چاک ہو گیا
اے لال، منتوں کا چمن خاک ہو گیا

اکبرؑ پکارتی ہے سکینہؑ جواب دو بیٹھے ہوئے ہیں شاہِ مدینہ جواب دو
کیا یہ ہے گفتگو کا قرینہ، جواب دو پھٹنے لگا ہے اب مرا سینہ جواب دو
ننھی سی جان تشنہ لبی سے فگار ہے
اصغرؑ کو پیار کر لو، بہت بے قرار ہے

اکبرؑ غریب باپ کی نصرت کرے گا کون زہراؑ کے لاڈلے کی حمایت کرے گا کون
اب عالمِ جہاد میں سبقت کرے گا کون بیٹا کہو ہماری حفاظت کرے گا کون
دشمن جو طوق لائیں گے سجادؑ کیلئے
پھر ہم کسے بلائیں گے امداد کیلئے

لیلیٰؑ کے اس بیان پہ اُٹھے شہِ انامؑ پھر اپنے بازوؤں پہ لیا اپنا لالہ فام
بے ہوش خاک پر ہوئی زینبؑ خجستہ کام بہنوں نے آنسوؤں سے کیا بھائی کو سلام
میّت لیے ہوئے شہِؑ صفدر چلے گئے
ماں دیکھتی رہی علی اکبرؑ چلے گئے

قیصرؔ تری حیات ہیں یہ آنسوؤں کے پھول — سینے میں دل ہے جیسے عزا خانۂ بتولؑ
حق سے دعا یہ مانگ کہ اے خالقِ رسولؐ — یہ مرثیہ شبیہِ پیمبرؐ کریں قبول
بزمِ جہاں میں حرمتِ اہلِ عزا رہے
ہر شاعرِ حسینؑ کا دامن بھرا رہے

◆◆

عرفانِ حیات

(حضرت حُرؑ کی سیرت اور کربلا میں شہادت)

۱۰۸ بند۔ ۱۹۷۱ء

◆◆

maablib.org

❖❖

بولی تقدیر، اسے کہتے ہیں عرفانِ حیات
اس طرح کرتے ہیں جاگیر خیابانِ حیات
اب تفاخر سے لکھیں گے یہ سخندانِ حیات
حُرؓ کی تدبیر ہے زیبائشِ ایوانِ حیات
ذکر جب ہو گا حقیقت کے پرستاروں میں
حُرؓ کا نام آئے گا اسلام کے معماروں میں

❖❖

عرفانِ حیات

فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں
غم کی تہذیب سے فطرت کو سجاتا ہوں میں
دل کے سورج سے نئے پھول کھلاتا ہوں میں
صحنِ تخلیق اُجالوں سے بساتا ہوں میں
خون روتا ہوں تو کانٹوں کو ہنسانے کیلئے
درد کی دھوپ میں جلتا ہوں زمانے کیلئے

یوں برستا ہے مری سوچ کا بادل اکثر
جس طرح سوکھے ہوئے کھیت پہ دہقاں کی نظر
یوں مرا شعلۂ احساس دکھاتا ہے اثر
جیسے بستی میں بھرے گھر کے اجڑنے کی خبر
اپنے دشمن کو بھی جینے کی دعا دیتا ہوں
کوئی مظلوم ہو، سینے سے لگا لیتا ہوں

شمع ہوں جلوہ خصالوں سے محبت ہے مجھے
پھول ہوں تازہ نہالوں سے محبت ہے مجھے
جملہ پاکیزہ خیالوں سے محبت ہے مجھے
میں اُجالا ہوں اُجالوں سے محبت ہے مجھے
دشمنِ جذبۂ تخریب ہوں، تعمیری ہوں
آدمیت مرا ایمان ہے شبیری ہوں

ذہن کی جھیل میں کھلتا ہے محبت کا کنول　　جیسے آکاش کے ہاتھوں میں سنہری مشعل
پردۂ چشم سناتا ہے مودّت کی غزل　　جس طرح صبح کے شانوں پہ گلابی آنچل
یوں تڑپتی ہے زباں، مدح طرازی کے لیے
منتظر جیسے شبِ قدر نمازی کے لیے

میں کمالات کا دلدادہ ہوں، شہرت کا نہیں　　میں حقیقت کا پجاری ہوں عقیدت کا نہیں
میں تجلّی کا طلبگار ہوں ظلمت کا نہیں　　میں محبت کا تو قائل ہوں سیاست کا نہیں
تلخ گفتار ہو اور شہد بیانی سمجھوں
غیر ممکن ہے کہ میں زہر کو پانی سمجھوں

لوگ دیوار پہ لٹکاتے ہیں تصویرِ حرم　　حُرمتِ اہلِ حرم ہے مرے سینے پہ رقم
لوگ ظاہر کو سمجھتے ہیں اطاعت کا بھرم　　میں نے باطن کو بنایا ہے وفا کا پرچم
لوگ بنتے ہیں مقدر میں سکندر کی طرح
عالمِ زر ہے مرے پاس ابوذرؓ کی طرح

کوئی دیکھے تو سہی میری طبیعت کا چراغ　　جیسے حیدرؑ کی محبت میں ہو قنبرؓ کا دماغ
کھل رہا ہے عجب انداز سے جذبات کا باغ　　جیسے ہر لفظ ہو بیداری میثمؓ کا ایاغ
ڈال کر خاکِ شفا وقت کے رخساروں پر
آیتیں لکھتا ہوں نغمات کی دیواروں پر

میرے نغمات نہیں، فرض کی تحریریں ہیں　　زندگی کے لئے ایمان کی شمشیریں ہیں
شہرِ احساس کی منہ بولتی تصویریں ہیں　　راج کرتا ہے جہاں امن وہ جاگیریں ہیں
عزّتِ نفس کا ہر لفظ میں نظارہ ہے
میرا مفہوم نہیں، صبح کا نقارہ ہے

میرے جذبات زمانے میں اخوت کا رواج   میرے غمخوار تخیل میں ہے تقدیسِ مزاج
جانتا ہوں ابھی سمجھا نہیں بیمار سماج   میرے اشکوں میں بھی ہے زخمِ تعصب کا علاج
نسخۂ وحدتِ افکار رقم کرتا ہوں
کربلا والے مسیحاؤں کا دم بھرتا ہوں

دھوپ کے تیر، مسافر کا بدن، عزم کی راہ   راہ کی ریت پہ شعلوں کا خیالِ جانکاہ
رُخ پہ معصوم ضیا، سَر پہ قیادت کی کلاہ   خنجر و دار سے وابستگی، منزل پہ نگاہ
ایسی صورت جو کوئی دل میں اُتر جاتی ہے
مجھ کو انسان کی معراج نظر آتی ہے

محوِ راحت ہوں کبھی سایۂ طوبا کی طرح   مضطرب ہوں کبھی سوکھے ہوئے دریا کی طرح
سانس لیتا ہوں گرفتارِ تمنا کی طرح   میں کبھی صورتِ گلشن، کبھی صحرا کی طرح
کبھی توحید کے پھولوں سے سکوں پاتا ہوں
کبھی اسلام کی تاریخ سے ڈر جاتا ہوں

چاہتا ہوں رُخِ دوراں سے ہٹا دوں وہ نقاب   جس کی بیداد سے تہذیبِ بشر ہے نایاب
چاہتا ہوں کہ ملے ایسی اخوت کا نصاب   جس کی تاثیر ہو مخلوقِ الٰہی کا شباب
کاش، انسان یہ اندازِ نظر پا جائے
صُبح کا بُھولا ہوا، شام کو گھر آ جائے

ہیں ستاروں کی طرح آدمؑ و حوّاؑ کے چراغ   اپنی خلقت میں پیا سب نے تجلّی کا ایاغ
سوچتا ہوں کہ لٹا کس لئے تہذیب کا باغ   کیوں مقدر رہا ناسازیِ ماحول کا داغ
ذہنیت وحشتِ افکار سے کیوں زخمی ہے
آج مذہب نہیں، کردار کی بدنظمی ہے

جھوٹ سے بیر بھی اور سچ سے محبت بھی نہیں ۔۔۔ کفر سے دور بھی اور دین سے اُلفت بھی نہیں
شوقِ انصاف بھی ظالم سے عداوت بھی نہیں ۔۔۔ خواہشِ امن بھی اور جنگ سے نفرت بھی نہیں
یہ خرد سوزی و آشفتہ مزاجی کیا ہے
میں سمجھتا ہوں ابھی ذوقِ نظر رُسوا ہے

زندگی کیا ہے زمانہ ابھی سمجھا ہی نہیں ۔۔۔ ذہن اُلجھے ہوئے ماحول سے نکلا ہی نہیں
حُسنِ کردار ہے کیا چیز یہ سوچا ہی نہیں ۔۔۔ آدمی کو ابھی جینے کی تمنا ہی نہیں
اندھی تقلید کے طوفاں میں سفر جاری ہے
دجلۂ وہم میں خود مرنے کی تیاری ہے

زندگی رات کے تاریک سمندر کا سفر ۔۔۔ ہر نفس خوف کی بپھری ہوئی موجوں کا بھنور
جب گراتا ہے کوئی تلخ نوا کا پتھر ۔۔۔ زخم لگتا ہے مری طبع کے آئینے پر
رسمِ نو ڈال کے ساحل کے طلبگاروں میں
روشنی بھرتا ہوں افکار کے پتواروں میں

زندگی ہوش کا عالم بھی ہے، مدہوشی بھی ۔۔۔ زندگی جراَتِ بے باک بھی روپوشی بھی
جذبۂ لطف بھی ہے، فکرِ ستم کوشی بھی ۔۔۔ زندگی عظمتِ سجدہ بھی ہے مَے نوشی بھی
مہِ کنعاں بھی ہے اور مصر کا بازار بھی ہے
زندگی عہدِ محبت بھی ہے تلوار بھی ہے

زندگی لذّتِ ساحل بھی غمِ طوفاں بھی ۔۔۔ زندگی ناؤ بھی گردابِ اجل ساماں بھی
راحتِ روح بھی زنجیرِ بلائے جاں بھی ۔۔۔ زندگی صبحِ گلستان بھی شبِ زنداں بھی
کہیں مظلوم کو شمشیرِ بیاں دیتی ہے
کہیں قرآن کا لہو کر کے اذاں دیتی ہے

زندگی چہرۂ گیتی پہ صبا کا جھومر زندگی دستِ صبا پر ہے قیامت کا شرر
زندگی دامنِ ماحول میں عزّت کا گُہر زندگی اِک بھرے بازار میں خونیں منظر
زندگی جس میں غریبوں کو اماں دی جائے
زندگی وہ جو یتیموں کا لہو پی جائے

زندگی اصل میں شبنم بھی ہے انگارہ بھی زندگی نور بھی ہے خون کا فوارّہ بھی
زندگی جام بھی ہے شیشۂ صد پارہ بھی زندگی خلد بھی ہے قبر کا گہوارہ بھی
کیفِ انعام بھی ہے، رنجشِ الزام بھی ہے
زندگی پیار کا لہجہ بھی ہے دشنام بھی ہے

زندگی روشنی و برق و نجوم و مہتاب زندگی ابرق و دیبا و حریر و کمخواب
زندگی کیفیتِ نرگس و ریحان و گلاب زندگی سرخوشیِ و ساغر و مینا و شراب
سلجھی تحریر بھی اُلجھی ہوئی تقریر بھی ہے
زندگی روح بھی ہے کاغذی تصویر بھی ہے

زندگی نورِ کرم، خُلقِ محمدؐ کی سحر زندگی بولہبیت کا اندھیرا یکسر
زندگی درسِ وفا عزّتِ عالم کی سپر زندگی پنجۂ وحشت میں چمکتا خنجر
اک طرف امن ہے اور عدل کا مینارہ ہے
اک طرف لاشۂ حمزہؓ پہ جگر خوارہ ہے

زندگی صُلح کے انداز میں تحریرِ حسنؑ زندگی شدّتِ تخریب چمن، عہد شکن
زندگی غیرتِ حق، حافظِ ناموسِ وطن زندگی جنگ و جدل تیر و تبر دار و رسن
اک طرف حُسنِ بیاں، حُسنِ تکلّم کی طرح
اک طرف، خون کی ہولی پہ تبسّم کی طرح

زندگی ایک حقیقت بھی ہے افسانہ بھی   زندگی، صحن حرم بھی ہے صنم خانہ بھی
دورِ تسبیح بھی اور گردشِ پیمانہ بھی   زندگی عقل بھی ہے فطرتِ دیوانہ بھی
ہو بلندی پہ تو مظلوم کا انکار بھی ہے
پست ہو جائے تو پھر شام کا دربار بھی ہے

زندگی، بیکس و مجبور کے دل کی آواز   زندگی ظالم و جابر کے لئے نخوت و ناز
زندگی معنیِ تسلیم و رضا، سوز و گداز   زندگی مقتلِ غربت میں کہیں فتح کا ساز
کہیں بچوں کو جلے گھر پہ سُلا دیتی ہے
کہیں بیمار کو دُرّوں کی سزا دیتی ہے

زندگی ظرف پہ آئے تو سمندر ٹھہرے   کم نظر ہو تو ابوجہل سے کمتر ٹھہرے
جلوہ پاشی میں نصیب شہِ خاور ٹھہرے   غرق ہو جائے تو فرعون کا لشکر ٹھہرے
روسیاہی میں یزیدِ اُموی کہلائے
سُرخرو ہو تو حسینؑ ابنِ علیؑ کہلائے

زندگی پیار ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں   یہ حقیقت جو نہیں ہے تو حیا کچھ بھی نہیں
خود نمائی سے بغل گیر انا کچھ بھی نہیں   جُرم ہو جس کی عبادت وہ خدا کچھ بھی نہیں
یہ صدا آج بھی آتی ہے محرم کی طرح
زندگی چاہیے شبیرؑ کے ماتم کی طرح

ذوقِ ایثار میں پانی کو ترسنے کی قسم   پیاس کے ابر کا ساحل پہ برسنا ہے ستم
خشک ہونٹوں کی عبارت نے دیا زورِ قلم   کون بھولے گا شرافت کے بہتر آدم
ردِّ ظلمت کی جو تحریک جنم پائے گی
زندگی جلوۂ شبیرؑ میں ڈھل جائے گی

ہو گا جس وقت بھی مجروح وقارِ انساں
یاد آئے گا محمدؐ کے نواسے کا بیاں
پھیل جائے گا جہاں جبرِ حکومت کا دھواں
زندگی جراءتِ شبیرؑ میں پائے گی اماں
کوئی سرمایہ و طاقت پہ جو اِترائے گا
نامِ شبیرؑ کی تلوار سے کٹ جائے گا

ہم نفس، یاد ہے پیاسوں کا جہادِ اکبر
جس کے صدقے میں ملی زندگیِ فکر و نظر
کربلا میں نظر آتا ہے انوکھا منظر
مثلِ آیات مُصلّوں پہ حُسینؑ صفدر
بے حیا شامیوں میں حرص و ہوا کی باتیں
اور شبیرؑ کے بندوں میں خدا کی باتیں

ایسے بندے کسی تاریخ میں دیکھے ہی نہیں
وادیِ موت میں پھولوں کی طرح جن کی جبیں
دیکھ سکتی نہیں اب چشمِ فلک، چشمِ زمیں
ایسے بندے جو عبادت میں امامت کا یقیں
عزمِ شبیرؑ کی منہ بولتی تصویریں تھے
بخدا سورۂ والعصر کی تفسیریں تھے

بھوک اور پیاس کی شدت تھی پہ شکوے نہ گلے
گل ہوئی شمع تو وہ ماہ و نجوم اور کھلے
حشر میں دیگا خدا اُن کو وفاؤں کے صلے
انتہا یہ کہ محمدؐ کو بھی ایسے نہ ملے
جہاں اُلفت کے شہیدوں پہ سلام آئے گا
وہاں شبیرؑ کے انصار کا نام آئے گا

ایسے انصار جنہیں دین کی جاگیر کہوں
جن کے ایمان کو اسلام کی شمشیر کہوں
ایسے انصار جنہیں صبح کی تنویر کہوں
جن کے کردار کو انسان کی تقدیر کہوں
سوئے جنّت گئے زینبؑ کی دعائیں لے کر
فاطمہؑ آج بھی روتی ہے بلائیں لے کر

کہہ رہا ہے شبِ عاشورہ کا دامن اب تک   میرا مقسوم بنی حُرؓ کے مقدر کی مہک
جس پہ قربان ہوئے جن و بشر حور و ملک   دفعتہً فیصلۂ حُرؓ نے دکھائی وہ چمک
نار سے نُور کی دُوری کا جو اندازہ تھا
ایک ہی جست میں فردوس کا دروازہ تھا

کون کہہ سکتا ہے بیتابیِ حُرؓ کا عالم   رات بھر خون بہاتی رہی چشمِ پُرنم
ہر نفس کاٹ رہا تھا یہ خیالِ پیہم   ہائے میں گھیر کے لایا ہوں محمدؐ کے حرم
کبھی کہتا تھا یہ داغ اب نہیں جانے والے
آج پیاسے ہیں، مجھے پانی پلانے والے

زخم بنتا تھا جو بہتے ہوئے دریا کا خیال   انگلیاں کاٹ کے دانتوں سے یہ کرتا تھا سوال
خشک ہوتے ہیں مرے ہاتھ سے زہراؑ کے نہال   میں ہوں جس نے شہِ والا کو دیے رنج و ملال
لائقِ دار ہوں، مجرم ہوں، خطاوار ہوں میں
جس کو اللہ نہ بخشے وہ گنہگار ہوں میں

ہائے افسوس، مرے ہونٹوں پہ آئے پانی   اور کونین کا سردار نہ پائے پانی
کیا قیامت ہے زمانہ تو بہائے پانی   اور اللہ کے پیاروں میں نہ جائے پانی
یہ حقائق دلِ حُرؓ کیلئے انگارے ہیں
تشنہ لب ساقیِ کوثر کے جگر پارے ہیں

کبھی فرزند سے کہتا تھا کہ اے نورِ نظر   زندگی آج ہے تقدیر کے دوراہے پر
اک طرف شام کا دربار ہے اور خلعت و زر   اک طرف تشنہ لبی اور محمدؐ کا پسر
یہاں ابلیس کا اصرار ہے راحت کیلئے
وہاں قرآن بلاتا ہے شہادت کیلئے

بھائیوں سے کبھی کہتا تھا، اُٹھو جلد اُٹھو   میں تو مظلوم کی نصرت کو چلا تم بھی چلو
سامنے گلشنِ جنت ہے نہ تاخیر کرو   جام پینا ہے تو اب ساقیِ کوثر سے پیو
قدمِ رحمتِ کونین پہ جب سر ہو گا
فخرِ سلمانؓ ہمارا بھی مقدر ہو گا

کبھی تلوار کے قبضے سے یہ کرتا تھا کلام   اب تری قوتِ رفتار ہے اور لشکرِ شام
حُرؓ کو ملنے دے غلامیِ امام ابنِ امامؑ   تو بھی سب سے مقدم ہو شہادت میں مقام
میرے مولاؑ کے مقابل جو ستمگر ہوں گے
سب سے پہلے سرِ میداں ترے جوہر ہوں گے

آستینوں کو الٹتے ہوئے کہتا تھا کبھی   کس کی ہمت ہے جو دیکھے طرف ابنِ علیؑ
پسرِ سعد مرے سامنے آئے تو سہی   وہ سزا دوں کہ نکل جائے ستمگر کی خودی
ساری دنیائے تکبر تہ و بالا کر دوں
خونِ منحوس سے ابلیس کا پیالہ بھر دوں

کبھی ڈالی جو رسالے کی قیادت پہ نگاہ   کہا لاحولِ وَلا قوۃ اِلاّ باللہ
وہ بھی ہے کوئی شرف جس کا تصور ہو گناہ   کہاں دنیائے عدالت کہاں ظالم کی سپاہ
جس سے صیاد کو ڈر لگتا ہو وہ صَید رہے
نام ماں باپ نے حُرؓ رکھا ہو اور قید رہے

کثرتِ لشکرِ بدخواہ پہ ڈالی جو نظر   یا علیؑ، یا اسداللہ لکھا سینے پر
اس طرح ذہن کے پردے سے مٹے خوف و خطر   جیسے عباسؑ کا نام آئے تو دریا ہو جگر
کہا یہ دشمنِ حق آہوئے صحرائی ہیں
میری تلوار سے دوزخ کے تمنائی ہیں

کیفیاتِ حُرِّ غازی پہ یہ کہتا ہے قلم — عزّتِ عشق تھا پروانۂ قندیلِ حرم
جذبِ اُلفت کی وہ تصویر وہ حُرؒ کا عالم — جس کی تائید میں بیجا نہیں قرآں کی قسم
اشک آنکھوں میں بھرے، سوئے نجف دیکھتا تھا
کبھی مظلوم کے خیموں کی طرف دیکھتا تھا

اُس طرف صبح کی چادر پہ نگاہِ شبیرؑ — اِس طرف حُرؒ کی نگاہوں میں مقدر کی لکیر
اُس طرف اکبرؑ مہرو کے لبوں پر تکبیر — اِس طرف حُرؒ کے قدم اور شکستِ زنجیر
اُس طرف سجدے میں ایک ایک دلاور آیا
اِس طرف حُرِّ جری خیمے سے باہر آیا

یا علیؑ کہہ کے جو غازی نے سنبھالا رہوار — وقت پر ہو گئے فرزند و برادر تیار
اُبھرے چہروں پہ شجاعت کے نرالے آثار — گردِ پاپوش ہوا خدمتِ شاہی کا غبار
دل جو بیتاب تھے اعزازِ دوامی کیلئے
جھک گئی دولتِ کونین سلامی کیلئے

دونوں پہلو میں نگاہوں کی طرح تھے بھائی — بیچ میں نورِ وفا دونوں طرف شیدائی
پُشت پر چاند سے بیٹے کی جمال آرائی — پھر نہ دیکھی کسی تصویر میں یہ زیبائی
صبح کے نقرئی دامن کی جھلک بھول گیا
آسماں اپنے ستاروں کی چمک بھول گیا

سب سے پیچھے وہ ادب ساز، وفا کیش غلام — دل سے کہتا تھا مقدر ہوا توحید کا جام
اپنے آقا کی طرح میں بھی چلا سوئے امامؑ — جو کسی نے نہیں پایا وہ ملے گا انعام
نور کہلاؤں گا تہذیب کے ایوانوں میں
میرا نام آئے گا شبیرؑ کے پروانوں میں

ناگہاں پھوٹ گئے صبحِ الم کے چھالے درد پیہم سے بھرے قلب ونظر کے پیالے
آئے جنبش میں جو تقدیر بدلنے والے پڑ گئے قوتِ باطل کی زباں میں تالے
حق پکارا، یہ حقیقت کے نظارے دیکھو
جن کو خورشید بلاتا ہے وہ تارے دیکھو

حُرؑ نے گھوڑے کو ذرا آگے بڑھا کر یہ کہا شام والو! مرا شاہینِ خرد جاگ اُٹھا
دل کی بستی میں ہوئی آلِ محمدؐ کی ضیا تم کو خاموش، مجھے بولتا قرآن ملا
اب نہ کہنا سپہِ شام کا افسر ہوں میں
آج سے فاطمہؑ کے لال کا نوکر ہوں میں

شام والو، تمہیں معلوم ہے، کیا ہیں شبیرؑ دین کہتے ہو جسے اُس کی بقا ہیں شبیرؑ
آج اسلام کے زخموں کی دوا ہیں شبیرؑ کل سرِ حشر شفیعِ دوسرا ہیں شبیرؑ
کلمہ پڑھتے ہو جن کا وہ انہیں کے جد ہیں
آج شبیرؑ زمانے کے لیے احمدؐ ہیں

کس میں ہمت تھی جو دیتا حُرؑ غازی کو جواب محوِ پرواز ہوئے عرصۂ جرأت کے عقاب
بولی تقدیر، وہ جاتے ہیں محبت کے سحاب رہ گیا اپنا سا منہ لے کے یزیدی سیلاب
اپنے مرکز کی طرف عاشقِ جانباز چلے
ناز بردار کے برتے پہ بصد ناز چلے

راہ میں کہتا تھا حُرؑ شکرِ خداوندِ قدیر میری تقدیر پہ غالب ہوئی میری تدبیر
شکر ہے ٹوٹ گئی مکر و دغا کی زنجیر کاش اب میری خطاؤں کو بھلا دیں شبیرؑ
جا رہا ہوں پسرِ رحمتِ کونینؐ کے پاس
چین آئے گا مجھے فاطمہؑ کے چین کے پاس

اُس طرف بھائی سے سلطانِ دو عالم نے کہا　　دیکھو عباسؑ وہ آتا ہے ہمارا شیدا
پیشوائی کو بڑھیں چند قدم سب رُفقا　　اپنے مہمان کو لازم ہے ہوائے طوبا
جاؤ حُرؓ آتا ہے سینے سے لگاؤ، بھیا
سایۂ پرچمِ توحید میں لاؤ بھیا

حُکم سنتے ہیں پرا باندھ کے انصار بڑھے　　کچھ قدم آلِ محمدؐ کے طرف دار بڑھے
عونؑ ذیجاہ بڑھے اکبرؑ جرّار بڑھے　　سب سے آگے پسرِ حیدرؑ کرار بڑھے
مل گیا پرچمِ توحید کا سایا حُرؓ کو
پہلے عباسؑ نے چھاتی سے لگایا حُرؓ کو

حُرؓ کے ہاتھوں کی طرف دیکھ کے بولے عباسؑ　　ہاتھ رومال سے کیوں باندھے ہیں اے نیک اساس
اب تو جانا ہے تجھے سرورِ اسلام کے پاس　　اب نہ تقصیر ہے کوئی نہ کوئی خوف و ہراس
میں نے اُن کیلئے سینے سے لگایا ہے تجھے
میرے آقاؑ نے محبت سے بلایا ہے تجھے

الغرض فاطمہؑ کے چاند کو دیکھا حُرؓ نے　　نور پایا تو کیا شکر کا سجدہ حُرؓ نے
بہرِ تسلیم جو ہاتھوں کو اُٹھایا حُرؓ نے　　پا لیا اپنے مقدر کا سویرا حُرؓ نے
پرچمِ مہر اُدھر چرخِ کہن نے کھولا
حُرؓ کے ہاتھوں کو اِدھر شاہِؑ زمن نے کھولا

ہاتھ کھولے تو محبت سے کہا، اے بھائی　　تو عجب وقت پہ مہمان ہوا اے بھائی
کیا تجھے پیش کروں آب و غذا اے بھائی　　بھوکے پیاسے ہیں مرے سب رفقا اے بھائی
عالمِ رنج و مصیبت ہے بھرے گھر کے لیے
اب تو ملتا نہیں پانی علی اصغرؑ کے لیے

تو مرے پاس مدینے میں جو آتا اے حُرؓ   آج شرمندہ نہ ہوتا دلِ زہراؑ اے حُرؓ
اس بیاباں میں مدارات کروں کیا اے حُرؓ   سارا عالم ہے مرے خون کا پیاسا اے حُر
چند ساعت میں یہ سرکار بھی لٹ جائے گی
عصر کے بعد بہن بھائی سے چھٹ جائے گی

عرض کی حُرؓ نے کہ یا صاحبِ الطاف و کرم   آپ ہیں حُسنِ ازل آپ ہیں تقدیرِ اُمم
آج بندے کو دیا آپ نے وہ جاہ و حشم   ساری دنیا ہو زر و سیم تو اُٹھیں نہ قدم
یہ بھی کیا کم ہے کہ سینے سے لگایا مولاؑ
آپ نے مجھ کو جہنم سے بچایا مولاؑ

میں کہاں اور کہاں آپ کی درگاہِ عظیم   ساری دنیا میں ہیں اب آپ کریم ابنِ کریم
آپ کے دم سے ملی دینِ خدا کی تعلیم   میں خطا کار ہوں اور آپ رحیم ابنِ رحیم
آپؑ ہیں خاتمِ قدرت کا نگینہ مولاؑ
آپؑ کے دم سے یہ صحرا ہے مدینہ مولاؑ

آپ ہی احسنِ تقویم ہیں، انساں کی قسم   آپ ہی مقصدِ آیات ہیں قرآں کی قسم
روشنی آپ سے ہے مہرِ درخشاں کی قسم   آپ ہی قدرِ سلیمانؑ ہیں سلیمانؑ کی قسم
آپ کی بات میں ہر بات ہے اور کچھ بھی نہیں
سلطنت آپ کی خیرات ہے اور کچھ بھی نہیں

آپ چاہیں تو ابھی قہرِ مشیّت آئے   بارشِ سنگ، ابابیل کی صورت آئے
لے کے سیلابِ فنا نوحؑ کی ہجرت آئے   آپ چاہیں تو اسی وقت قیامت آئے
خطۂ ارض اُلٹ جائے سفینے کی طرح
آسماں ٹوٹ کے گر جائے نگینے کی طرح

گفتگو شاہ سے کرتا تھا حُرِّ خوش انجام ناگہاں خیمے سے فضہ نے سنایا پیغام
یا امامِ دوجہاں، رُوحِ نبیؐ، شاہِ انام دیجئے حُرؓ کو محمدؐ کی نواسی کا سلام
اس مصیبت میں جو سادات کا شیدائی ہے
بخدا دخترِ زہراؑ کے لئے بھائی ہے

حُرؓ نے فضہؓ کے یہ جملے جو سنے تھرّایا رُخ پہ اشکوں کی جگہ خونِ جگر ٹپکایا
مار کر منہ پہ طمانچے یہ زباں پر لایا ہائے شہزادیِ تطہیر پہ کیا وقت آیا
آسماں وارثِ قرآں کو کہاں لایا ہے
اب غلاموں پہ بھی زینبؑ کا سلام آیا ہے

دفعتہً فوجِ ستمگار سے آیا اک تیر دیکھ کر خیمۂ ناموس کو اٹھے شبیرؑ
حُرؓ سے فرمایا لڑائی پہ تُلے ہیں بے پیر جنگ چھڑنے کو ہے میدان میں آئے ہیں شریر
خاطرِ دوست کا سامان مقدّر نہ ہوا
میرے مہماں کو بھی آرام میسّر نہ ہوا

جنگ کا نام سنا حُرؓ نے تو بدلے تیور سُرخ آنکھیں ہوئیں گلزارِ شجاعت بن کر
انقلاب آ گیا پلکوں پہ بشکلِ خنجر ہر نفس تیز ہوا ہاتھ گیا قبضے پر
حق پہ لڑنے کیلئے جملہ ادائیں لے لیں
حُرؓ نے انگڑائی لی، فطرت نے بلائیں لے لیں

رنگ چہرے کا جو نکھرا تو شفق جھوم اٹھی ہوئیں استادہ رگیں خون کی بجلی دوڑی
حُرؓ کے پہلو میں جو موجود تھے عباسؑ جری بازوؤں پر یدِ قدرت نے لکھا نادِ علیؑ
آرزو تھی صفِ اعدا میں دہائی کیلئے
اختیارِ علی اکبرؑ تھا کلائی کیلئے

شعلۂ غیظ بنی طبلِ وغا کی آواز　　دل کی دھڑکن سے ملا نصرتِ مظلوم کا ساز
ہونٹ دانتوں سے دبائے تو یہ بولا انداز　　مل گیا ''فارسِ میدانِ تہوّر'' کا جواز
انگلیاں تیغ کے ڈورے سے لپٹ جاتی تھیں
پتلیاں کوفے کے دربار سے ٹکراتی تھیں

عالمِ جوش میں خاموش تکلّم تھا عجیب　　کبھی تصویرِ زہیرؓ اور کبھی تصویرِ حبیبؓ
پیاسے بچوں کا خیال آیا تو دریا تھا قریب　　روح کہتی تھی ابھی رن کی اجازت ہو نصیب
کون مجھ کو مرے پیکر سے جدائی دے گا
بعد صدیوں کے بھی مرقد سے لہو بولے گا

شدّتِ ولولۂ جنگ سے ہو کر مجبور　　گر پڑا جانِ پیمبرؐ کے قدم پر وہ غیور
کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے کہا، میرے حضورؐ　　اب تو اک پل بھی جیوں یہ نہیں مجھ کو منظور
حسرتِ قلب ہے پوشاکِ شہادت مولاؑ
اس گنہگار کو مل جائے اجازت مولاؑ

میں تصدّق، مرے فرزند و برادر قرباں　　ہر نفس آپ کے عبائی کے سر پر قرباں
آپ اسلام پہ کرتے ہیں بھرا گھر قرباں　　زندگی آپ پہ تا عرصۂ محشر قرباں
آپ دو روز سے پیاسے ہیں اصولوں کیلئے
ہر نظر نہر بنے آپ کے پھولوں کیلئے

آپ کے در سے غلاموں کو ملی آقائی　　آپ کی چشمِ عطا ہے جو یہاں تک لائی
یوں تو پہلے سے ہے مولاؑ کی کرم فرمائی　　آج بھی طالبِ توقیر ہے یہ شیدائی
سر کٹانے کی اجازت بھی عطا ہو جائے
اے شہنشاہ، یہ دولت بھی عطا ہو جائے

دونوں بازو سے اٹھا کر شہِ دیں نے یہ کہا　　اے مرے چاہنے والے تری اُلفت کے فدا
ابھی آیا تو ابھی رختِ سفر باندھ لیا　　کیا یہی رسمِ محبت ہے، یہی طورِ وفا
ہم بھی تیار ہیں، کچھ دیر ٹھہر کر جانا
تجھ کو جانا ہے تو بعدِ علی اکبرؑ جانا

نامِ اکبرؑ جو سنا چیخ کے رویا غازیؓ　　کہا مجھ کو مری قسمت نہ دکھائے یہ کبھی
جائے ہم شکلِ نبیؐ اور میرے جیتے جی　　ویسے مجبور ہوں میں جو شہِؑ دیں کی مرضی
ہاں مگر وقت جو تاریخ کو دہرائے گا
بے مروّت کا لقب حُرؓ کے لئے آئے گا

شانۂ حُرؓ پہ شہِؑ دیں نے رکھا دستِ کرم　　اور محبت سے کہا، اے مرے تابندہ حشم
دلِ شبیرؑ اٹھائے گا جدائی کا الم　　جا مرے شیر بُلاتے ہیں شہنشاہِ اُمم
جہاں مُسلمؑ ہیں اُسی قصرِ حسیں میں رہنا
جا مسافر چمنِ خُلدِ بریں میں رہنا

پائی خوشبوئے تمنا تو کِھلا دل کا گلاب　　حُرؓ کا چہرہ ہوا اسلام کی فصلِ شاداب
نیک فرزند بڑھا تھام لی گھوڑے کی رکاب　　اور بغل گیر ہوئے جملہ حسینیؑ احباب
پشتِ رہوار پہ جس وقت دلاور آیا
بولے عباسؑ وہ قسمت کا سکندر آیا

بعدِ تسلیم بہادر نے اڑایا راہوار　　بولے انصار، خدا حافظ و ناصر جرّار
جانِ مرکب ہوئی راکب کے اشاروں کی بہار　　بن گئی فرشِ قدم چشمِ نسیمِ گلزار
فاصلہ کاٹ کے دشمن کے برابر پہنچا
جذبۂ حُر کی طرح فوج کے سر پر پہنچا

تیغ لہرا کے رسالوں کو پکارا حُرؑ نے
بزدلو! پا لیا عزّت کا ستارا حُرؑ نے
آج تقدیر کو جی بھر کے سنوارا حُرؑ نے
دیکھ لو موڑ دیا کفر کا دھارا حُرؑ نے
میں نہ کہتا تھا شہِؑ دیں کی عنایت ہو گی
شامیو! اب مری جاگیر میں جنت ہو گی

ہاں کوئی طالب دوزخ ہے تو آگے آئے
جس میں ہمت ہے لڑائی کے ہنر دکھلائے
منتظر دیر سے ہیں موت کے گہرے سائے
ہاں کوئی ہے جو مرے ہاتھ کی لذت پائے
لے کے آئے کوئی فولاد کا دِل سینے میں
ہے قیامت کی دلھن تیغ کے آئینے میں

حوصلے پست ہیں کیوں آؤ یزیدی بندو
آج شبیرؑ کے بندے کی شجاعت دیکھو
کتنے پانی کے شناور ہو یہ معلوم تو ہو
شیخیاں مارتے رہتے تھے مگر اب بولو
سامنے آئیں پہاڑوں کو ہٹانے والے
اب کہاں چھپ گئے تلوار چلانے والے

میں تو کچھ بھی نہیں شبیرؑ نے جرأت دی ہے
ہمتیں جس پہ ہوں قربان وہ ہمت دی ہے
جام غیرت کا پلایا ہے حمیّت دی ہے
اور کیا چاہئے، اللہ کی نصرت دی ہے
فوجِ شبیرؑ کا ادنیٰ سا سپاہی ہوں مَیں
ہاں مگر شام کے لشکر کی تباہی ہوں مَیں

حُرؑ کے اس رعب تکلّم سے پڑی اک ہلچل
پہلوانوں کے تخیّل میں پھُنکا صُورِ اجل
نیزہ داروں نے تصور میں چکھا موت کا پھل
تیغ بازوں کو نظر آئی لہو کی فرغل
تیز انداز خیالوں میں اگر تیر ہوئے
سنگ باروں کے پرے موم کی زنجیر ہوئے

چہرۂ شیر پہ نظروں کی کمندیں جو پڑیں　　دہشت خوف کی شمشیر سے کٹ کٹ کے گریں
جن میں فولاد کی قوت تھی وہ باہیں نہ اٹھیں　　انتہا یہ ہے کہ سالار نے بغلیں جھانکیں
پسرِ سعد کی ہر بات تھی سرگوشی میں
ہر طرف ڈھال نظر آتی تھی روپوشی میں

بے حیا شمرِ ستمگر نے بالآخر یہ کہا　　کیوں بنِ سعد یہ بے جنگ تلاطم دیکھا
پورے لشکر میں دکھائی نہیں دیتا ایسا　　جس کے چہرے سے جھلکتے نہ ہوں آثار قضا
موت کی سمت نہ دانستہ بڑھے گا کوئی
اپنے ہاتھوں سے نہ سولی پہ چڑھے گا کوئی

اب تو لازم ہے رسالوں سے یہ کہہ دے بڑھ کر　　دفعتاً ٹوٹ پڑیں چار طرف سے حُرؓ پر
یہی اچھا ہے نہ دیں شیر کو فرصت دم بھر　　ورنہ پھر اپنی ہی گردن ہے اور اپنا خنجر
جان پیاری ہے تو غیرت کو مٹانا ہو گا
ایک کا خون ہزاروں کو بہانا ہو گا

شمر کے مشورۂ بد کا ہوا یہ انجام　　کھینچ لی ایک مجاہد پہ ہزاروں نے حسام
یوں درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا لشکرِ شام　　ہر مورخ نے لکھا ہو گئی غیرت نیلام
جنگ کرنے کے یہ انداز نرالے دیکھے
حملہ ور ایک سپاہی پہ رسالے دیکھے

پنجۂ حُرؓ میں بھی جنبش ہوئی چمکی تلوار　　گرمیِ جنگ بنی گرمیِ طبعِ جرار
فوجِ کم ظرف کے گھوڑوں نے اڑایا جو غبار　　مرکبِ ناصرِ شبیرؑ ہوا برق شعار
ایسے وابستہ ہوا دیدۂ اسوار کے ساتھ
جیسے تیزی میں قسم کھائی ہو تلوار کے ساتھ

پاس جس دم ستم و جور کی یلغار آئی حُرؒ کے بازو میں نئی قوتِ پیکار آئی
چار جانب سے جو تلوار پہ تلوار آئی مُستقل دور میں غازی کی طرحدار آئی
کہیں نیزے کہیں برچھے کہیں سَر گرتے تھے
جن کا سایہ تھا نحوست، وہ شجر گرتے تھے

پل جھپکنے میں ہوئی ایسی جھنا جھن پیدا جس کی تشبیہ لکھوں نغمۂ میدانِ وغا
دیکھتے دیکھتے یوں خون کا بادل برسا زندگی چیخ اُٹھی دیکھ کے رنگین فضا
اک اشارہ جو کیا خون کی غواصہ نے
گھونگرو باندھ لئے موت کی رقّاصہ نے

ڈھال کے ساتھ اڑے ہاتھ، جفاکار گرے دل کی پریاں ہوئیں آزاد، پرستار گرے
پسلیاں سینوں سے نکلیں تو کماندار گرے گردنیں خود میں الجھی رہیں، اسوار گرے
جشنِ ابلیس سے ملتی ہوئی سب کڑیاں تھیں
خوں کے فوارے نہ تھے کفر کی پھلجھڑیاں تھیں

تیغ کے دائرے میں جب کوئی سرکش آیا چرخ بھی آ گیا حیرت میں وہ چکر کھایا
اڑ گئے ہوش، بجز موت نہ رستہ پایا کہہ رہا تھا سرِ وحشی پہ یزیدی سایا
جان بچ جائے اب ایسے کوئی آثار نہیں
سورۂ جن کی تلاوت ہے یہ تلوار نہیں

حُرؒ کی تلوار نے ڈالی وہ دہائی، توبہ صاف کہتی تھی قیامت کی صفائی توبہ
کس نے یہ کیفیتِ جنگ دکھائی توبہ وہ جدا ہو گیا بازو، وہ کلائی توبہ
جس نے رفتار کو دیکھا وہ نظر غائب تھی
سر بچایا جو کسی نے تو کمر غائب تھی

زندگی کیسے فراموش کرے گی یہ وغا حُرؒ پہ قربان ہے تاریخِ شجاعت بخُدا
شیر تنہا تھا ہزاروں سے کہاں تک لڑتا جسم پر زخم تھے جیسے کوئی پھولوں کی قبا
فصلِ ایماں تھی جو تکمیل پہ لہرائی تھی
عشقِ شبیرؑ کے گلشن میں بہار آئی تھی

بہہ گیا خون رگوں سے تو نقاہت آئی دیدۂ شوق میں تنویرِ شہادت آئی
اور جب خاک پہ سر رکھنے کی نوبت آئی زندگی سامنے شبیرؑ کی صورت آئی
سوئے جنت نگہِ قلب و جگر سے دیکھا
اپنے آقا کو تشکّر کی نظر سے دیکھا

اِس طرف اپنے مجاہد پہ تھی مولاؑ کی نظر چشم پُرآب تھے احساسِ الم سے سرور
اپنے زانو پہ رکھا پیار سے مہمان کا سَر خون چہرے سے کیا صاف، یہ جملے کہہ کر
آج تیرے لئے اعزاز بڑے ہیں، اے حُرؒ
میرے نانا ترے پہلو میں کھڑے ہیں اے حُرؒ

اَے مرے حُرؒ تجھے چھاتی سے لگاتے ہیں علیؑ ہاتھ رکھے ہیں ترے سر پہ حسنؑ میرے اخی
اے مرے شیر مبارک ہو حیاتِ ابدی ماں کی صورت تجھے دیتی ہیں دعا بنتِ نبیؐ
دیکھ تو کیا مرا اللہ دکھاتا ہے تجھے
بھائی کہہ کر مرا عباسؑ بلاتا ہے تجھے

اپنے مخدوم کی آواز پہ حُرؒ تھرآیا دل کا ارمان سخن بن کے لبوں پر آیا
عرض کی آپ نے خادم پہ کرم فرمایا میں کہاں اور کہاں روحِ نبیؐ کا سایا
تیر گردن میں جو پیوست ہے معذور ہوں میں
گفتگو کیسے کروں آپ سے، مجبور ہوں میں

تیر گردن سے حسینؑ ابنِ علیؑ نے کھینچا   تیر نکلا تو عجب درد کا منظر دیکھا
زخم سے صورتِ فوارّہ لہو بہنے لگا   باندھا مظلوم نے رومالِ بتولِ عذرا
سامنے خلد کو دیکھا تو جہاں چھوڑ دیا
حُرؑ نے آقا کی طرف دیکھ کے دم توڑ دیا

بولی تقدیر اسے کہتے ہیں عرفانِ حیات   اس طرح کرتے ہیں جاگیر خیابانِ حیات
اب تفاخر سے لکھیں گے یہ سخندانِ حیات   حُرؑ کی تدبیر ہے زیبائشِ ایوانِ حیات
ذکر جب ہو گا حقیقت کے پرستاروں میں
حُرؑ کا نام آئے گا اسلام کے معماروں میں

اپنے مہمان کی میّت کو لئے ہاتھوں پر   علی اکبرؑ کی طرف دیکھ کے بولے سرورؑ
جاؤ اپنی پھوپھی اماں سے کہو نورِ نظر   ماتمِ حُرؑ میں لُہو روتا ہے زہراؑ کا پسر
لاش انصار کے خیموں کی طرف لاتا ہوں
حُرؑ کا پرسہ مجھے سب دیں میں ابھی آتا ہوں

کہہ دو اکبرؑ مرا ہر پھول ہے خنجر کے لئے   حُرؑ بھی قربان ہوا آلِ پیمبرؐ کیلئے
روئیں ناموسِ نبیؐ یوں مرے یاور کیلئے   جس طرح بہنیں تڑپتی ہیں برادر کیلئے
جو مرے مونس و غمخوار پہ گریاں ہو گا
دخترِ احمدِؐ مختار پہ احساں ہو گا

کبھی عباسؑ سے فرماتے تھے، جاؤ بھائی   حُرؑ کے فرزند کو چھاتی سے لگاؤ بھائی
صفِ ماتم مرے ہمدم کی بچھاؤ بھائی   حُرؑ کے بھائی ہیں کہاں ان کو بلاؤ بھائی
غیریت کا مرے مہمانوں کو احساس نہ ہو
یہ تو جب سوچے کوئی جب مرا عباسؑ نہ ہو

کبھی کہتے تھے مرے عونؑ و محمدؑ ہیں کدھر حُرؓ کو نیند آئی ہے آواز دیں ماموں کہہ کر
کبھی قاسمؑ کو اشارہ تھا بڑھو اے دلبر میرے جانباز کو عمو تو کہو نورِ نظر
موت کی سمت جو ہنس ہنس کے رواں ہوتے ہیں
ایسے انسان زمانے میں کہاں ہوتے ہیں

لاش لے آئے جو انصار کے خیموں کے قریب خاک پہ بیٹھ گئے شاہِ رسالتؐ کے غریب
چہرۂ حُرؓ کی طرف دیکھ کے بولے یہ حبیبؓ اسے کہتے ہیں مقدر اسے کہیں ہیں نصیب
یوں سنورتے ہیں محبت میں سنورنے والے
اس طرح مرتے ہیں محبوب پہ مرنے والے

مل گئی خیمۂ اقدس میں جو زینبؑ کو خبر لاش مہمان کی لے آیا ہے زہراؑ کا پسر
محوِ گریہ ہوئی یہ کہہ کے صفِ ماتم پر دخترِ حیدرؑ کرار ہے حُرؓ کی خواہر
فرطِ غم چاہئے شبیرؑ کے فدیے کے لئے
لٹاں سر کھولے ہوئے آئی ہیں پُرسے کیلئے

گریۂ ثانیِ زہراؑ پہ ہوا یہ عالم جیسے شبیرؑ کے جنازے پہ ہوں سب اہلِ حرم
سر جھکائے ہوئے جب آئے شہنشاہِ اُمم درد میں ڈوب گئی اور فضائے پُرغم
خُلق اولادِ پیمبرؐ کا یہ منظر دیکھا
حُرؓ کے پرسے میں محمدؐ کا بھرا گھر دیکھا

اب زمانے کو یہ پیغام سنا دو قیصرؔ زندگی ہے وہی شبیرؑ ہو جس کا محور
سبق آموز ہے عاشورِ محرم کی سحر کاش انسان کرے فیصلۂ حُرؓ پہ نظر
دل سے جو اُسوۂ شبیرؑ پہ چل سکتا ہے
وہ مقدر کی لکیروں کو بدل سکتا ہے

◆◆

سبطینِ مرتضیٰؑ

(حضرت عونؑ اور حضرت محمدؑ کی میدانِ کربلا میں شہادت)

۶۳ بند ۔ ۱۹۷۷ء

❖❖

انسان کا وقار بچانے کے واسطے
سُفیانیت کا نام مٹانے کے واسطے
قرآں کو لازوال بنانے کے واسطے
اسلام کا چراغ جلانے کے واسطے
رنگِ حیات، درد کے خاکے میں بھر دیا
زینبؑ نے اپنی نسل کو قربان کر دیا

❖❖

سبطینِ مرتضیٰؑ

حیراں ہوں کیا فضائلِ زینبؑ رقم کروں
ممکن نہیں، خیال میں قرآں بہم کروں
کس طرح دو جہاں کو سپردِ قلم کروں
لازم ہے سر پہ نادِ علیؑ پڑھ کے دَم کروں
منظر میں بارگاہِ سخن پروری کھلے
جس وقت یا علیؑ کہوں، بارہ دری کھلے

مانگوں سخن کی بھیک' بھرے کاسۂ سخن
پاؤں عقیدتوں کے جواہر لگن لگن
مہکے نئی ادا سے خیالات کا چمن
موجِ بیاں پہ ناز کرے قلزمِ دہن
موتی لٹائے حُسنِ زباں گفتگو بڑھے
سجدہ درِ بتولؑ پہ ہو آبرو بڑھے

مضموں ہو عطر بار، کھلے ذہن کا گلاب
عہدآفریں ہو مدح کے پھولوں کا انتخاب
مجھ کو ملے جو صدقۂ باغِ ابوترابؑ
لفظوں کی شاخ شاخ نظر آئے آفتاب
آئے صدا' فضائلِ زینبؑ کی شان پر
یہ نظم پڑھ رہے ہیں ملک آسمان پر

خوشبوئے اِنمّا سے ملے جدّتِ کلام گلزارِ ہل اَتیٰ میں رہے فکر کا نظام
پیشِ نظر ہو آیۂ تطہیر کا پیام قرآں پڑھے شعور مدینہ سے تا بہ شام
مدحت ہو بنتِ فاتحِ بدر و حنین کی
حاصل ہوں کربلا سے دعائیں حسینؑ کی

مظلومِ کربلا کی دعاؤں کو چوم کر جبریلؑ ذہن کھول دے جوشِ ولا کے پر
سمٹے زمیں کا فرش، ملے سیّدہ کا گھر سجدے فرازِ عرش ہوں کہہ دے نظر نظر
منشائے کردگار کا قرآن آ گیا
کعبے کو جس پہ ناز وہ ایوان آ گیا

ایوانِ فاطمہؑ ہے ادب ہر نظر ادب قدرت کا آستاں ہے یہاں سر بسر ادب
چلا رہا ہے جلوۂ شمس و قمر ادب یہ بارگاہِ نور ہے نوعِ بشر ادب
آدم کا علم و فضل ہے جس کی پناہ میں
وہ بزمِ کبریا ہے اسی بارگاہ میں

بے شک یہ بارگاہ مشیّت نظام ہے اس گھر کی گفتگو میں خدا کا کلام ہے
کوئی یہاں رسولؐ ہے، کوئی امامؑ ہے اس گھر کے ہر نفس پہ درود و سلام ہے
سب اہلبیتؑ مظہرِ پروردگار ہیں
اس گھر میں جبریلؑ بھی خدمت گذار ہیں

ہے مرکزِ رضائے خدا فاطمہؑ کا گھر سنگِ درِ بتولؑ پہ ہے آسماں کا سَر
یہ بات کہہ رہا ہوں ستاروں سے پوچھ کر دالانِ فاطمہؑ ہے اُجالوں کا مستقر
حُسنِ تمام آلِ پیمبرؐ کی ذات ہے
کہتے ہیں جس کو نور اسی گھر کی بات ہے

تبلیغِ انبیاؑ کا ثمر اس مکاں میں ہے قانونِ کبریا کی سحر اس مکاں میں ہے
مستقبل جہاں کی خبر اس مکاں میں ہے علمِ نبیؐ کے شہر کا در اس مکاں میں ہے
معلوم ہو چکا ہے یہ پہلے امامؑ سے
کعبے میں در کھلا تھا اسی گھر کے نام سے

کہتی ہے آسماں سے درِ سیّدہ کی شان فخرِ ازل ہوں میں، مرا صدقہ ہے آسمان
شاہد ہے اس بیان پہ اللہ کا بیان ہے باعثِ وجودِ جہاں مصطفیٰؐ کی جان
تعمیرِ گلستاں ہے گلِ تر کے واسطے
لوح و قلم بنے ہیں اسی گھر کے واسطے

صحنِ بتولؑ میں ہے محمدؐ کی کائنات یہ کائنات مالک و مختار شش جہات
کیا قصۂ زمیں ہے تو کیا آسماں کی بات روشن یہاں تمام خدائی کے واقعات
راز آشنا جو کن فیکون کی زباں میں ہیں
وہ عالمانِ غیب اسی آستاں میں ہیں

زینبؑ کی زندگی ہے اسی گھر کی زندگی مادر ہیں فاطمہؑ تو پدر ہیں علیؑ ولی
زینبؑ نے آنکھیں کھول کے دیکھا رُخِ نبیؐ اسلام ہے چراغ تو زینبؑ ہیں روشنی
مثلِ دعائے نور، سکون و قرار ہیں
زینبؑ حقیقتوں کا مکمل حصار ہیں

زینبؑ نبوتوں کے گلستاں کی پاسباں زینبؑ اماموں کے قلمداں کی پاسباں
زینبؑ ہیں کائنات میں قرآں کی پاسباں زینبؑ دیارِ مذہب و ایماں کی پاسباں
ظاہر ہے زندگی کے مقدس پیام سے
توحید کا وقار ہے زینبؑ کے نام سے

زینب ہیں بھائیوں کی صداقت کا آئینہ　　زینبؑ ہیں ماں کے واسطے عصمت کا آئینہ
نانا کے بازوؤں پہ شریعت کا آئینہ　　زینبؑ ہیں اپنے باپ کی زینت کا آئینہ
مانندِ روح، دینِ خدا کے چمن میں ہیں
زینبؑ الگ نہیں ہیں دلِ پنجتنؑ میں ہیں

آنکھوں میں نورِ داورِ محشر لئے ہوئے　　منہ میں زبانِ ساقی کوثر لئے ہوئے
دل کے ورق پہ عزمِ پیمبرؐ لئے ہوئے　　سر پر لوائے حمد کی چادر لئے ہوئے
ہر طرح تاجدارِ صفاتِ جمیل ہیں
خیرالنساؑ کی شان پہ زینبؑ دلیل ہیں

زینبؑ تمام عظمتِ مریمؑ کی ترجماں　　زینبؑ تمام فکرِ خدیجہؑ کی داستاں
زینبؑ تمام صورتِ معصومہؑ جہاں　　زینبؑ تمام مصحفِ کردار کی زباں
عصمت کو جن پہ ناز وہ عصمت مآب ہیں
زینبؑ، فضیلتوں کی مکمل کتاب ہیں

انسانیت کے مطلعٔ انوار کی قسم　　قدرت کے آسماں پہ شفق زار کی قسم
قندیلِ مہر و ماہ کے اظہار کی قسم　　تصویرِ دو جہاں کے قلمکار کی قسم
زینبؑ دلِ رسولؐ میں ایمان کی طرح
زینبؑ خدا کے دیں میں ہیں قرآن کی طرح

حق ان پہ ہے نثار یہ حق پر نثار ہیں　　قرباں عبادتیں وہ عبادت گذار ہیں
طوفانِ سرکشی میں تحمل شعار ہیں　　خاموش انقلاب کی پروردگار ہیں
جرأت نہیں، حکایتِ صبر و رضا نہیں
زینبؑ نہیں تو معرکۂ کربلا نہیں

زینبؑ عمل کی راہ میں بیداریِ رُسلؑ شرعِ نبیؐ نہال، تو زینبؑ مثالِ گُل
زینبؑ سرِ ثبات ہیں آیت میں جیسے قُل ایمانِ کل علیؑ ہیں تو زینبؑ شعورِ کُل
خنجر سے تیز، شام کے خطبوں کی دھار ہے
زینبؑ کا عزم، عزمِ شہِ ذوالفقار ہے

حُسنِ شعور، حکمتِ قراں کہیں جسے پروازِ فکر، قوتِ یزداں کہیں جسے
عدلِ نگاہِ نور کی میزاں کہیں جسے اوجِ خیال عرش بداماں کہیں جسے
زہراؑ کی طرح باغِ مشیّت کا پھول ہیں
زینبؑ رسولؐ تو نہیں روحِ رسولؐ ہیں

زینبؑ ستونِ عزم و یقیں، اعتبارِ حق زینبؑ کا ہر عمل بخدا افتخارِ حق
زینبؑ قدم قدم پہ مکمل بہارِ حق زینبؑ کی ہر نگاہ میں ہے اختیارِ حق
تہذیب کائنات کا دل ہیں، دماغ ہیں
انسانیت مکاں ہے تو زینبؑ چراغ ہیں

زینبؑ جہانِ حمد کی سرحد کا نام ہے زینبؑ وجودِ آلِ محمدؐ کا نام ہے
تقدیرِ کاروانِ اب و جد کا نام ہے زینبؑ رسولِ پاک کے مقصد کا نام ہے
وحدت ہے جس کی شان وہ پیغام ہی نہیں
زینبؑ نہیں تو معنیِ اسلام ہی نہیں

وہ گفتگو خطابِ پیمبرؐ کہیں جسے وہ حوصلہ شجاعتِ حیدرؑ کہیں جسے
وہ عزم، انقلاب کا محور کہیں جسے وہ دل، جوانیِ علی اکبرؑ کہیں جسے
زینبؑ پہ ہر بلندیِ فطرت تمام ہے
عباسؑ کیا ہیں، غیرتِ زینبؑ کا نام ہے

ارض و سما کے صحن میں ہر جادۂ سفر
گہرے سمندروں میں سجائے ہوئے نگر
مشرق کی بستیاں ہوں کہ مغرب کے بام و در
موجود ہے جہاں بھی خدا آشنا بشر
افکار کو سپردِ محرم کیے ہوئے
حیرت زدہ ہے شامِ غریباں لئے ہوئے

آبادیوں میں سلسلۂ کوہسار میں
ویرانیوں میں پھیلے ہوئے ریگزار میں
انسان کے بسائے ہوئے ہر دیار میں
یعنی تمام وادیِ لیل و نہار میں
مظلوم کے بیان کا ساماں کہاں نہیں
زینبؑ کی محنتوں کا چراغاں کہاں نہیں

دنیا میں ہر خیال الگ، ہر سخن الگ
آب و ہوا کے رنگ میں کوہ و دمن الگ
لہجے الگ، زبان الگ، فکر و فن الگ
مانا برنگِ شوق ہے، ہر انجمن الگ
لیکن غمِ حسینؑ کی تاثیر ایک ہے
زینبؑ نے جو لکھی تھی وہ تحریر ایک ہے

فکرِ بشر ہے زر کا نشانہ، تو کیا ہوا
دنیا ہے سرکشی کا فسانہ، تو کیا ہوا
ظلمت لٹا رہی ہے، خزانہ تو کیا ہوا
بالکل بدل گیا ہے زمانہ تو کیا ہوا
حقانیت کا پھول سدا مسکرائے گا
ہر ذہن، کربلا کی کہانی سنائے گا

انسان کا وقار بچانے کے واسطے
سُفیانیت کا نام مٹانے کے واسطے
قرآں کو لازوال بنانے کے واسطے
اسلام کا چراغ جلانے کے واسطے
رنگِ حیات درد کے خاکے میں بھر دیا
زینبؑ نے اپنی نسل کو قربان کر دیا

مقتل کی لازوال کہانی میں دیکھیے ارض و سما کی اشک فشانی میں دیکھیے
دریائے تشنگی کی روانی میں دیکھیے تصویرِ غم، فرات کے پانی میں دیکھیے
غربت میں صبر و شکر مقدّر کیے ہوئے
زینبؑ کھڑی ہیں پھول سے لاشے لئے ہوئے

بھولے گا کون عونؑ و محمدؑ سے نورِ عین انسانیت کی جاں بشریت کی زیب و زین
تقدیس کے چراغ شرافت کے نیّرین کہیئے جنہیں بغیرِ امامت حسنؑ حسینؑ
دینِ خدا کی نصرتِ اکمل کے واسطے
زینبؑ نے جن کو پالا تھا مقتل کے واسطے

عصمت کے بے مثال گہر تھے وہ دونوں لال باغیچۂ شرف کے ثمر تھے وہ دونوں لال
عظمت کی شاخ پر گلِ تر تھے وہ دونوں لال ماں باپ کی دعا کا اثر تھے وہ دونوں لال
عبداللہؑ اپنے پھولوں سے باغ و بہار تھے
زینبؑ کے لال رحمتِ پروردگار تھے

دونوں کے قد، شباب کے آغاز کی طرح دونوں کے دل، متاعِ جہاں ساز کی طرح
دونوں کی بات آیتِ اعجاز کی طرح دونوں کی شان قاسمؑ جانباز کی طرح
خوشبوئے بوستانِ الفؑ لامؑ میم تھے
دونوں حسنؑ کے پیار میں خلقِ عظیم تھے

جوشِ وغا میں حمزہؑ و جعفرؑ کی پیروی جرأت کے ہر مقام پہ حیدرؑ کی پیروی
چہروں کے نور میں علی اکبرؑ کی پیروی ماموں پہ جان دینے کو مادر کی پیروی
آنکھوں میں یوں پدر کی وصیت لئے ہوئے
جیسے حسینؑ شوقِ شہادت لئے ہوئے

دو دن کی پیاس اور شبِ عاشور کی قسم　　وہ جوشِ حق وہ احمدِ مختار کے حرم
بچوں سے کہہ رہی تھیں یہ زینبؑ اسیرِ غم　　اب امتحان ہے مرے شیرو! قدم قدم
کل صبح اہلِ شام سے لڑنا ضرور ہے
بچو! غریب ماں سے بچھڑنا ضرور ہے

سیدانیاں سنوارتی ہیں اپنے اپنے لال　　دولھا کی طرح سج گیا قاسمؑ سا نونہال
نیزہ لئے ٹہلتے ہیں اکبرؑ بصد جلال　　تلوار تیز کرتے ہیں عباسؑ خوش خصال
چوما ہے شیر خوار کو عہدِ شباب نے
اصغرؑ کو دودھ بخش دیا ہے ربابؑ نے

کیا جانے کیسی جنگ ہو کیا معرکہ پڑے　　جعفرؑ کا دبدبہ ہو تو حیدرؑ کے حوصلے
ہاتھوں پہ رکھ کے دیکھ لو مضبوط نیمچے　　رکھنا ابھی سے تیغوں کے ڈورے کھلے ہوئے
ماموں سے جب وغا کی اجازت نصیب ہو
اے لاڈلو، تمہیں مری ہمت نصیب ہو

کنزِ وفا کے لعل و گہر ہو، رہے خیال　　اہلِ ہنر کے اہلِ ہنر ہو، رہے خیال
بنتِ علیؑ کے نورِ نظر ہو، رہے خیال　　تم اشجع العرب کے پسر ہو، رہے خیال
منظر ہو کارنامۂ صفین یاد سے
کٹ جائے فوجِ شام تمہارے جہاد سے

تم جس طرف بڑھو تو صفیں کاٹ کر بڑھو　　باطل کے ہر شجر کی جڑیں کاٹ کر بڑھو
اجسام سرکشی کی رگیں کاٹ کر بڑھو　　دستے جو سامنے ہوں انہیں کاٹ کر بڑھو
عباسؑ رزم گاہ میں، صد مرحبا کہے
مقتل میں زندہ باد مری مامتا کہے

تم جانتے ہو مجھ کو ہے بھائی سے جتنا پیار میں بھی درِ خیام سے دیکھوں گی کارزار
نکلے گی جب تمہارے بدن سے لہو کی دھار زینبؑ کہے گی شکر کے سجدے میں بار بار
محفوظ ہر محاذ پہ دینِ رسولؐ ہو
پروردگار ہدیۂ زینبؑ قبول ہو

آخر سحر کی چھاؤں سے اُبھرا وہ انقلاب رخصت ہوئے حسینؑ کے انصار حق مآب
کٹنے لگا بہار میں باغِ ابوترابؑ میدان میں بکھر گئی اللہ کی کتاب
عزم و عمل کی فصل کو شاداب کر دیا
پیاسوں نے قتل گاہ کو سیراب کر دیا

وقت آ گیا تو عون و محمدؑ نے کی وہ جنگ تاریخِ عقل و ہوش ہے جس کی ادا پہ دنگ
سامانِ حشر تھی جو شجاعت کی ہر اُمنگ تیغوں کی بجلیوں سے کُھلا تھا اجل کا رنگ
زینبؑ کے دل کی طرح فضا جھومتی رہی
بچوں کے ہاتھ روحِ علیؑ چومتی رہی

میدان میں صفوں کی صفائی نے کہہ دیا چھوٹی سی عمر میں یہ بڑی جنگ، مرحبا
دنیا پڑھے گی معرکۂ دشتِ کربلا گونجے گی حق شناس مورّخ کی یہ صدا
بچپن میں بھی جو مرد جواں ہیں دلیر ہیں
وہ کربلا کی جنگ میں زینبؑ کے شیر ہیں

فوجوں سے کوئی خوف نہ بادِ اجل کا ڈر مغفر نہ تھے خدا پہ بھروسہ تھا سر بسر
قرآں کی آیتوں کو بنائے ہوئے سپر میدان بھر رہے تھے صفیں کاٹ کاٹ کر
تیروں کے سامنے رہے دیوار کی طرح
کرتے تھے وار، حیدرِ کرار کی طرح

دیکھا جو سوئے نہر تو اتنا کیا کلام　　سیراب فوجِ شام ہے اور ہم ہیں تشنہ کام
کیا نیمچوں کی بات ہے کیا جوہرِ حسام　　ان بازوؤں کا زور ہے شیرِ خدا کا نام
خود کو امامِ وقت پہ قرباں کئے ہوئے
ہم لڑ رہے ہیں ماں کی دعائیں لئے ہوئے

دیکھا جو ابنِ سعد کا خیمہ تو یوں کہا　　خیمے میں ہے رسولؐ کا دشمن چھپا ہوا
آ جائے سامنے تو مزہ ہے جہاد کا　　یہ جنگ دیکھتے ہیں علمدارِ باوفا
ہم چھوٹے ماموں جان کو یوں شادماں کریں
لمّاں سے خود وہ ساری لڑائی بیاں کریں

دورانِ جنگ بھی جو نظر آ گئے خیام　　دونوں نے گردنوں کو جھکا کر کیا سلام
پردے کی جنبشوں سے کہا ماںتا کے نام　　قرباں ہمارے سر ہوں سلامت رہیں امامؑ
اے کاش، یوں وفا کا چمن سرخرو رہے
مقتل کی روح جعفری پھولوں کی بو رہے

دیکھی کسی میں آن تو پل میں گرا لیا　　فارس بنا کوئی تو، فرس سے اٹھا لیا
نیزہ گھما کے جب کسی سرکش کو جا لیا　　عباسؑ کی نظر نے گلے سے لگا لیا
لشکر کو دی شکست جو اہلِ کمال نے
آنکھوں سے پیار کر لیا زہراؑ کے لال نے

جس سمت نیک نفس بڑھے بدگہر کٹے　　اہلِ ہنر کی ضرب پڑی بے ہنر کٹے
جو بھی اڑے ہوا میں وہ رہوار پر کٹے　　گویا قضا کے شہر میں پھرتے تھے سر کٹے
گھوڑے اڑا کے فتنہ گروں کو کچل دیا
بچوں نے فوجِ شام کا نقشہ بدل دیا

لیکن پھر ایک بار قیامت ہوئی وہ جنگ　　اُمڈی سپاہ، سنگدلوں نے اٹھائے سنگ
بچوں پہ ہر طرف سے ہوئی بارشِ خدنگ　　بھالے چبھے، قباؤں سے اُبھرا لہو کا رنگ
گیسو کھلے سروں سے عمامے اُتر گئے
غش آ گیا کلیجوں سے برچھے گزر گئے

وہ پھول جیسے جسم وہ زخموں کی سرخیاں　　وہ کمسنی، وہ پیاس، وہ ہونٹوں کی خشکیاں
وہ ہر طرف سے تیغ، وہ خنجر وہ برچھیاں　　وہ پاش پاش سینے وہ مجروح پسلیاں
گرزِ گراں لگے تو بدن تھرتھرا گئے
زینبؑ کے دونوں چاند لہو میں نہا گئے

گھوڑوں سے جب زمیں پہ گرے حشر ہو گیا　　لاشوں کو روندنے لگے بے رحم اشقیا
عباسؑ کو لئے ہوئے دوڑے شہِ ہُدا　　مقتل سے ظالموں کو ہٹاتے ہوئے کہا
ویران باغ ہو گیا پھولوں سے چُھٹ گئی
اے کربلا، حسینؑ کی ہمشیر لُٹ گئی

خیمے میں لے کے آئے جو پھولوں کی میتیں　　اغلب تھا اہلبیتؑ کے سینوں میں دم رکیں
بچوں کے پاش پاش بدن تھے نگاہ میں　　حیراں تھے سب کہ ثانیِ زہراؑ سے کیا کہیں
خوشبو خزاں نے چھین لی گلشن میں کچھ نہیں
اب دخترِ بتولؑ کے دامن میں کچھ نہیں

سب رو رہے تھے ثانیِ زہراؑ خموش تھیں　　ماں جائے نے بلایا تو بے ہوش ہو گئیں
نبضوں کا حال زار یہ تھا جیسے اب رُکیں　　ٹھنڈا پڑا تھا جسم، عرق ریز تھی جبیں
خیمے میں اضطراب کے طوفاں سمٹ گئے
شبیرؑ آہ بھر کے بہن سے لپٹ گئے

زینبؑ نے آنکھیں کھول کے بھائی پہ کی نظر بھائی کے آنسوؤں کی مہک نے کیا اثر
بھیّا بتاؤ عونؑ و محمدؑ گئے کدھر؟ باہیں گلے میں ڈال کے بولیں بچشمِ تر
کیا برچھیوں کی چھاؤں کلیجوں پہ چھا گئی
بچوں کو رزم گاہ میں کیوں نیند آ گئی

کیا ماں کی حسرتوں کے مطابق لڑے نہیں بھیّا، تمہارے بھانجے کیوں بولتے نہیں
بھیّا کہو وہ نہر کی جانب گئے نہیں اتنا بتا دو جنگ میں پیچھے ہٹے نہیں
پیاسوں کی آن بان تو ہو گی نگاہ میں
کیا الاماں کا شور ہوا تھا، سپاہ میں

بچو! تم اپنے خون سے رکھ لینا ماں کی بات میں نے مسافروں سے کہا تھا تمام رات
بھیّا شہید ہو کے تو آئے وہ نیک ذات کیا آج کامیاب ہوئے میرے خوش صفات
کیا ہے اگر بہن کا کلیجہ بکھر گیا
بھیّا، تمہارے بچوں کا صدقہ اُتر گیا

خوش ہوں، جوان ہو علی اصغرؑ سامہ جبیں بھیّا جئے مرا علی اکبرؑ تو غم نہیں
عباسؑ ہے تو گھر کی حفاظت ہے بالیقیں پروا نہیں مجھے مرا قاسمؑ ہے نازنیں
ہر سانس فاطمہؑ کی کمائی کے ساتھ ہے
زینبؑ کی زندگی ہے تو بھائی کے ساتھ ہے

مقتل میں بھانجوں کو سُلا آؤ میں نثار لاشوں کو خیمہ گاہ سے لے جاؤ میں نثار
اب کوئی غم نہیں ہے قسم کھاؤ میں نثار آنسو نہ اپنی آنکھوں سے برساؤ میں نثار
اے کاش اب یہ جنگ یہیں پر تمام ہو
زندہ رہیں حسینؑ، شہیدوں کا نام ہو

بولے حسینؑ اب تو یہ ممکن نہیں بہن
اب شام تک ہے خاتمۂ باغِ پنجتن
پامال ہوں گے خاک پہ زہراؑ کے گلبدن
زینبؑ تمہارے ہاتھ ہیں اور ظلم کی رسن
جس وقت اہلِ شام یہ خیمے جلائیں گے
زینبؑ تمہارے لال تمہیں یاد آئیں گے

زینبؑ یہ شیر بیشۂ جعفرؑ عجب لڑے
ٹھہرا جو کوئی سامنے مارا کھڑے کھڑے
شیرِ خدا کی طرح جو لشکر پہ جا پڑے
میدان چھوڑ چھوڑ کے بھاگے بڑے بڑے
ساحل کے پاس ضبط کو مقصد بنا لیا
پانی جہاں دکھائی دیا، منہ پھرا لیا

بھائی سے اتنا سن کے اٹھیں بنتِ مرتضیٰؑ
لاشوں کے پاس بیٹھ کے منہ چوم کر کہا
اے لاڈلو، تمہاری شرافت پہ میں فدا
جو کچھ زباں سے تم نے کہا تھا وہ کر دیا
بچو! اجل کی آگ سے تم کیا گذر گئے
انسانیت کے نام کی تکمیل کر گئے

کرتی ہے ناز تم پہ وفا، میرے لاڈلو
تم نے پیا ہے جامِ بقا، میرے لاڈلو
ماں سرخرو ہے شکرِ خدا میرے لاڈلو
لو میں نے دودھ بخش دیا، میرے لاڈلو
کچھ غم نہیں جو ماں کا جگر داغ داغ ہے
اب زندگی تمہارے لہو کا چراغ ہے

قیصرؔ کہاں تھمے گا یہ دریائے چشمِ تر
موتی لٹاؤ عون و محمدؑ کے نام پر
دنیا سخن شناس نہیں ہے تو کیا ہے ڈر
زینبؑ کی بارگاہ سے مل جائے گا ثمر
شہرہ ہے آج آپ کی طبعِ نفیس کا
یا مل رہا ہے فکر کو صدقہ انیس کا

◆◆

منقبت

قیصر بارھوی

انساں کو ذہن و دل پہ اگر اختیار ہے
قدموں کی دھول گردشِ لیل و نہار ہے

چاہے اسیرِ قدر ہو چاہے اسیرِ زر
انسان کے ضمیر پہ دارومدار ہے

فطرت پہ لکھ دیا ہے خداوندِ عزم نے
ہمّت جوان ہو تو زمانہ غبار ہے

دیکھیں کے نصیب ہو توفیقِ انتخاب
وہ لعل ہے، یہ سنگ، وہ گُل ہے یہ خار ہے

وہ آنکھ جو دلوں کی طنابیں سمیٹ لے
انسانیت اُسی کی اطاعت گزار ہے

جس کے جلالِ رُخ سے لرز جائے آفتاب
وہ حُسنِ ذوالجلال کا آئینہ دار ہے

جو فکرِ کارواں میں ہتھیلی پہ سر رکھے
اُس میرِ کارواں پہ قیادت نثار ہے

کوئی غریب ظرف نہ اُلفت کا نام لے
یہ راستہ تو آگ ہے خنجر کی دھار ہے

شرحِ غزل میں آ گیا وہ مطلعِ سُخن
جو دل کے ولولوں سے حقیقت نگار ہے

قیصر جواں اُمنگ، تغزل صد آفریں
ہر لفظ پیشِ خیمۂ فصلِ بہار ہے

(منتخب اشعار)

آشوبِ عصر

(معاشرے کی زبوں حالی اور امام حسینؑ کی ضرورت)

۷۵ بند۔ ۱۹۸۷ء

maablib.org

❖❖

چہرۂ وقت کے قاری ہیں وہی اہلِ قلم
عدل وانصاف سے رکھتے ہیں جولفظوں کا بھرم
عالمِ صبر ہو یا منظرِ بازارِ ستم
یہ صدا گونجتی ہے سب کے لبوں پر پیہم
جب کوئی درد کی تصویر نظر آتی ہے
کربلا، لوحِ تصوّر پہ اُبھر آتی ہے

❖❖

آشوبِ عصر

ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں، خدا خیر کرے　　بجلیاں رنگ بدلتی ہیں، خدا خیر کرے
گردشیں اور مچلتی ہیں، خدا خیر کرے　　بستیاں آگ اُگلتی ہیں، خدا خیر کرے
محوِ حیرت ہوں، کہاں بول رہی ہے دُنیا
خونِ انساں سے دُھواں تول رہی ہے دُنیا

عقل شعلوں میں مسلسل ہے، خدا خیر کرے　　ہر قدم خوف کی دلدل ہے، خدا خیر کرے
کہیں زنداں کہیں مقتل ہے، خدا خیر کرے　　صبح میں شام کی ہلچل ہے، خدا خیر کرے
مرگِ مخلوق تماشا ہے تماشائی ہیں
خون سورج کا پئیں، اب بھی وہ سودائی ہیں

سُرخیاں چہرۂ اخبار سے دیتی ہیں خبر　　کھیل ہے آتش و بارود کا اب شام و سحر
چشمِ احساس ہے اور وقت کا خونی منظر　　پھول بکھرے ہیں کہ ٹکڑے ہوا آدم کا جگر
کوئی دیکھے ستم و جور کے نظّاروں میں
ننھی لاشیں بھی نظر آتی ہیں انگاروں میں

اُف یہ آباد اُجالوں میں قیامت کا دھواں   خونِ انساں سے بنائی ہوئی تصویرِ فغاں
جانے کس چیز کا دل رکھتے ہیں ظالم انساں   وہ گریں خاک پہ بہنیں وہ تڑپنے لگی ماں
لاش اُٹھائے جو کہیں درد کے مارے نکلے
بولیں آنکھیں، وہ یتیمی کے ستارے نکلے

یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر   جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پہ سر
کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر   بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دُختر
پاسِ مذہب نہیں، غیرت نہیں، ایمان نہیں
ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں

فکر کے تیز قدم عینِ ستائش ہیں مگر   کس لئے خونِ تمدن سے بھری راہگذر
جنگ اور اسلحہ سازی پہ تو ہر وقت نظر   کوئی سُنتا نہیں کیا کہتے ہیں اُجڑے ہوئے گھر
شہر کیوں ہو گئے صحرا، کبھی سوچا ہی نہیں
کتنی لاشوں سے گذر آئے یہ دیکھا ہی نہیں

اِک طرف حُرمتِ انساں پہ ہزاروں مضموں   اِک طرف زہرِ سیاست سے بہ انسان کا خوں
اِک طرف چاند ستاروں پہ حکومت کا جنوں   اک طرف مقتلِ کردار کی تدبیرِ زبوں
لبِ خنداں سے شرافت کا لہو چاٹتے ہیں
کیا ادائیں ہیں گلے مل کے گلا کاٹتے ہیں

کتنے وابستۂ دنیا ہیں یہ برگشتۂ دیں   صرف ہستی پہ یقیں، خالق ہستی پہ نہیں
اپنی چوکھٹ پہ جھکاتے ہیں زمانے کی جبیں   ان کی جاگیر ہو جیسے یہ فلک اور یہ زمیں
کیا سمجھنا تھا انہیں اور یہ کیا سمجھے ہیں
آدمی اپنی فراست کو خدا سمجھے ہیں

امن کے نام پہ دنیا میں ادارے ہیں بہت   بے سہاروں کو جو لوٹیں وہ سہارے ہیں بہت
ربط دریا سے نہیں اور کنارے ہیں بہت   جو سُلاتے ہیں مقدر وہ ستارے ہیں بہت
کیا کہے روشنی، اس شیوۂ خدمت کے لئے
آندھیاں لائے، چراغوں کی حفاظت کے لئے

کیا کہوں عالمِ احساس کی رُسوائی پر   جھوٹ کا رنگ چڑھایا گیا سچائی پر
کیوں نہ حیرت ہو اِس اندازِ مسیحائی پر   جان دیتے ہیں اندھیروں کی توانائی پر
شوقِ ایجاد ہے انساں کی ہلاکت کے لئے
دولتِ علم لٹاتے ہیں جہالت کے لئے

بحرِ ایجاد میں اس درجہ بڑھی طغیانی   جس کی ہیبت سے سمندر ہوئے پانی پانی
موج در موج یہ نقشِ قدمِ انسانی   ایسی دانائی سے کیوں پھوٹ پڑی نادانی
خوب ایوانِ خیالات کو آباد کیا
ساری دُنیا کو ڈبونے کا سبق یاد کیا

قلزمِ حال سے کہتے ہیں یہ ماضی کے نشاں   زندگی بھول گئی قہرِ خدا کا طوفاں
اُف یہ تفریطِ یقیں، ہائے یہ افراطِ گماں   شہرِ پیکار جو اس وقت ہیں پانی پہ رواں
لوٹنے بحرِ نبوّت کے خزینے جاتے
کشتیِ نوحؑ ڈبونے یہ سفینے جاتے

اب کہاں جلتے ہیں انصاف وعدالت کے چراغ   اب تو فاسد کی حمایت میں ہے دُنیا کا دماغ
دیکھ لیں اہلِ نظر، چہرۂ ماحول کے داغ   کس طرح جلتا ہے تقدیسِ خیالات کا باغ
فکر کو تابعِ ایماں نہیں رہنے دیتے
لوگ ظالم کو بھی ظالم نہیں کہنے دیتے

سوچیے آج ہمیں خون رُلایا کس نے　　کون صیاد ہے اور جال بچھایا کس نے
نقشۂ وحدتِ افکار مٹایا کس نے　　خون کعبے میں بہا ہے تو بہایا کس نے
کارفرما ہے کوئی، بانیِ شر کون کہے
سامنے ہے رُخِ بدنام، مگر کون کہے

کس جفاجو کی یہ ترغیب ہے، کچھ غور کریں　　کیوں قیامت سی یہ ترتیب ہے، کچھ غور کریں
ہاتھ کس کا پسِ تخریب ہے، کچھ غور کریں　　کون غارت گرِ تہذیب ہے، کچھ غور کریں
جو بھی دُنیا میں نمائندۂ ظلمت ہو گا
ہر زمانے کے لئے قابلِ نفرت ہو گا

قوتِ جنگ کو سمجھے ہیں تمدّن کا نکھار　　کیا یہ اندازِ نظر ہے کسی مذہب کا وقار
قابلِ فخر نہیں دولت و نخوت کا خمار　　بات جب ہے کہ مسخّر ہو خلیج کردار
ورنہ پھر نذرِ عدم اپنی ہی صورت ہو گی
سر سے اونچا ہوا پانی تو قیامت ہو گی

وہ جو اپنائے ہیں نخوت کا بھی برتاؤ　　وہ جو رکھتے ہیں مزاجوں میں تشدد کا رچاؤ
وہ جو سینوں میں بسائے ہیں شقاوت کے الاؤ　　اُنہیں معلوم نہیں موت کے دریا کا بہاؤ
فاصلہ کوئی بھی ہو پل میں سمٹ سکتا ہے
ایک سیارچہ گیتی کو اُلٹ سکتا ہے

کاش یہ خواب ہو شرمندۂ تعبیر کبھی　　لوٹ لیں دستِ فنا ذاتِ آشفتہ سری
دشمنِ خلقِ خدا ہو تو سیاست کیسی　　کیا دل آویزیِ کردار ہے کردار کشی
کس طرح دامنِ اُلفت کی ہوا دیتے ہیں
شہد دیتے ہیں مگر زہر ملا دیتے ہیں

لفظ دلکش تو پسِ لفظ متنفر توبہ   گفتگو امن فشاں اور تاثر توبہ
لہجۂ درد میں غربت کا تمسخر توبہ   ابھی وعدہ ابھی وعدے میں تغیر توبہ
یہ تقاضائے طبیعت کی کوئی منزل ہے
یا زمانے کے لئے فتنۂ مستقبل ہے

کیا اسے کہتے ہیں تہذیب نظر کی پرواز   یعنی اک ہاتھ میں تسبیح تو اک ہاتھ میں ساز
حق پہ مرنے کا یہ انداز نرالا انداز   بے گناہوں کی حمایت میں نہ اُٹھے آواز
گرمیِ لوح و قلم سرد ہوئی جاتی ہے
خونِ تاریخ سے تاریخ لکھی جاتی ہے

ختم ہو جائے اگر شوقِ اجارہ داری   پھر نہ بے چینیاں باقی نہ کوئی دشواری
صحنِ آفاق میں ہو امن کی جلوہ باری   آسمانوں سے پکارے سحرِ بیداری
سب سے مذموم رہِ فتنہ و شر چھوڑی ہے
آج انساں نے تعصب کی کمر توڑی ہے

وقت کی سوچ پہ دن رات ہے فطرت کی پکار   کام آئے گی نہ یہ نقشۂ زر کی تلوار
کاسۂ عزم میں رکھتے ہیں جو اللہ کا پیار   وہ سمندر کو سمجھتے ہیں مسافت کا غبار
خوف رکھتے نہیں تسلیم و رضا کے بندے
بخدا موت پہ غالب ہیں خدا کے بندے

اُن کی محفل میں عبث قوتِ پرواز کی بات   جن کے ہونٹوں پہ ہو معراج کے انداز کی بات
اُن سے بیکار ہے اوہام جنوں ساز کی بات   جن کے ایقان میں ہو صاحب اعجاز کی بات
حق پرستوں کی اداؤں میں کرامات بھی ہیں
رُخ بدل دیں جو زمانے کا وہ آیات بھی ہیں

ساری دنیا سے بڑی فوج ہے اللہ کی یاد　　یہ تیقّن ہو تو کچھ بھی نہیں دنیا کا عناد
متحد ہو کے مقابل ہوں اگر اہلِ فساد　　قوتِ خیر پکارے گی بعنوانِ جہاد
کوئی طوفان ہے کیا چیز تو کیا آندھی ہے
کلمۂ حق نے سلیمانؑ کی ہوا باندھی ہے

حلقۂ شعر و ادب، انجمنِ اہلِ خطاب　　سیفِ تخیل سے اب چاہیے بھرپور جواب
پھیلتا جاتا ہے الحادِ سخن کا سیلاب　　آج ہر فکر میں درکار ہے وحدت کا نصاب
وقت کا آئینہ دُنیا کو دکھانا ہو گا
قید سے حُرمتِ انساں کو چھڑانا ہو گا

چہرۂ وقت کے قاری ہیں وہی اہلِ قلم　　عدل و انصاف سے رکھتے ہیں جو لفظوں کا بھرم
عالمِ صبر ہو یا منظرِ بازارِ ستم　　یہ صدا گونجتی ہے سب کے لبوں پر پیہم
جب کوئی درد کی تصویر نظر آتی ہے
کربلا لوحِ تصور پہ اُبھر آتی ہے

آنکھوں دیکھے رُخِ حالات سے اتنا تو ہوا　　شدتِ ظلم و ستم دیکھنے والوں نے کہا
پیروِ شمر و یزید آج بھی کرتے ہیں جفا　　بے گناہوں کا لہو آج بھی دیتا ہے صدا
روحِ احساس فقط درد کا گلدستہ ہے
آدمی وہ ہے جو مظلوم سے وابستہ ہے

لوگ سمجھے ہی نہیں کیا ہے تقاضائے شعور　　اہلِ دُنیا سے ابھی دور ہے دنیائے شعور
اُن کی آنکھوں میں کہاں جلوۂ صہبائے شعور　　جو اندھیروں کو سمجھتے ہیں تجلائے شعور
داغِ ظلمت ورقِ دل سے مٹائے تو سہی
کربلا نور فشاں ہے کوئی آئے تو سہی

کربلا ہم کو سکھاتی ہے وہ تہذیبِ حیات — جس کی تنویرِ بقا رحمتِ کونین کی ذات
ساری دنیا کے لئے امن کا قانونِ ثبات — صرفِ اسلام کا پیغام ہے اسلام کی بات
کس قدر حق ہے تمدّن کی ادا جانتے ہیں
یہاں انسان کو کردار سے پہچانتے ہیں

وہ مسلماں جو بُھلاتے ہیں خدا کا پیغام — ایک دن آئے گا دیکھیں گے وہ اپنا انجام
سوچ لیں دشمنِ اسلام کی طاقت کے غلام — کچھ بھی ہو جائے نتیجے میں ہے فتحِ اسلام
عدل پھیلے گا، دھواں ظلم پناہی ہو گی
کچھ نہ ہاتھ آئے گا، جب خاک میں شاہی ہو گی

جو اُٹھائے ہیں زمانے کی اجل کا ساماں — جن کی رفتار میں ہے موت کا خونی طوفاں
جو لیے پھرتے ہیں بے وجہ تباہی کا دھواں — جن کا مقصود ہے بربادیِ نسلِ انساں
اُن کے سر کرنے کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے
کربلا ایسے جہازوں کو ڈبو سکتی ہے

جبر کے بخشے ہوئے زخم ہیں بربادیِ جبر — مظہرِ نصرِ من اللہ ہے پیمانۂ صبر
لکھ گیا خشک لبوں پر یہ سخن، پیاس کا ابر — بیشۂ خوف پہ حاوی ہیں مشیّت کے ہزبر
کام ہے جن کو تمدّن کی نگہبانی سے
وہ زمانے کو بدل دیتے ہیں قربانی سے

تشنہ لب چند جیالوں سے ہوا یہ معلوم — جرأتِ حق ہے تو کچھ بھی نہیں باطل کا ہجوم
بخدا چشمِ یقیں میں وہ ریاست مذموم — جس میں اللہ کے بندے ہوں سکوں سے محروم
جس میں انسان ترس جائے عدالت کے لئے
کربلا موت ہے اُس طرزِ حکومت کے لئے

کربلا والوں نے دنیا کو یہ سمجھایا ہے
آدمی پھول ہے، فطرت میں مہک لایا ہے
خار بن کر جو کوئی پھول سے ٹکرایا ہے
اک تغیّر بہ تقاضائے چمن آیا ہے
ظلم کا زاویۂ فکر بدل کر بکھرا
پھول بکھرا تو سرِ خار کچل کر بکھرا

آج بھی شیشۂ خوشبو لئے پھرتی ہے صبا
جس کی مدّاح، گلستانِ بصیرت کی ہوا
اہلِ احساس پہ یہ عقدۂ احساس کھلا
پھول کے خون سے بھی فتح کا سورج اُبھرا
خار اگر زہر کی لہروں پہ بہت نازاں ہے
پھول کی خشک زباں معجزۂ قرآں ہے

مضطرب قافلۂ وقت ہے اے اہلِ نظر
آیئے کاٹ دیں ظلمت کی طنابیں مل کر
اس سے پہلے کہ سرِ ارض، بپا ہو محشر
چھین لیں پنجۂ وحشت سے تمنائے بشر
جس کی تردید ہے قرآں میں، اُسے رد کر دیں
ظرفِ ہستی میں محبت کے اُجالے بھر دیں

آیئے خون سے لکھی ہوئی تحریر پڑھیں
آدمیّت کا جو محور ہے وہ تدبیر پڑھیں
ہم مسلمان ہیں اسلام کی تقدیر پڑھیں
بات بن جائے گی قربانیِ شبیر پڑھیں
زندگی روشنی عزم و عمل پاتی ہے
امن کی روشنی مقتل میں نظر آتی ہے

آئیں معیارِ وفا کے متلاشی انساں
کربلا رکھتی ہے معراجِ وفا کا عنواں
مشک بھر کر بھی علمدار رہا تشنہ دہاں
پیاسے بچوں کے تصور نے کیا تھا گریاں
آج بھی رابطۂ مشک و علم کہتا ہے
قطرۂ اشک بڑی چیز ہے، دریا کیا ہے

سیرتِ آلِ محمدؐ ہو اگر پیشِ نظر	فخرِ کردار سے اُونچا ہو ہر انسان کا سر
اُلفتیں جاگ اُٹھیں، چاک ہو کلفت کا جگر	نصب ہو امن کا بے مثل علم ہر گھر پر
نورِ وحدت کے جو طالب ہیں وہ انساں اُبھریں
یا حسینؑ ابن علیؑ کہہ کے مسلماں اُبھریں

لاکھ جلتے ہوں فراوانیٔ دولت کے چراغ	لاکھ گردوں کے ستاروں پہ ہو دُنیا کا دماغ
لاکھ محرومِ حقیقت ہوں ذرائع ابلاغ	خشک ہو سکتا نہیں عظمتِ اسلام کا باغ
غیر ممکن ہے کبھی فرق ہو شادابی میں
خونِ معصوم ہے اس باغ کی سیرابی میں

صحنِ آفاق میں ہجری کے سن اکسٹھ کی پکار	ساری دنیا کو پڑھاتی ہے نمازِ کردار
صرف عاشورِ محرم سے ملا یہ معیار	طرّۂ ناز ہے مقتل میں لہو کی دستار
چشمِ تقدیس جو بندوں کی ادا پڑھتی ہے
موت کی دھوپ میں چہروں کی ضیا بڑھتی ہے

دیکھتا ہوں لبِ دریا سرِ صحرا وہ نظام	جس کے شیرازۂ عظمت پہ مدینے کا سلام
نورِ اسلام سے ٹکرا گئی تاریکیٔ شام	فیصلہ لکھنے کو تیار ہے معصوم امامؑ
سُرخیاں مل گئیں آیاتِ شہادت کے لئے
کربلا بن گئی قرطاسِ عبارت کے لئے

وہ فضا جھومی، وہ چمکا علمِ عزمِ حسینؑ	پڑھ کے تکبیر اُٹھا فاطمہؑ کا نورالعین
پردۂ چشم سے گزرے ورقِ بدر و حنین	کروٹیں لینے لگی دل میں نسیمِ حرمین
روحِ اجداد نے ماتھے کی شکن کو چوما
سورۂ عصر نے پیاسے کے دہن کو چوما

رُخِ انور پہ پسینے کی مقدّس بوندیں
دیدۂ فکر میں تسلیم و رضا کی شمعیں
کلمہ پڑھتی ہے بصیرت وہ منور آنکھیں
وسعتِ کون و مکاں، قلب کی بینائی میں
معترف شاہِ ولایت ہوں ولایت ایسی
جس پہ قرآن کی تصدیق امامت ایسی

ابنِ تارخ کے لئے صنعتِ آذر کیا ہے
آفتاب آئے تو ظلمت کا سمندر کیا ہے
سرفروشی ہے بقا، موت کا خنجر کیا ہے
اپنے مولاؑ کی مدد چاہیے لشکر کیا ہے
ابنِ حیدرؑ نے نظر ڈال کے حیدرؑ کی طرح
پڑھ لیا سارے زمانے کو پیمبرؐ کی طرح

کبھی انصار کا ایمان تب و تابِ جگر
کبھی میداں کی طرف دیکھ کے اکبرؑ پہ نظر
گفتگو ضبط پہ عباسؑ کا چہرہ پڑھ کر
کبھی تلوار سے باتیں کبھی فکرِ اصغرؑ
دو حسینؑ لال جو خواہر کی بضاعت دیکھے
مسکراتے ہوئے قرآنِ محبت دیکھے

فوجِ اعدا میں جو لہرائے کہیں خارِ سناں
کہا اسلام کی عزت ہیں محمدؐ کے جواں
آئیتیں جب نظر آئیں ہدفِ وہم و گماں
کہا شبیرؑ ہوں، نیزے پہ پڑھوں گا قرآں
آئی صحرا کی صدا شامِ غریباں ہو گی
کہا پروا نہیں، زینبؑ سرِ میداں ہو گی

کوفہ و شام کے طوفاں کا تصور جو ہوا
نبضِ غیرت نے کیا ایک تلاطم برپا
کان میں خیمۂ بیمار کی جنبش نے کہا
کیوں اُسے فکر ہو سجادؑ ہو جس کا بیٹا
بیکسی سلطنتِ ظلم کی بربادی ہے
طوق و زنجیر میں اسلام کی آزادی ہے

آخر اس عزم کی تکمیل کا وقت آ پہنچا　　حکم کی دیر تھی عباسؑ نے پرچم کھولا
حسرتِ جنگ میں تلوار کے قبضے سے کہا　　ضبط ہے مرضیِ شہؑ ورنہ تو محشر ہوتا
کوئی ارمان بجز مقصدِ شبیرؑ نہیں
جو اطاعت سے مبرّا ہو وہ شمشیر نہیں

اس اطاعت سے بہا، دشت میں دریائے وفا　　تا ابد پھیل گئے سبطِ نبیؐ کے رُفقا
سُرخ ہونٹوں سے دہکتے ہوئے ذرّوں نے کہا　　یہ ہیں وہ لوگ جنہیں یاد رکھے گی دُنیا
ہر مورّخ کی نظر میں سرِ دفتر ہوں گے
یہ وہ انساں ہیں جو تاریخ کا محور ہوں گے

گونج اُٹھی دوشِ فضا پر یہ ابد گیر پکار　　آج سے زندۂ جاوید حسینؑ انصار
غیر ممکن ہے چھپائے انہیں دنیا کا غبار　　ان کے بکھرے ہوئے اجسام ہیں جلووں کی بہار
وقت دیکھے گا مہ و مہر نظر آئیں گے
آئینے ٹوٹ کے بھی آئینے کہلائیں گے

غم کی آندھی میں محمدؐ کا طرحدار نہال　　ضبط کے آئینے میں فاتحِ خیبر کا جلال
کس قدر پیار سے اُمّت کے لئے فکرِ مآل　　زخم بڑھتے گئے، بڑھتا گیا گلشن کا خیال
رنگِ تعمیرِ چمن یوں بھی بدلتے دیکھا
پیاس کی آگ سے ہر پھول کو جلتے دیکھا

وہ عزیزوں کا لہو قوتِ مظلوم کا رنگ　　جس کی میزان میں ایجاد زمانہ پاسنگ
کیا غمِ وقت کی تلوار ہے کیا دہشتِ جنگ　　صدقۂ لاشۂ قاسمؑ ہے شجاعت کی اُمنگ
وقت آیا تو فدا اپنے گُلِ تر ہوں گے
دین کے نام پہ سہرے بھی نچھاور ہوں گے

اپنی مضبوطیِ بنیاد پہ قانونِ نبیؐ بھول سکتا نہیں احسانِ حسینؑ ابنِ علیؑ
باپ نے بیٹے کے سینے سے نکالی برچھی کیا کلیجہ تھا کہ خود صبر نے تکبیر کہی
ختم ہو جائے وہ مظلوم کا پیغام نہیں
جہاں قرآں کی حکومت نہیں اسلام نہیں

سب کی لاشوں کو اٹھا کر بھی نہ گھبرائے حسینؑ آخری چاند تھا جھولے میں اُٹھا لائے حسینؑ
پھر جو اک ننھی سی تربت پہ نظر آئے حسینؑ یہ وہ منزل تھی جہاں سب نے کہا ہائے حسینؑ
آج تک درد فشاں روح کا فوارہ ہے
ہر نظر اصغرِ معصوم کا گہوارہ ہے

آخری نذر بھی غربت میں ہوئی سرانجام پھول سی قبر ہے یہ کہہ کے چلے شاہِ انامؑ
تیرے گہوارے میں کچھ دیر ہے میرا گلفام ڈھونڈنے آئیں گے اب شام کے نیزے سرِ شام
یہ مرا غنچہ دہن چین کہاں پائے گا
دیکھ لینا سرِ بے شیر بھی کٹ جائے گا

ایک آواز کا، احساس کی لہروں پہ سفر جیسے کہتی ہو کوئی آ مرے پیارے اصغرؑ
کبھی خیمہ تھا نگاہوں میں کبھی قبرِ پسر اور کبھی شکرِ خدا سورۂ کوثر پڑھ کر
خشک ہونٹوں پہ کہاں لہجۂ فریاد آیا
نہر پہ سویا ہوا شیر بہت یاد آیا

آ گئے خیمۂ اقدس میں تو اٹھا کہرام سب نے سمجھا کہ بس اب آئے ہیں رخصت کو امامؑ
حلقۂ اہلِ حرم اور نبیؐ کا گلفام سب غریبوں کے لئے شام سے پہلے ہوئی شام
مامتا جھولے پہ سر رکھ کے فغاں بھول گئی
رن میں بے شیر کہاں رہ گیا، ماں بھول گئی

اپنے سرتاج کے چہرے پہ جو کی ایک نظر　　دل کی دھڑکن سے گلے مل گیا خونِ اصغرؑ
جیسے کہتا ہو ابھی ماں کے کلیجے سے پسر　　آج پھر جائے گا بابا کے گلے پر خنجر
سینکڑوں تیر شۂ دیں پہ چلیں گے لمّاں
عصر کے بعد یہ خیمے بھی جلیں گے لمّاں

اک طرف بھائی کے زخموں پہ بہن کے آنسو　　جن پہ قربان تمام اہلِ زمن کے آنسو
شیر دل بنتِ علیؑ، تشنہ دہن کے آنسو　　محشرِ وقت میں خاموش سخن کے آنسو
کربلا کہتی رہی، ثانیِ زہراؑ زینبؑ
بھائی کو دیکھ لو بھائی نہ بچے گا زینبؑ

حالتِ بنتِ علیؑ دیکھ کے بولے شبیرؑ　　آؤ لگ جاؤ گلے اے مری پیاری ہمشیر
اب تو قرآن بچانے کی یہی ہے تدبیر　　آج نیزے پہ ہو بھائی تو بہن بھی ہو اسیر
کوئی عالم ہو رہِ صبر پہ چلنا زینبؑ
لے کے سجادؑ کو خیمے سے نکلنا زینبؑ

سب سے رخصت ہوئے، اللہ نگہبان کہا　　عرصۂ جنگ میں آئے صفتِ شیرِ خدا
فرق اتنا وہاں سیراب تھے وہ عقدہ کشا　　اور یہاں ساتویں تاریخ سے بے آب وغذا
وہاں آنکھوں میں مہکتا ہوا پیارا گلشن
یہاں مظلوم کا اُجڑا ہوا سارا گلشن

گرمیِ جنگ بڑھی موت کی سردی لے کر　　تیغِ مظلوم چلی کٹنے لگے ظلم کے پر
بازو محروم تھے اب قوتِ بازو سے مگر　　غمِ اکبرؑ نے کہا یہ ہے جہادِ اکبر
جوہر تابِ سلف حیدری شمشیر میں ہے
ہر پیمبرؑ کی دُعا ضربتِ شبیرؑ میں ہے

انتقاماً نہ تھے شبیرؑ کی تلوار کے وار صرف اب وجد کی شجاعت تھی برائے اظہار
مثلِ دیوار جہاں گرتے تھے لشکر کے سوار چوم لیتا تھا کلائی اسداللہؑ کا پیار
کون مظلوم دکھائے گا صفائی ایسی
ایسا پیاسا کوئی ہو گا، نہ لڑائی ایسی

لڑتے لڑتے جو نظر آ گیا بہتا پانی شرم سے ہو گیا موجوں کا کلیجا پانی
بحرِ غیرت میں اُسی وقت سے ڈوبا پانی جب سے مظلوم نے آنکھوں سے گرایا پانی
چند قطروں کے لئے ساقی کوثر پیاسا
روزِ عاشور تھا دریا پہ سمندر پیاسا

دور سے دیکھ لیں انصار کی لاشیں تو، کہا تم نے دیکھا مرے شیرو مرا اندازِ وغا
دل کے داغوں نے لڑائی کا مزہ چھین لیا ورنہ تم دیکھتے کچھ اور ہی نقشہ ہوتا
بے کسی ساتھ ہے، بے تاب و تواں لڑتا ہوں
یاد کرتا ہوں تمہیں جنگ کہاں لڑتا ہوں

کھل گیا، سینۂ مظلوم پہ زخموں کا چمن چُھپ گیا تیروں کی چادر سے مسافر کا بدن
سنگ باری سے ہوا سُرخ رُخِ تشنہ دہن سامنے آئی زمیں لگ گیا سورج کو گہن
اک اُجالے پہ اندھیروں کی جو یلغار ہوئی
رن میں دن چھپ گیا اور رات نمودار ہوئی

گر گیا خاک پہ سورج تو ہلا دشتِ بلا روشنی نام ہے جس کا وہ لہو پھیل گیا
آہ بھر کر درِ خیمہ پہ یہ فضہؓ نے کہا میری شہزادیو، اب لُٹ گیا باغِ زہراؑ
دیکھ سکتی ہو تو یہ حشر کا منظر دیکھو
نوکِ نیزہ پہ دلِ بنتِ پیمبرؐ دیکھو

اس خبر سے جو دلِ اہل حرم پر گذری　　اس کی تشریح زمانے سے تو ممکن نہ ہوئی
بات خاموشیوں میں ڈوب کے خیموں نے کہی　　رُک گیا شورِ فغاں تھم گئی اشکوں کی جھڑی
کون ان ظالموں کو روکنے والا ہو گا
فوج خیموں میں چلی آئے گی، اب کیا ہو گا

ناگہاں آگ لئے آئے وہ ابلیس جگر　　فخرِ آدم سے جو رکھتے تھے عداوت کے شرر
چادریں چھن گئیں جلنے لگا مظلوم کا گھر　　کہا سجادؑ سے زینبؑ نے، کہو نورِ نظر
ہم سب ان شعلوں میں جل جائیں کہ باہر نکلیں
کیا، نبیؐ زادیاں خیموں سے کھلے سر نکلیں

ایسے حالات میں سجادؑ امام ابنِ امام　　بھول کر ضعفِ بدن لائے زباں پر یہ کلام
پھوپھی اماں نہیں تاخیر کا اب کوئی مقام　　حفظِ جاں مرضیِ معبود ہے، جل جائیں خیام
ہر قدم پر ہمیں راضی بہ رضا رہنا ہے
بے ردا اہلِ حرم ہوں، یہ الم سہنا ہے

خیمے جلتے رہے، بے پردہ نکل آئے حرم　　مثلِ شبیرؑ اُٹھے ثانیِ زہراؑ کے قدم
اب نہ آنکھوں میں تھے آنسو نہ ردا چھننے کا غم　　یہ خبر دے گئی تاریخ کی چشمِ پُرنم
دوش پر فخرِ براہیمؑ اُٹھا کر لائیں
آگ سے بولتا قرآن بچا کر لائیں

آگ کے شعلوں سے بھڑکی تو بہت پیاس مگر　　ننھے بچے بھی شکایت نہیں لائے لب پر
بھائی کی بیڑیاں آنکھوں سے لگا کر اکثر　　کیا تعجب ہے جو کہتی ہو سکینہؑ رو کر
خاک پر سوئیں گے بستر بھی نہ ہو گا بھیا
کیا ہمارے لئے اب گھر بھی نہ ہو گا بھیا

مرے عمّو اگر آ جائیں تو پھر سب دیکھیں   کس طرح کٹتی ہیں یہ بیڑیاں اور زنجیریں
کیسے مارا مرے بابا کو بھتیجی سے سُنیں   فوج کو خیمے جلانے کی سزا آج ہی دیں
رات ہو گی تو اندھیرے میں چلی جاؤں گی
نہر سے عمّو کو میں آپ ہی لے آؤں گی

کیا تعجب ہے یہ کہتے ہوں تڑپ کے سجادؑ   آج تو سب سے زیادہ، ہے چچا جان کی یاد
وہ اگر ہوتے تو ممکن نہ تھی ہم پر بے داد   چپ رہو جانِ اخی کون سُنے گا فریاد
اب کوئی گھر کوئی تکیہ نہ بچھونا ہو گا
آج سے میری بہن خاک پہ سونا ہو گا

◆◆

مظلومیت

(مظلومیت کی اہمیت اور اہلبیتؑ کی مظلومیت کے مناظر)

۸۷ بند۔ ۱۹۷۹ء

◆◆

❖❖

کیا چیز ہے یہ جلوهٔ بیداریِ جہاں
مظلومیّت نے دی ہے بصیرت کی کہکشاں
یہ مجلسیں، یہ حلقۂ ماتم، یہ نوحہ خواں
مظلومیّت ہے فطرتِ انساں پہ حکمراں
اک بیکس و غریب کا احسان یاد ہے
مظلومیت کی فتح کا اعلان یاد ہے

❖❖

مظلومیت

مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے   مظلومیت میں تارِ نفس ذوالفقار ہے
اس لفظ پر کمالِ شجاعت نثار ہے   مظلومیت میں قوتِ پروردگار ہے
پگھلا کے غم کی آنچ سے سنگِ حیات کو
مظلومیت نے جیت لیا کائنات کو

مظلومیت حصار ہے قرآن کا حصار   مظلومیت وقار ہے اسلام کا وقار
روحِ تغیرات مشیت کا اختیار   مظلومیت میں پیار ہے سارے جہاں کا پیار
حلقے میں ہے ابد وہ مسلسل پیام ہے
مظلومیت سیاستِ قرآں کا نام ہے

مظلومیت منجھے ہوئے کردار کی اُمنگ   مظلومیت وہ زندگی چشمِ قضا ہے دنگ
اللہ کی رضا سے مٹا کر انا کا رنگ   مظلومیت نے وضع کیے ہیں اُصول جنگ
سمجھا دیا علاجِ ستم انقلاب ہے
حق جس کی آن ہو وہ بغاوت ثواب ہے

انسانیّت کے اہلِ قلم اور ادب نواز
مظلومیّت کے نور سے ہیں روشنی طراز
تاریخ سے نگاہِ بشر پر کھلا یہ راز
انسانیّت اذان ہے مظلومیت نماز
اس باغ کی ہوا سے عمل کے گلاب ہیں
مظلومیّت کے سائے میں لاکھ آفتاب ہیں

مظلومیّت دراصل خُدا آشنا مزاج
مظلومیّت سے لرزہ براندام سامراج
اس در کی مُشتِ خاک ہیں دُنیا کے تخت و تاج
مظلومیّت کو ملتا ہے کونین سے خراج
ہر معرکے میں جبر نگاہی کی موت ہے
مظلومیّت، رعونتِ شاہی کی موت ہے

مظلومیّت کے آئینے میں زندگی کا رنگ
اہلِ نظر کے واسطے حق آگہی کا رنگ
مظلومیّت بنامِ خدا ہے خودی کا رنگ
اس رنگ نے مٹا دیا ہر سرکشی کا رنگ
سایہ فگن جو ظلم کے ہتھیار ہو گئے
مظلومیت کی برق سے فی النار ہو گئے

مظلومیّت وہ تیشۂ ایثار و حق پسند
توڑی ہے جس کی ضرب نے ہر آذری کمند
مظلومیّت، وہ حیدریؑ چابک دمِ گزند
ڈرتا ہے جس سے گردشِ تقدیر کا سمند
یہ امر لازوال خرد کا نظام ہے
مظلومیت فراستِ خیرالانامؐ ہے

مظلومیت وہ درد کا سیلابِ تُندخو
جس نے رکھی تموّجِ قدرت کی آبرو
دیکھیں یہ طرزِ جنگ زمانے کے جنگجو
مظلومیت ہے خونِ جگر بند سے وضو
طوفاں کی روح کھینچ سمندر کی موج کو
بچے بھی مسکرا کے اُلٹتے ہیں فوج کو

ہر نقطۂ عروجِ نظر اس عمل میں ہے — الحمد کا تمام اثر اس عمل میں ہے
کہتی ہے شامِ نورِ سحر اس عمل میں ہے — انساں عظیم ہے یہ خبر اس عمل میں
تقدیرِ دو جہاں کا احاطہ کئے ہوئے
مظلومیت ہے ساری خدائی لئے ہوئے

مظلومیّت ہے بحرِ تمدّن کی تیز لہر — وہ لہر جس نے کر دیا صحرا کو روحِ شہر
مظلومیّت نے پیاس میں ٹھکرا کے آبِ نہر — میدان میں پلا دیا سفّاکیّت کو زہر
عصیاں مزاجِ وقت کی رفتار کاٹ دی
شہ رگ سے اضطراب کی تلوار کاٹ دی

کیا چیز ہے یہ جلوۂ بیداریِ جہاں — مظلومیّت نے دی ہے بصیرت کی کہکشاں
یہ مجلسیں یہ حلقۂ ماتم یہ نوحہ خواں — مظلومیّت ہے فطرتِ انساں پہ حکمراں
اک بیکس و غریب کا احسان یاد ہے
مظلومیت کی فتح کا اعلان یاد ہے

مظلومیت کا زور ہے خاموش انقلاب — خاموش انقلاب میں تسخیر کا شباب
مظلومیت سے وحشتِ حاکم کا سدِّ باب — اے کربلا نہیں ترے مہمان کا جواب
زخموں سے برچھیوں کا جگر چاک کر دیا
مظلومیت کو مطلعِ ادراک کر دیا

صدیوں سے ہے مصیبتِ عاشور کا سوال — تاریخ کی نگاہ دکھائے کوئی مثال
وہ دشت جس کی چھاؤں میں جلنے لگے خیال — مظلوم اُس کی دھوپ میں تھا فاطمہؑ کا لال
سیراب کر کے دشتِ بلا خونِ پاک سے
مظلومیت نے چاند اُگائے ہیں خاک سے

مظلومیت کے چاند ہیں وہ رہنما اصول
تسلیم کر رہے ہیں جنہیں آسماں کے پھول
مظلومیت کی حد میں ہے دنیا کا عرض و طول
یعنی غمِ حسینؑ ہے سرمایۂ رسولؐ
اسلام کے بغیر مسلمان ہی نہیں
مظلوم سے جدا ہے تو انسان ہی نہیں

مظلومیت فضاؤں میں کہتی ہے یا حسینؑ
آوازِ یا حسینؑ میں ہے زندگی کا چین
سُنتا ہے آج بھی یہ صدا صحنِ مشرقین
پروردگارِ صبر ہے زہراؑ کا نورِ عین
انساں کو اپنی قدر کا عرفان چاہیے
پروردگارِ صبر پہ ایمان چاہیے

انسان کیا بھلائے گا مظلوم کا پیام
زندہ ہے جس پیام سے احساس کا نظام
مخفی نہیں یہ بات سمجھتے ہیں خاص و عام
سب کچھ فنا ہے صرف حقیقت کی ہے دوام
نام و نشاں کی روشنی راہِ خدا میں ہے
زندہ وہی ہے جس کی نظر کربلا میں ہے

بے وجہ تو نہیں یہ محرم میں شور و شین
تہذیب کے صحیفے میں اہلِ عزا کے بین
اشکوں سے جگمگایا ہے ایوانِ مشرقین
مظلومیت کے عرش پہ سمجھا گئے حسینؑ
نقدِ جہاں سے فکر کو رسوا نہ کیجیے
مر جایئے ضمیر کا سودا نہ کیجیے

مردہ ہے خواہشات میں ڈوبا ہوا ضمیر
لعنت ہے زر کی دھوپ سے پگھلا ہوا ضمیر
تذلیلِ زندگی ہے خریدا ہوا ضمیر
پیمانۂ یزید ہے بیچا ہوا ضمیر
اِک آن میں حیات کا رُخ موڑ دیجیے
تاریکیوں کو حُرؑ کی طرح چھوڑ دیجیے

مظلومیت کا خاص تقاضہ ہے دمبدم
اُونچا رہے شعور کی تہذیب کا علم
لمحات کا شکار ہوں صدیوں کے پیچ و خم
مظلوم حق پرست کا حامی رہے قلم
ظلمت کہاں تلک ہے یہ حد ناپ لیجیے
پھر آفتابِ عزم کا قد ناپ لیجیے

راہوں کی آگ راکھ بنے تیز ہوں قدم
اِک اِک قدم حصار کرے بارشِ کرم
سُرمہ بنا کے عزم کی بجلی سے کوہِ غم
لہرایئے خدا کے لئے پرچمِ حشم
تکبیر کی صداؤں سے باطل دہائی دے
مغرور قوتوں کا جنازہ دکھائی دے

خونِ جگر سے فکر کا چہرہ سجایئے
دل کا لہو چراغِ نظر میں جلایئے
کردار میں خلوص کی گرمی بسایئے
دُنیا جہاں رُلائے، وہاں مسکرایئے
دے کر دعائیں زخمِ ستم کے جواب میں
بھر دیجئے سکون رگِ اضطراب میں

نفرت کا زور، فرطِ محبت سے توڑیے
غصّے کا رُخ کمالِ تحمل سے موڑیے
خیرالعمل سے شر کی کلائی مروڑیے
کانٹے سے رنگ، سنگ سے خوشبو نچوڑیے
ظرفِ نظر سے فکر کی صہبا اُچھال کے
آہن کو نور دیجئے شیشے میں ڈھال کے

پیدا ہو اعتبارِ اخوت نظر نظر
قائم رہے وفا کی تجلّی نگر نگر
نقشِ قدم ہوں چاند ستارے سفر سفر
سرمایہ دارِ حمدِ خدا ہو بشر بشر
سچائیوں کی روح کا حامل بیان ہو
ہر فیصلہ جہانِ عدالت کی شان ہو

پیشانیوں کا نور ہو سجدوں کا ترجماں　　سینوں میں آفتاب ہو پارس ہوں انگلیاں
پھیلے کچھ اس ادا سے شرافت کی کہکشاں　　بستی میں ہو بہار تو صحرا ہو گلستاں
احساسِ باہمی کا تبسّم جوان ہو
ہر فرد اپنی ذات میں اِک آسمان ہو

فرمانروائے ملک ہو کوئی کہ ہو فقیر　　مظلومیت ہے آج بہر حال دستگیر
لازم ہے گوشِ دل سے سُنیں سب جوان و پیر　　مظلوم کہہ رہا ہے بہ آوازِ دل پذیر
سیرت سے اپنی ذات کی تعمیر چاہیے
طیّب معاشرہ ہو وہ تدبیر چاہیے

فطرت ہے اپنے نفس کی اصلاح کا شعور　　اصلاحِ نفس قاطعِ ظلمت چراغِ طور
فطرت پہ ہو یقین تو ممکن نہیں غرور　　یعنی کمالِ عجز میں ہے بندگی کا نور
حکمت سے دور آئینۂ آب و گِل نہیں
جس میں خدا کی یاد نہیں ہے وہ دل نہیں

یادِ خدا ہے اصل میں بندے کی آبرو　　وہ آبرو، کرے جو ستاروں سے گفتگو
یادِ خدا میں دیکھئے انساں کو سرخرو　　''دامن نچوڑ دے تو فرشتے کریں وضو''
کھینچا ہے جس نے ہاتھ زمیں پر فساد سے
واقف ہے وہ تمام حقوق العباد سے

قندیلِ انقلاب کی لو ضبط پروری　　منزل کا پیش خیمہ، ارادے کی پختگی
آنکھوں کا نور، دل میں صداقت کی روشنی　　دل کا شباب گرمیِ ایمان و آگہی
قبضہ رہے سمندِ عقیدت کی باگ پر
ڈرتی ہے جس سے آگ، وہ چلتا ہے آگ پر

غنچے ہوا میں رنگ بکھیریں گے بے خطر		کلیاں فضا کی مانگ بھریں گی دمِ سحر
ہر پھول مسکرا کے لٹائے گا نورِ زر		خوشبو نفس نفس میں بنائے گی اپنا گھر
بادِ خزاں کی قید کا سامان کیجیے
ہر ذہن کو بہار کا گلدان کیجیے

سیرابیِ چمن ہے، چمن دوستی کا حُسن		تاریکیوں کا خاتمہ ہے، روشنی کا حُسن
خلقِ خدا کے پیار میں ہے آگہی کا حُسن		احساسِ دردِ غیر سمجھئے خوشی کا حُسن
سب صورتیں ہیں خوبیِ سیرت کے واسطے
یہ زندگی ملی ہے عبادت کے واسطے

خود اپنے تجربوں کے پرستار آدمی		جلتا ہے کوئی گھر تو سمجھتے ہیں روشنی
اے کاش، دل نشیں ہو کبھی یہ خیال بھی		کیوں زندگی کی لاش پہ ہنستی ہے زندگی
کہنا پڑے گا نشۂ دولت کا زنگ ہے
شبنم سے جو الگ ہے وہی پھول سنگ ہے

وہ قوم جس کے رہبرِ اعظم ہیں مصطفےٰ		اُس کو مٹا سکے یہ زمانہ مجال کیا
وہ قوم جس کے عزم کا محور ہے کربلا		اُس کے لہو کا رنگ ہے جلوہ حیات کا
قرآن و اہلبیتؑ سے جس کا نظام ہے
اُس قوم پر ہوائے تعصب حرام ہے

بجتا ہے کربلا میں وہ نقارۂ عمل		جس کی صدائے ناز میں ہے مشکلوں کا حل
لازم ہے تلخیوں کے لئے لذتِ عَسَل		مظلوم دے رہا ہے ہمیں امنِ لایزل
یہ بات وہ سُنیں جنہیں قرآن یاد ہے
اسلام میں، دفاع کی صورت جہاد ہے

سمجھیں یہ بات قوم کے افرادِ خوش نگاہ
کب تک رہے گی شوخیِ باطل سے رسم وراہ
غالب ہے کیوں یقین کی دنیا پہ اشتباہ
کچھ سوچیے کہ رنگِ تمدّن ہوا سیاہ
ڈر جائے جس سے موت وہ پیغام چاہیے
اب قوم کو، حسینؑ کا اسلام چاہیے

ماضی سے ہمکنار مسلمان کی نظر
قربان ہو رہی ہے ادائے خلیلؑ پر
انسان اور اطاعتِ خلّاقِ بحر و بر
تعبیرِ خواب کے لئے قربانیِ پسر
خوشنودیِ اِلہ کا منظر عجیب تھا
بندہ بہ نفسِ پاک خدا سے قریب تھا

خنجر کی دھار، حلقِ پسر اور پدر کا دل
اس حوصلے نے موہ لیا بحر و بر کا دل
کہتا ہے آج عالمِ فکر و نظر کا دل
جذبِ خلیلؑ بن گیا خیرالبشرؐ کا دل
خنجر چلا دیا تھا جو عزمِ صمیم سے
اللہ نے بدل دیا ذبحِ عظیم سے

ذبحِ عظیم، قسمتِ اسلام، نورِ حق
ذبحِ عظیم، صبر کا سورج، شعورِ حق
ذبحِ عظیم، تاجِ مسلماں، غرورِ حق
ذبحِ عظیم، کرب و بلا میں سُرورِ حق
عاشور کے ورق پہ عمل کا نصاب ہے
ذبحِ عظیم خونِ رسالتؐ مآب ہے

پڑھ لیجئے وہ مصحفِ مقتل کی آیتیں
معراج پر نظامِ خدا کی حمایتیں
زخموں کی نذر سارے جہاں کی ولایتیں
قانونِ کردگار کی زندہ روایتیں
لائے تھے قتل گاہ سے جب نورِ عین کو
قرآن نے سلام کیا تھا حسینؑ کو

قرآن کے سلام کا مقصد ہے آشکار　　زندہ رکھیں حسینؑ نے آیاتِ کردگار
نیزے کی نوک پر وہ تلاوت کا اختیار　　کہیے جسے تحفظِ اسلام کی بہار

اعجاز کب تھا فاطمہؑ کے لالہ فام کا
نقارہ بج رہا تھا محمدؐ کے نام کا

نیزے پہ سر، زمین پہ بکھرا ہوا بدن　　بکھرا ہوا بدن تھا کہ اسلام کا چمن
وہ پھول سونگھتے تھے جسے سرورِ زمن　　اُس پھول کو غبار نے اُٹھ کر دیا کفن

جو ضبط بن گئی تھی وہ فریاد زندہ باد
بعدِ حسینؑ زینبؑ و سجادؑ زندہ باد

کیسے کہوں کہ شامِ غریباں گذر گئی　　اشکوں کے ساتھ آہِ یتیماں گذر گئی
کوفے سے شام تک شبِ زنداں گذر گئی　　زنداں میں ایک جانِ اسیراں گذر گئی

بیمار کی نگاہ تھی زینبؑ کے صبر پر
سجادؑ چپ کھڑے تھے سکینہؑ کی قبر پر

مدت کے بعد شام کے زنداں کا در کھلا　　حکم رہائی آیا تو زینبؑ نے دی صدا
اُٹھو سکینہؑ، اب تو اندھیرا گذر گیا　　سب جارہے ہیں تم بھی چلو میری مہ لقا

اے لال، نیند ایسے میں کیوں اختیار کی
اب تو سحر ہوئی ہے شبِ انتظار کی

اُٹھو سکینہؑ اُٹھو سوئے کربلا چلو　　بابا کے پاس اوڑھ کے ننھی ردا چلو
بیمار بھائی گود میں لے جائے گا چلو　　اصغرؑ کو دیکھنا ہے تو جلدی ذرا چلو

اتنا تو غم نہ چاہیے پانی کی بات پر
عباسؑ انتظار میں ہوں گے فرات پر

حاصل ہوا نہ قبرِ سکینہؑ سے کچھ جواب زینبؑ کے پاس آکے یہ کہنے لگیں ربابؑ
اے بنتِ فاطمہؑ مری بچی ہے محوِ خواب کہہ دیجے قافلے سے چلے کربلا شتاب
مرقد رہے گا شام میں، اس غم نصیب کا
تنہائیاں خیال رکھیں گی غریب کا

آخر دیارِ شام سے نکلے اسیرِ شام ننھی سی ایک قبر نے سب کو کیا سلام
اہلِ عزا یہاں ہے مصائب کا اژدہام اب شاعرِ حسینؑ ہے اور آنسوؤں کے جام
آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر اُبل پڑے
اغلب ہے آج منہ سے کلیجہ نکل پڑے

دل جس پہ خون روئے وہ عالم نظر میں ہے محشر بدوش منظرِ ماتم نظر میں ہے
ٹھہرا جہاں پہ قافلۂ غم نظر میں ہے کچھ بیکسوں کا گریۂ پیہم نظر میں ہے
آہوں سے یوں ہے فکر کی بستی بسی ہوئی
ہر سانس جیسے گورِ غریباں بنی ہوئی

ویران دشت دیکھ رہا ہوں اِدھر اُدھر بے چینیاں ہیں گرم ہواؤں کے دوش پر
پرواز کر رہا ہے وہاں طائرِ نظر کوسوں جہاں نصیب نہیں سایۂ شجر
تنہائیاں ہیں درد کی دنیا لئے ہوئے
یا بیکسی کی دھوپ ہے سایہ کئے ہوئے

وہ دشت ہے نگاہ کے پردے پہ آشکار دامن میں جس کے لٹ گئی کونین کی بہار
وہ سرزمیں ہے آج تصور سے ہمکنار جس پر لہو ہوا ہے محمدؐ کا لالہ زار
فطرت جہاں چراغِ شہادت جلاتی ہے
مجھ کو وہاں سے رونے کی آواز آتی ہے

یہ دشتِ کربلا ہے قیامت کی سرزمیں
سوئے ہیں جس کی خاک پہ زہراؑ کے مہ جبیں
وہ اک طرف جو گرد اُٹھی ہے کہیں کہیں
راہِ دمشق سے کوئی آتا ہے بالیقیں
ظاہر ہیں کچھ عماریاں کچھ راہوار ہیں
چھوٹے سے قافلے کے نشاں آشکار ہیں

وہ چھٹ گیا غبار، وہ ظاہر ہوا بشیر
معلوم ہو رہے ہیں مدینے کے راہ گیر
وہ اک جواں ہے سر کو جھکائے بشکلِ پیر
مدت سے جیسے طوق و سلاسل میں ہے اسیر
اک اک نفس میں حوصلۂ مشرقین ہے
مظلومیّت کی راہ میں یہ بھی حسینؑ ہے

اس وقت یہ غریب ہے کونین کا امامؑ
سجادؑ ہے اسی کا لقب اور علیؑ ہے نام
جس نے کمالِ ضبط سے توڑا غرورِ شام
کانٹوں پہ جو چلا وہ یہی ہے خجستہ گام
اس کی نظر میں سب سے جُدا کارزار ہے
خاموش انقلاب کا پروردگار ہے

ٹھہرا بشیرؔ قافلۂ غم ٹھہر گیا
ساکت ہوئیں ہوائیں، تڑپنے لگی فضا
پردے عماریوں کے ہلے دردِ دل بڑھا
آنسو بہے بشیر نے تھرا کے دی صدا
پیاسے مجاہدوں کا گلستاں قریب ہے
اے اہلبیتؑ، گورِ غریباں قریب ہے

یہ سنتے ہی غریب تھے اور محشرِ فغاں
ذرّوں سے جو چھپی تھیں وہ آہیں ہوئیں عیاں
سجادؑ روئے، سج گئی پلکوں پہ کہکشاں
غم کی زبان بن گئے ہتھکڑیوں کے نشاں
جی بھر کے دل کا درد سُنانے کو باپ سے
زخموں کی بات کرنے لگے اپنے آپ سے

فضہؓ کو دی صدا پھوپھی اماں سے ہوشیار　　محمل سے گر نہ جائیں کہیں ہو کے بے قرار
کہدو قریب آ گیا ماں جائے کا مزار　　گر حکم ہو یہیں پہ اُتر جائیں پردہ دار
پیدل یہاں سے پیاسوں کی بستی میں جائیں ہم
گر حکم ہو تو حلقۂ ماتم بنائیں ہم

فضہؓ پکاری سیّد سجادؑ جلد آؤ　　بے ہوش ہوگئی ہے پھوپھی ہوش میں تو لاؤ
محمل کے پاس غیر اگر ہوں اُنہیں ہٹاؤ　　اے شاہزادے، دوڑ کے خود ہی گلے لگاؤ
تسکین دے کے صبر کی قوت سے کام لو
زہراؑ کی لاڈلی کے کلیجے کو تھام لو

سجادؑ جلد آؤ قیامت گذر نہ جائے　　دُنیا سے فاطمہؑ کی امانت گذر نہ جائے
جو سب کی زندگی ہے وہ صورت گذر نہ جائے　　یعنی غمِ حسینؑ کی دولت گذر نہ جائے
زینبؑ نہیں رہی تو کسے لے کے جاؤ گے
پھر کس کے ساتھ حلقۂ ماتم بناؤ گے

فضہؓ سے جب یہ درد و الم کی صدا سُنی　　سجاد نے تڑپ کے پکارا مری پھوپھی
کیا بیکسی کی رسم یہاں آ کے توڑ دی　　سنبھلو کہ اب تو بھائی کی تربت بھی آ گئی
جی بھر کے آج رو لو شۂ مشرقین کو
جاؤ لحد پہ جا کے پکارو حسینؑ کو

اُٹھو پھوپھی، چلو علیؑ اکبر کو دیکھ لو　　مٹی میں اپنے مہرِ منوّر کو دیکھ لو
سوتے ہوئے شبیہِ پیمبرؐ کو دیکھ لو　　جس میں تمہارا لال ہے اُس گھر کو دیکھ
شام و سحر نثار تھیں جس گلعذار پر
اشکوں کے پھول ڈال دو اُس کے مزار پر

دیکھو پھوپھی فرات کا ساحل بھی آ گیا　　آرام کر رہے ہیں جہاں پر مرے چچا
ایسے میں اک خیال سے دل ڈوبنے لگا　　ہم سے عجیب وقت سکینہؑ ہوئی جُدا
عمّو کو کس طرح یہ کہانی سُنائیں گے
خالی ہیں ہاتھ قبر پہ کس مُنہ سے جائیں گے

سجادؑ نے یہ کہہ کے اُٹھایا پھوپھی کا سر　　زانو پہ رکھ کے، چہرۂ اقدس پہ کی نظر
جس دم عبا سے پونچھا پسینہ بچشمِ تر　　زینبؑ نے آنکھیں کھول کے دیکھا اِدھر اُدھر
کہنے لگیں کہو مرا بھائی کہاں پہ ہے
سجادؑ میری ماں کی کمائی کہاں پہ ہے

سجادؑ نے کہا' پھوپھی لمّاں یہیں یہیں　　وہ دیکھو سامنے ہیں محمدؐ کے مہ جبیں
اُونچی سی سامنے نظر آتی ہے جو زمیں　　پیچھے اُسی کے بابا کی تربت ہے بالیقیں
پیشِ نگاہ حیدرؑ و صفدر کا باغ ہے
اُٹھو بہت قریب نبیؐ کا چراغ ہے

یہ سُن کے اُٹھ کھڑی ہوئی زہراؑ کی لاڈلی　　اُٹھتے ہوئے بھتیجے سے اِک بات یوں کہی
سجادؑ سب سے جا کے یہ کہہ دو ابھی ابھی　　ہٹ جائیں لوگ آتی ہے خواہر حسینؑ کی
غصے میں لمّاں جائے کو ہرگز نہ لاؤں گی
بھائی کی قبر پر میں کھلے سر نہ جاؤں گی

فضہؑ کا ہاتھ تھام کے زینبؑ ہوئیں رواں　　آئیں تمام حلقۂ ماتم میں بیبیاں
کلثوم سی بہن ہوئی حلقے میں نوحہ خواں　　ہونے لگی بیان شہیدوں کی داستاں
پھٹنے لگے جگر جو غریبوں کے بین سے
سینوں پہ ہاتھ پڑنے لگے ''یا حسینؑ'' سے

زینبؑ کو آ گیا جو نظر بھائی کا مزار　　بے ساختہ پکار اُٹھی ہو کے بے قرار
بھیا بہن کو لینے تو آؤ بہن نثار　　بھیا جواب دو یہ کلیجہ ہوا فگار
آنکھوں میں بھر کے رونے کا ارمان لائی ہوں
میں سوگوار، شام کے زنداں سے آئی ہوں

یہ بین کر کے آ گئیں جس دم سرِ مزار　　پھیلا کے ہاتھ گر پڑیں زہراؑ کی یادگار
ماتھا رگڑ کے خاک پہ بولی وہ اشکبار　　بھیا سلام کرتی ہے زینبؑ جگر فگار
بازو کو چومنے کی ادا یاد آئی ہے
بھیا، مجھے دمشق سے تقدیر لائی ہے

بھیا، گلا کٹا کے یہاں تم تو سو گئے　　کوفے میں اس بہن کے لئے تازیانے تھے
بھیا، میں یوں تھی سامنے ابنِ زیاد کے　　چہرے پہ بال، ہاتھ رسن میں بندھے ہوئے
اب تک ہے جن میں خاک، وہ گیسو تو دیکھ لو
بھیا، ذرا اُٹھو مرے بازو تو دیکھ لو

بھیا میں شرمسار ہوں کیسے کروں بیاں　　زندانِ شام تک رہی بچی کی پاسباں
غربت میں چھوڑ آئی ہوں اک درد کا نشاں　　بھیا یہ پوچھ لو کہ سکینہؑ گئی کہاں
اتنے طمانچے کھائے کہ بے جان ہو گئی
بھیا تمہارے سر پہ وہ قربان ہو گئی

بھیا، بہن کے ہاتھوں میں اس دم رسن نہیں　　مجبور آج سینہ زنی کو بہن نہیں
بھیا، بتاؤ اب تو کہیں بے کفن نہیں　　اک بار کہدو، زخموں میں کوئی جلن نہیں
بھیا مجھے دکھاؤ گے حالت زبان کی
کیا پیاس بجھ گئی ہے مرے بھائی جان کی

کڑیل جواں کی لاش اُٹھانا ہے یادگار　　کیا روشنیِ چشم ابھی تک ہے برقرار
تم نے سہی تھی فرقتِ عباسؓ نامدار　　کیا آج بازوؤں میں نہیں درد میں شمار
سینے پہ داغِ قاسمِؑ مضطر نہیں رہا
کہدو خیال میں علی اصغرؑ نہیں رہا

بھیا کہو تو زُلفِ مبارک سنوار دوں　　بھیا اگر غبار ہو رُخ پر صفا کروں
اب تو گلے کے زخم سے بہتا نہیں ہے خوں　　بھیا بتاؤ اب تو میسّر ہوا سکوں
پہلو میں اب چُبھے ہوئے بھالے ہیں یا نہیں
بھیا، کسی نے تیر نکالے ہیں یا نہیں

بھیا مجھے بھی پاس بلا لو کسی طرح　　میری لحد بھی ساتھ بنا لو کسی طرح
فرقت کی قید میں ہوں نکالو کسی طرح　　بھیا مجھے گلے سے لگا لو کسی طرح
آئی تھی ساتھ ساتھ ہی ڈیرا جماؤں گی
نانا کی قبر پر میں اکیلی نہ جاؤں گی

غیرت نواز میرے برادر جواب دو　　کب سے پکارتی ہے یہ خواہر جواب دو
میرے غریب، کشتۂ خنجر جواب دو　　سر سے اُتارتی ہوں میں چادر جواب دو
دیکھوں، مجھے جواب نہیں دو گے کس طرح
بھیا برہنہ سر مجھے دیکھو گے کس طرح

ماں جائے، صرف میں ہی نہیں غم کی مبتلا　　صدمہ تمہیں بھی ہو گا بہن کی جدائی کا
ماں جائے اور کچھ نہیں میرا مطالبا　　اک بار کہدو اے مری زینبؑ وطن نہ جا
بھیا تمہارے پاس محمدؐ ہے عونؑ ہے
اکبرؑ مرا یہاں ہے، مدینہ میں کون ہے

زینبؑ کے اس بیان پہ تھرّائی کربلا مظلوم کے مزار سے آنے لگی صدا
زینبؑ غریب بھائی ہے غمخوار مرحبا تم نے تمام حقِّ رفاقت ادا کیا
زندہ رہو صداقتِ پیغام کے لئے
مظلومیت عزیز ہے اسلام کے لئے

زندانِ شام سے تو رہائی ملی بہن لیکن تمہاری قید ہے، یہ زندگی بہن
کیا پاؤ گی نجات غموں سے مری بہن اب ساری عمر ہے نفسِ بیکسی بہن
دُنیا کو واقعاتِ مصیبت سُناؤ گی
عابدؑ کو بار بار گلے سے لگاؤ گی

زینبؑ وطن میں ہے مری صغراؑ کو انتظار کرنا گلے لگا کے مری غمزدہ کو پیار
زینبؑ چلے تھے گھر سے تو صغراؑ کو تھا بخار باہیں گلے میں ڈال کے کہتی تھی بار بار
یہ عالمِ فراق مٹائیں گے یا نہیں
بابا مجھے بھی آپ بلائیں گے یا نہیں

زینبؑ مری طرف سے یہ کہنا بصد دعا صغراؑ تمام قافلہ غربت میں لُٹ گیا
وعدہ کیا تھا جس نے وہ بھائی نہیں رہا مظلومیت کی جان ہے اصغرؑ کا ماجرا
وہ بے زباں کی تیر سے گردن ڈھلی ہوئی
کُرتے پہ ہے تمام کہانی لکھی ہوئی

زینبؑ تمہارے بھائی کا اک اور ہے پیام جس وقت کرنا مادرِ عباسؑ کو سلام
کہنا مری طرف سے بصد عز و احترام لمّاں مری بقا ہے مرے باوفا کا نام
ڈالی ہے جان عزم و عمل کے فسانے میں
عباسؑ جیسا بھائی نہ ہو گا زمانے میں

◆◆

انسان اور کربلا

(عصرِ حاضر میں دبستانِ کربلا کی افادیت واثرات)

۸۷ بند۔ ۱۹۷۰ء

◆◆

❖❖

وہ مشرقی پکار ہو یا مغربی صدا
مظلومیّت کے ساز پہ دونوں ہیں ہم نوا
محور بنا ہے ایک جنوب و شمال کا
تفریقِ رنگ و نسل پہ غالب ہے کربلا
تسکینِ روح، سایۂ آہ و بکا میں ہے
ہر صاحبِ شعور کا دل کربلا میں ہے

❖❖

انسان اور کربلا

انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا تہذیب ردِّ ظلم سکھاتی ہے کربلا
فطرت کو روشنی سے سجاتی ہے کربلا ذہنوں میں آفتاب اُگاتی ہے کربلا
منسوب ہو جو فکرِ حسینؑ بیان سے
برسیں مہ و نجوم بشر کی زبان سے

بے شک وہ حرف ولفظ ہیں مثلِ مہ و نجوم جو ذکرِ کربلا میں ہوئے دفترِ علوم
لاریب اُس ادب نے مچائی ادب میں دھوم جو فکرِ کربلا سے مزیّن ہے بالعموم
مقتل کی سرخیوں سے قلم زرنگار ہے
جس میں ہے کربلا وہ سخن پائیدار ہے

کیسے نہ پائیدار ہو تحریر کا مزاج ملتا ہو آفتاب سے جب روشنی کا تاج
دیتا ہے اُس بیاں کو جہانِ بیاں خراج ڈالے جو رنگِ نظم سے ایثار کا رواج
تسخیرِ شام ذہنِ سحر آشنا سے ہے
یعنی بقائے اہلِ سخن کربلا سے ہے

دیکھے ہیں ہم نے سارے جہاں کے سخن طراز انسانیت ہے سب کے بدن کی قبائے ناز
اس وحدتِ خیال میں لیکن یہ امتیاز ہر شہر جانماز ہے اور کربلا نماز
ظالم سے نفرتوں کے تقاضے کہاں نہیں
مظلومیت کی فتح پہ سجدے کہاں نہیں

تحریکِ پاسداریِ مظلوم، زندہ باد آزادیِ ضمیر کا مفہوم، زندہ باد
اہلِ قلم میں قصۂ معصوم، زندہ باد جو محوِ کربلا ہے وہ مغموم، زندہ باد
غم سے تخیلات کی تعمیر ہو گئی
انسان کے مزاج کی تطہیر ہو گئی

پیمانۂ مزاج بنا، وسعتیں ملیں دل وضع ہو گئے تو نئی دھڑکنیں ملیں
مرکز ملا، شعور کی ساری رگیں ملیں سمٹے تمام فاصلے سب سرحدیں ملیں
ہر بزم ایک زلفِ خرد کی اسیر ہے
ہر ملک کربلا کی زمیں کا سفیر ہے

ہر ملک غیرتِ بنی آدمؑ کی انجمن ہر انجمن کی شان تمدّن کا بانکپن
اِک روشنی کی بات، چراغاں دہن دہن گویا کتابِ شوق کی جاں صرف اِک سخن
دنیا کا اعتبار ہے اک اعتبار میں
سب کی صدا ملے گی حسینؑ پکار میں

وہ مشرقی پکار ہو یا مغربی صدا مظلومیت کے ساز پہ دونوں ہیں ہم نوا
محور بنا ہے ایک جنوب و شمال کا تفریقِ رنگ و نسل پہ غالب ہے کربلا
تسکینِ روح، سایۂ آہ و بکا میں ہے
ہر صاحبِ شعور کا دل کربلا میں ہے

شاعر کسی خیال کا ہو یا کوئی ادیب
واعظ کسی دیار کا ہو یا کوئی خطیب
تاریخ تولتا ہے جہاں کوئی خوش نصیب
اس طرح بات کرتا ہے احساس کا نقیب
دیکھو تو سلسلہ ادبِ مشرقین کا
دُنیا کی ہر زباں پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

دنیا ورق ہے طغرۂ آیت ہے کربلا
کیا ہیں روایتیں یہ درایت ہے کربلا
جس کی غرض ہے عدل وہ غایت ہے کربلا
کعبہ تو ابتدا ہے نہایت ہے کربلا
دنیائے مہر و ماہ اسی راستے میں ہے
ہر نور کربلا کے شریعت کدے میں ہے

عہدِ ستمگری میں شکیبائیوں کا نور
دار و رسن میں فکر کی سچائیوں کا نور
نادانیوں کے دور میں دانائیوں کا نور
شامِ عمل میں صبح کی رعنائیوں کا نور
انسان پروری میں جسے انہماک ہے
وہ روشنی، حسینؑ کے مقتل کی خاک ہے

مقتل کی خاک یا کسی روضے کی جالیاں
سب نسبتِ عظیم کی روشن خیالیاں
حقانیت کے پھول عقیدت کی ڈالیاں
سب اہلِ معرفت کی صداقت جمالیاں
کلمے کی بات بن گئی پیاسے کی بات سے
زندہ رہے رسولؐ نواسے کی ذات سے

اسلام اور قصیدۂ اسلام کی قسم
سبطِ نبیؐ کے دم سے ہے فکر و نظر میں دم
خیر البشرؐ کا نام اگر دل پہ ہو رقم
اک بوریہ نشیں بھی اُلٹتا ہے تختِ جم
باطل مٹے گا جرأت تردید چاہیے
پھیلے گا حق، حسینؑ کی تقلید چاہیے

وحدت کی معرفت ہے بہ عرفانِ کربلا کہنا پڑے گا، حق ہے دبستانِ کربلا
زندہ ہے ہر کتاب بہ عنوانِ کربلا کہنا پڑے گا دین ہے میزانِ کربلا
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس نفسیات کو
روشن کیا حسینؑ نے انساں کی ذات کو

دل ہے تو خونِ دل کا چراغاں نہ بھولیے تاریخِ کارنامۂ انساں نہ بھولیے
بے مثل داستاں ہو تو عنواں نہ بھولیے بالیدگیِ روح کا ساماں نہ بھولیے
اس شیوۂ ادب سے ادب زندہ باد ہے
انسان ہے وہی جسے انسان یاد ہے

آباد ہے یہ شہر تو خنداں ہے باغ دہر انساں شناس آنکھ ہے بینائیوں کا شہر
کردار کی اجل ہے فراموشیوں کا زہر کہتی ہے باغِ دہر میں فکر و نظر کی لہر
گلشن میں جو اسیرِ گُلِ تر نہیں ہوا
وہ غربتِ شعور سے باہر نہیں ہوا

کیوں نقدِ شوق کے لئے مفلس بنے نظر کیوں غربتِ شعور میں قیدی رہے بشر
لاتا ہے رنگ پھول کی مہکار کا اثر کیوں نقش ہو نہ بات، طبیعت کی لوح پر
سیرِ چمن ہو، ذکر نہ آئے گلاب کا
یہ غفلتِ نظر ہے اندھیرا عذاب کا

گلزارِ زندگی پہ مکمل شباب ہو اس غفلتِ نظر سے اگر اجتناب ہو
ہر آنکھ میں گلاب بقدرِ گلاب ہو ماضی کی ایک ایک روش کا حساب ہو
رسوائیِ نظر پہ مسلّط خزاں رہے
ذہنوں پہ کربلا کی ہوا گلفشاں رہے

سامانِ گلفشانیِ پیہم یہی تو ہے　　تدبیرِ خوش نگاہیِ عالم یہی تو ہے
فطرت کی ہر ادا پہ مقدّم یہی تو ہے　　جہلِ سخن کے زخم کا مرہم یہی تو ہے
احساس کو نگاہ کی معراج دیجئے
دل ہے تو کربلا کی زمیں چوم لیجئے

جلوے سحر سحر ہیں تو محور ہے کربلا　　شعبے نظر نظر ہیں تو منظر ہے کربلا
آفاق جس کا صحن ہیں وہ گھر ہے کربلا　　انساں کے معجزوں کا سمندر ہے کربلا
ٹپکا وہ خون تشنہ لبی کے گلاب سے
صحرا میں پھول کھلنے لگے، قحطِ آب سے

کہنے کو قحط آب ہے بربادیِ چمن　　گرمی سے راکھ ہوتے ہیں پھولوں کے پیرہن
لیکن بتا گئے ہیں شہیدانِ بے کفن　　دریا ہیں، تین روز سے سوکھے ہوئے دہن
تیروں کی سیج پر گُلِ زہراؑ بکھر گئے
انسانیت کے باغ کو سیراب کر گئے

انسانیت کے باغ میں اب جس قدر ہیں پھول　　اُن کا نصیب ناز ہے باغیچۂ بتولؑ
یہ بات مانتے ہیں زمانے کے بااصول　　جس دل میں کربلا ہے اُسی دل میں ہیں رسولؐ
شانِ خطیب، حُسن بیانی کے ساتھ ہے
قرآں تمام اپنے معانی کے ساتھ ہے

قرآں کی لازوال کہانی ہے کربلا　　سب آیتوں کی ایک نشانی ہے کربلا
دریا خراج دے وہ روانی ہے کربلا　　سارا زمانہ پیاس ہے پانی ہے کربلا
پیاسوں کی یاد جس کے عمل کا نظام ہے
آبِ حیات اُس کے تکلّم کا نام ہے

آبِ حیات ڈھونڈنے والے اِدھر تو آئیں
جامِ شعور سے مئے وحدت پئیں پلائیں
ذوقِ نظر کو آئینۂ کربلا دکھائیں
قربان جس پہ خضرؑ اسے رہنما بنائیں
خونِ رسولؐ مُہر ہے پختہ یقیں پر
انسان آسماں کی طرح ہے زمین پر

کردار کے شرف سے مشرّف ہے زندگی
کردار ہی سے نبضِ دو عالم ہے آدمی
کردار آفتاب ہے کردار روشنی
کردار ہی کا نام ہے آبِ حیات بھی
فطرت کا انقلاب دہندہ وہی تو ہے
مرتا ہے جو حسینؑ پہ زندہ وہی تو ہے

معلوم ہو جو مقصدِ قربانیٔ حسینؑ
سینوں میں جلوہ ریز ہو تحریکِ قبلتین
ہر سمت ہو خلوص کے سجدوں کی زیب و زین
خیرالعمل سے گونج اُٹھے صحنِ مشرقین
صف بستہ یوں جماعتِ ماہ و نجوم ہو
کونین میں نمازِ مودّت کی دھوم ہو

پڑھ لیجئے نمازِ مودّت کی داستاں
میزانِ ہوش ہے شبِ عاشور کا بیاں
وہ کربلا کا دشت وہ عہد آفریں جواں
خیموں میں وہ زمیں کے مصلّوں پہ آسماں
سب نورِ کردگار کے ساغر پیے ہوئے
اُترا تھا چاند، اپنے ستارے لیے ہوئے

زہراؑ کا چاند اپنے ستاروں میں جلوہ گر
غالب رہے جو شام پہ تا حشر وہ سحر
وہ معتمد عزیز وہ انصارِ معتبر
گویا دل و نگاہ کی وحدت یقین پر
عالم وہ ایک ایک گُلِ لاجواب کا
مہکا ہوا تھا باغ، رسالت مآبؐ کا

وہ اقربا، نہالِ رسالتؐ کے برگ و بار — معیارِ حق، مظاہرِ آیاتِ کردگار
تقویٰ سرشت، حمد بیاں، زہد افتخار — قرآں مزاج، شرعِ نظر، مصطفےٰؐ شعار
ہر طرح خاندانِ سیادت کی جان تھے
کہنا پڑے گا سورۂ کوثر کی شان تھے

ہر سانس میں تموّجِ کوثر کا انقلاب — ہر آنکھ رحمتوں کی گلابی سے فیض یاب
ہر قلب میں رسولؐ کی تہذیب کا نصاب — ہر بات کے جواز میں اللہ کی کتاب
معراج پر ادائے تکلّم لئے ہوئے
خوش ہوں حسینؑ، ایسا تبسّم لئے ہوئے

خوشنودیِ حسینؑ سے فطرت میں روشنی — ایثار کے صدف میں طبیعت ڈھلی ہوئی
احساس یہ خلوصِ وفا میں نہ ہو کمی — ایمان یہ کہ دین پہ قربان زندگی
شامل تھی یوں رضائے خدا دل کے ساز میں
جیسے دُرود آلِ نبیؐ پر نماز میں

انصار کے لبوں پہ وظیفہ دُرود کا — یکساں مآلِ مجلسِ غیب و شہود کا
بے خوف اہتمام قیام و قعود کا — پیشانیوں پہ نور، حسینؑ سجود کا
اس طرح کر رہے تھے اطاعت امامؑ کی
تفسیر بن گئے تھے خدا کے کلام کی

اللہ کا کلام اولی الامر کا نظام — یعنی بچشمِ عدل قیادت کا اہتمام
آقا بنے گا جب بھی کوئی وقت کا غلام — اُٹھ جائے گی زمانے سے تمیزِ صبح و شام
جو منصبِ امامِ زماں جانتے نہیں
وہ لوگ اپنے آپ کو پہچانتے نہیں

انسان اپنے آپ کو پہچان لے اگر عرفانِ کردگار سے غافل نہ ہو نظر
منظر میں ہوں حسینؑ کے انصارِ خوش سیَر ایمان ہو وجودِ نبیؐ و امامؑ پر
اسلام کی تمام سعادت نصیب ہو
کوئی زُہیرِ قینؓ ہو کوئی حبیبؓ ہو

ظرفِ زُہیرِ قینؓ ہو یا جذبۂ حبیبؓ دونوں ہیں آج تک شبِ عاشور کے نقیب
جس وقت ایک رات کی مہلت ہوئی نصیب سب کو نبیؐ کے لال نے بلوا لیا قریب
یوں تھے حسینؑ اہلِ بصیرت کے سامنے
جیسے رسولؐ اپنی شریعت کے سامنے

صف بستہ ہو گئے جو شریعت کے سب شجر تقدیر کی بیاض میں لکھے گئے ثمر
مستقبلِ جہاں نے تصدق کئے گُہر سبطِ نبیؐ نے اپنے گلستاں پہ کی نظر
دنیائے رنگ و بو کے سب اسرار کُھل گئے
چھوٹے بڑے گلاب نگاہوں میں تُل گئے

اپنے سدا بہار گلابوں کو تول کر دُنیا سے کہہ رہی تھی یہ مظلوم کی نظر
چھینا گیا ہے پھولوں سے پانی تو کیا ہے ڈر برسات ہو گی اب انہیں پیاسوں کے نام پر
وہ ابرِ غم دلوں کا سمندر اُٹھائے گا
ایک ایک اشک لاکھ گلستاں اُگائے گا

ہر خطۂ زمیں پہ گلستانِ زندگی غنچوں کو جب سُنائے گا فرمانِ زندگی
یاد آئیں گے حسینؑ کے مہمانِ زندگی لکھیں گے حق پسند نویسانِ زندگی
دریا کو ضربِ تشنہ لبی سے ہرا دیا
پیاسوں نے سنگ و خشت کو پانی بنا دیا

ماندِ سنگ و خشت ہیں دشمن تو کیا ہوا
یہ حیدریؑ ہیں صبر و تحمل کی انتہا
کیا ہے جو بے شمار ہے لشکر یزید کا
یہ چند سرفروش ہیں دیوارِ مصطفےٰؐ
صوم و صلوٰۃ روح کی قوت کے نام ہیں
یہ لوگ اپنے اپنے عمل میں امام ہیں

یہ ہیں جنہیں امامؑ بڑے پیار سے بلائے
یہ ہیں کہ جن کی بات خدا آشنا بنائے
یہ ہیں وہ صورتیں جنہیں قرآں گلے لگائے
یہ لوگ مسکرائیں تو اسلام مسکرائے
مقبول بارگاہِ رسالت مآبؐ ہیں
یہ لوگ روشنیٔ دلِ بوترابؑ ہیں

فرزندِ بوترابؑ نے خطبہ عجب دیا
حمدِ خدا کے بعد کچھ اس طرح سے کہا
اے میرے اقربا، مرے اصحابِ باوفا
تم ہو مرے تمام ارادوں کا ارتقا
پہچانتے ہو فاطمہؑ کے نورِ عین کو
اے اہلِ درد، ناز ہے تم پر حسینؑ کو

تم جانتے ہو سبطِ پیمبرؐ کے دل کا درد
اس درد کے خلاف ہیں اعدا پئے نبرد
دنیا میں آج نبضِ عدالت ہوئی ہے سرد
یہ زندگی ہے راہِ وفا میں قدم کی گرد
قرآں و اہلبیتؑ میں ربطِ دوام ہے
اہلِ خدا پہ بیعتِ فاسق حرام ہے

فاسق یزید نحس ہے یہ جانتے ہیں سب
میں وارثِ رسولؐ خدا ہوں بفضلِ رب
کیا صاحبِ ادب کو جھکائے گا بے ادب
ذہنوں پہ جو پڑے ہیں وہ پردے اٹھیں گے اب
نوکِ سناں ہے، شام ہے اور آفتاب ہے
اس رات کی سحر میں نیا انقلاب ہے

سب سے جدا ہے میرے رفیقو' یہ انقلاب — کل عصر تک ہے فتنۂ بیعت کا سدِّ باب
سب رکھ چکے ہیں خنجر و تیغ و سناں پہ آب — کل چہرۂ حسینؑ ہے اور خون کا خضاب
لاشے رہیں گے خاک پہ اہلِ اصول کے
تیروں کی نذر ہوں کے صحیفے بتولؑ کے

اب گلشنِ بتولؑ ہے اور آخری یہ رات — کل رات ہوگی خاک پہ زہراؑ کی کائنات
اے غازیو، یقین سے کہتا ہوں میں یہ بات — کل برچھیوں کی ضرب ہے اور شیشۂ حیات
اب جتنی صورتیں ہیں نہ ہوں گی سحر کے بعد
نیزے ہمیں اُٹھائیں گے کل دوپہر کے بعد

کل دوپہر عجیب قیامت ہے دوستو — روئیں گے دو جہاں، وہ مصیبت ہے دوستو
برچھی کی نوک' دل کی حکایت ہے دوستو — چادر میں لاش پھولوں کی صورت ہے دوستو
نقشِ وفا بنے گا جو پانی کی لہر پر
میں اپنے ہاتھ ڈھونڈنے جاؤں گا نہر پر

نہرِ فرات کل ہمیں ڈھونڈے گی دوستو — ہر موجِ غم کی آگ پہ تڑپے گی دوستو
صحرا کی دھوپ واقعہ لکھے گی دوستو — خیموں کی راکھ دشت میں بکھرے گی دوستو
میں کیا کہوں غریب کہاں سر چھپائیں گے
ناموس بال کھول کے پردہ بنائیں گے

اے ناصرو' یہ رات ہے پردہ زمین پر — چھپتی ہے اس کے سائے میں تصویرِ بحر و بر
تم سب مری طرف سے ہو آزاد سر بسر — چاہو تو اختیار کرو امن کا سفر
کیوں اپنے جسم، خون میں نہلاؤ دوستو
گُل کر رہا ہوں شمع چلے جاؤ دوستو

بیعت کا بوجھ میں نے اُتارا خوشی سے جاؤ	چھوڑو مجھے، عزیزوں کو اپنے گلے لگاؤ
آب و غذا کا لطف اُٹھا کر سکون پاؤ	اک میرا خوں بہے گا تم اپنی تو جاں بچاؤ
جتنے بھی فوجِ شام میں خونخوار آئے ہیں
یہ صرف میرے سر کے طلب گار آئے ہیں

سر میرا کاٹ لیں گے چلے جائیں گے یہ لوگ	تیر و سناں کسی پہ نہ برسائیں گے یہ لوگ
خیمے ہی جب نہ ہوں گے تو کیا پائیں گے یہ لوگ	گھوڑے بس ایک لاش پہ دوڑائیں گے یہ لوگ
انجام صرف پالنے والے کے ہاتھ ہے
تنہا نہیں ہوں، میرا خدا میرے ساتھ ہے

اس خطبۂ حسینؑ پہ تڑپے خدا شناس	انگڑائی لے کے جوش میں جھومے وفا شناس
تیغوں کو تولنے لگے وہ کربلا شناس	کیا ابتدا شناس تھے کیا انتہا شناس
خرد و کلاں امامؑ کا احساس بن گئے
سب عالمِ جلال میں عباسؑ بن گئے

بولے کمالِ ضبط میں عباسِؑ ذی حشم	آقا قریب ہے کہ نکل جائیں سب کے دم
اب آپ ہی بتایئے اے منبعٔ کرم	کیا فرقتِ حضورؑ میں زندہ رہیں گے ہم
موجیں تو صرف اپنے سمندر کے ساتھ ہیں
ہم کلمہ گو ہیں، سبطِ پیمبرؐ کے ساتھ ہیں

سرکارؑ آپ جانِ پیمبرؐ ہیں ہم غلام	مقصودِ زندگی ہے اطاعت ہمارا کام
ہر دوست ہر عزیز ہے وابستۂ امام	سرکار ہی کے نام سے زندہ ہے سب کا نام
تیغوں سے فوجِ شام پہ نازل عذاب ہو
سرکارؑ حکم دیں تو ابھی انقلاب ہو

تائیدِ انقلاب میں گویا ہوئے حبیبؑ | اے کاش اذنِ جنگ اسی وقت ہو نصیب
بولے زہیرؓ میں ہوں نبرد آزما خطیب | آئے تو کوئی رستمِ شامی مرے قریب
ماضی کی زندگی کو پسِ پشت ڈال کے
لایا ہوں بحرِ عشق سے موتی نکال کے

آئینہ دارِ عشق بنِ عوسجہؓ کی بات | الفاظ میں ڈھلی ہوئی جذبوں کی کائنات
کچھ اس ادا سے گونج اُٹھا لہجۂ ثبات | آنکھیں ملا کے دیکھ لے اب گردشِ حیات
ہرگز نظر نہ جائے گی دنیا کے چین پر
سو بار زندگی ہو، مروں گا حسینؑ پر

یہ زندگیِ فکر و نظر زندگی ہوئی | اس نور سے ہے بزمِ قیادت سجی ہوئی
یہ آگہی چراغ بنی روشنی ہوئی | اس آرزو سے موت میں بھی دلکشی ہوئی
سچ ہے جو آج تک یہ صدائے شعور ہے
انسانؑ کربلا میں خُدا کا غرور ہے

واللہ اس بیان پہ شاہد ہے کربلا | وحدت کا شاد کار تھا وہ مجمعٔ وفا
اس طرح مطمئن ہوئے فرزندِ مصطفیٰؐ | طے ہو گیا ہو جیسے شہادت کا مرحلہ
پیشانیوں کو چوم لیا قبلتین نے
خوش ہو گئے رسولؐ، دعا دی حسینؑ نے

پائی دعا، چلے گئے خیموں میں جانثار | چہرے تھے اب سکونِ مودّت کے آبشار
باہم معانقے تو بغل گیر بار بار | سجدے کہیں تھے اور کہیں تسبیحِ کردگار
کامل مزاج دانِ فروغ و اصول تھے
باغیچۂ نبیؐ میں عبادت کے پھول تھے

باغیچۂ نبیؐ میں بالآخر سحر ہوئی یعنی وہ شب مزاج گری میں بسر ہوئی
نورِ سحر سے زینتِ قلب و نظر ہوئی اکبرؑ اذان دیں گے یہ سب کو خبر ہوئی
آمادۂ نماز جو خرد و کلاں ہوئے
ہم شکلِ مصطفےٰؐ کی طرح دل جواں ہوئے

دینے لگے اذان جو ہم شکلِ مصطفےٰؐ یاد آ گیا حسینؑ کو لہجہ رسولؐ کا
شاید زبانِ حال سے کہتی ہو کربلا کب اتنے تشنہ کام تھے سردارِ انبیاؑ
بے شک یہ آبروئے رسالت مآبؐ ہیں
اکبرؑ کے خشک ہونٹ اذاں کا شباب ہیں

تعمیلِ حکم رب کی سند یہ اذان ہے ایمان اور خلوص کی حد، یہ اذان ہے
مقتل کی زد پہ ذکرِ صمد یہ اذان ہے اسلام کی نماز کا قد، یہ اذان ہے
اب حشر تک سحر کی فضا خوں رُلائے گی
ہم شکلِ مصطفےٰؐ کی اذاں یاد آئے گی

یہ وہ اذان تھی جو سرِ دشت و در گئی نورِ عمل سے سینۂ تخلیق بھر گئی
ہر عہد ہر زمانے کے دل میں اتر گئی سورج رُکا یہ حدِّ سفر سے گذر گئی
اطلاق جس جگہ پہ نہیں صبح و شام کا
ڈنکا بجا وہاں بھی محمدؐ کے نام کا

اب تک یہی اذان ہے اُمت کی پاسباں اب تک اسی اذان سے اکبرؑ ہیں نوجواں
عالم جو تیرتے ہیں خلاؤں کے درمیاں سب ہیں اسی اذاں کی حقیقت کے ترجماں
جلوے سمٹ کے اپنے مدینے میں آ گئے
سیارے کربلا کے سفینے میں آ گئے

انساں کریں گے وقت پہ سیارگاں کی سیر — ممکن ہے اس جہاں سے ہزاروں جہاں کی سیر
بالکل نئی زمین، نئے آسمان کی سیر — کہہ دے گی خود تمام زمان و مکاں کی سیر
سرسبز ہر چمن اسی ابرِ کرم سے ہے
اللہ اکبر، اب علی اکبرؑ کے دم سے ہے

اکبر اذان دے چکے قائم ہوئی نماز — سبطِ نبیؐ امام تو ماموم اہلِ ناز
الحمد کے ستون تھے وہ عبدِ بے نیاز — اک لازوال حُسنِ قیادت سے سرفراز
سجدوں سے اہلِ حق نے وہ درسِ عمل دیا
حُرؑ کی طرح مقدرِ ہستی بدل دیا

لیکن عجب تھا عصر کو بدلا ہوا نظام — ماموم سب گذر گئے تنہا ہوئے امامؑ
باقی کوئی حبیبؑ نہ عباسؑ نیک نام — اب فاطمہؑ کا لال تھا اور برچھیوں کی شام
تلواریں پڑ رہی تھیں غریب الدیار پر
خنجر برس رہے تھے محمدؐ کے پیار پر

گلزار لُٹ چکا تھا محمدؐ کے پیار کا — بکھرے ہوئے گلاب تھے اور دشتِ کربلا
کڑیل جواں سحر کا موذن بھی اب نہ تھا — خود بیکسی پکار رہی تھی یہ کیا ہوا
کیوں نصرتِ امامؑ کو آتا نہیں کوئی
نرغے میں ہے حسینؑ، بچاتا نہیں کوئی

وہ اک حسینؑ اور وہ ہزاروں ستم شعار — نیزے کہیں چلے تو کہیں پتھروں کے وار
اک تن پہ اتنے زخم کہ جن کا نہیں شمار — ہر زخم سے وہ خونِ مقدس کا آبشار
وہ حالتِ غریب عجب دردناک تھی
چہرے پہ تازہ خون تھا، ہاتھوں پہ خاک تھی

چہرے پہ تازہ خون کی سُرخی نے کہدیا　　گودی میں تیر کھا چکا بے شیر مہ لقا
ہاتھوں کی خاک ننھی سی تربت کا ماجرا　　جیسے ابھی چھپا ہو کلیجہ ربابؑ کا
جھولا تھا اب وہ صورت نورِ نظر نہ تھی
اصغرؑ پہ کیا گذر گئی ماں کو خبر نہ تھی

اصغرؑ کی یاد میں تو تڑپتی رہی ربابؑ　　مقتل میں ذبح ہو گیا فرزندِ بوترابؑ
فضہ دہائی دے کے پکاری بہ اضطراب　　زینبؑ کہاں ہو، دیکھ لو نیزے پہ آفتاب
بستی اُجڑ گئی ہے مقدر اُلٹ گیا
چوما تھا جس گلے کو وہ خنجر سے کٹ گیا

اس خنجرِ الم سے قیامت ہوئی بپا　　زینبؑ گریں زمیں پہ ہلی ارضِ کربلا
کلثومؑ کو غش آیا، سکینہؑ کا دم رُکا　　ذہنِ ربابؑ میں علی اصغرؑ نہیں رہا
حالات ذوالجناح نے آ کر سنائے تھے
اب ہر نظر میں شامِ غریباں کے سائے تھے

کس طرح آئی شامِ غریباں نہ پوچھیے　　تاراجیِ خیام کا طوفان نہ پوچھیے
سیدانیوں کا حالِ پریشان نہ پوچھیے　　مجبور آنسوؤں کا چراغاں نہ پوچھیے
خاموشیوں کے لب پہ غضب کی دہائی تھی
زنجیر کے تڑپنے کی آواز آئی تھی

زنجیر میں حسینؑ کا سجادؑ ناتواں　　جس کا وجود قوتِ صبرِ پیمبراںؑ
جس نے اُٹھایا سب سے بڑا بارِ امتحاں　　مظلومیّت کی فتح بنیں، جس کی بیڑیاں
خیموں کی گرم راکھ پہ سجدے بچھا دیے
شعلوں میں جس نے حمد کے گلشن اُگا دیے

ایسا نظامِ حمد تو دیکھا نہیں کہیں — اس انفرادیت کا مصلّیٰ نہیں کہیں
یوں کوئی غم کی آگ سے گذرا نہیں کہیں — یہ ضبط اور یہ حوصلہ ملتا نہیں کہیں

ذرّوں کا زخم شکر کے مرہم سے بھر دیا
ہتھکڑیوں کو جہاد کی میزان کر دیا

شاید کہا ہو ہاتھوں کی ہتھکڑیاں چوم کر — بابا نیا جہاد ہے اور آپ کا پسر
گردن میں طوق ڈال گئی فوجِ بدسیَر — سب اہلبیتؑ سر کھلے بیٹھے ہیں خاک پر

ممکن نہیں کہ یوں بھی کوئی دل حزیں رہے
اب تو پھوپھی کی آنکھوں میں آنسو نہیں رہے

بابا، پھوپھی کا چہرۂ اقدس تو دیکھئے — کیا متصّل ہیں شیرِ خدا کے جلال سے
گردِ قدم بنے ہیں مصائب کے مرحلے — کیا ہمتیں ہیں شامِ غریباں کو دیکھ کے

دل مطمئن ہے آپ کے ایقان کی طرح
میدان میں کھڑی ہیں چچا جان کی طرح

دیکھیں یہ طرزِ جنگ بھی دیکھیں مرے چچا — بربادیوں کی تیغ سے کاٹی ہے ہر جفا
میں قید میں ہوں ثانیِ زہراؑ ہیں بے ردا — کیا کربلا کی روح نہیں ہے یہ معرکہ

بنتِ علیؑ کا صبر نگہبان ہو گیا
اب شام کا محاذ بھی آسان ہو گیا

قیصرؔ محاذِ شام کی تفصیل کیا لکھوں — ہر لمحہ انتہائے غمِ کربلا لکھوں
زینبؑ کا نام عزّتِ دینِ خدا لکھوں — سجادؑ کو حسینؑ کا مشکل کشا لکھوں

خطبے نہ دیتے گر یہ نگہبانِ کربلا
چھپ جاتے کربلا میں شہیدانِ کربلا

◆◆

علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؑ

(علمِ غیب کی اہمیت اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی علمِ غیب پر دسترس)

۹۰ بند۔ ۱۹۸۰ء

◆◆

maablib.org

❖❖

گیسوئے دہر میں تخریب کے خم کچھ بھی نہیں
جبر کے آتشِ سیّال قدم کچھ بھی نہیں
حق فراموش زمانے کا قلم کچھ بھی نہیں
حکمراں کچھ بھی نہیں اُن کے ستم کچھ بھی نہیں
کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقّارہ ہے

❖❖

علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ

عالمِ غیب سے ملتے ہیں، مضامینِ سخن — حُسنِ باطل سے مرصّع ہیں، براہینِ سخن
روح کا آئینہ ہے جلوۂ تمکینِ سخن — دل کے دو حرف ہیں سو رنگ سے آئینِ سخن
گفتگو گلشنِ تطہیر سے وابستہ ہے
مرثیہ جنّتِ احساس کا گلدستہ ہے

نعمتِ شاعری، کردار کی پائندہ بہار — اسی نعمت سے ہے فطرت کے گلوں کی مہکار
لفظ باندھے ہیں، تخیّل کی سُنہری دستار — جس طرح چاند کی آنکھوں میں ہو سورج کا خمار
شوقِ مدحت جو خیالات کے در کھولتا ہے
مرثیہ بُلبلِ سدرہ کی طرح بولتا ہے

ذہن کی شاخ پہ کھل جاتے ہیں اکثر وہ گلاب — ڈھونڈنے نکلوں چمن میں تو ملے صاف جواب
کبھی پڑھتا ہوں تصور میں وہ خوشبو کا نصاب — جس کی تعظیم کرے گلشنِ رضواں کا شباب
صحنِ تخلیق میں ہر لمحہ قلمکاری ہے
مرثیہ غیب کے سورج کی ضیا باری ہے

کون روکے گا، نئی فکر کے سورج کا سفر　　شہر بستا ہے تو بنتی ہے نئی راہگذر
ہر زمانے میں ہے ابلاغ کا اندازِ دگر　　قیدیِ وقت نہیں خونِ شہیداں کا اثر
حشر تک راہِ تمدّن کا سفر حاصل ہے
مرثیہ قافلۂ حال کا مستقبل ہے

اَن گنت فاصلے، اس عالم رفتار میں ہیں　　جتنی صدیاں ہیں وہ اس حلقۂ افکار میں ہیں
انقلاباتِ جہاں، پنجۂ کردار میں ہیں　　جتنے جوہر ہیں اسی فکر کی تلوار میں ہیں
فرقِ ظالم پہ یہ تلوار بہت کاری ہے
مرثیہ جذبۂ مظلوم کی بیداری ہے

گیسوئے دہر میں تخریب کے خم، کچھ بھی نہیں　　جبر کے آتشِ سیّال قدم، کچھ بھی نہیں
حق فراموش زمانے کا قلم، کچھ بھی نہیں　　حکمراں کچھ بھی نہیں اُن کے ستم کچھ بھی نہیں
کربلا جس کی بلندی ہے، وہ مینارہ ہے
مرثیہ، سب سے بڑی فتح کا نقارہ ہے

اُف یہ آسیب زمانہ کے بھیانک خدوخال　　قوّتِ غیب نہ حاصل ہو تو جینا ہے محال
فن کی توہین قلمکار کی حُرمت پامال　　ایسے ماحول میں زندہ ہے فقط ایک خیال
ظلمتِ شام گذرنے کی خبر ہوتی ہے
مرثیہ کہتا ہے کوئی تو سحر ہوتی ہے

وہ لکیریں بھی جو بے ربط نظر آتی ہیں　　اک مصور کی نگاہوں میں جگہ پاتی ہیں
خواب مُرجھاتے ہیں، بیداریاں لہراتی ہیں　　مشکلیں نادِ علی سُن کے گذر جاتی ہیں
ایک نقطے کو سمجھنا بڑی دانائی ہے
مرثیہ، غیب کا معصوم تماشائی ہے

بحرِ ذخّار سے غوّاص کو ملتے ہیں گہر
ذوقِ ایجاد سے موجود ہوئے اربابِ ہنر
تجربہ صنعتِ آئندہ کی دیتا ہے خبر
طائرِ فکر کی رفتار ہے رفتارِ نظر
کون سی روشنی آفاق میں موجود نہیں
مرثیہ وسعتِ اسلام ہے محدود نہیں

کم ہو اسلام کی وسعت، یہ تصور ہے گناہ
مرثیہ سلطنت، الفاظ و معانی ہیں سپاہ
گرمیِ عزم پہ عاشور کے پیاسے ہیں گواہ
سامنے لاکھ ہمالہ ہوں نکل آتی ہے راہ
مطمئن ہوں کسی مشکل سے کہاں ڈرتا ہوں
میں تو جبریلؑ کے اُستاد کا دم بھرتا ہوں

میری منزل ہے شہنشاہِ رُسلؐ کا دربار
علم کے شہر کا در ہے مرے سجدوں کی بہار
پست ہو سکتا نہیں مدح کی صہبا کا خمار
جذبۂ بوذرؓ و سلماںؓ ہے طلب کا معیار
فن کی دنیا میں نئی صبح کا سودائی ہوں
ساقیِ غیب سے پینے کا تمنائی ہوں

رودِ کوثر کی طرح میری طبیعت کا سروش
زندگی ناز کرے بحرِ مودّت میں وہ جوش
میری وارفتگی مشہور ہے پیمانۂ ہوش
مجھے کہتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کا مے نوش
پردۂ اشک جو پلکوں پہ ٹھہر جاتا ہے
سامنے بولتا قرآن نظر آتا ہے

میرے ممدوح نے بخشے ہیں وہ نایاب سخن
آگ حاسد کو لگے، رشک کریں صاحبِ فن
غیب کے عطر سے ملبوس ہیں لفظوں کے بدن
جس طرح پھول میں خوشبو ہو سرِ صحنِ چمن
ایسے موتی ہیں مری فکر کے گنجینے میں
روشنی دیکھتا ہوں غیب کے آئینے میں

غیب کیا چیز ہے کچھ اس کی وضاحت کر دوں   اک حقیقت ہے جسے تشنۂ اظہار کہوں
ذہن میں آنے سے پہلے، متحرک مضمون   اک عبارت پسِ پردہ ہے جسے پڑھ نہ سکوں
بات آسان ہوئی حُسنِ تصرّف کے لئے
غیب وہ خواب، جو تعبیر ہے یوسفؑ کے لئے

غیب اک منزلِ نادیدہ، اِک انجامِ سفر   غیب ہے منظرِ خوش رنگ کا اِک پس منظر
غیب زخموں سے بھرے جسم پہ مرہم کا اثر   غیب ہے قافلۂ شام کو پیغامِ سحر
کتنا دلکش یہ اشارہ ہے ادیبوں کے لئے
غیب فردوسِ محبت ہے شہیدوں کے لئے

اصل میں غیب کی آواز ہے آوازِ شہود   غیب دامانِ عدم میں ہے بہ اندازِ وجود
جھومتی شاخ پہ یہ جھولتے پھولوں کی نمود   بزمِ ادراک میں ہے غیب کی صہبائے درود
چشمِ ساغر میں تماشہ گہہِ جبریلؑ بھی ہے
غیب، انسان کے ایمان کی تکمیل بھی ہے

یہ تخیل بھی مجھے غیب کے معنی سے ملا   غیب کی بادِ بہاری ہے گلستاں کی ہوا
آسماں سر پہ جو باندھے ہے سنہری سہرا   غیب کے نور کی آفاق نے پہنی ہے قبا
بادِ نکہت جو سرِ صحنِ چمن آتی ہے
حجلۂ غیب سے معصوم دلھن آتی ہے

غیب مخلوق ہے اس میں تو نہیں کوئی کلام   یہ الگ بات کہ دنیا سے الگ ہے یہ نظام
مل گئی ذوقِ طلب سے خبرِ خوش انجام   اے سخنور! ترے آقا نے دیا ہے یہ پیام
میرے اللہ کی قدرت میں کوئی ریب نہیں
خالقِ غیب ہے وہ، اُس کے لئے غیب نہیں

حریت آئینہ حلقے بھی ہیں زنجیروں میں
خواب کے سلسلے موجود ہیں تعبیروں میں
سانس لیتے ہیں مفاہیم جو تحریروں میں
جان پڑ جاتی ہے الفاظ کی تصویروں میں
سوزِ پنہاں سے تعلق جو نہیں ساز نہیں
روح انگڑائیاں لیتی ہے پہ آواز نہیں

وہ جو اللہ کی قدرت سے ہیں خلقت میں علیم
منکشف اُن کے لئے غیب کا گلزارِ عظیم
چشمِ حق میں ہیں وہی دل کی عبارت کے فہیم
جن کے اوصاف کا اعلان ہے، قرآنِ کریم
مسندِ فرش پہ جو عرش مکاں ہوتے ہیں
اُن کے سینوں میں سماوات نہاں ہوتے ہیں

ایسے بندے ہیں خدائی میں خدا کی آیات
جن کے اعمال کا صدقہ ہے زمانے کی نجات
رمزِ کوثر ہے فقط ایسے ہی افراد کی ذات
جن کے قدموں سے ملے سلسلۂ رازِ حیات
رازِ پائندگی جس منزلِ بیدار میں ہے
وسعتِ غیب اُسی محفلِ افکار میں ہے

غیب کا علم ہے، مخلوق پہ خالق کی عطا
اس عطا سے ہے بشر واقفِ اسرارِ خدا
جس کو اللہ نے بخشی ہو نیابت کی قبا
بزمِ ہستی میں اُسے غیب کا عرفان ملا
عینِ حق چاہیے تکمیلِ ہدایت کے لئے
غیب کا علم مقدّم ہے خلافت کے لئے

وہ خلافت جسے مقدور نبوّت کا لباس
وہ نبوّت جسے مقسوم امامت کا لباس
خاص منصب کی ادا، خاص مشیّت کا لباس
وہ امامت جسے حاصل ہو رسالت کا لباس
غیب اُس کے لئے وہ غیب کی دولت کے لئے
ہر فضیلت ہے نمائندۂ وحدت کے لئے

آیتیں کہتی ہیں کُل علم کا خالق ہے خدا　　اس حقیقت کو جو دیکھا تو عجب راز کھلا
علمِ خالق کے تعیّن کا تصور نہ رہا　　''عالم الغیب'' میں پھر کیوں اسے محدود کیا
ایسے الفاظ فقط مصلحتاً آئے ہیں
عقلِ محدود کو سمجھانے کے پیرائے ہیں

خضرؑ و موسیٰؑ کا سفر قصۂ آیاتِ مُبیں　　روزِ روشن کی طرح واقعۂ دانش و دیں
غیب کی جلوہ گری علم کی تصویرِ حسیں　　مسئلہ کچھ بھی نہیں شرط ہے قرآں پہ یقیں
واقعہ مظہرِ آیات کی پہچان بھی ہے
چشمِ انساں کے لئے غیب کا عرفان بھی ہے

خضرؑ نے خون کیا' دیدۂ موسیٰؑ حیراں　　فعلِ معصوم پہ عصمت کا سراپا حیراں
بازوئے نور سے مل کر یدِ بیضا حیراں　　جرم سے پہلے سزا شرع کی دنیا حیراں
مجھ سے بے علم نے اس راز کو یوں سمجھا ہے
عالمِ غیب شریعت کو بدل سکتا ہے

عالمِ غیب شریعت کے دبستاں کا امیر　　ورنہ معصوم بھی کہلائے رہینِ تعزیر
معترض آج بھی ہیں خوابِ زمانہ کے اسیر　　بے خبر ڈالتے ہیں پائے نبیؐ میں زنجیر
غیب کا علم اگر حاصل گفتار نہ ہو
کوئی قرآں کی صداقت کا طرفدار نہ ہو

خضرؑ کے سینے میں دیوار کی تعمیر کا راز　　دلِ موسیٰؑ کی طلب وقت کی محنت کا جواز
شرع کی آنکھ میں بے کیف ہے بے وقت نماز　　غیب کا علم بہرحال دمِ ناز و نیاز
شرع' تقدیر بنانے کا بہانہ بخشے
غیب کا علم یتیموں کا خزانہ بخشے

ہر نبیؑ اپنے زمانے میں ہے سب سے افضل
وسعتِ فکر پہ غالب ہے نبوّت کا عمل
سامنے عزّۂ لشکر ہو کہ دولت کے محل
غیر ممکن ہے پیمبرؐ کے ارادوں میں خلل
علم کے پھول کی مہکار جواں رہتی ہے
قدرتِ غیب زمانے پہ عیاں رہتی ہے

لفظ و معنی سے مبرّا ہے خدا کی تعریف
فکر محدود ہے ممکن نہیں حدِ توصیف
ذکرِ اللہ توانا ہے زبانیں ہیں ضعیف
ایسی منزل پہ طبیعت کا اشارہ ہے لطیف
حُسنِ شہکار سے دل حق یقیں پاتا ہے
نورِ الحمد محمدؐ میں نظر آتا ہے

عالمِ غیب ہے اللہ کے محبوب کی ذات
دونوں عالم پہ مقدّم ہے اسی نور کی بات
غور سے دیکھیے قرآں کی مقدّس آیات
اپنے شہکار کو بخشی ہیں مصوّر نے صفات
خالقِ غیب نے یہ بات بھی سمجھائی ہے
نقصِ تحریر قلم کار کی رُسوائی ہے

ایک مرکز پہ ہو جب سارے نبیوںؑ کا کمال
حدِ معراج دکھاتا ہے مشیّت کا نہال
غیب پر احمدِؐ مختار سے دنیا کے سوال
وہ جوابِ شہِ کونین بہ اندازِ جلال
نقشۂ خلد و سقر سامنے لا سکتا ہوں
میں ابھی عالمِ انجام دکھا سکتا ہوں

سوچیے عالمِ انجام پہ قادر ہو جو ذات
غالب آئیں نہ کبھی جس کے یقیں پر شبہات
جس کی ہر بات پہ شاہد ہو نزولِ آیات
جس پہ ہر وقت عیاں خُلد و سقر کے حالات
جس کی دانش میں کوئی منزل دشوار نہیں
کیا اُسے غیب کی دنیا سے سروکار نہیں

جس کا سینہ ہو تجلائے احد سے معمور   وہ تو آلائشِ دنیا سے بہر حال ہے دور
لوگ اِقراء کی وضاحت میں جو کرتے ہیں قصور   ان کو معلوم نہیں حُسنِ سخن کا دستور

آئے جبریلؑ امیں مصحفِ لاریب کھلا
نامِ اللہ سے احمدؐ پہ درِ غیب کھلا

چاک ہو سینۂ محبوب، یہ گفتار، غلط   دستِ جبریلؑ کرے صاف یہ کردار، غلط
پیکرِ نور میں عصیاں ہو یہ معیار، غلط   روحِ اسلام ہو ماضی میں خطا کار، غلط

حق نے یہ نُور چنا عرش کی مسند کے لئے
غیب سے حلّۂ عصمت ہے محمدؐ کے لئے

غیب کے علم پہ معراج ہے مضبوط دلیل   اس حقیقت سے بہت دور ہے رنگِ تاویل
صحنِ کونین پہ چھائی تھی نظر کی قندیل   مطمئن احمدِ مرسلؐ متحیّر جبریلؑ

منزلِ غیب پہ اللہ کا مہمان گیا
جہاں جبریلؑ نہ جائے وہاں انسان گیا

علمِ افلاک محمدؐ کو ہے تسلیم ہوا   قصرِ تخلیق کا ہر نقش نبیؐ نے دیکھا
لوحِ محفوظ پہ لکھا ہوا دل میں اُترا   یا بجز پردۂ وحدت کوئی پردہ نہ رہا

غیب و حاضر کے لئے راہنمائی دے دی
اپنے محبوب کو خالق نے خدائی دے دی

علمِ قرآں پہ محیط احمدِؐ مختار کا دل   یعنی ایوانِ ازل میں وہ ابد کی منزل
اِس حقیقت کا اگر کوئی نہیں ہے قائل   پھر تو قرآن کہاں اور کہاں مستقبل

جس کا دل وسعتِ قرآں کے لئے گھر ہو گا
عالمِ غیب کا اطلاق اُسی پر ہو گا

مقصدِ فکر پہ شاہد ہے خدا کا پیغام
دیکھیے لہجۂ قرآں میں تخاطب کا نظام
چند حرفوں میں وہ ناقابلِ تفسیر کلام
سر جھکاتا ہے زمانے کا غرورِ افہام
عبد و معبود میں کیا راز ہے معلوم نہیں
گفتگو غیب میں ہے منزلِ مفہوم نہیں

کہیں طٰہٰ کہیں یٰسین کہیں صٓ کا تاج
عقل و دانش کی ریاست جسے دیتی ہے خراج
اس بلندی پہ جہاں فکر و نظر ہوں محتاج
ہاتفِ غیب نے رکھ لی مرے افکار کی لاج
بات پردے کی ہے کیوں اور کسی سے پوچھو
غیب کا علم نبیؐ کو ہے نبیؐ سے پوچھو

چشمِ تاریخ میں روشن ہے پیمبرؐ کا عمل
بیبیاں اور بھی تھیں پاک نفس، پاک آنچل
دیکھ کر چشمۂ محضر میں شہادت کا کنول
اُمِ سلمیٰؓ کو امانت ہوئی خاکِ مقتل
علم تھا صرف یہی، اشکوں سے منہ دھوئیں گی
اُمِ سلمیٰؓ تو بھرے گھر کے لئے روئیں گی

حسبِ منصب جو نبیوںؑ کو ملا علمِ غیاب
کس طرح کیجے سب سے بڑے منصب کا حساب
کیسے خاموش رہوں شاہدِ عینی ہے کتاب
کوئی پیدا تو کرے علمِ محمدؐ کا جواب
لوگ کیوں عقل کو بیگانۂ حالات کریں
علم کے شہر کا در دیکھ لیں، پھر بات کریں

علم کے شہر کا در، شہر کی عظمت کا نقیب
جیسے اسلام ہر انداز سے وحدت کا نقیب
علم کے شہر کا در شہر کی وسعت کا نقیب
جیسے قرآن محمدؐ کی رسالت کا نقیب
طالبِ دید ہے کوئی تو سنبھل کر آئے
شہر سے جس کو محبت ہے وہ در پر آئے

علم کے شہر کا در، نام ہے جس کا حیدرؑ نورِ اوّل کی تجلّی کا مکمل مظہر
نظر جس کو زمانہ کہے معراجِ نظر چہرۂ نفس نبیؐ دیکھ کے دیتی ہے خبر
غیب کی لوح کا ہر نقش اُبھر آیا ہے
علم انسان کے پیکر میں اُتر آیا ہے

علم کا میں ہوں مدینہ تو علیؑ اس کا ہے در اس بلاغت پہ فدا ہے بخدا عقلِ بشر
سمجھیں اسرارِ حدیثِ نبویؐ اہلِ نظر غیب کا علم یہاں بھی ہے بہ اندازِ سحر
شہر کے ماننے والے یہ سبق پاتے ہیں
ایک دروازے میں کونین نظر آتے ہیں

معنیِ لفظِ مدینہ پہ کیا میں نے جو غور طائرِ عقل نے مژدہ یہ سنایا فی الفور
بے خبر دامنِ معنی میں ہے وسعت کچھ اور سب طریقے ہوئے پرنور نظر آئے وہ طور
نسبتِ ذات مدینہ سے جو دی جاتی ہے
کائنات ایک سفینے میں نظر آتی ہے

طالبِ حق ہے جو انسان وہ در در نہ پھرے مسجدِ کوفہ میں اِک منفرد آواز سنے
ایک دعویٰ سرِ منبر ہے زمانہ دیکھے مثلِ آئینہ ہیں آنکھوں میں سماوی رستے
ماہ و خورشید سرِ موجِ نظر بہتے ہیں
عالمِ غیب کے رہبر کو علیؑ کہتے ہیں

بات اسرارِ سلونی پہ جو آ پہنچی ہے شاہدِ عقل کو اِک اور سند ملتی ہے
جس کے عرفان کی تصدیق نبیؐ نے کی ہے اُس کے ہونٹوں پہ سلونی کی صدا گونجی ہے
غیب کیوں اُس کے لئے عالمِ تجہیل بنے
جس کے نائب کی نظر قائدِ جبریلؑ بنے

جنگِ صفین میں اسلام کے لشکر کی وہ پیاس — دھوپ اور جلتی ہوئی ریت سے ابطالِ حواس
حالتِ روح شکن موت کی مضبوط اساس — دستِ قدرت سے وہاں اک نئے چشمے کا نکاس
رحمتِ حق کا نظارہ بہ روانی دیکھا
شیشۂ غیب میں حیدرؑ نے وہ پانی دیکھا

حق نظر زندگیِ میثم تمارؒ پڑھیں — عشق ہے جس کی عبارت وہ قلمکار پڑھیں
غور سے تذکرۂ حیدرؑ کرار پڑھیں — غیب کا علم جسے کہیے وہ کردار پڑھیں
ارضِ کوفہ نے اِک ایسا بھی شجر دیکھا ہے
جس کی شاخوں نے مودّت کا ثمر دیکھا ہے

کاشفِ غیب کی مستقبلِ میثمؒ پہ نظر — وہ شہادت سے بہت پہلے شہادت کی خبر
کروٹیں وقت نے لیں آ گیا خونیں منظر — کہہ گیا دار پہ ایمان و وفا کا پیکر
بولتے علم کے ہر لفظ پہ توثیق ہوئی
غیب پر قبضۂ حیدرؑ ہے، یہ تصدیق ہوئی

ہم اگر عالمِ تاریخ کا منظر دیکھیں — روشنی ملتی ہے اولادِ پیمبرؐ سے ہمیں
طشت میں لعل و گہر آبِ وضو کی بوندیں — منظرِ غیب پہ سجادؑ کی محکم نظریں
رازِ مہماں جو محمدؐ کے پسر نے پایا
غیب کا واقعہ اربابِ نظر نے پایا

پردۂ وقت پہ اب تک ہے یہ اعجاز عیاں — واقفِ درد پہ ہے درد کا اندازِ بیاں
سازِ انصاف پہ ہے سوزِ جہاں، سازِ عیاں — ہر بصیرت پہ ہے مظلوم کی آواز عیاں
روزِ عاشور جو تسبیح شفق ہوتی ہے
غیب کے آئینے میں رویتِ حق ہوتی ہے

واقعات اور بھی ملتے ہیں کہاں تک لکھوں　　اہلِ فن کے لئے کافی ہیں مدلّل مضموں
وقت کہتا ہے طبیعت کی طنابیں کھینچوں　　غم کی تاکید ہے تمہید کو اب طول نہ دوں
بارشِ دردِ مصائب کی گھٹا لاتی ہے
پردۂ غیب سے رونے کی صدا آتی ہے

سوگواروں کے مچلتے ہوئے اشکوں کی قسم　　مرثیہ غیب سے لاتا ہے نئے گوہرِ غم
دیکھ کر ماہِ محرم میں حسینیؑ پرچم　　ہر عزادار تڑپتا ہے برائے ماتم
لوگ ہر سمت سیہ پوش نظر آتے ہیں
قبرِ زہراؑ پہ تصور میں پہنچ جاتے ہیں

یاد آیا ہے محمدؐ کے نواسے کا سفر　　وہ مدینے کی فضاؤں میں قیامت کی خبر
قیدیِ رنج و الم رحمتِ کونین کا گھر　　وہ خزاں بار ہوا وہ چمنِ خیرِ بشرؐ
حکمِ حاکم تھا محمدؐ کی شریعت نہ رہے
گیت باقی رہیں قرآں کی تلاوت نہ رہے

دین پر فرض جو تھا فتنۂ بیعت کا جواب　　لہجۂ غیب میں گویا ہوئی وحدت کی کتاب
اے حسینؑ اے شہِ مرداں کی شجاعت کے شباب　　اب ترے ہاتھ ہے اسلام کی عظمت کا نصاب
سینۂ صبح میں صہبائے محبت بھر دے
شام اُبھری ہے شہادت سے اُجالا کر دے

گفتگو مصحفِ قدرت سے ہوئی بالتفصیل　　پائی آغاز میں انجام کی روشن قندیل
جادۂ عزم پہ اللہ رے اُجالوں کی سبیل　　کہہ گیا کان میں بچپن کا شناسا جبریلؑ
حاملِ علمِ خداوند ہو، پہچانتا ہوں
تم نے چُوسی ہے محمدؐ کی زباں جانتا ہوں

بخدا نورِ بصیرت کا تقاضہ تھا یہی   مقتلِ آلِ محمدؐ نہ بنے شہرِ نبیؐ
گردشِ وقت پہ غالب تھے حسینؑ ابنِ علیؑ   صبر کی تیغ کو بوسہ دیا تکبیر کہی
جس سے باقی رہے اسلام وہ سامان کیا
یا علیؑ کہہ کے اُٹھے، کوچ کا اعلان کیا

اپنے عباسؑ کے شانے پہ رکھا دستِ کرم   پیار سے اتنا کہا اے مرے تابندہ حشم
اب یہی امرِ مشیّت ہے مشیّت کی قسم   راہِ غربت پہ چلیں احمدِ مرسلؐ کے حرم
دُور پردیس میں صحرا کو بسانا ہو گا
اب ہمیں قبرِ نبیؐ چھوڑ کے جانا ہو گا

اے مرے قوتِ بازو مرے بھائی مرے شیر   بنی ہاشمؑ کے قمر، حیدریؑ ساونت، دلیر
تم بہر حال زبر گردشِ تقدیر ہے زیر   مرضیِ حق ہے سفر میں تو مناسب نہیں دیر
باندھ لیں رختِ سفر سب کو خبردار کرو
ساتھ جائیں گے حرم، محملیں تیار کرو

بعد اس کے جو گئے خانۂ اقدس میں امام   قافلے والوں کی فہرست ہوئی سرانجام
جب سُنائے گئے فہرست میں لکھے ہوئے نام   آہ صغراؑ نے بھری اور کیا اس طرح کلام
سارا گھر آپ کے ہمراہ چلا ہے باباؑ
ایک میں رہ گئی کیا میری خطا ہے باباؑ

مجھ کو بیمار سمجھتے ہیں مسیحائے جہاں   سب یہ کہتے ہیں کہ صغراؑ میں کہاں تاب و تواں
سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑی ہیں اماں   ایسا لگتا ہے فقط میں ہوں بھرے گھر پہ گراں
کس کو احساس ہے تنہائی میں گھبراؤں گی
میں اکیلی در و دیوار سے ٹکراؤں گی

صورتِ خادمہ جاؤں گی مجھے لے چلیے   ہاتھ فضہؑ کا بٹاؤں گی مجھے لے چلیے
میں کسی کو نہ ستاؤں گی مجھے لے چلیے   مُنہ سکینہؑ کا دُھلاؤں گی مجھے لے چلیے
جسے کہتے ہیں دوا نام نہ لوں گی باباؑ
لوریاں آپ کے معصوم کو دوں گی باباؑ

سُن کے بیٹی کی زباں سے یہ غم انگیز سخن   رو دیئے مظہرِ انجام پہ سُلطانؑ زمن
کہا اے لاڈلی حاصل ہے تجھے ارضِ وطن   دشتِ غربت کے مسافر ہیں مرے غنچہ دہن
مسکراہٹ کے نئے پھول چُنیں گے اصغرؑ
لوریاں باپ کے ہاتھوں پہ سنیں گے اصغرؑ

دل قوی چاہیے اے میرے چمن کی خوشبو   عزم و ہمت میں کبھی فرق نہ آئے سرِ مُو
فرض ہے سب کے لئے دین کے زخموں کا رفو   مُنہ سکینہؑ کا دھلائیں گے سفر کے آنسو
جب طبیعت کو پریشان سی پانا صغراؑ
اپنی دادی کی لحد پر چلی جانا صغراؑ

گفتگو ختم ہوئی سیدِ ابرارؑ چلے   اپنی منزل کی طرف دین کے غمخوار چلے
مثلِ عباسؑ عزیزانِ وفادار چلے   شاملِ قافلہ سب پیکرِ ایثار چلے
محملوں میں حرمِ سیدِ ذیشاں آئے
یوں سمجھ لیجئے جزدانوں میں قرآں آئے

دل جو تڑپا تو محمد حنفیہؓ نے کہا   اے چراغِ نبویؐ نورِ نگاہِ زہراؑ
آپ کو زیب ہے دستارِ امامت بخدا   ایک ادنیٰ سی گذارش ہے تقاضہ دل کا
وقت دشمن ہے مصیبت پہ مصیبت ہو گی
ساتھ سیدانیاں جائیں گی تو زحمت ہو گی

آپ چاہیں تو مدینے میں رہیں اہلِ حرم   اپنے ہمراہ جوانوں کو رکھیں شاہِ امم
آگ پر چلنے کی مانند ہے ایک ایک قدم   چھوٹے بچوں سے نہ اُٹھیں گے مسافت کے الم
پھول ہیں دھوپ سے کملا کے بکھر جائیں گے
آندھیاں دیکھ کے معصوم تو مر جائیں گے

شہؑ نے فرمایا یہ تشویش دگر ہے بھائی   آپ کا مشورہ اُلفت کا اثر ہے بھائی
اب تو اسلام کا حق پیشِ نظر ہے بھائی   یہ سفر راہِ مشیّت کا سفر ہے بھائی
میری نظروں سے نہاں دفترِ مقسوم نہیں
میں کہاں جاؤں گا یہ آپ کو معلوم نہیں

چھوٹے بچوں کا تصوّر جو ہوا پیشِ نظر   دل ہی دل میں یہ کہا کیسے بتاؤں یہ خبر
ساری دنیا کو ہلا دیں گے مرے لختِ جگر   مسکرائیں گے یہی پھول تو ٹوٹیں گے تبر
مدح خواں فاتحِ خیبر کی جوانی ہو گی
تا قیامت مرے بچوں کی کہانی ہو گی

کوئی کیا جانے کہاں دن تو کہاں رات آئے   کس کو معلوم سروں پہ ہیں قضا کے سائے
کوئی کیا جانے کہاں کوئی طمانچے کھائے   کس کو معلوم کہاں کوئی مسافر جائے
قید خانوں میں بھی سیدانیاں کب سوئیں گی
آندھیاں چادرِ زینبؑ کے لئے روئیں گی

قافلہ تیز ہوا، منزلیں طے ہونے لگیں   مشکلیں ہمتِ شبیرؑ کے قدموں پہ جھکیں
ارضِ کعبہ پہ رُکے، حُرمتِ کعبہ کے امیں   آ گئے باندھ کے احرام وہاں دشمنِ دیں
حج کو عمرہ سے بدل کر شہؑ ابرار چلے
سوئے کوفہ پسرِ احمدؐ مختار چلے

داغِ دل ہو گیا مسلمؑ کی شہادت کا اثر سر جھکائے ہوئے روتے تھے شہِؑ جن و بشر
پوچھ لی زوجۂ مُسلمؑ نے جو بچوں کی خبر شہؑ نے فرمایا خدا صبر دے اے خستہ جگر

جعفری باغ کے پھولوں پہ خزاں آئی ہے
اب یتیموں پہ مصیبت کی گھٹا چھائی ہے

بیٹیاں مسلمؑ جانباز کی سُنتی تھیں یہ بات جوڑ کر ہاتھ کہا یا شہِؑ عالی درجات
عالمِ غیب ہے کونین میں سرکار کی ذات ہمیں آنکھوں سے دکھا دیجے وہ غمگیں حالات

دیکھ کر بھائیوں کو غم کی عبادت کر لیں
ہم بھی پردیس میں بابا کی زیارت کر لیں

شہؑ نے فرمایا اس ارمان پہ ماموں ہو نثار دیکھ لو سامنے ہے اب وہ ستم کا بازار
باپ کی لاش پہ موجود ہے گلیوں کا غبار درِ کوفہ میں مرے بھائی کے سر کی ہے پکار

سُرخرو فاطمہؑ کے لال کا شیدائی ہے
بے کفن لاش نہیں دین کی سچائی ہے

اپنی موجوں پہ جو دریا نے اُٹھائے ہیں گلاب وہ مرے بھانجے ہیں وہ مرے دُرِ نایاب
پیاسے پھولوں کی شہادت پہ ہے پانی بے تاب ماں جو نزدیک نہیں آ گیا دریا کو حجاب

وہ جو تلوار سے خوں پونچھ رہا ہے ظالم
میرے معصوموں کے سر کاٹ چکا ہے ظالم

یہ مصیبت کے مناظر جو نظر سے گذرے دیکھنے والے تڑپنے لگے بے ہوش ہوئے
کیا عجب ثانیِ زہراؑ نے یہ جملے ہوں کہے بھائی مسلمؑ ترے احسان پہ زینبؑ صدقے

پیار سے خُلد میں نانا نے بلایا ہو گا
میرے بابا نے کلیجے سے لگایا ہو گا

کیا عجب ایسے میں عباسؑ جری نیک انجام ‏ اپنی ماں جائی کو آنکھوں سے یہ دیتے ہوں پیام
لُٹ گئی میری بہن اس میں نہیں کوئی کلام ‏ ضبط لازم ہے کہ آئے نہ وفا پر الزام
شدّتِ غم میں اگر کوئی شکایت ہو گی
تیرے ماں جائے کو آقاؑ سے خجالت ہو گی

کیا عجب ہے کہ بہن سے بھی ملا ہو یہ جواب ‏ مجھے معلوم ہیں تسلیم و رضا کے آداب
دل جو رویا ہے تو آنکھیں بھی ہوئی ہیں پُر آب ‏ مسکرائے مرے بھائی کی وفاؤں کا شباب
غم کے طوفان ہیں کیا چیز، یہ دُنیا کیا ہے
سایۂ حضرتِ زینبؑ ہے تو پروا کیا ہے

تھم گئے اشک، بڑھا قافلہ منزل آئی ‏ کربلا جادۂ تسلیم کی حد کہلائی
بند پانی ہوا، تاریخِ عرب شرمائی ‏ شب عاشور ستاروں پہ اُداسی چھائی
صبح کے خوف سے ہر ذرّہ زمیں پر رویا
چاند خیموں کی طنابوں سے لپٹ کر رویا

جانبِ دشت بڑے غور سے دیکھا شہؑ نے ‏ کسی منزل پہ نشاں تیغ سے کھینچا شہؑ نے
کبھی اشکوں سے کسی خاک کو چوما شہؑ نے ‏ کہیں کانٹا نظر آیا تو اُٹھایا شہؑ نے
برچھیاں آنکھوں میں لہرا گئیں پہلو دیکھے
اپنا سینہ کبھی دیکھا، کبھی بازو دیکھے

سائے کی طرح کچھ انصار تھے مولیٰ کے قریب ‏ عرض کی یا شہِ دیں احمدِ مرسلؐ کے حبیب
ان مقاموں سے ہے کیوں پیار بہ اندازِ عجیب ‏ کہا شہؑ نے یہ زمیں ہے مرے پیاروں کا نصیب
یہاں قاسمؑ، وہاں زینبؑ کے گلِ تر ہوں گے
خط جہاں کھینچ دیا ہے وہیں اکبرؑ ہوں گے

کل یہی دشت ہے اور تیغ و سناں کی جھنکار ‏ کل یہی خاک ہے اور میرے گلستاں کی بہار
گھوڑے دوڑائیں گے لاشوں پہ یہاں ظلم شعار ‏ کل یہی بسترِ آفت ہے غریبوں کا قرار
جہاں ٹپکائے ہیں آنسو وہاں پھر آؤں گا
کل اسی خاک میں اک پھول کو دفناؤں گا

میں نے کانٹے بھی اُٹھائے ہیں تو بے وجہ نہیں　　کل اسی راہ سے آئے گی سکینہؑ غمگیں
سر کھلے روئیں گے میدان میں جب سوگ نشیں　　خون روئے گی وہ بچی مرے مقتل کے قریں
ہر طرف بکھری ہوئی لاشوں سے گھبرائے گی
میں بلاؤں گا تو معصوم چلی آئے گی

شب عاشور گئی، آ گیا روزِ عاشور　　ہر طرف مثلِ قضا چھا گیا روزِ عاشور
بارشِ خوں ہوئی تھرا گیا روزِ عاشور　　گلشنِ فاطمہؑ لُوٹا گیا روزِ عاشور
سُرخ آندھی نے کہا چادرِ تطہیر گری
بھائی مقتل میں گرا، خیمے میں ہمشیر گری

یہ وہ منزل تھی جہاں ثانیِ زہراؑ نے کہا　　بیبیو اب مجھے وہ منظرِ غم یاد آیا
مجھ سے اکثر یہ بیاں کرتی تھیں امّاں زہراؑ　　سُرخ آندھی میں اگر سر سے اُتر جائے ردا
اپنے ماںجائے کو مقتول سمجھنا زینبؑ
نوکِ نیزہ پہ مرا پھول سمجھنا زینبؑ

زلزلہ آیا، ہلا، خیمے کا پردہ اک بار　　دیکھا فضہؑ نے تو موجود تھا خالی رہوار
زخم اتنے تھے کہ آسان نہ تھا جن کا شمار　　گفتگو آنسوؤں میں جس پہ دہائی ہو نثار
اک اشارہ تھا لہو ہو گیا قرآں زینبؑ
بھائی رخصت ہوا اللہ نگہباں زینبؑ

کون کہہ سکتا ہے کیا آلِ نبیؐ پر گذری　　جہاں آیات محمدؐ تھیں وہاں آگ لگی
ہر طرف شامِ غریباں کی سیاہی پھیلی　　ایک بیمار نے یوں غیب کی آواز سُنی
آدمؑ آلِ پیمبرؐ مرے صابر عابدؑ
کوفہ و شام کا اب تو ہے مسافر عابدؑ

مرثیہ خوب ہوا، مانگ دُعا اے قیصر　　اے محمدؐ کے خُدا عادلِ روزِ محشر
ہر مسلمان کو دے آج وہ توفیقِ نظر　　صحنِ آفاق پہ غالب ہو مودّت کی سحر
ہر طرف ظلم کی دُنیا تہہ و بالا کر دے
بھیج دے غیب سے خورشید اُجالا کر دے

◆◆

کعبہ و محافظانِ کعبہ

(خانۂ کعبہ کی فضیلت اور تحفظِ کعبہ کے لیے اہلبیتؑ کی قربانیاں)

بند۸۱۔ ۱۹۸۱ء

maablib.org

❖❖

کعبے کی معرفت کا ذریعہ ہے کربلا
مقتل میں ہے مدینۂ انوار کبریا
زمزم کا افتخار ہے ساحل فرات کا
آلِ نبیؐ ہیں روشنیِ خانۂ خُدا
خیرالعمل ہے فاطمہؑ کے نورِ عین سے
کعبے کی آبرو ہے نمازِ حسینؑ سے

❖❖

کعبہ اور محافظانِ کعبہ

اے اہلِ فکر، کعبۂ دل کی اذاں سنو — اے اہلِ دل، اقامتِ فکرِ جواں سنو
منبر پہ ہے عبادتِ لفظ و بیاں سنو — پڑھتا ہوں میں نمازِ سخن مہرباں سنو
جلوے عطا ہوئے ہیں جہانِ شعور سے
میں نے وضو کیا ہے مودّت کے نور سے

عرشِ خیال پر ہے عقیدت کی جا نماز — پلکوں پہ ہے حسینؑ کا غم، سجدہ گاہِ ناز
طبعِ رسا نے چھیڑ دیا بندگی کا ساز — اب شاعرِ حسینؑ ہے اور حمدِ بے نیاز
عاشور کی نماز کو محور کیے ہوئے
میں دشتِ کربلا میں ہوں کعبہ لیے ہوئے

حُسنِ نظر ہے گلشنِ خیرالوریٰ کا نور — لوحِ جبیں پہ نقش ہے خاکِ شفا کا نور
مداحِ حسینؑ میں پایا خُدا کا نور — کعبے میں لے چلا ہے مجھے کربلا کا نور
کیوں روشنی نہ ہو مرے دل کے چراغ میں
عباسؑ کے علم کی ضیا ہے دماغ میں

جو صاحبِ نظر ہیں وہ سمجھیں مرا خیال — فکر و نظر کے زخم کا لازم ہے اِندمال
کیا بزمِ قیل و قال ہے کیا رنگِ جیل و حال — فطرت کی جلوہ گر ہے غمِ کربلا کی شال
پیاسوں کی قتل گاہ جو پہچانتا نہیں
کعبے کو وہ خدا کی قسم جانتا نہیں

کعبے کی معرفت کا ذریعہ ہے کربلا — مقتل میں ہے مدینۂ انوارِ کبریا
زمزم کا افتخار ہے ساحل فرات کا — آلِ نبیؐ ہیں روشنیِ خانۂ خُدا
خیرالعمل ہے فاطمہؑ کے نورِ عین سے
کعبے کی آبرو ہے نمازِ حسینؑ سے

یاد آ گئے حسینؑ، اُڑا طائرِ نظر — پروازِ فکر پا گئی روح الامیںؑ کے پر
روشن ہوئے عمارتِ ہستی کے بام و در — طے کر رہا ہوں شہرِ براہیمؑ کا سفر
تاریخ عکس ریز ہے تصویر کے لیے
ماضی شریکِ حال ہے تحریر کے لیے

نظروں میں ہیں فضائلِ کعبہ کی سُرخیاں — لازم ہے بزمِ فکر ہو مانندِ گلستاں
یوں ذہن پر ہو رحمتِ خلّاقِ دو جہاں — کُھل جائے لفظ لفظ معانی کا عطرداں
قلب و نظر کو آئینہ دارِ ارم کروں
فطرت ہو باغ باغ وہ خوشبو رقم کروں

کاغذ پہ یوں رواں ہو مہکتا ہوا قلم — جیسے فلک پہ روشنی کا پھول صبح دم
کرنوں کی طرح صاف ہوں صدیوں کے پیچ و خم — کُھل جائے چشمِ شوق میں آئینۂ حرم
سچ ہے بغیر حُسنِ طلب کیا دکھائی دے
سجدہ ہو کربلا میں تو کعبہ دکھائی دے

اس نقطۂ نظر کو سمجھتا ہے ہر بشر — کعبے کا انحصار ہے وحدت کے نام پر
اے کاش آج دین و سیاست کے راہبر — کعبے کی روشنی کو رکھیں مطمحِ نظر
درپیش اہتمامِ قیادت ہے قوم کو
کعبے کے ناخدا کی ضرورت ہے قوم کو

کعبے نے زندگی کو دیا آگہی کا رنگ — کعبے سے آشکار ہوا روشنی کا رنگ
کہتا ہے ہر نظر سے شعورِ خودی کا رنگ — کعبے کا پیار بن گیا پیغمبریؐ کا رنگ
یہ فیصلہ مطابقِ عقلِ سلیم ہے
کعبہ ہے جس کی روح وہ ملّت عظیم ہے

کعبے کے سائے میں ہے ازل اور ابد کا نام — کعبے کے مہر و ماہ کی رونق ہے صبح و شام
کعبہ دلِ خواص ہے، کعبہ دلِ عوام — کعبہ ہے زندگی کے لئے مرکزی نظام
یہ شمعِ لازوال ہے بزمِ حیات میں
کعبہ نہیں تو روح نہیں کائنات میں

دل کے بغیر ذہن کی صنعت گری نہیں — سورج نہیں تو صبح نہیں، روشنی نہیں
نقطے سے دور سلسلۂ خط کشی نہیں — کعبہ نہیں تو جلوہ گہِ بندگی نہیں
کیا حُسنِ لاشریک ہے ناز و نیاز میں
کعبہ، نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے نماز میں

یہ پیکرِ صد آئینہ، یہ روح کا قیام — ہر آئینے میں خون کی گردش کا اہتمام
گردش کے ساتھ ساتھ نفس در نفس نظام — کعبے کی سمت چار طرف سجدۂ انام
وحدت کی معرفت کا مکمل پیام ہے
ہر سلسلہ تعیّنِ مرکز کا نام ہے

مرکز کے اعتبار سے ہر شے ہے معتبر
مرکز میں زندگی ہے تو زندہ ہیں خشک و تر
آنکھیں بتا رہی ہیں گلوں کے شباب پر
مٹی میں جان ہو تو مہکتی ہے شاخِ زر
یہ بات بھی سُنی ہے چمن کے گلاب سے
ہر پھول سرخرو ہے درِ بوترابؑ سے

پایا جسے سبب وہ ملا مظہرِ سبب
جیسے ادب کے رنگ میں صورت گرِ ادب
مرہونِ احتیاج ہیں دنیا میں سب کے سب
کوئی بھی بے نیاز نہیں ماسوائے، رب
کس نے کہا شعورِ نظر ناتمام ہے
ہر آئینے کے ساتھ سکندر کا نام ہے

مکّے کی سرزمیں بخُدا مرکزِ زمیں
دنیا کا فرش جس کی بدولت ہے بالیقیں
آدمؑ نے سب سے پہلے رکھی جس جگہ جبیں
بے شک وہی مقامِ عبادت ہے اوّلیں
یہ تو خبر نہیں رُخِ آدمؑ کدھر ہوا
مرکز اُسی کا نام ہے سجدہ جدھر ہوا

آدم کی سجدہ گاہ بنی مرکزِ عمل
یا زندگی نے ڈھونڈ لیا مشکلوں کا حل
نازل ہوئی زمین پہ تنویرِ لم یزل
آبِ کرم سے کِھل گیا تعمیر کا کنول
چومیں گے جبرئیلِ امیںؑ اس بیان کو
بندے نے اِک مکان دیا لامکان کو

زیبائشِ مکاں کا تصوّر جواں ہوا
سجدے بڑھے تو اور ہوئی بارش عطا
دیکھا فلک نے آدمؑ و حوّا کا ارتقا
آنسو رواں ہوئے تو سکونِ جگر ملا
ناز و نیاز آئینۂ حق نما ہوئے
انساں پہ آسماں کے نمازی فدا ہوئے

اللہ کے صفی کا مقدّر صفاتِ حق یعنی وہ کائناتِ بشر کائناتِ حق
دشتِ صفا میں جل گئی شمعِ ثباتِ حق آنکھوں میں مسکرا دیا نورِ حیاتِ حق
تھی جستجو نوازشِ پیہم کے واسطے
توبہ کا در کھلا بنی آدمؑ کے واسطے

کعبہ ہوا جو خانۂ معمور کا شرف سورج سے ہمکلام ہوئے سنگ کے خذف
صحنِ حرم سے بول اُٹھی روشنی کی صف کعبہ بنے گا حاصلِ کونین کا صدف
پتھر میں بھی شعور کا معیار چاہیے
موقع پہ مسکرائے وہ دیوار چاہیے

باغِ ابوالبشرؑ کی طرح بندگی بڑھی خوشبو بڑھی تو کیف بڑھا، دلکشی بڑھی
پھیلا جمالِ حمدِ خدا، روشنی بڑھی کعبے کا اعتبار بڑھا، آگہی بڑھی
دشت و جبل کو حُسن کے آثار مل گئے
آدمؑ کے پھول شاخِ عبادت پہ کھِل گئے

تزئینِ شاخ شاخ ہوئی رنگ و بو کے ساتھ جھومی ثمر ثمر کی ادا جستجو کے ساتھ
تہذیب لفظ لفظ چلی، گفتگو کے ساتھ اُبھرے نظر نظر کے نگیں، آبرو کے ساتھ
ذہنوں کا آسمان سحر بیز ہو گیا
آدمؑ کی عظمتوں کا سفر تیز ہو گیا

ظاہر ہوئیں عروسِ تمدّن کی شوخیاں پھڑکیں ہوائے رنگ سے صحرا کی پسلیاں
تنہا تھیں کوہ پر اُتر آئیں بلندیاں کعبہ ملا تو مل گئیں بندوں کو بستیاں
فصلیں اُگیں زمین کا نقشہ بدل گیا
روشن ہوئے تنور تو شیطان جل گیا

حُسنِ عمل پہ منکرِ سجدہ کا اضطراب جیسے زمیں پہ سانپ کے پیکر میں پیچ وتاب
تعمیر کے سوال پہ تخریب کا جواب جیسے رگِ ثواب ہو اور خنجرِ عذاب
ظالم نے زہر بھر دیا دل کے ایاغ میں
بُنیادِ قتل ڈال دی آدمؑ کے باغ میں

ہابیل کے لہو سے فضا غم گُناں ہوئی مظلومیت کی بات سرِ داستاں ہوئی
اُلفت کے ساتھ ساتھ عداوت رواں ہوئی ظالم سے اختلاف کی صورت عیاں ہوئی
فکری مناسبت سے کئی رنگ بن گئے
کچھ لوگ پھول بن گئے، کچھ سنگ بن گئے

صدیوں کے ساتھ ساتھ ستم آشنا خیال پھیلا گئے تعصب فکر و نظر کے جال
ماضی سے اتنی دُور ہوا کاروانِ حال تاریخ کے وجود نے پائی عدم کی چال
ایقان و علم پردۂ ابہام ہو گئے
لفظوں کی پالکی میں خیالات سو گئے

قومیں بنیں، بکھر گیا آدمؑ کا گلستاں پھولوں سے ہمکنار ہوئی صرصرِ خزاں
شہرِ یگانگت میں اُٹھا شور الاماں دنیائے انتشار کے رشتے ہوئے جواں
ظاہر میں اپنے اپنے سفینے رواں ہوئے
باطن میں نفرتوں کے جزیرے عیاں ہوئے

مرکز سے منہ پھرا تو فضائیں بدل گئیں گریاں ہوئے نہال، ہوائیں بدل گئیں
یوں انفرادیت کی قبائیں بدل گئیں رخصت ہوا خلوص، ادائیں بدل گئیں
ہر قافلہ خیامِ تغافل میں سو گیا
انسان رنگ و نسل میں تقسیم ہو گیا

اک فکر کی ہوا، کہیں رحمت کہیں عذاب　　اک موجِ آبرو کہیں شربت کہیں شراب
شیشہ گہہ انا کہیں دریا کہیں سراب　　آدمؑ کا ایک خوں کہیں کانٹا کہیں گلاب
نیرنگیوں کے ساتھ طبیعت کے پر کھلے
چمکے انا کے آئینے عیب و ہنر کھلے

کعبے سے انحراف کیا، خوف پا لیا　　شیروں نے اپنے آپ کو بُودل بنا لیا
برقِ فنا سے شہر انا خود جلا لیا　　ٹھوکر جہاں بھی کھائی وہیں سر جھکا لیا
مرکز سے ہٹ کے اہلِ جہاں کیا سے کیا ہوئے
سجدے ہوئے درخت کو، پتھر خدا ہوئے

مٹی خُدا، غبار خُدا، آندھیاں خُدا　　سورج خُدا، چراغ خُدا، بجلیاں خُدا
تارے خُدا، بنامِ شفق سُرخیاں خُدا　　قوسِ قزح کو دیکھ کے رنگینیاں خُدا
اپنا ہی تیر اپنے جگر میں اُتر گیا
انسانیت کو چھوڑ کے انسان مر گیا

الحاد کی ہوا نے چھپایا خدا کا گھر　　صحرا ہوئے ریاضتِ آدمؑ کے بام و در
وادیِ مہر و ماہ میں تاریخ کا سفر　　لایا نئی ادا سے براہیمؑ کی نظر
پیار آ گیا مشیّتِ ربِ جلیل کو
کعبے کے آنسوؤں نے پکارا خلیلؑ کو

پھر زندگی کا حُسن بنی محبتِ خلیلؑ　　گذرا نظر سے آئینۂ سیرتِ خلیلؑ
لوحِ خرد پہ نقش ہوئی عظمتِ خلیلؑ　　کعبہ ہوا مظاہرۂ خُلّتِ خلیلؑ
اہلِ خدا کو ذوقِ عبادت کا پھل ملا
آدمؑ کی روح خوش ہوئی نعم البدل ملا

آغوشِ ہاجرہؑ میں پنپنے لگی حیات　　اُبھرا اک اور چاند، بڑھی روشنی کی بات
بولی زبانِ حال سے تقریرِ کائنات　　بچے کی پیاس بن گئی تحریکِ معجزات
صحرا میں ہاجرہؑ کی دعا سے حیات ہے
زمزم بھی ایڑیوں کے رگڑنے کی بات ہے

جھومی نظر، نقابِ تغافل اُتار کے　　چرچے ہوئے چمن میں، گلِ اعتبار کے
دیکھے خزاں پسند نے جھونکے بہار کے　　شیطان تین بار ملا روپ دھار کے
حاسد نے آنکھ اُٹھائی تھی حق الیقین پر
پتھر پڑیں گے تا بہ قیامت لعین پر

پھر مرکزِ عمل سے گریزاں ہوئے بشر　　پھر زور آزما ہوئے پتھر کے بال و پر
نمرودیت کی آگ سے اُڑنے لگے شرر　　پھر ظلمتوں میں گھر گئے کعبے کے بام و در
چھایا دھواں تو منزلِ تکریم چھپ گئی
پھیلی وہ شام، صبحِ براہیمؑ چھپ گئی

اتنی بڑھیں دیارِ عمل میں تباہیاں　　ڈوبیں لہو میں اہلِ خدا کی دہائیاں
روئے زمیں پہ چھا گئیں آذر نگاہیاں　　صدیوں رہیں فریب کی گہری سیاہیاں
ایسے میں حکمِ حق سے نیا باغ کھل گیا
اک اور بیتِ قدس زمانے کو مل گیا

وہ بیتِ قدس فکرِ سلیمانؑ کا شاہکار　　جھومے نگارِ وقت وہ تعمیرِ خوش نگار
وہ مصلحت کا پھول، گلستاں کا اعتبار　　داؤدؑ کے نہالِ وفا پر خدا کا پیار
گویا تھے نقش مسجدِ اوّل کے واسطے
ہیکل بھی ایک آئینہ ہے کل کے واسطے

وہ انبیاءؑ وہ بیتِ مقدّس وہ بندگی　　وہ مژدۂ زبور، وہ توریت کی خوشی
انجیل کے پیام کی تہذیب پروری　　عنواں الگ الگ تھے پہ تقریر ایک تھی
لیکن تغیرات کے گلدان رہ گئے
تقریر تو بدل گئی عنوان رہ گئے

اب مطلعِ وجود پہ چمکا وہ آفتاب　　جس نے کیا تمام اندھیروں کا سدِّ باب
بطحا کی سرزمیں کو ملا کاشف الغیاب　　کونین کو نصیب ہوا آخری نصاب
فاران کے لبوں پہ یہ اعلانِ آ گیا
کعبے کو روح مل گئی قرآن آ گیا

قرآن کی زباں نے سُنا دی یہ داستاں　　کس طرح اہلِ حق رہے کعبے کے پاسباں
وہ ابرہہ کی فوج کا طوفان الاماں　　وہ جدِّ مصطفےٰ کی دعا، فتح کا نشاں
ننھے سے سنگ ریزے پہاڑوں پہ چھا گئے
سچ ہے کہ ہاتھیوں کو ابابیل کھا گئے

مشغول تھے حفاظتِ کعبہ میں حق سیَر　　لیکن بھرا ہوا تھا بتوں سے خُدا کا گھر
اہلِ خدا کی چشمِ مشیّت پہ تھی نظر　　سینوں میں نقش تھی کوئی تصویرِ منتظر
آنکھوں کو آرزو تھی بہارِ چمن ملے
دل کہہ رہے تھے اب تو کوئی بُت شکن ملے

وقت آ گیا خُدا نے سُنی زندگی کی بات　　تیرہ رجب کی صُبح ملا مژدۂ نجات
مہکی فضا' بدل گئی تقدیرِ کائنات　　اسلام نے کہا مجھے حاصل ہوئی حیات
حُسنِ بشر عیاں ہوا قرآن کی طرح
کعبہ نہال ہو گیا عمرانؑ کی طرح

دیوار مسکرائی تو آئی صدائے حق　　بنتِ اسدؑ کا لال ہے مشکلکشائے حق
حق نے جسے بنا دیا حاجت روائے حق　　کعبہ ہے اُس کے واسطے دولت سرائے حق
دُنیا علیؑ کے نام کی محتاج ہو گئی
آدمؑ کی سجدہ گاہ کو معراج ہو گئی

اُلٹی بساطِ خوف، کھلے فکروفن کے ہاتھ　　حبل المتین نے باندھ دیئے اہرمن کے ہاتھ
اہلِ جہاں نے دیکھ لئے بانکپن کے ہاتھ　　اب تھیں بتوں کی گردنیں اور بُت شکن کے ہاتھ
انسانیت کی بانگِ درا گونجنے لگی
کعبے میں یا علیؑ کی صدا گونجنے لگی

کعبے میں بُت شکن کی ادائیں عجیب تھیں　　تطہیر کے عمل میں چڑھائے تھے آستیں
اتنے ہوئے بلند، فلک بن گیا زمیں　　آوازِ عرش آئی، وہ آیا مرا مکیں
ایمانِ کُل تھا پیکرِ ایماں لئے ہوئے
قرآں تھا اپنے دوش پہ قرآں لئے ہوئے

کعبہ بتوں سے پاک ہوا خوش ہوئے رسولؐ　　کفار کے نصیب میں آئی فنا کی دھول
مرکز میں اس ادا سے کھلا روشنی کا پھول　　پلٹا پھر اپنی اصل کی جانب رُخِ اصول
فطرت نے گھر بنا لیا قلبِ حجاز میں
کعبے کی سمت ہو گئے سجدے نماز میں

مرکز کی آبرو سے بڑھی آبروئے دیں　　توحید کی شراب سے چھلکا سبوئے دیں
پوری ہوئی بفضلِ خدا آرزوئے دیں　　ذکرِ علیؑ کا نام ہوا گفتگوئے دیں
بالائے ہر وقار یہی امتیاز ہے
کعبے کو اپنے گوہرِ یکتا پہ ناز ہے

کعبے کے ساتھ گوہرِ یکتا کی زندگی　　مرکز میں جیسے شمعِ صداقت کی روشنی
اس روشنی کو دیکھ کے فطرت پکار اُٹھی　　دستِ خدا یہی ہے یہی بازوئے نبیؐ
قرآں میں جس طرح سے محمدؐ کا نام ہے
کعبہ اُسی طرح سے علیؑ کا مقام ہے

یہ بات حاسدوں کے لئے قہر بن گئی　　کفر آشنا دلوں کے لئے زہر بن گئی
ہر سمت سرکشی کی نئی لہر بن گئی　　موجِ تعصبات اُٹھی نہر بن گئی
رنگِ سکوں سے درد کے ماتھے پہ بل پڑے
پھولوں کا رس نچوڑ کے کانٹے نکل پڑے

تنظیمِ حامیانِ ابوجہل، الاماں　　غارت گروں میں بولہبیت ہوئی جواں
قصرِ ملوکیت سے اُٹھیں سُرخ آندھیاں　　گویا ہوئی لٹے ہوئے کردار کی زباں
فرشِ زمیں سے دینِ خدا کا چمن مٹے
کعبہ مٹے، تو واقعۂ بت شکن مٹے

رفتارِ وقت گردشِ ساغر میں آ گئی　　چہروں کی آب تابشِ خنجر میں آ گئی
سازش پسِ حجاب تھی منظر میں آ گئی　　ہر خودسری یزید کے پیکر میں آ گئی
ورثے میں جو نقاب ملے تھے ہٹا دیے
بیٹے نے اپنے باپ کے چہرے دکھا دیے

ذہنِ یزید خواہشِ ابلیس کا غلام　　فکرِ یزید سازشِ اسلاف کا نظام
قلبِ یزید قوتِ الحاد کا مقام　　عزمِ یزید شرعِ محمدؐ کا قتلِ عام
انسانیت کے واسطے گرداب ہو گیا
عہدِ یزید ظلم کا سیلاب ہو گیا

سیلابِ ظلم دیکھ کے تھرائے دشت و در
گھبرا کے منتشر ہوئی جمعیّتِ بشر
بے چینیوں کی موج میں ڈوبے دل و جگر
کانپے اذاں کے لفظ، پکارا خدا کا گھر

اے مقصدِ رسولؐ کی تصویر، المدد
کشتی بھنور میں آ گئی شبیرؑ، المدد

اسلام زخمِ دل کی زباں سے پکار اُٹھا
مرہم ہے صرف دامنِ شبیرؑ کی ہوا
گر اب شکستِ کفر کا ساماں نہ ہو سکا
ممکن نہیں زمیں پہ رہے خانۂ خُدا

کعبہ بچے گا سبطِ نبیؐ کی پناہ میں
لازم ہے جا نماز بچھے قتل گاہ میں

طوفان میں ہے سجدہ گہہِ آدمؑ و خلیلؑ
گرنے کو ہے عبادتِ کونین کی فصیل
انسانیت میں بجنے لگی نوبتِ رحیل
درکار اب ہے سب سے بڑے عزم کی سبیل

تدوین ہو لہو سے عمل کے نصاب کی
سوکھے لبوں سے پیاس بجھے انقلاب کی

قرآں پکارا' اے مرے معصوم ہمسفر
کب تک چلوں گا وقت کے نیزے کی نوک پر
زخمی ہیں آیتیں" اسداللہ کے پسر
ہاں اے حسینؑ اب تری ہمّت ہے چارہ گر

محفوظ کر لے کعبۂ خیرالانام کو
مقتل میں آ کے روک دے طوفانِ شام کو

اب چاہیے تحفّظِ کعبہ میں وہ عمل
جس کی بقا کو پیار کرے حُسنِ لم یزل
اُڑ جائے رنگِ فکر سے رنگِ رُخِ اجل
زخموں کو چوم کر یہ کہیں برچھیوں کے پھل

تنہا نے منہ پھرا دیا، فوجِ کثیر کا
یہ معجزہ ہے فاطمہؑ زہرا کے شیر کا

سنتے ہی استغاثۂ آیاتِ کردگار اُٹھے حسینؑ لے کے مشیّت کی ذوالفقار
سینے میں یوں بسا لیا شرعِ نبیؐ کا پیار خیبر کشا کی روح پکاری ترے نثار
کعبے کی زندگی کے لئے آس بن گئے
بازو ادائے فرض میں عباسؑ بن گئے

اسلام سے کہا، ترا غمخوار ہے حسینؑ قرآن سے کہا، ترا معیار ہے حسینؑ
دُنیا سے بولے تجھ سے خبردار ہے حسینؑ مقتل سے اتنا کہہ دیا، تیار ہے حسینؑ
صحرا میں اپنے خوں کا مصلےٰ بچھائے گا
کعبے کو مصطفےٰؐ کا نواسہ بچائے گا

طوفانِ شام تیز ہوا آندھیاں چلیں سائے میں نخوتوں کے ستم گاریاں پلیں
زہرِ ہوس نے کام کیا گردنیں ڈھلیں بیعت کی آگ پھیل گئی بستیاں جلیں
ہر سانس کو محافظِ کعبہ کئے ہوئے
نکلے حسینؑ صبر کا لشکر لئے ہوئے

چھوڑا مدینہ جانبِ کعبہ کیا سفر کعبے میں اہلِ ظلم کی سازش پہ کی نظر
دشمن کھڑے تھے جامۂ احرام باندھ کر اغلب یہ تھا حرم کی زمیں ہولہو سے تر
عمرہ بجائے حج، شہِ دیںؑ نے ادا کیا
یعنی شعورِ حرمتِ کعبہ عطا کیا

عاشور کو وہ معرکۂ دشتِ کربلا وہ فجر کی اذاں سے قیامت کی ابتدا
تکبیر میں جوانیِ اکبرؑ نے کہہ دیا اب قوّتِ نماز ہے سجدہ حسینؑ کا
جب تک اذاں کے نام سے کعبے میں جان ہے
کہنا پڑے گا لہجۂ اکبرؑ جوان ہے

سیلابِ ظلم دیکھ کے تھرائے دشت و در — گھبرا کے منتشر ہوئی جمعیتِ بشر
بے چینیوں کی موج میں ڈوبے دل و جگر — کانپے اذاں کے لفظ، پکارا خدا کا گھر
اے مقصدِ رسولؐ کی تصویر، المدد
کشتی بھنور میں آ گئی شبیرؑ، المدد

اسلام زخمِ دل کی زباں سے پکار اُٹھا — مرہم ہے صرف دامنِ شبیرؑ کی ہوا
گر اب شکستِ کفر کا ساماں نہ ہو سکا — ممکن نہیں زمیں پہ رہے خانۂ خدا
کعبہ بچے گا سبطِ نبیؐ کی پناہ میں
لازم ہے جا نماز بچھے قتل گاہ میں

طوفاں میں ہے سجدہ گہِ آدمؑ و خلیلؑ — گرنے کو ہے عبادتِ کونین کی فصیل
انسانیت میں بجنے لگی نوبتِ رحیل — درکار اب ہے سب سے بڑے عزم کی سبیل
تدوین ہو لہو سے عمل کے نصاب کی
سوکھے لبوں سے پیاس بجھے انقلاب کی

قرآں پکارا' اے مرے معصوم ہمسفر — کب تک چلوں گا وقت کے نیزے کی نوک پر
زخمی ہیں آیتیں" اسد اللہ کے پسر — ہاں اے حسینؑ اب تری ہمت ہے چارہ گر
محفوظ کر لے کعبۂ خیرالانام کو
مقتل میں آ کے روک دے طوفانِ شام کو

اب چاہیے تحفظِ کعبہ میں وہ عمل — جس کی بقا کو پیار کرے حسنِ لم یزل
اُڑ جائے رنگِ فکر سے رنگِ رُخِ اجل — زخموں کو چوم کر یہ کہیں برچھیوں کے پھل
تنہا نے منہ پھرا دیا، فوجِ کثیر کا
یہ معجزہ ہے فاطمہؑ زہرا کے شیر کا

سنتے ہی استغاثۂ آیاتِ کردگار اُٹھے حسینؑ لے کے مشیّت کی ذوالفقار
سینے میں یوں بسا لیا شرعِ نبیؐ کا پیار خیبر کشا کی روح پکاری ترے نثار
کعبے کی زندگی کے لئے آس بن گئے
بازو ادائے فرض میں عباسؑ بن گئے

اسلام سے کہا، ترا غمخوار ہے حسینؑ قرآن سے کہا، ترا معیار ہے حسینؑ
دُنیا سے بولے تجھ سے خبردار ہے حسینؑ مقتل سے اتنا کہہ دیا، تیار ہے حسینؑ
صحرا میں اپنے خوں کا مصلّےٰ بچھائے گا
کعبے کو مصطفٰےؐ کا نواسہ بچائے گا

طوفانِ شام تیز ہوا آندھیاں چلیں سائے میں نخوتوں کے ستم گاریاں پلیں
زہرِ ہوس نے کام کیا گردنیں ڈھلیں بیعت کی آگ پھیل گئی بستیاں جلیں
ہر سانس کو محافظِ کعبہ کئے ہوئے
نکلے حسینؑ صبر کا لشکر لئے ہوئے

چھوڑا مدینۂ جانبِ کعبہ کیا سفر کعبے میں اہلِ ظلم کی سازش پہ کی نظر
دشمن کھڑے تھے جامۂ احرام باندھ کر اغلب یہ تھا حرم کی زمیں ہو لہو سے تر
عمرہ بجائے حج، شہِ دیںؑ نے ادا کیا
یعنی شعورِ حرمتِ کعبہ عطا کیا

عاشور کو وہ معرکۂ دشتِ کربلا وہ فجر کی اذاں سے قیامت کی ابتدا
تکبیر میں جوانیِ اکبرؑ نے کہہ دیا اب قوتِ نماز ہے سجدہ حسینؑ کا
جب تک اذاں کے نام سے کعبے میں جان ہے
کہنا پڑے گا لہجۂ اکبرؑ جوان ہے

سجدوں میں وہ حسینؑ کے جانباز حق شناس
جن کے وجودِ کعبۂ اسلام کی اساس
زخموں کی دھوپ، گرم زمیں، تین دن کی پیاس
لیکن خدا کی یاد سے نکھرے ہوئے حواس

شہ رگ سے دم نکال کے خنجر کی دھار کا
دستور نقش کر گئے کعبے کے پیار کا

قلبِ زہیرِ قینؓ میں غمخواریِ حسینؑ
گویا چراغ نور تھا قلبِ زہیرِ قینؓ
ہر دم دلِ حبیبؓ میں زہراؑ کا نورِ عین
گویا کتاب اجرِ رسالتؐ بزیب و زین

نیزوں پہ چہرے اور زیادہ دمک گئے
کعبے کی عظمتوں کے ستارے چمک گئے

کہ حشر تھا فرات کے پانی کا اضطراب
ساحل پہ تشنہ کام، علمدارؑ محوِ خواب
اللہ رے کٹے ہوئے ہاتھوں کا انقلاب
موجوں پہ صاف لکھ گیا عباسؑ کا شباب

زمزم کو حشر تک رُخِ توقیر مل گیا
کعبے کو زورِ بازوئے شبیرؑ مل گیا

تیرہ برس کے چاند کا لاشہ زمین پر
جیسے کوئی گلاب ہو آندھی میں منتشر
مادر کی حسرتوں کا وہ سہرا لہو میں تر
قاسمؑ کا حال دیکھ کے کہتے تھے بحر و بر

جب تک ہم اس گلاب پہ آنسو بہائیں گے
کعبے کی حرمتوں کے چمن مسکرائیں گے

تیروں کی نذر ثانیِ زہراؑ کے دونوں لال
اس طرح قطعِ نسل کی ملتی نہیں مثال
وہ برچھیاں وہ عون و محمدؑ سے نونہال
دُنیا سے کہہ رہا تھا یہ شبیرؑ کا خیال

کیا ہے اگر بہن کے مہِ نو بکھر گئے
کعبے کی روشنی میں اضافہ تو کر گئے

وہ وقت بھولتی نہیں انسان کی نظر
جب عرش و فرش روئے تھے زہراؑ کے لال پر
ہاتھوں پہ ننھی لاش تو چہرہ لہو میں تر
بولی اجل، شہادتِ اصغرؑ کو دیکھ کر

کعبے کا وزن ننھے گلے پر اُٹھا لیا
غنچے نے آج پورے چمن کو بچا لیا

اصغرؑ کے خوں کا وزن کوئی کیا بتائے گا — صرف ایک چلّو خون زمیں سے نہ اُٹھ سکا
کیسی زمیں، فلک نے بھی انکار کر دیا — لیکن ابوترابؑ کے بیٹے کا حوصلہ

وہ عطرِ صبر رُخ پہ سجایا حسینؑ نے
دونوں جہاں کا وزن اُٹھایا حسینؑ نے

مقتل سے خالی ہاتھ جو خیمے میں آئے تھے — بچے کے بدلے قبر کی مٹی اُٹھائے تھے
کیسے کہوں حسینؑ نے آنسو بہائے تھے — جھولے کو چوم کر یہ سخن لب پہ آئے تھے

اصغرؑ نے یوں ہرا دیا ہر اضطراب کو
اب ہاجرہؑ سلام کریں گی ربابؑ کو

اصغرؑ کے بعد سجدۂ آخر کا انتظام — کہنہ لباس تن پہ سجا کر اُٹھے امامؑ
ماںجائی کو گلے سے لگا کر کیا کلام — زینبؑ تمہارے نام لکھا ہے جہادِ شام

پیاری بہن یہ صبر کی دولت سنبھال لو
کعبے کے قافلے کی قیادت سنبھال لو

زینبؑ مجھے عزیز ہے کعبے کا احترام — لُٹ جائے میرا گھر، مرا کعبہ رہے مدام
لازم ہے اب تمہارے لئے ضبط کا نظام — لکھ لو کتابِ دل پہ یہ ماںجائے کا پیام

دُرّے پڑیں تو یادِ خدا کا طواف ہو
کعبے پہ اب تمہاری ردا کا غلاف ہو

زینبؑ مرا سفر تو یہیں ختم ہو گیا — اب تم پھرائی جاؤ گی شہروں میں بے ردا
زینبؑ مرے بدن پہ تو روئے گی کربلا — اب تم ہو اور عالمِ غربت کی ہر جفا

کیا غم ہے بنتِ فاتحِ بدر و حنین ہو
عابدؑ تمہارا لال ہے اب تم حسینؑ ہو

آخر جبینِ وقت پہ مظلوم کی نگاہ — جیسے نمازِ عصر شہادت پہ ہو گواہ
داخل ہوئی غلاف میں شمشیرِ دیں پناہ — چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی شام کی سپاہ

میں کیا کہوں رسولؐ کو اُمت نے کیا دیا
پشتِ فرس سے وارثِ کعبہ گرا دیا

کیسے کہوں فرس سے زمین پر گئے حسینؑ　　رستے میں اِک مقام تھا جس پر رُکے حسینؑ
تاریخ کہہ رہی ہے معلق ہوئے حسینؑ　　منہ پہ ناوکوں کی تڑپتے رہے حسینؑ

اندازِ ظلم دونوں جہاں کو رُلا گئے
قاتل کے پاؤں سینۂ قرآں پہ آ گئے

تیروں پہ بے وطن کا بدن، ظلم کا دباؤ　　سینے کے زخم چومنے آئے کمر کے گھاؤ
بولی زمین، اے مرے آقا نجف سے آؤ　　زہراؑ کا چاند ڈوبنے والا ہے دیکھ جاؤ

سجدے میں کٹ رہا ہے گلا نورِ عین کا
منہ چومتا ہے کعبہ تمہارے حسینؑ کا

سر کٹ گیا غریب کا رقصاں ہوئے سوار　　اُڑنے لگے غبار کی صورت ستم شعار
ٹاپوں کی زد میں آ گیا زہراؑ کا گلعذار　　بکھرا بدن تو خود نکل آئے بدن کے خار

مطلق ہوا نہ خوفِ خدا فوجِ شام کو
روندا گیا صحیفۂ خیرالانامؐ کو

نیزے پہ جلوہ گر ہوا کعبے کا پاسباں　　قرآں نے دی صدا مرا سورج ہوا عیاں
شہنائیاں کہیں تھیں، کہیں محشرِ فغاں　　خیموں سے اہلبیتؑ کے اُٹھنے لگا دھواں

سیدانیاں تڑپتی تھیں شعلوں کی چھاؤں میں
زنجیر تھی محافظِ کعبہ کے پاؤں میں

کچھ دیر بعد شامِ غریباں کی تھی پکار　　اب کون ہے غریب اسیروں کا غمگسار
عباسؑ کو خبر نہیں بچے ہیں اشکبار　　بالوں سے منہ چھپائے ہیں کعبے کے پردہ دار

پردیس میں بتولؑ کی جاگیر لُٹ گئی
اکبرؑ کہاں ہیں، چادرِ تطہیر لُٹ گئی

عابدؑ کی جا نماز وہ خاکسترِ خیام　　ہتھکڑیوں میں اذان و اقامت کا انتظام
طوقِ گراں کے ساتھ جو سجدہ کیا تمام　　کعبے نے کربلا کی زمیں کو کیا سلام

مطلب یہ تھا عظیم حسینیؑ نظام ہے
کردارِ اہلبیتؑ سے کعبے کا نام ہے

◆◆

بے ثباتیِ عالم

(دنیا کی بے ثباتی اور کربلا میں پائیدار زندگی کے مناظر)

۲۷ بند ۔ ۱۹۸۱ء

◆◆

maablib.org

گذرنے والے بڑی شان سے گذرتے ہیں
پہن کے آخری خلعت بہت سنورتے ہیں
قضا کے فرش پہ جب خواب میں نکھرتے ہیں
ہم ان پہ مرتے ہیں، یہ بے رُخی پہ مرتے ہیں
ہزار اشک بہیں آنکھ کھولتے ہی نہیں
تڑپ تڑپ کے پکارو، یہ بولتے ہی نہیں

بے ثباتیِ عالم

مسافرانِ عدم کا سفر، ارے توبہ بس ایک پل میں اِدھر سے اُدھر ارے توبہ
یہ پردہ پوشیِ اہلِ نظر ارے توبہ زمیں نگلتی ہے شمس و قمر ارے توبہ
خموشیاں ہیں مسلّط مقامِ حیرت ہے
کوئی خبر ہی نہیں، یہ خبر قیامت ہے

عجیب صاحبِ دل ہیں، یہ رہروانِ عدم نہ ان کو جان کی پروا نہ ان کو مال کا غم
کوئی غریب ہو، ٹوٹے کسی پہ کوہِ الم یہ طالبانِ سفر دیکھتے نہیں موسم
کوئی جو کہتا ہے کیوں چشمِ التفات نہیں
یہ بند آنکھوں سے کہتے ہیں، کوئی بات نہیں

زمانے بھر سے نرالا ہے ان کا عزمِ سفر نہ مشورے کی ضرورت، نہ گفتگو کا اثر
خیال بھائیوں کا، اور نہ ماں تا کی خبر بلا سے ان کی جو بے ہوش ہو گئی خواہر
تمام چاہنے والے تو جان کھوئیں گے
انہیں یہ ضد ہے کہ جنگل میں جا کے سوئیں گے

نہ جانے ان کی نظر میں ہے کس چمن کی بہار
بڑی خوشی سے بھلاتے ہیں اپنے باغ کا پیار
جانے قبر کی مٹی ہے کس محل کا خمار
پکارتے ہیں سجائے ہوئے درودیوار
ہر ایک رشتۂ ماحول توڑ دیتے ہیں
یہ جانے والے بھرے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں

بڑے خلیق، مگر اب، نگاہِ خُلق نہیں
بڑے کلیم، مگر اب خموشیوں کے امیں
وہ کل کی بات عزیزوں سے گفتگوئے حسیں
یہ آج سب سے جُدائی ہے اور خاکِ زمیں
کہاں یہ حلقۂ اہلِ عدم نے گھیر لیا
ملا ہے کون کہ منہ دوستوں سے پھیر لیا

کوئی ہے جس نے عیاں کردیے نشیب وفراز
کوئی ہے جس کی صدا پر فدا ہوئی آواز
کوئی ہے جس پہ نچھاور ہوئی طبیعتِ ناز
کوئی ہے جس کی تڑپ میں رکا ہے قلب کا ساز
دعائیں ہم نے تو کیں ان کی زندگی کے لئے
یہ خاک چھاننے نکلے ہیں اب کسی کے لئے

گذرنے والے بڑی شان سے گذرتے ہیں
پہن کے آخری خلعت بہت سنورتے ہیں
قضا کے فرش پہ جب خواب میں نکھرتے ہیں
ہم ان پہ مرتے ہیں یہ بے رُخی پہ مرتے ہیں
ہزار اشک بہیں آنکھ کھولتے ہی نہیں
تڑپ تڑپ کے پکارو، یہ بولتے ہی نہیں

قدم قدم تھا جنہیں دلنوازیوں کا خیال
وہ کاش جانتے کیا ہوگا اُن کے دل کا مآل
جو پوچھتے تھے محبت سے اہلِ درد کا حال
خود اپنے درد سے دُنیا کو کر رہے ہیں نڈھال
دوا نصیب نہیں ہے تو آہیں بھرتے ہیں
غریب، اپنا مسیحا تلاش کرتے ہیں

عجب مقامِ تحیّر ہے موت کی وادی — شماریات سے بالا ہے اس کی آبادی
پلٹ کے آیا نہ کوئی بھی نقشِ فریادی — کہ جیسے مل گئی دنیا کے غم سے آزادی
یہاں ضعیفی و تاب و تواں کی قید نہیں
یہ وہ سفر ہے کہ پیرو جواں کی قید نہیں

کسے پسند نہیں ہے سکوتِ غیب کی سیر — وہی بھلائے یہ منزل جسے ہوا پنے سے بَیر
نہ کوئی اپنا ہے اپنا' نہ کوئی غیر ہے غیر — ہر ایک درد چلا ہے بُھلا کے معطق طیر
کوئی بہانہ، کوئی عذر، چل نہیں سکتا
یہاں تو وقت بھی پہلو بدل نہیں سکتا

مسافروں سے کوئی یہ سوال بھی تو کرے — کِھلیں گے کیسے یتیمی کی دھوپ میں غنچے
خدانخواستہ گھیریں جو وقت کے شعلے — وہ کون ہے جو یتیموں کی زندگی سمجھے
تسلیوں سے کلیجے بسا کے جاتے ہیں
سفر میں جاتے ہیں لیکن بتا کے جاتے ہیں

یہ کیا! گئے تو پلٹ کر سلام ہے نہ دُعا — یہ کیا! کسی سے کوئی ربط و ضبط ہی نہ رہا
عریضہ خاک لکھیں ہم، نہ کچھ اتہ نہ پتا — اگر کسی سے کبھی پوچھ لیں ہنسے دنیا
کوئی بتائے یہ کیا طرزِ غمگساری ہے
یہاں تو دل کی کراہوں پہ سنگ باری ہے

ابھی طنابِ نفس میں بندھی ہوئی تھی حیات — اجل نے بند جو کھولے بدل گئے دن رات
ابھی لبوں کا تبسّم تھے نقرئی لمحات — اجل نے سانس جو لی زہر بن گئے حالات
چلی ہوائے تغیّر گلاب ٹوٹ گیا
تڑپ کے رہ گئیں موجیں حباب ٹوٹ گیا

بھی تو شاخِ جوانی پہ تھا گلاب کا پھول　　ابھی تو گیسوئے خوشبو میں تھا شباب کا پھول
کمال تھا وہ کسی چشمِ انتخاب کا پھول　　جسے بنایا گیا موت کی کتاب کا پھول
چمن سے پوچھیے، فصلِ بہار کی فرقت
خزاں کا نام ہے اک گلعذار کی فرقت

وہ گلعذار جسے شمعِ انجمن کہیے　　وہ روشنی جسے مہتاب کا بدل کہیے
وہ چاند جس کو تخیل میں سیم تن کہیے　　وہ ایک لفظ جسے حاصلِ سخن کہیے
زمانے والوں نے کیوں اُس پہ خاک ڈالی ہے
سخنورو! یہ طبیعت کی پائمالی ہے

اُٹھا کے بھائی کی میت پکارتا ہے کوئی　　یہ کیا ہوا مرے ہاتھوں میں جان ہی نہ رہی
رچی تھی جس کے خیالات میں شگفتہ دلی　　وہ یوں نگاہ پھرا کر گیا کہ بات نہ کی
شکستِ قلب کو پابندیِ رضا کہیے
یہی ہے صبر تو مجبوریوں کو کیا کہیے

کوئی بہن کسی گوشے میں کر رہی ہے کلام　　کہاں گیا مرا بھائی، تمام گُل اندام
ہواؤ، تم ہی بتا دو وہ زندگی کا مقام　　جہاں پہ اب مرے ماں جائے نے کیا ہے قیام
یہ درد و غم کی صدائیں بھی کامیاب نہیں
بہن پکار رہی ہے کوئی جواب نہیں

لباسِ بیوگی پہنے ہوئے کوئی غمگیں　　کسی خیال کے بادل سے دیکھتی ہے زمیں
زمیں پہ ٹانکتی ہے گرم آنسوؤں کے نگیں　　کہ جیسے اب یہی دولت ہے اور کچھ بھی نہیں
سنہری کرنیں جو آنگن سے دُور جاتی ہیں
نگاہیں در کی طرف جا کے لوٹ آتی ہیں

بصد حجاب یہ کہتی ہے چار دن کی دلھن　　یہ کس خطا پہ مقدّر نے کر دیا برہن
عجب نظارۂ عبرت ہے زندگی کا چمن　　ابھی خوشی کی تمنا ابھی غموں کی لگن
ہر اِک مذاقِ سخن خاک پر عبارت ہے
چراغِ خانہ ہستی چراغِ تربت ہے

یہی ہے رسمِ محبت تو بس، خدا حافظ　　اسی کا نام ہے اُلفت تو بس، خدا حافظ
اگر یہی ہے مروّت تو بس، خدا حافظ　　ملیں گے روزِ قیامت تو بس، خدا حافظ
کبھی تو شیشۂ ہستی بکھر ہی جائے گا
ہمارا وقت بھی آخر گذر ہی جائے گا

ضعیف ماں کا کلیجہ، جوان لال کا داغ　　فصیلِ درد پہ مجبور زندگی کا چراغ
نظر کے ساتھ ہے اب اُس کی جستجو میں دماغ　　ہُما کی طرح مقدر نہیں ہے جس کا سراغ
جگر کی آگ پہ صبر و رضا کا پانی ہے
نفس نفس غمِ شبیرؑ کی کہانی ہے

حقیقتاً غمِ شبیرؑ ہے معالجِ غم　　زمانے بھر کے لئے زخمِ مدح کا مرہم
یہ غم نہ ہو تو نکل جائے آدمی کا دم　　بیان کرتا ہے عباسِؑ نامور کا علم
کہاں ہے درد کا دریا فرات سے پوچھو
غموں کی دھوپ حسینؑ ثبات سے پوچھو

وہ امتحان کی منزل، وہ کربلا، وہ حسینؑ　　وہ قتل گاہ، وہ خنجر، وہ اشقیا وہ حسینؑ
قدم قدم وہ جفاؤں کی انتہا وہ حسینؑ　　وہ گرم ریت، وہ انصار و اقربا وہ حسینؑ
ہزار زخم سہے، مسکرا کے شکر کیا
جوان شیروں کی لاشیں اُٹھا کے شکر کیا

سکونِ روح کے طالب یہ داستاں سُنیں — خلافِ ظلم ہے مظلوم کا بیاں سُنیں
سُنیں حمیّت و غیرت کے پاسباں سُنیں — حسینؑ نے جو دیا ہے وہ امتحاں سُنیں
ہر آفتابِ عمل کربلا کی راہ میں ہے
تمام نوعِ بشر صبر کی پناہ میں ہے

کلیدِ صبر نے کھولے ہیں کائنات کے بھید — نگاہ صبر پہ قربان ساغرِ جمشید
حسینؑ مرضیِ حق، مالکِ سیاہ و سپید — تو پھر یقیں ہے کہ ہم بھی ہیں زندۂ جاوید
دعائے فاطمہؑ خوشبوئے جاودانی ہے
قضا پہ حیدری پھولوں کی حکمرانی ہے

بیانِ صبر ہے مقتل میں امتحانِ وفا — جس امتحان سے زندہ ہے کاروانِ وفا
کُھلا فرات پہ جس وقت بادبانِ وفا — بقا کے رُخ پہ چلی کشتیِ جہانِ وفا
حسینیتؑ نے لکھا بادباں پہ یا عباسؑ
خدا نے دے دیا کشتی کو ناخدا عباسؑ

بڑھا تموّجِ غم، قحطِ آب کی صورت — شعاعیں تیز ہوئیں آفتاب کی صورت
گرے رفیقوں کے لاشے گلاب کی صورت — پڑھی حسینؑ نے دنیا، کتاب کی صورت
مصیبتوں کی ہوا نے چمن کو لوٹ لیا
ستمگروں نے غریب الوطن کو لوٹ لیا

بہن کے چاند لہو میں نہائے، صبر کیا — اُٹھا کے میّتیں خیمے میں لائے صبر کیا
بہن کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے صبر کیا — وہ چاند خود ہی گلے سے لگائے صبر کیا
فضائے ارض و سما سرد آہ بھرنے لگی
علیؑ کی روح نواسوں کو پیار کرنے لگی

دہکتی ریت پہ تازہ گلوں کا مرجھانا گلوں کا دوڑتے گھوڑوں کی راہ میں آنا
جہاں پہاڑ ہیں ایسی جگہ سکوں پانا عبا میں لاشۂ قاسمؑ کو باندھ کر لانا
دل و دماغ شہِ مشرقین زندہ باد
موّرخوں نے پکارا حسینؑ زندہ باد

وہ اہلِ بیتؑ وہ لاشیں وہ درد کا منظر وہ طبلِ جنگ وہ خیموں کے سامنے لشکر
بڑھے جو اذنِ وغا کے لئے علیؑ اکبر سوال بن گئی عباسؑ نامور کی نظر
نجف کی سمت مڑے اور کہا قیامت ہے
غلام زندہ ہے، بابا بڑی ندامت ہے

امامِ وقت سے مجبور ہو گیا ہوں حضورؑ کمالِ ضبط کے کانٹوں پہ چل رہا ہوں حضورؑ
عجب محافظِ اولادِ مصطفیٰؐ ہوں حضورؑ اُجڑ رہا ہے بھرا باغ دیکھتا ہوں حضورؑ
تلاش سے بھی نہ کوئی عدوئے دیں ملتا
میں کیا کروں مجھے اذنِ وغا نہیں ملتا

جو زندگی کے اُجالے تھے وہ شہید ہوئے جو کھلنے کھیلنے والے تھے وہ شہید ہوئے
جو منفرد تھے، جیالے تھے، وہ شہید ہوئے جو میری گود کے پالے تھے وہ شہید ہوئے
رگوں میں حسرتِ پیکار خون روتی ہے
مری طرح مری تلوار خون روتی ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا سبطِ نبیؐ کے پاؤں پہ سر رسولؐ پاک کے نورِ نظر، کرم کی نظر
عطا ہو میرے مسیحا، دوائے دردِ جگر میں کیا جیوں گا جو رخصت ہوئے علیؑ اکبرؑ
یہ کائنات ہے آلِ بتولؑ کا صدقہ
مجھے بھی مجھیے شبیہِ رسولؐ کا صدقہ

ہر ایک سانس ہے اس وقت شیشۂ احساس — کہ جیسے سامنے لمّاں کھڑی ہوئی ہیں اُداس
میں سُن رہا ہوں یہ الفاظِ غم بہ لہجۂ یاس — حجاب آتا ہے بنتِ نبیؐ سے اے عباسؑ
تمام زخمِ جگر صبر سے رفو بھی ہوئے
جو خوش نصیب تھے وہ آج سرخرو بھی ہوئے

کہا حسینؑ نے، اے ماہتابِ آلِ عبؑا — خدا نے تم کو بنایا ہے آفتابِ وفا
سمجھ رہا ہوں تمھیں کس قدر ہے جوشِ وغا — یہ ضبطِ نفس ہے بالکل جہادِ شیرِ خدا
بساطِ جنگ اُلٹنے میں کامیاب ہو تم
یہ دشت جانتا ہے ابنِ بوترابؑ ہو تم

مگر مجھے یہ بتاؤ مرے حسینؑ شناس — رہے گا کون مصائب میں اہلبیتؑ کے پاس
خیالِ رخصتِ اکبرؑ پہ ہو رہے ہو اُداس — مری نگاہ سے دیکھو ذرا وہ منظرِ یاس
یتیم بچوں کو دُنیا طمانچے مارے گی
ردا چھنے گی تو، زینبؑ تمھیں پکارے گی

یہ بات سُن کے جلالت کی سرخیاں اُبھریں — لہو کے رنگ میں غیرت نے کروٹیں بدلیں
پکارے سوکھے ہوئے ہونٹ کوئی پیاس نہیں — علیؑ کا شیر اُلٹ دے گا کربلا کی زمین
چلے گی سیفِ اجل، حشر بالیقیں ہو گا
ردا چھنے گی تو عباسؑ بھی نہیں ہو گا

فضائے دشت پہ غازی کی غیظ بار نظر — زبانِ حال سے دُنیا کو دے رہی تھی خبر
اگر خیام کی جانب بڑھیں گے بانیِ شر — تو پھر کہاں کوئی عباسؑ اور کوئی اکبرؑ
تمام اہلِ وفا خون میں نہائیں گے
ردائے دخترِ خیبر شکن بچائیں گے

ادب کے ساتھ کہا اب نہ روکیے سرکارؑ سپاہِ شام ہے اب اور غلام کی تلوار
ملاحظہ کریں آقا نظارۂ خونبار لگاؤں گا میں لعینوں کی موت کا بازار
دعائے حیدرِ کرارؑ کا اثر ہوں میں
مگر بغیرِ اجازت، شکستہ پر ہوں میں

نبیؐ کے لال کی آنکھوں میں آ گئے آنسو گلے لگا کے یہ فرمایا، اے مرے خوشخو
یہ میرے شیر کی آنکھیں شجاعتوں کے سبو یہی سُبو ہیں جو دیتے ہیں بندگی کو نمو
یہ فرطِ غیظ بھی فتح و ظفر کی آیت ہے
مگر یہاں تو بڑے ضبط کی ضرورت ہے

میں جانتا ہوں اجازت تمہیں جو دوں اکبار بوقتِ عصر بدل جائے نقشۂ پیکار
میں جانتا ہوں اگر تم نے کھینچ لی تلوار تو پھر نہ کوفے کی منزل، نہ شام کا دربار
خلافِ امرِ مشیّت ہمارا کام نہیں
جہادِ صبر ہے بھائی، یہ انتقام نہیں

جہادِ صبر نہ ہوتا تو دیکھتی دُنیا نظر نہ آتی یہ سرکش یہ سر پھری دُنیا
گروہِ دیں کے مقابل کہاں تھمی دنیا علیؑ کے شیر اُلٹ دیتے شام کی دُنیا
مگر یہاں تو نمازِ وفا ادا ہو گی
خدا کے دین کی پہچان کربلا ہو گی

یہ کربلا کا تقاضا ہے میرے غیرت دار کہ اب فرات پہ قبضہ کرے مرا جرار
مگر یہ شرط ہے قبضے سے دور ہو تلوار دفاع کے لئے نیزہ ہو صرف اک ہتھیار
یہ جنگ عرصۂ ہستی میں امتیازی ہے
جہادِ سیف نہیں ہے، مزاج سازی ہے

تمام زورِ شجاعت ہو اور ضبط کرے　　　اک انقلاب کی طاقت ہو اور ضبط کرے
تمام پیکرِ جرأت ہو اور ضبط کرے　　　رگوں میں حیدریؑ غیرت ہو اور ضبط کرے
یہی ادا تو شعورِ وفا کی آیت ہے
اسی کا نام اولوالامر کی اطاعت ہے

سُنو سُنو، درِ خیمہ پہ العطش کی صدا　　　کہ جس طرح کوئی معصوم ہو قریبِ قضا
بُلا رہی ہے سکینہؑ تمہیں، چلو بھیا　　　بلائیں لے کے دُعا دے گی ثانیِ زہراؑ
فرازِ دوشِ سعادت علم سجا کے چلو
بہن کے سامنے جانا ہے، مسکرا کے چلو

علم جو دوش پہ رکھا تڑپ اُٹھے عباسؑ　　　جلال، ضبط میں بدلا تو رو دیے عباسؑ
میں کیا کہوں سوئے خیمہ رواں ہوئے عباسؑ　　　یہ حال تھا کبھی ٹھہرے، کبھی چلے عباسؑ
وہ اضطراب کی لَو زندگی کی مشعل میں
نگاہ خیمے کی جانب، خیال مقتل میں

بالاختصار وہ خیمہ وہ اِک مرقعِ غم　　　دُعا میں ثانیِ زہراؑ جلو میں اہلِ حرم
وہ الوداع کا غل پیشِ خیمۂ ماتم　　　وہ سب سے پیاری بھتیجی کے اشک زیرِ علم
ملی جو سوکھی ہوئی مشک تھرتھرانے لگے
چراغِ ضبط میں دل کا لہو جلانے لگے

سلامِ رخصتِ آخر قیامتِ صغرا　　　کوئی زمین پہ تڑپی، کسی کو غش آیا
کسی کے اشک پکارے، کب آیئے گا چچا　　　کسی نے کروٹیں بدلیں تو ہل گیا جھولا
فضائے درد میں عباسؑ آہ بھر کے چلے
کلیجہ ہل گیا اصغرؑ کو پیار کر کے چلے

اب امتحانِ وفا کو ملا نیا انداز نئے شعور سے اُبھری حیات کی آواز
سخن طراز ہوئے کائنات کے جانباز حسینیتؑ نے بشر کو دیا ہے یہ اعزاز
حقیقتوں کی جو دل میں اُمنگ ہوتی ہے
بغیر تیغ بھی فوجوں سے جنگ ہوتی ہے

کیا جو سبطِ رسالتؐ پناہ نے رخصت اب ایک نیزہ تھا اور فوجِ شام کی کثرت
مگر وہ شیرِ الٰہی کے شیر کی ہیبت حواس گم ہوئے، چہروں سے اڑ گئی رنگت
تمام فوج کی نظروں کے تار ٹوٹ گئے
مقابلے کی ہوا تھی' پسینے چھوٹ گئے

بھرا تھا جنبش نیزہ میں ذوالفقار کا رنگ وہ رنگ جس نے دیا موت کو بہار کا رنگ
گرے سبوئے تکبرٗ گیا خمار کا رنگ اڑا نہ یوں کسی فوجِ ستم شعار کا رنگ
علم کے سائے میں نیزے کی لہر کیا کہیے
کلیمِ طور پکارے مرا عصا کہیے

غضب تھا پنجۂ عباسؑ نامور کا کمال کہ جیسے قبضۂ حیدرؑ میں سب جدال وقتال
سمجھ رہا تھا جو مرکب شہِ وفا کا خیال مثالِ گردشِ نیزہ بنائی اپنی چال
حصارِ نیزہ و مرکب جہاں جہاں دیکھا
لبِ اجل پہ تبسم وہاں وہاں دیکھا

گرج رہے تھے جو ستے وہ دست وپا سے گئے بنے ہوئے تھے جو دیوار اک ہوا سے گئے
جو انتہا کے جری تھے وہ ابتدا سے گئے صدائے غیرت وکردار تھی بلا سے گئے
اضافہ ہو گیا تاریخ کے حوالوں میں
ملے فرار کے نقشے بڑے رسالوں میں

کھلا فرات کا ساحل ہٹی ذلالتِ شام علم کو دیکھ کے موجیں اُٹھیں برائے سلام
عجب نہیں جو یہ کہتا ہو اسپ نیک انجام یہ ہے دعائے سکینہؑ یہ ہے عطائے امامؑ
جو حکمِ سبطِ پیمبرؐ پہ جان دیتا ہے
وہ شخص فوج سے دریا بھی چھین لیتا ہے

علیؑ کے شیر نے ساحل پہ نصب کر کے علم بھرا جو مشک میں پانی' بڑھی حرارتِ غم
اُٹھا کے چلّو میں اتنا کہا بدیدۂ نم تجھے نہ منہ سے لگاؤں گا میں خدا کی قسم
ترے وقار کا اب کیا سوال رہتا ہے
حسینؑ پیاسے ہیں اور تو زمیں پہ بہتا ہے

گرا کے چلّو سے پانی، کیا فرس سے سوال بتا دے میرے وفادار کیا ہے تیرا خیال
کہا فرس نے اشارے سے اے علیؑ کے نہال تمہارا حکم ہے اب میری زندگی کا مآل
کہو تو پیاس بجھا لوں، فنا کی بستی میں
کہو تو نام لکھا لوں بقا کی بستی میں

پھرایا منہ جو فرس نے فرات شرمائی ہر ایک موج تڑپ کر حجاب میں آئی
سیاہِ شام نے پائی تمام رُسوائی فرس کی بات بھی انساں کی بات کہلائی
گلے لگایا عبارت کے شاہکاروں نے
سنہری لفظ دیے واقعہ نگاروں نے

سنبھالی مشک علمدارؑ نے مُڑا رہوار علَم کو زینتِ شانہ کیا بہ عز و وقار
اِدھر خیام کی جانب سواریِ جرّار اُدھر گھٹا کی طرح آ گئے سیہ کردار
خبر جو تھی کہ بہادر کے پاس تیغ نہیں
پکارے لوگ' بڑھو اب کوئی دریغ نہیں

وہ چار سمت سے حملے وہ برچھیاں وہ تبر — کہیں سے تیروں کی بارش ہوئی کہیں پتھر
وہ ایک نیزہ ابھی تک جو تھا جری کی سپر — وہ یوں تھا مشک پہ جس طرح باوفا کی نظر
جھکے ہوئے تھے فرس پر ہلال کی صورت
برائے مشک تھے عباسؑ ڈھال کی صورت

کبھی خیال، سرِ خاک گر نہ جائے علم — کبھی یہ فکر لگے مشک پر نہ تیرِ ستم
نتیجہ ایسی حفاظت کا کس طرح ہو رقم — تمام زخموں پہ لشکر نے رکھ دیا مرہم
کمر پہ برچھیاں اور پہلوؤں پہ بھالے تھے
مگر علم کی طرح مشک کو سنبھالے تھے

علَم بلند رہا مطمئن رہے شبیرؑ — علم کو جھکتے ہوئے دیکھ کر جھکے شبیرؑ
گذر رہی ہے کہاں کیا' سمجھ گئے شبیرؑ — کبھی اُٹھے کبھی بیٹھے کبھی گرے شبیرؑ
خیال تھا کہ ابھی درد کو اثر نہ ملے
علم گرا ہے سکینہؑ کو یہ خبر نہ ملے

یہاں علم کی حفاظت کا کام ختم ہوا — سنبھالتا جو علم اب وہ ہاتھ ہی نہ رہا
کٹا وہ دوسرا بازوٗ وہ گرز سر پہ لگا — وہ تیر مشک میں اُترا وہ دل بھی ٹوٹ گیا
کٹے رکابوں کے تسمے تو جھوم کر آئے
قیامت آ گئی عباسؑ خاک پر آئے

جہاں تھا مشک کا پانی، وہاں جری کا لہو — جہاں جنازۂ حسرت، وہاں وفا کا وضو
گرے جو مشک پہ غازیؑ کے خوں بھرے آنسو — خود اپنے پھول پہ گویا نثار تھی خوشبو
گیا نہ خیمے میں پانی یہ آرزو لکھ دی
جو دل میں تھی سرِ مقتل وہ گفتگو لکھ دی

بدن کے زخموں کی تحریر کوئی پڑھ سکتا جری نے اہلِ مدینہ کو یہ پیام دیا
اگر کبھی مری لماں نے واقعہ پوچھا بتاؤ کیسے لڑا وہ مرا جری بیٹا
ادب سے اتنا بتا دینا اُن کی خدمت میں
پسر نے ہچکیاں لی ہیں وغا کی حسرت میں

کوئی عجب نہیں یہ بات کہہ رہا ہو علم سُنیں گے فاتحِ خیبر یہ جاں گدازیِ غم
پڑے ہوئے ہیں جو بازو مرے قریب اس دم یہی ہیں عالمِ انساں کی غیرتوں کا بھرم
بھنور سے کشتیِ ایماں بچا کے لائے ہیں
یہی وہ ہاتھ ہیں جو آج کام آئے ہیں

عجب نہیں کہ یہ آتی ہو شکل سے آواز کوئی بقیع میں جا کر کہے بہ عجز و نیاز
جنابِ فاطمہؑ بنتِ نبیؐ فلک افراز حضورؑ آپ کے عباسؑ پر خدا کو ہے ناز
تمام نور کا ماہِ تمام ہے عباسؑ
دلِ حسینؑ کی دھڑکن کا نام ہے عباسؑ

نفیرِ فوج بجی، فوجِ شام میں اکبار کہ جیسے لُٹ گئی آلِ رسولؐ کی سرکار
خموش ہو گئی خیموں میں عترتِ اطہار کہ جیسے گر گئی ڈھارس کی آخری دیوار
فغاں کا شور بھی مایوسیوں نے توڑ دیا
بچیں گے سبطِ نبیؐ یہ خیال چھوڑ دیا

حسینؑ لاشِ برادر پہ اس طرح پہنچے کہ جیسے روشنی ظلمت میں روشنی سے ملے
لہو بھرے ہوئے ہونٹوں سے چند لفظ سُنے حضورؑ آئے ہیں اب کس طرح غلام اُٹھے
بدن میں دم ہی نہیں کیسے احترام کروں
وہ میرے ہاتھ کہاں ہیں اُنہیں سلام کروں

حضور کیسے کہوں کچھ نظر نہیں آتا حضور آپ کی آواز بن گئی چہرا
حجابِ چشم کئی تیر ہیں مرے آقا یہ دل کی بات ہے شاید نظر ملا نہ سکا
مجھے خوشی ہے جو بے چھیاں اُٹھاتا ہوں
سکینہؑ پیاسی ہے یہ داغ لے کے جاتا ہوں

حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ روشنی نہ رہی جگر کے درد نے تڑپایا دلکشی نہ رہی
جہاں میں تازگیِ گلشنِ علیؑ نہ رہی جو سامنے تھی ابھی تک وہ زندگی نہ رہی
قضا کی سیج پہ خاموش ہو گئے عباسؑ
خود اپنے خون کی چادر پہ سو گئے عباسؑ

حسینؑ لاشۂ غازی سے اس طرح اُٹھے کمالِ صبر پکارا حسینؑ کے صدقے
اُٹھا کے بھائی کے بازو جو بھائی نے چومے علم پکارا پھریرے کے سُرخ ہونٹوں سے
وفا کی راہ میں یوں کوئی کامیاب نہیں
حسینؑ آپ کے عباسؑ کا جواب نہیں

یہ نفسیات کا آئینہ سخن قیصؔر جہانِ مرثیہ گوئی میں ہے جدید سحر
پڑے نہ ضربِ تعصّب جو دل کے شیشے پر ضرور قدر کرے گی ادب شناس نظر
وہ زندگی جو غمِ کربلا سے باہر ہے
قسم خُدا کی شعورِ وفا سے باہر ہے

◆◆

منقبت

قیصر بارھوی

اگر خمار، بنامِ ابوترابؑ آئے
شراب کیا، بھرے ساغر میں آفتاب آئے

معاشرے میں اگر فکرِ بوترابؑ آئے
جبیں کو نُور ملے، رُوح پر شباب آئے

فرازِ سُورۂ الحمد جیسے بسم اللہ
نبیؐ کے دوش پہ اس طرح بوترابؑ آئے

وہاں خلیلِؑ خدا کیا کہیں، خدا جانے
جہاں کسی کے اشارے پہ آفتاب آئے

غلامِ نفسِ پیمبرؐ کوئی بنے تو سہی
سوال ہو تو ابھی قبر سے جواب آئے

کوئی جوان نہیں اُس جوان کے آگے
فلک سے جس کے لیے لافتیٰ خطاب آئے

کہاں جواب ملے اس کی ایک ضربت کا
جہاد میں جسے شمشیرِ لاجواب آئے

اُسی کو زیب ہے بازوئے مصطفیٰؐ ہونا
خدا سے جس کو یدُاللہ کا خطاب آئے

علیؑ کو حق سے محمدؐ نے اس لئے مانگا
کتاب ہے تو کوئی وارثِ کتاب آئے

علیؑ کے دَر سے مِلا ہے حسینؑ کا صدقہ
گہر جو دامنِ قیصرؔ میں لاجواب آئے

(منتخب اشعار)

سیّدِ مسموم

(حضرتِ امام حسنؑ کی سیرت اور شہادت)

۸۰ بند۔ ۱۹۷۹ء

maablib.org

❖❖

باغ سے پیار کیا اور گُلِ تر چھوڑ دیے
شاخ کو چوم لیا، برگ و ثمر چھوڑ دیے
عشقِ مخزن میں رہے، لعل و گُہر چھوڑ دیے
آسماں دیکھ لیا، شمس و قمر چھوڑ دیے
یہ تفاوت، یہ تغیّر، یہ تبدّل کیا ہے
معرفت یہ ہے تو اندازِ تجاہل کیا ہے

❖❖

سیدِ مسعود

صحنِ ماضی کی فضا روح کو تڑپاتی ہے   شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے
زندگی سبز کفن چاند کو پہناتی ہے   فکر اُس منزلِ احساس پہ لے جاتی ہے
کیا بتاؤں لبِ تحریر سے کیا سُنتا ہوں
شیشۂ دل کے چٹخنے کی صدا سُنتا ہوں

روح مضطر ہو تو آسائشِ دوراں ہے عبث   دل ہو ٹکڑے تو زمانے کا گلستاں ہے عبث
اشک برسائیں اُجالے تو چراغاں ہے عبث   درد ہی حاصلِ درماں ہو تو درماں ہے عبث
کتنے عنوان، بعنوانِ فغاں ملتے ہیں
چاند کے جسم پہ زخموں کے نشاں ملتے ہیں

جس طرح صبح کی پلکوں پہ گلابی آنسو   پیکرِ نور، ہرے زخم، شفق رنگ لہو
جس طرح درد کی لہروں پہ تڑپتی خوشبو   ہر نفس آبِ اجل سے گلِ فطرت میں نمو
کیا عجب رنگ ہے دُنیا کی جفا کوشی میں
پورا قرآن چھپا جاتا ہے خاموشی میں

روشنی خون اُگلتے ہوئے کرتی ہے کلام — آدمی دیکھ لے ماضی کے اندھیروں کا نظام
ارضِ کعبہ سے نگاہوں کا سفر ہے تا شام — صاحب عقل کو ملتے ہیں فقط دو پیغام

اِک طرف ذہنِ ابوجہل ہے، رُسوائی ہے
اِک طرف احمدِ مرسلؐ ہیں، توانائی ہے

زاویے دو ہیں اِدھر صُلح، اُدھر شعلۂ جنگ — یہاں آئینہ کردار، وہاں سنگ ہی سنگ
صبر کی شان ادھر ہے تو اُدھر جبر کا رنگ — یہاں قرآن کی تفسیر، وہاں تیغ و تفنگ

اہلِ حق نارِ براہیمؑ نظر آتے ہیں
تنگ دل سیرتِ آذر پہ مرے جاتے ہیں

چادرِ لفظ و معانی پہ یہ نقشہ کیا ہے — خونِ افکار سیاہی کی طرح پھیلا ہے
وقت ہے مصر کا بازار، عجب سودا ہے — کہیں یوسفؑ، کہیں یوسفؑ کا خدا بکتا ہے

آبِ شائستگی کیسے ملے انسانوں میں
آگ ہی آگ ہے احساس کے ایوانوں میں

سر میں سودائے ہوس ہو تو کہاں کا انصاف — گردشِ خوں سے اُبھرتا ہے جفاؤں کا طواف
نشۂ زر جو بناتا ہے دلوں کو تَراف — لوگ سورج پہ چڑھاتے ہیں اندھیروں کا غلاف

آدمیت کا ہر انداز بُھلا دیتے ہیں
تہمتیں بولتے قرآں پہ لگا دیتے ہیں

بستی بستی پہ سیاست کے طلائی بادل — خام ذہنوں میں اُگاتے ہیں نئی فصلِ عمل
جھلملاتی ہے نگاہوں میں سُنہری فرغل — دیکھتے دیکھتے بن جاتے ہیں وحشت کے محل

غم کا خنجر دلِ تہذیب میں گڑ جاتا ہے
حق نمائی کا بھرا شہر اُجڑ جاتا ہے

کوئی سمجھا ہی نہیں، کیا ہے مفادِ ہستی   عظمتِ فکر ہے، انسان کی بالادستی
کیا زمانے کی بلندی ہے تو کیسی پستی   آج دنیا سے یہ کہتی ہے خرد کی بستی
یوں زمانے کی سیاست کا خلاصہ دیکھا
شام کے تیروں میں سورج کا کلیجہ دیکھا

اُف، یہ تاریخ، حیا سوز جریدوں کی طرح   جس کی تحریر، خریدے ہوئے ذہنوں کی طرح
اُف، یہ الفاظ کے آئینے صلیبوں کی طرح   فردِ کردار نظر آتی ہے زخموں کی طرح
بات کہتا ہوں تو دُنیائے ادب ہلتی ہے
فکر میں دولتِ شاہی کی چمک ملتی ہے

قریہ قریہ میں لُٹاتی ہوئی دولت کا اثر   بزمِ اسلام کی تفریق میں پھیلا گھر گھر
بکنے والوں کی طبیعت میں پنپتا ہوا شر   خیمۂ خیر پہ برسانے لگا تیر و تبر
دل لگایا جو ہر اک فکر نے رُسوائی سے
دیکھتی آنکھ بھی محروم تھی بینائی سے

اہلِ انصاف سے اب تک ہے قلم کی فریاد   لاشِ غیرت پہ اُٹھائی گئی دیوارِ فساد
نور و ظلمت کی طرح دین و سیاست میں تضاد   کیوں چھپائی گئی معصوم لہو کی روداد
لوگ قانونِ ادب توڑ گئے زر کے لئے
روحِ قرآں سے نظر پھیر لی، ساغر کے لئے

زندگی کے لئے سورج ہے توانائیِ حق   زرد کرنوں میں ہیں نعماتِ الٰہی کے طبق
کم نگاہوں نے بہر طور بھلایا یہ سبق   صبح کے نور سے ہے سارے جہاں کی رونق
درسِ عبرت ہے یہ تاریخ بھی ذہنوں کے لئے
آدمی پھر گئے سورج سے، اندھیروں کے لئے

وقت کی رو میں اندھیروں کے پجاری، توبہ لوحِ اسلام اور الحاد نگاری، توبہ
فرشِ مسجد پہ ہوئی بادہ گساری، توبہ بے گناہوں کے لئے گریہ وزاری، توبہ
کیا کہوں فکر کے بازار کا منظر کیا ہے
پانی مہنگا ہے، پیمبرؐ کا لہو سستا ہے

چشمِ احساس میں موجود ہیں ایسے منبر جہاں قرآن پہ برسے ہیں مسلسل خنجر
اس اشارے کو سمجھتے ہیں تمام اہلِ نظر مسجدیں روتی رہیں روتے رہے پیغمبر
دشمنِ حق پہ دُشنام طرازی آئے
کفر کو ناز ہے جن پر وہ نمازی آئے

حالِ دل ہوتا ہے بے حال وہ حالات بھی ہیں درسِ نفرت بھی ہے اُلفت کے بیانات بھی ہیں
خون کی نہر بھی ہے امن کے باغات بھی ہیں غیر ہنستے ہیں وہ رونے کے مقامات بھی ہیں
وردِ آیات ہے اور حُرمتِ آیات نہیں
کیا یہ اُسلوبِ نظر مرگِ خیالات نہیں

باغ سے پیار کیا اور گُل تر چھوڑ دیے شاخ کو چوم لیا، برگ وثمر چھوڑ دیے
عشقِ مخزن میں رہے لعل وگُہر چھوڑ دیے آسماں دیکھ لیا، شمس وقمر چھوڑ دیے
یہ تفاوت، یہ تغیر، یہ تبدل کیا ہے
معرفت یہ ہے تو انداز تجاہل کیا ہے

آہِ مظلوم بھی حق، ظلم کی تلوار بھی حق عزتِ نفس بھی حق وحشت کردار بھی حق
دین کی بات بھی حق، کفر کی گفتار بھی حق ایک معصوم بھی حق، ایک گنہگار بھی حق
کسی منزل پہ تمیزِ سحر و شام نہیں
یہ تو اسلام کی توہین ہے اسلام نہیں

روحِ اسلام تو ہے پیرویِ حکمِ رسولؐ   آلؑ و قرآں کے توسّل سے عبادت ہے قبول
کیا یہی ہیں کسی مذہب میں اطاعت کے اصول   آدمی توڑ دے ملّت کا مہکتا ہوا پھول
جس کو چوما ہو پیمبرؐ نے صحیفے کی طرح
چشمِ اُمّت میں وہی پھول ہو کانٹے کی طرح

پھول خود پھول سے بیزار ہو ممکن ہی نہیں   نور سے نور، دل افگار ہو ممکن ہی نہیں
دین اور عدل میں تکرار ہو، ممکن ہی نہیں   حق سے حق برسرِ پیکار ہو ممکن ہی نہیں
فکرِ انصاف میں حالات سے لڑنا ہو گا
پنجۂ عقل سے مجرم کو پکڑنا ہو گا

اپنے مذہب کے اصولوں سے محبت ہے جنہیں   وہ کہاں کاٹتے ہیں پیکرِ مذہب کی رگیں
مصحفِ حق ہوں جنہیں اپنے نبیؐ کی باتیں   وہ کہاں توڑتے ہیں شرعِ مقدس کی حدیں
اہلِ باطل نے تو پتھر کی بھی عزت کی ہے
کلمۂ حق سے مسلماں نے بغاوت کی ہے

اس بغاوت سے ابھی تک بشریّت ہے اُداس   اس بغاوت کا نتیجہ ہے زوالِ احساس
اس بغاوت سے زمانے میں ہے طوفانِ قیاس   اس بغاوت نے عدالت کو دیے خوف و ہراس
کیوں بھروسہ نہیں انصاف کے ایوانوں پر
اس بغاوت کا تسلّط ہوا میزانوں پر

اس بغاوت کو رگِ عقل پہ خنجر سمجھوں   اس بغاوت کو روایات کا آذر سمجھوں
سینۂ ارض پہ تخریب کا محور سمجھوں   اس بغاوت کو سیاست کا مقدّر سمجھوں
نام اُبھرا اسی تحریک میں دیوانوں کا
اس بغاوت نے لہو پی لیا فرزانوں کا

اس بغاوت کی کڑی دھوپ میں گلزار جلے　　اس بغاوت کی قلمرو میں فسادات پلے
کبر و نخوت اسی تقصیر کے سانچے میں ڈھلے　　اس بغاوت میں کٹے اہلِ دیانت کے گلے
دہشتِ وقت نے بازارِ کرم لوٹ لیا
اس بغاوت نے مورّخ کا قلم لوٹ لیا

اس بغاوت سے ہے تاریخ کے ہونٹوں پہ دھواں　　اس بغاوت سے ہے دُنیا میں اندھیروں کی زباں
اس بغاوت سے ہے پامال، وقارِ انساں　　اس بغاوت سے زمانے میں ہے باطل کا نشاں
کشتیِ نوحؑ کا ہم مثل سفینہ لوٹا
اس بغاوت نے محمدؐ کا مدینہ لوٹا

اس بغاوت کا علم شام کے محلوں سے اُٹھا　　جس کو کعبے نے جھکایا تھا وہ گھر پھر اُبھرا
خواہشِ تخت میں انسان خدا کو بھولا　　اب خلافت کی قبا تھی ہدفِ اہلِ جفا
ظلم کے نام پہ سجدے ہوئے، تکبیر ہوئی
سازشِ کفر بھی شرمائے وہ تدبیر ہوئی

خار کہتا تھا گُلِ تر کی کہانی نہ رہے　　جہل کو فکر تھی اعجاز بیانی نہ رہے
شورِ صحرا تھا کہ بارش نہ ہو، پانی نہ رہے　　میکدہ کہتا تھا کوثر کی روانی نہ رہے
دلِ مفسد میں یہ ارمان لڑائی دیکھوں
بُت کی خواہش تھی کہ پتھر کی خدائی دیکھوں

جس نے پتھر کے خداؤں کو کیا تھا فی النار　　اُس یداللہ سے تھی بولہبوں کی پیکار
جنگِ صفین میں لہرائی تھی جس کی تلوار　　صرف اُس شیرِ الٰہی سے کلیجے تھے فگار
آرزو یہ تھی کہ تکمیلِ عداوت ہو جائے
ختم ہو آلِ نبیؐ دین سے فرصت ہو جائے

یہ عداوت تھی جو بربادیٔ گلشن ٹھہری	یہ عداوت تھی، جو تخریب کا مخزن ٹھہری
یہی تدبیر ہم آوازِ برہمن ٹھہری	یہ عداوت تھی جو اسلام کی دشمن ٹھہری
ہر نظر مائلِ تفریق، تو گھر گھر فرقے
اس عداوت نے دکھائے ہیں بہتر فرقے

اس تصور سے بہے جاتے ہیں غم کے آنسو	زندگی بھر نہ تھمے، اہلِ کرم کے آنسو
کوئی پڑھتا نہیں قرطاس و قلم کے آنسو	صاف کہتے ہیں شہنشاہِ اُممؑ کے آنسو
جس کا ہر پھول ہے قرآں وہ چمن لوٹ لیا
دستِ اُمت نے پیمبرؐ کا کفن لوٹ لیا

کلمہ گو جس کو سمجھتے ہیں بہارِ اسلام	جلوہ افروز ہے قربانیٔ معصوم کا نام
آج کہتے ہیں جسے ختمِ نبوّت کا نظام	خونِ تہذیب سے ہے پوری عمارت کا قیام
غور سے دیکھیے ماضی کی زبوں حالی میں
زہر کا رنگ بھی ہے باغ کی ہریالی میں

کیا بھلائے گا کوئی گلشنِ زہراؑ کی ہوا	جس کے صدقے سے ملی دین کے پھولوں کو بقا
باغِ اسلام کی ہر شاخ سے آتی ہے صدا	روحِ گلدستۂ دیں ہے حسنؑ سبز قبا
مجتبیٰ ایک ہے توحید کے گنجینے میں
دیکھیے جلوۂ الحمد اس آئینے میں

وسعتِ فکر نہیں، مدحِ حسنؑ کیا لکھوں	کس طرح کیفیتِ عرشِ معلیٰ لکھوں
ذہن کہتا ہے رسولوں کی تمنا لکھوں	دل کا اصرار ہے اللہ کا منشا لکھوں
مصحفِ نور کا جس وقت خیال آتا ہے
قاریٔ فکر اس آیت پہ ٹھہر جاتا ہے

یہ وہ آیت ہے جسے دین کا عنوان کہوں   اسی عنوان کو معبود کا احسان کہوں
شاعری میں اسے جبریلؑ کا دیوان کہوں   آیتِ مدحِ حسنؑ ہے جسے قرآن کہوں

حاصلِ پیکرِ تخلیق یہی صورت ہے
جو وظیفہ ہے خدا کا، وہ یہی آیت ہے

اُس مصوّر کی قسم جس نے بنائی تصویر   حُسنِ تصویر یہ کہتا ہے کہاں اس کی نظیر
پردۂ سورۂ رحمٰن سے بولی تقدیر   یہ وہ تکبیر ہے بے مثل ہے جس کی تفسیر

نورِ دو نقش، اک آئینہ اعجاز میں ہے
یہی گوہر ہے مگر دوسرے انداز میں ہے

دونوں انداز ہیں اک مصحفِ ربِّ کونین   ایک مصحف میں ہے سرمایۂ حُسن دارین
حُسن دارین ہیں زہراؑ کے یہی نور العین   ایک صورت ہے حسنؑ دوسری صورت ہے حسینؑ

اسی تحریر سے قدرت نے محبت کی ہے
اسی قرآں کی پیمبرؐ نے تلاوت کی ہے

اسی قرآن کے دو نام ہیں تفسیر ہے ایک   اسی تفسیر کے دو چاند ہیں تنویر ہے ایک
دو مقرّر ہیں مگر شیوۂ تقریر ہے ایک   اس کے دو رُخ نظر آتے ہیں پہ تصویر ہے ایک

رزم میں آئے یہ تصویر تو حیدرؑ کہہ دوں
زینتِ بزم اگر ہو تو پیمبرؐ کہہ دوں

اُس کی تعریف میں قاصر ہے زبانِ انساں   جس نے چوسی ہو شہنشاہِ رسالتؐ کی زباں
اُس کے معیارِ شرافت پہ شرافت قرباں   جو مشیّت سے ہو سردارِ جوانانِ جناں

معرفت ہو تو اسے عظمتِ فن کہتے ہیں
سیرتِ احمدِ مرسلؐ کو حسنؑ کہتے ہیں

میں گنہگار کہاں اور کہاں ذکرِ معصوم — مجھ سا بے علم کہاں اور کہاں معراجِ علوم
جس کی راہوں میں بھکاری ہوں مہ و مہر و نجوم — اُس کی توصیف سے وابستہ ہے میرا مقسوم
خضرؑ کی طرح سے میں راہِ بقا پاؤں گا
یا علیؑ کہہ کے منازل سے گذر جاؤں گا

کاوشِ طبع سُنیں، حُسنِ طبیعت والے — جدّتِ شوق ہے کیا دیکھ لیں جدّت والے
سامنے آئیں زمانے کی سیاست والے — یہ عبارت لکھیں اسلام کی غیرت والے
سنگ ریزہ کبھی سورج نہیں کہلا سکتا
صبح پر شام کا الزام نہیں آ سکتا

صبح کا نور ہے، فرزندِ رسولؐ اعظم — ہاں اسی نور سے قائم ہے شریعت کا بھرم
کیا خریدے گا کوئی اہلِ حقیقت کا قلم — حق نگارانِ زمانہ یہ لکھیں گے پیہم
پڑھ لیا کلمۂ توحید سیاست کے لئے
لوگ اسلام بھی لائے تو حکومت کے لئے

خونِ حیدرؑ سے ملا تھا جو ریاست کو سُرور — نخوتِ عیش بڑھی، تیز ہوا کیفِ غرور
وہ شریعت جسے کہتے ہیں خدا کا دستور — حاکمِ شام یہ کہتا تھا مٹاؤں گا ضرور
سر میں سودا جو بڑھا خونِ حسنؑ کی خاطر
فوج بڑھنے لگی تخریب چمن کی خاطر

مقصدِ فوج تھا زنجیرِ خلافت ٹوٹے — روشنی ختم ہو معیارِ صداقت ٹوٹے
ساغرِ عیش رہے جامِ شریعت ٹوٹے — جو مسلمان بنائے وہ قیادت ٹوٹے
اس طرح دولتِ دنیا کی فراوانی ہو
صبح محکوم رہے، شام کی سلطانی ہو

قہقہہ زار ہوئی وقت کی آوارہ نظر　　جیسے مٹ جائے گی توحید کے جلووں کی سحر
عالمِ رقص میں چلّانے لگے بانیِ شر　　بسترِ خاک ہے گلزارِ جناں سے بہتر
کون سجدے کرے، پابندیِ اوقات کے ساتھ
زندگی گھومتی ہے نغمۂ حالات کے ساتھ

اس طرف گردشِ ہستی پہ شہِ دیںؑ کی نگاہ　　جس طرح نبض سے نبّاض کی فطرت آگاہ
مطمئن قلب کا عالم، نہ کوئی آہ نہ واہ　　حفظِ مذہب کے لئے ٹھوس اصولوں کی سپاہ
دل میں اک درد ہر انساں کی بھلائی کے لئے
جس طرح بھائی کو احساس ہو بھائی کے لئے

مسندِ احمدِ مرسلؐ پہ نواسے کا عمل　　پوری امّت کے لئے نورِ خدا کی مشعل
ہر نظر ضبط کی میزان، تو ہر بات اٹل　　عدل و انصاف میں وہ رنگ نہیں جس کا بدل
ہر ادا آئینۂ نہجِ بلاغت ٹھہرے
لفظ ہونٹوں سے نکل جائے تو آیت ٹھہرے

گفتگو میں وہ فصاحت کہ فصاحت قرباں　　وہ شناسائے مروّت کہ مروّت قرباں
اجنبی سے وہ محبت کہ محبت قرباں　　وہ سراپائے امامت کہ امامت قرباں
مسکراہٹ میں مزہ جھومتے پھولوں کی طرح
اور متانت کا یہ عالم کہ رسولوںؑ کی طرح

کسی محتاج کے چہرے پہ جو پڑتی ہے نظر　　شدّتِ غم سے دمک جاتا ہے روئے انور
اس سے پہلے کہ تکلم ہو، سوال آئے اِدھر　　فکرِ محتاج مٹا دیتا ہے زہراؑ کا پسر
قدرِ مخلوق عجب رنگ سے کی جاتی ہے
دل کی تحریر نگاہوں سے پڑھی جاتی ہے

حُسنِ اخلاق کے جلووں سے دلوں کی تسخیر
جس طرح کون و مکاں زلفِ رسالتؐ کے اسیر
اپنے دشمن کے لئے آب و غذا شربت و شیر
حیدرؑ ظرفِ کرم کی متکلّم تصویر

کیا کہوں، پیکرِ اخلاق سے کیا لے کے گیا
زخم دینے کوئی آیا، تو دُعا لے کے گیا

کان میں آ گئی جس دم کسی بے کس کی صدا
دردِ امت میں پیمبرؐ کے کلیجے نے کہا
غیر ممکن ہے کہ بہہ جائے لہو کا دریا
غیر ممکن ہے کہ شہروں کو بناؤں صحرا

باغِ زہراؑ لٹے، قاسمؑ پہ یتیمی آئے
پیاری اُمّت کے گلستاں میں نہ آندھی آئے

وارثِ رحمتِ کونینؐ کا اُمّت سے کلام
اے مسلمانو! سُنو میں ہوں زمانے کا امامؑ
میری نظریں ہیں محمدؐ کی ریاست کا نظام
میرے لشکر کی صفوں میں ہیں ہزاروں اصنام

کتنی آنکھیں ہیں بظاہر جو مری راہ میں ہیں
مجھ کو معلوم ہے یہ اور کسی چاہ میں ہیں

اے مسلمانو، مرے سامنے ہیں وہ چہرے
اپنی آنکھوں پہ جو ڈالے ہیں ہوس کے پردے
جن کے اعمال کی قسمت ہوں سنہری سکّے
اُن کو اپنا کبھی کہتے نہیں وحدت والے

حوصلے پست ہیں، تیغیں ہیں غلافوں کے لئے
یہ برائی تو کھلا زہر ہے اچھوں کے لئے

تم مسلماں ہو، کہو اب وہ صداقت ہے کہاں
جس کی تائید کرے خالقِ اکبر کی زباں
جنگِ صفین کے نقصان پہ آنسو ہیں رواں
نہرواں میں جو لہو بہہ گیا اب تک ہے گراں

فردِ ہستی پہ ہو، اک حرفِ مکرّر کی طرح
اب بھی آئے ہو، تو ہارے ہوئے لشکر کی طرح

اے مری قومؑ اگر یہ ہے تمنائے جہاد — پھر تمہیں یاد کہاں بدر کے شیدائے جہاد
حمزہؑ و جعفرِ طیار سراپائے جہاد — جن کی ہر سانس کا انداز تقاضائے جہاد

سجدے مقتل پہ سجائے وہ نمازی ایسے
سرخرو ہو گئے میدان میں غازی ایسے

غزوۂ خندق و خیبر میں علیؑ کے تیور — جیسے اسلام کے مقصد پہ محمدؐ کی نظر
کثرتِ فوجِ مخالف سے کوئی خوف نہ ڈر — جرأتِ شیرِ الٰہی یہ سُناتی تھی خبر

جس کو غالب کرے اللہ وہی غالب ہے
دین کا نام علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہے

تم کو معلوم ہے میں بھی ہوں حسنؑ ابنِ علیؑ — میرے سینے میں بھی ہے حوصلۂ نفسِ نبیؐ
آبِ شمشیر میں کچھ فرق نہ جرأت میں کمی — صرف مجبوریٔ حالات نے صورت بدلی

اب اگر جنگ ہوئی اور ہی نقشہ ہو گا
نہ تو قرآں نظر آئے گا، نہ کعبہ ہو گا

حاکمِ شام کی خواہش بھی یہی ہے بخدا — خونِ اسلام سے بھر جائے عرب کا صحرا
باغِ حیدرؑ میں چلے ایسی جفاؤں کی ہوا — پھول ساحل پہ جو مرجھائیں تو روئے دریا

قبر میں احمدِ مرسلؐ کو رُلایا جائے
پیاسے غنچوں کو بھی نیزوں پہ اُٹھایا جائے

لیکن اس بات کو سمجھا ہی نہیں حاکمِ شام — باغِ حیدرؑ کی ہواؤں میں پلا ہے اسلام
غیر ممکن ہے مٹائے کوئی وحدت کا نظام — سیرتِ آلِ محمدؐ سے ہے اللہ کا نام

وقت آیا تو اسی نام پہ محشر ہو گا
پورے قرآں کا عمل، سورۂ کوثر ہو گا

اے مسلمانو' مجھے علم ہے اب کیا ہو تم — خوش ہے جس سے دلِ باطل وہ تمنا ہو تم
وقت کے ساتھ جو بہہ جائے وہ سودا ہو تم — یاس کی دھوپ میں سوکھا ہوا دریا ہو تم
موت سے ڈرتی ہے کس درجہ یہ ساری دنیا
اب فقط صلح کی خواہش ہے تمہاری دنیا

صُلح کا لفظ سُنا تھا کہ مسلماں بولے — امن درکار ہے اب جنگ کی قندیل بجھے
سامنے پھرتا ہے آسیبِ اجل کون لڑے — زندگی چاہیے اب خون کا قطرہ نہ بہے
اے محمدؐ کے پسر خوب یہ ساماں ہو گا
صلح کر لیجئے اسلام پہ احساں ہو گا

الغرض صُلحِ حسنؑ ہو گئی معمارِ حیات — چشمِ ہمت کو نظر آ گئے آثارِ حیات
فتحِ کردار پہ بولا یہ قلمکارِ حیات — امن نے چھین لیا جنگ سے بازارِ حیات
مر گیا موت کا سیلاب وہ تدبیر ہوئی
زندگی فاطمہؑ کے لال کی جاگیر ہوئی

صُلح کے بعد بھی طوفانِ حسد کم نہ ہوا — روحِ کردار پہ اک اور نیا زخم لگا
آدمیت نے کہا ختم ہوئی شرم و حیا — حاکمِ شام نے پیمانِ وفا توڑ دیا
فوقیت مل نہ سکی ظلم کے پیمانے کو
زہر پلوا دیا توحید کے پروانے کو

اُف یہ مکّار زمانہ' یہ زمانے کے ستم — گنبدِ فکر کے ٹکڑے ہوں تڑپ جائے قلم
جس کے کردار سے ہو سینۂ اسلام میں دم — ہائے افسوس، وہ انساں ہو گرفتارِ الم
جس کے قدموں پہ ریاست کی ہوا' گرد ملے
ایسے قائد کو زمانے سے فقط درد ملے

اشک پلکوں پہ اٹھائے ہیں وہ تصویرِ عزا　　خوں اُگلتے ہیں امامِ دوجہاں شاہِ ہُدا
سامنے طشت لئے بیٹھی ہیں بنتِ زہراؑ　　جب نکلتا ہے دہن سے کوئی ٹکڑا دل کا

بہتی آنکھوں پہ تڑپ جاتے ہیں کچھ سائے سے
یا علیؑ کہہ کے لپٹ جاتے ہیں ماں جائے سے

بھائی کا گرم لہو دیکھ کے کہتی ہے بہن　　کس کی نظروں نے اُجاڑا مری لیتاں کا چمن
آج پانی کی طرح دیکھتی ہوں خونِ حسنؑ　　قبر میں سُرخ ہوا پالنے والی کا کفن

اُمتِ شاہِ مدینہؐ یہ تماشہ دیکھے
طشت میں فاطمہؑ زہرا کا کلیجہ دیکھے

آج زینبؑ کی نگاہوں نے یہ منظر دیکھا　　درد کی سیج پہ نانا کا گُلِ تر دیکھا
ٹکڑے ٹکڑے، جگرِ فاتحِ خیبر دیکھا　　موت کے فرش پہ مظلوم برادر دیکھا

سبزہَ زہر پسینے میں جو لہراتا ہے
حشر ہو جائے وہ انجام نظر آتا ہے

اک طرف ماہیِ بے آب ہیں اُم کلثومؑ　　جیسے کچھ دیر کے مہمان ہوں شاہِ مسموم
خونِ دل روتا ہے زہراؑ کا بھرا گھر مغموم　　جیسے پھولوں کو ہے گلشن کی تباہی معلوم

اس طرح قبرِ پیمبرؐ سے ہوا آتی ہے
جیسے اب فخرِ سلیمانؑ کو قضا آتی ہے

دیکھ کر مادرِ قاسمؑ کو یہ کہتے ہیں امامؑ　　کیوں پریشاں ہو یہ دُنیا تو نہیں اپنا مقام
میرے گلزار کی خوشبو ہے، مرا گُل اندام　　نام قاسمؑ کا رہے گا تو رہے گا مرا نام

میں سمجھتا ہوں مرا لال مری عزت ہے
کام آئے جو مصیبت میں، یہ وہ دولت ہے

پردۂ وقت بالآخر یہ سناتا ہے خبر صبح نے آہ بھری اُٹھ گیا زہراؑ کا پسر
شورِ ماتم سے ہلا سرورِ کونینؑ کا گھر بہنیں بے ہوش ہوئیں ہائے برادر کہہ کر
ہاتھ سینے پہ ہے اور اشک بہاتے ہیں حسینؑ
بھائی رخصت ہوا، تابوت اُٹھاتے ہیں حسینؑ

گھر سے تابوت چلا قبرِ پیمبر کی طرف جیسے دریا کی روانی ہو سمندر کی طرف
ماہِ تاباں کا سفر مہرِ منور کی طرف جیسے پردیس سے آتا ہو کوئی گھر کی طرف
کتنا اچھا ہو گُلِ تر کو چمن مل جائے
اس مسافر کو بھی اے کاش وطن مل جائے

لیکن اسلام کی بستی میں ہے ساماں کچھ اور کہہ رہا ہے در و دیوار سے طوفاں کچھ اور
مقصدِ زندگی کچھ اور ہے قرآں کچھ اور رنگ لائے ہیں خریدے ہوئے انساں کچھ اور
خون رُلایا ہے مدینے کو صنم خانوں نے
تیر مارے ہیں جنازے پہ مسلمانوں نے

آج خوشبوئے گلستاں ہے گلستاں سے الگ روشنی اشک فشاں ہے مہِ تاباں سے الگ
یوں مسلماں کی حمیّت ہے مسلماں سے الگ کر دیا سورۂ الحمد کو قرآن سے الگ
پانی ممنوع کیا جاتا ہے پیاسے کے لئے
قبر نانا کی مقفّل ہے نواسے کے لئے

ایسی منزل پہ تڑپتا ہوا صبرِ شبیرؑ جیسے عباسؑ سے چھینی ہو وفا نے شمشیر
تیغِ مسلمؑ کی ادا، حکمِ امامت کی اسیر پائے عابدؑ میں تحمل کی وہ پہلی زنجیر
بچپنے میں علی اکبرؑ کو جلال آیا ہے
جیسے کچھ پردۂ زینبؑ کا خیال آیا ہے

کچھ نہالانِ علیؑ دیکھتے ہیں تیر و تبر کچھ جواں روتے ہیں تابوت پہ رکھے ہوئے سر
جائزہ لیتی ہے ابنِ حنفیہؒ کی نظر تیغ تولے ہوئے تیار ہیں، ابنِ جعفرؑ
منتظر سب ہیں امامت کا اشارہ ہو جائے
ہر طرف خون کی بارش کا نظارہ ہو جائے

ناگہاں سبطِ پیمبر کو یہ ملتا ہے پیام
میرے ماں جائے ہمیں جنگ سے مطلق نہیں کام
آج نانا کی لحد پر ہیں وہی بدانجام
جن کو ضد ہے کہ بجھائیں گے چراغِ اسلام

سب کو لے جایئے مخدومۂ دوراں کے قریب
بھائی کی قبر بنا دیجئے لمّاں کے قریب

رُخِ تابوت مڑا مرقدِ زہراؑ کی طرف
جیسے کعبے کی نظر گنبدِ خضرا کی طرف
مُڑ گیا سیلِ وفا مرکز و ملجا کی طرف
آیتیں بڑھنے لگیں آیت کبریٰ کی طرف

جس سے نکلا ہے کلیجہ وہ دہن چومتی ہے
مامتا اپنے مسافر کا کفن چومتی ہے

سرِ تابوت ہے افسردہ ہواؤں کا سخن
مامتا چوم لے آج اپنے مسافر کا کفن
لیکن آئندہ ہے غربت میں وہ رودادِ محن
دھوپ سینے سے لگائے گی شہیدوں کے بدن

بے ردا بیٹی کی فریاد سُنیں گی زہراؑ
بکھرے کچھ پھولوں کی روداد سُنیں گی زہراؑ

آج شبیرؑ ہیں اور قبرِ حسنؑ کی تعمیر
کل پسِ قتل بھی تیروں پہ رہیں گے شبیرؑ
آج تو ایک ہی تابوت پہ مارے گئے تیر
کل بہتر کے گلوں پر ہے ستم کی شمشیر

آج مغموم بہن، بھائی پہ گریاں ہو گی
کل بھرے گھر کے لئے شامِ غریباں ہو گی

آج پُرسے کے لئے آئیں گے وابستۂ غم
کل قیامت ہے جلے خیمے ہیں اور اہلِ حرم
آج موجود ہے سب حیدری شیروں کا حشم
کل بھرے شہر میں کانٹوں پہ ہیں عابدؑ کے قدم

آج اک چاند مدینے میں چھپانا ہو گا
کل نبیؐ زادیوں کو سر کھلے جانا ہو گا

آج زینبؑ کے لئے گھر ہے، مدینہ ہے مگر
کل وہ منزل ہے جہاں روئے گی روحِ شبّرؑ
دونوں بازو میں رسن، بالوں کا پردہ رُخ پر
مرغِ بسمل کی طرح صاحبِ غیرت کی نظر

شام کی راہ میں ایسا بھی مقام آئے گا
جہاں عباسؑ کا سر نیزے سے گر جائے گا

◆◆

عرفانِ امامت

(امام کے فضائل اور حضرتِ علیؑ کی شہادت)

۲۴ بند۔ ۱۹۸۱ء

maablib.org

❖❖

خوشبو کی قدر کیا ہے، گُلِ تر سے پوچھیے
آئینہ کیا ہے، چشمِ سکندر سے پوچھیے
کیفِ سخن کو، طبعِ سخنور سے پوچھیے
کعبے کا حال، دوشِ پیمبرؐ سے پوچھیے
کافی ہے یہ امامؑ کی پہچان کے لئے
قرآن رحل ہو گیا قرآن کے لئے

❖❖

عرفانِ امامت

کیا چاہتا ہے آج کا انساں، یہ سوچیے
کیا ہے علاجِ ذہنِ پریشاں، یہ سوچیے
پہنچی کہاں پہ گردشِ دوراں، یہ سوچیے
کیا کہہ رہی ہے نبضِ مسلماں، یہ سوچیے
ہر سانس اضطراب ہے شعلہ اساس ہے
پانی کے باوجود قیامت کی پیاس ہے

سورج ہے زندگی تو حجابِ غبار کیوں
جلوے تو مستقل ہیں نظر تار تار کیوں
وحدت کی انجمن کے لئے انتشار کیوں
منزل ہے سب کی ایک تو رستے ہزار کیوں
کچھ سوچیے شعورِ بشر کیوں بدل گیا
کیا غیرتِ عمل کا جنازہ نکل گیا

ماحول کی نگاہ، دل آزار کس لئے
ذہنوں کا آسمان، شرر بار کس لئے
پورا معاشرہ ہے گنہ گار کس لئے
انسانیت کے حلق پہ تلوار کس لئے
درمانِ درد کیا ہے یہ معلوم ہی نہیں
جیسے زمیں پہ اب کوئی معصوم ہی نہیں

جھوٹی انا کے پردے میں ایمان چھپ گیا لفظ و بیاں کے رنگ میں انسان چھپ گیا
تحریر خون روتی ہے عنوان چھپ گیا خاموشیوں میں بولتا قرآن چھپ گیا
بیداریِ شعور کی دولت نہیں رہی
پڑھ لے جو وقت کو، وہ بصیرت نہیں رہی

حیرت ہے دل کا ساز رہے دلکشی سے دُور کہنے کو زندگی ہے مگر زندگی سے دُور
یہ سوچیے دلیل ہے کیوں مدّعی سے دور ہم روشنی کے سائے میں ہیں روشنی سے دُور
تاریکیوں میں نور کو پہچانتے نہیں
نکلا ہوا ہے چاند مگر مانتے نہیں

ذہنوں میں کھل گئے ہیں بغاوت کے میکدے رُوحِ مزاج بن گئے، ساغر گناہ کے
اُلجھے ہوئے ہیں دین سے دُنیا کے سرپھرے ٹکرا گئے پہاڑ سے پانی کے بلبلے
الحاد سے خیال کے شیشے کثیف ہیں
اب آدمی نہیں ہیں خدا کے حریف ہیں

مغرب میں ڈوبتی ہوئی تہذیب کا اثر مشرق کی حرمتوں کو پھراتا ہے دربدر
اہلِ قلم نے غیرتِ احساس چھوڑ کر عشرت کے گیت گائے ہیں سورج کی لاش پر
شام و سحر کو عالمِ یک رنگ کر دیا
انسانیت کو دستِ تہہِ سنگ کر دیا

عریاں دل و دماغ ہیں، شرم و حیا مذاق ہنستی ہیں بے وفائیاں لفظِ وفا مذاق
پیمانۂ مذاق ہے، آیات کا مذاق غیرِ خدا شعور ہے نامِ خُدا مذاق
کیا کیا بساطِ فکر پہ تخلیق کار ہیں
آئینے ڈھالتے ہیں، مگر خود غبار ہیں

باغِ تخیلات کا اِک اِک شجر، قلم
ہر فکر میں عقابِ حمیّت کے پر قلم
اک جنبشِ قلم سے طبیعت کا سر قلم
یعنی متاعِ نقد جدھر ہے اُدھر قلم
آوارہ ولولوں کی اشاعت کا دور ہے
انسانیت ہے اور، قلمکار اور ہے

فصلِ خزاں ہے، قدرِ گلاب و سمن گئی
اب تلخیاں ہیں لذتِ کام و دہن گئی
بدلا نظامِ شمع، گئی انجمن گئی
کیسے کہوں کہ حُرمتِ اہلِ سخن گئی
گویا خلوصِ فکر کے در بند ہو گئے
نااہل بھی، ادب کے خداوند ہو گئے

اہلِ ہوس نے نور کو ظلمت سمجھ لیا
تہذیب کے لہو کو معیشت سمجھ لیا
مذہب کو داستانِ سیاست سمجھ لیا
یعنی حُسینیت کو تجارت سمجھ لیا
اکثر اسی خیال میں اہلِ ہُنر ملے
نقدِ رضا، ملے نہ ملے نقدِ زر ملے

کاغذ کے پیرہن پہ سجائے ہوئے خطاب
الفاظ میں بسائے ہوئے کاغذی گلاب
دولت کی خواہشوں میں چھپائے ہوئے کتاب
باطن رُخِ عذاب، تو ظاہر رُخِ ثواب
پیکارِ علم و جہل کے قصے عجیب ہیں
دینِ خُدا کو بیچنے والے خطیب ہیں

آوازِ سنگ ریزہ ہے گوہر کہو مجھے
مفلس کی آرزو ہے تونگر کہو مجھے
قطرہ پکارتا ہے سمندر کہو مجھے
جاہل مُصر ہے علم کا پیکر کہو مجھے
غالب حواس و ہوش پہ ظالم سماج ہے
محکوم ہیں اُجالے، اندھیروں کا راج ہے

کہنے کو آدمی ہے ستاروں کا ہم سفر کہنے کو آج برق کا سینہ ہے رہ گذر
فتحِ قمر سے فاتحِ گردوں ہوا بشر کہنے کو اہلِ عقل نے کاٹے ہوا کے پر
لیکن بلندیوں میں بڑی پستیاں بھی ہیں
گھبرا رہی ہے روح وہ سرمستیاں بھی ہیں

معلوم ہے خزانۂ گیتی پہ اختیار معلوم ہے بشر کے تکبّر کی ہر بہار
مٹی کے عطر زار میں دولت کا لالہ زار دولت کے لالہ زار سے شاہوں کا اقتدار
شاہوں کا اقتدار بھی حق آفریں نہیں
سب کچھ تو ہے، دلوں پہ حکومت کہیں نہیں

ہر سمت اشتباہ کے صحرا کی آندھیاں ہر گام افتراق کی منحوس بجلیاں
ہر عالمِ خیال میں نفرت کی بستیاں ہر گفتگو میں زہرِ تعصب کی تلخیاں
کیا اس شکستِ فکر و نظر کی دوا بھی ہے
طوفاں میں ہے جہاز، کوئی ناخدا بھی ہے

دریا بھنور، پہاڑ بھنور، گلستاں بھنور صحرا بھنور، درخت بھنور، بستیاں بھنور
سورج بھنور ہے چاند بھنور، کہکشاں بھنور انسان کے لئے ہیں، زمیں آسماں بھنور
لازم ہے زندگی کے لئے آسرا ملے
کہتی ہیں مشکلیں، کوئی مُشکل کُشا ملے

یہ زندگی یہ کش مکشِ زندگی، عبث جھوٹی انا کا زعم عبث، سرکشی عبث
قدرت کی بارگاہ سے یہ بے رُخی عبث جلوے تلاش کیجیے تیرہ شبی عبث
شمس و قمر کی روح کو پہچان لیجیے
قرآن بولتا ہے اسے مان لیجیے

حق آگہی کا نام رہِ مستقیم ہے ‏ ‏ حُسنِ عمل شریعتِ عقلِ سلیم ہے
یہ فیصلہ بہ فکرِ جدید و قدیم ہے ‏ ‏ حق جس کے ساتھ ہے، وہی رہبر عظیم ہے
رہبر کی ذات جس کے لئے معتبر نہیں
اُس قافلے کے واسطے شب ہے سحر نہیں

فکر و نظر کی تیز شعاعوں کے باوجود ‏ ‏ اہلِ نظر سمجھ نہ سکے رازِ ہست و بُود
کیا عالمِ غیوب ہے کیا منزلِ شہود ‏ ‏ دونوں جہاں بغیرِ معلمؑ ہیں بے نمود
یعنی وجود میں کوئی ایسا بشر بھی ہو
جس کو تمام شہرِ عدم کی خبر بھی ہو

بخشے جو زندگی، وہ سخن لاجواب ہے ‏ ‏ روشن ہو جس سے دل، وہ نظر آفتاب ہے
دنیا تو ہر قدم پہ ثواب و عذاب ہے ‏ ‏ کامل ہو رہنما تو سفر کامیاب ہے
ایسا تو راہِ حق میں کوئی حق شناس ہو
فتحِ مباہلہ کی سند جس کے پاس ہو

وہ بندگی، ملا جسے انسانیت کا نام ‏ ‏ وہ روشنی جو مقصدِ قرآں ہے لاکلام
وہ صبح جس کے نور سے ٹوٹا غرورِ شام ‏ ‏ وہ سلطنت کہیں جسے اللہ کا نظام
ایسے نظام کے لئے رہبر بھی چاہیے
جب شہرِ علم ہے، تو کوئی در بھی چاہیے

لاریب شہرِ علم ہے ختمِ رُسلؐ کی ذات ‏ ‏ محبوبِ کردگار کا صدقہ ہے کائنات
لیکن پکارتا ہے یہ گلزارِ شش جہات ‏ ‏ بعدِ رسولؐ کون ہے اسلام کی حیات
کیا ہے دلیل، ختمِ نبوّت کے واسطے
کوئی تو مستحق ہو، امامت کے واسطے

منزل یہی تو امرِ بصیر و علیم ہے　　عہدہ یہی تو رازِ الف لام میم ہے
حاصل جسے مشیّتِ ربِّ کریم ہے　　منصب یہی تو بعدِ رسالت عظیم ہے
اب کیوں کسی بشر کی نگاہوں کو بھول ہو
لازم ہوا، امام بھی نفسِ رسُولؐ ہو

ہاں اب سمجھ میں آئے گا قدرت کا یہ نظام　　منظر میں آ گیا ہے ''اولی الامر'' کا پیام
آنکھوں سے کچھ نشانیاں ہوتی ہیں ہمکلام　　اب آیئے تلاش کریں کون ہے امام
جو کچھ نگاہِ شوق کہے، دل وہی کہے
کعبہ خیال میں ہو، زباں یا علیؑ کہے

تاریخ کے پروں پہ اڑیں ہر دیار میں　　ہر عالمِ وجود میں، ہر جلوہ زار میں
گھر میں، نگار خانۂ لیل و نہار میں　　آ جائے لطف، خانۂ پروردگار میں
خود حاصلِ شرف پہ شرف بولنے لگے
موتی ہے لاجواب صدف بولنے لگے

پوچھیں خُدا کے گھر سے محمدؐ کے نام پر　　تو ہی بتا کہ تاجِ امامت ہے کس کے سر
یہ زندگی ہو جس کی اطاعت میں بہرہ ور　　کس ماں کا نورِ عین ہے کس باپ کا جگر
کعبہ کہے گا بنتِ اسدؑ سرفراز ہے
عمرانؑ کے پسر پہ امامت کو ناز ہے

آواز آئے گی درِ کعبہ سے بار بار　　عمرانؑ کے پسر کو ہے کعبے پہ اختیار
حاصل ہوئی ہے کس کو یہ دستارِ افتخار　　بنتِ اسدؑ کا چاند ہے مرضیِ کردگار
پہچان کر نیابتِ خیرالانام کو
دیوار نے سلام کیا ہے امامؑ کو

دیکھا ہے کس نگاہ نے بچے میں یہ کمال جس کی ادا پہ ناز کرے آمنہؑ کا لال
وہ تین دن کی عمر وہ قرآن کے سوال یعنی رسالتؑ اور امامت میں اتصال
مطلب یہ تھا قیادتِ حق ناتواں نہیں
پابندِ ماہ و سال امامِ زماںؑ نہیں

سنیئے بغور صحنِ حرم کی گواہیاں اک شیر خوار میں ہیں امامت پناہیاں
اژدر کی شکل وقت کی اژدر نگاہیاں دستِ خدا سے غیرِ خدا کی تباہیاں
دو انگلیاں جو کلّۂ اژدر میں آ گئیں
تاریخ کو رہینِ امامت بنا گئیں

طفلی کے حوصلوں کا شگوفہ بھی یاد ہے وحدت نمائیوں کا سلیقہ بھی یاد ہے
لات و ہُبل کی گرد کا قصہ بھی یاد ہے دنیا کو یادگار طمانچہ بھی یاد ہے
مشرک جو تھا امامؑ کے غصے میں گھر گیا
مُنہ کیا پھرا دماغِ ابوجہل پھر گیا

پڑھ لیجئے تقدّسِ کعبہ پہ ہے رقم اسلام کی بقا ہے محمدؐ کا ابنِ عم
یہ بات کیا چھپائیں گے صدیوں کے پیچ و خم عمرانؑ کے لہو سے ہے دینِ خدا میں دم
محبوب پر فدا ہو محبت یہی تو ہے
زندہ رہے رسولؐ، امامت یہی تو ہے

اسلام کی طرح سے امامت کا قد بڑھا دینِ خدا امامؑ کی صورت جواں ہوا
پھولی پھلی ریاضتِ سلطانِ انبیاءؐ توحید کے جمال سے رنگ جہاں کھلا
انسانیت کا درس ملا کائنات کو
حُسنِ تغیّرات نے چوما حیات کو

انگڑائیاں امامؑ نے لیں آ گیا شباب   خوش ہو گئے رسولؐ اُترنے لگی کتاب
آئی سرِ امامؑ پہ دستارِ انقلاب   پھیلا دیا رسولؐ نے توحید کا نصاب
ہر سنگدل خدا کی خُدائی دھواں ہوئی
دربارِ ذوالجلال میں پہلی اذاں ہوئی

خوشبو کی قدر کیا ہے گُلِ تر سے پوچھیے   آئینہ کیا ہے چشمِ سکندر سے پوچھیے
کیفِ سخن کو طبعِ سخنور سے پوچھیے   کعبے کا حال دوشِ پیمبرؐ سے پوچھیے
کافی ہے یہ امام کی پہچان کے لئے
قرآن رحل ہو گیا قرآن کے لئے

ظاہر ہوا جو عرشِ نبوت پہ بت شکن   کاٹے خدا کے ہاتھ نے پتھر کے پیرہن
تصویرِ یاس ہو گئے خاموش اہرمن   وحدت نے ہر طرف سے پکارا بون بون
ڈنکا بجا زمیں پہ رسولِؐ انام کا
گونجا خدائی بھر میں تعارف امامؑ کا

حاصل جسے قضا و قدر وہ امامؑ ہے   قبضے میں جس کے شام و سحر وہ امامؑ ہے
رکھے جو آسماں کی خبر وہ امامؑ ہے   شاہد ہوں جس کے خیرِ بشر وہ امامؑ ہے
زنجیرِ وقت کھینچ لے جذبِ نگاہ سے
سورج کو حکم دے تو پلٹ آئے راہ سے

پل میں جو انقلاب کرے، وہ امامؑ ہے   ہر شے پہ جس کا حُکم چلے وہ امامؑ ہے
جو درس جبرئیلؑ کو دے وہ امامؑ ہے   قرآں جسے امامؑ کہے، وہ امامؑ ہے
آئے نہ فرق جس کے خضوع و خشوع میں
خیرات کر دے مہرِ سلیمانؑ، رکوع میں

جس کا وجود روحِ جہاں وہ امامؑ ہے — لوح و قلم ہوں جس پہ عیاں وہ امامؑ ہے
آیاتِ حق ہوں جس کا بیاں وہ امامؑ ہے — جس کی زباں خدا کی زباں، وہ امام ہے
تیار ہو جو خطبۂ وحدت کے واسطے
قرآں بنے الف کی حکایت کی واسطے

بنیادِ حق ہو جس کی ولا، وہ امامؑ ہے — جس کا لقب ہو عقدہ کشا، وہ امامؑ ہے
پہنے جو "انما" کی قبا وہ امامؑ ہے — پیغمبری ہو جس کی ادا وہ امامؑ ہے
دشمن کا دل بھی جس کے لئے حق گری کہے
سو جائے میٹھی نیند تو دنیا نبیؐ کہے

شمس و قمر ہوں جس کے سبب وہ امامؑ ہے — عشقِ خدا ہو جس کی طلب وہ امام ہے
مرضی ہو جس کی مرضیِ رب وہ امام ہے — اعلیٰ ہو سب سے جس کا نسب وہ امام ہے
تارِ نظر سے قلبِ فلک میں رفو کرے
حکمِ امامؑ ہو تو زمیں گفتگو کرے

چہرہ ہو جس کا حُسنِ ازل وہ امام ہے — تھرائے جس سے دیوِ اجل وہ امام ہے
کر دے جو تلخیوں کو عسل وہ امام ہے — خیر العمل ہو جس کا عمل وہ امام ہے
چاہے تو سنگ ریزوں کو اہلِ سخن کرے
آتش کدے کو ایک نظر میں چمن کرے

مثلِ نبیؐ ہو جس کا چلن، وہ امامؑ ہے — ڈر جائیں جس سے رنج و محن، وہ امام ہے
پانی کو کر دے لعلِ یمن، وہ امامؑ ہے — موتی ہو جس کا آبِ دہن، وہ امام ہے
سوکھے ہوئے شجر کو نئے برگ و بار دے
تاریکیوں کو نور، خزاں کو بہار دے

آب رواں ہو جس کی زمیں، وہ امامؑ ہے　　　جو فرش پر ہو عرش نشیں، وہ امامؑ ہے
حق الیقیں ہو جس کا یقیں وہ امامؑ ہے　　　جس کے بغیر دین نہیں، وہ امامؑ ہے
تاریخ کیا بھلائے گی اس انتظام کو
خیبر میں مصطفےٰؐ نے بلایا امامؑ کو

محوِ سخن ہوں جس سے شجر وہ امامؑ ہے　　　دیوار جس کے واسطے در وہ امامؑ ہے
تحت الثریٰ کی جس کو خبر وہ امامؑ ہے　　　کاٹے پہاڑ جس کی نظر وہ امامؑ ہے
یوں ارتقائے فکرِ رسالتؐ مآب ہو
لیٹے زمین پر تو لقب بوترابؑ ہو

تیغیں ہوں جس کی راہ گذر وہ امامؑ ہے　　　تائیدِ حق ہو جس کی سپر وہ امامؑ ہے
اسلام جس کا دستِ نگر وہ امامؑ ہے　　　کاٹے جو کُلِ کفر کا سر، وہ امامؑ ہے
یوں ہو عزیز چشمِ رسالتؐ پناہ میں
ایمانِ کُل کا تاج ملے رزمگاہ میں

جس کے قدم کی خاک شفق، وہ امامؑ ہے　　　پڑھ لے جو آسماں کے ورق، وہ امامؑ ہے
قدرت ہو جس کا نظم و نسق، وہ امامؑ ہے　　　مٹھی میں لے زمیں کے طبق، وہ امامؑ ہے
یوں بھی خطابِ دستِ خدا آشکار ہو
لاسیف و لافتیٰ کی صداقت نثار ہو

ایمان و آگہی کے سمندر سے پوچھیے　　　تکمیل دیں کے آخری منظر سے پوچھیے
میدان میں کجاوؤں کے منبر سے پوچھیے　　　منبر پہ کائنات کے سرورؐ سے پوچھیے
خطبہ بتا رہا ہے رسولؐ انام کا
جشنِ غدیر بھی ہے قصیدہ امامؑ کا

جیسے برائے باغ مقدر ہے باغباں جیسے برائے مدرسہ عالم ہے مثلِ جاں
جیسے کسی بزرگ سے تنظیمِ خانداں جیسے برائے سلطنت اِک شخص حکمراں
بالکل یہی شریعت حق کا نظام ہے
روحانیت کے ملک کا حاکم، امامؑ ہے

پھیلی ہوئی ہے شمسِ رسالتؐ کی روشنی یہ روشنی ہے عالمِ وحدت کی روشنی
دُنیا سے کم نہ ہو گی یہ قدرت کی روشنی قرآں کی پاسباں ہے امامت کی روشنی
ہر دور پر امام ہے قبضہ کیے ہوئے
سورج ہے، بارہ چاند کا ہالا لیے ہوئے

تقدیرِ کائنات ہے معصوم کی حیات ترتیب شش جہات ہے معصوم کی حیات
قدرت زباں ہے بات ہے معصوم کی حیات گویا دلِ حیات ہے معصوم کی حیات
معصوم ہی ادائے مشیّت کا نام ہے
جب تک نظامِ شمس و قمر ہے امامؑ ہے

مقداد حق پرست کے ایقان کی قسم روز جزا عدالت و میزان کی قسم
بیداریِ ابوذرؓ و سلمانؓ کی قسم قرآن کا بیان ہے قرآن کی قسم
کچھ اس میں شک نہیں، یہ خدا کا کلام ہے
محشر میں بھی نجات کا باعث امامؑ ہے

حیراں ہوں کیوں مزاجِ زمانہ علیل ہے ہر ذہن کا علاج دُعائے خلیلؑ ہے
دعویٰ مرا غلط نہیں آیت دلیل ہے اکثر نبوتوں سے امامت جلیل ہے
یعنی تمام حمد کی تفسیر ہیں علیؑ
قرآن ایک خواب ہے تعبیر ہیں علیؑ

لیکن ہوس کی راہ میں بھٹکے ہوئے بشر ہر دور میں رہے ہیں حقیقت سے بے خبر
کیا حرمتِ رسولؐ تو کیسا خُدا کا ڈر ظالم فروغِ ظلم پہ باندھے رہے کمر
قدرت نے جب یہ حق نہ دیا ظالمین کو
نہلایا بے گناہ لہو سے زمین کو

اُمت نے قتلِ کفر کا بدلہ عجب لیا تیغ و سناں سے دینِ خُدا کا لہو پیا
اسلام کی مدد کا صلہ اِس طرح دیا مسجد میں تاجدارِ امامت کا خوں کیا
اب تک نمازِ فجر کے ہونٹوں پہ آہ ہے
مارا ہے روزہ دار کو سجدہ گواہ ہے

کوفے کی سرزمیں پہ ذرا ڈالیے نظر نوحہ کناں ہیں، مسجد کوفہ کے بام و در
تاریخ کہہ رہی ہے کہانی بچشم تر رویا خدا کے گھر کی طرح فاطمہؑ کا گھر
اشکوں کی نہر شبّرؑ و شبیرؑ کے لئے
زخمِ پدر ہے زینبؑ دلگیر کے لئے

غمگین نمازیوں میں تڑپتی ہوئی نماز تازہ لہو میں ڈوبا ہوا نازشِ حجاز
وہ درد کی بہار وہ تسبیح بے نیاز دُنیا سے کہہ رہا ہے یہ حمدِ خدا کا ساز
اے کلمہ پڑھنے والو، قیامت قریب ہے
رخصت ہو روحِ علم وہ ساعت قریب ہے

فریاد کر رہی ہیں، مصلے کی سرخیاں ماتم کریں گی آج تہجد گذاریاں
سُن لے کوئی زمین کے ہونٹوں کی سسکیاں کہدیں جو بوترابؑ اُلٹ جائیں بستیاں
وہ زخم اب لگا ہے کہ جس کا رفو نہیں
قرآن کا لہو ہے، علیؑ کا لہو نہیں

منبر سے آ رہی ہے صدا، الوداع امیر　　حالات کہہ رہے ہیں زمانہ ہوا فقیر
آمادۂ سفر ہے غریبوں کا دستگیر　　لُٹ جائیں گے یتیم تو مرجائیں گے اسیر
محتاج، بھوکے پیٹ جو سوئیں گے رات کو
مولیٰ کے انتظار میں روئیں گے رات کو

صحنِ حرم سرا میں کُھلے ہیں کسی کے بال　　آنسو بہا کے کہتے ہیں زہراؑ کے دونوں لال
بابا ہماری پیاری بہن کا ہے غیر حال　　چلیے خدا کے واسطے یا شیرِ ذوالجلال
تاخیر اب ہوئی تو قیامت اُٹھائے گی
زینبؑ برہنہ سر، اسی مسجد میں آئے گی

بولے علیؑ، چلو مرے لختِ جگر چلو　　تاخیر اب نہ چاہیے نورِ نظر چلو
دل بے قرار ہو گیا جلدی سے گھر چلو　　زینبؑ کہیں نکل نہ پڑے تیز تر چلو
عباسؑ سے کہو کہ وہ در پر نظر رکھے
ہم جلد آ رہے ہیں، بہن کی خبر رکھے

خیبر کشا کو لے کے جو آئے حسنؑ حسینؑ　　اُٹھا حرم سرا میں قیامت کا شور وشین
ٹکرا گئے بقیع سے سیدانیوں کے بین　　ماں جائی سے لپٹ گئے زہراؑ کے نورِ عین
ہر سمت آنسوؤں کا سمندر رواں ہوا
پتھر کی آنکھ روئے، وہ منظر عیاں ہوا

زینبؑ نے اپنے باپ کی چھاتی پہ رکھ کے سر　　اتنا کہا بتایئے سلطانِ بحر و بر
کس بے حیا نے ہاتھ اُٹھایا حضور پر　　میں دیکھتی ہوں پھیل گیا زہر کا اثر
اب زندگی رہے یہ بھروسہ رہا نہیں
بابا، یہ زخم وہ ہے کہ جس کی دوا نہیں

بولے ابوالحسنؑ مری بیٹی یہ کیا کہا   تم دیکھتی ہو زخمِ پدر ہے بندھا ہوا
جرّاح بھی نصیب ہے مرہم بھی مل گیا   لیکن بڑا غریب ہے مظلومِ کربلا
کیسے کہوں، پسر کے لئے کتنے زخم ہیں
جن کا شمار ہو نہ سکے اتنے زخم ہیں

زینبؑ تڑپ کے بولیں، میں قرباں مرے پدر   سب کی حیات آپ کے سائے میں ہو بسر
بھیا حسنؑ حسینؑ پہ صدقے یہ سارا گھر   کس کی مجال ہے جو اُٹھائے کوئی نظر
جعفرؑ کے نورِ عین ہیں یہ آس بھی تو ہے
سب لوگ اک طرف، مرا عباسؑ بھی تو ہے

عباسؑ کا جو نام سُنا رو دیے علیؑ   مقتل کی سرزمیں کو نظر چومنے لگی
منظر میں تھی فرات پہ میت پڑی ہوئی   پانی کے انتظار میں ذرّیتِ نبیؐ
بچے کمالِ یاس سے آنسو پیے ہوئے
زہرؑا کا لال بھائی کے بازو لیے ہوئے

دامن سے اشک پونچھ کے دیکھا اِدھر اُدھر   عباسؑ کو یہ کہہ کے بلایا قریب تر
آ میری غیرتوں کے محافظ مرے پسر   تیرا عمل ہے مقصدِ شبیرؑ کی سپر
مستقبلِ حیات میں یہ انتظام ہے
اے نورِ عین، تیری وفا میرا نام ہے

عباسؑ اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے   بابا کے پاس آ کے گلے سے لپٹ گئے
اُبھرے عجب ادا سے محبت کے ولولے   بیٹے کے ہاتھ شیرِ خُدا چومنے لگے
اک مشک رُونما ہوئی غربت کی راہ میں
لہرا گیا علم کا پھریرا، نگاہ میں

پلکوں پہ آ کے شامِ غریباں نے کہہ دیا
یا بوتراب دیکھیے میدانِ کربلا
مقتل میں ہے امامؑ کا لاشہ پڑا ہوا
لاشے پہ اک یتیم کی سہمی ہوئی صدا
زخمی ہیں کان، خشک لبوں پر دہائی ہے
معصوم اپنے باپ سے ملنے کو آئی ہے

عابدؑ پہ جب نگاہ پڑی، تھرتھرا گئے
زنجیر و طوق ذہن کی دُنیا پہ چھا گئے
ذرّوں کے زخم صورتِ احساس آ گئے
احساسِ غم کے دائرے زنداں بنا گئے
پوتے کے سر پہ ہاتھ رکھا، پیار آ گیا
آنکھوں کے آگے شام کا بازار آ گیا

قاتل کو جامِ شِیر پلایا تو یوں کہا
شاہد ہے میرے حُسنِ عمل پر مرا خُدا
مجھ کو تو آج درد ہے دشمن کی پیاس کا
کل تین دن کی پیاس ہے اور میرے مہ لقا
میں نے تو دُکھ سہے ہیں، غریبوں کے واسطے
لیکن مرے غریب ہیں ذرّوں کے واسطے

اُف انقلاب' اُف وہ زمانے کی برچھیاں
بکھریں گی دھوپ میں مرے پھولوں کی پتیاں
یوں دیکھتا ہوں غیرتِ انساں کی دھجیاں
در در پھرائی جائیں گی زہراؑ کی بیٹیاں
نیزوں پہ آفتاب سجے دیکھتا ہوں میں
رسّی میں بیکسوں کے گلے دیکھتا ہوں میں

آخر کفن لئے ہوئے ظاہر ہوئی سحر
چھایا غموں کا ابر محمدؐ کی آل پر
آہ و فغاں نے گھیر لیا فاطمہؑ کا گھر
زینبؑ تڑپ کے رہ گئیں رخصت ہوئے پدر
فرشِ قضا پہ وارثِ کونین سو گیا
اُم البنینؑ کے بال کُھلے' حشر ہو گیا

قیصر غمِ امام ہے وہ سجدۂ وفا   جس کی ادا کا نام ہے خوشنودیٔ خدا
دُنیا میں جس بشر کو یہ دُرِّ نجف ملا   عقبٰی کے آسماں پہ درخشاں وہی ہوا
دونوں جہاں میں عزّوشرف کی نوید ہے
اس غم پہ جو مرا، وہی انساں شہید ہے

◆◆

maablib.org

نمازِ دل

(حساس دلوں میں اہلبیتؑ سے محبت اور اسلام کے لیے اُن کی قربانیاں)

۴۷ بند۔ ۱۹۸۵ء

maablib.org

❖❖

دل آدمی کی صورت و سیرت کا پاسباں
جس طرح آب پھولوں کی نکہت کا پاسباں
دل یوں کسی کے حُسنِ شرافت کا پاسباں
جس طرح آفتاب زراعت کا پاسباں
چہرے کی ہر کتاب میں اتنا بیان ہے
انسان کی زبان میں دل کی زبان ہے

❖❖

نمازِ دل

دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے
دل ہے تو آبروئے سکون و قرار ہے
کیا خوب دمبدم یہ خبر خوشگوار ہے
دل ہے تو آدمی کی نگاہوں میں پیار ہے
نغمہ بتا رہا ہے محبت کے ساز کا
سارا جہاں قیام ہے دل کی نماز کا

دل ہے تو ہر نفس کا ترنم جوان ہے
دل ہے تو لفظ لفظ تکلّم جوان ہے
معصوم حسرتوں کا تلاطم جوان ہے
دل ہے تو دل کا حقِ تبسم جوان ہے
خوشبوئے گُل سے نکہتِ احساس پائے گا
دل مسکرائے گا تو کوئی مسکرائے گا

دل قلعۂ وجود میں قدرت کا آبشار
سیراب جس سے روح کا بے مثل لالہ زار
وہ لالہ زار نام کا پیکر عجب شعار
جس کی ادا پہ عقل کا ہر ارتقا نثار
لائے جواب یہ کسی صانع میں دم نہیں
دل ہی وہ ظرف ہے جو سمندر سے کم نہیں

کہتی ہے فکر، دل کا دھڑکنا نہیں فضول　　دل صاحب ملال تو کُل انجمن ملول
لیتا نہیں جو غیر کے دامن کی خاک دُھول　　دل ہے وہ خود شناس، حیادار، بااصول
جو اصل ہو وہ جوہرِ قابل نہ بن سکا
دُنیا نے دل بنائے مگر دل نہ بن سکا

اہلِ زباں سمجھتے ہیں یہ نُدرتِ بیاں　　دل ہے محاورات میں اُردو زباں کی جاں
دامانِ مرثیہ میں ہے گنجائشِ جہاں　　تہذیب غم سے بات کے قابل ہوئی زباں
دل کربلا سے اہل قلم نے لگا لیا
ویرانۂ ادب کو گلستاں بنا لیا

دل کے بغیر کچھ بھی نہیں عزّتِ قلم　　دل کی بلندیوں سے بڑھی رفعتِ قلم
کہتی ہے آج دل کے لئے شہرتِ قلم　　قرطاس کو اسی سے ملی دولتِ قلم
دل کو ہے دل سے راہ یہ سچ ہے، غلط نہیں
دو دل نہ ہمکلام ہوں جس میں وہ خط نہیں

تہذیب کی صدا ہے رئیسِ ادب ہے دل　　آوازِ خُلق ہے کہ مروّت نسب ہے دل
عقل اس کی پاسبان ہے دیوانہ کب ہے دل　　رشتوں کے احترام کا واحد سبب ہے دل
پھرنا اسی کا وجہِ عداوت، ہے بیر ہے
دل سے ہوا جو دُور، تو اپنا بھی غیر ہے

یہ بات بھی سُنی ہے بنامِ مشاہدات　　جس وقت دل دُکھانے کی کرتا ہے کوئی بات
ہر لفظ یوں گذرتا ہے دل سے بقدرِ ذات　　اک تیر جیسے کاٹ دے گل کی رگِ حیات
کانٹے میں ہو گلاب کی خوشبو کبھی نہیں
کم ظرف دل میں حُرمتِ احساس ہی نہیں

کم ظرف دل وہ دل ہے جو پابندِ غم نہ ہو　　عیشِ وجود میں جسے خوفِ عدم نہ ہو
یہ سوچ کر کسی کا شریکِ الم نہ ہو　　کردار کیا ہے نقشۂ سرمایہ کم نہ ہو
جس سے کسی کا زخمِ جگر مندمل نہیں
انسان کی نظر میں وہ پتھر ہے دل نہیں

دل شمع ہے، تجلیِ محفل اسی سے ہے　　تابندگیِ ذہن اسی روشنی سے ہے
رفتارِ فکر دل کی قیادت روی سے ہے　　یوں کہیے زندگی کا مزہ دل لگی سے ہے
جب دل لگی مزاج بنے مومنین کا
ایوانِ دل میں جشن ہو فطرت کے دین کا

آنکھیں چمن کی سیر سے پاتی ہیں جب خمار　　دل بولتا ہے رازِ بہاراں پہ ہیں نثار
پھولوں کے آئینے میں ہے تصویرِ زر نگار　　خوشبو غزل سرا ہے کہ میں ہوں کسی کا پیار
پیمانۂ الست کی مے کا سُرور ہے
نظارہ کیا ہے دل کی بصیرت کا نور ہے

کلیوں کی انجمن پہ ٹھہرتی ہے جب نظر　　کہتا ہے دل، سُنے تو کوئی اَن کہی خبر
ان بند پتیوں میں ہے گُل کاریِ سحر　　نکلے گا آفتاب تو پھیلے گا نورِ زر
حق سِرّہٗ کے ساز پہ جب گنگنائیں گی
کلیاں نسیمِ صبح کو کلمہ سنائیں گی

مستی بھری ہوا میں سرِ شاخ سُرخ پھول　　دُنیائے رنگ و بو میں نباتات کا رسولؐ
دیتا ہے گلستاں کی شریعت کے جب اصول　　دل اتنی بات کرتا ہے باجذبۂ قبول
قدرت کی بوسہ گاہ کو تسلیم کیجئے
ہنستے ہوئے گلاب کی تعظیم کیجئے

تحریکِ دل سے ملتا ہے دُنیا کو یہ سبق　　ماحول کے جریدے ہیں اچھے بُرے ورق
رکھنا فضائے عدل میں فطرت کا ہر طبق　　روشن رہے شعور کا عالم بہ نورِ حق
وحدت جمالِ آئینۂ آب و گِل بنے
ہر حکمران اپنی رعیّت کا دل بنے

دل کا نظام کیا ہے ذرا غور کیجئے　　پھر بہرِ انتظام وطن رائے دیجئے
لازم ہے چند زخمِ تمدن بھی سیجئے　　پھر جو پلائے غیرت احساس پیجئے
لیکن خدائے عدل پہ ایمان بھی رہے
یوم حساب آئے گا، یہ دھیان بھی رہے

دل آدمی کی صورت و سیرت کا پاسباں　　جس طرح آب پھولوں کی نکہت کا پاسباں
دل یوں کسی کے حُسنِ شرافت کا پاسباں　　جس طرح آفتاب، زراعت کا پاسباں
چہرے کی ہر کتاب میں اتنا بیان ہے
انسان کی زبان میں دل کی زبان ہے

یہ بات جذبِ دل کے فسانے بتائیں گے　　بے داغ اُلفتوں کے خزانے بتائیں گے
خوشنودیِ وفا کے ترانے بتائیں گے　　سچی کہانیوں کے زمانے بتائیں گے
جس کو گلے لگا لیا، دریا دلی کے ساتھ
دل نے تمام عمر گذاری اُسی کے ساتھ

ایسے بھی واقعات ہیں وابستۂ نظر　　دُنیا نے اہلِ علم خریدے بہ نقدِ زر
دل نے ہزار منع کیا ہاتھ جوڑ کر　　لیکن کہاں ہوس کے غلاموں پہ کچھ اثر
جہلِ عمل سے دولتِ دُنیا پہ مر گئے
دل بیچتے ہی قوم کے دل سے اُتر گئے

اک سمت وہ جو قیمت دل سے تھے باخبر　　دُنیائے علم کر گئے قربان دین پر
جاہل اُنہیں سمجھتے رہے طالبانِ شر　　لیکن حسینیتؑ نے کہا میں ہوں راہبر
انسانیت کے شاہدِ عینی وہی تو ہیں
مختار ہوں جو دل پہ، حسینؑ وہی تو ہیں

دولت کے سر پھروں کی مخالف ہے کربلا　　ایمان کے عروج سے ملتا ہے ارتقا
سمجھا گئے حسینؑ کے انصارِ باوفا　　جو دشمنِ اصول وہی دشمنِ خدا
جو لوگ دل کے صاف ہیں، سیرت میں پاک ہیں
شاہوں کے تاج اُن کی نگاہوں میں خاک ہیں

دل کے معاملے میں اجل بھی ہے خوشگوار　　کیفِ نگاہ کاٹتا ہے خنجروں کی دھار
عکسِ رُخِ حسینؑ ہو جس دل سے ہمکنار　　وہ کیفیت ہے آئینۂ عشقِ کردگار
دل سے خدا کے دین کا اک آسمان تھے
پیری میں بھی حبیب مظاہرؓ جوان تھے

معیارِ دل ہے اصل میں پیمانۂ نظر　　دل مطمئن تو قیمتِ ساماں ہے معتبر
ہر دھوپ چھاؤں دل کی ترازو میں تول کر　　کہتی ہے عقل جادۂ منزل ہے بے خطر
ہر لحہ فتحِ فکر و نظر کا شگون ہے
دل چاہیے، سفر میں بھی گھر کا سکون ہے

دنیا بنی ہوئی ہے ستاروں کی ہم سفر　　تدبیر کاٹتی ہے مسلسل ہوا کے پَر
وہم و گماں نہیں مہِ کامل کی رہگذر　　دل کی لگن نے ڈھونڈ لیا حُسن کا نگر
خود اپنی کاوشوں کو مقدّر کیے ہوئے
انساں خلا میں تیرتے ہیں دل لئے ہوئے

یہ اور بات چاند سے لائے زمیں پہ خاک پہلے نظر میں نور تھا اب آستیں پہ خاک
کچھ لوگ یوں بھی ڈالتے ہیں اس یقیں پہ خاک کیوں پڑگئی ہمارے خیالِ حسیں پہ خاک
تارے فلک سے توڑ کے لائیں گے کس طرح
اس دل کو چار چاند لگائیں گے کس طرح

انسان کیوں فساد سے بہلا رہا ہے دل کیوں زندگی میں موت کا حظ پا رہا ہے دل
آنکھوں سے خون کس لئے برسا رہا ہے دل کیوں دن میں رات ہوگئی تھرا رہا ہے دل
کیسے کہوں شعور کی بستی بسی نہیں
اب روشنی کے شہر میں بھی روشنی نہیں

حیراں ہوں شہرِ خیر سے دل اُٹھ گیا ہے کیوں زنجیرِ شر میں اُمتِ خیرالوریٰ ہے کیوں
انسان اتنی بھیڑ میں تنہا ہوا ہے کیوں چہرے تمام اپنے ہیں، دل کانپتا ہے کیوں
جس پر یقینِ خوف نہ ہو وہ قدم نہیں
بستی کی راہ آگ کے دریا سے کم نہیں

سینے میں جس کے دل ہے وہ انصاف سے کہے گذرے گی کیا بشر پہ بھرا گھر اگر جلے
مقدور ہو تو چھین لوں رفتارِ وقت سے معصوم اشک تھک گئے، ظالم نہیں تھکے
غارت گروں کا شعلۂ وحشت بجھا نہیں
صدیاں لہو میں ڈوب گئیں دل بھرا نہیں

مر جائے دل جو قصۂ اہلِ وفا نہ ہو ٹھہرے نہ دل جو ذکرِ ثبات آشنا نہ ہو
اچھا نہ ہو مریض جو کامل دوا نہ ہو دل ڈوب جائے سامنے گر ناخدا نہ ہو
آواز دے رہے ہیں بھنور مشکلات کے
لے آؤ کربلا سے سفینے حیات کے

دل ہارنے کی بات نہیں کربلا کی بات　　دل جیتنے کی بات ہے صبر و رضا کی بات
دل توڑنا ہے اصل میں اہلِ جفا کی بات　　دل تولنا ہے کعبۂ خیرالوریٰ کی بات
شمعیں بجھا کے فیصلۂ نور کی قسم
دل آفتاب ہے شب عاشور کی قسم

کیا دل لُبھائیں گی یہ زمانے کی رونقیں　　حاصل ہیں کربلا کے گلستاں کی نکہتیں
اہلِ نگاہ فکر کی تصویر دیکھ لیں　　پھر جذبۂ خلوص سے بھرپور داد دیں
شرمائے جس سے دل وہ ادائے سخن نہیں
جنت ہے مرثیے کی، غزل کا چمن نہیں

شُکرِ خدا مجھے بھی شعورِ سخن ملا　　حاسد کا دل کباب ہو جس سے وہ فن ملا
توصیف و منقبت کا مہکتا چمن ملا　　کامل ہوئے حواس، درِ پنجتنؑ ملا
عزّت مری رکھیں گے بفضلِ خدا حسینؑ
میں نے بھی دل کی لوح پہ لکھا ہے "یا حسینؑ"

دل میں بسا لیے ہیں شہیدوں کے تذکرے　　ممکن نہیں کہ اب کسی محفل میں دل لگے
دنیا کے دل بڑھانے سے کیا خاک دل بڑھے　　محتاج وہ نہیں جسے زہراؑ کا لال دے
سینے میں درد رکھتا ہوں تاثیر کے لئے
دل جا نماز ہے غمِ شبیرؑ کے لئے

جب تک بچھی ہے سینے میں یہ جانمازِ دل　　ہر سانس ہوگا ذکرِ شہادت سے متصل
دُنیا سے کیا حسینؑ کا شاعر ہو مضمحل　　پاپوش کا غبار ہیں لمحاتِ جاں گسل
کیوں غم کروں فسانۂ تشریح کے لئے
زندہ ہوں یا حسینؑ کی تسبیح کے لئے

کیوں بجھے جواں ہے موّدت کی زندگی ‌ ‌ ‌ ‌ بے شک یہ تازگی ہے دو عالم کی ہر خوشی
دم کے لال، کور طبیعت نہ ہوں کبھی ‌ ‌ ‌ ‌ تسبیحِ یا حسینؑ ہے تقدیر پروری
یہ نام اگر ہو دل کی تمنا کے ساتھ ساتھ
عقبیٰ بھی ہاتھ آئے گا' دنیا کے ساتھ ساتھ

حاصل ہوا جو دل کے مضامین کا ایاغ ‌ ‌ ‌ ‌ پہنچا سخن کے عرشِ بریں پر مرا دماغ
ایوانِ جستجو میں جلے کچھ نئے چراغ ‌ ‌ ‌ ‌ کہیے جسے اضافۂ مدح و ثنا کا باغ
نادِ علیؑ پڑھی تو قلم جھومنے لگا
لفظوں کے پھول' باغِ جناں چومنے لگا

رگ رگ میں دل کی نہر کا منظر تو دیکھیے ‌ ‌ ‌ ‌ منظر میں اک چھپا ہوا محشر تو دیکھیے
نس نس میں ارتباط کا جوہر تو دیکھیے ‌ ‌ ‌ ‌ جوہر میں شانِ خالق اکبر تو دیکھیے
تخلیق کی زبان بتائے گی کیا ہے وہ
دل پڑھ رہا ہے جس کا قصیدہ خُدا ہے وہ

دنیائے بندگی کا مکمل نصاب، دل ‌ ‌ ‌ ‌ روئے زمیں پہ معدنِ ہر انقلاب، دل
معصوم کے بدن میں خدا کی کتاب دل ‌ ‌ ‌ ‌ دو حرف میں ہے سارے جہاں کا جواب، دل
فطرت نے ربط و ضبط کا محور بنا لیا
دل ہی تو ہے خدا نے جسے گھر بنا لیا

شاعر اگر تمام صداقت اساس ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ پھر کیوں تخیلات کے چہرے اُداس ہیں
کہہ دیں گے وہ جو اہلِ ادائے سپاس ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ جو مرثیہ شناس ہیں وہ دل شناس ہیں
انساں کو نور و نار کا ادراک چاہیے
دل پاک ہے تو اس کی غذا پاک چاہیے

کیا منصفانِ فکر نے سوچا کبھی ذرا　　ملّت ہے کیوں نفاق کی آفت میں مبتلا
کیا سچ نہیں یہ رنگِ طبیعت کا ماجرا　　دل میں تو رام رام، زباں پر خُدا خُدا
کہنے کو سب کے ہاتھ میں حبل المتین ہے
لیکن سوادِ غیر پہ کامل یقین ہے

کرتے ہیں لوگ عظمتِ ایماں کی بات جب　　بیدار عقل ڈھونڈتی ہے بات کا سبب
کھلتا ہے صحنِ دل میں وہ گلدستۂ ادب　　کہتے ہیں جس کو اہلِ خدا نور کی طلب
ذکرِ نبیؐ جو لب پہ ہو سلمانؓ کی طرح
دل بھی عظیم ہوتا ہے قرآن کی طرح

اک منفرد مزاج کا معمار دل ہے دل　　اک تحفۂ وفا کا طلب گار دل ہے دل
تصویرِ بندگی کا قلمکار دل ہے دل　　خیرالعمل کا مطلعِ انوار دل ہے دل
یہ دار پہ ہے عیسیٰؑ کردار کی طرح
دل سرخرو ہے میثمِ تمارؓ کی طرح

عزم و عمل کا ولولۂ پاک دل ہے دل　　پائندگی جرأت بے باک دل ہے دل
زورِ شعور و قوتِ ادراک دل ہے دل　　گویا فلک دماغ سرِ خاک دل ہے دل
ہجرت کی رات نفسِ پیمبرؐ کی نیند ہے
دل بسترِ رسولؐ پہ حیدرؑ کی نیند ہے

کیا خوف کا حصار ہے کیا مشکلوں کے جال　　دل آبروئے عقل ہے، دل ہمتوں کی ڈھال
یہ لافتیٰ کا حُسن، یہ لاسیف کا جمال　　دل جانتا ہے مقصدِ محبوبِؐ ذوالجلال
خیبر کی فتح اس کے نظامِ جلی میں ہے
دل کا معاملہ ہے جو نادِ علیؑ میں ہے

دل ہے خدا کی راہ میں احسان کی سبیل ہمدردیوں میں ہے یہی جاگیر خود کفیل
قنبرؓ ہو جب خدائے نصیری کا جبرئیلؑ دل ھل اتٰی کی روح کا سرمایۂ خلیلؑ
محتاج پر سخی کی عنایت سے پوچھیے
دل کیا ہے مرتضیٰؑ کی سخاوت سے پوچھیے

حیراں نظامِ فکر ہے کیوں دل کی بات پر دل ہی تو ہے شعور کی نسبت سے معتبر
بہرِ دلیل کچھ بھی توقف ہوا اگر بولی مہِ صیام کی انیسویں سحر
آئینہ دار شیرِ الٰہی کی ذات ہے
قاتل کو جامِ شیر دیا دل کی بات ہے

دل، کربلا میں دین کے پیکر کی آبرو تبلیغِ انبیاء کے گُل تر کی آبرو
مظلومیت کی روح پیمبرؐ کی آبرو دل سینۂ حسینؑ میں حیدرؑ کی آبرو
فوجوں کی آندھیوں سے کہاں منتشر ہوا
تشنہ لبی کے سائے میں یہ اور تر ہوا

یاد آ گئے حسینؑ کھلی درد کی کتاب آنکھوں میں تڑپے اشک، بڑھا زورِ اضطراب
دریا پہ تین روز کے پیاسے کا انقلاب قاتل شکست یاب تو مقتول فتح یاب
سوکھے گلے نے شہ رگِ خونخوار کاٹ دی
مظلومیت نے ظلم کی تلوار کاٹ دی

ممکن نہیں بشر سے بیانِ دلِ حسینؑ ذرّہ کہاں اٹھائے گا میزانِ مشرقین
کہہ دے گی کائنات یہ آوازِ شور و شین تیرا جواب ہی نہیں زہراؑ کے نورِ عین
ہر غم کی انتہا کو کلیجہ بنا لیا
دل تھا، جو لاشۂ علی اکبرؑ اُٹھا لیا

اس پوری کائنات میں اُس دل پہ ہم نثار
جس نے سہا تمام زمانے کا اضطرار
کہتے ہیں کلمہ گو جسے اسلام کی بہار
عاشور کے غریب کا دل ہے بروئے کار
اس حیثیت کا عرشِ تحمل کہاں ملا
ہر لاش پر حسینؑ کا دل آسماں ملا

تنہا کا سب کی لاشوں پہ جانا کمال ہے
ہر لاش کو گلے سے لگانا کمال ہے
سجدے سے پہلے سر نہ جھکانا کمال ہے
خود اپنے دل کے ٹکڑے اُٹھانا کمال ہے
کیسے لُٹا غریب کا گھر دیکھتی رہی
بھائی کا دل، بہن کی نظر دیکھتی رہی

آیا ہے اک خیال بنام دلِ حسنؑ
ٹکڑے ہو جس خیال سے فطرت کا پیرہن
دیکھی نہیں فلک نے یہ تقسیمِ جان و تن
وہ دوڑتے سوار وہ پامالیِ بدن
ایسے میں کیوں نہ شیشۂ دل پاش پاش ہو
چادر میں جمع کی ہوئی قاسمؑ کی لاش ہو

ایسے میں کیا تھی مادرِ قاسمؑ کے دل کی بات
یہ بات کیا بتائیں گے دنیا کے سانحات
کہہ دے گی ماں تا کے لئے گردشِ حیات
شائد نظر میں ہو کوئی دولھا کوئی برات
ارماں تمام صبر کی چادر میں چھن گئے
سہرے کے پھول ہنستے ہوئے زخم بن گئے

دل نے ہمیں دیا ہے اطاعت کا وہ نظام
جس کی ادا پہ آیتِ قرآں کرے سلام
سب سے زیادہ پیاس تو سب سے زیادہ کام
دل ہی بتائے کون ہے وہ کیا ہے اُس کا نام
قربان ہوں وفائیں وہ احساس چاہیے
پیاسا ہو نہر پر، دلِ عباسؑ چاہیے

سینے میں حشر خیز سمندر کے باوجود　　رگ رگ میں جوشِ حمزہؓ و جعفرؓ کے باوجود
انگڑائیوں میں صولتِ لشکر کے باوجود　　ہاتھوں میں زورِ فاتحِ خیبر کے باوجود
ہر لمحہ فکرِ سبطِ رسالت مآبؐ تھے
عباسؑ خود قیامتِ دل کا جواب تھے

بازو کٹا کے غالباً آیا ہو یہ خیال　　اب ہر طرف سے تیغیں ہیں اور فاطمہؑ کا لال
شاید کیا ہو سوئے فلک دیکھ کر سوال　　بچ جائیں شاہِ دیںؑ مری میت ہو پائمال
آنکھوں کے آبشار سے دامن بھگوئے گا
دل ہے تو اس وفا پہ بشر خون روئے گا

آباد جس کی گود ہے وہ ماں مجھے بتائے　　کیا حال ہو جو پیاس میں بچہ زباں دکھائے
جب تیر کھا کے باپ کے ہاتھوں پہ مسکرائے　　ماں دیکھتی رہے یہ کلیجہ کہاں سے لائے
نیزے پہ جا کے جھومنا ننھے گلاب کا
اصغرؑ کا سر نہیں تھا وہ دل تھا ربابؑ کا

اصغرؑ کا غم، سکینہؑ کا غم اور غمِ حسینؑ　　بچوں کی یاد گھر کے اُجڑنے پہ شور و شین
اس طرح جب دکھوں کا سمندر ہو جا نشین　　قسمت میں پھر کہاں کوئی آرام کوئی چین
دیکھا یہ واقعہ نگہِ آفتاب نے
ساری حیات دھوپ میں کاٹی ربابؑ نے

انساں دلوں پہ ہاتھ رکھیں حالِ غم سُنیں　　سب سے سوا حکایتِ رنج و الم سُنیں
گزرے ہیں اہلبیتؑ پہ کیا کیا ستم سُنیں　　بعدِ حسینؑ غربتِ اہلِ حرم سُنیں
زہراؑ کا آفتاب چُھپا رات ہو گئی
بے وارثوں پہ درد کی برسات ہو گئی

برسات وہ کہ جس سے ہو پانی، دلِ حیات   سناٹا وہ کہ آہ بھرے مرقدوں کی رات
لاشوں کو چوم کر یہ پکاریں تخلیات   اے کائنات دیکھ غریبوں کی کائنات
قربان ہو گئے جو محمدؐ کے دین پر
وہ حیدریؑ گلاب پڑے ہیں زمین پر

مقتل پہ وقتِ عصر نے لکھ دی وہ داستاں   آواز دیں گی شام و سحر جس کی سرخیاں
دل والو کربلا میں ہے تکمیلِ امتحاں   آلِ نبیؐ ہے ختمِ نبوتؐ کی پاسباں
فکر و نظر کا مرحلہ آسان ہو گیا
نامِ حسینؑ دین کی پہچان ہو گیا

صحرا میں برچھیوں سے وہ بکھرے ہوئے بدن   کہیے جنہیں صداقتِ اسلام کا چمن
وہ ناوکوں میں شیرِ الٰہی کے سیم تن   کہیئے جنہیں حفاظتِ قرآں کا بانکپن
گھوڑوں کی زد میں دل تھے علیؑ و بتولؑ کے
پامال ہو رہے تھے صحیفے رسولؐ کے

کچھ اس طرح جلایا گیا بے وطن کا گھر   ناموسِ مصطفٰیؐ نکل آئے برہنہ سر
چلا رہی تھی شامِ غریباں کی چشمِ تر   اے آسماں مصیبتِ زینبؑ پہ کر نظر
کچھ تو کمی ہو مرحلۂ اضطرار میں
سجادؑ طوق پہنے ہوئے ہیں بخار میں

لیکن بخار میں بھی وہ گویائیِ امامؑ   مجبور و ناتواں مجھے سمجھی ہے فوجِ شام
ہونے دو میرے ضبط کی تلوار بے نیام   لائے گا نورِ صبح نئی جنگ کا پیام
کیا ہے ثباتِ دل یہ عمل سے بتاؤں گا
میں بیڑیاں سنبھالے ہوئے شام جاؤں گا

ہر سمت خاک اڑاتی ہوئی ماتمی ہوا   نوحہ سُنا رہی تھی بعنوانِ کربلا
رب ترے جہاں میں وہ انسان لٹ گیا   اب جس کی بے کسی پہ ترا دین روئے گا
تصویرِ غم فضائے مُحرم دکھائے گی
زینبؑ کا ذکر شامِ غریباں سُنائے گی

جز خواہرِ حسینؑ، کہاں اس طرح کا دل   ہاں شیرِ فاطمہؑ ہے مشیّت سے متصل
گزرا ہے وقت ایسے بھی شعلوں پہ مشتمل   جل جائے ایک لمحے میں تصویرِ آب وگل
بھڑکی ستم کی آگ جو گرداب کی طرح
زینبؑ، کا صبر چھا گیا سیلاب کی طرح

دُنیا میں بے مثال شجاعت کے واقعات   بے مثل صاحبانِ بصیرت کے واقعات
تاریخ ساز اہلِ قیادت کے واقعات   قانونِ کبریا کی حفاظت کے واقعات
اسلام کے ستون ہیں جو سب کے سامنے
جھکتے ہیں قوتِ دلِ زینبؑ کے سامنے

زینبؑ کا دل حسینؑ کی بیداریوں کا نام   زینبؑ کا دل حسنؑ کی بصیرت کا انتظام
زینبؑ کا دل علیؑ کے کمالات کا قیام   زینبؑ کا دل جسے دلِ زہراؑ کرے سلام
تا حشر ہے یہ فیصلہ ہر انقلاب کا
زینبؑ کو دل ملا تھا رسالتؐ مآب کا

کوئی نہ تھا جو پوچھتا زینبؑ کے دل کا حال   تاریکیاں تھیں اور یتیموں کی دیکھ بھال
سوئے فرات دیکھ کے اتنا کیا سوال   عباسؑ اب تمہیں بھی نہیں ہے مرا خیال
خواہر کے پاس دولتِ خواہر نہیں رہی
تم جس کے پاسباں تھے، وہ چادر نہیں رہی

بے شک دیارِ شام کے شہروں سے پوچھیے ہر شہر میں سجے ہوئے رستوں سے پوچھیے
غوغائے بام و در سے دریچوں سے پوچھیے ہر موڑ پر بھری ہوئی گلیوں سے پوچھیے
ماحول جب رعونتِ گمراہ بن گیا
زینبؑ کا دل زبانِ یداللہ بن گیا

دنیا کی مسجدوں میں سجائے ہوئے چراغ جیسے خُدا کے گھر میں کوئی روشنی کا باغ
یہ آیتوں کے نور سے بکھرے ہوئے دماغ دراصل رنگ لائے ہیں زینبؑ کے دل کے داغ
ہر کلمہ گو سے آج اذاں کا بیان ہے
زینبؑ کی محنتوں سے عبادت میں جان ہے

ڈوبا ہو جب شراب میں خونخوار حکمراں دربار ہو گناہِ مجسّم کا ترجماں
ایسے میں کوئی نکہتِ باغِ پیمبراںؐ خُطبہ جو دے تو چوم لے قرآن کی زباں
قربان جس پہ زندہ دلی مشرقین کی
کہہ دے گا واقعہ، یہ بہن ہے حسینؑ کی

فوجوں میں ہو اسیر اگر کوئی بے وطن جس کا شرف ہو عظمتِ حوّا کا پیرہن
ناقے پہ سر برہنہ تو بازو میں ہو رسن سوئی ہو سر کٹائے ہوئے جس کی انجمن
یہ زندگی زمانے میں کس روشنی کی ہے
تاریخ بول اُٹھے گی نواسی نبیؐ کی ہے

شہرِ دمشق، پرورشِ ظلم کا مقام کاٹے جہاں سحر کا گلا تیرگیِ شام
نیزوں پہ سر تھے، اونٹوں پہ قیدی، ہجومِ عام ایسے میں پاسبانِ امامت تھی اور امامؑ
سجادؑ کو بچانے کی خاطر کسی طرح
زینبؑ زمیں پہ آ گئی عباسؑ کی طرح

دل نے پڑھی نمازِ مودّت، خدا کا شکر — آنسو ہوئے سکونِ طبیعت خدا کا شکر
اب تک مزاج دل ہے بہ صحت خدا کا شکر — قیصر وصول ہو گئی محنت، خدا کا شکر

کیوں نازِ بندگی نہ ملے دل کے سوز میں
یہ مرثیہ نصیب ہوا تین روز میں

◆◆

maablib.org

نظامِ اسلام

(اسلام کے استحکام کے لیے محمدؐ و آل محمدؑ کی خدمات)

۸۷ بند۔ ۱۹۸۲ء

◆◆

❖❖

آج انسان کی عظمت کے ترانے ہیں بہت
پھول سے لفظ ہیں جن میں وہ فسانے ہیں بہت
ایک لمحے کی مسافت، میں زمانے ہیں بہت
روشنی ہو کہ نہ ہو آئینہ خانے ہیں بہت
وقت آئے گا یہ سب قافلے تھک جائیں گے
جہاں اسلام ہے، اُس در پہ چلے آئیں گے

❖❖

نظامِ اسلام

امنِ عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام　　آبروئے بنی آدمؑ ہے پیامِ اسلام
حشر تک نہجِ بلاغت ہے کلامِ اسلام　　زندگی موت پہ غالب ہے بنامِ اسلام
سوزِ اسلام میں جب تارِ نفس ڈھلتا ہے
آدمی آگ پہ پانی کی طرح چلتا ہے

کون کہتا ہے سنور ہی نہیں سکتا یہ سماج　　کون کہتا ہے میسّر نہیں تہذیبِ مزاج
غیر ممکن تو نہیں زخمِ تمدن کا علاج　　یا علیؑ کہہ کے اُٹھو مشکلیں دیتی ہیں خراج
مطمئن جس سے ہو اسلام وہ عرفان تو ہو
کلمہ پڑھتے ہیں، صنم کوئی مسلمان تو ہو

نام اسلام کا، اور معنیٔ اسلام سے دُور　　خواہشِ امن ہے اور دل میں زمانے کا فتور
علم کا شوق مگر پختہ جہالت پہ غرور　　ہائے یہ زندہ دلی، وائے یہ اندازِ شعور
کیا تماشا ہے کوئی فکر کی میزان نہیں
آئینہ دیکھتے ہیں، عکس کی پہچان نہیں

جنہیں معلوم نہیں کیا ہے شعورِ ہستی   وہ کہاں پائیں گے کردار کی بالادستی
کیا بلندی کا ذریعہ ہے عمل کی پستی   ذہن ویران ہیں، کیا خاک بسے گی بستی
بے ادب لوگ کہاں قدرِ ادب جانتے ہیں
جو مہکتے ہیں وہ خوشبو کا سبب جانتے ہیں

کیا ہے خوشبو کا سبب اس پہ ذرا غور کرو   کاغذی پھولوں کے ماحول سے باہر نکلو
کون ہیں صاحبِ آیاتِ خدا سے پوچھو   جس کے دربان ملائک ہیں اُسی در پہ جھکو
رُوح کی عید کا سامان بھی مل جائے گا
شکلِ خیاط میں رضوان بھی مل جائے گا

پہلے تسلیم کرو، حق ہے خدا کا پیغام   پھر یہ مانو کہ تعصب ہے مسلماں پہ حرام
پہلے اسلام کی تاریخ میں ڈھونڈو اسلام   پھر نظر آئیں گے اللہ کی تعریف کے نام
یہ معانی ہمیں اسلام نے سمجھائے ہیں
پنجتنؑ آئے تو دنیا میں حواس آئے ہیں

خود فریبی کے اندھیروں پہ اُجالوں کا گماں   خود شناسی ہو نظر میں تو حقیقت ہے عیاں
شانۂ غیر پہ کیوں جائے قیادت کا نشاں   آؤ اس شہر میں اسلام کی قوّت ہے جہاں
رحمتیں عام ہیں ماحول تر و تازہ ہے
ایک ہی شہر ہے اور ایک ہی دروازہ ہے

جس نے کچھ مانگ لیا شہر کے دروازے پر   علم آفاق کی حد چومتی ہے اس کی نظر
کیا فسوں کاریٔ دنیا ہے تو کیا اس کا اثر   زر کو ٹھکرانے سے ملتی ہے نگاہِ بوذرؓ
آنکھ جب طلعتِ اسلام کا گھر ہوتی ہے
شامِ ربذہ بھی مدینے کی سحر ہوتی ہے

قوتِ حق ہو نظر میں تو پکارے گا یقیں   دینِ وحدت کسی بے دین کا محتاج نہیں
دشمنِ حق سے مدد ذلتِ حق، ذلتِ دیں   دل ہو اسلام تو شاگرد ہیں جبریلؑ امیں
جب دعاؤں میں خدا والوں کے لب ہلتے ہیں
پرِ فرشتے کو تو راہب کو پسر ملتے ہیں

صرف اسلام ہے دنیا کیلئے راہِ نجات   اس کا دستور حقیقت میں ہے معیارِ حیات
جس کی سیرت سے نمایاں ہوں پیمبرؐ کی صفات   عین اسلام ہے دراصل اُسی شخص کی ذات
جس کا دل امرِ مشیّت کا امیں رہتا ہے
ایسے انسان کو قرآن ولی کہتا ہے

یہ حسیں راز بھی کعبے میں صفائی سے کھلا   بندۂ حق نے فنا کر دئے باطل کے خدا
وقت کو دیکھ کے خود مُہرِ نبوّت نے کہا   کس بلندی پہ امامت ہے یہ معلوم ہوا
مقصدِ روشنیِ طور اسے کہتے ہیں
اصل میں نُورِ علیٰ نور اِسے کہتے ہیں

مرکزِ وحدتِ اسلام ہے اللہ کا گھر   فرض ہے جس کی طرف سجدۂ اربابِ نظر
پوچھ لو آج اُسی گھر سے کوئی شک ہے اگر   کہاں پیدا ہوا عمرانؑ کا معصوم پسر
مسکراتی ہوئی دیوار نے فرمایا ہے
عین کعبے میں نُصیری کا خدا آیا ہے

اب جو کعبے پہ چڑھایا ہے غلافِ زرّیں   قابلِ قدر ہے بیشک یہ عقیدت کا نگیں
اک تخیل سے پریشاں ہے مرا ذوقِ یقیں   کہیں دنیا نے کوئی راز چھپایا تو نہیں
بعد صدیوں کے جو پردے کا سوال آیا ہے
کس فضیلت کو چھپانے کا خیال آیا ہے

موج کا زور حبابوں سے نہیں چھپ سکتا
جو سمندر ہے سرابوں سے نہیں چھپ سکتا
حق زمانے کی کتابوں سے نہیں چھپ سکتا
نُور دنیا کے حجابوں سے نہیں چھپ سکتا
حشر تک مولدِ حیدرؑ کی خبر زندہ ہے
کعبہ زندہ ہے تو دیوار میں در زندہ ہے

باغِ اسلام میں انساں ہے گُلِ تر کی طرح
جس کی خوشبوئے بقا شرعِ پیمبرؐ کی طرح
سانس آتی ہے یہاں مرضیِ داور کی طرح
گُلِ ایماں ہو تو سورج بھی ہے قنبرؓ کی طرح
یوں بھی دنیا کے لئے معجزہ ہو جاتا ہے
اک اشارے میں گیا وقت پلٹ آتا ہے

حُسنِ آیات سے ذہنوں کو سجانا ہے ثواب
سچ ہے قرآن کو سینوں میں بسانا ہے ثواب
رنگِ تعظیم میں آنکھوں سے لگانا ہے ثواب
اس کا سُنتا ہے ثواب اس کا سُنانا ہے ثواب
پھر بھی اے اہلِ نظر، بات کھری کہتے ہیں
ساتھ قرآں کے علیؑ ہیں، یہ نبیؐ کہتے ہیں

پوری خلقت میں تقاضائے مشیّت ہیں رسولؐ
نصِ قرآں ہے کہ سرخیلِ نبوّت ہیں رسولؐ
دین کہتا ہے مری رُوح ہیں عزّت ہیں رسولؐ
قولِ ایماں ہے کہ اسلام کی صورت ہیں رسولؐ
اسی صورت کے یہ الفاظ ہیں گوہر کی طرح
یا علیؑ تم ہو محمدؐ کے لئے سر کی طرح

زیبِ اسلام ہے وہ قوتِ ایماں کا سبق
عقل کہتی ہے جسے دین کا تابندہ ورق
سُوکھی روٹی پہ نمک رکھے ہوئے ضیغمِ حق
یہ وہ منزل ہے جہاں چہرۂ الحاد ہے فق
جس نے اک نانِ جویں کھا کے عبادت کی ہے
اس نے میداں میں پیمبرؐ کی حفاظت کی ہے

حسنِ اخلاق ہے انسان کی قدروں کا شباب منحصر جس پہ زمانے کے تمدّن کا نصاب
ہم نے اسلام سے پوچھا تو ملا اتنا جواب دیکھ لو سیرتِ حیدرؑ میں کھلا ہے یہ گلاب

وقت پڑتا ہے تو خوشبوئے عمل دیتے ہیں
اپنے دشمن کو ہلاکت سے بچا لیتے ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ ایثار ہے شانِ اسلام اسی جذبے سے زمانے میں بڑھا دین کا نام
دین کے نام پہ فرمائیں مسلمان تمام کس کے ایثار پہ آیا ہے خدا کا انعام

یہی انعام تو کردار کا آئینہ ہے
ہل اتیٰ حیدرِ کرارؑ کا آئینہ ہے

شرحِ اسلام ہیں مداحِ حیدرؑ میں وہ گُل رشک کرنے لگے سدرہ کا مقدس بلبل
کیا بھلاؤ گے یہ ارشادِ شہنشاہِ رُسلؐ میں ہوں قرآنِ مکمل تو علیؑ معنیِ کل

صاحب وحی نے یوں فکر کے دن پھیرے ہیں
جیسے ہارونؑ ہیں موسیٰؑ کے، علیؑ میرے ہیں

معترض کو نہیں معلوم حقیقت کی ادا ورنہ تسکینِ جگر ہوتی ہے گلشن کی ہوا
بات ہو قولِ پیمبرؐ تو غلو کیا ہو گا بخدا وجہِ عبادت ہے علیؑ کا چہرا

جس نے دل سے رُخِ حیدرؑ کی زیارت کی ہے
اس نے اک بولتے قرآں کی تلاوت کی ہے

عدل کا نور ہے اسلام کے چہرے کا جمال عدل جس میں نہیں ملتا وہ شریعت پامال
قابلِ غور ہے تاریخ کے ہونٹوں کا سوال کس کے اندازِ عدالت سے عدالت ہے نہال

دوستو حق ہے کہو نفسِ نبیؐ زندہ باد
فیصلے جھوم کے کہتے ہیں علیؑ زندہ باد

کیا زمانے کو نہیں یاد وہ جنگِ خیبر حق پرستوں کے مقابل وہ یہودی لشکر
قوّتِ کفر تھی یوں قلعے کے باہر، اندر جیسے کافر کی نظر، جیسے منافق کی نظر
کام آئی نہ وہاں اور کسی کی آواز
فتحِ اسلام ہوئی نادِ علیؑ کی آواز

وہ درِ قلعہ، وہ فولاد کی بھاری دیوار جس کی تفصیل بڑے ناموروں کا انکار
بخدا دین کی قسمت ہے وہ مردِ جرّار جس کی خیبر شکنی عقدہ کشائی کی بہار
سچ ہے پیمانۂ فطرت بھی بدل جاتا ہے
انگلیاں چاہئیں فولاد پگھل جاتا ہے

صحنِ اسلام مہکتے ہوئے سجدوں کا چمن وہ چمن جس میں ہر اک سانس مودّت کی پھبن
وہ مودّت کی پھبن ناز کرے دل کی لگن ایسے ماحول میں تاریخ کے انمول سخن
آبِ رحمت پہ محبت کے کنول بنتے ہیں
ہم سخنورِ اسے قدرت کی غزل کہتے ہیں

یہ وہ قدرت کی غزل ہے جسے انساں چومے جس کے ہر لفظ کو خود رحمتِ یزداں چُومے
چاند قربان ہو، خورشیدِ درخشاں چُومے ایک نقطے کی طرف دیکھ کے قرآں چومے
کیا ہے نقطہ، کوئی کم ظرف نظر کیا جانے
علم ہے جس کا موالی، وہی مولیٰ جانے

اسی نقطے پہ تو حیران ہے عقلِ عالم اسی نقطے پہ تو مرتا ہے شعورِ آدمؑ
ظاہراً ایک نشاں آنکھ کی پُتلی سے بھی کم چشمِ بینا کیلئے وسعتِ قرآں کا بھرم
ہم کہاں جانتے' کیا جھوٹ ہے اور کیا سچ ہے
اسی نقطے سے تو قرآن کا دعویٰ سچ ہے

اسی نقطے سے ہوا ذکرِ خدا کا آغاز اسی نقطے سے ملی فکر کو پہلی پرواز
اسی نقطے میں ہے تحریر کی رفتار کا راز اسی نقطے سے اذاں ہے، اسی نقطے سے نماز
وجہِ انعام بھی اللہ کے انعام میں ہے
اسی نقطے کی کشش صورتِ اسلام میں ہے

اسی نقطے کی روایات میں گم ہیں آفاق اسی نقطے کی ضیا مہرِ درخشاں کا رواق
اسی نقطے کو میسّر ہے بلندی کا مذاق اسی نقطے کی سواری گئی ہمراہِ براق
عرش کا پھول ہے، رفعت کے حسیں تاج میں ہے
یہی نقطہ ہے فلک پر، یہی معراج میں ہے

اسی نقطے سے نمایاں ہیں خدائی اسرار اسی نقطے پہ ستاروں کا تبسّم ہے نثار
اسی نقطے نے مٹایا ہے توہم کا غبار اسی نقطے سے زمیں جانتی ہے اپنا مدار
ایک دن آئے گا واضح یہ حقیقت ہو گی
اسی نقطے سے پھرو گے تو قیامت ہو گی

اسی نقطے سے زمانے کو یہ ملتی ہے خبر آسماں پنجۂ انساں میں ہے مانندِ سپر
اسی نقطے کا تقاضا ہے کہ اے اہلِ نظر ہاتھ کی طرح پڑھا جائے زمیں کا دفتر
یہی دعوائے سَلونی میں جلی ہوتا ہے
یہی نقطہ ہے، جو منبر پہ علیؑ ہوتا ہے

حدِ افکار سے بالا ہے علیؑ کی تعریف یہی تعریف ہے اسلام کی حدِ توصیف
بے مودّت کے لئے فکر کا شیشہ ہے کثیف نُورِ اللہ کی قوّت بشرّیت ہے ضعیف
خاک چھانے گا کوئی غیر تو کیا پائے گا
نُور کا گھر ہو، ستارہ بھی اُتر آئے گا

نور کی بات چھڑی حسنِ طبیعت کے لئے روشنی مل گئی آئینۂ مدحت کے لئے
نور تو ایک ہے دو امر ہیں نسبت کے لئے اک نبوّت کے لئے ایک امامت کے لئے
کوئی اللہ کا پیغام سُنا دیتا ہے
کوئی پیغام کو سر دے کے بچا لیتا ہے

ایک وہ جس کو خُدا پیار سے کہہ دے محبوب ایک وہ دینِ خدا جس کو پکارے یعسوب
ایک وہ تا بہ ابد جس کی نبوّت مطلوب ایک وہ جس سے محمدؐ کی بضاعت منسوب
نور کیا کیا نگہِ شوق میں کہلاتا ہے
کہیں سورج تو کہیں چاند نظر آتا ہے

روحِ قرآں ہیں جہاں شمس و قمر کی قسمیں لہلہاتی ہیں وہیں فکر و نظر کی فصلیں
راز کھل جائے گا تفسیر کا منظر دیکھیں ایک ہی نُور کے دو نام ہیں کچھ غور کریں
وہ محمدؐ ہیں ذرا پیشِ قدم جاتے ہیں
یہ علیؑ ہیں جو بلا فصل نظر آتے ہیں

کیوں نہ کہہ دوں دلِ توحید کی قوت ہیں علیؑ نبضِ اسلام ہیں عمرانؑ' حرارت ہیں علیؑ
روزِ اوّل سے نگہبانِ رسالت ہیں علیؑ ذوالعشیرہ کی قسم حاصلِ دعوت ہیں علیؑ
اس حقیقت میں کوئی شک ہو یہ امکان نہیں
جو علیؑ کو نہیں سمجھا، وہ مسلمان نہیں

حق گلستاں ہے تو خوشبوئے گلستاں ہیں علیؑ ساری دُنیا ہے شبستاں تو چراغاں ہیں علیؑ
کیا ہو امکانِ ثنا' فاتحِ امکاں ہیں علیؑ قدرِ انساں کے جو خالق ہیں وہ انساں ہیں علیؑ
جیسے قرآن کا پیغام نبیؐ کے دم سے
یوں ہے اسلام کی پہچان علیؑ کے دم سے

دین و دانش کے ہر اک دور میں رہبر ہیں علیؑ کوئی خوشبو کا سفر ہو گُلِ داور ہیں علیؑ
بزمِ کونین ہے دریا تو سمندر ہیں علیؑ ہر بلندی کی صدا ہے مرا محور ہیں علیؑ
اس حقیقت سے جسے پیار نہیں ہو سکتا
وہ زمانہ، کبھی بیدار نہیں ہو سکتا

ایک بے مثل قصیدہ بھی ہے قرآں کی قسم چومتا ہے جسے خلاقِ دو عالم کا قلم
دامنِ انفسنا پر یہ فضیلت ہے رقم دستِ قدرت نے اُٹھایا ہے علیؑ کا پرچم
کس نے یوں نفسِ پیمبرؐ کی سند پائی ہے
دوستو حقِ خلافت کی یہ شہنائی ہے

آج انسان کی عظمت کے ترانے ہیں، بہت پھول سے لفظ ہیں جن میں وہ فسانے ہیں، بہت
ایک لمحے کی مسافت میں زمانے ہیں بہت روشنی ہو کہ نہ ہو آئینہ خانے ہیں بہت
وقت آئے گا، یہ سب قافلے تھک جائیں گے
جہاں اسلام ہے اُس در پہ چلے آئیں گے

عالمِ غیر کی تہذیب میں دم کچھ بھی نہیں قتل کرتے ہیں جو غیرت وہ قلم کچھ بھی نہیں
اُڑ رہے ہیں جو ہوا میں وہ صنم کچھ بھی نہیں ظلم کی آگ بہت ہے یہ بھرم کچھ بھی نہیں
صبر کے ساتھ شعورِ ازلی کافی ہے
ہم مسلماں ہیں، ہمیں نامِ علیؑ کافی ہے

ہاتھ آئے گی نہ تقدیر کسی کے در پر نہ ریاست، نہ سیاست، نہ خودی کے در پر
نعمتیں ہیں تو فقط نفسِ نبیؐ کے در پر روح کی عقدہ کشائی ہے علیؑ کے در پر
حُسنِ کردار سے دل صاف کیے جاتے ہیں
یہاں ایمان کے ہتھیار دیے جاتے ہیں

عرصۂ جنگ میں ایمان کے ہتھیار کی بات کامیابی کے لئے لشکرِ جرّار کی بات
اہلِ کردار سمجھتے ہیں یہ کردار کی بات بات ہے اصل میں اسلام کے معیار کی بات
جذبۂ خیرِ عمل جب بھی سوا ہوتا ہے
نعرۂ حیدریؑ اُس وقت ادا ہوتا ہے

نعرۂ حیدریؑ آگاہیِ ملت کا ثبوت نعرۂ حیدریؑ معیارِ شجاعت کا ثبوت
یہی نعرہ ہے مسلمان کی غیرت کا ثبوت نعرہ حیدریؑ اسلام کی نصرت کا ثبوت
یا علیؑ کہہ کے جو میدان میں آ جاتے ہیں
تمغۂ نصر مِن اللہ وہی پاتے ہیں

نعرۂ حیدریؑ، آدابِ وفا کا ضامن نعرۂ حیدریؑ، اقدارِ حیا کا ضامن
یہی نعرہ تو ہے تسلیم و رضا کا ضامن نعرۂ حیدریؑ، آئینِ خدا کا ضامن
یہ وہاں ہے جہاں ایمان کی آبادی ہے
نعرۂ حیدریؑ اسلام کی آزادی ہے

فکرِ محدود سرِ عرش نہیں جا سکتی دیپ کی لو کبھی سورج کو نہیں پا سکتی
راز قرآں کے یہ دُنیا نہیں سمجھا سکتی حیدریؑ شان، تخیل میں نہیں آ سکتی
بزمِ تخلیق کی عظمت ہے بنامِ حیدرؑ
مسندِ احمدِ مرسلؐ ہے مقامِ حیدرؑ

کاش انسان سمجھ جائے امامت کا مقام وہ امامت جسے مقدور رسالتؐ کا نظام
جس کے ایوانِ کمالات میں بارہ ہیں امامؑ یہ ہے ایمان تو لاریب یہی ہے اسلام
اب امامت کا کوئی پھول نہیں کھل سکتا
غیرِ معصوم کو یہ تاج نہیں مل سکتا

کہاں ملتی ہے کسی اور امامت کی دلیل
قولِ معصوم نہیں ہے تو مجھے تاویل
کیوں سمجھتے نہیں دُنیائے شریعت کے وکیل
یہی منصب تو ہے قرآں میں تمنائے خلیل
غیر کے ساتھ اگر لفظِ امامؑ آئے گا
ہم تو کیا چیز ہیں، اسلام تڑپ جائے گا

اصطلاحاً بھی نہیں ہے یہ تصرّف معقول
آیتِ حق سے زیادہ تو نہیں وجہِ قبول
گر سمجھتے ہو کسی لفظ کی تخصیص فضول
پھر تو ہر قاصدِ دفتر کو لکھا جائے رسولؐ
رسمِ آدابِ وفا یوں نہ بھلاؤ یارو
حُرمتِ منصبِ معصوم بچاؤ یارو

عام ہو جب کوئی منصب تو کہاں عرش مثال
آدمی خاص تدبر سے بھی پاتا ہے کمال
وصفِ تطہیر ہے قرآن میں بے شک وہ سوال
جس کے سائے میں ہے لاریب امامت کا نہال
انقلابات پہ غالب ہے بہر طور امامؑ
حشر تک عینِ مشیّت ہیں رسولؐ اور امامؑ

ساری دُنیا کے امام آئیں گے محشر میں ضرور
حشر میں نشر کیے جائیں گے دُنیا کے قصور
حسبِ پیمانِ ازل موجبِ تلقینِ قبور
کس کے ماموم بنیں گے وہاں فرمائیں حضور
ابھی موقع ہے ابھی بات سنور جائے گی
سانس اُکھڑی تو فقط خاک نظر آئے گی

ہم سے جب کوئی یہ کہتا ہے یہ ہے قولِ امامؑ
ذہن میں آتا ہے فوراً کسی معصوم کا نام
پست کیجیے نہ عقیدت سے حقیقت کا مقام
صاف کہتا ہے من اللہ امامت کا نظام
جس کی میراث میں اللہ کی تلوار بھی ہے
وہ محمدؐ بھی ہے اور حیدرؑ کرار بھی ہے

ہمسری کا جسے دعویٰ ہے وہ آگے آئے — مان لے جس کو نبوّت وہ سند دکھلائے
آسماں سے کسی شاہد کو بلایا جائے — پھر زمانے میں امامت کا علم لہرائے
ورنہ تصویر کا رُخ نقصِ شریعت ہو گا
ہر عمل مہدیِ دوراں سے بغاوت ہو گا

دعوتِ فکر ہے ایران کا بروقت جہاد — دین آباد ہے اور ظلم کی شاہی برباد
گردِ پاپوش سے زائد نہیں دُنیا کا عناد — نیتیں حق ہوں تو ملتی ہے فلک سے امداد
جذبۂ خیرِ عمل کیا ہے، ابھی غور نہیں
چاند کے پردے میں سورج ہے کوئی اور نہیں

دل میں حیدرؑ کی ولا ہے تو مسلمان ہیں شیر — دین ہے جس کی جلالت وہی ملّت ہے دلیر
حق تمدّن کا اُجالا ہے تو باطل اندھیر — جتنے حیلے ہیں وہ قرآں کی سیاست سے ہیں زیر
آج بھی پیروِ کردارِ حسینؑ آیا ہے
نصرتِ دیں کے لئے مردِ خمین آیا ہے

کون روکے گا یہ اسلام کے دریا کا بہاؤ — جنبش بازوئے عباسؑ میں ہے دین کی ناؤ
کوئی اندیشہ نہیں سارے زمانے کو بلاؤ — کربلا کاٹتی ہے شام کی شطرنج کے داؤ
محورِ عزم جو عاشور کا صابر ہو گا
ہر عزادار حبیب ابن مظاہرؓ ہو گا

کاش مرہونِ شریعت ہو امارت کا خمار — چادرِ فکر پہ قائم ہو نمازِ کردار
کاش ٹھنڈا ہو یہ ایجاد کا خونی بازار — بزمِ عالم کو ملے دامنِ اسلام کا پیار
کاش ہر فرد کو پیغامِ سحر آ جائے
منتظر جس کی ہے دُنیا، وہ نظر آ جائے

ساری دنیا میں نظر آئے وہ عدل و انصاف　　کوئی آواز نہ ہو، شرعِ محمدؐ کے خلاف
جنتِ دید ہو توحید کے پرچم کا طواف　　ایک ہی حکم چلے قاف سے لے کر تا قاف
کیوں نہ آئے گی نمی وقت کے انگاروں میں
سن رہا ہوں کہ مسیحاؑ بھی ہیں بیماروں میں

سب سے پہلے درِ اقدس پہ بچھے فرشِ عزا　　ہر عزادار کی آنکھوں سے رواں ہوں دریا
صحنِ کونین سنے مرثیۂ شیرِ خدا　　دل کی دُنیا میں تلاطم ہو، اُٹھے شورِ بکا
گرم اشکوں سے سجایا ہوا تحفہ دے دوں
وارثِ حیدرِ کرّارؑ کو پُرسہ دے دوں

عدل و انصاف کے پیکر سے کہوں قصۂ غم　　دل کی آواز ہو کوفے کی صدائے ماتم
کانپتے ہونٹ سنائیں، وہ زمانے کا ستم　　جس سے دُنیا میں ابھی تک سرِ تاریخ ہے خم
مسجدِ کوفہ نے کیا صبحِ قیامت دیکھی
شیرِ یزداں کے سرِ پاک پہ ضربت دیکھی

اُف وہ انیسویں ماہِ رمضاں وقتِ سحر　　وہ نماز اور وہ دمِ صوم، وہ اللہ کا گھر
اپنے سوئے ہوئے دشمن کو جگانا بڑھ کر　　عین مسجد میں وہ تلوار وہ معصوم کا سر
تازیانہ ہے مسلمان کی غیرت کے لئے
دین کا خون بہایا گیا دولت کے لئے

زخمِ سر دیکھ کے وہ شُکرِ خدا کا عالم　　جس پہ قربان ہو اربابِ وفا کا عالم
خون میں ڈوب کے اُمت کی دعا کا عالم　　یہ ہے اسلام میں تسلیم و رضا کا عالم
صرف اتنا تو کہا دورِ جہاں بیت گیا
ربِّ کعبہ کی قسم، آج علیؑ جیت گیا

آئے جب اور نمازی تو اُٹھا شورِ فغاں چاہنے والوں کی نظریں تھیں کہ قاتل ہے کہاں
ایسے عالم میں شہنشاہِ امامت کا بیاں دوستو پہلے کرو سجدۂ خلّاقِ جہاں
چھپ گیا ہے بنِ ملجم تو کوئی بات نہیں
صبر زندہ ہے، زمانے سے شکایات نہیں

اقتدائے حسنؑ سبز قبا میں وہ نماز وہ برستے ہوئے آنسو وہ دعائے دم ساز
وہ مصلیٰ، وہ لہو، وہ جسدِ ناز و نیاز حالتِ نیم غشی میں وہ کسی کی آواز
گھر میں اب سیّد ذیجاہ کو لاؤ شبیرؑ
دخترِ فاطمہؑ مر جائے گی آؤ شبیرؑ

دیکھ کر چہرۂ شبیرؑ اُٹھے شیرِ خُدا یاد زینبؑ کی بڑھی درد کا احساس تھما
فخرِ موسیٰؑ کو ملا شانۂ شبرؑ کا عصا گھر کی جانب جو چلے مجمعٔ احباب رُکا
سر جھکائے ہوئے مسجد سے وہ رنجور گئے
غیرتِ قوم تھی سب لوگ بہت دُور گئے

گھر میں داخل ہوئے مولیٰ تو بڑھے اہلِ حرم جیسے کعبے کی طرف آئے دو عالم کا حشم
سب کے چہروں سے یہ ظاہر تھا نکل جائے گا دم کچھ صدائیں تھیں غضب ہوگیا اُٹ گئے ہم
جس کے کردار سے اسلام میں قوت آئی
ہائے افسوس اسی گھر پہ مصیبت آئی

فرش پر زینتِ بستر ہوئے ضرغامِ الٰہ دونوں پہلو میں رئیسانِ جناں نورِ نگاہ
تکیۂ سر کے قریں زینبؑ کبریٰ ذیجاہ پائنتی مادرِ عباسِؑ جری، ضبط پناہ
ایک قرآن تھا جو حلقۂ آیات میں تھا
آفتاب، اپنے جمالات کی برسات میں تھا

آ کے جراّح نے جس دم سرِ اقدس باندھا ہاتھ سینے پہ رکھا رونے لگے شیر خدا
کیا عجب دیکھ لیا ہو وہ ستم کا صحرا جہاں عاشور کو بکھرے گا پسر کا لاشا
آگ میں، بارگہہِ سیدِّ عالم ہو گی
بیکسی ہنستے ہوئے زخموں کا مرہم ہو گی

اُمّ کلثومؑ جو پڑھنے لگیں آیاتِ شفا پردۂ ذہن پہ اک اور تصوّر اُبھرا
آج اک غم سے پریشاں ہے مری ماہ لقا کل بھرے گھر کی جدائی میں پڑھے گی نوحا
قبرِ زہراؑ پہ جو پُرسے کے لئے آئے گی
روحِ پیغمبرِؐ اسلام تڑپ جائے گی

درد انگیز تھا فضہؓ کی دُعا کا منظر دل تڑپنے لگا اس جذبۂ ہمدردی پر
لے گیا شام کے بازار میں اشکوں کا سفر جہاں فضہؓ نظر آئی رُخِ زینبؑ کی سپر
کہیں بچوں کو کلیجے سے لگاتے دیکھا
کہیں کلثومؑ کو درّوں سے بچاتے دیکھا

شدتِ درد میں جب ضبط کی انگڑائی لی فردِ احساس پہ کوفے میں قیامت دیکھی
تازیانوں میں تڑپتی ہوئی زنجیر اُبھری ایک بیمار کے ہونٹوں سے یہ آواز سُنی
اسداللہ کا پوتا ہوں نہ گھبراؤں گا
دین بچتا ہے تو کانٹوں پہ چلا جاؤں گا

لوگ قاتل کو جو لائے، تو پلایا شربت ہاتھ کھلوا دیے، اللہ ری طبعِ رحمت
فکرِ آئندہ نے پلکوں پہ یہ لکھ دی حالت اجنبی دیس، رسن، درّے نبیؐ کی عترت
سر جھکائے ہوئے سب اہلِ حرم جاتے ہیں
جتنے وارث ہیں وہ نیزوں پہ نظر آتے ہیں

ایک گوشے میں جو دیکھا بنی ہاشمؑ کا قمر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے بولے حیدرؑ
میری غیرت کے محافظ، مرے غازی، دلبر آ مرے سینے سے لگ جا میرے عباسؑ پسر
تیری آنکھوں سے اُبلتے ہوئے آنسو چوموں
چوم کر گیسوئے زینبؑ ترے بازو چوموں

آئے عباسؑ تو چھاتی سے لگایا شہؑ نے دل کی دھڑکن کا جو مقصد تھا بتایا شہؑ نے
آہ بھر کر دلِ زہراؑ کو بلایا شہؑ نے تھام کر بازوئے شبیرؑ سُنایا شہؑ نے
آج یہ پھول تجھے میں نے دیا ہے بیٹا
شکلِ عباسؑ میں حیدرؑ کی دُعا ہے بیٹا

میں نے اس چاند کو جاں سوزیِ غُربت سونپی میں نے اس شیر کو غم سہنے کی قوت سونپی
اپنا دل، اپنا جگر، اپنی شجاعت سونپی میں نے عباسؑ کو اس گھر کی حفاظت سونپی
جب کبھی وقت پڑے بھول نہ جانا شبیرؑ
اس کو لشکر کا علمدار بنانا شبیرؑ

میری غیرت، میری عزّت، کا نشاں ہے عباسؑ میری سیرت، میرے کردار کی جاں ہے، عباسؑ
بنی ہاشمؑ کی شرافت کا بیاں ہے عباسؑ دین کو ناز ہے جس پر وہ جواں ہے عباسؑ
اس کی تقدیر میں، قدرت نے وفائیں دی ہیں
میرے اس لال کو زہراؑ نے دعائیں دی ہیں

انگلیاں نبض پہ رکھیں تو یہ زینبؑ نے کہا زہر تو پھیل چکا دیکھیے اب کیا ہو گا
کتنی پُر ہول یہ اکیسویں شب ہے بابا باغِ زہراؑ میں نہ آ جائے خزاں کا جھونکا
دل لرزتا ہے غم و رنج کی یلغاروں سے
گھر نہ جل جائے کہیں درد کے انگاروں سے

بے وفا ہے یہ زمانہ کوئی ہمدرد نہیں   دشمنِ آلِ پیمبرؐ ہیں بہت دشمنِ دیں
ان کو اللہ کا ڈر ہے نہ قیامت پہ یقین   تنگ ہے سرورِ کونینؐ کے گلشن پہ زمیں
کتنی مسموم یہ کوفے کی فضا ہے باباؑ
اب تو زینبؑ کا بدن کانپ رہا ہے باباؑ

شہؑ نے فرمایا وہ ہنگامِ سحر دُور نہیں   بزمِ دُنیا سے مسافر کا سفر دُور نہیں
میری بیٹی سے بچھڑنے کی خبر دُور نہیں   سچ ہے اب درد کے شعلوں سے یہ گھر دور نہیں
آج کیوں تیرا بدن کانپ رہا ہے زینبؑ
تیری تقدیر میں درّوں کی جفا ہے زینبؑ

ایک محشر تھا وہ زینبؑ کی مصیبت کا خیال   بے ردائی میں اذیّت پہ اذیّت کا خیال
در و دیوار پہ وہ مجمعٔ اُمّت کا خیال   طوق پہنے ہوئے سجادؑ کی غیرت کا خیال
ساری دُنیا سے جدا، گردشِ حالات ہوئی
سنگ کہیے جنہیں اُن پھولوں کی برسات ہوئی

ہائے اُن پھولوں کی برسات میں زینبؑ کا بدن   یوں سمجھ لیجے لہو ہو گئی بازو کی رسن
پوری تاریخ سے بکھرے ہوئے بالوں کا سخن   یوں تو اُجڑا نہ کسی اور پیمبرؐ کا چمن
جس کے دربار میں آیات کے گوہر برسیں
اُس کے ناموس پہ بازار میں پتھر برسیں

یہ تصور تھا کہ دُنیا سے سدھارے حیدرؑ   غش جو آیا تو حسنؑ گر پڑے بابا کہہ کر
اُف وہ قرآن کا پیکر، وہ اجل کا بستر   باپ کی لاش پہ وہ زینبؑ و کلثومؑ کے سر
زلزلہ عظمتِ کعبہ کے چمن میں دیکھا
وقت نے بولتا اسلام کفن میں دیکھا

زندگی آج ہر انسان سے کرتی ہے کلام — جسے انصاف سے ہے پیار وہ سمجھے یہ پیام
کس کے پھولوں سے ہے اب احمدِ مختار کا نام — کس کا گھر تھا جسے لوٹا گیا عاشور کی شام

رخِ اسلام ہوئیں جس کے لہو کی دھاریں
اُس کے بچوں کو مسلمان طمانچے ماریں

جان دیتا ہے جو تہذیب پہ وہ بات کرے — کسی مذہب میں جفاؤں کے یہ شعلے دیکھے
جو سدا بخششِ اُمت کی دُعائیں مانگے — دستِ اُمت اُسی کنبے کی ردائیں چھینے

روزِ عاشور کے شعلے یہ صدا دیتے ہیں
کیا مسلمان بھی قرآن جلا دیتے ہیں

جس کی آنکھوں میں ہے تاریخ جو رکھتا ہے ضمیر — وہ بتائے گا ہمیں کیا ہے علیؑ کی تقصیر
جس نے پالا ہو یتیموں کو چھڑوائے ہوں اسیر — اُس کی اولاد کو پہنا دیے طوق و زنجیر

دین کے واسطے سویا ہو جو تلواروں میں
اُس کے ناموس پھرائے گئے بازاروں میں

شورِ گریہ سرِ مجلس ہے برنگِ محشر — صاحبِ عصر کی خدمت میں کہوائے قیصرؔ
آج آقائے خمینی ہیں شریعت کی سپر — آپ کے نام سے حاصل ہوا انہیں فتح وظفر

ہر نفس میں ہو محمدؐ کے ولی کا اسلام
پوری دُنیا میں نظر آئے علیؑ کا اسلام

◆◆

کربلا و نجف

(دیارِ نجف و کربلا کی فضیلت اور خانوادۂ اہلبیت پر مظالم)

۴۷ بند۔ ۱۹۸۳ء

◆◆

❖❖

کتابِ فکر کا عنواں ہیں کربلا و نجف
کمالِ منزلِ انساں ہیں کربلا و نجف
زمیں ہے رات، چراغاں ہیں کربلا و نجف
صداقتیں ہیں بدن، جاں ہیں کربلا و نجف
جہانِ عقل کا ہر فاصلہ نگاہ میں ہے
یہ کائنات انہی منزلوں کی راہ میں ہے

❖❖

maablib.org

کربلا و نجف

جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں
میں حرف ولفظ میں جدّت کے جام لایا ہوں
جو منفرد ہے وہ طرزِ کلام لایا ہوں
اک آفتاب، اُجالوں کے نام لایا ہوں
جواہرات کے یہ آئینے مکمل ہیں
برائے سعیِ عمل زاویے مسلسل ہیں

عمل کا دائرہ پھیلاؤ روشنی کی طرح
چُنو جواہرِ کردار جوہری کی طرح
جہاں فضا ہو کسی عہدِ سرکشی کی طرح
وہاں تحفظِ حق چاہیے علیؑ کی طرح
لہو کے پھول کھلے ہیں اسی شرف کے لئے
بُلا رہی ہے تمہیں کربلا، نجف کے لئے

کتابِ فکر کا عنواں ہیں کربلا و نجف
کمالِ منزلِ انساں ہیں کربلا و نجف
زمیں ہے رات، چراغاں ہیں کربلا و نجف
صداقتیں ہیں بدن، جاں ہیں کربلا و نجف
جہانِ عقل کا ہر فاصلہ نگاہ میں ہے
یہ کائنات انہی منزلوں کی راہ میں ہے

یہ منزلیں ہیں وہ مقصودِ کاروانِ حیات — جہاں صفات کی محور ہے ایک مشعلِ ذات
دل ونظر کی عدالت سے کہہ رہا ہوں یہ بات — یہی مقام ہیں تعمیرِ ذہن کی آیات
خرد کے باغ انہیں جنتوں میں کھلتے ہیں
علومِ عظمتِ انساں یہیں سے ملتے ہیں

علومِ عظمتِ انسان کی بات آئی ہے — عروسِ دولتِ ایجاد مسکرائی ہے
لبِ شعور نے تازہ خبر سُنائی ہے — متاعِ راہبری مرثیے نے پائی ہے
رہینِ اشکِ عزا علم کے خزانے ہیں
غمِ حسینؑ کے سائے میں سب زمانے ہیں

نصیب ہو گیا جس کو غمِ حسینؑ کا نور — اُسی کے ذہن سے اُبھرا ہے آفتابِ شعور
سکونِ روح کا ساماں جسے ہوا منظور — اُسے ملا ہے نجف سے حیات کا دستور
جسے مصیبتِ عاشور خوں رُلاتی ہے
اُسے ہوائے نجف آسماں بناتی ہے

گر ہوائے نجف ہے تو مشہدی ہے مزاج — جسے ادا کرے تاریخ زندگی کا خراج
سیاستوں کے اندھیروں میں جب گھرا ہے سماج — حسینیوں نے کیا نسخۂ نجف سے علاج
کہیں زمانے کو خاموش انقلاب دیا
کہیں جہاد میں تلوار سے جواب دیا

جہادِ زندگی اک امتحانِ روح و بدن — نفس کی آمد و شُد ہے کہ مصلحت کا چمن
ملا ہے صنعتِ حق سے عجیب رنگِ سخن — سُنا رہی ہے یہ پیغام دل کی ہر دھڑکن
یہی تو عرش ہے معراجِ بندگی کے لیے
مرو حسینؑ کی خاطر جیو علیؑ کے لیے

علیؑ کی سیرتِ کامل رسولؐ کا کردار
علیؑ کے دم سے ہے مضبوط روح کی دیوار
بدن پہ آ نہیں سکتا جہالتوں کا غبار
درِ علیؑ پہ اگر آدمی ہو سجدہ گذار
برائے دینِ خدا فاتحِ سیاست ہے
علیؑ کا تذکرہ اسلام کی دیانت ہے

اُصولِ حق کی محافظ ہے اہلِ حق کی نظر
کُھلا یہ راز دیانت پسند ذہنوں پر
مزاجِ نفسِ پیمبرؐ ہے عدل کا جوہر
خلافِ خیر حکومت ہے پاسداریِ شر
جہاں نظامِ خدا کے سوا نظام نہیں
وہاں سیاستِ دُنیا کا کوئی کام نہیں

کہاں تصوّرِ مکر و دغا کہاں اسلام
کہاں سیاستِ دُنیا، کہاں خُدا کا نظام
سُنو وصیِ رسالتمآبؐ کا پیغام
عبث ہے بولتے قرآں کے عہد پر الزام
بغیرِ عدل کوئی شمع جل نہیں سکتی
زمانہ بدلے، شریعت بدل نہیں سکتی

وہیں گلابِ تمدّن خزاں نے لوٹ لیا
جہاں بھی نظمِ شریعت سے انحراف ہوا
وہیں فساد کی بارش ہوئی لہو برسا
جہاں بھی فکر کا بادل اُصول سے اُلجھا
سحر کا نام فقط روشنی کے نام سے ہے
قیام امن اگر ہے علیؑ کے نام سے ہے

ادب کے پھولوں کی خوشبو ہے زندگی کا سبب
قیامِ امن سکھاتا ہے آدمی کو ادب
کسی بیان میں جیسے بیان کا مطلب
معاشرے میں ہر انساں ہے صاحبِ منصب
زمانے بھر کے سخنور یہ بات مانتے ہیں
ادیب وہ ہیں جو لفظوں کا وزن جانتے ہیں

وہ ایک لفظ بھی سورج سے کم نہیں ہے حضور دیا ہے نہجِ بلاغت نے جس کو فکر کا نور
پکارتا ہے زمانے کا عالموں کا غرور علیؑ نے دے دیے دنیا کو معجزاتِ شعور
ہُمائے چشم جو خطبوں کے عرش پر آیا
تو پھر مدینۂ علمِ نبیؐ نظر آیا

ملی مدینۂ علمِ نبیؐ کی بادِ بہار جسے کہوں چمنِ دل پہ رحمتوں کی پھوار
نئی اداؤں سے کھلنے لگے گُلِ افکار گلے لگا لیا جبریلؑ عقل نے اِک بار
صدا یہ آئی کوئی کربلا سے آیا ہے
جسے علیؑ نے درِ مصطفیٰؐ دکھایا ہے

جبیں کا نقش درِ مصطفیٰؐ کی خاک ہوئی مرے نصیب نے گویا دُعائے نُور لکھی
اڑا فرشتۂ تخیل پڑھ کے نادِ علیؑ فضاؤں میں یہ صدا جنت البقیع نے دی
غریب بیٹے کی تعریف چاہتی ہیں بتولؑ
یہاں حسینؑ کی توصیف چاہتی ہیں بتولؑ

قلم نے سجدۂ توصیف میں جھکا دیا سر زبان صدقے ہوئی کربلا کے پیاسے پر
پکارے اشک پھریں جستجو میں اہلِ نظر حسینؑ دل ہے ترا دل، جگر ہے تیرا جگر
کمالِ دبدبہ آہوں میں بھر دیا تو نے
بدن کے زخموں کو تلوار کر دیا تو نے

بدن کے زخموں کی تلوار نے بتایا ہے اجل پہ فاطمہؑ کا لال مسکرایا ہے
یہ واقعہ ہمیں تاریخ نے سنایا ہے حسینؑ ہی سے قضا کو پسینہ آیا ہے
نمازِ عصر سے یہ بات آشکار ہوئی
لہو کی دھار بھی مقتل میں ذوالفقار ہوئی

لہو کی دھار کا آئینہ دیکھ لے انساں　　دکھائی دیتے ہیں ماضی میں روشنی کے نشاں
یہی نشاں ہیں محمدؐ کے بے مثال جواں　　جواں بھی وہ جو عمل سے ہیں دین کے ارکاں
خدا کے کام بنائے وہ کارساز بھی ہیں
یہی اذان بھی ہیں اور یہی نماز بھی ہیں

کوئی نماز سے پوچھے حسینؑ کا احسان　　جنابِ فاطمہؑ کے نورِ عین کا احسان
اُدھر وہ فاتحِ بدروحنین کا احسان　　خدا کے دین پہ ہے جانبین کا احسان
جہادِ شیرِ خدا قوّتِ رسالتؐ ہے
نمازِ سبطِ نبیؐ آبروئے قدرت ہے

سمجھ میں آ گیا قدرت کی آبرو ہے نماز　　خدا کے ساتھ مسلماں کی گفتگو ہے نماز
شجر ہے دینِ نبیؐ قوّتِ نمو ہے نماز　　حسینؑ جس کا مقدّر وہ سُرخرو ہے نماز
کچھ اس طرح ہوئے سجدوں کی زیب و زین حسینؑ
کہ اب نماز کی آواز ہے حسینؑ حسینؑ

جہاں حسینؑ کا نام اب وہیں نماز کا نام　　جہاں نماز، وہیں اب حسینؑ کا پیغام
جنہیں حسینؑ سے اُلفت جنہیں نماز سے کام　　سمجھ سکیں گے وہ بندے یہ بندگی کا مقام
نظامِ عصمت و معصوم اس کو کہتے ہیں
ادائے لازم و ملزوم اس کو کہتے ہیں

ادائے لازم و ملزوم پر جو غور کیا　　نگاہِ فکر نے میدانِ کربلا دیکھا
وہ ایک قافلہ جس میں تمام اہلِ خدا　　تمام اہلِ خُدا میں حسینؑ راہنما
وفا کی صورتیں آئی ہیں مصحفوں کی طرح
صحیفے لایا ہے قرآن آیتوں کی طرح

انہیں صحیفوں، انہیں آیتوں کا جلوۂ حق حسینیت کی تجلی، حسینیت کا سبق
خلا کی سرمئی موجوں پہ ہر گلاب شفق سکھا رہا ہے ہمیں گلستاں کا نظم و نسق
ہر انتظام ہے پھولوں کی آبرو کے لئے
مزاجِ وقت اشارہ ہے جستجو کے لئے

مزاجِ وقت سمجھنا بڑی بصیرت ہے نگاہِ جائزہ سرمایۂ قیادت ہے
یہ دھوپ چھاؤں تو میزانِ آدمیت ہے نہ کم ہو وزنِ شرافت، یہی شرافت ہے
جو انقلاب کے زرّیں اُصول دیتے ہیں
وہ ہر محاذ کو پلکوں پہ تول لیتے ہیں

محاذِ فکر ہے مشکل ترین جنگ کا نام یہاں زمانہ ہے میدان اور خرد ہے حُسام
مقابلے میں ہوں فوجیں برنگِ ظلمتِ شام نجف کی صبح سُناتی ہے فتح کا پیغام
مزہ تو جب ہے رُخِ کفر داغ داغ پھرے
طمانچہ ہو تو ابوجہل کا دماغ پھرے

فساد و شر ہیں ابوجہل کے دماغ کا زہر جسے شعور کہے بیعتِ یزید کا قہر
تمام ارضِ عرب کی فضا میں جبر کی لہر حسینؑ خوب سمجھتے تھے کیا ہے فتنۂ دہر
نہ خوفِ جاں، نہ کسی رسم و راہ سے دیکھا
محاذِ وقت علیؑ کی نگاہ سے دیکھا

محاذِ وقت وہ تاریکیوں کا عہدِ شباب کہ جس کے ذیل میں ظالم حکومتوں کا نصاب
قدم قدم بنی آدمؑ پہ انتہا کا عذاب وہ آیتوں کا تمسخر، وہ منبروں پہ شراب
ہر ایک موڑ پہ کردار کے جنازے تھے
ہجوم عام تھا اور غیرتوں کے لاشے تھے

ہر ایک لاشۂ غیرت پہ قہقہوں کی صدا نظر نظر میں شرافت کے خون کا دریا
ہر ایک راہ میں غارتگری کی تیز ہوا بدن بدن پہ سجائے ہوئے ستم کی قبا
عمل تھا نقشۂ ہستی بگاڑنے کے لئے
بے تھے شہرِ مدینہ اُجاڑنے کے لئے

وہ تاجدارِ مدینہ سے انتقام کی آگ وہ باغِ صبح کی جانب ہوائے شام کی آگ
وہ سلطنت کے لئے ظلم کے نظام کی آگ وہ اک تصورِ آئندہ اور خیام کی آگ
شقاوتوں کے نئے حوصلے جوان ہوئے
گلوں پہ تیزیٔ خنجر کے امتحان ہوئے

برنگِ تیزیٔ خنجر جوانیٔ وحشت زوالِ نفس کی تحریک نشۂ دولت
لکھا مؤرخِ احساس نے بصد خفت اُصول چھوڑ کے بدنام ہو گئی اُمّت
جو یہ کلنک کا ٹیکہ مٹا نہیں سکتے
وہ اب رسولؐ کو چہرہ دکھا نہیں سکتے

زباں پہ کلمۂ اسلام، دل میں بغضِ رسولؐ جماعتوں کے نمازی طبیعتاً مجہول
تمام باغ پہ قبضے کی خواہشات، قبول مگر یہ فکر کہ باقی رہے نہ باغ میں پھول
منافقت کے نگہبان سامنے آئے
خدا فروش مسلمان سامنے آئے

خُدا فروش مسلمان اور خدا کا نظام یہ وہ خیال ہے جس پر جہالتوں کا سلام
وہ اقتدار مٹا دے جو اعتماد کا نام وہی ہے چہرۂ نظم ونسق پہ داغِ جذام
جہاں خزانے طبیعت کو گھیر لیتے ہیں
وہاں فقیہ بھی قانون بیچ دیتے ہیں

جہاں تمام ضرورت بکا' ہوا قانون   جہاں بنائے سیاست' بکا ہوا قانون
جہاں مزاجِ عدالت' بکا ہوا قانون   جہاں ہو طرزِ حکومت، بکا ہوا قانون
کسی چراغ کسی روشنی کی بات نہیں
وہاں سکونِ بشر موت ہے حیات نہیں

وہ کیا کریں گے بشر کے سکون کا احساس   بھرا ہو جن کی رگوں میں جنون کا احساس
اُنہیں کہاں شرفِ عابدون کا احساس   نہ ہو جنہیں کسی معصوم خون کا احساس
پکاریں آندھیاں وحشی فضا کے آنچل سے
درندے شہر میں آئے ہوئے ہیں جنگل سے

دمشق، سینۂ تاریخ پر جفاؤں کا شہر   برائے شام وہ ظلمت بھری اداؤں کا شہر
ستم نمائیِ عفریت سے بلاؤں کا شہر   تعصّبات میں بھیگی ہوئی ہواؤں کا شہر
یہیں چمن کی قبائیں ملیں بگولوں کو
صلیب دی گئی سچائیوں کے پھولوں کو

یہیں یزید کا دربار اور صلیبِ ستم   تراشے جس نے حمیّت فروش، تازہ صنم
جواں ہوئے ہیں یہیں پر حریصِ دام و درم   یہیں جمائے رعونت کے پربتوں نے قدم
جو ایک راز تھی وہ بات آشکار ہوئی
یہیں سیاستِ شوریٰ گناہ گار ہوئی

اسی سیاستِ شوریٰ کا بدنما کردار   قدم قدم پہ بنا جبر و صبر کی پیکار
عمل کی راہ میں پھیلے تعیّشات کے خار   خزاں نے گھیر لی اسلام کے گلوں کی بہار
اُٹھا یہ شور شریعت کو تار تار کرو
یزیدیت کو زمانے میں پائیدار کرو

یزیدیت کے پرستار ذہنِ بدانجام　　شعورِ وقت سے اُلجھے بصورتِ الزام
بنامِ بیعتِ فاسق، پلائے زہر کے جام　　پکاری عقل کھلی اب حقیقتِ اسلام
جنہیں نصیب شکستِ یقیں کا شیوہ ہے
دراصل بیعتِ فاسق اُنہیں کا شیوہ ہے

خدا پرست سمجھتے ہیں معنیٔ بیعت　　حصارِ لفظ میں ہیں جان و دولت وعزت
نہ ہو گی تا بہ قیامت یہ فکر کی صورت　　غزل کہے کوئی شاعر خراج دے آیت
زمانے والوں نے کتنا فریب کھایا ہے
دُھویں کے سائے میں کب آفتاب آیا ہے

دُھواں عظیم ہے یا آفتاب، غور کرو　　گناہ آبرو ہے یا ثواب، غور کرو
سکوں ہے خارِ چمن یا گلاب، غور کرو　　سوال مانگ رہا ہے جواب، غور کرو
جواب سیرتِ محبوب کردگار میں ہے
تمام بیعتِ رضواں خدا کے پیار میں ہے

خدا کا پیار ہے، بندے کی بندگی کا وقار　　اسی وقار پہ دنیا کے تاج و تخت نثار
محاذِ وقت پہ دیکھا جو بیعتوں کا غبار　　حسینؑ ابرِ کرم کی طرح ہوئے تیار
زمینِ خشک لبوں سے دعائیں دینے لگی
لحد سے کوکھ جلی ماں بلائیں لینے لگی

بلائیں کوکھ جلی ماں نے لیں دُعا کی طرح　　گلے لگایا ہواؤں نے مامتا کی طرح
نجف سے پیار ملا ذکرِ لافتیٰ کی طرح　　شریکِ غم ہوا قرآن مصطفیٰؐ کی طرح
دُعائے فتح پڑھی ذوالفقار کو چوما
ادائے مرضیٔ پروردگار کو چوما

پہن کے مرضیِ پروردگار کی پوشاک سجا کے بانیِ اسلام کا عمامۂ پاک
زمیں کے فرش کو دے کر بلندیِ افلاک کہا ہوائے زمانہ سے تو اڑائے گی خاک
وقارِ احمدِ مختارؐ کا محافظ ہوں
علیؑ کا لال ہوں، کردار کا محافظ ہوں

علیؑ کے لال تھے تیور لئے ہوئے اُٹھے شجاعتوں کا سمندر لئے ہوئے اُٹھے
شبابِ قاسمؑ و اکبرؑ لئے ہوئے اُٹھے تبسّمِ علی اصغرؑ لئے ہوئے اُٹھے
شکست کیوں نہ ملے، سامری بلاؤں کو
عصا بنا لیا عباسؑ کی وفاؤں کو

یہی وفائیں جو مقصد سے ہمکنار ہوئیں عمل کی روشنیاں اور جلوہ بار ہوئیں
خرد کی جتنی طنابیں تھیں استوار ہوئیں دلوں کی دھڑکنیں انسانیت کا پیار ہوئیں
خلوصِ فکر و نظر کی تجلیاں بکھریں
اسی سے طالبِ بیعت کی دھجیاں بکھریں

کہا حسینؑ نے، بیعت کرے حسینؑ، نہیں اسی نہیں کی بلاغت ہے مصطفےٰؐ کا یقیں
وہ ایک دل جسے لکھوں مشیتوں کا نگیں اُسی کے دم سے فلک ہے اُسی کے دم سے زمیں
کیا یہ عزم، نیا انقلاب آئے گا
سناں کی نوک پہ اب آفتاب آئے گا

مدینہ چھوڑ کے زہراؑ کا آفتاب چلا خدا کے نور سے ٹکرائی ظلمتوں کی ہوا
چراغِ قبرِ پیمبرؐ نے تھرتھرا کے کہا اب اپنے لال کی غربت پہ روئے گی زہراؑ
نگاہِ وقت نے آثارِ غم دکھائے ہیں
مسافرت میں بڑی بیکسی کے سائے ہیں

ستم کی دھوپ بڑی بیکسی کے سائے کا رنگ غضب کی پیاس میں سیرابی جہاں کی اُمنگ
وہ راہِ درد، پگھل جائیں جس پر آہن وسنگ وہاں ثبات کی باتیں، مزاجِ وقت سے جنگ
زبان پہ لفظ ادائے صلوٰۃ کی صورت
پسینہ جسم سے نکلا زکوٰۃ کی صورت

دلِ حسینؑ اور اسلام کے بدن کی زکوٰۃ اک آرزو کہ ادا ہو بھرے چمن کی زکوٰۃ
بنامِ صلحِ حسنؑ کہہ گئی حسنؑ کی زکوٰۃ یہ کائنات ہے گلزارِ پنجتنؑ کی زکوٰۃ
ضرور وعدۂ طفلی، وفا کریں گے حسینؑ
خدا کے دین کا صدقہ ادا کریں گے حسینؑ

خُدا عظیم ہے اور اس کا دین بھی ہے عظیم حسینؑ عظمتِ اسلام میں ہیں صورتِ میم
جنہیں صداقتِ ذبحِ عظیم ہے تسلیم وہی بتائیں گے تعبیرِ خواب ابراہیمؑ
نبیؐ کے قلب کو آگاہیِ جگر نہ ہوئی
چھری کے نیچے تغیر ہوا خبر نہ ہوئی

یہی ادائے تغیر ہوئی ہے کاشفِ راز قبول تو ہوا جذبِ خلیلؑ کا انداز
مگر بتا گئی روح الامین کی آواز حسینؑ پائیں گے ذبحِ عظیم کا اعزاز
جہاں ثوابت و سیار تھرتھرائیں گے
وہاں حسینؑ بہتر گلے سجائیں گے

وقارِ حمد و پیاسے گلوں کی خشک رگیں جنہیں سلام کریں جذب وآ گہی کی حدیں
وہی رگیں تو ہیں خیرالعمل کی شمشیریں دُعائیں دے کے جنہیں فخرِ انبیاؐ چومیں
صدا یہ آئے گی کرب و بلا کے محشر سے
اجل بھی کٹ گئی سوکھی رگوں کے خنجر سے

سفر کا خاتمہ ٹھہرا ہلال کا خنجر　　حسینؑ آئے محرّم میں اپنی منزل پر
جلو میں پیکرِ کردار ناصر و یاور　　تمام شانِ پیمبرؐ بصورتِ اکبرؑ
جوان بھائی تھا اپنے اُصول کی صورت
بہن تھی خیمے کے اندر بتولؑ کی صورت

بہن کے چاند بھی دمساز قلب و جاں کی طرح　　حسنؑ کا پھول بھی ہمراہ گلستاں کی طرح
نظر میں جادۂ اسلاف کہکشاں کی طرح　　سحابِ عزّتِ کونین سائباں کی طرح
جوان ولولے بچوں کی خوش بیانی میں
خطابِ زندگی اصغرؑ کی بے زبانی میں

وہم کی صبح رفیقانِ باوفا سے خطاب　　مرے مجاہدو، اب تم ہو زندگی کا شباب
بساطِ ارض پہ لکھ دو وہ روشنی کا نصاب　　کہ پھر نہ آئے یہ تاریکیِ عمل کا عذاب
تغیرات کی نبضوں پہ اُنگلیاں رکھ دو
فلک کی گود میں مقتل کی سرخیاں رکھ دو

کوئی زمانہ ہو، مقتل کی سرخیاں کہہ دیں　　شکست کھا گئیں ظالم یزید کی فوجیں
خدا کی راہ میں سب اس طرح جہاد کریں　　ورق ورق پہ نویسانِ حالِ جنگ لکھیں
علیؑ کے شیر شجاعت کے نقش چھوڑ گئے
بہادروں کے بدن برچھیوں کو توڑ گئے

اُٹھا غبارِ وغا، برچھیاں چمکنے لگیں　　تبر ہواؤں میں لہرائے، بیرقیں اُبھریں
کمانیں کڑکیں، چلے تیر، بدلیاں برسیں　　غلاف چھوڑ کے تیغوں کی بجلیاں کوندیں
چھڑائے ہاتھ کٹاروں نے، پیش دستوں سے
فضا نے چھین لیں ڈھالیں، جفا پرستوں سے

جفا پرست ہزاروں، وفا کے آئینے چند   سرِ حسینؑ پہ قرباں ہوئے حسینؑ پسند
گلے کٹا کے جو گذرے علیؑ کے غیرت مند   خیامِ پاک میں آیا رسولؐ کا دلبند
کہا، ہم آخری رخصت کو آئے ہیں زینبؑ
بہت قریب قیامت کے سائے ہیں زینبؑ

بہن کو اب تو قیامت میں پائے گا بھائی   ہزاروں زخم بدن پر سجائے گا بھائی
گلے لگا لو پلٹ کر نہ آئے گا بھائی   بہن کو اب نہ دوبارہ بلائے گا بھائی
جلیں خیام یہ ساماں قریب ہے زینبؑ
تمہاری شامِ غریباں قریب ہے زینبؑ

خیالِ شامِ غریباں پہ دخترِ زہراؑ   لپٹ کے روئی جو ماں جائے سے تو حشر ہوا
گلے کو چوم کے اتنا کہا، مرے بھیّا   بتاؤ کون بچائے گا اِس بہن کی ردا
میں روکتی نہیں تم شوق سے چلے جاؤ
مگر، مرے علی اکبرؑ کو بھیجتے جاؤ

مجھے یقیں ہے اگر آ گئے علی اکبرؑ   تو پھر نہ چھین سکے گا کوئی مری چادر
میں جانتی ہوں یہ کس کا لہو ہے چہرے پر   ربابؑ جھولے سے لپٹی ہیں کیا کہوں جا کر
پسر کے سوگ میں ہیں کیا قرار پائیں گی
سہاگ لٹنے کا غم کس طرح اُٹھائیں گی

حسینؑ بولے یقیناً ہے اب سہاگ کا غم   ربابؑ کے لئے تقدیر ہو گیا ماتم
ابھی تو آنکھیں ہیں اصغرؑ کی یاد میں پرنم   بوقتِ عصر کہے گی یہ گردشِ عالم
زمیں میں جس نے ابھی پھول کو چھپایا ہے
اُسی کا سر ہے جو نوکِ سناں پہ آیا ہے

سناں کی نوک پہ بھائی کو دیکھنا ہے بہن　　کوئی عدم کا مسافر، کبھی رُکا ہے بہن
ب آئے گا علی اکبرؑ یہ کیا کہا ہے بہن　　تمہارا چاند تو مقتل میں چھپ گیا ہے بہن
یہ فوجِ اہلِ ستم سر کھلے پھر آئے گی
ردائے فاطمہؑ زہرا تمہیں چھپائے گی

ردائے فاطمہ زہراؑ ہے آیۂ تطہیر　　ہے اس کا سایہ تو بے پردگی بھی ہے توقیر
ہجومِ کوفہ ہو یا راہِ شام کی تشہیر　　سفر میں بھائی کے ہمراہ جائے گی ہمشیر
کہے گا سارا زمانہ یہ قدرتِ رب ہے
حسینیتؑ کا محافظ خطابِ زینبؑ ہے

یہ وہ خطاب تھا جس سے لرز گئیں زینبؑ　　لرز کے بھائی کے قدموں پہ گر پڑیں زینبؑ
اُٹھایا فاطمہؑ کے لال نے اُٹھیں زینبؑ　　اُٹھیں تو بھائی کے دل کی صدا بنیں زینبؑ
سمجھ گئیں کہ سرِ شام بیکسی ہو گی
سکینہؑ باپ کو مقتل میں ڈھونڈتی ہو گی

سکینہؑ اشک فشاں تھی چچی کے زانو پر　　خیال نہر پہ اور خوں بھرے علم پہ نظر
اسی کا نام تو ہے آس ٹوٹنے کا اثر　　سُنی غریب نے جس دم یہ گفتگوئے پدر
تڑپ کے دوڑی، عبا تھام کر کہا باباؑ
ہمارا کوئی نہیں ہے یہ کیا ہوا باباؑ

کہا حسینؑ نے، بیٹی خدا ہمارا ہے　　وہی تمہارا نگہباں وہی سہارا ہے
یہ غم نہیں ہے کہ تشنہ لبی نے مارا ہے　　خدا کا دین رہے ہر ستم گوارا ہے
اب آؤ گود میں، یہ وقت پھر نہ آئے گا
ہمارے بعد زمانہ تمہیں ستائے گا

زمانہ تم کو ستائے تو اتنا یاد رہے یہ ننھے ہاتھ نہ اُٹھ جائیں بددعا کیلئے
کوئی لعین جو کانوں سے کھینچ لے بُندے پدر کی جان' شکایت نہ کرنا بھائی سے
وہ ناتواں ہے، یہ صدمہ بھی دل پہ ڈالے گا
تمہیں بچائے گا یا بیڑیاں سنبھالے گا

پہن کے بیڑیاں کیسے چلے گا وہ بیمار وہ دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور غضب کا بخار
گلے کا طوق کرے گا مرے غریب کو پیار وہ تازیانوں کی بارش وہ ایک سجدہ گزار
اس امتحان سے اے لاڈلی گذرنا ہے
غریب بھائی کے زخموں کو صاف کرنا ہے

وہ زخم ہی تو زمانے کا پیار ہیں بیٹی وہ زخم ہی تو عمل کا نکھار ہیں بیٹی
وہ زخم ہی تو چمن کی بہار ہیں بیٹی وہ زخم ہی تو حسینؑ وقار ہیں بیٹی
تمہارے بھائی سے اب جلوۂ امامت ہے
تمام روشنی سجادؑ کی بدولت ہے

سکینہؑ اب تو اُسی روشنی کے ساتھ رہو اُسی کے سائے کو بابا کی زندگی سمجھو
سکینہؑ اپنی یتیمی کا کوئی غم نہ کرو حسینؑ جاتا ہے اب آخری سخن سُن لو
جہاں کہیں پھوپھی امّاں وہیں پہ سو جانا
جب آئے نیند تو خود ہی زمیں پہ سو جانا

سکینہؑ گود سے اُتری، زمیں پہ بیٹھ گئی رواں تھے اشک مگر انتہا کی خاموشی
قریبِ سیدِ سجادؑ آئے سبطِ نبیؐ پسر کے سر پہ رکھا ہاتھ اور یہ بات کہی
امیرِ قافلۂ بیکساں' خُدا حافظ
مرے مریض' مرے ناتواں' خُدا حافظ

جوابِ سیدِ سجادؑ کیا لکھوں قیصرؔ   اُٹھے عصا کے سہارے وہ یا علیؑ کہہ کر
پدر کے چہرۂ اقدس پہ کی جو ایک نظر   سمجھ گئے کہ چچا ہیں نہ اب علی اکبرؑ

سکوتِ صبر میں ہر اضطراب ڈوب گیا
اُجالے روتے رہے، آفتاب ڈوب گیا

◆◆

maablib.org

عظمتِ فن

(شاعرِ آلِ محمدؐ نسیم امروہوی کی رثائی خدمات کا جائزہ)

۱۷ بند۔ ۱۹۸۸ء

maablib.org

❖❖

پڑھ لیجیے عبارتِ ایوانِ مرثیہ
تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ
صورت گرِ ادب ہے دبستانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیّت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

❖❖

عظمتِ فن

کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے نُورِ ادب سے بزمِ ادب جگمگا گئے
ذہنوں کو عرشِ فکر کی راہیں دکھا گئے پیمائشِ سخن کے طریقے بتا گئے
سمجھا کے نحوِ شاعری میزانِ صرف سے
ایک ایک لفظ تول گئے حرف حرف سے

کتنے عظیم تھے، وہ رئیسانِ علم و فن زندہ ہے جن کا نام بعنوانِ علم و فن
جب تک رہیں گے آرزو مندانِ علم وفن آواز دے گی بوئے گلستانِ علم و فن
جتنا بھی کاروانِ سخن کا نظام ہے
سب اہلِ فن کی عطر فشانی کا نام ہے

اہلِ ہُنر سے پوچھیے، سرمایۂ ہُنر کتنے خرد نواز صحیفے ہیں جلوہ گر
اوراق کھولتے ہیں ادب پروری کے در گلدستۂ خیال مہکتا ہے ہر نظر
ظاہر ہو جب سخن، گلِ صنعت لئے ہوئے
خوشبوئے طبع پھرتی ہے جودّت لئے ہوئے

کہتے ہیں نظم نظم تخیّل کے آبشار　　فصلِ سخن پہ خوب ہوئی بارشِ بہار
تحریر کے لبوں پہ ہے تقریر بار بار　　موتی لٹا گئے ہیں تکلّم کے تاجدار
انسان کو ملیں گے خزینے شعور کے
ہر بحر میں رواں ہیں سفینے شعور کے

چشم نصاب میں وہ بلاغت کے بادشاہ　　چمکے جو آسمانِ فصاحت پہ مثلِ ماہ
نبّاضِ کاروانِ سخن صاحبِ نگاہ　　منزل بنا گئے ہیں جو نقد و نظر کی راہ
اوج و حشم دکھا کے عروضی نشان کا
قانون دے گئے ہیں زبان و بیان کا

قانون کے خلاف جہاں بھی زباں کھلی　　فوراً فسادِ فکر و نظر کی دُکاں کھلی
یہ بات بالعموم دمِ شائیگاں کھلی　　بولی زباں صلاحیتِ فن یہاں کھلی
پابندیٔ اصولِ سخن میں کمال ہے
ورنہ بساطِ شوق، بساطِ زوال ہے

تعمیر اک خیال ہے سامان کے بغیر　　پھولوں کو کیا سجائیں گے گلدان کے بغیر
کچھ ذکرِ معرفت نہیں عرفان کے بغیر　　سودا جواہرات کا میزان کے بغیر
ثابت ہوا، سلیقۂ گفتار چاہیے
باتیں تو سب زباں کی ہیں، معیار چاہیے

محفل کی آبرو ہیں نفاست پسند لوگ　　روحِ معاشرہ ہیں شرافت پسند لوگ
تاریخ سے جُدا نہیں جدّت پسند لوگ　　تہذیب کے ستوں ہیں نظامت پسند لوگ
انگشتری کے ساتھ نگینے کی بات ہے
علمِ عروض بھی تو مدینے کی بات ہے

توسیعِ فکر لفظ تراشی کے سلسلے　　تمیزِ حُسن و قبح کے صد رنگ آئینے
ایجاز، روزمرّہ، محاکات، زاویے　　سب کچھ ملا ہے محنتِ اہلِ کمال سے
جلوؤں سے راہِ شوق بھی روشنی ملی
کامل تھے پیش رو، تو ہمیں آگہی ملی

پڑھ لیجئے عبارتِ ایوانِ مرثیہ　　تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ　　صورت گرِ ادب ہے دبستانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

فہرستِ کاروانِ بصیرت کو دیکھ کر　　ہم نے جو کی نگاہ فصیلِ انیسؔ پر
دیکھے چراغ صورتِ خورشید جلوہ گر　　پیشِ دبیرؔ ذہن کھلے دفترِ ہنر
تصویر دیکھ لی جو عروجِ حیات کی
دُنیا سے کہکشاں کے اُجالوں نے بات کی

چشمِ مطالعہ سے اُجالوں کی گفتگو　　جس طرح فرش و عرش سماعت میں رُوبرو
نور و ظہور و ولولہ و کیف و رنگ و بو　　سب پر محیط دائرۂ ذوقِ جستجو
ہر نقش دوربینِ تصور سے پڑھ گئے
گیتی کے پھول، چاند ستاروں سے بڑھ گئے

پھولوں میں ایک پھول ادب کا حسیں گلاب　　یوں کہیے اپنے عہد میں جس کا نہیں جواب
جس کی مہک شعور کی مُنہ بولتی کتاب　　جس کے جلوہیں فن کے طلب گار شیخ و شاب
فضلِ خدا سے جو گُلِ شاخِ شمیمؔ ہے
اُس قادرِ سخن کا تخلص نسیمؔ ہے

صدیوں سے اہلِ علم کا وہ گوشۂ حسیں یعنی دیارِ ہند میں امروہہ کی زمیں
یہ منفرد گلاب، شگفتہ ہوا وہیں گویا متاعِ عہد بنا، عہد آفریں
سب خوبیاں ضمانتِ کردار ہو گئیں
ماں کی دعائیں علم کی دستار ہو گئیں

نورِ بقا، چراغِ تمنا کو مل گیا خوشبو مزاجِ گلشنِ دنیا کو مل گیا
اشرف جو نسلِ مورثِ اعلیٰ کو مل گیا یکتا گہر خزانۂ یکتا کو مل گیا
سب نے کہا نشاں کرمِ ایزدی کا ہے
شجرے میں یہ شجر بھی امامِ تقی کا ہے

سینے میں باغ باغ ہوئے حسرتوں کے باغ چھلکے مسرتوں سے امیدوں کے سب ایاغ
تارے فلک سے توڑ کے لانے لگا دماغ نورِ نظر کے نور سے دل میں جلے چراغ
آنکھوں کی روشنی کو گلے سے لگا لیا
برجیسؔ نے، ستارۂ تقدیر پا لیا

تقدیر میں جو باپ کا سایہ تھا مختصر پڑھ کر دعائے نور یتیمی ہوئی سپر
یوں بھی کلیدِ غم سے کھلے رحمتوں کے در مستقبلِ حیات کی حد آ گئی نظر
تابندگی سفر کی نگہبان بن گئی
منزل کی چھاؤں باپ کا ارماں بن گئی

دادا نے اپنا عکس جو دیکھا بہ آب و تاب تعبیر میں بدل گیا تکمیلِ فن کا خواب
اُبھری حیاتِ نو متبسّم ہوا شباب لازم تھا اب جہانِ طبیعت میں انقلاب
چرچے چمن چمن ہوئے طبعِ سلیمؔ کے
پڑھنے لگا زمانہ قصیدے نسیمؔ کے

پڑھ کر درود غنچۂ کام و دہن کھلا لکھ کر سلام طبعِ رواں کا چمن کھلا
پھولا پھلا مزاج گلستانِ فن کھلا باغِ خیال بھر کے دمِ پنجتنؑ کھلا
شہرِ ادب میں شہرتِ اوجِ بیاں ہوئی
پوری ادا سے مرثیہ گوئی جواں ہوئی

وہ لکھنؤ کا شہر وہ گہوارۂ ادب یعنی زمیں کی گود میں سیارۂ ادب
وہ انقلاب فکر کا شہ پارۂ ادب دامن میں جس کے سینکڑوں مینارۂ ادب
دیکھا ہے ہم نے ناظمیہ درسگاہ میں
طرّہ تھا عظمتوں کا نسیمؔ کلاہ میں

وہ مجلسیں وہ اہلِ مودّت کا اژدحام اک سمت عالموں کی نشستیں، بہ احترام
منبر کے سامنے شعراء، قادرالکلام وہ تابہ انتہائے نظر منتخب عوام
کہتی تھی مرثیے کی فضا جھوم جھوم کے
زندہ ہوں میں نسیمؔ کے ہونٹوں کو چوم کے

مطلع سے تابہ مقطع اک آئینۂ نظام معیارِ پختگی سے تسلسل کا اہتمام
یکساں وہ بندوبست، وہی ندرتِ کلام ڈھونڈے جو کوئی نقص تو کہیے خیالِ خام
قائم رضائے حق سے وہ جھونکے نسیمؔ کے
برسا رہے تھے پھول دریچے شمیمؔ کے

رطب اللساں ہوئے، جو رموز آشنا نسیمؔ اقدارِ مرثیہ نے کہا مرحبا نسیمؔ
سنتے رہے یہ اہلِ عزا کی صدا نسیمؔ شاباش ناظمِ سبقِ کربلا نسیمؔ
کیا منزلت ہے تیرے خیالِ نفیسؔ کی
جنت سے آ رہی ہیں دعائیں انیسؔ کی

جن پر درایتوں کی سند وہ روایتیں قائل ہوں مستند علماء وہ درائتیں
معنی بھی دست بستہ رہیں وہ رعایتیں گویا تھیں خالقِ دو جہاں کی عنائتیں
المختصر جواب یہی ہے سوال کا
صدقہ ملا نسیمؔ کو زہراؑ کے لال کا

مصرعوں کے رنگ رازِ خرد کھولتے رہے شیریں نکات کان میں رس گھولتے رہے
نقاد زورِ فکر و بیاں تولتے رہے مضمون آیتوں کی زباں بولتے رہے
عالم وہ بندشوں کی ادائے بلند کا
ہر بیت نے حصار کیا بند بند کا

تلمیح کی دھنک سے عیاں واقعے کا رنگ تخصیصِ حرف ولفظ پہ حیراں نقوشِ سنگ
شمشیرِ گفتگو پہ وہ صیقل کی جلترنگ ترصیع پر عمل تھا نہ آیا کہیں پہ زنگ
آئینہ جب دکھایا مراۃ النظیر کا
لے آئے مہر و ماہ سے نقشہ غدیر کا

ہر وقتِ نگاہ کا حل پا گئے نسیمؔ کانٹوں پہ چل کے مثلِ نسیم آ گئے نسیمؔ
کہیے کس امتحان میں گھبرا گئے نسیمؔ خوبی سے ساری اُلجھنیں سلجھا گئے نسیمؔ
اہلِ زباں کو لہجۂ بے باک دے دیا
دنیا کو لف و نشر کا ادراک دے دیا

جو پیروِ حسینؑ ہو ناز و نیاز میں کیسے خلل ہو اُس کے سخن کی نماز میں
اعجازِ صوت بھر دے جو صنعت کے ساز میں رکھتا ہے وہ حقیقتِ مرسل مجاز میں
جو ذہن فکرِ سبطِ پیمبرؐ کے ساتھ ہے
ظرفِ زمان و ظرفِ مکاں اُس کے ہاتھ ہے

اللہ رے نسیمؔ کا اندازِ خوش نہاد　　فرمائیں جس پہ نابغۂ روزگار صاد
ہوتا نہ کیوں زبان و تخیل میں اجتہاد　　شرعِ سخن پہ ناصرِ ملّت نے دی ہے داد
سیفِ تخیلات سے میدانِ فن لیا
شاہوں کو رشک ہو وہ خراجِ سخن لیا

مضمونِ عقدِ فاطمہؑ اک نظم شاہکار　　جس میں تمام لفظ عقیدت کے آبشار
گلزارِ مرثیہ میں وہ سب سے جُدا بہار　　کہیے جسے کمالِ سخنور کا اعتبار
زیبا ہے افتخار نوشتِ عظیمؔ پر
برِّصغیر ناز کرے گا نسیمؔ پر

یوں مرثیے میں فلسفۂ غم بیاں کیا　　اربابِ فلسفہ میں اُٹھا شورِ مرحبا
غم کی افادیت میں دلیلوں کا سلسلہ　　سمجھایا آنسوؤں میں ہے دریائے ارتقا
غم ہے بصارتوں کا احاطہ کیئے ہوئے
آنسو نہیں تو آنکھ ہے پتھر لئے ہوئے

گذرے گا کاروانِ تجسّس جہاں جہاں　　کہہ دے گی ہر قدم نگہِ اہلِ کارواں
راہِ لسانیات میں منزل کا ہر نشاں　　کہلائے گا نسیمؔ کی محنت کا گلستاں
شاہد ہے حرف و لفظ کی دنیا لغات میں
موجود ہے نسیمؔ ادب کی حیات میں

عالم، فقیہہ، معتمدِ فکر و آگہی　　آئینہ دل، عمیق نظر، منکسرِ، ذکی
ایماں سرشت، خُلق ادا، عیب سے بَری　　بے لوث، وضع دار، حیا آشنا سخی
یہ سب صفات آئینہ دارِ نسیمؔ ہیں
اس شان کے بشر تو یقیناً عظیم ہیں

انساں کی حیثیت سے خطائیں بھی ہیں ضرور
لیکن درِ حسینؑ سے پی ہے مئے طہور
اس زاویے سے غور کریں صاحبِ شعور
سایہ کیے ہے مدحتِ آلِ نبیؐ کا نور
علم و عمل کے حُسن سے محروم تو نہیں
معصوم کے غلام ہیں معصوم تو نہیں

کیا روشنی کے شہر کراچی میں حق نظر
سُنتے نہیں ضمیر کے ہونٹوں سے یہ خبر
کل تک وہ بے مثال سخنور تھا جلوہ گر
جیتے تھے قدرداں جسے منبر پہ دیکھ کر
سبزہ تو آج بھی ہے مگر دلکشی نہیں
جس باغ میں نسیمؔ نہیں، تازگی نہیں

ہم کیا کہیں نسیمؔ کی فرقت نے کیا کیا
اب ہر قدم پہ دھوپ ہے، سایہ نہیں رہا
تاریکیاں ستائیں گی مہتاب کیوں چھپا
کہتی ہے تارِ زخم سے احساس کی صدا
محفل سجی ہے مسندِ محفل اُداس ہے
اب کون دھڑکنوں کو سُنے، دل اُداس ہے

وہ ناؤ اب کہاں ہے جو ساحل شناس تھی
ڈوبی وہ نبضِ آگہی، جو دل شناس تھی
بے شک وہ شخصیت تھی جو منزل شناس تھی
یعنی ''بجھی وہ شمع'' جو محفل شناس تھی
ڈھونڈیں گے کربلائے سخن کے کلیم کو
زندہ خیال یاد رکھیں گے نسیمؔ کو

ذوقِ طلب سفر میں ہے رستہ بتائے کون
خالی ہیں طاق، رمز نگاری سجائے کون
نکتوں پہ اصطلاح کی خوشبو لگائے کون
خارِ زمینِ فکر، قلم سے اُٹھائے کون
سامان اضطراب کے، معلوم ہو گئے
کتنے ہلال، بدر سے محروم ہو گئے

ہر سانس ہمتوں کے قلم سے لکھی ہوئی آئینہ ہیں نسیم کے اوراقِ زندگی
سینے میں کربلا کا چمن، لب پہ یا علیؑ قربان کی حدیقۂ زہراؑ پہ ہر خوشی
آغاز یہ کہ خلعتِ مدح و ثنا ملا
انجام یہ کہ سایۂ آلِ عبا ملا

اک قبر دیکھتے ہی اُٹھا دل سے ابرِ غم داخل ہوئے جو مسجدِ آلِ عبا میں ہم
فوراً یہ بیت کلکِ عقیدت نے کی رقم لے آئی ایک شکل تصور میں چشمِ نم
دائم سکوں بہ خاطرِ آلِ محمدؐ است
ایں جا قیامِ شاعرِ آلِ محمدؐ است

تکمیلِ درد بن کے اُٹھی موجِ اضطراب تحریکِ مرثیہ ہوئی احساس کی کتاب
میدانِ کربلا میں نظر آیا انقلاب پلکوں پہ آنسوؤں کو میسّر ہوا شباب
پیکر میں روشنیِ مشیّت دکھائی دی
قرآں کرے سلام، وہ صورت دکھائی دی

آنکھوں میں حکمتِ ابنِ مریمؑ لئے ہوئے لوحِ جبیں میں صولتِ آدمؑ لئے ہوئے
دستِ خرد میں نبضِ دو عالم لئے ہوئے سینے میں قلبِ سرورِ اعظمؐ لئے ہوئے
لے کر ثبات یادِ خدا کے سکون سے
تاریخ لکھ رہا ہے کوئی اپنے خون سے

ہر سانس کی گرفت میں رفتارِ روزگار مقتل ورق، تو نوکِ قلم ہے لہو کی دھار
لمحے ہیں ماہ و سال کی گردش کے شہ سوار کہتا ہے زندگی سے عبارت کا اعتبار
بیداریاں حیات کا دستور ہو گئیں
صدیاں سمٹ کے حلقۂ عاشور ہو گئیں

ہنگام عصر آیا جو صغراؑ کا نامہ بر
دیکھی عجیب حالتِ سلطانِ نامور
تنہا کھڑے ہیں کرب و بلا کی زمیں پر
چاروں طرف عزیزوں کے لاشے لہو میں تر
زخمی بدن پہ ساری کہانی لکھی ہوئی
بازو بتا رہے ہیں کمر ہے جُھکی ہوئی

اتنے نشانِ زخم کہ جن کا نہیں شمار
ڈوبا ہوا لہو میں گریباں کا تار تار
سوکھے ہوئے لبوں پہ فقط شکرِ کردگار
تکتے ہیں ایک ننھی سی تربت کو بار بار
ظاہر ہے صاف تیر سے بازو چھدا ہوا
چہرے پہ تازہ خون کسی کا ملا ہوا

لاشوں کو چومتی ہے تڑپتی ہوئی نظر
دریا سے ہمکلام ہے ٹوٹی ہوئی کمر
برقابِ ضبط جسم کے زخموں پہ ڈال کر
لاتے ہیں یہ سخن کبھی سوکھی زبان پر
پروا نہیں جو موردِ رنج و الم رہوں
یارب، میں امتحان میں ثابت قدم رہوں

مجھ کو قبول، آگ مرے خیموں میں لگے
کچھ غم نہیں لگیں جو طمانچے سکینہؑ کے
عابدؑ کے پاؤں کانٹوں پہ منظور ہیں مجھے
اسلام کی بقا رہے، زینبؑ کا سر کھلے
خنجر پھرے حسینؑ کے ہر مہ جبین پر
آئے نہ حرف احمدِ مرسلؐ کے دین پر

یارب، مرے حرم کو میسّر نہ ہو اماں
یارب، مرے یتیموں کے آنسو رہیں رواں
دشمن مرے غریب کو پہنائیں بیڑیاں
دیکھے برہنہ سر مرے ناموس کو جہاں
ہر ایک غم نصیب ہو مجھ تشنہ کام کو
لیکن بچا لے اُمّتِ خیرالانامؐ کو

کرتا ہے وقت چہرۂ عاشور پر رقم — اک بے وطن کے دم سے ہے دینِ خدا میں دم
پیغمبروں کے جذبۂ ایثار کی قسم — ہاں اب علم اُٹھے گا تو مظلوم کا علم
بے وزن بات بندشِ نہرِ فرات ہے
پیاسے کے اختیار میں آبِ حیات ہے

چاروں طرف ہیں جبر کی خونخوار برچھیاں — تیغیں بنی ہوئی ہیں تشدد کی بجلیاں
تیروں کی شکل، ظلم کی پُر ہول آندھیاں — ایسے میں ایک جسم پہ زخموں کی سُرخیاں
بندہ ہے کوئی عالمِ ہوش و حواس میں
یا ضبط کا خدا ہے بشر کے لباس میں

پیاسا ہے فاطمہؑ کا غریب الوطن پسر — مظلوم ہے پیمبرؐ کونین کا جگر
بستی علیؑ کے لال کی سوتی ہے خاک پر — اب کیا ہے بیکسی کے سوا، لٹ چکا ہے گھر
منزل ہی زندگی ہے مسافر کے واسطے
تیاریاں ہیں سجدۂ آخر کے واسطے

منظر میں اب حسینؑ ہیں اور صبر کی بہار — قرباں ادائے شکر پہ تنہائیاں نثار
جن میں بدن کا خون وہ ذرّے ہیں غمگسار — ایسے میں آنسوؤں کا تقاضا ہے بار بار
گریاں ہو غم وہ غم کا سراپا سُنایئے
روحِ نسیمؔ کو خطِ صغراؑ سُنایئے

صغراؑ کا خط ہے اشک فشانی کا وہ بیان — ماں باپ کے کلیجوں سے اُٹھنے لگا دھواں
الفاظ لے کے آئے ہیں احساس کی زباں — بھائی بہن کا پیار سُنے گا یہ داستاں
دل کو سنائے خونِ تمنا کے سامنے
محشر بپا ہے قاصدِ صغراؑ کے سامنے

قاصد جو دیکھتا رہا احوالِ شاہِ دیںؑ		دل سے کہا یہی ہیں محمدؐ کے مہ جبیں
بعد سلام فرض یہ بولا وہ خوش یقیں		اے نورِ حق محافظِ ایوانِ مرسلیں
اک کشتۂ فراق کا پیغام لایا ہوں
صغرؑا کا نامہ بر ہوں مدینے سے آیا ہوں

صغرؑا کا نام سنتے ہی چونکے شہِ انامؑ		اٹھا وہ دل میں درد کہ تھرا گئے امامؑ
پہلے اُسے جواب میں اُس کے کیا سلام		فرمایا پھر کہ اے مرے مونس، خجستہ کام
آیا ہے تو جو منزلِ آفت نصیب پر
احساں کیا ہے تو نے حسینؑ غریب پر

اے دوست، کیا کروں ترے آرام کا خیال		اب میں ہوں اور خنجرِ قاتل سے اتصال
جو کچھ ہے تیرے سامنے ہے بے وطن کا حال		پانی بھی دے سکا نہ تجھے فاطمہؑ کا لال
میں کس قدر اکیلا ہوں صحرا سے پوچھ لے
کب سے یہ ہونٹ خشک ہیں دریا سے پوچھ لے

کیا تجھ سے گفتگوئے غمِ دل کے سوا کروں		اس وقت میرے پاس دُعا ہے دعا کروں
جی چاہتا ہے حقِ تواضع ادا کروں		قاصد میں لُٹ چکا ہوں مدارات کیا کروں
جو میری زندگی تھے وہ پیارے گذر گئے
تیروں سے دشت میں مرے موتی بکھر گئے

خط لے کے شاہِ دیںؑ نے عبارت پہ کی نظر		بیٹی کا چہرہ آیا حجابِ نگاہ پر
آنکھیں کچھ اور نم ہوئیں لفظوں کو چوم کر		جیسے وہ کہہ رہی ہو تڑپ کر دمِ سفر
لے چلیے اپنے ساتھ، مرا دل نہ توڑیے
بابا، مجھے مدینے میں تنہا نہ چھوڑیے

مضموں کے ساتھ ساتھ بڑھا اضطرابِ جاں		لپٹی جگر کے درد سے فرقت کی داستاں
ہر نکتۂ خیال تھا آہوں کا ترجماں		ظاہر تھیں حرف حرف سے صغرؑا کی ہچکیاں
جملے پڑھے جو سامنے ایک ایک نام کے
دل کیا ہلا کہ ہل گئے پردے خیام کے

باقرؑ کے نام علم بھری زندگی، دعا عابدؑ کے نام بھائی سلامت رہیں سدا
فضہ کے نام، شکریۂ خدمت و وفا مادر کے نام، صرف بلانے کی التجا
لکھا تھا نام ثانیٔ زہراؑ کے سامنے
میرا بھی ذکر کیجیے بابا کے سامنے

لکھ کر چچا کا نام یہ پیغام لکھ دیا سب سے سوا ہیں آپ قریب شہِ ہُدیٰ
کیا آپ کو بھتیجی سے اُلفت نہیں ذرا میں سوچتی تھی غم نہیں، موجود ہیں چچا
جب وہ کہیں گے سبطِ نبیؐ لوٹ آئیں گے
اس کی خبر نہ تھی کہ مجھے یوں بھلائیں گے

چھوٹی بہن سکینہؑ سے کچھ اس طرح کلام تم نے بھی کیا بھلا دیا اپنی بہن کا نام
گھر میں پکارتے ہیں تمہیں پیار سے تمام بابا سے تم ہی کہتیں تو بنتا ہمارا کام
کوشش ذرا کرو یہ بہن چین پائے گی
صغرا تمہارے ہاتھ دُھلانے کو آئے گی

اصغرؑ کے واسطے یہ لکھا تھا بصد دُعا تم گھٹنیوں چلے کہ نہیں، میرے مہ لقا
ہے کس کے ہاتھ لوریاں دینے کا سلسلہ جھولے میں مسکرانے کا انداز آ گیا
دکھیا بہن کو چاند سی صورت دکھاؤ گے
دن کونسا وہ ہو گا جو گودی میں آؤ گے

اکبرؑ کو یہ لکھا تھا کہ اے غیرتِ قمر پردیس میں بھلا دیا خواہر کو اس قدر
وعدہ کیا تھا آنے کا آئے نہ بھول کر اچھا ہمارے پیار کا ہم کو دیا ثمر
کچھ بھی اثر نہیں ہے بہن کے بلانے میں
جب آؤ گے کہ ہم نہ رہیں گے زمانے میں

جب آنسوؤں کی چھاؤں میں خط پڑھ چکے امامؑ دیکھا فلک کو لائے زباں پر خدا کا نام
شاید کیا ہو اور بھی قاصد سے یہ کلام اے بھائی دیکھتا ہے یہ لاشیں یہ فوجِ شام
کیسی خزاں ریاض کو برباد کر گئی
صغراؑ کو کیا خبر کہ یہاں کیا گذر گئی

اے بھائی، اس جہان سے اصغرؑ گذر گئے
ننھے گلے پہ تیر لگا خوں میں بھر گئے
ماں باپ کے ریاض کو برباد کر گئے
چھ ماہ کے ابھی تو ہوئے تھے کہ مر گئے
مجھ کو انہیں کی قبر سے فرصت ابھی ہوئی
لے دیکھو میرے ہاتھوں میں مٹی بھری ہوئی

ہمشکلِ مصطفےٰؐ کی کہانی میں کیا کروں
یہ داستاں خود اپنی زبانی میں کیا کہوں
کیونکہ مِٹی نبیؐ کی نشانی میں کیا کہوں
نوکِ سناں اور اُن کی جوانی میں کیا کہوں
برچھی لگی ہے سینے پہ دل پاش پاش ہے
اے بھائی دیکھ وہ علیؑ اکبر کی لاش ہے

صغراؑ سے کہنا ختم ہوا تیرا انتظار
گھڑیاں کسی کے ہجر میں کرنا نہ اب شمار
ڈیرے خزاں کے پڑگئے رخصت ہوئی بہار
اکبرؑ کبھی نہ آئیں گے، اے میری گلعذار
سینے پہ ہاتھ رکھے ہوئے آہ بھرتے تھے
جب دم اکھڑ رہا تھا، تجھے یاد کرتے تھے

صغراؑ سے کہنا باپ کی بستی اُجڑ گئی
کہتے ہیں جس کو چین وہ صورت بگڑ گئی
اے لاڈلی، حسینؑ سے تو کیا بچھڑ گئی
وہ وقت ہے کہ چادرِ زینب کی پڑ گئی
محشر میں شیرِ ضیغمِ یزداں کو دیکھنا
جنّت میں جا کے اپنے چچا جاں کو دیکھنا

پیغام لے کے قاصدِ صغراؑ رواں ہوا
مولاؑ نے خط کو لاشہ اکبرؑ پہ رکھ دیا
دل تھام کر یہ تربتِ بے شیر سے کہا
جاؤ بہن کی گود میں اے میرے مہ لقا
فرقت میں بھائیوں کی بڑا اضطراب ہے
صغراؑ بلا رہی ہے کہو کیا جواب ہے

قیصرؔ مآلِ کارِ سخن خوب ہو گیا
دربارِ اہلبیتؑ میں اب مانگیے دُعا
یارب بہارِ مرثیہ گوئی رہے سدا
قائم رہے جہاں میں گلستاں نسیمؔ کا
اہلِ عزا کے سر پہ ہو گلباریِ حسینؑ
تاحشر زندہ باد عزاداریِ حسینؑ

◆◆

مدحِ ابوطالبؑ

(حضرت ابوطالبؑ کے وقیع کارنامے اور اُن کے خانوادے کی قربانیاں)

۴۷بند۔ ۱۹۷۳ء

◆◆

❖❖

گونجی سرِ بطحا یہ نوائے ابوطالبؑ
تبلیغِ محمدؐ ہے صدائے ابوطالبؑ
وحدت کی کہانی ہے برائے ابوطالبؑ
اسلام کا پرچم ہے لوائے ابوطالبؑ
میدان کی ہر بات نگہبان سے ہو گی
اب جنگ اگر ہو گی تو عمرانؑ سے ہو گی

❖❖

مدحِ ابوطالبؑ

مدحِ ابوطالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور جذبوں نے سنوارا ہے طبیعت کا جہاں اور
کھولے ہیں تخیّل نے عقیدت کے نشاں اور دل شلبۂ کعبہ ہے تو پائی ہے زباں اور
خیرات کی دولت جو زیادہ ہے تو کیا ہے
عمرانؑ کے دربار میں حیدرؑ کا گدا ہے

کہتا ہے قلم، خوب دکھاؤں گا روانی مقدور ہے الفاظ و تخیّل کی جوانی
کعبے کی گھٹاؤں سے برستا ہوا پانی لایا ہے نگہبانِ رسالتؐ کی کہانی
تاریخ کے جلووں سے حجابات اُٹھیں گے
اب ذہن میں اشعار نہیں چاند اُگیں گے

کرتا ہے خیالات کا سورج یہ اشارے چُومیں گے قدم چادرِ گردوں کے ستارے
کہتے ہیں یہ انوارِ مسلسل کے نظارے فردوس ہے جوئے ابوطالبؑ کے کنارے
جوئے ابوطالبؑ سے جو پیمانہ بھرے گا
اُس پر بخدا دینِ خدا ناز کرے گا

افکار میں ہیں گلشنِ بطحا کی ہوائیں — جذبات ہیں پہنے ہوئے پھولوں کی قبائیں
دوشیزۂ مفہوم دکھاتی ہے ادائیں — لیتی ہے نظر، یوسفِ مضموں کی بلائیں
تحریر جو رخسارِ قلم چوم رہی ہے
تقدیر سرِ غارِ حرا جھوم رہی ہے

مقصودِ تجسس ہے وہ بے مثل نگینہ — کہیے جسے وحدت کی شعاعوں کا خزینہ
دیکھا جو مری خواہشِ منظر کا قرینہ — تاریخ کی موجوں پہ چلا دل کا سفینہ
طوفان عبث راہ کی دیوار بنے ہیں
جبریلؑ کے شہپر مرے پتوار بنے ہیں

ہے موجِ مخالف سے مرے عزم کی تکرار — آئے تو ذرا سامنے گرداب کی دیوار
رُکتی ہے اندھیروں سے کہیں برق کی رفتار — چھپتا ہے کہیں محسنِ اسلام کا کردار
ساحل کے لئے بحرِ مودّت میں بہا ہوں
میں فاتحِ خیبرؑ سے مدد مانگ رہا ہوں

کہتے ہیں خیالات، مری سیفِ قلم سے — تاریخ کا میدان کہاں جائے گا ہم سے
کاٹیں گے سرِ حرفِ غلط تیغِ دودم سے — لازم ہے ظفر آلِ محمدؐ کے کرم سے
ہر ذہن کی میزاں پہ ہیں غالب ابوطالبؑ
تاریخ کہے گی ابوطالبؑ ابوطالبؑ

معصوم نبوّت کے وہ بہتے ہوئے آنسو — مغموم رسالتؐ کے وہ بکھرے ہوئے گیسو
وہ درد میں ڈوبی ہوئی توحید کی خوشبو — حالات کی بدلی میں وہ اسلام کا مہ رُو
دنیا تو یتیمی کا اثر دیکھ رہی تھی
تقدیر، نگہباں کی نظر دیکھ رہی تھی

اِک دُرِّ یتیم اور زمانے کے ستم گر — دنیا کی نظر آمنہؑ کے نورِ نظر پر
تفصیلِ علامات لبِ انجیل سے سُن کر — نصرانیوں کے پیشِ نظر تھا یہ گُلِ تر
ظاہر تھا کلیساؤں کی مسموم ہوا سے
پھرتے ہیں محمدؐ کیلئے خون کے پیاسے

ہر لحظہ ہے فارانِ طبیعت کی یہ آواز — اس معرکۂ فکر سے فطرت ہے سرافراز
خود کلمۂ توحید ہوا ہے مرا دم ساز — تکمیلِ عدالت ہے یہ احساس، یہ انداز
بطحا کے در و بام سے پیغام سنوں گا
یہ مرثیہ اب سایۂ کعبہ میں لکھوں گا

ماضی کے دریچوں سے نمایاں ہے وہ منظر — جب کربِ یتیمی تھا محمدؐ کی جبیں پر
غنچے کی طرح کشورِ اسلام کا سرورؐ — خاموش تھا کانٹوں کی نگاہوں سے اُلجھ کر
بے چین وہ مقصودِ خدائی، ارے توبہ
ماں باپ سے بچپن میں جدائی ارے توبہ

خواہش تھی ابھرتے ہوئے سورج کو چھپا دیں — وحدت کے ابد گیر اُجالوں کو مٹا دیں
آندھی کی طرح بغض کے شعلوں کو ہوا دیں — عمرانؑ کے کردار کی دیوار گرا دیں
منسوخ ہو انجیل، وہ پیغام نہ آئے
قرآن جو لے آئے وہ اسلام نہ آئے

اک سمت وہ حاسد، وہ جفاکیش یہودی — اس فکر میں غلطاں کہ مٹے نورِ الٰہی
توریت پڑھی عظمتِ توریت نہ سمجھی — کانٹے کی طرح دل میں چُبھا دُرِّ یتیمی
موسیٰؑ کا تقدس بھی جسے چوم رہا تھا
وہ نورِ مجسّم ہدفِ اہلِ جفا تھا

سب اہلِ ستم منتظرِ وقتِ ستم تھے
جاری ہوئے ہر طرح اذیت کے طریقے
یوں پھیل گئے دامنِ بطحا میں درندے
جیسے کوئی طوفانِ بلا شہر میں پھیلے
لیکن کوئی تدبیر، نہ ارمان بر آئے
جس سمت بھی دیکھا ابوطالبؑ نظر آئے

مائل بہ جوانی وہ نبوّت کے مہ و سال
اب عرشۂ تبلیغ تھا اور آمنہؑ کا لال
کیا چیز تھے پتھریلے خداؤں کے خدوخال
توحید کی ضربت سے ہوئے ذرّۂ پامال
کیا خوب تھی وحدت کے پرستار کی دنیا
وہ آگ لگی، جل گئی کفّار کی دنیا

جس وقت نگہباں نے کلیجے سے لگایا
بے سایہ کو قدرت سے میسّر ہوا سایا
دنیائے غم انگیز میں غم خوار جو پایا
محبوبِ الٰہی نے یہ کعبے کو سنایا
اے بیتِ حرم چہرۂ مظلوم دکھا دے
تو بھی تو مجھے قوّتِ بازو سے ملا دے

ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے توحید کا پرچم
عمرانؑ کے سائے میں بڑھا نورِ مجسّم
تبلیغ سے ابنائے زمانہ ہوئے برہم
ہر گوشۂ بطحا سے نمایاں ہوئے اظلم
بل کھاتے ہوئے کفر کے اژدر نکل آئے
شمشیر و سناں لے کے ستمگر نکل آئے

وحدت کے مبلّغ پہ برسنے لگے پتھر
چادر تھی لہو رحمتِ عالم کے بدن پر
کہتے تھے زمانے سے ابوجہل کے تیور
اب قلبِ محمدؐ سے گزر جائے گا خنجر
اس طرح گھرا نورِ خدا ظلم و جفا میں
جیسے مہِ کامل ہو قیامت کی گھٹا میں

پھیلی جو گھٹاؤں کی طرح کفر کی تدبیر   فکرِ ابوطالبؑ میں چھپی دین کی تقدیر
مانندِ ابوجہل بڑھی ظلم کی زنجیر   اُٹھی ابوطالبؑ کی چمکتی ہوئی شمشیر
آئے تھے جو لڑنے کے لئے خوف سے بھاگے
ٹھہرا نہ کوئی ہمہمۂ شیر کے آگے

گونجی سرِ بطحا یہ نوائے ابوطالبؑ   تبلیغِ محمدؐ ہے صدائے ابوطالبؑ
وحدت کی کہانی ہے برائے ابوطالبؑ   اسلام کا پرچم ہے لوائے ابوطالبؑ
میدان کی ہر بات نگہبان سے ہوگی
اب جنگ اگر ہوگی تو عمرانؑ سے ہوگی

عمرانؑ کے دامن میں ہے خورشیدِ نبوّت   دینِ ابوطالبؑ ہے محمدؐ کی حفاظت
دیکھے گا نظر بھر کے کوئی کس میں یہ جرأت   اب ہوگی بڑی دھوم سے تبلیغِ حقیقت
کچھ خوف نہیں گلشنِ وحدت کے عدو سے
یہ باغ کھلے گا ابوطالبؑ کے لہو سے

کعبے کے در و بام سے پیدا ہوئی آواز   تاریخ کہاں لائے گی عمرانؑ سا جانباز
خادم کی طرح اپنے بھتیجے کا ہے دم ساز   دم سازیِ عمرانؑ سے بڑھی دین کی پرواز
یوں لائے محمدؐ کو تمام اہلِ دغل سے
جیسے کوئی بیٹے کو بچا لائے اجل سے

آوازِ فلک تھی کوئی دکھلائے یہ منظر   کونین جہاں پیار کے عالم پہ ہوں ششدر
عمرانؑ کے پہلو میں محمدؐ کا ہے بستر   حیدرؑ کو لٹایا ہے محمدؐ کی جگہ پر
احساس یہ ہے اپنا پسر جان سے جائے
بھائی کی نشانی پہ کوئی آنچ نہ آئے

شعبِ ابوطالبؑ ہے وہ ایمان کی تحریر   ہر لفظ ہے جس میں رُخِ اسلام کی تنویر
وہ تین برس قحطِ غذا درد کی تصویر   یہ کہہ کے جہاں ہار گیا عالمِ تکفیر
معلوم نہیں کیا ابوطالبؑ کی دُعا ہے
جو لفظ محمدؐ سے جُدا ہے، وہ فنا ہے

میثاق کی بابت یہ محمدؐ کا بتانا   عمو وہ عبارت ہے تغیّر کا نشانا
فوراً ابوطالبؑ کا وہ قرطاس منگانا   قرطاس دکھا کر سرِ کفار جھکانا
یہ واقعہ بھی فکر کی میزان لئے ہے
بالغیب جو کہلائے، وہ ایمان لئے ہے

میثاق سے دیمک نے وہی لفظ مٹائے   جو حکمتِ کفار میں تھے موت کے سائے
اللہ جسے آئینۂ غیب دکھائے   وہ غیر کو کیوں معتمدِ خاص بنائے
دیندار کا دل خانۂ دیندار ہوا ہے
ایمان ہی ایمان کا معیار ہوا ہے

ہمدرد ارادوں سے ابھرنے لگے جلوے   جلووں میں ڈھلے قسمتِ ہستی کے سویرے
ہستی کے سویروں سے چھلکنے لگے نغمے   نغموں سے برسنے لگے فطرت کے قصیدے
فطرت کے قصیدوں میں بیانِ ابوطالبؑ
یا کون و مکاں ناظمِ شانِ ابوطالبؑ

دم توڑ گئے بولہبیت کے تقاضے   ٹھنڈے ہوئے اصنام پرستوں کے ارادے
تذلیل کے پردوں میں چھپے خون کے پیاسے   ضربِ ابوطالبؑ نے اڑائے وہ پرخچے
میدان کے مغرور بصد خوف کھڑے تھے
سر جھک گئے اُن کے جو سرافراز بڑے تھے

عمرانؑ کے پنجے میں چمکتی ہوئی تلوار　　تلوار میں اسلام کا مستقبلِ بیدار
مستقبلِ بیدار میں تفریقِ گل و خار　　تفریقِ گل و خار میں شادابیِ گلزار
شادابیِ گلزار سے جو پھول کھلے تھے
وہ پھول محمدؐ کے قدم چوم رہے تھے

میدان ہو، بازار ہو یا شہر کی گلیاں　　چشمِ ابوطالبؑ تھی محمدؐ کی نگہباں
مہکا جو محمدؐ کی جوانی کا گلستاں　　ذہنِ ابوطالبؑ نے کیا عقد کا ساماں
تھے مصدرِ ایماں تو یہی آگے بڑھے تھے
معصوم کے صیغے ابوطالبؑ نے پڑھے تھے

جب آمنہؑ کے لال کو پروان چڑھایا　　کعبے نے یہ پیغام زمانے کو سنایا
اب جعفرؑ و حیدرؑ پہ محمدؐ کا ہے سایا　　آلِ ابوطالبؑ کو ملا عرش کا پایا
جس کو ابوطالبؑ سے محبت نہیں ہو گی
اُس شخص کی محشر میں شفاعت نہیں ہو گی

سرمایۂ ایماں ہے وقارِ ابوطالبؑ　　کیفِ ابدی ہے بہ خمارِ ابوطالبؑ
تطہیر کا پردہ ہے وثارِ ابوطالبؑ　　گلزارِ شریعت ہے بہارِ ابوطالبؑ
احسان کا بدلہ وہی احسان سے دے گا
جو اپنا تعلق ابوطالبؑ سے رکھے گا

تکمیلِ محبت ہے نظامِ ابوطالبؑ　　تشکیلِ صداقت ہے پیامِ ابوطالبؑ
تعمیلِ مشیّت ہے کلامِ ابوطالبؑ　　تمثیلِ شجاعت ہے بنامِ ابوطالبؑ
گونجی ہے یہ آوازِ بقا کون و مکاں میں
ڈنکا ابوطالبؑ کا ہے وحدت کی اذاں میں

حُسنِ بشرّیت ہے کمالِ ابوطالبؑ   پیمانۂ عظمت ہے جلالِ ابوطالبؑ
گلدستۂ عزّت ہے خیالِ ابوطالبؑ   اعلانِ رسالت ہے مآلِ ابوطالبؑ
اسلام ہے، قرآن ہے، اللہ کا گھر ہے
سب کچھ ابوطالبؑ کی ریاضت کا ثمر ہے

سورج کی طلب اور شعاعوں سے عداوت   گردوں کی تمنا، ہے ستاروں سے عداوت
گلشن سے تو وابستگی پھولوں سے عداوت   اسلام میں اسلام کے جلووں سے عداوت
تاریخِ رسالت پہ عجب نقدِ نظر ہے
کافر اُسے کہتے ہیں جو ایمان کا گھر ہے

مٹ جائیں گے، مٹ جائیں گے عمرانؑ کے دشمن   ہٹ جائے گی ماضی پہ گرائی ہوئی چلمن
ک روز مہک جائے گا انصاف کا گلشن   بن جائے گا اُلجھی ہوئی تاریخ کا مدفن
جو ذہن مخالف ہے وہ ناکام رہے گا
عمران کا پالا ہوا اسلام رہے گا

دنیا جو تعصب کا نشانہ ہے تو کیا ہے   کثرت سے جہالت کا فسانہ ہے تو کیا ہے
بے مایۂ تحقیق زمانہ ہے تو کیا ہے   ذرّات میں تسبیح کا دانہ ہے تو کیا ہے
جب اہلِ نظر عدل کی میزاں میں تُلیں گے
ہر ذہن پہ عمرانؑ کے اوصاف کھلیں گے

اُلجھے ہوئے اذہان کو سلجھائے گی قدرت   سرمایۂ تہذیب کو پھیلائے گی قدرت
انسان نہ مانے گا تو منوائے گی قدرت   وقت آئے گا دنیا کو نظر آئے گی قدرت
اُبھرے گا نئی شان سے نامِ ابوطالبؑ
ہر فکر پہ چھائے گا نظامِ ابوطالبؑ

تحقیق سے انسان کی اقدار تو بدلیں　　اُبھریں تو تعصب میں یہ ڈوبی ہوئی نسلیں
لہرائیں گی تابندہ خیالات کی فصلیں　　فصلوں سے اُبھر آئیں گی ایمان کی غزلیں
غزلوں میں مودّت کی جو تصویر ملے گی
عمرانؑ کے ایمان کی تنویر ملے گی

عمرانؑ کے ایمان کی تنویر کے صدقے　　تنویر میں والفجر کی تفسیر کے صدقے
تفسیر میں کونین کی تقدیر کے صدقے　　تقدیر میں یٰسین کی تحریر کے صدقے
یٰسین کی تحریر میں اسرارِ جلی ہیں
گویا ابوطالبؑ ہیں، محمدؐ ہیں، علیؑ ہیں

پتھر کے پجاری بھی یہ کہتے ہیں بہ تحریر　　ہمت ابوطالبؑ کی ہے اسلام کی تقدیر
آیا نہ محمدؐ کے بدن پر جو کوئی تیر　　یہ اہلِ نظر میں ابوطالبؑ کی ہے تدبیر
اک شخص کو اک شخص ہزاروں سے بچائے
تاریخ میں ایسا کوئی کردار دکھائے

رکھتے ہیں جو سینے میں محمدؐ سے محبت　　انصاف سے تاریخ میں دیکھیں یہ حقیقت
کیوں کی ابوطالبؑ نے بھتیجے کی حفاظت　　کیوں مول لی اک فرد نے دنیا سے عداوت
معلوم تھا آئینِ خدا مصطفویؐ ہے
جو اس کا مخالف ہے وہی بولہبی ہے

ٹھکرائی ان الفاظ سے کفار کی نخوت　　تائیدِ احد ہے بنی ہاشمؑ کی فضیلت
ایمان ہے توحید کے دشمن سے عداوت　　اسلام ہے کیا، صرف محمدؐ کی اطاعت
نازاں ہے گلستانِ نبوّت، یہ وہ گل ہے
رشتے میں بھتیجا ہے مگر ختمِ رُسلؐ ہے

ت کا تعلق ہے اگر روزِ ازل سے — اسلام ہے وحدت کی سپر روزِ ازل سے
ربوط ہے قرآں کی خبر روزِ ازل سے — ہے سلسلۂ خیرِ بشر روزِ ازل سے
جتنے بھی نبیؐ فردِ مشیّت میں ملیں گے
سب آمنہؑ کے لال کی اُمّت میں ملیں گے

معلوم ہوا، سارے نبیؐ سارے پیمبرؑ — ہیں ایک ہی دریائے حقیقت کے شناور
ہر لحظہ جو قائم رہے تعلیمِ نبیؐ پر — رکھتے ہیں وہ خوشنودیِ معبود کے گوہر
کب تک شرفِ عدل سے محروم رہو گے
کیا دینِ براہیمؑ کو بھی کفر کہو گے

دانستہ کہیں کفر نے اسلام کو پالا — مشرک بھی کہیں جپتا ہے توحید کی مالا
جو شخص اندھیرے کو سمجھتا ہو اُجالا — کیا اس کا عمل ہو گا کسی چاند کا ہالا
پھر کیوں نہ کہوں، پیکرِ ایمان و یقیں ہیں
عمرانؑ تجلائے دو عالم کے امیں ہیں

کم ظرف زمانے کا اٹھایا ہوا طوفاں — ہر دم ہے پریشانیِ اسلام کا ساماں
اقوالِ صداقت سے بہرحال گریزاں — دشمن کی اڑائی ہوئی ہر بات پہ ایماں
سچ ہے وہ کہاں گنتے ہیں اوصاف کسی کے
کافر نظر آئیں جنہیں ماں باپ نبیؐ کے

راوی کوئی اولادِ پیمبرؑ ہو تو لاؤ — یا قولِ پیمبرؑ لبِ حیدرؑ سے سناؤ
کچھ فاطمہؑ زہرا نے کہا ہو تو بتاؤ — حسنینؑ سے منسوب روایات دکھاؤ
ڈھونڈو اسے اسلام کے نورِ ابدی میں
ایمان ابوطالبؑ کا ہے اولادِ نبیؐ میں

وہ جس نے فضاؤں کو سم آلود بنایا	جس نے شہِ کونینؐ کو ہر لمحہ ستایا
بس اس ابوسفیان کا چہرہ نظر آیا	جس نے دلِ ماحول تشدّد سے بسایا

حق بات کو حق تا دمِ آخر نہیں کہتے
جو دشمنِ دیں ہے، اُسے کافر نہیں کہتے

یہ بات نبیؐ ازلی سے کوئی پوچھے	توحید کے پیغامِ جلی سے کوئی پوچھے
ہر دور میں ولیوں کے ولی سے کوئی پوچھے	کیا باپ کا رُتبہ ہے علیؑ سے کوئی پوچھے

کردار کی معراج، کہانی ہے علیؑ کی
عمران کا ایمان، جوانی ہے علیؑ کی

یہ فعل بغاوت ہے دو عالم کے نبیؐ سے	بیکار تعصب ہے محمدؐ کے ولی سے
کچھ بھی تو نہ ہاتھ آئے گا آشفتہ سری سے	انکار مناسب نہیں نورِ ابدی سے

بیٹے میں اگر باپ کا ایمان نہ ہوتا
حیدرؑ کا عمل دین کی پہچان نہ ہوتا

چشمِ ابوطالبؑ نے پڑھی ہیں وہ نگاہیں	لائیں جو محمدؐ کے لئے درد کی آہیں
دنیا نے جہاں بند کیں تبلیغ کی راہیں	کھلتی تھیں وہاں شفقت و ایثار کی باہیں

آوازِ محمدؐ کا اثر ختم نہ ہو گا
تھک جائے گا سورج یہ سفر ختم نہ ہو گا

قدرت نے سُنی پیار کے لہجے میں یہ آواز	کہتے ہیں جسے کلمۂ توحید کی دم ساز
اس پیار کے لہجے پہ محمدؐ نے کیا ناز	باقی ہے اسی ناز سے ایماں کی تگ و تاز

کم ظرف کو کیا علم، یہ وابستگی کیا ہے
عمران کی ہر سانس محمدؐ کی دُعا ہے

پھرتا ہے محمدؐ کی دعا سے کوئی پھر جائے عمرانؑ کا دشمن کوئی کہلاتا ہے کہلائے
خود پر کوئی برساتا ہے انگارے تو برسائے ممکن نہیں سورج کو زمیں پر کوئی لے آئے
دریا کی فضیلت پہ سمندر کا بیاں ہے
وصفِ ابوطالبؑ ہے، محمدؐ کی زباں ہے

اس دارِ فنا سے ابوطالبؑ کی وہ رحلت ہے ابنِ ہشام آئینہ بردارِ وضاحت
ہونٹوں پہ رہی کلمۂ وحدت کی تلاوت کہیے جسے اللہ کے محبوبؐ کی اُلفت
قربان تھا ایمان اس اندازِ یقیں پر
دم نکلا تو نظریں تھیں محمدؐ کی جبیں پر

اس موت پہ مستقبلِ اسلام پکارا خونِ ابوطالبؑ ہے محمدؐ کا سہارا
حیدرؑ ہے سرِ بزمِ جہاں باپ کا پیارا چمکے گا محبت کے فلک پر یہ ستارا
دیکھے گا جہاں، رنگ ولی ابنِ ولی کے
عمرانؑ نظر آئیں گے پیکر میں علیؑ کے

آئندہ زمانے سے پکاری شبِ ہجرت کیا شانِ محبت ہے بعنوانِ حفاظت
بستر پہ نبوت کے جو سوئی ہے امامت کام آئی ہے عمرانؑ کی ڈالی ہوئی عادت
بدر و اُحد و خندق و خیبر سے عیاں ہے
سرخیلِ شجاعت، ابوطالبؑ کا جواں ہے

یہ کہہ کے چلیں علم کے گلشن کی ہوائیں اے چشمِ جہاں دیکھ وہ بے مثل ادائیں
پھولوں کو ملیں دانش و حکمت کی قبائیں ہاں اس کا جواب ارض وسما سامنے آئیں
مانندِ حرارت ہے جو اسلام کے تن میں
وہ بارہ دری ہے ابوطالبؑ کے چمن میں

بعدِ ابوطالبؑ وہ زمانے کا بدلنا   ہر سمت سے الحاد کے سانپوں کا نکلنا
سانپوں کو فدایانِ محمدؐ کا کچلنا   لیکن وہ کہیں خواہشِ ابلیس کا پلنا
سازش سے لیا کام جو آشفتہ سروں نے
بھرپور کیا وار منافق نظروں نے

قائم ہوئی تخریب کے بندوں کی وہ تنظیم   اسلام کی دنیا کو بظاہر کیا تسلیم
باطن کی عبارت میں نہ تنسیخ نہ ترمیم   سرمایۂ آذر کے لئے کعبے کی تکریم
سینے میں خلش، سر میں شقاوت کا جنوں تھا
کلمے کے محافظ سے عداوت کا جنوں تھا

پینے کو پیا چشمۂ اسلام کا پانی   لیکن کسی صورت نہ بجھی آگ پرانی
رگ رگ میں رہی کفر کی منحوس جوانی   بخشی ہوسِ تخت نے پوشاک شہانی
یہ راز کھلا شام کی تاریک فضا میں
حیوان سرِ تخت ہے انساں کی قبا میں

اس بات سے انسان کو ممکن نہیں انکار   اسلام پہ جس وقت ہوئی کفر کی یلغار
آلِ ابوطالبؑ ہوئی اسلام کی دیوار   مقتل میں کھلا باغِ وفا گلشنِ کردار
پروردۂ عصمت نظر آئے ہیں لہو میں
غنچے ابوطالبؑ کے نہائے ہیں لہو میں

عاشور کے تپتے ہوئے صحرا میں وہ طوفاں   ظلمت کی کڑی دھوپ میں گلدستۂ ایماں
وہ سرو و سمن ظلم کی آندھی سے پریشاں   شبیرؑ کے دو بھانجے اور جنگ کا میداں
وہ جعفرِ طیار کے پوتوں کی وغا تھی
یا دینِ خدا سے ابوطالبؑ کی وفا تھی

وہ تیروں کی بوچھار، وہ تلواریں، وہ برچھے وہ خون کے فوّارے غریبوں کے بدن سے
معصوموں کو گھیرے ہوئے خونخوار درندے وہ جسم کے ٹکڑے، وہ سنانوں میں کلیجے
اعدا نے تو ترکش میں کوئی تیر نہ چھوڑا
بچوں نے مگر قبضۂ شمشیر نہ چھوڑا

ناقابلِ تردید ہے وہ درد کا منظر عبداللہ کے دو چاند تڑپتے تھے زمیں پر
سجدے میں درِ خیمہ سے کہتی تھی یہ مادر اے لاڈلو خوش ہو گئی شبیرؑ کی خواہر
اس وقت جو ماں باپ پہ احسان کیا ہے
روحِ ابوطالبؑ کو سکوں تم نے دیا ہے

اے عونؑ و محمدؑ مرے بیٹو، مرے شیرو دنیائے اب و جد کے ابد گیر سویرو
ماموں پہ فدا ہو گئے، ماموں کے دلیرو ۔ اے لاڈلو پردیس ہے، منہ یوں تو نہ پھیرو
پیاسے ہو دمِ جنگ، یہ سوچا نہیں تم نے
میں جانتی ہوں، نہر کو دیکھا نہیں تم نے

کیوں نہر پہ جاتے مرے ضرغامِ شجاعت ورثے میں ملی تھی ابوطالبؑ کی حمیت
کی تم نے محمدؐ کے نواسے کی جو نصرت تاحشر کہے گی شہِؑ مرداں کی فضیلت
کنزِ ابوطالبؑ کے جو نایاب گہر ہیں
وہ دامنِ عاشور میں زینبؑ کے پسر ہیں

تصویرِ وفا زوجۂ مسلم کے وہ آنسو آنسو کہاں یا کونے میں سوئے ہوئے مہرو
دیکھے تو کوئی یہ غم و اندوہ کا پہلو دریا کو ملی مامتا کے باغ کی خوشبو
تقدیر نے مادر سے جدائی جو لکھی تھی
ہر موج یتیموں کے گلے چوم رہی تھی

بے درد نہ ہو دل تو یہاں سوچ لے انساں — کوفے میں یہ کس باغ کے غنچے تھے پریشاں
کس طرح نہ ہوں اہلِ عزا چاکِ گریباں — مسلمؑ کے یتیموں پہ یتیمی ہوئی گریاں
کھولے لبِ فریاد وہاں چشمِ قضا نے
پھولوں کو جہاں ذبح کیا اہلِ جفا نے

حیران ہوں کیا پھول سے بچوں کی خطا تھی — معلوم ہوا قوم ہی محرومِ حیا تھی
ایک ایک نظر دشمنِ تسلیم و رضا تھی — نکلا نہ بھرے شہر سے اسلام کا ساتھی
کیا وہ بشریت کی فضاؤں میں پلے تھے
جو لوگ ستاروں کا لہو دیکھ رہے تھے

لاشوں پہ بھی قاتل کو ذرا رحم نہ آیا — سفاک نے معصوموں کو دریا میں بہایا
سر زلفوں سے پکڑے ہوئے دربار میں لایا — لیکن لبِ تاریخ نے دنیا کو سُنایا
روشن ہیں شہادت سے چراغِ ابوطالبؑ
اُجڑا نہیں، آباد ہے باغِ ابوطالبؑ

کہتی تھیں بصد آہ ابھی تک وہ ہوائیں — دیکھی نہیں اس طرح یتیموں پہ جفائیں
حاصل ہے جنہیں نعمتِ اولاد وہ مائیں — دیتی ہیں زمیں دار مسیّبؒ کو دعائیں
غربت میں کیا رحم جو غنچہ دہنوں پر
احسان ہے دنیا کے غریب الوطنوں پر

احسانِ مسیّبؒ کا صلہ دیں گے پیمبرؐ — سینے سے لگائیں گے ابوطالبؑ و حیدرؑ
روتے ہیں جو زوّار مزاروں سے لپٹ کر — اغلب ہے کسی گوشے میں کہتی ہو یہ مادر
اے زائرو، سامانِ عزا تم نے کیا ہے
پرسہ مرے بچوں کا مسیّبؒ نے لیا ہے

قیصرؔ تری پلکوں پہ جو چمکے ہیں ستارے لے جائیں گے اک دن تجھے کوثر کے کنارے
وقت آئے گا جب یہ تری بخشش کے سہارے بن جائیں گے باغِ ابوطالبؑ کے نظارے
مطلق بھی نہیں خوف قیامت کے سفر کا
مل جائیگا سایہ ابوطالبؑ کے شجر کا

◆◆◆

آیاتِ آمنہؑ

(بی بی آمنہؑ کے فضائل اور اُن کے خاندان کے مصائب)

۸۷ بند۔ ۱۹۸۷ء

maablib.org

❖❖

اب سامنے ہے عصمت و عظمت پہ وہ دلیل
جھومیں گے فرطِ لطف سے ہر فکر کے عقیل
اب مدحِ آمنہؑ میں ہے وہ نکتۂ جلیل
تحسین و مرحبا سے نوازیں گے جبرئیلؑ
دامن میں ہیں تمام فضیلت لئے ہوئے
زیرِ قدم رسولؐ کی جنت لئے ہوئے

❖❖

آیاتِ آمنہؑ

اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام
عفت مآب منبعِ جاہ و جلال نام
تحریم کی نگاہ میں حدِ کمال نام
قرآن و آلؑ جس کے ثمر وہ نہال نام
جس کے حروف ساری عبادت پہ چھا گئے
وہ نام جس کے سائے میں کونین آ گئے

بینائیِ شعور سے وہ جلوہ بار نام
لکھوں جسے مقدرِ لیل و نہار نام
تخلیق کے ورق پہ مشیّت نگار نام
جس سے وجودِ عقل نے پائے ہزار نام
دنیا میں روشنی کے سفر پر محیط ہے
وہ نام جو عروجِ بشر پر محیط ہے

وہ نام ہے فصیلِ طبیعت کا آفتاب
چمکا ہے جس سے مدح میں جدّت کا آفتاب
کہتا ہے ذہن و دل کی صداقت کا آفتاب
اس نام کی ضیا ہے رسالت کا آفتاب
صدیوں کی ظلمتوں نے چھپایا تو کیا ہُوا
اس لوحِ نور پر ہے محمدؐ لکھا ہوا

حرمت فدا وہ حرمتِ عقلِ سلیم نام ایماں نوازِ نازشِ ربِّ کریم نام
یہ کہہ کے سر جھکائیں جدید و قدیم نام جس میں تمام عظمتیں وہ ہے عظیم نام
وہ نام جس کے جلووں کی تکمیل دین ہے
دامن میں جس کے رحمتِ للعالمینؐ ہے

وہ نام جس کو فضل و کرم کی سحر کہوں تاریخ جس پہ ناز کرے وہ خبر کہوں
انسب ہے سطوتِ بنی ہاشمؑ اگر کہوں یا عبدِ مطلبؑ کی دُعا کا اثر کہوں
وہ نام جس پہ عظمتِ کعبہ کو ناز ہے
جو مذہبِ خلیلؑ میں مثلِ نماز ہے

منظر ہے اب وہ نام بعنوانِ مرثیہ خالی ہے جس کے ذکر سے دامانِ مرثیہ
انصاف سے بتائیں نگارانِ مرثیہ کیا آمنہؑ کی بات نہیں شانِ مرثیہ
جس پر خدا کے دین کا دارومدار ہے
وہ آمنہؑ کے باغ کی فصلِ بہار ہے

کیا کربلا کے غم کا تقاضا یہی نہیں روشن رہے ولائے محمدؐ کا ہر نگیں
کیوں اس کے سنگِ در پہ نہیں فکر کی جبیں حاصل ہو جس کی گود سے فرمانروائے دیں
تاریخ میں جو اشک ہیں دُرِ یتیمؐ کے
واصف ہیں آمنہؑ کی حیاتِ عظیم کے

ہر صاحبِ سخن سے ہے فطرت کا اک سوال شاہوں کی مدح میں تو قصیدے بصد کمال
توصیفِ والدینِ نبیؐ غفلتِ خیال یہ غفلتِ خیال ہے ایمان کا زوال
قرآن پڑھ کے اجرِ رسالتؐ ادا کرو
ماں باپ ہیں رسولؐ کے ان کی ثنا کرو

انصاف کے چمن کی ہوائیں بھی چاہئیں چمکے رُخِ سخن وہ ضیائیں بھی چاہئیں
ماضی سے کچھ وفا کی ادائیں بھی چاہئیں اُمت کو آمنہؓ کی دعائیں بھی چاہئیں
آدابِ فکر کا جو منوّر نظام ہے
وہ بھی تو آمنہؓ کی بضاعت کا نام ہے

وہ آمنہؓ، تجلیِ ایوانِ معرفت وہ رشکِ حاجرہؓ، وہ نگہبانِ معرفت
کہہ دیں گے خود تمام رئیسانِ معرفت جاگیرِ آمنہؓ ہے گلستانِ معرفت
شامل ہیں خاص رحمتِ ربِّ جلیل ہیں
یہ فاطمہؓ مثال ہیں دینِ خلیلؑ ہیں

وہ آمنہؓ رئیسۂ حق، فخرِ خانداں قدسی مزاج، عابدۂ ربِّ دو جہاں
فردِ حسب نسب یہ ہے تاریخ کا بیاں وحدت پرست باپ تو وحدت پرست ماں
رکھتے ہیں اہلِ علم سند اعتراف کی
یہ مومنہ ہیں، پوتی ہیں عبدِ منافؓ کی

اسمِ پدر ہے وہبؓ حق آگاہ وحق سیر مادر کا نام بَرّہؓ تقدّس میں معتبر
پاکیزگیِ نفس کی معراج دیکھ کر عزّت کا آسمان بنا آمنہؓ کا دَر
یہ ذکر باقیات ہے کس اہتمام سے
ماں باپ آج زندہ ہیں بیٹی کے نام سے

احسانِ وہبؓ سے یہ حقیقت ہے آشکار تنہا دم شکار تھے عبداللہؓ ذی وقار
حملہ کیا یہود و نصاریٰ نے ایک بار اغلب تھا قطع ہو شجرِ نورِ کردگار
جب زندگی پہ موت کے گھمبیر سائے تھے
اس وقت وہبؓ ہی بنی ہاشمؓ کو لائے تھے

عبداللہؓ کی حیات سے نورِ خدا رہا یوں کہیے عرش و فرش نے دی وہبؓ کو دُعا
احسانِ وہبؓ کاتبِ اعمال نے لکھا ظاہر ہوئی خدائے براہیمؑ کی عطا
عبداللہؓ سے اجل کی گھٹا دُور ہو گئی
تقدیرِ وہبؓ نور سے معمور ہو گئی

ضمناً ہے اس مقام پہ اِک حرفِ جستجو ماضی و حال کرتے ہیں ملّت سے گفتگو
اُس وقت بھی یہود و نصاریٰ تھے رُوبرو اس وقت بھی مطابقِ قرآں یہی عدو
جاری جو دوستی کا عمل بعد غور ہے
اب کلمہ گو ہیں اور کہ قرآن اور ہے

قرآں کا حکم، یہ نہیں مطلق تمہارے دوست اور کلمہ گو کی بات، یہی ہیں ہمارے دوست
طوفاں میں ڈوبتے ہیں جو وحدت کے پیارے دوست ساحل پہ کہتے ہیں یہ زمانے کے سارے دوست
ہم سے گلہ کہ رسمِ مروّت ادا نہ کی
تم نے تو اپنے دین سے خود ہی وفا نہ کی

کہنا پڑے گا چھوڑ دی ہم نے رہِ وفا زندہ تھی جس سے قوم، وہ کردار مٹ گیا
کہنا پڑے گا ہم ہیں اندھیروں کی انتہا قرآں کے دشمنوں کو سمجھتے ہیں ناخدا
توڑے عمل کے شیشے تعیش کے سنگ نے
لوٹا تمام باغ ہوائے فرنگ نے

سازش میں کامیاب ہوئے قاسمانِ زر بولی مورخوں کے دہن سے زبانِ زر
گاڑا گیا بساطِ سخن پر نشانِ زر لفظوں میں زہر بن کے سمایا بیانِ زر
ذہنوں پہ تفرقوں کے اندھیرے برس گئے
ظلمت کے ناگ روحِ مسلماں کو ڈس گئے

فکرِ یہود و فکرِ نصاریٰ وہ شیش ناگ — صدیوں کے تن بدن میں ہے حسن کے پھنوں کا جھاگ
پھیلی ہے سرحدوں پہ جہاں خشک و تر کی آگ — شعلے وہاں الاپ رہے ہیں انہیں کا راگ
اس راگ میں وہ شام ہے جس کی سحر نہیں
اسلام جل رہا ہے ہمیں کچھ خبر نہیں

ماضی سے ربط فکر تھا ماضی میں آیئے — لیکن دل و نگاہ کو منصف بنایئے
بزمِ ازل کی شمع سے تنویر پایئے — فطرت کو اعتبارِ عمل سے سجایئے
مقصودِ نظم لفظ و بیاں کے سفر میں ہے
بطحا کی ایک محفلِ اقدس نظر میں ہے

وہ صحنِ وہبؓ اور وہ ایمان کی برات — دولہا خدا کے فضل سے عبداللہ خوش صفات
اہلِ خدا کی عید، فروغِ چمن کی بات — وہ خطبۂ نکاح، وہ بزمِ تجلیات
خطبے پہ مہر، مرضیِ ربِّ جلیل کی
تسلیم کر رہی تھی شریعت خلیلؑ کی

دولھا کے سر پہ طرۂ نازِ پیمبراںؑ — سر پر دلھن کے چادرِ تقدیسِ دو جہاں
دولھا کے تن پہ خلعتِ ایمانِ انس و جاں — افشاں دلھن کی مانگ میں عصمت کی کہکشاں
دولھا دلھن حیات کی تقدیر بن گئے
نورِ خدا کی بولتی تصویر بن گئے

وہ زوجِ آمنہؓ پسرِ عبدِ مطلبؓ — وہ حُسنِ زندگی ثمرِ عبدِ مطلبؓ
ہاشمؓ کی شان تاجِ سرِ عبدِ مطلبؓ — وہ فخرِ مطلبؓ، جگرِ عبدِ مطلبؓ
اسلاف خانداں کی طرح پُرجلال تھے
کلمہ پڑھے شباب، وہ یوسفؑ جمال تھے

عبداللہ صولتِ بنی ہاشمؑ جہاں جمیل　　کعبہ شناس، وارثِ سرمایۂ خلیلؑ
توحیدِ کردگار کے عارف نظر نبیل　　یعنی تمام بندۂ معبودِ جبرئیل ؎
عرفانیت میں صاحبِ حق الیقیں رہے
عصمت یہ تھی کہ نورِ خدا کے امیں رہے

نورِ خدا سے یہ بھی ملا گوشۂ سخن　　عبداللہ کے شرف سے مشرف ہیں پنجتنؑ
ہمدم ہوئیں جو آمنہؑ محمودۂ زمن　　پھیلے جمالِ قدس کے جلوے دمن دمن
دیکھا نہ تھا جو باپ نے اپنی بقا کا نور
سائے میں آمنہؑ کے رہا کبریا کا نور

ظاہر ہوا جو نور تو درِّ یتیم تھا　　بے سایہ کو پدر کا بھی سایہ نہ مل سکا
سائے پہ بات آئی تو عقدہ عجب کھلا　　سایہ سمٹ کے ماں کی محبت میں آ گیا
ممتا کے آئینے میں کثافت ذرا نہیں
کہنا پڑے گا نور کو سایہ ملا نہیں

اے اہلِ فکر، دینِ براہیمؑ کی قسم　　عبداللہ کے وجود سے ہے آیتوں میں دم
وہ عہد جس میں خانۂ اصنام تھا حرم　　اس عہد میں تھے سجدۂ وحدت سے محترم
راہِ خدا پہ مثلِ اب و جد رواں رہے
عبداللہؑ ہر زمیں کے لئے آسماں رہے

یہ ظلمتوں کے ناگ، سیاست کے پیچ و خم　　یہ فوجِ ابرہہ کی طرح دشمنِ حرم
صیہونیت کے نام پہ ترشے ہوئے قلم　　کوشاں رہے کہ عظمتِ خیرالبشرؐ ہو کم
آخر نفاقِ طبع کے چہرے دکھا دیے
اوصافِ والدینِ محمدؐ چھپا دیے

ہم نے اَبی کے لفظ پہ کچھ غور جب کیا — قرآں کی بات سے یہ معمہ بھی حل ہُوا
پڑھیئے خلیلؑ و موسیٰؑ عمراں کا واقعا — مقصد بہ ذکرِ آزر و فرعون ایک تھا
انسان کیوں جہالتِ معنیٰ میں غرق ہے
ماں باپ اور پالنے والوں میں فرق ہے

کتنی حسیں ہے سورۂ یوسفؑ کی گفتگو — اب امتحان ہو تو کٹائیں رگِ گلو
حق ہے مفسّروں کے لئے ذوقِ جستجو — کہہ دے گی روشنی کے سفیروں کی آبرو
جلتے رہے چراغ جو طوفانِ کفر میں
پالا گیا تھا نور کو دامانِ کفر میں

وہ پرورش کی بات، وہ قدرت کا انتظام — ہر دور میں نبیؐ کی حفاظت کا انتظام
دیکھا جہاں عقیدۂ وحدت کا انتظام — خود بول اٹھا تمام کفالت کا انتظام
عمرانؑ اس طرح ہیں نگہبانِ مصطفٰےؐ
کعبے پہ جیسے سایۂ ایمانِ مصطفٰےؐ

وہ نور جس کے شمس و قمر ہیں نبیؐ امامؑ — اصلابِ پاک میں اسے رکھا گیا مدام
فطرت کا یہ پیام ہے اہلِ نظر کے نام — اسلام کا شریک نہیں کفر کا نظام
جو سلسلہ نجیب تھا فطرت کے دین پر
چمکا خدا کا نور اسی کی جبین پر

اہلِ قلم سے دُور حقیقت کی بارگاہ — پھر کس طرح نہ تنگ ہو فکر و نظر کی راہ
قدرت کے انتخاب پہ انساں کا اشتباہ — مانندِ شرک یہ بھی ہے سب سے بڑا گناہ
تاریکیاں ہوں نور کا مصدر کبھی نہیں
کافر کے صلب سے ہو پیمبرؐ کبھی نہیں

اہلِ قلم، ادیب، مورّخ جواب دیں مِلّت کو نقدِ فکر و نظر کا حساب دیں
آنکھیں ہوں مطمئن کوئی ایسا نصاب دیں شایانِ آمنہؓ جو لکھی ہو کتاب دیں
خاموشیوں کی مہر کہے گی کہیں نہیں
کیوں اہلِ علم، کیا یہ شکستِ یقیں نہیں

ایماں کے آئینے پہ ہے جب تک غبارِ شک ممکن نہیں شعور کے رخسار پر چمک
انصاف یوں ہے گلشنِ آدمؑ میں مشترک جیسے چمن میں ہنستے ہوئے پھول کی مہک
خوشبو ہو جس کی بات وہ کردار کیوں نہیں
سب کچھ تو ہے دیانتِ گفتار کیوں نہیں

تاریخ کر رہی ہے اس انساں کا انتظار اُترے جو جستجو کے سمندر میں بار بار
وہ شخص جس کا دل ہو مروّت سے ہمکنار بیشک اسے ملیں گے گہر ہائے آبدار
لازم ہے لفظ لفظ سفر واقعات میں
ممکن ہے کائنات ملے کائنات میں

تزئینِ کائنات درِ آمنہؓ سے ہے آرائشِ حیات درِ آمنہؓ سے ہے
حُسنِ صفات و ذات درِ آمنہؓ سے ہے ہر آستاں کی بات درِ آمنہؓ سے ہے
جنت سے دُور زاہدِ خلوت نشیں رہا
اس در سے جو پھرا وہ کہیں کا نہیں رہا

ایمانِ آمنہؓ بخدا ہے مسلّمہ تکریم ہر قدم پہ فدا، وہ مکرّمہ
وحدت پسند، خُلق و حیا کا مجسّمہ مریمؑ کا سر ادب سے جھکے، وہ معظّمہ
ممکن نہیں غلو کا گماں اس یقین پر
آغوشِ آمنہؓ میں فلک ہے زمین پر

پھولوں کی وادیوں سے بہاروں سے پوچھیے　　فاران کے بلند اشاروں سے پوچھیے
سورج کے ساتھ چاند ستاروں سے پوچھیے　　قدرت کے سب عظیم نظاروں سے پوچھیے
لے کر چلیں جو گود میں خیرالانامؐ کو
رفتارِ کائنات رُکی احترام کو

ہم کیا کریں گے منزلتِ آمنہؓ کی بات　　ممتاز ہے تمام خدائی میں ان کی ذات
صدقہ ہے ان کے لال کا گلزارِ شش جہات　　قبضے میں صبح و شام، تصرف میں کائنات
ان کے قدم سے راہ گزر کہکشاں ہوئی
اُنگلی پکڑ کے اُن کی نبوّت رواں ہوئی

روحِ حجاز، نزہتِ گلدستۂ کرم　　عصمت نفس، عفیفۂ دوراں قدم قدم
مسند نشینِ جاہ و جلالت، دُرِ حشم　　فخرِ عرب، نجیبۂ بطحا، گُلِ حرم
جو کچھ ہے آمنہؓ کے مراتب کی بات ہے
پوتی انہیں کی سیدۂ کائنات ہے

کہتا ہے آمنہؓ کے گلستاں کا ارتقا　　جو پھول بھی کھلا وہ مشیّت نما کھلا
خوشبو کی ایک لہر میں پیکر جُدا جُدا　　ہر پھول مرتضیٰؓ ہے بہ اندازِ مصطفیٰؐ
غالب رہے گی تابہ ابد شانِ آمنہؓ
وحدت کی آبرو ہے گلستانِ آمنہؓ

یہ امر بھی ہے اہلِ بصیرت پہ آشکار　　خالق سے آمنہؓ کو ملی مستقل بہار
صدیوں کے ہر سفر میں بہ مرضیِ کردگار　　دنیا سُنے گی وقت کے ہونٹوں سے بار بار
کعبے کی طرح بار گہہِ رہبری بنی
اُن کے چمن میں علم کی بارہ دری بنی

اعلانِ عام علم کی بارہ دری کا نور — انسان کو ملے گا یہاں جلوۂ شعور
یہ راز بھی زمانے پہ کھل جائے گا ضرور — جاگیرِ آمنہؑ میں ہیں کتنے چراغِ طور
موسیٰؑ انہیں چراغوں سے مینارِ نور ہیں
جلتے ہیں وہ جو ان کی تجلّی سے دور ہیں

ذوقِ طلب سے یوں بھی دُرِ بے بہا ملا — ہر لفظ کا دماغ، ستاروں سے جا ملا
توصیفِ آمنہؑ میں تخیّل نیا ملا — زہراؑ کے نام پر بہ حدیثِ کسا ملا
عصمت مآب نورِ مسلسل انہیں کا ہے
آلِ عباؑ کے فرق پہ آنچل انہیں کا ہے

سائے میں آسماں ہیں، وہ رفعت ہیں آمنہؑ — آیات معترف ہیں، وہ آیت ہیں آمنہؑ
مخدومۂ جہانِ سیادت ہیں آمنہؑ — اہلِ دُرود کیلئے عظمت ہیں آمنہؑ
ملتا جو وقت منظرِ تکریم کے لئے
اُٹھتے رسولؐ آپ کی تعظیم کے لئے

تائید کبریا سے مؤید ہیں آمنہؑ — مسند ہے فخرِ زینتِ مسند ہیں آمنہؑ
جملہ فضیلتوں کے لئے حد ہیں آمنہؑ — یعنی مزاج سازِ محمدؐ ہیں آمنہؑ
کہتا ہے بابِ علم حقیقت نواؤں سے
دنیا کو شہرِ علم ملا اُن کی چھاؤں سے

کہتے ہیں ماں کا دودھ ہے وہ کوثرِ شرف — جس سے بشر کا جسم بنا پیکرِ شرف
پھرتا ہے جب رگوں میں یہ گردش گرِ شرف — پلتا ہے ماں کی گود میں اک نیّرِ شرف
وہ شخص ہر نماز میں جس پر سلام ہے
صرف آمنہؑ کے دُودھ کی عظمت کا نام ہے

پیغمبروںؑ کی مائیں ہیں بیشک عظیم تر — اسلام ناز کرتا ہے ان کے وقار پر
شاہد ہے کچھ مقام پہ قرآن بھی مگر — توصیفِ آمنہؑ میں یہ کہتے ہیں بحر و بر
وحدانیت کے شاہدِ اوّل کی ماں ہیں یہ
فضلِ خدا سے احمدِ مرسلؐ کی ماں ہیں یہ

لازم ہے اس مقام پہ اہلِ نظر بتائیں — انصاف سے خدا کے لئے سوچ کر بتائیں
کیا کہیے راویوں کی عنایات پر بتائیں — قرآں کے آگے کون ہے اب معتبر بتائیں
مادر کا شیر موسیٰؑ عمراں کے تن میں ہو
اور شیرِ غیر ختمِ رسلؐ کے بدن میں ہو

ایسی روایتوں کا ورایت ہے سدِّ باب — عصمت پہ حرف آئے تو کیا مقصدِ کتاب
فرزندِ آمنہؑ ہے وہ قدرت کا انتخاب — پیغمبروںؑ کی صف میں بھی ممکن نہیں جواب
نازاں ہو جس پہ عقل وہ دستور چاہیے
معصوم نور ہو تو غذا نور چاہیے

کیا شیرِ آمنہؑ ہے شرف میں کسی سے کم — کیا شیرِ غیر ان سے زیادہ ہے محترم
حرمت میں آمنہؑ سے سوا ہے کسی میں دم — یہ سب غلط نہیں ہے تو اب کہہ رہے ہیں ہم
مقصودِ کائنات کی وجہِ ظہور ہیں
تخلیق نور ان سے تو یہ خود بھی نور ہیں

زم زم ہو جس کے پاس وہ محتاجِ آب ہو — تعبیر جس کا حق، وہ پریشانِ خواب ہو
جس گھر سے زندگی عرب فیضیاب ہو — حیرت ہے فردِ غیر میں اس کا حساب ہو
غیرت کا حُسن کیوں رُخِ احساس پر نہیں
درِ یتیمؐ ہے کوئی دریوزہ گر نہیں

کہتے ہیں زندگی سے حکیمانِ زندگی
ماں جانتی ہے حکمتِ امکانِ زندگی
رطب اللساں ہیں شرحِ نگارانِ زندگی
دراصل ماں ہے شمعِ دبستانِ زندگی
اس کے سوا وضاحتِ خیرالعمل نہیں
دنیا میں ماں کی گود کا نعم البدل نہیں

حق جس کی آبروؔ وہ حقیقت ہیں آمنہؑ
گلشن کو جس پہ نازؔ وہ نکہت ہیں آمنہؑ
تقدیرِ کاروانِ ہدایت ہیں آمنہؑ
جس میں سب اہلبیتؑ وہ سیرت ہیں آمنہؑ
جیسے دلِ نبیؐ سے مشیّت قریب ہے
اس طرح آمنہؑ سے نبوّت قریب ہے

اب سامنے ہے عصمت و عظمت پہ وہ دلیل
جھومیں گے فرطِ لُطف سے ہر فکر کے عقیل
اب مدحِ آمنہؑ میں ہے وہ نکتۂ جلیل
تحسین و مرحبا سے نوازیں گے جبرئیل
دامن میں ہیں، تمام فضیلت لئے ہوئے
زیرِ قدم، رسولؐ کی جنت لئے ہوئے

کچھ بھی نہیں تغیّرِ تاریخ کا اثر
تحقیق کی فضاؤں میں ہے فکر کا سفر
وقت آئے گا لکھیں گے ادیبانِ خوش سیَر
دنیا میں کوئی گھر ہے تو بس آمنہؑ کا گھر
گلشن کے نام ہی سے گلِ تر کی بات ہے
زہراؑ کا گھر بھی آمنہؑ کے گھر کی بات ہے

اس گھر نے انقلاب کا سامان دیدیا
اس گھر نے عرش و فرش کا عرفان دیدیا
ڈرتی ہے جس سے موت، وہ انسان دیدیا
اس گھر نے بولتا ہوا قرآن دیدیا
اس گھر سے دُور ہے تو لعین و رجیم ہے
اس گھر کا جو غلامؑ وہ انساں عظیم ہے

اس گھر کے بولتے ہوئے قرآں کو دیکھ کر　　سورج کی پالکی میں کیا وقت نے سفر
آخر جو آئیں آمنہؑ شوہر کی قبر پر　　پہلو میں مضطرب تھے محمدؐ بچشمِ تر
دونوں طرف جو آنسوؤں کے آبشار تھے
مستقبلِ حیات کے غم آشکار تھے

وقت آیا آمنہؑ تو سدھاریں سوئے جناں　　اب آمنہؑ کا لالؐ تھا اور غم کی بجلیاں
مرقد میں سو رہی تھی اُدھر غمگسار ماں　　ننھی سی جاں ادھر تھی جدائی میں نیم جاں
بے چھیاں دنوں کے جگر میں اُتر گئیں
راتوں میں اک یتیم کی آہیں بکھر گئیں

وہ چھ برس کا سن، وہ یتیمی کا سائباں　　وہ دشمنی کی تیز ہوا اور چراغِ جاں
مانندِ ماہ و سال بڑھیں غم کی آندھیاں　　شاید زبانِ غیب ہو اس وقت نوحہ خواں
اے جانِ آمنہؑ وہ قیامت بھی دیکھ لے
بطحا میں کربلا کی مصیبت بھی دیکھ لے

وہ سامنے ہے منظرِ مستقبلِ حیات　　وہ کربلا، وہ جلتے ہوئے خیمے، وہ فرات
بکھری ہے تیرے نور کی معصوم کائنات　　وہ سر برہنہ خاک پہ بزمِ مخدرات
سورج لہو میں ڈوب گیا شام ہو گئی
مقتل میں تیرے دین کی بارات سو گئی

وہ آمنہؑ کے باغ کی اُجڑی ہوئی بہار　　اُجڑی ہوئی بہار میں ہر پھول تار تار
وہ آمنہؑ کے پھول کی خوشبو لہو کی دھار　　اک غمزدہ کے رونے کی آوازِ دل فگار
بالوں میں جس کے خاک ہے چہرے پہ دُھول ہے
وہ آمنہؑ کے لالؐ کی بیٹی بتولؑ ہے

نوحہ یہ پڑھ رہی ہے محمدؐ کی نورِ عین کیوں ظالموں نے لوٹ لیا میرے دل کا چین
سنتی ہوں کتنی دیر سے بے وارثوں کے بین زینبؑ سے کربلا میں جدا ہو گیا حسینؑ
بے چین ہو کے درد کے جنگل میں آئی ہوں
میں جنت البقیع سے مقتل میں آئی ہوں

توحید کے چمن کا گلِ تر مرا حسینؑ حیدرؑ کے حوصلوں کا سمندر مرا حسینؑ
اسلام کے شباب کا پیکر مرا حسینؑ سارے پیمبروںؑ کا سخنور مرا حسینؑ
دنیا سمجھ رہی ہے مرا لالؑ مر گیا
میرا حسینؑ موت کو تسخیر کر گیا

تن پر سجا کے زخموں کا خلعت چلا گیا مفلوج کر کے ظلم کی طاقت چلا گیا
دکھلا کے میرے دودھ کی قوت چلا گیا عابدؑ کو دے کے سب کی قیادت چلا گیا
نیزے پہ چڑھ کے آیتِ قرآں سنائی ہے
مقتل میں میرے لالؑ نے معراج پائی ہے

دنیا نے کیوں، چراغِ شرافت بجھا دیا قرآن پڑھ کے نقشِ مروّت مٹا دیا
جس گھر سے دین پایا وہی گھر جلا دیا میں سو رہی تھی چین سے کس نے جگا دیا
تصویرِ آمنہؑ ہے ستم کی گھٹاؤں میں
زینبؑ کھڑی ہے شامِ غریباں کی چھاؤں میں

بطحا میں یوں غریب نہ تھا آمنہؑ کا لالؐ دادا رہے کفیل، چچا نے رکھا خیال
حمزہؑ کے ہوتے کوئی ستاتا یہ کیا مجال لیکن مری سکینہؑ ہے وہ درد کی مثال
بھائی کا غم ہے، طوق و سلاسل کی بات پر
دادا تو ہیں نجف میں، چچا ہے فرات پر

کوئی مجھے بتائے، یہ صدمے کسی نے پائے　　مارے طمانچے شمر نے دُکھیا کے سنائے
کانوں سے خون بہتا ہے بچی کسے بُلائے　　کُرتے میں آگ لگ گئی آئے کوئی بجھائے
کیا اب کسی کے سینے میں خوفِ خدا نہیں
بچی تڑپ رہی ہے کوئی پوچھتا نہیں

کڑیل جوان وہ مرا اکبرؑ، وہ ماہتاب　　عبداللہؑ کے شباب کا مُنہ بولتا جواب
فرزندِ آمنہؑ کا وہ آئینۂ شباب　　مقتل میں اپنے خون کے بستر پہ محوِ خواب
خاموش کربلا میں چراغِ بتولؑ ہے
یا خاک پر جوانیِ دینِ رسولؐ ہے

میں پوچھتی ہوں کیا مرے بچے کا تھا قصور　　کیوں خون میں ڈبو دیا انسانیت کا نور
کیا جرم تھا جواب تو دے فوجِ پُرغرور　　اک قطرہ آب کا مرے اصغرؑ سے دُور دُور
کس طرح اپنا لختِ جگر دیکھتی ہوں میں
نیزے پہ شیر خوار کا سر دیکھتی ہوں میں

میں فاطمہؑ ہوں آج وہ میزانِ درد و غم　　دنیا کے داغِ دل ہیں مرے داغِ دل سے کم
مثلِ حسینؑ یہ بھی الم ہے مرا الم　　دریا پہ میرے شیر کے بازو ہوئے قلم
عباسؑ کربلا میں محافظ ہے دین کا
احساں یہ آمنہؑ پہ ہے اُم البنینؑ کا

احساں تو فاطمہؑ بھی اٹھائے مگر نہیں　　عباسؑ میرا لختِ جگر، میرا مہ جبیں
میری دعاؤں سے ہے یہ فرزند بالیقیں　　خاتم اگر حسینؑ تو عباسؑ ہے نگیں
پیوستہ میرا خون ہے اس سرزمین سے
پرسہ میں لوں گی آج تو اُم البنینؑ سے

کیا سو رہے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گلبدن　　بھائی کی طرح لُٹ گئی پردیس میں بہن
قاسمؑ کی لاش یا کوئی بکھرا ہوا چمن　　شامل ہے اس محاذِ عمل میں مرا حسنؑ
گھر لُٹ گیا جو میرے حسنؑ اور حسینؑ کا
صدقہ دیا ہے آمنہؑ کے نورِ عین کا

میں آمنہؑ کی پوتی ہوں کس کو خبر نہیں　　کیا میری آل وارثِ خیرالبشرؐ نہیں
جو آمنہؑ کا گھر تھا، وہ کیا میرا گھر نہیں　　لیکن کسی کے دل پہ یہاں کچھ اثر نہیں
بیٹھے ہیں اہلِ بیتؑ جو خیموں کی راکھ پر
بربادیوں کا داغ ہے اُمّت کی ساکھ پر

زندہ رہو حسینؑ کے انصارِ باوفا　　شاداں ہے رُوحِ آمنہؑ وہ حق ادا کیا
اب مادرِ حسینؑ کے ہونٹوں پہ ہے دُعا　　خوش ہوں رسولِ حق، وہ صلہ دے تمہیں خدا
محسن ہو فاطمہؑ کے، خوشی پر خوشی ملے
جاگیرِ آمنہؑ میں تمہیں زندگی ملے

اے صاحبانِ مرضیِ داور صد آفریں　　اے ناجیانِ عرصۂ محشر صد آفریں
لوحِ شعور کے مہ و اختر صد آفریں　　اے ناصرانِ سبطِ پیمبرؐ صد آفریں
تم آمنہؑ کے نورِ نظر کے فدائی ہو
میرے لئے حسینؑ ہو، زینبؑ کے بھائی ہو

قیصر خموش نوحۂ زہراؑ ہوا تمام　　تڑپے لہو کے فرش پہ مظلومِ تشنہ کام
یہ مرثیہ شعورِ مروّت ہے لا کلام　　لازم ہے انتساب رسولِ خدا کے نام
صدقہ پسر کا، آبِ بقا دیں گی آمنہؑ
دنیا و آخرت میں جزا دیں گی آمنہؑ

◆◆◆

عروجِ عالمِ نسواں

(حضرتِ فاطمہؑ کی سیرت کے نمایاں پہلو اور اُن کے مصائب)

۱۷ جنوری ۱۹۸۰ء

❖❖

حقوقِ عالمِ نسواں پہ گفتگو کیسی
فدا ہو جس پہ جہالت، وہ آرزو کیسی
چمن میں رہ کے تمنائے رنگ و بُو کیسی
جو اختیار میں ہو، اس کی جستجو کیسی
شعور سے پڑھو ماضی کی زندگانی میں
تمام جلوے ہیں اسلام کی کہانی میں

❖❖

عروجِ عالمِ نسواں

عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن وقارِ دُخترِ آدمؑ ہے مدعائے سخن
بنا رہا ہوں وہ قانونِ ارتقائے سخن رہے گی شانۂ آفاق پر ردائے سخن
سُنا کے سیرتِ فخرِ حرم زمانے کو
سجا رہا ہوں تمدّن کے شامیانے کو

جدید پھول ہیں گلدستۂ ہنر کے لئے جہازِ فکر ہے سب سے جدا سفر کیلئے
لٹا کے حسنِ تخیل نئی سحر کے لئے نقوش چھوڑ رہا ہوں دل و نظر کیلئے
مسافرانِ ادب جب اِدھر سے گزریں گے
ہزار آئینے ان کی نظر سے گزریں گے

ہر آئینے میں نظر آئے گا جہانِ ادب دکھائی دے گا ہر اک لفظ آستانِ ادب
یہ رمزِ شوق سمجھتے ہیں طالبانِ ادب بغیر مرثیہ ممکن نہیں بیانِ ادب
خلافِ مذہبِ فطرت کلام باطل ہے
حقیقتوں کا تبسّم چراغِ منزل ہے

چراغِ منزلِ ہستی ہے پنجتنؑ کی ثنا
یہی وظیفۂ حق ہے یہی متاعِ وفا
وہ کیا ادب کہ جسے رد کرے کلامِ خدا
مزہ تو جب ہے عبارت میں ہو خدا کی رضا
پڑھوں وہ مرثیہ اہلِ ادب عطا کہہ دیں
امامِ وقت جو سُن لیں تو مرحبا کہہ دیں

معاشرے کا معالج ہے مرثیے کا مزاج
اسی مزاج سے بنتا ہے بیگناہ سماج
یہی تو صنفِ سخن ہے کلام کی سرتاج
یہی عمل ہے مقدس خیال کی معراج
فروغِ مرثیہ، تعمیرِ زندگانی ہے
اسی شعور میں کردار کی جوانی ہے

جنہیں عزیز ہے دنیا میں آبروئے زباں
جنہیں پسند ہے معصوم زندگی کا بیاں
گراں ہے جن کی نظر پر مبالغے کا دُھواں
وہ جانتے ہیں صداقت کی روشنی ہے کہاں
تلاشِ امن عبث ہے غزل کے آنگن میں
ملے گا شہرِ سکوں مرثیے کے دامن میں

فضائیں کہتی ہیں شہرِ سکوں میں آ جاؤ
جو ظلمتوں سے بھری ہو وہ راہ ٹھکراؤ
بساطِ خلق پہ منصف مزاج کہلاؤ
اندھیرے چھوڑ کے سورج کا نور اپناؤ
جو بے مثال ہے اس روشنی کی بات کرو
خدا کا نام لو اپنے نبیؐ کی بات کرو

سدا بہار ہے تعلیمِ مصطفیٰؐ کا چمن
شعور چاہیے تاریخ ہے شگفتہ دہن
اُتار دے اگر انسان غفلتوں کا کفن
نظر نظر ہو شرافت کے نور کا گلشن
زمیں کا فرش سجے عرش کی ہوا آئے
خدا خدا ہو، مساواتِ مصطفیٰؐ آئے

چمن کی طرح مہک جائے مرد وزن کی حیات جمالِ عزت و حرمت سے ہو تجلیِ ذات
دل و نظر میں سما جائیں حق پسند صفات کلام آئے زبانوں پہ صورتِ آیات
رہِ عمل کے لئے مصطفیٰؐ کی باتیں ہوں
علیؑ کا ذکر ہو خیرالنساءؑ کی باتیں ہوں

حقوقِ عالمِ نسواں پہ گفتگو کیسی فدا ہو جس پہ جہالت وہ آرزو کیسی
چمن میں رہ کے تمنائے رنگ و بُو کیسی جو اختیار میں ہو اس کی جستجو کیسی
شعور سے پڑھو ماضی کی زندگانی میں
تمام جلوے ہیں اسلام کی کہانی میں

ہر اک سوال کا بہتر جواب زندہ ہے صداقتوں کا مکمل نصاب، زندہ ہے
بہارِ باغِ رسالت مآبؐ زندہ ہے خدا کے بندو خدا کی کتاب، زندہ ہے
بیانِ عظمتِ خاتونِ کائنات سُنو
مباہلے کی زباں سے خدا کی بات سُنو

یہ گفتگو ہے کتابِ خدا کے ہونٹوں پر نساء نا کا شرف ہے رسولؐ کی دُختر
حیاتِ فاطمہ زہراؑ اگر ہو پیشِ نظر معاشرے میں نظر آئے لازوال سحر
مثالِ جلوۂ خورشید، بندگی پھیلے
تمام اجرِ رسالتؐ کی روشنی پھیلے

بنامِ فاطمہؑ اُمت کی بیٹیاں جاگیں نگاہِ عقل سے رفتارِ زندگی دیکھیں
برائے غیرتِ دل اپنے آپ سے پوچھیں کسے ملے گی جگہ فاطمہؑ کی محفل میں
خدا کرے وہ تماشائے روزگار نہ ہوں
رسولؐ پاک کی بیٹی سے شرمسار نہ ہوں

خدا کرے کوئی مثلِ ہوائے شر نہ پھرے
خدا کرے کوئی حرمت سے بے خبر نہ پھرے
کسی لباس سے اسلام کی نظر نہ پھرے
خدا کرے کوئی ناموس ننگے سر نہ پھرے
مزاجِ وقت کو غیرت کا نور مل جائے
بہ فیضِ بنتِ پیمبرؐ شعور مل جائے

کسی کی آنکھ سے زائل نہ ہو جمالِ حجاب
کسی بدن سے اُترنے نہ پائے شالِ حجاب
خدا کرے کبھی ظاہر نہ ہو زوالِ حجاب
حجاب والوں کو ہر دم رہے خیالِ حجاب
ہر امتحان میں شرعِ نبیؐ کا پاس رہے
تمام ملّتِ زہراؑ خدا شناس رہے

شعور کہتا ہے یثرب کی روشنی دیکھو
عمل کی فرد پہ تحریرِ انقلاب پڑھو
درِ بتولؑ سے معنیِٔ زندگی سمجھو
یہی مقامِ ادب ہے بقیدِ ہوش رہو
ہدایتوں کے سمندر بہا گئے ہیں رسولؐ
خود اپنی لختِ جگر کو سجا گئے ہیں رسولؐ

خدا کے گھر کا تقدّس ہے اس ادا پہ گواہ
اسی ادا پہ نچھاور تمام عزت و جاہ
وہ نورِ عین کے چہرے پہ مصطفےٰؐ کی نگاہ
گلے لگائے جسے انما یُرِیدُ اللہ
تجلیوں کا دبستان پڑھ رہے تھے رسولؐ
رُخِ بتولؑ پہ قرآن پڑھ رہے تھے رسولؐ

بتا رہے تھے زمانے کو سرورِؐ عالم
مرے چراغ کے جلووں سے ہے ضیائے حرم
جمالِ عظمتِ حواؑ، عبادتِ مریمؑ
جبینِ بنتِ خدیجہؑ میں ہر شرف ہے بہم
یہ فخرِ آمنہؑ سرمایۂ رسولؐ بھی ہے
یہ فاطمہؑ بھی ہے، زہراؑ بھی ہے، بتولؑ بھی ہے

یہی تو نورِ نظر ہے بقائے دینِ خدا　　اسی کی شان ہے عظمت نمائے دینِ خدا
خدا نے خلق کیا ہے برائے دینِ خدا　　یہ جانتی ہی نہیں کچھ سوائے دینِ خدا
اگر یہ خوش ہے تو میں خوش ہوں کبریا کی قسم
اسی کا درد مرا درد ہے خدا کی قسم

یہ فاطمہؑ ہے مرے چہرۂ عمل کا نکھار　　یہ فاطمہؑ ہے مرا آئینہ، مرا کردار
یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ میرے دل کا قرار　　یہ فاطمہؑ ہے مرے اہلِ بیتؑ کا معیار
یہی کلی مرے صحنِ چمن کا حاصل ہے
میں انقلاب کا پیکر تو فاطمہؑ دل ہے

صداقتوں کی تگ و تاز ہے مری زہراؑ　　رضائے حق میں سرافراز ہے مری زہراؑ
مرے بیان کا اعجاز ہے مری زہراؑ　　زبانِ شرع کی آواز ہے مری زہراؑ
تمام حسنِ شرافت، اسی کے نام سے ہے
مرا ادب مری زہراؑ کے احترام سے ہے

خدا کا حکم، رسولؐ خدا کا یہ ارشاد　　حقیقتاً ہے زمانے میں امن کی بنیاد
اب اس کے بعد جہاں بھی ملا ہے رنگِ تضاد　　بیاں ہوئی ہے وہیں سے روایتِ بیداد
فسادِ ذہنیت اُبھرا، حیا تمام ہوئی
درِ بتولؑ سے ہٹ کر عمل کی شام ہوئی

رسولؐ حق نے دیا فاطمہؑ کو وہ زیور　　سلام کرتی ہے جس کو مشیتوں کی نظر
عقیقِ خیرِ عمل سے بنا کے دو گوہر　　سجائے بیٹی کے کانوں میں یہ دُعا دے کر
صدائے دینِ خدا میری گلعذار سُنے
لبِ بتولؑ کی ہر بات کردگار سُنے

اڑھا کے لاڈلی بیٹی کو چادرِ تطہیر
بنا دی معنیِ عصمت کی بولتی تصویر
یہ بات کہہ کے عطا کر دیا خود اپنا ضمیر
مرا وجود ہے قرآں، تو فاطمہؑ تفسیر

تمام آیتیں مرکز کا احترام کریں
یہ سیدہؑ ہے اسے عظمتیں سلام کریں

کہا جو "بضعتہٗ منی" تو ہو گیا معلوم
دلِ رسولؐ کی صورت ہے فاطمہؑ معصوم
کمالِ علم سے ایسا بنا دیا مقسوم
نصیب ہو گئے گیارہ اماموں کے نجوم

وقارِ بنتِ نبیؐ میں نہ کچھ کمی آئے
خدا کے گھر میں اسی واسطے علیؑ آئے

علیؑ کے فرق پہ، تاجِ امامتِ اوّل
بتولؑ کے لئے عصمت کے نور کی فرغل
علیؑ کے واسطے مشکل کشائی کی مشعل
بتولؑ کے لئے رحمت کی آیتیں آنچل

علیؑ کے واسطے گردوں سے ذوالفقار اُتری
لبِ بتولؑ پہ تسبیحِ کردگار اُتری

علیؑ کے تن پہ سجایا، لباسِ نفسِ نبیؐ
نقابِ سورۂ کوثر بتولؑ کو بخشی
اگر ولایتِ قرآں کے حکمراں ہیں علیؑ
بتولؑ سلطنتِ دو جہاں کی شہزادی

علیؑ پہ علم کی تابانیاں نثار ہوئیں
بتولؑ فکرِ پیمبرؐ کی شاہکار ہوئیں

علیؑ کے واسطے لا سیف ولا فتیٰ کی سند
بتولؑ افضلِ نسواں ازل سے تا بہ ابد
علیؑ کے ہاتھ محمدؐ کے قافلوں کی مدد
بتولؑ قصرِ نبوت میں صاحبِ مسند

علیؑ عنایتِ یزداں سے شیرِ یزداں ہیں
بتولؑ باپ کی نظروں میں دین کی ماں ہیں

علیؑ وجودِ امامت میں زندگی کی طرح　　بتولؑ چشمِ نبوّت میں روشنی کی طرح
علیؑ کے خواب کا انداز بھی نبیؐ کی طرح　　بتولؑ نصرتِ اسلام میں علیؑ کی طرح
علیؑ لسانِ خدا حاصلِ تکلّم ہیں
بتولؑ سیّدِ کونینؐ کا تبسّم ہیں

علیؑ بحکمِ نبیؐ بوتراب کہلائے　　لباسِ خُلد دعائے بتولؑ سے آئے
علیؑ کے نام سے مردہ حیاتِ نو پائے　　بتولؑ کے لئے تارا فلک سے آ جائے
علیؑ نے اہلِ طلب کو ولایتیں دے دیں
لبِ بتولؑ نے فضّہ کو آیتیں دے دیں

علیؑ مقدّرِ کعبہ چراغِ وحدت ہیں　　بتولؑ احمدِؐ مختار کی بضاعت ہیں
علیؑ ولیِ خدا، منبعٔ امامت ہیں　　بتولؑ پیشِ خدا معدنِ رسالتؐ ہیں
علیؑ کا نام طبیعت کو نور دیتا ہے
درِ بتولؑ سے رضوان بھیک لیتا ہے

بڑے خلوص سے تاریخِ کائنات پڑھی　　علیؑ سا کوئی تو ملتا، مگر ملا نہ کوئی
کتابِ خلق میں دیکھا تو یہ ادا بھی ملی　　فقط بتولؑ کی تعظیم کو اُٹھے ہیں نبیؐ
نبیؐ سے پوچھا تو دنیا کو یہ جواب ملا
بتولؑ ہی سے شہادت کا آفتاب ملا

خیالِ قصۂ معراج سے ملا یہ سخن　　خدا کی بات کا معیار ہے علیؑ کا دہن
دیا ہے دعوتِ معراج نے یہ دُرِّ یمن　　بتولؑ میوۂ قدرت سے نظمِ رُوح و بدن
علیؑ تلاطمِ ہستی میں اک سفینہ ہیں
بتولؑ خاتمِ اسلام کا نگینہ ہیں

علیؑ کی شان میں نادِ علیؑ کا آئینہ بتولؑ حُسنِ عمل سے نبیؐ کا آئینہ
علیؑ امامِ مبیں زندگی کا آئینہ بتولؑ اصل میں پیغمبریؐ کا آئینہ
علیؑ نہیں تو صداقت میں عرض و طول نہیں
جہاں بتولؑ نہیں ہیں، وہاں رسولؐ نہیں

تلاشِ حق میں صدائے ضمیر سے پوچھو ہدایتوں کی رہِ مستنیر سے پوچھو
خطاب کیا ہے مقامِ غدیر سے پوچھو کسا کے واقعۂ دل پذیر سے پوچھو
علیؑ، رسولِؐ خدا کے سخن کا مرکز ہیں
بتولؑ، معرفتِ پنجتنؑ کا مرکز ہیں

علیؑ کا تذکرہ، انسان کی عبادت ہے ثنائے فاطمہؑ قرآن کی تلاوت ہے
علیؑ سے عشق تقاضائے آدمیّت ہے ولائے فاطمہؑ اللہ سے محبت ہے
گلابِ حمد کی خوشبو علیؑ کے پیکر میں
نبیؐ کا سایہ ہے بنتِ نبیؐ کی چادر میں

علیؑ کے دوش پہ بہبودیِ جہاں کا علم بیانِ فاطمہؑ آدابِ زندگی کا بھرم
علیؑ کی آنکھ سے پیمائشِ وجود و عدم جہانِ فاطمہؑ خیرالوریٰ کا جاہ و حشم
علیؑ کی روشنی علمِ نبیؐ کے شہر میں ہے
تمام آب و نمک فاطمہؑ کے مہر میں ہے

علیؑ نے شکر سے مزدوریوں میں دن کاٹے نبیؐ کی بیٹی نے چکی میں خشک جو پیسے
علیؑ نے باغوں میں پانی دیا، جہاد کیے نبیؐ کی بیٹی نے فاقوں میں بھر دیے سجدے
جہادِ نفس کا میداں علیؑ کے ہاتھ رہا
کمالِ صبر و رضا فاطمہؑ کے ساتھ رہا

علیؑ کے چہرۂ اقدس پہ انبیاؑ کا جلال　　وجودِ فاطمہؑ زہرا میں مصطفےؐ کا جمال
علیؑ کے دم سے جہاں میں تجلیوں کے نہال　　متاعِ فاطمہؑ زہرا حسنؑ حسینؑ سے لال
علیؑ نے مسجدِ کوفہ میں زخم کھایا ہے
زمانے والوں نے زہراؑ کو بھی رُلایا ہے

جہاں بھی اُلجھنیں آئیں علیؑ نے سلجھائیں　　بتولؑ عرش سے عفت کی روشنی لائیں
تمام قوتیں شیرِ خدا سے گھبرائیں　　بتولؑ پیکرِ زینبؑ میں کربلا آئیں
علیؑ کو وارثِ علمِ رسولؐ کہتے ہیں
بتولؑ وہ جنہیں اصلِ اُصول کہتے ہیں

علیؑ زمانے میں تاریخِ کامرانی ہیں　　شجاعتوں کے چمن کی بھری جوانی ہیں
مگر اشارۂ فطرت کے یہ معانی ہیں　　بتولؑ، احمدِ مرسلؐ کی زندگانی ہیں
بجز، بتولؑ یہ رتبہ نہیں کسی کے لئے
حسینؑ دے دیا دنیا کو زندگی کے لئے

علیؑ کی ضرب کا حاصل ہے دین کا قانون　　درِ بتولؑ کے ذرّے ہیں آسماں کے ستون
علیؑ کی فکر، شریعت کا مستقل مضمون　　درِ بتولؑ سے ملتا ہے رازِ کُن فیکون
علیؑ کی ذات اگر محورِ زمانہ ہے
درِ بتولؑ امامت کا آستانہ ہے

اس آستاں پہ جھکو دولتِ بقا کیلیئے　　یہی نجات کا مرکز ہے، دوسرا کیلیئے
اگر زمانے میں زندہ ہو مصطفےؐ کیلیئے　　اس آستاں پہ عبادت کرو خدا کیلیئے
دلِ نبیؐ سے الگ، عشقِ کردگار نہیں
بغیرِ فاطمہؑ زہرا، خدا کا پیار نہیں

خدا کے پیار کی جنت ہے خانۂ زہراؑ   جہاں مزاجِ رسالتؐ کی خوشگوار ہوا
نفس نفس میں وہ سبحانَ رَبّنا کی صدا   حسنؑ حسینؑ کی خوشبو مشقتوں کی صبا
علیؑ کا حکم نبیؐ کی ہدایتوں کی طرح
حیاتِ زینبؑ و کلثومؑ آیتوں کی طرح

وہ ایک چھوٹا سا گھر پوری کائنات کا دل   وہ ایک حجرہ امامت کے نور کی منزل
وہ بام و در جنہیں سجدہ کرے مہِ کامل   وہ ایک نخل کے سائے میں خُلد کی محفل
ادب کے ساتھ بلندی کا ہر نشان جھکے
جہاں کنیز کے رتبے پہ آسمان جھکے

وہ فرش جس کو توکل کی چاندنی کہیے   وہ بوریہ جسے غالیچۂ نبیؐ کہیے
وہ ظرف جس کو غریبوں کی زندگی کہیے   وہ آسیہ جسے احساس پروری کہیے
نظامِ شکر پہ ہر فکر احترام کرے
وہ ایک مشک، سمندر ہے جسے سلام کرے

دُھواں تنور سے اُٹھا تو سائلوں کیلئے   خمیر ہو گیا آٹا مسافروں کے لئے
سکونِ قلب کا سامان بیکسوں کیلئے   غذائے صبر و رضا اپنے کمسنوں کے لئے
اسی مقام پہ خیرالعمل کے جلوے ہیں
یہی وہ گھر ہے جہاں انقلاب پلتے ہیں

زبانِ فخر و شرف میں فضاؤں کی آواز   کے نصیب ہے صحنِ بتولؑ کا اعزاز
اسی زمیں کا مقدر ہے روشنی کی نماز   یہاں ملیں گے زمانے کو دین کے دمساز
صداقتوں کی تجلی اسی چراغ میں ہے
بہارِ دینِ خدا فاطمہؑ کے باغ میں ہے

تمام خلق سے اب تک ہے دین کی فریاد — جہانِ خیر پہ کیوں چھا گئی ہوائے فساد
سوال کرتا ہے ماضی کا منظرِ بے داد — نبیؐ کی لاڈلی کا باغ کیوں ہوا برباد
زمانے بھر کی نظر دشمنِ وفا دیکھی
دلِ نبیؐ پہ جفاؤں کی انتہا دیکھی

وہ باغ، جس کے شجر سر بلندیِ انساں — اُسی کے واسطے دریا کے پاس آبِ خزاں
وہ باغ، جس کے ثمر حاصلِ زمین و زماں — اُسی کے واسطے شعلوں کا بے پناہ دُھواں
وہ باغ، جس کا شرف بڑھ گیا خدائی سے
جلا دیا اُسے اُمت نے بے وفائی سے

وہ باغ جس نے عطا کی زمانے بھر کو بہار — اُسی کی جھومتی شاخوں پہ چل گئی تلوار
وہ باغ جس کی مہک ساری زندگی کا قرار — اُسی کے پھولوں کی رنگت ہے مقتلوں کا نکھار
جو لے کے آئے تھے خوشبو کا رنگ دنیا میں
بکھر گئے وہی موتی ستم کے صحرا میں

ملا تھا جس کے تبسم سے خُلد کا مضموں — اُسی کو لوٹنے آئے عرب کے اہلِ جنوں
تھا جس کا لال گھنی چھاؤں، مصطفٰیؐ کا سکوں — اُسی پہ درد کے بادل، اسی پہ بارشِ خوں
جسے سلام کیا صبح کی فضاؤں نے
اُسے اجاڑ دیا، شام کی ہواؤں نے

عذاب خانۂ دنیا وہ محشرِ دنیا — وہ کربلا کی زمیں پر ہجومِ کرب و بلا
چلی اسی کے چراغوں پہ ظلمتوں کی ہوا — وہ جلتی ریت پہ خیمے وہ العطش کی صدا
اندھیرے چھائے تھے اسلام کے اُجالوں پر
غضب کی دھوپ تھی زہراؑ کے نونہالوں پر

ادھر محاذ پہ کفرِ ابولہب فوجیں ۔ اِدھر نبیؐ کی دعاؤں سے حیدری ضربیں
اُدھر شقاوتِ ہندہ کی بے حیا نسلیں اِدھر شہادتِ حمزہؓ کی آبرو نظریں
اُدھر خیالِ ابوجہل کا سفینہ تھا
اِدھر رسولؐ کے کردار کا مدینہ تھا

شبِ سیاہ اُدھر تھی اِدھر جمالِ سحر اُدھر سیاستِ دنیا اِدھر علیؑ کی نظر
بتوں کا فسق اُدھر تھا' خدا کی شان اِدھر اُدھر تمام زمانہ' اِدھر بتولؑ کا گھر
اُدھر خمارِ حکومت' شراب کی باتیں
اِدھر نظامِ رسالت مآبؐ کی باتیں

وہاں تکبّرِ دولت پہ زندگی کا نظام یہاں برنگِ مشیّت ہدایتوں کا کلام
وہاں فریبِ مسلسل، مذاقِ بد انجام یہاں شبابِ شریعت' جوانیِ اسلام
وہاں ضمیر فروشوں کا اژدہام ہوا
یہاں شہادتِ عظمیٰ کا اہتمام ہوا

وہاں جفا کے پجاری تمام ظلم طراز یہاں خلوص کے سجدے شعورِ ناز و نیاز
وہاں شکستِ حیا پر صدائے بربط و ساز یہاں لہو کے مصلّے نماز کا انداز
وہاں یہ فکر، صداقت کا کارواں نہ رہے
یہاں یہ عزم کہ ظالم کی داستاں نہ رہے

لہو بہا تو چمکنے لگا رُخِ عاشور زمین پی گئی زہراؑ کے مہر و ماہ کا نور
لکھا شہیدوں نے مقتل پہ دین کا دستور حسینؑ دے گئے دنیا کو انقلابِ شعور
گرے تھے پیار کے آنسو پسر کے زخموں پر
حسینؑ ذبح ہوئے فاطمہؑ کے ہاتھوں پر

فضائیں چیخ اُٹھیں آج لُٹ گئیں زہراؑ تباہ ہو گیا گلزارِ سیدِّ بطحاؐ
سناں کی نوک پہ قرآن خون رونے لگا خیام جلنے لگے کوئی پاسباں نہ رہا
یتیم بچے طمانچوں سے بلبلائے ہوئے
علیؑ کی بیٹیاں بالوں سے منہ چھپائے ہوئے

کہا یہ ڈوبتے سورج نے، روشنی نہ رہی حسینؑ اٹھ گئے، دنیا میں دل کشی نہ رہی
کٹے ہیں خشک گلے کوئی تشنگی نہ رہی کمال ہے لبِ زینبؑ پہ آہ بھی نہ رہی

عجب ادا سے تنِ پاش پاش کو دیکھا
بہن کے صبر نے بھائی کی لاش کو دیکھا

بہن نے بھائی کے پھیلے ہوئے لہو سے کہا تری قسم ہے مجھے شیرِ فاطمہؑ زہرا
بہے گا آج سے تیری حیات کا دریا ترے وقار کو سمجھوں گی اپنے سر کی ردا

مثالِ فاطمہؑ ہر دُکھ میں مسکراؤں گی
حسینؑ زندہ ہیں، دنیا کو یہ بتاؤں گی

تو فاطمہؑ کی کمائی ہے مصطفیٰؐ کے لہو مرے خطاب سے پھیلے گی اب تری خوشبو
خوشی سے اہلِ ستم باندھ لیں مرے بازو اب انقلاب کا طوفان ہیں تھکے آنسو

اُٹھے گی فاطمہؑ کے نورِ عین کی آواز
سُنے گا سارا زمانہ، حسینؑ کی آواز

غریب پیاسے کے تازہ لہو علیؑ کے چراغ جلیں گے اب ترے صدقے میں زندگی کے چراغ
یہ کہہ رہے ہیں ستمگر بجھے نبیؐ کے چراغ مگر زمانے سے کہہ دیں گے بیکسی کے چراغ

یہ قتل گاہ کا منظر دلوں میں اُترے گا
گھٹا کو توڑ کے زہراؑ کا چاند اُبھرے گا

مرے اَخی کے لہو تُو ہے فکر کی تلوار نثار تیری اداؤں پہ ذوالفقار کی دھار
گلے لگاتی ہے زنجیرِ عابدِؑ بیمار سلام کرتے ہیں بچوں کے نیلگوں رُخسار

شفق کے رنگ میں ہے، مقصدِ رسولؐ میں ہے
تو کربلا پہ نہیں دامنِ بتولؑ میں ہے

زمیں پہ بکھرے ہوئے نور اس بہن کا سلام ستم کی موت ہے اب تیری سرخیوں کا نظام
بتا رہا ہے اسیروں کے حوصلوں کا پیام رہے گا حلقۂ لعنت میں اب یزید کا نام

یہ بے بسی کا گلستاں اثر دکھائے گا
بشر کو فاطمہؑ کا باغ یاد آئے گا

میں عہد کرتی ہوں ماں جائے کے لہو سُن لے — تجھے چھپا نہ سکیں گے یہ ظلم کے پردے
تری کہانیاں زُہرا کے خشک ہونٹوں سے — میں چھین لوں گی زمانے سے دل شکن لہجے

یہ غم نہیں ہے کہ اب سوگوار قیدی ہوں
بہن حسینؑ کی ہوں، فاطمہؑ کی بیٹی ہوں

قضا کے سامنے ہنستے مجاہدوں کی قسم — رہِ وفا کے بہتر مسافروں کی قسم
جفا کی آگ پہ مہکے ہوئے گلوں کی قسم — حسینیت کے نگہباں حسینیوں کی قسم

پڑیں گے جسم پہ دُرّے تو مسکراؤں گی
میں سر کھلے ہوئے دربارِ شام جاؤں گی

نگاہ جانبِ دریا اُٹھی تو اتنا کہا — سُنی تو ہوگی مرے چھوٹے بھائی نے یہ صدا
بہن سے اتنا تو پوچھو رئیسِ شہرِ وفا — ردائے فاطمہؑ زہرا کو کس نے لوٹ لیا

یہ دن بھی دیکھا ہے سبطِ نبیؐ کی بیٹی نے
طمانچے کھائے ہیں عباسؑ کی بھتیجی نے

علیؑ کے شیر کو ساحل پہ جا کے چین آیا — زمانے والوں نے عابدؑ کو طوق پہنایا
جسے بتولؑ نے خود اپنا لال فرمایا! — وہ شیر سویا تو اصغرؑ سا پھول مرجھایا

یہ وقت اور یہ زہراؑ کی بے وطن زینبؑ
اسیر ہو گئی عباسؑ کی بہن زینبؑ

فلک پہ چاند نظر آ گیا لگی برچھی — نگاہ میں علی اکبرؑ کی شکل پھرنے لگی
کلیجہ تھام کے مقتل میں اتنی بات کہی — پھوپھی کا چاند بھی دیکھے، پھوپھی پہ کیا گزری

سحر کا قافلہ اک دن میں نذرِ شام ہُوا
بتولؑ خاک اڑاتی ہیں گھر تمام ہُوا

نہیں ہے تابِ سخن کیا لکھو گے اے قیصر — عجب ہے دُخترِ زہراؑ کے صبر کا منظر
بلا کے دشت میں تھا اس طرح بتولؑ کا گھر — زمیں پہ بکھری تھیں لاشیں تو سر تھے نیزوں پر

کسے پکارتی نفسِ رسولؐ کی بیٹی
رسن میں جکڑی ہوئی تھی بتولؑ کی بیٹی

◆◆◆

عشقِ حسینؑ

(حضرتِ مسلم بن عقیلؑ کی سیرت اور دردناک مصائب)

۵۴ بند۔ ۱۹۶۵ء

maablib.org

❖ ❖

اِس پردۂ زمیں پہ اندھیروں کا کیا گزر
جس پر سجے ہوں اشکِ عزا صورتِ قمر
اے دوستو! کہاں اُسے تنہائیوں کا ڈر
لکھا ہو جس نے خاکِ شفا سے لباس پر
حرزِ پناہ عشقِ شہِؑ مشرقین ہے
میں حیدریؑ ہوں، میرا محافظ حسینؑ ہے

❖ ❖

maablib.org

عشقِ حسینؑ

عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو　　اُس کا نصیب خوب سنورتا ہے دوستو
جو فاطمہؑ کے لال پہ مرتا ہے دوستو　　نقشِ دوام ہو کے اُبھرتا ہے دوستو
دنیا تو ساتھ چھوڑتی ہے خاک ڈال کے
لے جاتے ہیں جناں میں، فرشتے سنبھال کے

مرتا نہیں خدا کی قسم عاشقِ حسینؑ　　ملتا ہے قبر میں بھی اسے زندگی کا چین
رہتا ہے چشم و دل میں جو زہراؑ کا نورِ عین　　کہتی ہے پاؤں چوم کے تقدیرِ مشرقین
اے مرنے والے تیرا مقدر عجیب ہے
زندہ ہے تو، حسینؑ کا پہلو نصیب ہے

عشقِ حسینؑ ہے تو فشارِ لحد کہاں　　آغوشِ خاک ہوتی ہے پھولوں کا بوستاں
وہ اشکِ غم کا آئینہ ذرّوں کے درمیاں　　لپٹی ہو جیسے چاند کے دامن سے کہکشاں
ملتی ہے یوں نجات کی خوشبو کفن کے ساتھ
جس طرح کھیلتی ہیں بہاریں چمن کے ساتھ

اس پردۂ زمین پہ اندھیروں کا کیا گزر — جس پر سجے ہوں اشکِ عزا صورتِ قمر
اے دوستو! کہاں اُسے تنہائیوں کا ڈر — لکھا ہو جس نے خاکِ شفا سے لباس پر
حرزِ پناہ عشقِ شہِ مشرقین ہے
میں حیدریؑ ہوں، میرا محافظ حسینؑ ہے

وہ بے ہوا مکان، وہ تبخیر کا حصار — دنیا کی گفتگو میں قیامت کا اضطرار
وہ بندشِ غبار کا عالم تہہِ غبار — جبریلِؑ ذہن جس کے تصور سے بیقرار
ایک ایک ذرّہ شعلۂ خنداں سے کم نہیں
عشقِ حسینؑ ہے تو گلستاں سے کم نہیں

اُس کے لئے عبث ہے نکیرین کا سوال — دے جرأتِ جواب جسے فاطمہؑ کا لالؑ
اُس کے بدن کو گرمیِ محشر کا کیا خیال — اوڑھی ہو جس نے گردِ رہِ کربلا کی شال
عشقِ حسینؑ جس کے عمل کی کتاب ہے
اس کے لئے اجل کا پسینہ گلاب ہے

کیسے نہ اُس کے ہونٹ ہوں جامِ بقا سے تر — سویا ہو جو حسینؑ کے قدموں کو چوم کر
وہ کس طرح صراط سے گزرے نہ بے خطر — کلمہ ہو ''یا حسینؑ'' کا جس کی زبان پر
فکرِ حساب کیا ہو اُس انسان کے لئے
قرآن لے کے جائے جو میزان کے لئے

عشقِ حسینؑ فکر کی رعنائیوں کا نام — عشقِ حسینؑ درد شناسائیوں کا نام
اسلام پروری کی توانائیوں کا نام — عشقِ حسینؑ رُوح کی سچائیوں کا نام
یہ افتخار جس کا ہمائے نصیب ہے
وہ آدمی حبیبؑ خدا کا حبیب ہے

عشقِ حسینؑ رحمتِ یزداں کا پھول ہے
عشقِ حسینؑ نکہتِ باغِ اُصول ہے
یہ دردِ کائناتِ علیؑ و بتولؑ ہے
عشقِ حسینؑ اصل میں عشقِ رسولؐ ہے
یہ آئینہ ہے فکر و نظر کے شباب کا
عشقِ حسینؑ نام ہے اک انقلاب کا

ہر سانس کو نصیب ہو غربت کی دوپہر
برسائیں دُھوپ درہم و دینار کے شجر
دنیا کی بے رُخی ہو طبیعت کی ہم سفر
محلوں کے بدلے عمر کٹے فرشِ خاک پر
ہر غم گمان و وہم کی منزل کے نام ہے
عشقِ حسینؑ ہے تو زمانہ غلام ہے

دنیا طلسم خانۂ خواب و خیال ہے
ہر ہر قدم فریب کا رنگین جال ہے
چاروں طرف عروسِ گنہ کا جمال ہے
ظلمت کی بجلیوں میں سنبھلنا محال ہے
غالب نہ ہو گا اُس پہ دھواں، مشرقین کا
سورج ہو جس کے قلب میں عشقِ حسینؑ کا

بیداریِ حیات ہے عشقِ حسینؑ میں
سرمایۂ نجات ہے عشقِ حسینؑ میں
انسانیت کی بات ہے عشقِ حسینؑ میں
تسخیرِ کائنات ہے عشقِ حسینؑ میں
پایا فروغِ رُوح اسی دل کے چین سے
فطرت بلند ہوتی ہے عشقِ حسینؑ سے

سیلابِ ظلم و جور ہو یا بیکسی کی دار
تکلیف کے پہاڑ ہوں یا درد کا غبار
آندھی کی طرح گھیر لیں شعلوں کے آبشار
یا وقت کے ببول سے پیدا ہوں خارزار
میدانِ کربلا پہ نظر ہو تو غم نہیں
عشقِ حسینؑ، سینہ سپر ہو تو غم نہیں

ماضی کے آئینے میں اُبھرتی ہوئی دلیل ابتک ہے آدمی کے لئے سیرتِ جلیل
راہِ خدا میں لگتی ہے جب موت کی سبیل عشقِ حسینؑ ہوتا ہے مسلم بنِ عقیلؑ
کرتا ہے زیرِ نخوتِ شاہی کو اس طرح
خنجر شگاف دیتا ہے ماہی کو جس طرح

اے دوستو! متاعِ وفا ہے وہ داستاں دہرا رہی ہے جس کو زمانے کی ہر زباں
کوفے میں جب زیاد کا بیٹا تھا حکمراں تھا ہر قدم سفیرِ حسینؑ کا امتحاں
ہر ذہن کو یزید کی دولت قبول تھی
خنجر کی دھار، اُلفتِ آلِ رسولؐ تھی

پرچم کھلے تھے ظلم و شقاوت کے نام پر مرگِ ضمیر عام تھی بیعت کے نام پر
تحقیرِ صبح، شام کی ظلمت کے نام پر خنجر تلے تھے قتل حقیقت کے نام پر
افرادِ زر پرست کا اک اژدہام تھا
خونِ حسینؑ کے لئے سب انتظام تھا

وہ مسجدوں میں کُفر نمائی کے مشورے وہ منبروں پہ رقص، وہ خوں ریز فیصلے
قرآں اُٹھا اُٹھا کے مسلمان بول اُٹھے ہولی کھلے گی خونِ رسالت مآبؐ سے
دینار کی ہوس تھی مسلّط یقین پر
خوشنودیِ یزید مقدّم تھی دین پر

کہتے تھے جانمازوں پہ کوفے کے کلمہ گو وقت آئے گا تو قتل کریں گے حسینؑ کو
کس نے کہا خیالِ زر و مال چھوڑ دو جو کچھ بھی ہو بہ مرضیِ ابنِ زیاد ہو
دنیا تو ہاتھ آئے گی جنّت اگر نہیں
دولت ملے خدا کی عدالت کا ڈر نہیں

گھر گھر ہوا تباہیِ کعبہ کا اہتمام	گلیوں میں بک رہا تھا رسولؐ خدا کا نام
ہر ذہن میں حلال کی منزل پہ تھا حرام	یا ملحدوں کی قید میں اسلام کا نظام
بدعت کی تلخیوں سے فضاؤں میں زہر تھا
کوفہ منافقت کے رئیسوں کا شہر تھا

حاصل جو تھے کھنکتے ہوئے نقرئی طبق	ڈوبی ہوئی تھی جامِ ہوس میں صدائے حق
اتنا اثر پذیر تھا الحاد کا سبق	آلودۂ شراب تھے، قرآن کے ورق
ہر قلب کو فسادِ مسلسل سے کام تھا
ایمان صرف خواہشِ حاکم کا نام تھا

خوفِ بنِ زیاد سے تھرّا کے ہر بشر	رستوں میں پھینکتے رہے ایمان کی سپر
خالی ہوئی حمیت و غیرت سے ہر نظر	پھیلا سوادِ شام نہاں ہو گئی سحر
احساس کے چراغ کی لَو تھرتھرا گئی
انسانیت قضا کے شکنجے میں آ گئی

کوفے کے بام و در سے نکلتا ہوا دُھواں	لکھتا تھا آسماں پہ قیامت کی داستاں
راہوں کے ذرّے ذرّے کی سہمی ہوئی زباں	ہر موڑ پر تھی ظلم کے تیور کی ترجماں
آسیب کشت و خون ٹہلتا تھا فوق سے
دنیا جھکی ہوئی تھی غلامی کے طوق سے

کوئی نہ تھا جو حق کے لئے باندھتا کمر	کوئی نہ تھا جو توڑتا حاکم کا کرّوفر
کوئی نہ تھا جو تیغ پہ رکھتا خود اپنا سر	کوئی نہ تھا ٹھہرتا جو شعلوں کی راہ پر
ایسے میں حق کی بات بنانے کے واسطے
مسلمؓ اُٹھے، لہو میں نہانے کے واسطے

مسجد میں آ کے خلق سے اتنا کیا کلام　　لوگو سنو، حسینؑ ہیں کونین کے امام
آغوشِ مصطفےٰؐ نے کیا جن کا احترام　　شاہد ہیں ان کے حسنِ عمل پر یہ صبح وشام
فرزندِ مرتضیٰؑ ہیں شہِ مشرقین ہیں
حق تو یہ ہے کہ لائقِ بیعت حسینؑ ہیں

افضل ہے کائنات سے ذرّیتِ رسولؐ　　بہتر ہے سب سے گلشنِ وحدانیت کا پھول
اے کوفیو، اُسی کی اطاعت کرو قبول　　جس کا ہر اک اصول ہے پیغمبری اُصول
بیعت اسی کی فرض ہے انساں کے واسطے
قرآں ہے جس کی بات مسلماں کے واسطے

اے کوفیو! ضمیر کی آواز تو سُنو　　باطل کی آگ پھیل رہی ہے ہوا نہ دو
جانا ہے تم کو قبر میں اتنا تو سوچ لو　　دولت کی آرزو میں نہ ایمان سے پھرو
ہر شخص پر عیاں ہے خباثت یزید کی
پھر بھی گلے کا ہار ہے بیعت یزید کی

اے کوفیو، وہ عہد وہ پیمان کیا ہوئے　　خط بھیج کر کئے تھے جو تم نے حسینؑ سے
کیا سوچ کر وفا کے ارادے بدل دیے　　کیوں آ گئے ہو جال میں ابنِ زیاد کے
بولو خدا کے حکم سے کیوں منہ پھرا لیا
کیوں تم نے زندگی کو جہنم بنا لیا

مسلمؑ کے اس خطاب سے اتنا ہوا اثر　　ڈوبا خلیجِ شرم و تفکر میں ہر بشر
مجمع بڑھا، منجھی ہوئی تلواریں سونت کر　　بیعت کو ہاتھ رکھ دیئے مسلمؑ کے ہاتھ پر
کھائی قسم ثوابِ شہادت کے واسطے
وعدہ کیا حسینؑ کی نصرت کے واسطے

لیکن ذرا سی دیر میں دنیا بدل گئی قلب و نظر سے بوئے شرافت نکل گئی
تیغِ ہوس شعور کی گردن پہ چل گئی ہر زندگی یزید کے مقصد میں ڈھل گئی
ہمت کے مدعی ہدفِ آہ بن گئے
جو خود کو شیر کہتے تھے روباہ بن گئے

دیکھا جو زندگی کا بدلتا ہوا نظام مسلمؑ نے مڑ کے جانبِ کعبہ کیا کلام
مولا حسینؑ لیجئے اب آخری سلام پہنچا دیا غلام نے سرکارؑ کا پیام
غیرت فروش لشکرِ ابنِ زیاد ہے
اب آپ کے سفیر کو جوشِ جہاد ہے

مولاؑ یہ غم نہیں ہے کہ تنہا لڑوں گا میں آنکھوں میں رکھ کے آپ کا نقشہ لڑوں گا میں
کیسے بتاؤں آپ کو، پیاسا لڑوں گا میں اے کاش آپ دیکھتے کیسا لڑوں گا میں
دنیا تمام دنگ نہ رہ جائے تو سہی
تاریخ میں یہ جنگ نہ رہ جائے تو سہی

اب آپ کا سفیر ہے اور برچھیوں کی شام اب آپ کا غریب ہے اور اجنبی مقام
روکے بنِ زیاد کی فوجوں کا اژدہام مولاؑ کا نام لے کے نکلتا ہے یہ غلام
آئے مقابلے میں کلیجہ کسی کا ہے
مولا کا جانثار، بھتیجا علیؑ کا ہے

یہ کہہ کے آستین الٹ لی بہ کرّوفر نکھرا جلال تیغ کا آئینہ دیکھ کر
قرباں ہُوا جو حسنِ شجاعت جبین پر سر پر لگا حسینؑ کی نصرت کا چترِ زر
انداز پر جہانِ وفا جھومنے لگا
تقدیر کا عقاب قدم چومنے لگا

چلنے لگے جو گھر سے تو فطرت نے دی صدا		مسلمؑ خدا کے دین کی تصویر، مرحبا
اپنے جگر کے ٹکڑوں کا وارث کسے کیا		اس اجنبی دیار میں بچوں سے کیا کہا
واقف نہیں کسی سے کہاں سر چھپائیں گے
مسلمؑ تمہارے لاڈلے کس گھر میں جائیں گے

بچوں کی بیکسی پہ جو مسلمؑ نے کی نظر		دونوں کو اپنے پاس بلایا بچشمِ تر
فرمایا اپنے پیاروں پہ قربان ہو پدر		یہ میرے ماہتاب، یہ ظلمت، یہ اہلِ شر
پردیس ہے، کسی پہ بھروسہ یہاں نہیں
اے لاڈلو! خدا کے سوا مہرباں نہیں

کوفے کے لوگ رحم کریں گے یہ ہے بعید		ان کے لئے تو جلوۂ دام و درم ہے عید
کیا ہے جو آج ان کا سہارا ہوا یزید		اللہ کے حضور ہماری بھی ہے شنید
جس حال میں رکھے وہ نگہبان، ٹھیک ہے
بچو! شریکِ حال وہی لاشریک ہے

بچو! کوئی رفیق خدا کے سوا نہیں		اس آسرے سے بڑھ کے کوئی آسرا نہیں
کرنا نہ غم کہ باپ کا سایہ رہا نہیں		کس کو جہاں میں داغِ یتیمی ملا نہیں
جو وقت بھی دکھائے مقدر گزارنا
اے لاڈلو! تم اپنے خدا کو پکارنا

ہم تو چلے حصولِ شہادت کے واسطے		چھوڑا تمہیں مصائبِ غربت کے واسطے
یہ مرحلے ہیں دین کی نصرت کے واسطے		بچو قوی رہو غمِ فرقت کے واسطے
زنداں کی شام ہو کہ طمانچوں کی رات ہو
بچو! ادائے صبر میں سجدوں کی رات ہو

بچو! مجھے یقیں ہے کٹیں گے تمہارے سر ٹکڑے کریں گے میرے ستاروں کو بد گہر
بچو! یہ مرحلہ بھی دکھائے اگر نظر بھائی ڈرے نہ خون میں بھائی کو دیکھ کر
آنکھوں میں ہمتوں کے اُجالے بسے رہیں
ہونٹوں پہ شکر، تیغ کی زد پر گلے رہیں

تلوار ایک بھائی کی گردن پہ ہو رواں حمدِ خدا میں دوسرے بھائی کی ہو زباں
زندہ ہو اس طرح سے شہادت کی داستاں جرات کا تذکرہ ہو تو قاتل کا ہو بیاں
کھلتے ہیں پھول صبح کی شبنم سے جس طرح
مسلمؑ کے لال موت سے کھیلے ہیں اس طرح

بچوں سے اتنا کہہ کے جو مسلمؑ رواں ہوئے حالات کے لبوں سے شرارے عیاں ہوئے
ظلم آشنا دلوں کے ارادے جواں ہوئے بادل کی طرح خنجر و تیر و سناں ہوئے
اک حشر قبلِ حشر نمودار ہو گیا
میدانِ جنگ کوفے کا بازار ہو گیا

اُٹھا یہ غُل سفیرِ حسینؑ کو دیکھ کر جس کو تلاش کرتے تھے وہ آ گیا نظر
کر لو بلند دوڑ کے نیزے کی نوک پر اک بے وطن غریب مسافر سے کیا ہے ڈر
آئے گا کون اس کی حمایت کے واسطے
یہ خود ہے بے قرار شہادت کے واسطے

یہ سنتے ہی غریب کے تیور بدل گئے گویا خدا پرست ارادے مچل گئے
یا بوترابؑ کہہ کے جو مسلمؑ سنبھل گئے مغرور مرحبوں کے کلیجے دہل گئے
آیا جو غیظ حیدرِ کرارؑ کی طرح
کھینچی حُسام جعفرِ طیارؑ کی طرح

بھگدڑ مچی تو کوئی مقابل نہیں رہا   فرصت ملی سفیرِ حسینؑ نے دم لیا
لیکن قسم خدا کی وہ عالم تھا پیاس کا   کہنا بھی چاہتے تو نکلتی نہ تھی صدا
بچوں کی یاد تھی جو پریشاں کیے ہوئے
مسلمؑ تھے بیکسی کا سہارا لیے ہوئے

پانی کی جستجو میں اٹھانے لگے قدم   مثلِ ہلال فرق مبارک کیے تھے خم
طوعہ نے گھر سے دیکھ کے اندازِ محترم   پانی کا ایک ظرف اٹھایا بچشمِ نم
اک بے وطن کی پیاس بجھانے کے واسطے
نکلی وہ گھر سے، پانی پلانے کے واسطے

مسلمؑ کو دی صدا کہ غریب الوطن ٹھہر   حاضر یہ آب سرد ہے کر لے لبوں کو تر
طوعہ کی اس غریب نوازی کو دیکھ کر   مسلمؑ نے ہاتھ اُٹھا کے دُعا دی بچشمِ تر
یارب یہ کارِ خیر ہے، انعام خیر ہو
اس مومنہ کی زیست کا انجام خیر ہو

پانی لیا جو ہاتھ میں پینے کے واسطے   کچھ کوفیوں نے چھپ کے کیا وار پشت پر
پانی زمیں پہ گر گیا مسلمؑ نہ پی سکے   زخمی ہوا بدن تو گرفتار ہو گئے
شرم و حیا نہ آئی سپاہِ ذلیل کو
گھیرا فریب دے کے ہزبرِ عقیلؑ کو

قیدی بنا کے لے چلے جس دم ستم شعار   مسلمؑ تھے اور پشت پہ دُرّوں کے سخت وار
جس وقت زخم پیاس میں کرتے تھے بیقرار   نامِ حسینؑ ہونٹوں پہ لاتے تھے بار بار
کچھ بات دل کے ٹکڑوں کی راہوں سے کہہ گئے
ہانی کے گھر کی سمت نظر کر کے رہ گئے

ہانی کے گھر کی سمت اٹھاتے تھے کیوں نظر	سمجھے گا اس کا صاحبِ احساس کا جگر
دو چھوٹے چھوٹے لال جو آئے تھے چھوڑ کر	ان کا خیال دیتا تھا انجام کی خبر
رحم آئے گا یہاں نہ کسی بد صفات کو
بچے پھریں گے کوفے کی راہوں میں رات کو

رستے میں تازیانوں کی تکلیف الاماں	رسّی کی طرح جسم پہ ظاہر ہوئے نشاں
گرتے سے کہہ رہی تھی یہ زخموں کی داستاں	اُلجھی ہیں تازیانوں سے بیکس کی پسلیاں
کیسے کہوں جفاؤں میں ترمیم ہو گئی
اک بے وطن کے جسم کی تقسیم ہو گئی

سُوکھی زبان پھیر کے ہونٹوں پہ بار بار	مسلمؑ یہ کہہ رہے تھے کہ اے میرے کردگار
پروا نہیں حسینؑ پہ ہو جاؤں میں نثار	تلوار ہو گلے پہ کہ پاؤں مقامِ دار
فرزندِ مرتضیٰؑ کا گزر ہو نہ اس طرف
زہراؑ کی بیٹیوں کا سفر ہو نہ اس طرف

پیشِ بن زیاد جو مسلمؑ کھڑے ہوئے	باجوں سے فتح کے درو دیوار گونج اُٹھے
جملے مگر فضاؤں کے ہونٹوں نے کہہ دیے	باجے ہیں یہ دراصل شکستِ یزید کے
اے کوفیو! مراد کہاں نامراد کی
مسلمؑ کی قید ہار ہے ابنِ زیاد کی

آخر بن زیاد نے جلّاد سے کہا	مسلمؑ کو بامِ قصر سے بازار میں گرا
ہمدردیِ حسینؑ کی دے اس طرح سزا	گرنے پہ لاش تڑپے تو سر تن سے کر جدا
سر کاٹ لے تو پھر بھی یہ تدبیر چاہیے
لاشے کی سارے شہر میں تشہیر چاہیے

اس حکمِ بدنہاد کی تعمیل جب ہوئی
مسلم کی لاش کوفے کی گلیوں میں آ گئی
کیسے کہوں کہ پاؤں میں رسّی تھی اک بندھی
گلیوں میں جس کو کھینچ کے چلتا تھا اِک شقی

بیکس پہ ابرِ ظلم برستا ہوا ملا
کوفے کے در میں سر بھی تو لٹکا ہوا ملا

◆◆◆

maablib.org

عباسِ نامدارؑ

(حضرتِ عباسؑ علمبردار کی سیرت اور اُن کے کارنامے)

۷۷ بند۔۱۹۴۹ء

◆◆

❖❖

چہرہ گلاب رنگ ہے یا حیدریؑ جلال
قربان آفتابِ جہاں تاب، وہ جمال
سُوکھے لبوں سے پیاس کی بارش کا ہے سوال
کیا اس طرح دکھائی دیے شیرِ ذوالجلال
اس تشنگی میں قوّتِ احساس زندہ باد
کہہ دیں گے خود علیؑ، مرا عباسؑ زندہ باد

❖❖

عباسِ نامدارؑ

عباسؑ نامدار کو جوشِ نبرد ہے سب فوجِ شام شیر کی دہشت سے سرد ہے
میدان کیا ہے پائے مجاہد کی گرد ہے یہ اشجع العرب ہے شجاعت میں فرد ہے
کیسے نہ آئے زلزلہ دشتِ قتال کو
آیا ہے غیظ فاتحِ خیبرؑ کے لال کو

کہتا ہے صاف دشت میں اٹھتا ہوا غبار اہلِ فساد میں ہے قیامت کا انتشار
پیدل ہیں بے حواس، تو حیران ہیں سوار کرتی ہے پوری فوج، تلاشِ رہِ فرار
سامان کیوں زمیں پہ نہ ہو انقلاب کا
میداں میں آرہا ہے پسر بوترابؑ کا

ہے اک طرف تو برچھیوں والوں کا رنگ زرد اک سمت بھر رہے ہیں کماں دار، آہِ سرد
خود کو سمجھ رہے تھے جو تیغ و سناں میں فرد بیٹھی ہے ان کے چہروں پہ بے چینیوں کی گرد
درپیش ہے جو خوفِ اجل بات بات میں
اغلب ہے جا کے ڈوب مریں گے فرات میں

میدان میں ابھی نہیں آیا علیؑ کا شیر　　نام آوارانِ فوج کی ہمت ہوئی ہے زیر
چکرا رہے ہیں لوگ سروں میں ہے وہ گھمیر　　لرزہ ہے ان کے جسم میں، تھے جو بڑے دلیر
بدقسمتی کے جام نے ایسی پلائی ہے
غارت گروں میں جنگ سے پہلے دُہائی ہے

ہوتی ہے بزدلوں کی صفوں میں یہ گفتگو　　ٹھہرے گا کون، ضیغمِ حیدرؑ کے رُوبرو
آئی ہماری موت کچھ اس میں نہیں غلو　　بیکار اب ہے جان بچانے کی آرزو
یوں اپنا زور آج کی پیکار میں نہیں
جس طرح زیرِ لفظِ عامدار میں نہیں

کہتا ہے کوئی، آج اجل سے نہیں نجات　　عباسؑ میں ہیں فاتحِ خیبر کی سب صفات
خود افسرانِ فوج کے ہونٹوں پہ ہے یہ بات　　عباسؑ کی حیات ہے شبیرؑ کی حیات
کچھ اور ہو لڑائی کا نقشہ عجب نہیں
حیدرؑ کا لال چھین لے دریا، عجب نہیں

تیر افگنوں کے ہوش اڑاتی ہے یہ خبر　　یہ تیر کیا ہیں اب تو اُڑیں گے ہوا میں سر
کیا خاک، اس جری سے لڑے گا کوئی بشر　　قہرِ خدا سے تیغِ علمدارِ نامور
ترکش، کمان، تیر کہاں کام آئیں گے
آندھی چلے گی دشت میں سب خاک اڑائیں گے

گھبرا کے کہہ رہے ہیں یہ لشکر کے سنگ بار　　پتھر بھی کاٹ دیتا ہے تیغِ جری کا وار
کچھ بھی نہیں ہے قوتِ لشکر کا اعتبار　　اب ہار ہوگی سنگ دلوں کے گلے کا ہار
حیلہ نہ کام آئے گا نزدیک و دُور کا
اس دشت میں اُٹھے گا جنازہ غرور کا

ہلچل اُدھر ہے شام کے لشکر میں، صف بہ صف
چھایا ہے خوفِ مرگ کا احساس ہر طرف
رخصت طلب اُدھر اسداللہؑ کا خلف
پیاسی ہے تین روز سے آلِ شہِ نجف
سب اشکبار ہیں جسدِ پاش پاش پر
ماتم ہے خیمہ گاہ میں قاسمؑ کی لاش پر

قاسمؑ کی لاش، جیسے ہو بکھرا ہو گلاب
ڈوبا ہوا لہو میں کسی مامتا کا خواب
تیرہ برس کی عمر کا گلدستۂ شباب
جلتی زمیں پہ سویا ہوا ایک ماہتاب
ماں ہے پسر کی لاش کے ٹکڑوں پہ اس طرح
روتا ہے کوئی اپنے بھرے گھر کو جس طرح

زینبؑ کی رُوح، عونؑ و محمدؑ کی میتیں
دو ایسے پھول جن پہ بہاریں فغاں کریں
زہراؑ کی لاڈلی کے لئے صبر کی حدیں
دو ایسے چاند جن کو ستارے خراج دیں
قربان ہو کے احمدِ مرسلؐ کے دین پر
سوتے ہیں اب علیؑ کے نواسے زمین پر

کچھ اس طرح علیؑ کے نواسے ہیں سُرخرو
ماں کر رہی ہے اپنے شہیدوں سے گفتگو
بچو، تمہارے دم سے بڑھی میری آبرو
کہتا ہے آج مجھ سے یہ بہتا ہوا لہو
فوجِ ستم کے حالِ دگرگوں سے پوچھیے
امّاں، ہماری جنگ کو ماموں سے پوچھیے

منظر میں اس قیامتِ صغرا کو دیکھ کر
اک آہ کی، تڑپ گئے عباسِؑ نامور
یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
چشمِ کرم غلام پہ آقائے بحر و بر
نادم بہت ہوں بنتِ پیمبرؐ کی آلؑ پر
اب سرفراز کیجئے اذنِ جدال سے

آقا بہت غرور میں ہے، لشکرِ ستم　　غارت گروں نے لوٹ لیا گلشنِ کرم
ان بازوؤں کا زور بھی دیکھیں شہِ اُمم　　میدان میں بچھاؤں گا لاشیں، قدم قدم
رکھ دوں گا اہلِ شام کی صورت بگاڑ کے
لے آؤں گا یہاں درِ کوفہ اُکھاڑ کے

کیا اس لیے بنایا تھا خادم کو شہ سوار　　بچوں کو قتل کرتی رہے فوجِ نابکار
کیا اس لیے ملی تھی مجھے تیغِ آب دار　　میداں میں طبلِ فتح بجائیں ستم شعار
کب تک بساطِ درد پہ ضبط آزما رہوں
قاسمؑ تو پائمال ہو، میں دیکھتا رہوں

آقا نظر تو کیجیے اصغرؑ کی پیاس پر　　جھولے کے پاس بیٹھ کے روتا ہے سارا گھر
ننھی سی جان اور یہ تکلیف، الحذر　　فرمایئے تو نہر کو لے آؤں کاٹ کر
جاری رہے وہ نہر جو اصغرؑ کے نام کی
تاریخ میں بلند ہو عزت غلام کی

چھاتی سے سر لگا کے یہ شہؑ نے دیا جواب　　عباسؑ کربلا کے تمہیں ہو ابوترابؑ
مشکل نہیں شقاوتِ دنیا کا سدِّباب　　پڑھ لو ذرا حسینؑ کی آنکھوں میں انقلاب
قربانیوں کا مقصدِ اعظم کچھ اور ہے
سبطِ نبیؐ کے سامنے عالم کچھ اور ہے

عباسؑ تم ہو شیرِ الٰہی کے نورِ عین　　تم سے زیادہ کون ہے وابستۂ حسینؑ
صدقے تمہاری شانِ شجاعت پہ مشرقین　　بھیا، تمہی تو ہو پسرِ فاطمہؑ کا چین
دل کے چمن میں کون سی خوشبو بہم نہیں
میری نظر میں تم، علی اکبرؑ سے کم نہیں

میں کس طرح کہوں مرے عباسؑ تم بھی جاؤ
زخمِ فراق سینۂ شبیرؑ پہ لگاؤ
کیوں آج میرے سامنے تم اپنا سر کٹاؤ
بہتر یہی ہے تم مجھے مقتل سے لیکے آؤ
بھیّا، یہ دن حرم کو زیادہ رُلائے گا
تم بھی گئے، تو کون مری لاش اُٹھائے گا

پھر آسماں کی سمت بصد عجز یوں کہا
منشائے کبریا بھی یہی ہے تو عذر کیا
قربان تیرے دین پہ عباسؑ باوفا
یارب کمالِ صبر کی توفیق کر عطا
منزل کٹھن ہے روح کی تن سے جدائی ہے
کونین جس پہ ناز کریں، یہ وہ بھائی ہے

یارب ترے علیؑ کی زیارت ہے اس کا دم
گھر بھر کی جان ہے، یہ مرا صاحبِ علم
میری حیات اس کی رفاقت قدم قدم
زندہ یہ ہے تو کچھ بھی نہیں لشکرِ ستم
ہاں اس کے بعد میرے لئے زندگی نہیں
یہ چاند چھپ گیا تو کوئی روشنی نہیں

یارب، یہ چاند بھی ہے ترے نام پر نثار
یہ میری زندگی بھی فدا، میرے کردگار
مختار تیری ذات ہے کیا میرا اختیار
گر تو قبول کرلے یہ فدیہ، زہے وقار
ہر دم تری رضا کو مقدر کئے ہوئے
بندہ ہے صرف تیری محبت لئے ہوئے

فرمایا پھر یہ بازوئے عباسؑ تھام کر
لو جاؤ قتل گاہ میں، اے میرے خوش سیَر
تنہائیاں نثار ہیں، زہراؑ کے لال پر
اب کون لے گا بیکس و مظلوم کی خبر
ٹل جائے وقتِ عصر یہ تدبیر کچھ نہیں
اللہ کارساز ہے شبیرؑ کچھ نہیں

خیمے میں جا کے پہلے بہن کو کرو سلام　　آنسو بہا رہی ہے، سحر سے وہ تشنہ کام
کیسے قرار پائے گی زہراؑ کی لالہ فام　　بھیّا تمہارے بعد بدل جائے گا نظام
برسے گی آگ، آلِ نبیؐ کے خیام پر
سورج چھپے گا شامِ غریباں کے نام پر

زینبؑ کے پاس آئے علمدارِؑ ذی حشم　　خواہر نے بھی گلے سے لگایا بچشمِ نم
رخصت کے ایک لفظ میں پنہاں کمالِ غم　　اشکوں پہ ماجرائے شہادت ہوا رقم
باتیں جو دل سے نکلیں، گلوگیر ہو گئیں
زینبؑ، تمام یاس کی تصویر ہو گئیں

ڈالی کبھی تو چہرۂ عباسؑ پر نظر　　دیکھا کبھی نگاہِ تصوّر سے اپنا سر
سوچا کہ اب ضرور اُجڑ جائے گا یہ گھر　　عباسؑ کے بغیر کہاں شاہِ بحر و بر
زینبؑ تمام دورِ محن دیکھنے لگیں
خود اپنے بازوؤں میں رسن دیکھنے لگیں

سبطِ نبیؐ نے دیکھ کے یہ دل گداز حال　　اتنا کہا بہن سے، کہ اے فاطمہؑ مثال
آمادۂ جہاد ہے، شیرِ خدا کا لال　　لازم ہے ایسے وقت سکینہؑ کا کچھ خیال
چومے دل و نظر سے علیؑ کے نشان کو
اب آخری سلام کرے عمو جان کو

ایسے میں آ گئی جو سکینہؑ جگر فگار　　گودی میں لے کے رو دیے عباسِؑ ذی وقار
عمو کے اشک پونچھ کے معصوم اشکبار　　کہنے لگی وہ دیکھیے، اصغرؑ کا اضطرار
کس کو خبر وہ جھولے میں کب سے اداس ہے
سب سے زیادہ، ننھے مسافر کی پیاس ہے

عمو غضب کی پیاس لگی ہے بجھایئے   مر جائے گی تڑپ کے سکینہؑ بچایئے
اب آپ جا رہے ہیں تو جلدی سے آیئے   اِک مشک دے رہی ہوں اسے بھر کے لایئے
اصغرؑ جو مر گیا تو بھلا کیا جیوں گی میں
پی لے گا میرا بھائی، تو پانی پیوں گی میں

عباسؑ نے کہا، ترا عمو ترے نثار   معلوم ہے مجھے علی اصغرؑ کا اضطرار
مجبور تھا بحکمِ شہِ دیںؑ یہ غمگسار   اب حکم ہے تو ہوگی لڑائی بھی یادگار
شہؑ کی دُعا ہوں جنگ و جدل کے فنون میں
اب کربلا کا دشت نہائے گا خون میں

شہؑ نے کہا نہیں مرے شیرِ جری نہیں   امّت سے انتقام کا جذبہ کبھی نہیں
بھیا، مرے شہیدوں کا بدلہ کوئی نہیں   خوش ہو خدا تو اس سے زیادہ خوشی نہیں
بے وجہ قتل، عین شقاوت کا نام ہے
تلوار صرف ردِّ شرارت کا نام ہے

تلوار جب چلے، تو اس انداز سے چلے   جو شخص جان لینے کو آئے وہی کٹے
ہر وار پر یہ بات بھی مدِّنظر رہے   کمزور و بے قصور پہ ہرگز نہ ہاتھ اُٹھے
پہلے کسی پہ تیر جُدا ہو کمان سے
یہ بھی بعید ہے بنی ہاشم کی شان سے

مشکیزہ زیبِ دوش کرو، جاؤ میری جاں   میدان میں اڑاؤ فرس کھول کر نشاں
کیا غم، اگر ہے خشک مرے شیر کی زباں   دہرائے گا فرات کا ساحل یہ داستاں
ہر شہرِ زندگی کا احاطہ کئے ہوئے
عباسؑ ہے وفا کا سمندر لئے ہوئے

زیبِ فرس ہوا اسداللہؑ کا پسر ‏ اک لازوال شانِ جلالت ہوئی سپر
تن پر حسینیتؑ کی زرہ، ہاشمی نظر ‏ سر پر شہامتِ ابوطالبؑ کا چترِ زر
بے مثل ایک ایک ادا زیب و زین کی
قوت کلائیوں میں دُعائے حسینؑ کی

مشکِ سکینہؑ، دوشِ کشادہ پہ ضَو فگن ‏ کہیے جسے وفا کا مہکتا ہوا چمن
سایہ علم کا اور علمدار کا بدن ‏ طوبا کی ٹھنڈی چھاؤں میں شیدائے پنجتنؑ
انفاس ہیں کہ رُوح کی خوشبو کہیں جنہیں
شاخیں ہیں نخلِ حمد کی، بازو کہیں جنہیں

پنجے میں اس طرح فرسِ تیز کی لگام ‏ قبضے میں جیسے ابلقِ ایام کا نظام
وہ زین پر، نشست کا عالم بہ اہتمام ‏ جیسے فرازِ تخت سلیمانؑ کا احتشام
تشبیہ مل گئی یہ خرد کے نصاب میں
سنگِ عمل ہیں، پاؤں نہیں ہیں رکاب میں

چہرہ گلاب رنگ ہے یا حیدریؑ جلال ‏ قربان آفتابِ جہاں تاب، وہ جمال
سُوکھے لبوں سے پیاس کی بارش کا ہے سوال ‏ کیا اس طرح دکھائی دیے شیرِ ذوالجلال
اس تشنگی میں قوتِ احساس زندہ باد
کہہ دیں گے خود علیؑ، مرا عباسؑ زندہ باد

عباسؑ کے فرس کی جوانی نہ پوچھیے ‏ راکب پسند، اس کی کہانی نہ پوچھیے
دُلدل مزاج، شعلہ فشانی نہ پوچھیے ‏ پیتا ہے کس کنویں کا یہ پانی نہ پوچھیے
زینت جو دے علیؑ کا پسر اس کے زین کو
رفتار میں لپیٹ کے رکھ دے زمین کو

صرصر ہوا کے زور کو یہ سرسری کہے پائے اگر ذرا سا اشارہ سوار سے
رشک آئے بجلیوں کو، یہ اس لہر سے چلے آندھی کہیں اگر اسے رستے میں ٹوک دے
تخئیل کا ہُمائے گُل افگن یہی تو ہے
سَن سَن کرے ہوا میں وہ توسن یہی تو ہے

جب یہ گزر گئی تو ہوا کو خبر ہوئی اس کا چلن چلی تو نظر معتبر ہوئی
گیتی پہ اس کو شام، فلک پر سحر ہوئی یہ گفتگو اسی کے کمالات پر ہوئی
یہ رازداں ہے گنبدِ نیلی رواق کا
شاگرد ہے رسولؐ خدا کے براق کا

سیدھے کیے ہیں اس نے رسالوں کے پیچ و خم فوجوں کا دم نکلتا ہے بھرتا ہے جب یہ دم
کہتے ہیں سنگ و خاک پہ اس شوخ کے قدم اسپانِ روم و شام کا کچھ بھی نہیں بھرم
سکہ جہان و دشت میں ہے اس کی چال کا
نشہ ہرن ہوا ہے اسی سے غزال کا

دیکھے تو ڈال دے تنِ دشمن میں تھرتھری لاتا ہے کب نظر میں کسی کو یہ رَف رَفی
رُستم کا رخش اس کی نگاہوں میں کاغذی کیا چیز ہیں زمانے کے شبدیز و ابلقی
حیرت ہے اس میں کیا جو زمانے میں دھاک ہے
اس کے خمیر میں درِ حیدرؑ کی خاک ہے

سچ ہے کسے نصیب یہ اندازِ کر و فر لے جا رہا ہے ثانیِ حیدرؑ کو پشت پر
کہتا ہے شہ سوار کی جانب اُٹھا کے سَر ٹاپوں سے دشتِ جنگ کی زنجیر کھینچ کر
دیوارِ اہلِ ظلم کھڑی ہے گرایئے
ان بزدلوں کو تیغ کا پانی پلایئے

فرمایا شہؑ سوار نے ٹھہرا کے راہوار   اے فوج، اے ریاستِ باطل کی پاسدار
بے وجہ جنگ اہلِ خدا کا نہیں شعار   پانی بغیر پھول سے بچے ہیں بے قرار
ہرگز غرض نہیں ہے کسی اور بات سے
اک مشک مجھ کو بھرنے دو نہرِ فرات سے

سالارِ فوجِ شام پکارا، نہیں نہیں   تڑپیں گے تشنگی سے محمدؐ کے مہ جبیں
بچوں کا خوں پیے گی دہکتی ہوئی زمیں   بکھریں گے آج خاتمِ زہراؑ کے سب نگیں
خوشنودیِ یزید کے سب پاسبان ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں جوان ہیں

یہ سُن کے مسکرا دیے عباسؑ ذی وقار   اُبھری علم کو چُوم کے غازی کی آب دار
فرمایا روک لے مجھے اب فوجِ نابکار   جو تیغ زن ہیں سامنے آ جائیں وہ سوار
عباسؑ ہوں، مچے گی قیامت لڑائی میں
اب الاماں کا شور اُٹھے گا ترائی میں

عباسؑ کا جہاد ہے اس میں نہیں غلو   کڑکی جو برقِ شیر، برسنے لگا لہو
کچھ اس طرح صفوں میں کھلا موت کا سبُو   ڈھالوں کی بدلیوں میں کٹے وہ سیاہ رُو
بجلی گرے کسی پہ تو کیسے اماں ملے
جھلسے ہوئے بدن تو یہاں، سر وہاں ملے

برسے نہ کیوں حسامِ علمدار نیک ذات   رکھتی ہے ذوالفقارِ یداللہ کی صفات
بس اتنا فرق ہے بہ تمیزِ معاملات   اک مصطفیٰؐ کی بات ہے اک مرتضیٰؑ کی بات
اُس کا عمل رسولؐ کی نصرت کے واسطے
یہ چل رہی ہے حفظِ امامت کے واسطے

پی لے جو زندگی کا تلاطم یہی تو ہے　　ہونٹوں سے چھین لے جو تکلم یہی تو ہے
دوشیزۂ اجل کا تبسم یہی تو ہے　　شرعِ جہاد جس کا ترنم یہی تو ہے
کوئی فقیہ اس کی ادا تولتا نہیں
اسلام اس کے رقص پہ کچھ بولتا نہیں

پہلوئے تاجدارِ وفا میں ہے اس کا گھر　　کٹتی ہے اس کے نام سے ہر بے وفا نظر
لکھی ہے حق نے نادِ علیؑ اس کی دھار پر　　اس پاسبانِ خیر سے جلتے ہیں اہلِ شر
یہ سارے مسئلوں سے مبرّا بہار ہے
کافر کا خون پیتی ہے ایمان دار ہے

مومن شناس ہے تو مودّت نظام ہے　　اس میں کوئی کلام نہیں لا کلام ہے
کرب و بلا میں ردِّ بلا اس کا نام ہے　　عباسؑ کا امام ہی اس کا امام ہے
پائے جو اذن بازوئے شاہِ انام سے
لے آئے میرِ شام کا سر، تختِ شام سے

دشمن کا خون اس کے لئے بادۂ نشاط　　مثلِ اجل، علیؑ کے مخالف سے ارتباط
کیا حیثیت ہے ظلم کی، کیا جبر کی بساط　　محتاط ہاتھ میں ہے تو ایماں ہے احتیاط
چلتی ہے جب نگاہِ علمدار دیکھ کر
کرتی ہے قتل صرف گنہ گار دیکھ کر

آئی زمیں پہ فوج کی دیوارِ بے ثبات　　جیسے ہوا کا زور گرا دے کھڑی قنات
پائی جو صاف راہ چمکنے لگی حیات　　منظر میں علقمہ نے دکھایا رُخِ فرات
قبضے سے ہاتھ اٹھایا جو فرّار فوج نے
عباسؑ کو سلام کیا موج موج نے

موجوں کا رنگ دیکھ کے عباسِ باوفا　　کہنے لگے کہاں ہے وہ افسر سپاہ کا
کچھ شرم ہو تو ڈوب کے مر جائے بے حیا　　رکھتا ہے نہر، ساقیِ کوثر کا دلرُبا
اب کس طرف یزید کے سب پاسباں گئے
آواز دے، کہاں وہ ہزاروں جواں گئے

سینے میں شوقِ جنگ بساتا نہیں کوئی　　غیرت کا لفظ دل پہ سجاتا نہیں کوئی
سب شیر تھے اب آنکھ ملاتا نہیں کوئی　　تنہا قریبِ نہر ہوں آتا نہیں کوئی
مجھ کو پسند ہی نہیں مسکن کسی جگہ
مر جاؤں گا تو قبر بھی ہو گی اسی جگہ

پھر شۂ سوار آبِ رواں کی طرف بڑھا　　منزل کی سمت صاحبِ مشک و علم چلا
تاریخ کیا بھلائے گی راکب کی یہ ادا　　مرکب نے ایک جست بھری فاصلہ کٹا
یہ رنگِ انقلاب ملا کس لڑائی میں
پہنچی ہزبر دیں کی سواری ترائی میں

جس جا ذرا سی ٹھنڈی ہوا ہو گئی بہم　　ٹھہرا اسی مقام پہ شبدیزِ خوش قدم
گاڑا زمیں پہ ابنِ یداللہؑ نے علم　　لوحِ جبیں پہ فتح کی آیت ہوئی رقم
بولیں فضائیں غازی و جرّار مرحبا
مظلومِ کربلا کے علمدار مرحبا

اس لمحۂ سکوں میں عجب درد کی صدا　　جیسے غموں کی چھاؤں میں سب عالمِ وفا
سقائے شاہ نہر کے اندر اُتر گیا　　پانی پہ لہر لہر حسینیؑ علم کُھلا
برسا خیالِ درد کا بادل جو ٹوٹ کے
سارے حباب رونے لگے، پھوٹ پھوٹ کے

اللہ رے غم کی لہر سے پانی میں اضطراب　　ہر موج کی زباں پہ سخن چوم کر رکاب
اے بازوئے امامِ زمنؑ آسماں جناب　　زندہ رہے گا تا بہ قیامت یہ انقلاب
اب کون اس طرح کی شجاعت دکھائے گا
اس شان سے نہ کوئی علمدار آئے گا

ٹکڑے ہوا جگر تو کناروں نے دی صدا　　اب حشر تک یہ بات سنائے گی کربلا
پیاسا رہا ہے نہر پہ فرزندِ مرتضیٰؑ　　پانی پہ قبضہ کر کے بھی پانی نہیں پیا
سب مرحلے کمالِ عمل کی سبیل ہیں
غازیؑ کے خشک ہونٹ، وفا کی دلیل ہیں

فرزندِ مرتضیٰؑ نے جو پانی پہ کی نظر　　سوکھے ہوئے لبوں سے ملی گرمیِ جگر
لیکن شعورِ ضبط نے فوراً یہ دی خبر　　غلبہ ہے تشنگی کا محمدؐ کی آلؑ پر
عباسؑ یہ خفیف سی راحت وفا نہیں
پانی بغیر سیدؑ عالم روا نہیں

غازی نے مشک بھر کے جو لٹکائی دوش پر　　روئی فضائے نہر دہانے کو چوم کر
موجوں سے اتنا کہہ کے چلا صاحبِ نظر　　شاہد ہو تم، کیا نہیں میں نے لبوں کو تر
شکرِ خدا مسافرِ راہِ وفا ہوں میں
پیاسا یہاں پہ آیا تھا' پیاسا چلا ہوں میں

پھر ایک بار مشک پہ لہرا گیا علم　　نکلے کنارِ نہر سے عباسؑ ذی حشم
اب مشک پر نگاہِ تحفظ قدم قدم　　صرف ایک یہ خیال کہ پانی پئیں حرم
جلدی سے پہنچوں شاہؑ مدینہ کے سامنے
رکھ دوں یہ مشک، پیاری سکینہؑ کے سامنے

لیکن سمٹ کے آ گئی سب فوجِ اشقیا   پھر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے بانیِ جفا
شیرِ خدا کا شیر ہزاروں میں گھر گیا   نقشہ کچھ اور ہو گیا دشتِ مصاف کا
اہلِ ستم سے مشک بچائیں، وغا کریں
تیروں پہ تیر آتے ہیں عباسؑ کیا کریں

تیزیِ شہ سوار میں کوئی کمی نہیں   توسن سے روندتا ہے وہ لشکر کو بالیقیں
نیزوں پہ نیزے مارتے ہیں دشمنانِ دیں   پہلو سے تیغ مار کے بھاگا ہے اک لعیں
غازی کا خون دشت کے ذرّوں میں بٹ گیا
جس ہاتھ میں علم تھا' وہی ہاتھ کٹ گیا

گرتے ہوئے علم پہ نظر، مشک کا خیال   وہ حسرتوں کا خون، وہ شیرِ خدا کا لال
ایک اور وار کر کے چلا کوئی بدخصال   وہ بیکسی' وہ پیاسے مجاہد کا غیر حال
ظالم کے ہاتھ سے یہ ستم پر ستم ہوا
جس پر بچی تھی مشک، وہ بازو قلم ہوا

ایسے میں جب کسی کے نہ باقی رہیں حواس   کٹ جائیں دونوں ہاتھ نہ کچھ ہو سوائے یاس
اللہ رے یہ ہمّتِ عباسؑ نیک اساس   دانتوں سے مشک تھام کے لے آئے دل کے پاس
مطلب یہ تھا کہ جان بھی جائے تو غم نہیں
یہ مشک زندگیِ سکینہؑ سے کم نہیں

ناگاہ ایک تیرِ جفا مشک میں لگا   غازی کا خون بہہ گیا، پانی کہاں بہا
رخ جانبِ خیام کیا، شہؑ کو دی صدا   آقا سلامِ آخری لیجے غلام کا
گرنے کو ہوں زمیں پہ نقاہت عجیب ہے
نکلے بدن سے رُوح وہ ساعت قریب ہے

گرزِ گراں سے سر پہ کیا اک لعیں نے وار — آیا زمین پر پسرِ شاہِ ذوالفقار
اس طرح اس طرف سے اُٹھے شاہِ نامدار — جیسے کمر شکستہ و مجروح و دل فگار
اتنا کہا غضب ہوا جرّار گر گیا
اکبرؑ چلو، ہمارا علمدار گر گیا

اکبرؑ کے ساتھ آئے وہاں سیدالانامؑ — تھا جس جگہ وہ شاہِ نجف کا خجستہ کام
دیکھا فرازِ خاک پڑا ہے وفا نظام — آنسو بہا بہا کے یہ کہنے لگے امامؑ
اظہارِ درد، اب تو مرے ماہِ رو کرو
عباسؑ اپنے بھائی سے کچھ گفتگو کرو

عباسؑ نے امامؑ کی آواز جب سُنی — آہستہ انتہائے ادب سے یہ بات کی
میں آج شرمسار ہوں، اے دلبرِ نبیؐ — افسوس برقرار ہے بچوں کی تشنگی
میں فاطمہؑ کے پھولوں کی خدمت نہ کر سکا
لایا تو مشک بھر کے، حفاظت نہ کر سکا

شہؑ نے کہا کچھ اور وصیّت ہے میری جاں — بچوں سے کیا بیان کروں اے مرے جواں
عباسؑ نے تڑپ کے کہا یا شہِؑ زماں — لے جایئے علم، مرا لاشہ رہے یہاں
پوچھے اگر سکینہؑ، تو کہیے گزر گیا
جو مشک لایا تھا' وہ چچا جان مر گیا

فرمایا شہؑ نے خوب وصیّت ہے میں نثار — بھیّا، سکینہؑ دیر سے کرتی ہے انتظار
دیکھے گی جب چچا کا علم وہ جگر فگار — کیا حال ہو گا تم ہی کہو میرے غمگسار
یہ داستانِ رنج و الم کیا سنائے گی
اپنی چچی کے پاس وہ کس منہ سے جائے گی

بارش جو ظلم کی ہے فلک دیکھتا ہے آج — زہراؑ کا باغ دشت میں کیا کیا لٹا ہے آج
بھیّا تمہیں تو علم ہے کیا ہو رہا ہے آج — خیموں میں کتنی لاشوں پہ ماتم ہوا ہے آج
اہلِ حرم کا کون نگہبان رہ گیا
اکبرؑ بھی چند لمحوں کا مہمان رہ گیا

غازیؑ کے دونوں ہاتھ جو اکبرؑ اٹھا کے لائے — سبطِ نبیؐ نے پیار کیا سینے سے لگائے
آنکھوں سے خون برسا، یہ جملے زباں پہ لائے — یہ سانحہ خدا نہ کسی بھائی کو دکھائے
زخمِ جگر کا حال کوئی کیا سنائے گا
عباسؑ جیسے بھائی کا بھائی بتائے گا

آخر قیامت آ گئی غازیؑ گزر گیا — آئینۂ حیات زمیں پر بکھر گیا
گردوں پہ آفتاب کا چہرہ اُتر گیا — فرمایا شہؑ نے آہ علمدارؑ مر گیا
تصویرِ انقلاب، یہ دشتِ قتال ہے
اب فاطمہؑ کے لال کا جینا محال ہے

قیصرؔ بہ فیضِ حضرتِ عباسؑ نامدار — یہ ابتدائے مرثیہ گوئی، زہے وقار
کیوں ذکرِ کربلا پہ نہ ہو زندگی نثار — یہ ذکر ہے شرافتِ انساں کا اعتبار
اے کاش شہرتِ ابدی حرف حرف ہو
ساری حیات مرثیہ گوئی میں صرف ہو

◆◆◆

سُخنِ لاجواب

(حضرتِ علی اکبرؑ کی سیرت کے نمایاں محاسن اور شہادت)

۷۹ بند۔ ۱۹۵۰ء

❖❖

تازہ قدم ہوں، مرثیہ گوئی کے باغ میں
بھرنے ہیں رنگ، فکرونظر کے ایاغ میں
رکھتا ہوں کربلا کی ہوائیں دماغ میں
یارب، سدا یہ نور رہے اس چراغ میں
پیاسوں کے غم سے دل میں چراغاں کیے ہوئے
محشر میں جاؤں مدحِ شہیداں لیے ہوئے

❖❖

سخن لاجواب

یارب، مری زباں کو سخن لاجواب دے
بے آب و تاب کو شرفِ آب و تاب دے
دریائے فیض سے گہرِ انتخاب دے
میں خواب میں فلک پہ ہوں تعبیرِ خواب دے
اہلِ نظر کی بزم میں رتبہ بلند ہو
ممدوح کو سلیقۂ مدحت پسند ہو

یارب، میں بے بساط کہاں، مرثیہ کہاں
تیری عنایتیں ہوں تو کہلاؤں خوش بیاں
بیشک ہے مجھ سے دور طرحدارئ زباں
تو مائلِ کرم ہو تو مصرعے ہوں کہکشاں
پہنچے سخن جو منزلِ حق الیقین پر
لے آؤں، آسماں کے ستارے زمین پر

یارب تُو کارساز ہے اور میں شکستہ ساز
بندے کو بخش تارِ طبیعت میں امتیاز
یارب تو بے نیاز ہے میں غم کشِ نیاز
ہر سجدۂ قلم کو بنا دے مری نماز
ایک ایک لفظ منزلِ راہِ خدا لکھوں
کعبہ لکھوں، مدینہ لکھوں، کربلا لکھوں

تازہ قدم ہوں، مرثیہ گوئی کے باغ میں　　بھرتے ہیں رنگ فکر و نظر کے ایاغ میں
رکھتا ہوں کربلا کی ہوائیں دماغ میں　　یارب، سدا یہ نور رہے اس چراغ میں
پیاسوں کے غم سے دل میں چراغاں کیئے ہوئے
محشر میں جاؤں، مدحِ شہیداں لیئے ہوئے

غالب ہے ذہن و دل پہ بیابانِ کربلا　　احساس پر محیط ہے میدانِ کربلا
ہر اشک ہے سفیرِ دبستانِ کربلا　　منظر میں آفتاب ہے مہمانِ کربلا
عاشور کی سحر سے طبیعت میں نُور ہے
شبیرؑ کا خیال تجلائے طور ہے

وہ آئی چہرۂ شبِ عاشور پر نقاب　　وہ سو گیا ستاروں کے بستر پہ ماہتاب
پھیلا نگار خانۂ ہستی میں انقلاب　　آفاق پر برسنے لگے نور کے سحاب
دنیا کا رنگ اپنی چمک دیکھنے لگا
آئینۂ فرات فلک دیکھنے لگا

وہ سینۂ فرات پہ موجیں رواں دواں　　کرتی ہیں جذب حُسنِ سحر کی تجلیاں
کہتی ہے اضطراب میں ہر موج کی زباں　　بے آب خشک ہوتا ہے زہراؑ کا گلستاں
پانی پلاؤں جا کے شہِؑ تشنہ کام کو
مقدور ہو تو غرق کروں فوجِ شام کو

لہروں کی سرکشی سے بکھرتے ہوئے حباب　　فریاد کر رہے ہیں کہ اے عالم الغیاب
تو جانتا ہے آج کے دامن کا انقلاب　　کیوں بھر گئے نسیمِ سحر میں یہ پیچ و تاب
کیا آج دشت میں کوئی طوفان آئے گا
کیا آسماں خیامِ حسینیؑ جلائے گا

ساحل کی خوشگوار ہواؤں میں گفتگو
کرتے ہیں لوگ ایسے ہی موسم کی آرزو
یارب سحر کی چھاؤں میں یہ فرحت و نمو
اور گرمیِ عطش میں پیمبرؐ کے ماہ رو
اس فرحت و نمو میں کھلا اضطراب ہے
اے ربِّ ذوالجلال، یہ موسم عذاب ہے

آبِ رواں کے پاس ہیں خنکی میں اہلِ شر
بے چینیوں کا وقت رئیسانِ خیر پر
وابستۂ سرور ہیں، کم ظرف و کم نظر
اور غم سے بے قرار، امیرانِ بحر و بر
کانٹے تو پُر بہار ہیں دشتِ جہول کے
کملا رہے ہیں پھول ریاضِ رسولؐ کے

صحرا کا منہ دھلاتی ہے شبنم بچشمِ نم
ذرّوں کو ہو رہی ہے ضیا باریاں بہم
لیکن یہ کہہ رہے ہیں خیامِ فلک حشم
مٹی پہ کر رہے ہیں تیمّم گلِ حرم
یہ ابرِ درد، فخرِ دو عالم کے واسطے
پانی نہیں ہے مالکِ زم زم کے واسطے

تیاریِ نماز میں مصروف ہیں امامؑ
کعبے کو جس پہ ناز وہ سجدوں کا اہتمام
بیٹھے ہیں جا نمازوں پہ انصار نیک نام
معراج پر نبیؐ کی شریعت کا احترام
صرف اتنی فکر، دین کی کھیتی ہری رہے
ذکرِ خدا سے خشک لبوں پر تری رہے

سینوں میں خوفِ جنگ نہ کچھ موت کا خیال
ہر حال میں خدا کی مشیّت شریکِ حال
بس اتنا عزم، دین کی نصرت ہو بے مثال
بہہ جائے خون آئے نہ اسلام پر زوال
سب دل کی دھڑکنیں ہوں مودّت کے ساز میں
آئے نہ کوئی فرق، وفا کی نماز میں

اکبرؑ کو یہ اشارہ سبطِ نبیؐ ہوا　　جاؤ اذان دو، مرے ہم شکلِ مصطفیٰؐ
کیا خوب ہو جو حق عبادت کریں ادا　　پیاسوں کی بندگی پہ کہے ارضِ کربلا
اس حیثیت کے صفدر و غازی کہیں نہیں
ایسی نماز، ایسے نمازی کہیں نہیں

حکمِ امامؑ سنتے ہی اکبرؑ کھڑے ہوئے　　چمکی فضا شبیہِ پیمبرؐ کے حُسن سے
جس وقت عندلیبِ فصاحت کے لب ہلے　　گلزارِ حمد و شکر کے سب پھول جھوم اُٹھے
کیا دل کشی لحن دلوں میں اُتر گئی
دونوں جہاں کی روشنی سینوں میں بھر گئی

اللہ اکبر اور لبِ اکبرؑ سے اتصال　　بے مثل حرف و لفظ کا اظہار بے مثال
جس پر اذاں کو ناز وہ گلدستۂ کمال　　جس سے نہالِ گلشنِ اسلام وہ نہال
یاد آ گئی شگفتہ بیانی رسولؐ کی
مقتل میں بولتی ہے جوانی رسولؐ کی

چشمِ فلک دکھائے تو اس شان کی اذاں　　ممکن نہیں مثال کوئی زیرِ آسماں
کرتے ہیں اعتراف زمانے کے حق بیاں　　ایسی کوئی اذاں ہے نہ ایسا کوئی جواں
غُل ہے یہ شامیانۂ لیل و نہار میں
اب زندگی رہے گی اذاں کے حصار میں

بنتِ بتولؑ نے بھی سُنی یہ صدائے ناز　　مانگی دعائے خیر بہ درگاہِ بے نیاز
یارب، سدا رہے یہ اذانِ سحر نواز　　معراجِ حمد سے علی اکبرؑ ہو سرفراز
خوشبو دہن، حسینؑ کا گل پیرہن رہے
یارب، یہ عندلیب رہے، یہ چمن رہے

لیلیٰؑ نے اپنے لال کی آواز پر کہا　　یارب، تری پناہ میں یہ میرا لاڈلا
اس بے پناہ پیاس میں یہ لحن مرحبا　　ایسا تو اور کوئی موذّن نہیں ہوا
اس کا وجود ختمِ رسلؐ کا نشان ہے
یہ مہ لقا تو سبطِ پیمبرؐ کی جان ہے

ماں اور پھوپھی کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی دُعا　　مثلِ اذاں پہنچ گئی تا عرشِ کبریا
ممکن تھا اب کچھ اور ہوں حالاتِ کربلا　　عزمِ حسینؑ ابنِ علیؑ نے یہ دی صدا
یہ چاہتیں دراصل وفا کی بہار ہیں
اسلام پر تمام دعائیں نثار ہیں

فارغ ہوئے اذاں سے اُدھر اکبرؑ حسیں　　بہرِ نماز آئے ادھر ناصرانِ دیں
سب نے سُنی اقامتِ عباسؑ خوش یقیں　　جیسے علیؑ کا لہجہؑ بے مثل و دل نشیں
حیرت سے کاروانِ سلف جھومنے لگا
گیتی کے مہر و ماہ، فلک چومنے لگا

فرزندِ مصطفیٰؐ کی امامت میں وہ نماز　　ہر بندۂ خدا پہ جہاں بندگی کو ناز
صد فخر زندگی غمِ دنیا سے بے نیاز　　وحدت کے سربکف وہ صداقت کے سرفراز
سجدوں سے بارگاہِ عبادت سجا گئے
معبود اور عبد کا رشتہ بتا گئے

گویا تھی چرخ پر خطِ ابیض کی روشنی　　زیرِ فلک تو ایسی عبادت نہیں ہوئی
اللہ ری شان سیّدؑ بطحا کے باغ کی　　یہ قحطِ آب اور یہ پھولوں کی تازگی
ہر سرو قد وفا کا شگفتہ گلاب ہے
شرمائے آبِ نہر، وہ چہروں پہ آب ہے

سُوکھے ہوئے لبوں پہ وہ الحمد کی بہار
جس طرح بات کرتی ہوں آیاتِ کردگار
آواز دے رہا ہے کتابِ خدا کا پیار
ان صورتوں پہ سورۂ والعصر ہو نثار
ہر طرح دلبرِ شہِ مرداںؑ کے ساتھ ہیں
قرآں ہے ان کے ساتھ یہ قرآں کے ساتھ ہیں

ایقانِ کائنات ہے ان کے یقین سے
دُنیا رکوع میں ہے انہیں راکعین سے
سب سے زیادہ ان کا تعلق ہے دین سے
یہ ہیں جو داد لیتے ہیں رُوح الامینؑ سے
کامل ہیں ہر طرح سے، وہ اکمل یہی تو ہیں
اللہ کے فرشتوں سے افضل یہی تو ہیں

کب زندگی میں ایسے شعور آفریں ملے
ان کے عمل سے معنیٰ جبل المتیں ملے
یوں تو بہت زمانے میں روشن جبیں ملے
اس مرتبے کے عارفِ وحدت نہیں ملے
تکمیلِ آرزوئے جنابِ خلیلؑ ہیں
یہ مصطفیٰؐ کے دین کی روشن دلیل ہیں

چھانے لگیں جو صبح کے رُخ پر گلابیاں
چشمِ زمیں سے خون کے آنسو ہوئے رواں
بولے نمازیوں سے شہنشاہِ دوجہاں
اب ہم ہیں اور معاملۂ خنجر و سناں
اہلِ وغا سے جنگ کی ساعت قریب ہے
قربانیوں کا وقت، نہایت قریب ہے

اب سرخیِ شفق سے لکھے گا یہ آسماں
حُسنِ زمیں ہے دینِ پیمبرؐ کی کہکشاں
اُٹھو مرے مجاہدو، منظر ہے امتحاں
آواز دے رہی ہیں سرِ دشت برچھیاں
دیکھو ذرا یہ سامنے کیسا غبار ہے
اس وقت اپنے حُرؒ کا مجھے انتظار ہے

یہ بات کہہ رہے تھے ابھی شاہِ تشنہ کام آیا قریب تر حُرؑ ذیجاہ، نیک نام
اُترا فرس سے اور شہِ دیںؑ کو کیا سلام مٹی ہوئے قصور، گلے سے لگے امامؑ
اپنا لیا جو رحمتِ عالم کے لال نے
سجدہ کیا زمیں پہ حُرِؑ خوش خصال نے

حُرؑ آ گیا تو شام کے لشکر سے آئے تیر اہلِ خدا سے جنگ و جدل پر تُلے شریر
اُٹھے یہ کہہ کے سبطِ نبیؐ آسماں سریر سر میرا چاہتے ہیں زر و مال کے اسیر
میں دیکھتا ہوں آج یہ نقشہ مآل کا
گھر اب لُٹے گا دشت میں زہراؑ کے لالؑ کا

یہ سُنتے ہی تڑپ گئے انصار و اقربا قبضے پہ ہاتھ ڈال کے ہر شیر نے کہا
مل جائے اب اجازتِ میداں، شہِ ہُدا کیا جانے کیا سمجھتی ہے یہ فوجِ اشقیا
برباد کر کے دشت میں اہلِ فساد کو
کوفے سے کھینچ لائیں گے ابنِ زیاد کو

فرمایا شہؑ نے آفریں مردانِ حق سیَر تم جانتے ہو دین پہ مرنے کا یہ ہُنر
کیسے بتاؤں، کیسے بسر ہو گی دوپہر میں تابہ عصر جاؤں گا ایک ایک لاش پر
پھر اس کے بعد جھولے سے اصغرؑ کو لاؤں گا
میں اس زمیں پہ ننھی سی تربت بناؤں گا

اصغرؑ کے نام پر یہ قیامت ہوئی بپا خرد و کلاں کے سینے میں طوفانِ غم اُٹھا
جب لشکرِ عدو میں بجی نوبتِ وغا سر اپنا حُرؑ نے شاہ کے قدموں پہ رکھ دیا
اِذنِ جہاد پا کے یہ عزّت ہوئی نصیب
میداں میں حُرؑ کو پہلی شہادت ہوئی نصیب

سورج کے ساتھ ساتھ بڑھی ابتلائے جنگ
بارش لہو کی اور وہ تیغوں کی جلترنگ
وہ اقربا کا جوش، وہ انصار کی اُمنگ
کام آئے سرفروش، کھلے جراتوں کے رنگ
سب جانثار دین پہ قربان ہو گئے
عباسِؑ نامدار بھی دریا پہ سو گئے

اللہ رے وہ سبطِ نبیؐ پر ہجومِ غم
جس کے خیال سے بھی گھٹے آدمی کا دم
میدان میں پڑے ہوئے انصارِ ذی حشم
پیشِ نگاہ خون میں ڈوبا ہُوا علَم
حالت عجیب ہے شہِؑ گردوں نہاد کی
اکبرؑ بھی مانگتے ہیں اجازت جہاد کی

اب اک طرف جوانیِ ہم شکلِ مصطفےٰؐ
اور اک طرف معاملۂ دینِ کبریا
اس کشمکش میں حوصلۂ دل پکار اُٹھا
اسلام پر نثار کروں اپنا مہ لقا
آئے نہ حرف، صبر و رضا کے نظام پر
اکبرؑ کا داغ اُٹھاؤ محمدؐ کے نام پر

سینے سے اپنے چاند کو لپٹا کے ایک بار
فرمایا تم بھی جاؤ سوئے دشتِ کارزار
کچھ غم نہیں جو ختم ہوئی باغ کی بہار
سب سے عزیز ہے مجھے مرضیِ کردگار
خوں میں نہا کے فرضِ شہادت ادا کرو
قانونِ مصطفےٰؐ کو جوانی عطا کرو

لے کر اجازتِ شہِ دیں اکبرِؑ حسیں
پشتِ فرس پہ آئے بہ اندازِ دل نشیں
رہوار جب اُڑا تو سمٹنے لگی زمیں
لے آئی ایک جست سرِ لشکرِ لعیں
تشبیہ نے کہا علی اکبرؑ کے حال میں
دیکھو رسولؐ آئے ہیں دشتِ قتال میں

ٹھہرا فرس تو کھینچ کے شمشیرِ آبدار — آواز دی کہ اے پسرِ سعد نابکار
بھیج اب اُسے جسے ہو تمنائے کارزار — میدان میں ہے وارثِ ضرغامِ کردگار
اک بے مثال معرکہ آرائی دیکھ لے
بے آب و بے غذا کی توانائی دیکھ لے

یہ سن کے ابنِ سعد نے دیکھا اِدھر اُدھر — بزدل جو سامنے تھے نہ ٹھہری کہیں نظر
آخر تمام فوج سے بولا وہ بد سِیَر — تنہا ہے، کیا مقابلہ، کیا خوف کیا خطر
اُجڑا حدیقہ فاتحِ بدر و حنین کا
یہ آخری جواں ہے سپاہِ حسینؑ کا

غازی پہ حملہ ور ہوئے غارتگرانِ شام — تاریکیوں نے گھیر لیا اک مہِ تمام
اُبھری مثالِ ساعقہ شمشیرِ تشنہ کام — تیزی کے ساتھ رقص میں آئے قضا کے جام
شہرِ اجل میں گرمیِ بازار بڑھ گئی
سر کیا کٹے کہ خون کی رفتار بڑھ گئی

چمکی جہاں وہ حاملِ اندازِ ذوالفقار — لشکر کے مرحبوں کو کیا دم بدم شکار
برسی وہ اہلِ نار پہ اس طرح بار بار — سب عنتری مزاج نظر آئے تار تار
مہلت نہ دی انہیں جو بڑے تیغ باز تھے
شاخِ دو نیم شام کے فتنہ طراز تھے

تیغِ جری نے جنگ کا نقشہ بدل دیا — ڈر کر کوئی گرا تو فرس نے کُچل دیا
کیا کیا نہ اس نے ظلم کو نیّت کا پھل دیا — ہر خیرہ سر کو موت کے روغن میں تل دیا
گردش میں ہر طرح سے تعجب اثر رہی
کافر کا خون پی کے بھی اسلام پُر رہی

کس میں ہنر جو اس کی ہنر مندیاں لکھے — جلنے لگے خیال، جو آتش زباں لکھے
یہ جس جگہ عیاں ہو وہیں پر نہاں لکھے — رحمت کے ساتھ ساتھ اسے خوں فشاں لکھے
اعدائے دیں پہ قہرِ خدا کا نزول تھی
اکبرؑ کے ساتھ ناصرِ شرعِ رسولؐ تھی

سودا تھا جن سروں میں وہ سر صاف ہو گئے — کچھ بدنصیب تا بہ کمر صاف ہو گئے
آئے نہ کام تیغ و تبر صاف ہو گئے — پرکھے ہزار داؤ مگر صاف ہو گئے
دم بھر میں سرکشوں کے مقدر اُلٹ گئے
نازاں جو تھے بہت، وہ ہنر مند کٹ گئے

جس پر پڑا حسینؑ کے شیرِ جری کا ہاتھ — ممکن تھا اس کے سر پہ کہاں زندگی کا ہاتھ
اکبرؑ نے اس ادا سے دکھایا علیؑ کا ہاتھ — جس نے بھی ہاتھ اُٹھایا' اُڑایا اسی کا ہاتھ
کیا دلکشی تھی دشتِ وغا کی فضاؤں میں
تیریں نہالِ کفر کی شاخیں ہواؤں میں

ہر سمت ظلمتوں کے تناور شجر گرے — جیسے پہاڑ گرتے ہوں یوں بدگہر گرے
اس طرح اپنے خوں پہ نحوست نظر گرے — برقِ عذاب جیسے گنہگار پر گرے
توبہ کا در جو بند کیا تیغِ پاک نے
ٹھکرا دیے لعینوں کے اجسام خاک نے

دیکھا تھا جس نے معرکۂ نہرواں کا رنگ — کہتا تھا سب کے چہروں سے اس کے بیاں کا رنگ
بدلا ہے جس کی جنگ نے سارے جہاں کا رنگ — ملتا ہے اس کے رنگ سے اس نوجواں کا رنگ
ظاہر تمام نفسِ پیمبرؐ کا زور ہے
اکبرؑ کے بازوؤں میں بھی حیدرؑ کا زور ہے

بولا کوئی، یہ جنگ نہ سر ہو گی تا بہ شام　　اغلب ہے آج شام کا لشکر بھی ہو تمام
کوئی مقابلے کا نہ لائے زباں پہ نام　　کچھ ہیں اصولِ جنگ نہ غیرت کا کچھ نظام
لازم ہے اب مٹاؤ نبیؐ کے نشان کو
مکر و دغا سے قتل کرو اس جوان کو

ناگاہ ابنِ سعد نے بلوایا اِک شریر　　رکھتا نہ تھا جو مکر و دغا میں کوئی نظیر
بولا یہ اس سے، خواہشِ ابلیس کا اسیر　　قاتل کو اس جری کے ملے گا زرِ کثیر
گھوڑے سے اس کو جلد گرانا ضرور ہے
فرزندِ فاطمہؑ کو رُلانا ضرور ہے

اکبرؑ کے بعد کوئی نہیں ہے بجز حسینؑ　　آلِ نبیؐ کی جان ہے یہ ایک نورِ عین
یہ قتل ہو گیا تو ملے گا ہمیں بھی چین　　ہاں اب چلیں فریب کے ہتھیار جانبین
رکھ کر ہجوم سبطِ پیمبرؐ کے شیر پر
چُھپ چُھپ کے وار چاہیئے پیاسے دلیر پر

یہ حکم سن کے فوج میں آیا وہ بدسیَر　　مصروفِ جنگ تھا شۂ مرداں کا شیرِ نر
یکبار سب نے ڈھالوں کو چہروں پہ روک کر　　آواز دی کہ اے قمرِ سیدالبشرؐ
بنتِ رسولِ فاطمہؑ کے شیر کی قسم
تلوار روک لو تمہیں شبیرؑ کی قسم

شبیرؑ کی قسم پہ بھر آیا دلِ جری　　خیموں کی سمت دیکھ کے تلوار روک لی
ناگاہ سامنے سے لگا نیزۂ شقی　　نیزے کی نوک شیر کے دل میں اُتر گئی
سینے سے تازہ خون کا فوآرہ چھٹ گیا
یوں کہیے ابنِ فاطمہؑ صحرا میں لُٹ گیا

گھوڑے سے گر کے فرش پہ اکبرؑ نے دی صدا — آقا سلامِ آخری لیجے غلام کا
مارا فریب دے کے مجھے یا شہِ ہُدا — لیکن یہ شکر ہے کہ شہادت ہوئی عطا
چاروں طرف یہ اہلِ جفا پُر غرور ہیں
صدمہ تو صرف یہ ہے کہ تنہا حضور ہیں

سبطِ رُسولؐ نے جو سُنی یہ صدائے غم — زخمی جگر پہ اور لگا نشترِ اَلم
اک باپ ہی بتائے گا کیا ہے پسر کا دم — آنکھوں کی روشنی ہے اسی نور سے بہم
فرقت بتا رہی ہے شبیہِ رسولؐ کی
لُٹ جائے گی تمام کمائی بتولؑ کی

آواز کی طرف جو روانہ ہوئے امامؑ — رستے میں یوں غرور سے بولی سپاہِ شام
دم توڑتا ہے خاک پہ اکبرؑ سا لالہ فام — کیوں اے حسینؑ، اب تو لڑائی ہوئی تمام
کر لیجئے قبول، اطاعت کا وقت ہے
یہ وقت بھی یزید کی بیعت کا وقت ہے

فرمایا شہؑ نے اے سپہِ ظلم کیا کہا — بیعت کرے یزید کی فرزندِ مصطفےٰؐ
برباد ہو گیا ہے بھرا گھر تو کیا ہُوا — سب کچھ مجھے قبول ہے، راضی رہے خدا
خیمے میں چھ مہینے کا نورِ نظر بھی ہے
اسلام کے لئے تو ابھی میرا سر بھی ہے

اے اہلِ شام، تم نے تو سب کچھ گنوا دیا — مینار عظمتوں کا بنا کر گرا دیا
تم نے چراغِ حرمتِ قرآں بُجھا دیا — کلمہ زباں کی لوح پہ لکھ کر مٹا دیا
کیوں دھو رہے ہو ہاتھوں کو پیاسے کے خون سے
نانا کو خوش کرو گے، نواسے کے خون سے

اتنا بتاؤ، وہ مرا مہتاب ہے کہاں   بولو، کہاں پہ کھائی مرے چاند نے سناں
اپنے جواں کو ڈھونڈ رہا ہے یہ ناتواں   اے کاش تم سمجھتے مرے درد کی زباں
سوچو تو کیا بنی ہے دلِ پاش پاش پر
پہنچا دو تم مجھے مرے اکبرؑ کی لاش پر

آخر وہاں پہنچ گئے مظلوم، شاہِؑ دیں   بے چین تھا جہاں وہ گل اندام، مہ جبیں
دیکھا لہو سے چار طرف سُرخ ہے زمیں   کڑیل جواں کے جسم میں جنبش ذرا نہیں
سمجھیں جسے حسینؑ وہ تقریر بن گئے
اکبرؑ تمام ضبط کی تصویر بن گئے

بیٹھے قریبِ لاش، امامِؑ فلک جناب   ماتھے پہ ہاتھ پھیر کے اتنا کیا خطاب
بیٹا پکارتا ہے پدرؑ کچھ تو دو جواب   یہ کیسی دوپہر ہے یہاں، میرے آفتاب
اپنے لہو کے فرش پہ کیا نیند آئی ہے
اے لختِ دل، یہ ضبط کا عالم دہائی ہے

آنسو رُخِ پسر پہ جو ٹپکے بہ اضطرار   اکبرؑ سمجھ گئے شہِؑ والا ہیں اشکبار
بے چین ہو کے کھول دی چشمِ حق انتصار   دیکھا جمالِ چہرۂ سلطانِ روزگار
چاہا اُٹھیں پہ درد نے مجبور کر دیا
آہستہ ہاتھ اُٹھا کے سلامِ نظر دیا

سرکا جو ہاتھ سینے سے، منظر عجیب تھا   مظلوم کو چبھا ہوا نیزہ نظر پڑا
اک آہِ سرد بھر کے یہ بولے شہِؑ ہُدا   اے میرے نورِ عین، یہ کیا ماجرا ہوا
آنکھوں کے سامنے جو کلیجہ فگار ہو
کیسے غریب باپ کے دل کو قرار ہو

یہ کہہ کے آسماں کی طرف اک نگاہ کی   فرمایا اے خدا، مرے مالک، مرے ولی
شبیرؑ کے لئے ہے مقدم تری خوشی   قربان تجھ پہ میرے بھرے گھر کی زندگی
وہ تابِ صبر دے کہ طبیعت سنبھال لوں
سینے سے اپنے لال کے برچھی نکال لوں

برچھی پہ ہاتھ رکھا، تو پھٹنے لگا جگر   لیکن ہوا یہ نعرۂ تکبیر کا اثر
برچھی کو جب نکال چکے شاہِ بحر و بر   آنکھوں کے آگے لختِ جگر کر گیا سفر
نکلا کلیجہ، جامِ اجل نوش کر گئے
شبیرؑ دیکھتے رہے، اکبرؑ گزر گئے

صحرا پکارا، فاطمہؑ کے لال مرحبا   چلا اُٹھیں یہ نہر کی موجیں بصد بکا
دیکھ اے زمانے، یہ ہے دلِ سبطِ مصطفیٰؐ   اکبرؑ سا نوجوان بھی قربان کر دیا
ایسا گلابِ صبر کہیں پر کھلا نہیں
شکرِ خدا میں یوں کوئی بندہ ملا نہیں

اکبرؑ کی لاش، ہاتھوں پہ لے کر اُٹھے حسینؑ   صدقے ہوئے غریب کی ہمت پہ مشرقین
بولی زمین، اے شہِ مرداںؑ کے نورِ عین   قربان تجھ پہ معرکۂ خیبر و حنین
تو نے دکھا دیا وہ شرف بوترابؑ کا
زندہ رہے گا نام رسالت مآبؐ کا

اکبرؑ کے دونوں پاؤں جو خط کھینچتے چلے   قائم ہوئے نشان رہِ مستقیم کے
رستے میں تازہ خون کے قطرے جہاں گرے   نوحہ سُنا فلک نے زمیں کی زبان سے
افسوس کاروانِ غریب الوطن لٹا
سینے پہ میرے سبطِ نبیؐ کا چمن لٹا

خیمے کے دَر پہ آئے تو فضہؑ پُکار اُٹھی سیدانیو! حسینؑ کی سرکار لُٹ گئی
اس وقت کوئی دیکھے یہ اندازِ بے کسی لائے ہیں لاشِ نورِ نظر، دلبرِ نبیؐ
لوٹا ستم گروں نے شہِؑ نیک نام کو
آواز دُوں کسے، جو سنبھالے امامؑ کو

زینبؑ کہاں ہیں جلد وہ آئیں قریبِ دَر بھائی کو دیں سہارا، سنبھالیں دل و جگر
زینبؑ جو آئیں دوڑ کے بولیں بچشمِ تر بھیا یہ کیا غضب ہوا اُجڑا ہمارا گھر
اس بے کسی میں شیر کی میت اُٹھائے ہو
اکبرؑ کو اپنے ہاتھوں پہ کس طرح لائے ہو

خیمے میں شہؑ نے لاش رکھی فرشِ خاک پر ماتھے کو چُومنے لگیں زینبؑ جھکا کے سر
آہستہ کہہ رہی تھیں زباں سے، بچشمِ تر اچھا دیا ہے پالنے والی کو یہ ثمر
قرباں کئے تھے عونؑ و محمدؑ تو کیا ہُوا
دیکھا، لہو کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا

بیٹا چلے گئے، تمہیں آیا نہ کچھ خیال تنہا رہے گا دشت میں اب فاطمہؑ کا لال
لوٹیں گے اہلبیتؑ کو جس وقت بدخصال اُس وقت کیا کریں گے یہ مظلوم خستہ حال
بیٹا یہ کیا ادا ہے اگر بے رُخی نہیں
جل جائیں اب خیام تعجب کوئی نہیں

اکبرؑ تمہیں خبر نہیں اب کیا ہے سامنے جو ختم ہی نہ ہو وہ اندھیرا ہے سامنے
دُرّوں کا اور طمانچوں کا صدمہ ہے سامنے بچے ہیں اور یتیمی کا دریا ہے سامنے
بازو بندھیں پھوپھی کے، وہ ساعت قریب ہے
میں سر کھلے پھروں، وہ قیامت قریب ہے

کیسے مجھے مدینے سے لائے تھے میرے لال　　محمل کے پاس بھی کوئی آتا، یہ کیا مجال
چلتے تھے ساتھ ساتھ یہ پردے کا تھا خیال　　اب وقت کہہ رہا ہے کھلیں گے یہ سر کے بال

بھائی کا سر کٹے گا، یقیں ہو گیا مجھے
دیکھے گی آج فوجِ ستم بے رِدا مجھے

حالت یہ تھی پھوپھی کی تو کیا کہیے ماں کا حال　　خاموشیوں میں چہرۂ اکبرؑ سے تھا سوال
میں کچھ نہیں کہوں گی مگر میرے نونہال　　دیکھو تو اُٹھ کے حالتِ سلطانِ خوش خصال

کیا جانے کیا خیال ہے شاہِؑ انام کو
خیموں کو دیکھتے ہیں، کبھی فوجِ شام کو

مٹی میں آج ماں کے سب ارمان مل گئے　　اٹھارواں برس تھا یہی دن تھے بیاہ کے
کیا بن گئی ہے دل پہ یہ پوچھو تو باپ سے　　پردیس میں نہ یوں کسی بے کس کا گھر لٹے

تسکین دو امامؑ بہت بے قرار ہیں
اصغرؑ کے پاس بیٹھے ہوئے اشکبار ہیں

چھوٹی بہن سکینہؑ کو اُٹھ کر گلے لگاؤ　　کب سے وہ رو رہی ہے زیادہ نہ اب رُلاؤ
ٹوٹے ہوئے دلوں کا ذرا حوصلہ بڑھاؤ　　دیکھو بخار ہے مرے عابدؑ کے پاس جاؤ

چھاتی سے اس غریب کو لپٹا کے پوچھ لو
بھائی پہ کیا گزرتی ہے خود جا کے پوچھ لو

لیلیٰؑ پسر کی لاش پہ کرتی تھیں یہ بیاں　　اصغرؑ کو پیار کر کے اُٹھے شاہِؑ دو جہاں
اُٹھتے ہوئے کہا ابھی آتا ہوں میری جاں　　اکبرؑ کو چھوڑ آؤں شہیدوں کے درمیاں

قربانیوں کے عزم کی تکمیل چاہیے
آنکھوں میں وقتِ عصر ہے تعجیل چاہیے

قیصرؔ قلم کو روک، ہوا مرثیہ تمام　　میداں میں لے گئے شہؑ دیں اپنا لالہ فام
آگے ہو کچھ بیاں یہ نہیں طاقتِ کلام　　کر التجائے خاص کہ اے ربّ خاص و عام

سینوں میں دل کی طرح غمِ کربلا رہے
بزمِ جہاں میں مرثیہ گوئی سدا رہے

◆◆

یوسفِ کربلاؑ

(حضرتِ علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر)

۵۵ بند۔ ۱۹۴۹ء

maablib.org

❖❖

یہ حالِ زار قیامت ہے آدمی کیلئے
نہ آئے ایسی مصیبت کبھی کسی کیلئے
سیاہ وقت ہے، بیکس کی زندگی کیلئے
چراغ ہو کے ترستا ہوں روشنی کیلئے

عجب یہ بات بعنوانِ حادثات ہوئی
مجھے تو آج بھری دوپہر میں رات ہوئی

❖❖

یوسفِ کربلاؑ

حسینؑ، لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں   نہالِ باغ پیمبرؐ تلاش کرتے ہیں
بھرے چمن کا گلِ تر تلاش کرتے ہیں   فلک کا چاند زمیں پر تلاش کرتے ہیں
چھپا ہے نورِ نظر ہر طرف اندھیرا ہے
دلِ بتولؑ کو بربادیوں نے گھیرا ہے

تمام دشت پہ چھایا ہے ظلم کا بادل   سپاہِ شام کی صورت ہے موت کا جنگل
زمین سر پہ لئے ہے غبار کا آنچل   سحر سے فاطمہؑ کے باغ میں ہے بادِ اجل
کوئی لٹا نہیں اس طرح فرشِ گیتی پر
پڑے ہیں پھولوں کے لاشے دہکتی ریتی پر

سوادِ شام نے نورِ سحر کو لُوٹ لیا   زمیں کے ذرّوں نے شمس و قمر کو لُوٹ لیا
تمام دولتِ خیرالبشرؐ کو لُوٹ لیا   ستم گروں نے پیمبرؐ کے گھر کو لُوٹ لیا
خیامِ آلِ محمدؐ میں شورِ محشر ہے
فقط حسینؑ ہیں یا شیر خوار اصغرؑ ہے

حسینؑ پر جو گزرتی ہے کوئی کیا جانے　　کسی کا درد فقط درد آشنا جانے
تھمے گی کب ستم و جور کی ہوا جانے　　کہاں رُکے گا یہ طوفانِ غم خدا جانے
ضعیف باپ تلاشِ پسر میں حیراں ہے
چمن، بہارِ چمن کے لئے پریشاں ہے

جدا ہے فاطمہؑ زہرا کے پھول سے خوشبو　　چُھٹا ہے فاتحِ خیبر کے چاند سے مہ رو
ہوائے دشت سے کہتے ہیں سیّد خوش خو　　کہاں ملیں گے شبیہِ رسولؐ کے گیسو
قدم لرزتے ہیں طاقت نہیں کہاں جاؤں
جہاں پڑا ہے مرا نوجواں وہاں جاؤں

کبھی یہ دھوپ کی تیزی سے دل گداز کلام　　خیال رکھنا پریشاں نہ ہو مرا گلفام
کبھی غبار سے کہتے ہیں، اے طبیعتِ شام　　ہرے ہیں زخم، نہ تڑپے مرا وہ ماہِ تمام
نظر میں احمدؐ مختار کا نہال رہے
مرے گلاب کو زحمت نہ ہو خیال رہے

جگر کے درد کی لہروں سے گفتگو ہے کبھی　　فراقِ لختِ جگر نے بھلائی تشنہ لبی
اُٹھی جو ہوک سی دل میں تو اتنی بات کہی　　جدائیِ علی اکبرؑ میں زندگی کیسی
چُھٹے نہ باپ سے ایسا کوئی پسر، یارب
اب اس طرح سے نہ اُجڑے کسی کا گھر، یارب

بہ آہِ سرد کبھی اپنے ناصروں سے خطاب　　پڑے ہو، اے مرے شیرو، ذرا اُٹھو بہ شتاب
کہیں سے لاؤ تمہیں وہ مرے چمن کا گلاب　　کہ جس کا عہدِ جوانی ہے مصطفےٰؐ کا شباب
وہ میرا چاند سلامت ہے یہ خبر لاؤ
شبیہِ احمدِ مرسل کو ڈھونڈ کر لاؤ

کبھی یہ نہر کی جانب ہے، بیکسی کا بیاں   تمہیں سُنو، مرے عباسؑ میری آہ وفغاں
کوئی بتاتا نہیں، میرا نوجواں ہے کہاں   تمہیں مدد کیلئے آؤ، اے علیؑ کے نشاں

یہ دل ملول بہت، بے قرار ہے بھائی
تمہیں بھی تو علی اکبرؑ سے پیار ہے بھائی

جو سب کا لاڈلا ہے، وہ پسر نہیں ملتا   اُداس ہے صدفِ دل، گہر نہیں ملتا
وہ گلعذار، وہ رشکِ قمر نہیں ملتا   میں کیا کروں مرا نورِ نظر نہیں ملتا

کہاں تلاش کروں، روشنی کے پیکر کو
کوئی تو ڈھونڈ کے لے آئے، میرے اکبرؑ کو

یہ حالِ زار قیامت ہے آدمی کے لیے   نہ آئے ایسی مصیبت کبھی کسی کے لیے
سیاہ وقت ہے بیکس کی زندگی کے لیے   چراغ ہو کے ترستا ہوں روشنی کے لیے

عجب یہ بات بعنوانِ حادثات ہوئی
مجھے تو آج بھری دوپہر میں رات ہوئی

اِدھر محبتِ فرزند میں بیانِ حسینؑ   اُدھر وہ آخری لمحات اور جانِ حسینؑ
بھلا سکے گی نہ دنیا یہ امتحانِ حسینؑ   سناں نے لوٹ لی خوشبوئے گلستانِ حسینؑ

غریب باپ کا دل آزمانے آتی ہے
اجل بھی، خون کے آنسو بہانے آتی ہے

کسی طرح جو نظر آ گیا وہ رشکِ قمر   بزورِ جوشِ محبت پہنچ گئے سرورؑ
کلیجہ تھام کے دیکھی یہ حالتِ دلبر   رکھے ہیں گیسوؤں والے نے ہاتھ سینے پر

پتا یہ شیر کی بے چینیوں سے چلتا ہے
جہاں ہیں ہاتھ وہیں سے لہو اُبلتا ہے

زمینِ گرم پہ ہے گرم خون کا بستر　　پڑے ہیں نیم غشی میں شبیہِ پیغمبرؐ
تمام جسم پہ زخموں کی آتشیں چادر　　پھٹے بشر کا کلیجہ وہ حشر کا منظر
شفق کی طرح سے جو نینوا پہ بکھرا ہے
یہ مامتا کے چراغوں کا نور پھیلا ہے

قریب ہے کہ بجھیں اب وہ مامتا کے چراغ　　قریب ہے کہ بکھر جائیں حسرتوں کے ایاغ
دلِ حسینؑ اٹھائے جوان لال کا داغ　　قریب ہے کہ خزاں لوٹ لے غریب کا باغ
بہار ختم ہو، گلدستۂ شباب چھپے
قریب ہے کہ وہ لیلیٰؑ کا ماہتاب چھپے

سرہانے بیٹھ کے آواز دی، علی اکبرؑ　　تمہارے پاس ہے اس دم یہ غم نصیب پدر
خدا کے واسطے کچھ گفتگو کرو دلبر　　مجھے بھی دیکھ لو نورِ نگاہ ایک نظر
گزر گئی جو مسافر پہ سب بتائے گی
تمام حال مری بے کسی سُنائے گی

سُنی جو باپ کی آنسو بھری ہوئی آواز　　بدن میں تھرتھری آئی تڑپ گیا جانباز
سمٹ کے آ گیا آنکھوں میں ضبط کا انداز　　بیانِ دل کیلئے درد ہو گیا دم ساز
اب اضطراب نے کچھ دائرے سمیٹ لیے
نفس نفس پہ طبیعت نے غم لپیٹ لیے

لبوں میں آ گئی جنبش کھلے نگاہ کے دَر　　نظر پہنچ گئی سبطِ نبیؐ کے چہرے پر
بیان ہو نہیں سکتی یہ حالتِ اکبرؑ　　کچھ اس طرح ہوئی تعظیمِ سبطِ پیغمبرؐ
جھکا کے پلکیں شہِ دیںؑ کا احترام کیا
لرزتے ہونٹوں سے مظلوم کو سلام کیا

کہا یہ کانپتے لفظوں میں، اے مرے بابا　　فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا
کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا　　چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا
گھرے ہیں سیّدِ والاؑ ستم شعاروں میں
نبیؐ کا پھول ہے، تیغوں کی تیز دھاروں میں

مرے لئے جو اٹھائی ہے آپ نے زحمت　　بڑھی ہے پیشِ خدا اس غلام کی عزت
حضورؑ کس طرح اُٹھوں نہیں رہی طاقت　　مرا نصیب، مری بے بسی، مری قسمت
یہ رنج بھی دلِ اکبرؑ نے اب اُٹھائے ہیں
حضورؑ، آپ یہاں تک اکیلے آئے ہیں

جبیں کو چوم کے شہؑ نے کہا نہیں مرے لال　　تم اپنے باپ کی زحمت کا کچھ کرو نہ خیال
جسے سمجھتے ہو تکلیف، اے خجستہ خصال　　یہی وہ پیار ہے جس کی نہیں ہے کوئی مثال
خدا سے جو علی اکبرؑ سا لال پائے گا
یہ پیار کیا ہے، وہی آدمی بتائے گا

تمہیں خبر نہیں بیٹا، جواں پسر کیا ہے　　مرا نہال ابھی واقفِ ثمر کیا ہے
تمہیں پتہ نہیں روحِ دل و جگر کیا ہے　　یہ آنکھیں جانتی ہیں دولتِ نظر کیا ہے
سفر سے لوٹ کے جس کا پسر نہیں آتا
وہ دیکھتا ہے، مگر کچھ نظر نہیں آتا

جسے نصیب تجلّیِ رخِ جمال وہی　　خوشی ہو جس کا مقدر سکوں مآل وہی
بہار جس کے چمن میں شگفتہ حال وہی　　خدا نے پھول دیے ہوں جسے نہال وہی
مگر وہ باغ جسے ایک دوپہر لُوٹے
خزاں، گلوں کو جوانی کی شاخ پر لُوٹے

یہ کربلا کی زمیں پر مصیبتوں کے بھنور وہ وقت یاد دلاتے ہیں اے علی اکبرؑ
تمہارے نور سے جب حق نے بھر دیا مرا گھر تمام اہلِ مدینہ میں چھا گئی یہ خبر
مثال جس کی میسّر نہیں وہ پھول ملا
پسر حسینؑ کو ہم صورتِ رسولؐ ملا

زبانِ پیر و جواں پر بجی ہوئی تھی یہ بات بہت عزیز ہے پیشِ خدا حسینؑ کی ذات
کسے نصیب جہاں میں یہ آبروئے حیات عطا ہوا ہے مہِ نو تمام مہر صفات
کسے خبر تھی مہِ نو کا یہ مقدّر ہے
بھرا شباب ہے، دستِ اجل ہے، اکبرؑ ہے

ابھی نواسۂ خیرالانامؐ کے یہ سخن اٹھا جو درد، تڑپنے لگا وہ ماہ بدن
پسر کے سینے پہ پہنچی نگاہِ شاہِ زمن ہٹا کے ہاتھ جو دیکھا تو کانپنے لگا تن
رہینِ چند نفس زندگی نظر آئی
سناں کلیجے میں ٹوٹی ہوئی نظر آئی

کہا، یہ زخم چھپایا ہے کیوں علی اکبرؑ تمہیں خیال تھا شاید نہ سہہ سکے گا پدر
علیؑ کا لال ہے لیکن وہ صبر کا پیکر ہزار زخم ہوں ایسے تو شکر ہو لب پر
ادائے حمد سے پیاری تو کوئی چیز نہیں
مجھے خدا سے زیادہ کوئی عزیز نہیں

پھر اس کے بعد اٹھے، شاہِ دیں بنامِ خدا کمالِ ضبط میں ٹوٹی سناں پہ ہاتھ رکھا
زباں پہ نعرۂ تکبیر اور اتنی دُعا کسی قدم پہ نہ گھبرائے دلبرِ زہراؑ
میں کیا کہوں، جو غریب الوطن کے ہاتھ آیا
اُلجھ کے نوکِ سناں میں کلیجہ ساتھ آیا

کمالِ صبر کی دنیا نے دیکھ لی تصویر نثار ہو گئی خوابِ خلیلؑ کی تعبیر
کلیجہ چوم کے بولا، یہ نعرۂ تکبیر یہی تو عظمتِ انساں ہے مرحبا شبیرؑ
خدا کی راہ میں جو کائنات دیتے ہیں
سناں، وہ اپنے کلیجے سے کھینچ لیتے ہیں

کلیجہ نکلا مسافر کی کائنات گئی اندھیرا چھا گیا' شمعِ تجلّیات گئی
زمیں پہ صرف بدن رہ گیا حیات گئی تصورات کا دولھا گیا، برات گئی
تمام حسرتیں برباد کر گئے اکبرؑ
حسینؑ رہ گئے تنہا، گزر گئے اکبرؑ

زبانِ حال سے دشتِ بلا پکار اُٹھا ابوترابؑ کے گل پیرہن کو آئی قضا
اٹھا زمانے سے ہم صورتِ رسولِؐ خدا اجل نے گلشنِ سبطِ نبیؐ کو لوٹ لیا
دیارِ غیر میں یوں کوئی غم نصیب نہ ہو
خدا کرے کوئی اس طرح بھی غریب نہ ہو

رُخِ حیات پہ ویرانیاں بکھرنے لگیں فضائیں نوحہ کناں ہو کے آہیں بھرنے لگیں
ہوائیں نہر سے منہ پھیر کے گزرنے لگیں سناں سے لپٹی ہوئی پیاس یاد کرنے لگیں
خیال آیا جو پیاسے کی نوجوانی کا
کلیجہ پانی ہوا، علقمہ کے پانی کا

تڑپ تڑپ کے پکارے، چمن چمن کے گلاب گلِ رسولؐ کی فرقت میں زندگی ہے عذاب
ہر ایک شاخِ ثمردار نے کیا یہ خطاب محال ہے ثمرِ گلشنِ نبیؐ کا جواب
کہاں وہ حسنِ رسالت مآبؐ آئے گا
کسی چمن میں نہ ایسا گلاب آئے گا

کہیں چھپے ہوئے تارے یہ کر رہے ہیں بیاں　　محیطِ ارض و سما ہے غموں کی کاہکشاں
حسینؑ مہرِ امامت کہاں، یہ وقت کہاں　　اس انقلاب پہ حیراں ہے گردشِ دوراں

تمام چہرہ ہے زرد آفتاب روتا ہے
لہو کے فرش پہ اب ماہتاب روتا ہے

زمانہ دیکھ لے یہ حوصلہ، یہ دل، یہ جگر　　اٹھا رہے ہیں شہؑ دیں، جوان لاشِ پسر
کیا ہے فرقتِ عباسؑ نے، شکستہ کمر　　مگر یہ عزم کہ آئے نہ حرف ہمت پر

خود اپنے بازوؤں پہ اپنی لاش اٹھاتے ہیں
خیام میں، علی اکبرؑ کو لے کے جاتے ہیں

اٹھائی بازوؤں پہ لاش، یا علیؑ کہہ کر　　نثار ہونے لگی، روحِ فاتحِ خیبر
زمیں نے آنکھیں بچھائیں دہکتے ذرّوں پر　　عجب نہیں ہے یہ کہتی ہو دھوپ کی چادر

حسینؑ، دلبرِ خیبر شکن ترے قرباں
نبیؐ کے لاڈلے تشنہ دہن ترے قرباں

قدم اُٹھے طرفِ خیمہ گاہ شاہؑ چلے　　چراغِ ہمتِ مظلوم ہر قدم پہ جلے
یہ بات کہتے ہوئے آسماں نے ہاتھ ملے　　وہ غم اٹھائے جو آغوشِ فاطمہؑ میں پلے

ستایا صاحبِ معراج کے نواسے کو
یہ کس نے لوٹ لیا تین دن کے پیاسے کو

ضعیف باپ کے بازو جوان بیٹے کی لاش　　یہ حال دیکھ لیں انصارِ باوفا اے کاش
رہے گی رُوحِ تصور پہ حشر تک یہ خراش　　کہے گا آج سے تاریخ کا دلِ صد پاش

وفا کے باغ میں قربانیوں کا پانی ہے
خدا کا دین تو شبیرؑ کی کہانی ہے

وہ راستہ، وہ قیامت کے خواب کی تعبیر　　قدم قدم پہ مسافت کے درد کی زنجیر
بنا رہے ہیں جو اکبرؑ کے دونوں پاؤں لکیر　　ابھر رہی ہے یہ احساسِ فکر کی تصویر
یہ کہکشاں، سرِ آفاق جگمگائے گی
کوئی بھی دور ہو اکبرؑ کی یاد آئے گی

درِ خیام پہ آخر پہنچ گئے شبیرؑ　　اٹھایا فضہؑ نے پردہ، بہا کے اشکِ خطیر
پکارے کانپتے ہونٹوں سے سیدِ دلگیر　　لئے ہوں لاشۂ اکبرؑ 'سنبھالو اے ہمشیر
یہ کیا بیاں کروں کس طرح سے میں لایا ہوں
تمہارے شیر کو مقتل سے لے کے آیا ہوں

کہاں ہو میری بہن، آؤ، آ گئے اکبرؑ　　تم اپنے گیسوؤں والے کو دیکھ لو آ کر
کئے ہیں فوج پہ حملے جو صورتِ حیدرؑ　　تھکن سی ہوگئی، سوئے ہیں میرے ہاتھوں پر
عجب ہے نیند کا عالم، بتا نہیں سکتا
تمہیں جگاؤ، انہیں میں جگا نہیں سکتا

سُنی بہن نے جو بھائی کی دُکھ بھری آواز　　تڑپ کے آ گئی در پر وہ فخرِ شاہِ حجاز
کچھ اور بڑھ گیا سینے میں درد کا انداز　　لہو میں تر نظر آیا وہ مہ لقا جانباز
سہارا ثانیِ زہراؑ کا جب لیا شہؑ نے
فلک کا چاند زمیں پر لٹا دیا شہؑ نے

لپٹ کے لاش سے، بولیں یہ ثانیِ زہراؑ　　پھوپھی نثار' بتاؤ یہ کیا ہوا بیٹا
ملا ہے خوب مجھے میری محنتوں کا صلا　　خبر ہے پالنے والی کا حال کیا ہوگا
یہ کس نے زخموں کی چادر اُڑھائی ہے اکبرؑ
میں کس طرح تمہیں دیکھوں' دہائی ہے اکبرؑ

سمجھ رہی تھی کہ دو لال کر دیے قرباں تمہارے باغِ جوانی پہ آئے گی نہ خزاں
مگر میں کیا کروں اے میرے شیر، میرے جواں دکھا دیا مری قسمت نے یہ ستم بھی یہاں
تمہارے بعد یہ لمحے پھوپھی نے پائے ہیں
کہ اب تو عونؑ و محمدؑ بھی یاد آئے ہیں

بیانِ ثانیِ زہراؑ پہ مچ گیا کہرام قریب لاش ہُوا کعبۂ رسولِؐ انام
کسی نے رو کے کہا، آہ اکبرِؑ گلفام کسی کے لب پہ صدا ہائے بیکسیِ امامؑ
گزر گئے علی اکبرؑ، پدر ہُوا تنہا
جہاں میں رہ گیا، زہراؑ کا لاڈلا تنہا

تمام اہلِ حرم آئے، آ گئیں لیلیٰؑ ہزار مامتا غالب ہوئی پہ ضبط کیا
یہی خیال دل و ذہن پر محیط رہا کوئی یہ بات نہ کہہ دے کہ صبر ہو نہ سکا
تمام گودیاں خالی ہیں، خیمے خالی ہیں
تمام بیبیاں اکبرؑ کو رونے والی ہیں

پکڑ کے ہاتھ جو لے آئیں ثانیِ زہراؑ کلیجہ خاک پہ دیکھا تو مامتا نے کہا
مرا خیال نہ آیا تو کچھ نہیں بیٹا تمہیں تو اے علی اکبرؑ پھوپھی نے پالا تھا
وہ کیسے صبر کریں گی جواب دو اکبرؑ
کھڑی ہیں دخترِ زہراؑ اُٹھو اُٹھو اکبرؑ

خدا نے تم کو عطا کی ہے آبروئے ادب تو پھر بتاؤ تغافل کا آج کیا ہے سبب
میں جانتی ہوں کہ تم آئے ہو خیام میں جب رہے ہو سب کیلئے خوش کلام و خیر طلب
یہ کیا مزاج، مرے لال اختیار کیا
نہ مسکرائے، نہ اصغرؑ کو تم نے پیار کیا

یہ کیسی نیند ہے جس کو گلے لگائے ہو　　یہ سرخ پھول سرِ جسم کیوں سجائے ہو
مثالِ ابنِ حسنؑ خون میں نہائے ہو　　سُنا ہے باپ کے ہاتھوں پہ آج آئے ہو
اُٹھو لڑائی کا قصّہ سُنا کے سو جانا
پڑے ہو خاک پہ، بستر بچھا کے سو جانا

سُنا ہے شاہ نے سینے سے کھینچ لی برچھی　　ذرا وہ زخم دکھاؤ مرے شبیہِ نبیؐ
میں جانتی ہوں کلیجے پہ کیا بنی ہو گی　　بتا رہی ہے یہ سینے کے زخم کی سُرخی
بدن سے روح کا رشتہ نہیں رہا بیٹا
میں جانتی ہوں کلیجہ نہیں رہا بیٹا

سُنا ہے جس کو میسّر ہوا جوان پسر　　وہ ماں زمانے میں کہلائی خوش نصیب شجر
خدا نے جس کو دیا ہو شبیہِ پیغمبرؐ　　اُسی کے گھر کا سکوں چھین لے اجل کی نظر
غریب ماں کے مقدّر میں کچھ نہیں بیٹا
تمہارے بعد مرے گھر میں کچھ نہیں بیٹا

نہ جانے ایسے میں کیوں آ رہا ہے ایک خیال　　کہ جیسے کوئی مرے دل سے کر رہا ہو سوال
وہ اک بہن جو مدینے میں ہو رہی ہے نڈھال　　کیا تھا اُس سے جو وعدہ بھلا دیا مرے لال
وہ انتظار میں گھڑیاں گزارتی ہو گی
وہ صبح و شام تمہیں کو پکارتی ہو گی

دھڑک رہا ہے مرا دل میں کیا کروں بیٹا　　کہ جیسے شام سے پہلے لٹے گی آلِ عباؑ
سُنا رہی ہے مجھے ارضِ کربلا کی ہوا　　کہ جیسے آج مرے بال کھول دے گی فضا
جنابِ فاطمہؑ زہرا کا لاڈلا نہ رہے
عجب نہیں سرِ زینبؑ پہ اب ردا نہ رہے

نبیؐ کے لال نے آخر اٹھائی لاشِ پسر   چلے جو خیمے سے باہر تو ہو گیا محشر
پھوپھی کی طرح سے بے ہوش ہو گئی مادر   ہر اک زبان پہ تھا الوداع، اے اکبرؑ
گئی تو در پہ مگر آہ بھر کے لوٹ آئی
سکینہؑ بھائی کو تسلیم کر کے لوٹ آئی

خموش قیصرؔ غمگیں نوا، خدا کے لئے   اب اپنے ہاتھ اُٹھا عرضِ مُدّعا کے لیے
زباں ہلے نہ کبھی، غیر کی ثنا کے لئے   یہ زندگی ہو غمِ شاہِ کربلا کے لیے
لکھا ہے مرثیہ مظلوم کی سلامی کو
ثواب اس کا ملے مادرِ گرامی کو

◆◆◆

maablib.org

هفت اقلیم

(امام موسیٰ کاظمؑ کی سیرت اور اُن کی المناک شہادت)

۶۹ بند۔ ۱۹۷۸ء

◆◆

❖❖

اُلفتِ آلِ محمدؐ کے سمندر کی قسم
دفترِ نظم سفینہ ہے تو موجیں ہیں قلم
گردِ پاپوش سے زاید نہیں دنیا کے ستم
دستِ کردار میں ہے نادِ علیؑ کا پرچم
ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغِ رسالتؐ کی ثنا خوانی پر

❖❖

ہفت اقلیم

ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا ساتھ سیاروں میں کوئی نہیں ہمسر میرا
کیوں نہ قبضہ ہو ثریائے سخن پر میرا سایۂ موسیٰ کاظمؑ میں ہے بستر میرا
مجھ سے بڑھ جائے زمانہ یہ کسی طور نہیں
اپنے مولاؑ کا بھکاری ہوں کوئی اور نہیں

اور ہوں گے جو بُرے وقت سے گھبرائیں گے جتنے غم ہیں مرے غمخوار نظر آئیں گے
میرے دشمن مری تقدیر کہاں پائیں گے دھوپ کی طرح جو نکلے ہیں وہ ڈھل جائیں گے
حق بیانی مری دولت ہے مگن رہتا ہوں
میں تو دریا ہوں سمندر کیلئے بہتا ہوں

اُلفتِ آلِ محمدؐ کے سمندر کی قسم دفترِ نظم سفینہ ہے تو موجیں ہیں قلم
گردِ پاپوش سے زائد نہیں دنیا کے ستم دستِ کردار میں ہے نادِ علیؑ کا پرچم
ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغِ رسالتؐ کی ثنا خوانی پر

فخر کرتا ہوں تو لاریب عبادت ہے یہ فخر
جذبۂ دل کی قسم عین محبت ہے یہ فخر
دینِ فطرت کی ہے آوازِ شریعت ہے یہ فخر
میں سخنور ہوں مرے واسطے حق ہے یہ فخر
کیا کہوں جلوہ گہِ فخر میں کیا پاتا ہوں
پیشِ ممدوح، تصور میں پہنچ جاتا ہوں

لوگ اس جذبِ تصور کو سمجھتے ہیں غلو
سچ ہے ناواقفِ تسلیم کہاں واقفِ ہُو
بے نمازی کیلئے قید ہے ترتیبِ وضو
حق نظر کو نظر آتی ہے گلوں کی خوشبو
چادرِ ارض اشاروں سے لپٹ جاتی ہے
بُوترابی کے لئے راہ سمٹ جاتی ہے

عشق کی راہ میں دشوارئ منزل ہی نہیں
موج کے ساتھ نہ آجائے تو ساحل ہی نہیں
دل کی آواز اگر دل نہ سُنے، دل ہی نہیں
جو سمندر نہ اُچھالے مہِ کامل ہی نہیں
شیشۂ دل سے جو دنیا کو مٹا دیتا ہے
اپنے مولاؑ کی وہ آواز بھی سُن لیتا ہے

حق ہو آواز تو اُٹھ جاتے ہیں نظروں سے حجاب
پردۂ چشم پہ کھلتے ہیں تمنا کے گلاب
جو حقیقت سے ملا دے وہ تصور ہے ثواب
میرے اشعار بھی ہیں میرے مقدر کا شباب
فکر کی بارہ دری گلشنِ تحریر میں ہے
میں وہ دنیا ہوں کہ عقبےٰ مری جاگیر میں ہے

میری جاگیرِ مودّت کی سنہری فصلیں
قنبریؑ پھول، طرحدار بلالیؓ شاخیں
سیر کو آئیں فرشتے بھی تو اتنا کہہ دیں
گلشنِ نظم میں ہیں خیرِ عمل کی نہریں
چشمِ بددور یہاں روحِ بشر پلتی ہے
نیند رضوان کو آئے، وہ ہوا چلتی ہے

دمبدم گلشنِ رضواں کی ہوا کا احساس　　جس کو تسلیم کریں مجتبیٰؑ، پانچ حواس
علم کے سامنے بیکار ہے میزانِ قیاس　　دیکھ لیتے ہیں ستاروں کا اثر برج شناس
جب تخیّل میں حقیقت کی فضائیں ہوں گی
صادقِ آلِ محمدؐ کی عطائیں ہوں گی

صادقِ آلِ محمدؐ کی عطا ہے یہ کلام　　ورنہ میں جانتا ہوں اپنی بساط، اپنا مقام
وقت کے ساتھ یہ جدّت، یہ ادب، یہ پیغام　　اپنے فرزند کا صدقہ مجھے دیتے ہیں امامؑ
کربلا والوں سے ملتی ہے سخن کی دنیا
کاظمین آ کے سجا لیتا ہوں فن کی دنیا

فن کی دنیا ہے، فقط، مرثیہ گوئی کا شرف　　لفظ ہیں گوہرِ نایاب، تخیّل ہے صدف
کعبۂ دل میں بچھاتا ہوں جو ایمان کی صف　　ماتمی آنکھ لٹا دیتی ہے کچھ دُرِّ نجف
درد کے آئینے کاغذ پہ بکھر جاتے ہیں
حرف، زنجیر کی مانند نظر آتے ہیں

ایک زنجیر جسے سلسلۂ ناز کہوں　　عالمِ قید میں مظلوم کی دم ساز کہوں
ایک زنجیر جسے امر کہوں، راز کہوں　　جس کی جھنکار کو اسلام کی آواز کہوں
تازیانوں کی صدا آئی تو لب دوز رہی
ایک زنجیر جو غربت میں جگر سوز رہی

کاش انسان جگر سوزیِ زنجیر سُنے　　لبِ تاریخ سے اک نوحۂ تحریر سُنے
جس نے فطرت کو رُلایا ہے وہ تقریر سُنے　　جبر کا شور سُنے، صبر کی تکبیر سُنے
چشمِ انصاف سے ماضی کا تماشہ دیکھے
ارضِ بغداد پہ قرآن کا لاشہ دیکھے

کاش انسان سُنے لاشۂ قرآں کیا ہے   کاش ایمان کہے حاصلِ ایماں کیا ہے
آیتیں جس کا قصیدہ ہیں وہ انساں کیا ہے   کاش آزادیاں سمجھیں غمِ زنداں کیا ہے
قید کا واقعۂ اشک فشانی پڑھ لے
زندگی، موسیٰ کاظمؑ کی کہانی پڑھ لے

وہ کہانی جسے دنیا نے چھپایا ہے بہت   حکمرانوں کی سیاست نے مٹایا ہے بہت
بندۂ نفس مورّخ نے بھلایا ہے بہت   کچھ لکھا بھی ہے تو لفظوں کو دبایا ہے بہت
ذہن بدلے گئے قانونِ ضرورت کے لئے
حقِ تحریر بکا نقدِ سیاست کے لئے

بن گئی خونِ حیا نقدِ سیاست کی چمک   حسبِ خواہش ہوئی قانونِ ضرورت میں لچک
بے صدا ہو گئی انصاف کے در پر دستک   حکم تھا چھین لو کردار کے گلشن سے مہک
فرشِ گیتی پہ کوئی دین کا حاکم نہ رہے
جو محمدؐ کی شرافت ہے وہ کاظمؑ نہ رہے

حاکمِ وقت کا شیوہ تھا، شرافت کا زوال   شیطنت جس پہ کرے ناز وہ آوارہ خصال
ٹکڑے ٹکڑے دلِ تہذیب حمیّت پامال   نہ غریبوں پہ عنایت، نہ یتیموں کا خیال
اپنی وحشت میں درندے کی طرح خونی تھا
نام ہارون تھا، کردار میں قارونی تھا

اک طرف تخت پہ ہارون ذلالت انجام   نشۂ تاجِ خلافت میں وہ دولت کا غلام
اک طرف کاظمِؑ حق وارثِ نورِ اسلام   لب پہ قرآن تو آنکھوں میں محمدؐ کا نظام
اک طرف جہلِ بشر خون بہانے کیلئے
اک طرف علم کا خورشید زمانے کیلئے

اک طرف علم کے خورشید کا جاہل دشمن جیسے قرآں کے مقابل کسی کافر کا سخن
اک طرف شالِ رسالتؐ میں امامت کا بدن جیسے مہتاب کی چادر پہ سنہری گلشن
اک طرف ذہنِ ابوجہل کا افسانہ تھا
اک طرف سورۂ یٰسین کا پیمانہ تھا

اِک طرف سورۂ یٰسین مٹانے والا چاند کو گرد کے بادل میں چھپانے والا
اک طرف آئینۂ خُلق دکھانے والا اپنے دشمن کو تباہی سے بچانے والا
اک طرف تیز قدم کُفر کی منزل کے لئے
اک طرف ضربِ علیؑ پیکرِ باطل کے لئے

اک طرف پیکرِ باطل بہ تقاضائے غرور جس طرح سینۂ ہستی میں ستم کا ناسُور
اک طرف جرأتِ حق اپنے اب وجد کا شعور جس طرح عظمتِ کردار کا زرّیں دستور
اک طرف لاشۂ کردار پہ تکبیریں تھیں
اک طرف مصحفِ توحید کی تفسیریں تھیں

اک طرف مصحفِ توحید سے ظالم کا مذاق جیسے پوشاکِ خلافت میں زمانے کا نفاق
اک طرف درد سے ہر تارِ نفس کا الحاق جیسے فطرت کیلئے روزِ ازل کا میثاق
صحنِ کعبہ میں بھی کعبے کا نگہباں نہ ملا
حفظِ قرآں میں رہے وارثِ قرآں نہ ملا

آدمی عابد و معبود کو سمجھے ہی نہیں سجدۂ حق پہ گماں، رنگِ توہم پہ یقیں
کلمہ پڑھنے کا یہ عالم کہ نہ دنیا ہے نہ دیں پوری یٰسین پڑھی بھول گئے سات مبیں
اک طرف خوابِ زمانہ میں دل آزاری تھی
اک طرف عابد و معبود کی بیداری تھی

راہِ تاریخ پہ ہیں وارثِ قرآں کے قدم ساری دنیا ہے ورق آئینۂ تطہیرِ قلم
غور سے دیکھو لو رہ جائے گا آنکھوں کا بھرم عرش تک آلِ محمدؐ کا قصیدہ ہے رقم
فردِ قانون میں اک لفظ کی ترمیم نہیں
وحدتِ فکر و نظر میں کہیں تقسیم نہیں

کہاں توحید، کہاں فکر ونظر کی تقسیم کہاں قرآن، کہاں ذہنِ بشر کی ترمیم
دفترِ دانش و حکمت کا یہ نکتہ ہے عظیم اپنی خلقت میں جو عالم ہوں وہ بندے ہیں علیم
معجزہ یہ بھی ہے تاریخ کے نظارے میں
لوحِ محفوظ پڑھی جاتی ہے گہوارے میں

زندگی دیکھ لے، ہر درد کے گہواروں کو ڈھونڈ لے شاہد قدرت کے طرحداروں کو
کیا بھلائے گا کوئی دین کے شہکاروں کو عرش سے حکمِ سلام آ گیا دیواروں کو
اہلِ حق جلوۂ اسلام دکھانے آئے
ماں کی آغوش میں قرآن سنانے آئے

ماں کی آغوش میں قرآن سنانے کا عمل بے زبانی میں زبانوں کے سکھانے کا عمل
ہر نظر مقصدِ توحید بچانے کا عمل اس کو کہتے ہیں محمدؐ کے گھرانے کا عمل
کوئی منزل ہو عبادت کی ادا ایک ملی
پوری تسبیح کے دانوں کی جلا ایک ملی

ایک تسبیحِ امامت میں ہیں بارہ دانے کیا تفاوت ہے بتائیں تو ذرا فرزانے
بت پرستوں کی نظر شانِ خدا کیا جانے پاس ہو چشمِ ابوذرؓ تو کوئی پہچانے
ایک ہی شان سے پیری و جوانی دیکھی
بارہ دریا ہیں مگر ایک روانی دیکھی

موجِ وحدت کی قسم ایک روانی کی قسم	بحرِ الحمد میں تفسیر کے پانی کی قسم
ایک ہی رنگ میں آیات بیانی کی قسم	ایک مضموں کی قسم ایک کہانی کی قسم
علم کے آئینے میں ایک ہی مقصد دیکھا
حق نمائی کے لئے سب کو محمدؐ دیکھا

آندھیوں سے نہ بجھیں گے یہ محمدؐ کے چراغ	تا قیامت نظر آئیں گے مشیت کے ایاغ
اب وہ شدّاد کی جنت ہے نہ فرعون کا باغ	فخرِ موسیٰؑ ہے فقط موسیٰ کاظمؑ کا دماغ
جس طرح جھومتا پانی ہے زراعت کیلئے
اس طرح موسیٰ کاظمؑ ہیں امامت کیلئے

دیکھتی آنکھیں، امامت کا یہ پیکر دیکھیں	چشمِ انصاف سے ماضی کے ورق پر دیکھیں
ابنِ جعفرؑ کے لئے مسندِ جعفرؑ دیکھیں	حُسنِ قدرت نظر آئے گا گلِ تر دیکھیں
جب رُخِ موسیٰ کاظمؑ پہ تلاوت ہو گی
میرا دعوئ ہے محمدؐ کی زیارت ہو گی

اس زیارت میں کھلے گا کہ امامت کیا ہے	وقت کے ساتھ جو قائم ہے وہ حجت کیا ہے
دین کے واسطے معصوم قیادت کیا ہے	آیتیں آپ بتائیں گی تلاوت کیا ہے
جب خیالات، عقیدت کی جگہ پائیں گے
معنیِ ہفت مبیں ذہن میں آ جائیں گے

ذہن میں سات مہینوں کا تبسم لے کر	قلب میں سازِ مودّت کا ترنم لے کر
جعفری بحر سے اندازِ تلاطم لے کر	کاظمی علم سے معراجِ تکلّم لے کر
آدمی وقت کے شعلوں پہ سنبھل سکتا ہے
یا علیؑ کہہ کے زمانے کو بدل سکتا ہے

ہر زمانے میں اُسی شخص کو ملتا ہے خراج
جس کا اندازِ نظر ہو غمِ فطرت کا علاج
اس کے دَر پر سرِ تعظیم جھکاتا ہے سماج
خاک پر جس کا مصلیٰ ہو تو ٹھوکر میں ہو تاج
غم کے طوفاں سے جو بے خوف گزر جاتا ہے
پیروِ موسیٰ کاظمؑ وہی کہلاتا ہے

پیرو موسیٰ کاظمؑ ہو اگر کوئی بشر
اُس کی نظروں سے پگھل جاتے ہیں پتھر کے جگر
جس کے سینے میں رہے اجرِ رسالت کی خبر
اُس کے ہونٹوں کیلئے وقف ہے جامِ کوثر
جس کے انجام کی اولادِ نبیؐ ضامن ہے
اُس کے ناموس کھلے سر ہوں، یہ ناممکن ہے

آج کیوں ختم ہے ناموس کے چہروں کی ضیاء
آج کیوں گھر میں ہے بازار کی مسموم ہوا
کیوں اذانوں سے ملی بربطِ مغرب کی صدا
آج کیوں اپنی دعا میں نہیں تاثیرِ دُعا
اپنے ماحول سے ظاہر ہے کہ ایمان نہیں
آج ہونٹوں پہ کھلے گیت ہیں قرآن نہیں

قید قرآن ہے دنیا کے جریدے آزاد
بے خودی جانِ ثقافت ہے شرافت برباد
آج ماں باپ اور اولاد میں بھرپور تضاد
جیسے خطبوں میں سکوں اور خطیبوں میں فساد
جو رسالتؐ کے شجر پر ہے وہ پھل بھول گئے
لوگ اولادِ پیمبرؐ کا عمل بھول گئے

بخدا آلِ پیمبرؐ کا عمل ہے اسلام
ورنہ اسلام ہے اور سارے جہاں کا الزام
حکمِ اللہ کے برعکس حکومت کا نظام
حق پرستوں کو دکھاتا ہے ستم کا ہنگام
وقت اس طرح قیامت کی خبر لاتا ہے
دین کا آئینہ زنداں میں بکھر جاتا ہے

کس طرح آئینہ بکھرا یہ حقیقت بھی سُنو
دین کے واسطے دنیا کی قیامت بھی سُنو
ایک مظلوم پہ حاکم کی شقاوت بھی سُنو
دوستو موسیٰ کاظمؑ کی مصیبت بھی سُنو
یوں بھی تاریخ کے کردار پہ الزام آیا
بیڑیاں پہنے ہوئے قید میں اسلام آیا

قید میں آ گیا اسلام تو ساغر چھلکے
غیرتیں مر گئیں، دربار سجا، رقص ہوئے
مل گئے نقرئی سکوں سے ریائی سجدے
اشک قرآں نے پیئے اور مسلمان ہنسے
دولتیں بٹنے لگیں، وقت کے قزاقوں میں
گھر گئے موسیٰ کاظمؑ کے حرم فاقوں میں

میرے مولاؑ کے حرم اور مسلسل فاقے
خشک پھولوں کی طرح اہلِ خدا کے چہرے
میری شہزادیوں نے آہ یہ دن بھی دیکھے
ایک چادر نے غریبوں کے کھلے سر ڈھانپے
روضۂ احمدِ مختار پہ فریاد رہی
بے غذا ساتویں معصوم کی اولاد رہی

کیا کہوں ساتویں معصوم کی اولاد کا حال
سر جھکائے ہوئے سیدانیاں اور اشکِ ملال
اس طرح آٹھ پہر باپ کی غربت کا خیال
جس طرح فرقتِ شبیرؑ میں صغراؑ تھی نڈھال
قلب تھے سوئے نجف عقدہ کشائی کے لئے
قبرِ زہراؑ پہ دعائیں تھیں رہائی کے لئے

قبرِ زہراؑ پہ رہائی کی دُعا کا منظر
جیسے کلثومؑ کو غش آیا ہو اماں کہہ کر
بیٹیاں روئیں تھیں یوں باپ کی زنجیروں پر
جیسے زینبؑ کو نظر آیا ہو زخمِ حیدرؑ
شدتِ غم سے جو پلکیں ہوئیں بادل کی طرح
ارضِ بغداد نظر آ گئی مقتل کی طرح

ارضِ بغداد مسافر پہ مصیبت کا مقام وہ مصیبت جو شریفوں کو اجل کا پیغام
خونِ سادات پہ دربارِ ستم کا انعام جہاں ظالم کے شکنجے میں زمانے کا امامؑ
اس تصور کو دلِ اہلِ حرم سے پوچھو
باپ کی قید ہے اولاد کے دم سے پوچھو

باپ بھی وہ جو مشیّت کی مکمل تصویر اپنے منصب پہ رسالتؐ کی مکمل تصویر
حیدریؑ شان، شجاعت کی مکمل تصویر مثلِ سجادؑ، عبادت کی مکمل تصویر
سنگ ریزوں کو اگر شہدِ مصفّیٰ کر دے
ریت کوزے میں بھرے نعمتِ عظمیٰ کر دے

قائمِ نعمتِ عظمیٰ جسے کہتا ہو جہاں اس کو دربار میں رسوا کریں خونی انساں
چشمۂ علم و ہدایات رہے جس کی زباں اس کا انجام ہو پردیس میں فرشِ زنداں
اس حقیقت کے خیالات، جو تڑپاتے تھے
غم زدہ اہلِ حرم خاک پہ گر جاتے تھے

خاک پر اہلِ حرم اور شبِ زنداں میں امامؑ کیا اسی کرب کی لہریں ہیں مشیّت کا نظام
دونوں جانب سے تڑپتی ہوئی آہوں کا پیام کیا اسی درد کی نہریں ہیں بقائے اسلام
اُس طرف آس لگی تھی کہ حضور آئیں گے
اِس طرف بیڑیاں کہتی تھیں کہ مر جائیں گے

بیڑیاں چوم کے زنداں کے اندھیروں نے کہا اپنی تقدیر ہے معصوم کے چہرے کی ضیا
کوئی دیکھے در و دیوار کی خاموش فضا ایک پیغام ہے مظلوم کے سجدوں کی بقا
دین شرمندۂ دنیا نہیں کہلا سکتا
عصمتِ حق پہ کبھی حرف نہیں آ سکتا

عصمتِ حق سے حکومت کا اُلجھنا ہے فضول	ایک عالم کے مقابل نہیں دنیا کے جھول
آسمانوں کیلئے خاک ہے ہتھیار کی دُھول	کہاں دنیا کے پجاری، کہاں فرزندِ رسولؐ
صبر سے جبر کا ہر دور بدل جاتا ہے
رات جب پھیلتی ہے چاند نکل آتا ہے

رات کیا چیز ہے کم ظرف کی فردِ اعمال	چاند کیا چیز ہے تابندہ اُصولوں کا جمال
رات کیا چیز ہے بغداد کے حاکم کا زوال	چاند کیا چیز ہے معصومِ زمانہ کا کمال
تیرگی پیکرِ باطل کی قبا رکھتی ہے
روشنی موسیِٰ کاظمؑ کی ادا رکھتی ہے

کیا چھپائے گا کوئی موسیِٰ کاظمؑ کی ادا	کیا مٹائے گا کوئی نورِ امامت کی ضیا
علم صادق ہے زمانے میں محمدؐ کی بقا	کیا بھلائے گا کوئی گلشنِ کاظمؑ کی صبا
قید خانوں سے عیاں صبح کے مخزن ہوں گے
آندھیوں میں یہ چراغ اور بھی روشن ہوں گے

ظلمتیں بارشِ انوار سے ہٹ جائیں گی	بدلیاں صرصرِ تہذیب سے چھٹ جائیں گی
سختیاں صبر کی تلوار سے کٹ جائیں گی	بجلیاں آیتِ قرآں سے پلٹ جائیں گی
موت آئے گی، اندھیروں کے تماشائی کو
کون جھٹلائے گا سورج کی توانائی کو

مصحفِ دین کے سورج کی توانائی پہ	ختم ہو جائیں گے دنیا کی شقاوت کے شرر
دونوں عالم پہ ہے یوں موسیِٰ کاظمؑ کی نظر	جیسے کونین پہ سلطانِ رسالتؐ کا اثر
دل کا آئینہ ہے عاشور کے صابر کی طرح
عزم ہے شام کے بیمار مسافر کی طرح

قلب میں شام کے بیمار مسافر کا خیال   سیرتِ موسیٰ کاظمؑ کے لئے حسنِ کمال
سینۂ دہر پہ عاشور کی بے مثل مثال   جذبۂ موسیٰ کاظمؑ کے لئے صبر کی ڈھال
حق اگر چاہے تو کیا قلب و جگر کا لاشہ
وقت پر یہ بھی اٹھا لیتے پسر کا لاشہ

شیشۂ دل سے اُبھرتی ہے اگر یادِ پسر   صاف کہتا ہے نگاہوں سے تڑپتا ہوا گھر
اپنے فرزند کو بغداد بلا لیں سرورؑ   حکم ہو جائے تو ہم بھی ہوں مثالِ اکبر
بارِ تشہیر اٹھانے کے لئے حاضر ہیں
بیٹیاں قید میں جانے کے لئے حاضر ہیں

بیٹیاں چشمِ تصور سے یہ کرتی تھیں کلام   آ گیا قید میں وہ درد و الم کا ہنگام
زہرِ حاکم سے تڑپنے لگے مظلوم امامؑ   فرشِ زنداں نے کیا نور کے ٹکڑوں کو سلام
خونِ معصوم جو معصوم دہن سے نکلا
دین کا عطر غریبی میں چمن سے نکلا

دین کا عطر وہ معصوم لہو اور زنداں   زندگی خاک بسر، چاک گریباں ایماں
بیکسی روئی مگر کس نے سُنی آہ و فغاں   صرف غربت نے کہا اٹھ گیا میرا مہماں
سب مدینے میں ہیں وارث یہاں کون آئے گا
اک مسافر کے لئے کون کفن لائے گا

وہ مسافر جسے ہنستے ہوئے دیکھا ہی نہیں   وہ مسافر جو کبھی چین سے سویا ہی نہیں
جس کا سر سجدۂ معبود سے اُٹھا ہی نہیں   وہ مسافر ہے جو زنجیر سے نکلا ہی نہیں
جس کو سرمایۂ زہراؑ و علیؑ کہتے ہیں
وہ مسافر جسے فرزندِ نبیؐ کہتے ہیں

خاک پر ہے وہی فرزندِ نبیؐ کون کہے
آج بکھرا گلِ زہراؑ و علیؑ کون کہے
آئینہ ٹوٹ گیا، شمع بجھی، کون کہے
ضرب، قرآن کے سینے پہ لگی کون کہے
وقت ایسا ہے کفن بھی تو نہیں لا سکتیں
بیٹیاں باپ کی میت پہ نہیں آ سکتیں

یہ تو ویرانیٔ میت سے ہوا ہے معلوم
حکمرانوں کے لئے کھیل ہے قتلِ معصوم
دیں کی تہذیب کا دشمن ہے تعیش کا ہجوم
لب امّت پہ ہنسی، قلبِ پیمبرؐ مغموم
ساری دنیا کی خوشی، جھومتے میخواروں کو
زہر کا جام، رسالتؐ کے جگر پاروں کو

آج بھی پیشِ نظر ہے وہ رسالتؐ کا جگر
جس کی غربت پہ فدا ہو گئی غربت کی سحر
عرش نے دیکھا غریب الوطنی کا منظر
صبحِ محشر کی طرح کھل گیا زندان کا در
روحِ سلطانِ مدینہؐ کو ستانے آئے
بے وطن لاش کو مزدور اُٹھانے آئے

جس گھڑی لاش اٹھی کانپ گئی روحِ رسولؐ
خون رونے لگے انسان کی حرمت کے اُصول
کیسے دیکھے گی یہ غم کوئی نگاہِ معقول
لاش سے پیار کریں حلقۂ زنجیر کے پھول
دیدۂ غم نے عجب رنگِ اجل دیکھے ہیں
زیرِ زنجیر بھی زخموں کے کنول دیکھے ہیں

دلِ حساس میں زخموں کے کنول کا انداز
اک مصلیٰ ہے جہاں بیڑیاں پڑھتی ہیں نماز
عزم نے بھر دیا ہتھکڑیوں کے نوحوں میں گداز
مرثیہ خواں ہوئی ماحول کی غمگیں آواز
درد برسا دیا تابوت کی محرومی نے
بے کسی روئی تو ماتم کیا مظلومی نے

صفِ ماتم پہ تڑپتی رہی مغموم ہوا
چند مزدور چلے، لاشۂ مظلوم چلا
شہرِ بغداد، بھرا شہر مسلمانوں کا
روحِ قرآں کو کسی شخص نے کاندھا نہ دیا
یوں گزارا گیا مظلوم کو ویرانے سے
جیسے عنوان مٹا دے کوئی افسانے سے

قتلِ مظلوم وہ عنوان تھا اے اہلِ نظر توڑ دی جس نے بشر ساز خلافت کی کمر
دین زندہ رہا برباد ہوئے بانیِ شر خونِ معصوم نے تاریخ میں لکھی یہ خبر
جب حکومت کی نظر چادرِ ظلمت ہو گی
روشنی موسیٰ کاظمؑ کی شہادت ہو گی

اس شہادت کی تجلّی میں پڑھے گا انساں زندگی کیا ہے فقط آلِ محمدؐ کا بیاں
ہر طرف دیکھ کے بغداد کے محلوں کا دُھواں راز کھولے گی تڑپتے ہوئے دریا کی زباں
انقلاب آئے گا احساس کی تصویروں میں
پُل بتائے گا یہاں لاش تھی زنجیروں میں

پُل پہ رکھی ہوئی اک لاش، اک انسان کی لاش میزبانوں کی گزرگاہ پہ مہمان کی لاش
اہلِ اسلام کے رستے میں مسلمان کی لاش وہ اذانوں کی صدا اور وہ قرآن کی لاش
صبر کا آئینہ یوں غم کے اثر نے چوما
دُھوپ نے پیار کیا، راہ گزر نے چوما

بیڑیاں کیسے کٹیں راہ گزر سے پُوچھو کس طرح اشک بہے، دیدۂ تر سے پوچھو
کب رہائی ہوئی، قیدی کے سفر سے پُوچھو قبر بھی کیسے ملی، اہلِ نظر سے پُوچھو
قصدِ حاکم تھا مسافر کو کفن بھی نہ ملے
دفن کے واسطے بیکس کا بدن بھی نہ ملے

فکرِ قیصؔر بھی ہے بیکس کے بدن کا صدقہ نظم ہے یا گُلِ جعفرؑ کے کفن کا صدقہ
مرثیہ ہو گیا، مظلوم کے تن کا صدقہ اس طرح ملتا ہے زہراؑ کے چمن کا صدقہ
لوگ کیا دیں گے مجھے عظمتِ فن کے بدلے
ہفت اقلیم نہ لوں تاجِ سخن کے بدلے

◆◆

آبروئے فکر

(حضرتِ بلالؓ کی سیرت کے نمایاں محاسن)

۸۷ بند۔ ۱۹۸۹ء

maablib.org

❖❖

ڈھونڈیے قرآں میں قدر و قیمتِ رنگِ بلالؓ
چومتی ہے حرمتِ والیل تہذیبِ خیال
اسودی پھولوں میں وہ اِک پھول بے مثل و مثال
گلشنِ شام و سحر میں جس کی خوشبو لازوال
گھپ اندھیرے میں زمانے کا اُجالا بھر دیا
کالی مٹی کو یدِ قدرت نے سونا کر دیا

❖❖

آبروئے فکر

دوستو، انساں کے اندر بھی اک انسان ہے   آبروئے فکر اس انسان کی پہچان ہے
دل کے پردے سے لبِ فطرت کا یہ اعلان ہے   جاگ اُٹھے تو سینۂ کافر میں بھی ایمان ہے
ظاہر و باطن بدل دے، وہ نظر پیدا تو ہو
سانس لے سکتی ہے میّت بھی، دمِ عیسیٰؑ تو ہو

ایک انساں کھول سکتا ہے درِ زندانِ دل   دیکھ سکتی ہے نگاہِ آرزو سامانِ دل
فتح کر لیتا ہے دنیا حربۂ اوسانِ دل   شرط ہے پلکوں پہ لے آئے کوئی میزانِ دل
زندگی یہ راز سمجھی زندگی کے ساز سے
سنگدل پانی ہوئے ہیں گرمیِ آواز سے

زندہ انساں وہ ہے جو بپھری انا کا دم بھرے   خوف کا احساس بھی سینے سے باہر پھینک دے
لاکھ طوفاں ہوں جہازِ عزم کا لنگر اُٹھے   سُرخ انگارے مَسل دے سبز کانٹوں پر چلے
ڈال کر برقِ تبسّم موت کی جھنکار پر
گردِ پا لکھ دے غرورِ وقت کی تلوار پر

خنجرِ ماحول سے گھبرائے، وہ انساں بھی کیا　　مجرمِ تابِ نظر کہلائے، وہ انساں بھی کیا
ذہن کو تاریکیاں پہنائے وہ انساں بھی کیا　　آپ اپنے سائے سے ڈر جائے وہ انساں بھی کیا
بات جب ہے، بزدلی کے سارے رستے چھوڑ دے
مرد وہ ہے جو غلامی کا شکنجہ توڑ دے

فطرتاً انسان کی خلقت میں ہیں سچائیاں　　ڈھانپ لیتی ہیں جنہیں ماحول کی پرچھائیاں
جب اُبھرتی ہیں قبیلوں کی جنوں آرائیاں　　گھیر لیتی ہیں جہانِ فکر کو رُسوائیاں
رنگ بھرتا ہے زمانہ جبر کی تصویر میں
آدمیت چیختی ہے وقت کی زنجیر میں

وحشتوں کی دہشتوں سے تھرتھراتی زندگی　　سرد مہری کی ہوا میں کپکپاتی زندگی
مسکرانے کے لئے آنسو بہاتی زندگی　　آنسوؤں کے وقت، جبراً مسکراتی زندگی
موت کی زد پر ترستی ہے محبت کے لئے
کوئی تو انساں بڑھے فرضِ امانت کے لئے

وہ زمیں جس پر حقوقِ زندگی ہوں مسترد　　اُس زمیں پر ہر مکاں زنداں، تو ہر خیمہ لحد
مقتلوں کی دھوپ جس پہ حرمتِ انساں کی حد　　اس زمیں پہ سائے بڑھ جاتے ہیں گھٹ جاتے ہیں قد
جس زمیں پر کثرتِ اوہام کے خنجر ملے
تین سو پینسٹھ خداؤں سے وہاں پتھر ملے

وہ زمیں جس پر ہو استبداد کا فرشِ سیاہ　　اس زمیں پر سسکیاں لیتا ہے جرمِ بے پناہ
وہ زمیں جس پر خیالِ خام ہو غیرت کی راہ　　اس زمیں پر موت کی توہین ہے نیچی نگاہ
ایک انساں پستیوں کا دم بھرے ممکن نہیں
روشنی، ظلمت سے سمجھوتہ کرے ممکن نہیں

کون کہتا ہے لہو کی گردشوں میں دم نہیں
کون کہتا ہے رگوں میں روحِ پیچ وخم نہیں
کون کہتا ہے یہاں سم ہے علاجِ سم نہیں
کون کہتا ہے یہاں تو زخم ہیں مرہم نہیں
تلخ لہجوں کے لئے قندِ طبیعت چاہیے
زخم بھی کافور ہو جاتے ہیں حکمت چاہیے

کچھ نہ کچھ تابش تو رکھتا ہے ہر انساں کا ضمیر
جیسے خشکی پر کہیں شفاف پانی کی لکیر
ایک نقطے کے برابر فہم ہے فہمِ خطیر
پختگیِ جہل میں بھی علم ہوتا ہے اسیر
یوں بھی اک احساس ملتا ہے جہانِ ذات میں
جس طرح جگنو ہو صحرا کی اندھیری رات میں

کیا ہے صحرا کی اندھیری رات اک جبری نظام
جس میں بے سرمایہ ہوں سرمایہ داروں کے غلام
مُہر عزت کے لبوں پر، بند غیرت کے مسام
زندگی اک جلتی بجھتی شمع جگنو جس کا نام
کھولتا پانی جگر کے زخم دھونے کے لیے
ہر تبسّم تازیانوں میں پرونے کے لیے

تازیانوں کا تبسّم اور اشکِ زندگی
زرخریدوں میں زباں بندی، مسلسل خامشی
موت کا پیغام افسردہ غلاموں کی ہنسی
اس تصور کے اُفق سے ارضِ مکہ بول اُٹھی
کیوں غمِ تاریخ ہے تاریخ کے گلشن میں آ
اے سخنور! شہرِ ابراہیمؑ کے دامن میں آ

وہ اُدھوری چھاؤں میں خیمے کے باہر اک جواں
جس کے چہرے پر حبش کی پامالی کے نشاں
وہ جو پلکوں پر لئے ہے نیلا پیلا آسماں
جس کے گرد و پیش ہر لمحہ مصیبت، امتحاں
اک وفا پرور بغاوت کا جمالِ نیک ہے
یہ غلامی کی چٹائی پر بلالؓ نیک ہے

یہ ہے وہ انسان جو اندر سے طوفاں ہو گیا بیکسی میں جذبۂ ہمت نگاراں ہو گیا
ناتوانی میں تواناؤں کا ایماں ہو گیا اپنی تنہائی میں فوجِ دردمنداں ہو گیا
سامنے ہیں خیر و شر اور فیصلہ مابین ہے
پک چکا لاوہ اُبلنے کے لئے بے چین ہے

کیوں گزارے زندگی قسمت پہ رونے کیلئے مسکرا کر دن گنے کانٹوں پہ سونے کیلئے
مطمئن ہو کشتیِ ماضی ڈبونے کے لئے موجِ کوثر کھینچ لے ہر داغ دھونے کیلئے
ان اداؤں کی چمک چشمِ قضا میں تیر ہے
ایسا انساں ہر زمانے کے لئے تقدیر ہے

مسکراتا ہے یہاں وصفِ بلالؓ حق نظر کچھ سنہری لفظ اُبھرے ہیں کتابِ ذہن پر
جیسے محوِ گفتگو ہو عاشقِ خیرالبشرؐ گفتگو میں انقلابِ دیدہ و دل جلوہ گر
اک نئے انداز میں تیغ و سناں سے بات ہے
آندھیاں ہیں اور ہتھیلی پر چراغ ذات ہے

آندھیاں کہتی ہیں کیا اک فرد کیا اس کا چراغ اور چراغ ذات کہتا ہے امر ہو گا چراغ
آندھیاں کہتی ہیں جل سکتا نہیں ایسا چراغ اور چراغ ذات کہتا ہے نہیں بجھتا چراغ
آندھیاں سرکش ہیں، دنیا گردِ وحشت بار ہے
اور چراغِ ذات کی لو آفتاب آثار ہے

آندھیاں کیا ہیں اُمیہ کے تکبر کی مثال اور چراغِ ذات اک آئینۂ نفسِ بلالؓ
اک طرف آقائیت، بھرپور فرعونی خصال اک طرف اشکِ غلامی حریت کی برشگال
اُس طرف آنکھوں میں سُرخی خوں بہانے کیلئے
اِس طرف آہیں چراغِ دل جلانے کیلئے

حالتِ ذہنِ اُمیہ صورتِ غیظ و غضب — جس طرح لات و ہبل ناآشنائے روز و شب
ریشمی خیموں کی آسائش مزاجِ بولہب — جیسے پتھر کے خدا ناواقفِ اہلِ تعب
تابشِ دام و درم قلبِ ابوسفیان میں
جیسے دُنیا تُل رہی ہو جہل کی میزان میں

ہر نظر کے سامنے بوجہل کی غارت گری — یا بروئے کار تنظیمِ جہانِ آذری
راحتِ جاں کفر پردازی، بتوں کی برتری — خارِ دل صرف آمنہؓ کے لالؐ کی پیغمبری
ظلم کے شعلوں سے ظرفِ رُوح پگھلائے ہوئے
زندگی کو ذِلتوں کی موت پہنائے ہوئے

یہ ستم پرور زمانے کے ستم پرور امیر — چاہتے ہیں نورِ قدرت کو بنا ڈالیں اسیر
یہ پرستارانِ مال و زر، یہ پتھر کے فقیر — چاہتے ہیں قید ہو جائے صدائے عرش گیر
ہر بشر کی سوچ پر غلبہ رہے وسواس کا
نام بھی کوئی نہ لے بیداری احساس کا

ایک جانب منظرِ بیدار وہ دو گز زمیں — جس پہ یاسرؓ کی مقدس اہلیہ روحِ یقیں
مثلِ یاسرؓ پی چکی ہے شربتِ خلدِ بریں — نیزۂ بوجہل کی سرخی نہیں، کچھ بھی نہیں
کہہ رہا ہے گرم ذرّوں سے غریبوں کا لہو
سُرخرو کرتا ہے کعبے کو شہیدوں کا لہو

سینۂ عمارؓ میں ماں باپ کے غم کی پکار — آدمی وہ آدمی جو اپنے خالق پر نثار
جس کی آنکھوں میں بسی ہو باغِ وحدت کی بہار — کثرتِ کفار ہے اس کی نظر میں تار تار
روشنی کے لمحے لمحے کی جسے پہچان ہے
وہ کسی منزل پہ ہو سچائیوں کی جان ہے

وحشیانِ شہر کا اندازِ رُسوائی عبث　　سرکشوں میں نغمۂ جذبات پیمائی عبث
کا ذبانِ وقت کی ہنگامہ آرائی عبث　　ظالموں میں ظلم کی حد سے شناسائی عبث
کوئی بھی تحریک ہو دنیائے حرص و آز میں
ضعف آ سکتا نہیں عمارؓ کی آواز میں

جذبۂ عمارؓ کی تائید ہے جذب بلالؓ　　یوں سمجھیے روشنی سے روشنی کا اتصال
کون آقا، کس کا آقا، سارے قصے پائمال　　اب تجلائے احد ہے آبروئے لازوال
کچھ خلاف مقصدِ آیات سُنتا کفر ہے
اب خلف کے ناخلف کی بات سُنتا کفر ہے

گر گئیں نظروں سے سب اہلِ جفا کی قوتیں　　خاک لگتی ہیں رئیسانِ خطا کی قوتیں
کیا یہ دنیا اور کیا مکر و ریا کی قوتیں　　اب نویدِ فتح ہیں واحد خدا کی قوتیں
یاد آئے گا بلالؓ اک استعارے کی طرح
اب حبش کی خاک چمکے گی ستارے کی طرح

اپنے گھر میں اپنی دنیا سے بغاوت دیکھ کر　　رنگ یوں لائے اُمیہ کی شقاوت کے شرر
تازیانے اس قدر برسے غریب انسان پر　　چُھپ گیا زخموں کی چادر میں بلالِؓ حق سیر
سُرخ فوارّے زمیں کا زرد چہرہ دھو گئے
گرم پتھر بے وطن کے خون سے تر ہو گئے

ظلم اپنی حد سے بڑھکر آپ گھبرانے لگا　　تھک گیا مغرور کا دُرّہ تو بل کھانے لگا
اس طرف مظلوم اجرِ دردِ دل پانے لگا　　آسماں پر اک نیا منظر نظر آنے لگا
لاشعوری مرحلے پورے شعوری ہو گئے
سارے جلوے حاصلِ ذوقِ حضوری ہو گئے

ذہن کے جتنے دریچے تھے، گلستاں بن گئے　　اب کہاں کے زخم، سب گلہائے خنداں بن گئے
سارے احساساتِ زحمت راحتِ جاں بن گئے　　تازیانوں کے نشاں، روحِ بہاراں بن گئے

ولولے روشن ہوئے جذبوں کی آبادی کے ساتھ
فکر بالیدہ ہوئی توفیقِ آزادی کے ساتھ

دی گئی حکمِ نبیؐ سے قیمتِ جسمِ بلالؓ　　لائے ابنِؓ بوقحافہ ارضِ غربت کا نہال
سایۂ رحمت میں ذرّے کو ملی تابِ کمال　　کر دیا خیر البشرؐ نے اک بشر کو لازوال

مسکرائی قسمتِ بے زر، خزانہ مل گیا
زندگی کی داستاں کو ہر زمانہ مل گیا

مطلعِ آفاق سے گویا ہوئی تازہ سحر　　اب مرا سورج ہے عبداللہؐ کا نورِ نظر
کلمۂ توحید کے جلوے ہیں روحِ بحر و بر　　گونج اُٹھا مینارِ مسجد سے بلالِؓ معتبر

جس کا سینہ ظرفِ خوشبوئے محاسن ہو گیا
وہ بشر ختمِ نبوتؐ کا مؤذّن ہو گیا

لحنِ مستقبل میں سورج نے قصیدہ پڑھ دیا　　ہر زمانہ دیکھ لے شانِ غلامِ مصطفٰےؐ
اپنے پیکر میں جو پوشیدہ تھا وہ ظاہر ہوا　　اب سرِ آفاق حرف و لفظ بولیں گے سدا

عشقِ محبوبؐ خدا ٹھہرا ہے انعامِ بلالؓ
زندہ و تابندہ و پائندہ ہے نامِ بلالؓ

حق پرستوں سے یہ اظہارِ حقیقت پوچھیے　　اہلِ اُلفت سے چراغِ راہِ اُلفت پوچھیے
مصحفِ دل پڑھنے والوں سے یہ سورت پوچھیے　　آدمیّت سے بلالِؓ آدمیت پوچھیے

بندگی اور کاروانِ بندگی کو ناز ہے
ہر مسلماں جس پہ مرتا ہے یہ وہ آواز ہے

جس کی بیداری پہ نازاں یہ جہانِ ماہ و سال یاد رکھیں گے جسے ہر دور کے منصف مقال
دین کی بنیاد، جس کی استقامت کا جمال اس رئیسِ حریت کا نامِ نامی ہے بلالؓ

حشر تک جو کاروانِ صبح کی پہچان ہے
چاند اُس کے پیکرِ شب رنگ پر قربان ہے

دیدۂ بینا میں ہے تخلیق کا ابرِ کرم جانتے ہیں اہلِ دل فطرت کے نغموں کا بھرم
سن رہا ہوں گفتگوئے رونقِ صحنِ حرم جس سے ٹپکے نورِ وحدت وہ نشانی محترم

محوِ حیرت ہیں نگاہیں اس مثالی رنگ پر
سنگِ اسود ناز کرتا ہے بلالیؓ رنگ پر

ڈھونڈیے قرآں میں قدر و قیمتِ رنگِ بلالؓ چومتی ہے حرمتِ واللیل تہذیبِ خیال
اسودی پھولوں میں وہ اک پھول بے مثل و مثال گلشنِ شام و سحر میں جس کی خوشبو لازوال

گھُپ اندھیرے میں زمانے کا اُجالا بھر دیا
کالی مٹی کو یدِ قدرت نے سونا کر دیا

رنگ شیدائے نبی کی بات ہے پائندہ رنگ کس طرح کیجے وضاحت فکر کی دنیا ہے تنگ
حشر تک آواز دے گا زندگی کا انگ انگ کالی کملی سے محبت اس کی تابندہ اُمنگ

حل ہوئیں خوش بختیاں، اس رنگ کی تقدیر میں
روشنائی بن گیا اسلام کی تحریر میں

ناز فرمائیں گے اس تخیل پر اہلِ نظر ہر زمانہ مطلعٔ افکار سے دے گا خبر
یوں رواں ہے اپنے پیکر میں بلالؓ نامور جس طرح کالی گھٹا میں چاند کرتا ہے سفر

ہر مسافت میں ادائے خوش خیالی چاہیے
راہِ ظلمت ہو تو رفتارِ بلالیؓ چاہیے

صاف کہتے ہیں چمن کے ایسے تازہ گلاب　　تابشِ طینت سے آتا ہے گلستاں پر شباب
رنگ وصورت کب ہیں فطرت کی دلیلِ کامیاب　　پھول تو وہ ہے جسے چُومے نگاہِ بوتراب
جذبِ حق میں کوئی شرطِ اسود و احمر نہیں
عشقِ پیغمبرؐ بغیرِ نفسِ پیغمبرؐ نہیں

حق شناسی کے ستاروں کا تبسم ہے بلالؓ　　ردِ باطل کیلئے حسنِ تکلم ہے بلالؓ
ہر طرح غارت گرِ شہرِ توہم ہے بلالؓ　　ناز کرتی ہے تلاوت وہ ترنم ہے بلالؓ
زندگی کاٹی ہے اس نے نور کی برسات میں
پیار بن کر بس گیا ہے سینۂ آیات میں

حق و باطل کی فضا میں حد فاصل ہے بلالؓ　　دلِ دل جس پر فدا ہوتے ہیں وہ دل ہے بلالؓ
ساری محفل کہہ رہی ہے جانِ محفل ہے بلالؓ　　بانیٔ اسلام کی سیرت میں شامل ہے بلالؓ
کوئی عالم اس زبر کو زیر کر سکتا نہیں
وقت مر سکتا ہے، یہ انسان مر سکتا نہیں

انقلابِ ظرف سے کانٹا گلِ تر ہو گیا　　ایک برگِ دشت، خوشبو کا سمندر ہو گیا
معرفت میں صاحبِ زرقبلِ بوذرؓ ہو گیا　　ایک ذرہ خازنِ عشقِ پیمبرؐ ہو گیا
جہدِ فطرت حُسنِ فطرت کے لئے میزان ہے
عقل سے جو عشق رکھتا ہے یہ وہ انسان ہے

اس دیانت سے کیا ذکرِ ھُوَ اللہُ اَحَد　　بول اُٹھی بیداریٔ آئندہ اللہ الصمد
یوں بھی اپنے نام سے پائی محبت کی سند　　بن گئی ختم الرسلؐ کی عمرِ ظاہر ہم عدد
مصطفےٰؐ کی زندگی سے ربطِ زیبا ہے بلالؓ
خود سمندر نے جسے چُوما وہ دریا ہے بلالؓ

بزمِ ہستی میں غرورِ نیک نامی ہے بلالؓ — اعتبارِ عالمِ شائستہ کامی ہے بلالؓ
جذبۂ تسلیم کا اسمِ گرامی ہے بلالؓ — مصطفٰےؐ کو پہلے دستے کی سلامی ہے بلالؓ
صورتِ عمارؓ چشمِ احمدِؐ مرسل میں ہے
یہ سپاہی فوجِ وحدت کی صفِ اوّل میں ہے

ضبط کی قوت سے وحشت کی تباہی ہے بلالؓ — بے نوائی میں شکستِ کج کلاہی ہے بلالؓ
شام کی زد پر نویدِ صبح گاہی ہے بلالؓ — کس نے حمزہؓ کا جگر کھایا گواہی ہے بلالؓ
غزوۂ بدر و احد کے غازیوں میں نام ہے
یہ مجاہد بھی جوازِ قوتِ اسلام ہے

تا قیامت نصرتِ حق ہے تقاضائے بلالؓ — عشق کی تحریر زندہ ہے بہ انشائے بلالؓ
لُکنتوں میں شہدِ ایماں ہیں سخن ہائے بلالؓ — مسکراتی ہے اذانوں میں تمنائے بلالؓ
اس کے لہجے سے جہاں، دنیا کو دلچسپی نہیں
رات رہتی ہے وہاں سورج نکلتا ہی نہیں

یاد ہے وہ فتحِ مکہ کی صداقت کا نشاں — کافروں پر قوتِ اسلام کی ضربِ گراں
پوری خلقت کیلئے پروانۂ امن و اماں — وہ بلالِؓ خوش نوا، وہ بامِ کعبہ پر اذاں
حکم ایسے میں جو ہو جاتا بہ اندازِ بلالؓ
آسماں پر دیکھتے جبریلؑ پروازِ بلالؓ

آج بھی قولِ بلالؓ اپنی صداقت کا امیں — سورۂ یونس کے سائے میں وہ تصویرِ حسیں
جتنے عادل ہیں وہ اس منزل پہ رکھتے ہیں یقیں — خُلق سے اسلام کی تشہیر ہے جبراً نہیں
کلمہ پڑھتے وقت اگر کوئی بشر مجبور ہے
فرقِ نیت کی طرح وہ روشنی سے دُور ہے

دین کے پھیلاؤ میں پرکار ہے قندِ سخن   جس طرح اک باغ میں شاداب پھولوں کی پھبن
وہ جو اپنی رُوح میں رکھتے ہیں قانونِ چمن   حُسنِ گلشن پر لٹاتے ہیں متاعِ جان و تن
جنگ کے شعلوں میں روحِ امن بڑھ سکتی نہیں
دین کی تحریر کو تلوار پڑھ سکتی نہیں

بعد ختمِ مرسلینؐ کہتا ہے دورِ انقلاب   بجھ گئی قندیلِ ہستی چھپ گیا جب آفتاب
حالتِ قلبِ بلالؓ افسردگی و اضطراب   جس طرح بے آب ماہی جیسے بے خوشبو گلاب
نام کی قیمت نہیں ہوتی کہانی کے بغیر
لفظ بے توقیر ہوتے ہیں معانی کے بغیر

کل وہ آقا تھا کہ جس کی ہر نظر میں برہمی   برہمی جیسے کوئی ناوک سناں خنجر انی
آج اُس آقا کی صورت ڈھونڈتی ہے زندگی   جس نے چھاتی سے لگا کر بادشاہت بخش دی
اک گدا کو خلعتِ صد قیصری پہنا دیا
بوریے پہ جس نے تاجِ خسروی پہنا دیا

ہر قدم پر سرد آہیں اور بلالِؓ سوگوار   جیسے آسیب خزاں نے لوٹ لی ساری بہار
کیوں نہ بن جائیں وہ آنکھیں آنسوؤں کی آبشار   وقت نے چھینا ہو جن آنکھوں سے نورِ کردگار
شش جہت کی زندگانی لرزہ براندام ہے
ساری دنیا اک اندھیرا ہے، دُھواں ہے، شام ہے

لوگ کہتے ہیں بلالؓ اب کیوں اذاں دیتا نہیں   کوئی پوچھے آسماں جب اُٹھ گیا کیسی زمیں
لوگ کہتے ہیں یہ آنسو بن گئے ضعفِ یقیں   کوئی پوچھے کیا محبت ہے خلافِ عقل و دیں
شدتِ احساس میں منہ آنسوؤں سے دھوئے گا
جس کا دل پتھر نہیں وہ غم کرے گا، روئے گا

ہجرِ محبوبِ خدا میں زندگی کیا زندگی چھپ گیا نورِ دو عالم روشنی کیا روشنی
اس طرح بارہ برس کاٹے برنگِ خامشی ہر نفس کے تار پر تصویرِ پیغمبرؐ رہی
لکھ دیا رازِ محبت گردشِ ایام پر
شامِ ہستی میں لحد پائی زمینِ شام پر

سرگزشتِ جانثارِ مصطفیٰؐ کیسے لکھوں ذہن ہے محدود حدِ ارتقا کیسے لکھوں
روشنی کی ابتدا و انتہا کیسے لکھوں سوچتا ہوں ذکرِ تکمیلِ وفا کیسے لکھوں
سامنے ہے واقعہ اور اشک دامن گیر ہے
آئینے میں حبِّ اہلِ بیتؑ کی تصویر ہے

ایک دن صادر ہوا یہ حکم خاتونِؑ جناں اے بلالؓ، اے عاشقِ پیغمبرؐ کون و مکاں
فاطمہؑ ہے فرقتِ خیرالوریٰؐ میں نیم جاں میرے باباؐ کے مؤذن اب سُنا دیجے اذاں
روشنی ہے آپ کے آئینۂ انداز میں
دیکھ لوں گی اپنے بابا کو میں اس آواز میں

فاطمہؑ کے حکم کی تعمیل ایمانِ بلالؓ یا مسلماں کیلئے اجرِ رسالتؐ کا سوال
وہ اذاں، وہ صحنِ مسجد، وہ مؤذن غیر حال چہرۂ سرکارِؐ دو عالم ہوا زیبِ خیال
جب لیا نامِ محمدؐ ایک محشر ہو گیا
شہر میں ہر گھر عزا خانے کا منظر ہو گیا

بام و در سے اسقدر رونے کی آوازیں اٹھیں ہل گئی ارضِ مدینہ وقت کی نبضیں رُکیں
اُس طرف اک درد اُٹھا بیٹھے بلالِؓ خوش یقیں اس طرف بے ہوش ہو کر خاک پر زہراؑ گریں
اُس طرف آزاد آنسو دوست آقاؐ کے لئے
اس طرف بیٹی کا نوحہ اپنے باباؐ کے لئے

فرشِ مسجد آنسوؤں کی نہر سے تر ہو گیا　　دفترِ غم حیدرِؑ کرار کا گھر ہو گیا
وقت کا چہرہ قیامت خیز منظر ہو گیا　　کل مدینہ عالمِ یادِ پیمبرؐ ہو گیا
اک اداسی چھا گئی سب کوچہ و بازار پر
آ گئی دنیا مزارِ احمدِ مختارؐ پر

کیا تعجب ہے لبِ فطرت پہ آئی ہو یہ بات　　اے مدینے دیکھ مستقبل میں تصویرِ حیات
کربلاؑ سبطِ نبیؐ اہلِ حرمؑ قربِ فرات　　ایک منزل پر سمٹ آئی غموں کی کائنات
وقت عنواں دے رہا ہے دین کے دستور کو
روزِ محشر چومنے آیا شبِ عاشور کو

ان گنت سجدے ہیں اور گنتی کی ہیں پیشانیاں　　ساجدوں سے کھیلتی ہیں پیاس کی جولانیاں
بھوک بڑھتی ہے تو کہتی ہیں وفا سامانیاں　　صبح ہونے دو نظر آ جائیں گی قربانیاں
ہر نمازی پر خدا کی رحمتوں کے سائے ہیں
یہ اذانِ مصطفیؐ پر جان دینے آئے ہیں

وہ اذاں ہو گی زمانے میں سرِ دشتِ قتال　　ناز فرمائے گا جس پر لاشریک و لایزال
تو سہی فردوس سے آواز دے روحِ بلالؓ　　اے اذانِ صبحِ عاشورہ نہیں تیری مثال
یہ اذاں لکھی گئی ہم شکلِ پیغمبرؐ کے نام
کلمۂ اللہ اکبر ہے علی اکبرؑ کے نام

سرفروشوں میں نمازِ فجر کی تیاریاں　　دین کے پھولوں کی خوشبو شرع کی ضو باریاں
غم اُٹھا کر پوری دنیا کے لئے غم خواریاں　　جن پہ سورج کا سفر قربان وہ بیداریاں
غازیوں نے کہہ دیا ہے جنگ کے آثار سے
کہکشاں کر دیں گے مقتل کو، لہو کی دھار سے

وہ اُٹھے شبیرؑ وہ آئے شبیہِ مصطفیٰؐ باپ نے بیٹے کی پیشانی پہ ہونٹوں کو رکھا
پیار کے لفظوں میں یوں چھاتی سے لپٹا کر کہا اے مرے لختِ جگر، اے پیکرِ خیرالوریٰؐ
آؤ میرے ساتھ اے جانِ پدر کچھ کام ہے
اب تمہارے واسطے سب سے بڑا انعام ہے

ثانیِ زہراؑ کے پاس آ کر کہا پیاری بہن صبح کی شبنم سے چہرے دھو چکے اہلِ چمن
چاہتا ہوں آج چہکے عندلیبِ پنجتنؑ یہ اذانِ فجر دے گا اب تمہارا گلبدن
پورے اٹھارہ برس کی آج محنت چاہیے
اس اذاں کو سینۂ اکبرؑ کی قوت چاہیے

آؤ اس اپنے مؤذن کو سجاؤ اے بہن میرے نانؐا کی کوئی خوشبو لگاؤ اے بہن
یہ نہیں کہتا اسے پانی پلاؤ اے بہن کس طرح آواز نکلے گی بتاؤ اے بہن
کیا تعجب ہے تری آئے اسی تدبیر سے
اس کے ہونٹوں کو ہوا دو چادرِ تطہیر سے

یاد تو ہوگی مدینے میں سُنی تھی اک اذاں یاد تو ہو گا وہ نانؐا کا بلالؓ خستہ جاں
اس مؤذن پر وہ لتاں کی دعا کا سائباں آج تم سب کیلئے ہو ثانیِ زہراؑ یہاں
نوجواں کو صبر و ہمت کی جوانی بخش دو
اپنے اکبرؑ کو ادائے کامرانی بخش دو

سُن کے مانجائے سے یہ الفاظ زینبؑ دلفگار اُمِ لیلیٰ کی طرح کرنے لگیں اکبرؑ کو پیار
پھر یہ فرمایا کہ اے فخرِ بلالؓ نامدار جانتے ہو کیا ہے منشائے امامِ ذی وقار
اِس نمازِ باجماعت کا نشاں باقی رہے
لہجۂ اکبرؑ میں آوازِ اذاں باقی رہے

کربلا میں وہ اذاں دو آج میرے مہ جبیں　　لوگ یہ سمجھیں شبیہِ مصطفیٰؐ پیاسا نہیں
سب کے دل ہوں گے تمہارے خشک ہونٹوں کے قریں　　پیار سے سوکھا گلا چومیں گے شاہِ مرسلیںؐ
شور ہو گا آبروئے باغِ حیدرؑ مرحبا
فاطمہ زہراؑ کہیں گی، میرے اکبرؑ مرحبا

ارضِ مقتل پر علی اکبرؑ نے دی آخر اذاں　　کربلا کے چاند پر قرباں ہوئے کون و مکاں
چھا گیا آفاق پر اللہ اکبر کا بیاں　　بن گئی طولِ ابد دو دن کے پیاسے کی زباں
ذوقِ سجدہ کو حیاتِ جاودانی مل گئی
لحنِ اکبرؑ سے اذانوں کو جوانی مل گئی

برقِ فہم و فکر اس آواز کو لے کر چلی　　ان گنت صدیوں کی محفل اک اشارے میں ڈھلی
ملحدوں کے سومناتوں میں مچی وہ کھلبلی　　ساری دُنیا نے پکارا یا محمدؐ یا علیؑ
صبحِ عاشورہ نقیبِ حق بیانی ہو گئی
کربلا خیر العمل کی راج دھانی ہو گئی

صبحِ عاشورہ کے سورج سے کوئی پوچھے یہ بات　　کیا ستارے تھے نمازِ فجر کے عالی صفات
کس طرح ڈوبے لہو میں وہ رئیسانِ حیات　　کس طرح جاری ہوا مقتل میں پیغامِ صلوٰت
خنجروں پر کن اداؤں سے کلیجے رکھ دیے
غازیوں نے کس طرح تیغوں پہ سجدے رکھ دیے

کس طرح برچھی موذن کے کلیجے پر لگی　　کس طرح ٹکڑے ہوئی میداں میں تصویرِ نبیؐ
کس طرح صبحِ مدینہ شامیوں نے لُوٹ لی　　باپ نے بیٹے کے دل سے کس طرح کھینچی انی
بہہ گیا سارا لہو لیکن نہ گھبرائے حسینؑ
کس طرح ہاتھوں پہ اپنی، لاش لے آئے حسینؑ

خون روتی دُھوپ سے پوچھے کوئی یہ ماجرا کس طرح تڑپا زمیں پر بے وطن کا مہ لقا
کاش یہ آواز بھی آئے بتا اے کربلا کس طرح پردیس میں سبطِ پیمبر لُٹ گیا
صاحبِ احساس تو یہ درد سہہ سکتے نہیں
کیا بنی ہو گی دلِ زینبؑ پہ کہہ سکتے نہیں

نوجوان فرزند کا ماتم کمال اضطراب سوچیئے کس طرح بکھرے ہوں گے ارمانوں کے خواب
ہائے جب اپنے لہو پہ سو رہا ہو گا شباب کس طرح ماں ڈھونڈتی ہو گی وہ اپنا ماہتاب
کہہ رہی ہو گی اُٹھو، میرے مہِ انور اُٹھو
کیا نہیں دو گے اذانِ ظہر، اے اکبرؑ اُٹھو

اُمِ لیلیٰؑ نے کہا ہو گا مرے کڑیل جواں تم بتا دو کس طرح دیکھوں یہ زخموں کے نشاں
کس نے میرا پھول توڑا کس نے لوٹا گلستاں کس نے میرے چودہویں کے چاند کو ماری سناں
کیسے کہہ دوں یہ اذانِ صبح کی تاثیر ہے
خون میں غلطاں رسولؐ اللہ کی تصویر ہے

کیا تعجب ہے وہاں موجود ہو رُوحِ بلالؓ چوم کر اکبرؑ کا ماتھا خود سے کرتی ہو سوال
انتہا کی پیاس میں ایسی اذاں، ایسی جدال دہنِ پیغمبرؐ کا قد ہے سبطِ پیغمبرؐ کا لال
کوئی اکبرؑ سا مؤذن ہو خیالِ خام ہے
وہ اذاں آغاز تھی اور یہ اذاں انجام ہے

آنسوؤں کے سائے میں قیصرؔ یہ تکمیلِ سخن مرثیہ گوئی کے دامن پر ہے جدّت کا چمن
وقت آئے گا لکھیں گے وقت کے نقادِ فن روحِ باغِ فکر رکھتے ہیں یہ لفظوں کے بدن
دائمی حُسنِ عقیدت کے مثالی پھول ہیں
یہ حسینیؑ سوگواروں میں بلالیؓ پھول ہیں

◆◆

شاہدِ محضر

(حضرتِ جبریلؑ کی محمدؐ وآلِ محمدؐ سے والہانہ عقیدت)

۷۵ بند۔ ۱۹۸۸ء

◆◆

❖❖

جبریلؑ ہیں اسمائے جلالی کے وہ مظہر
دیکھیں تو پہاڑوں کے جگر چاک ہوں یکسر
چاہیں تو زمیں توڑ دیں مثلِ درِ خیبر
کھولیں جو زباں، مُہر ہو پانی کی زباں پر
تاحدِّ نظر کوہِ ہمالہ کو اُچھالیں
مرضیِ خدا ہو تو سمندر بھی اُٹھالیں

❖❖

شاہدِ محضر

دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں
حیراں ہوں خزانے وہ گہر تول رہا ہوں
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں
جبریلؑ سمجھتے ہیں جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجرِ دل پہ سجے ہیں
تخیّل کو سُرخاب کے پر آج لگے ہیں

پروانۂ جدّت کو ملی جدّتِ پرواز
جو دشمنِ جاں تھیں وہ ہوائیں ہوئیں دم ساز
کہتی ہے فرشتوں سے طبیعت کی تگ و تاز
یہ سیرِ فلک ہے غمِ شبیرؑ کا اعجاز
تصویرِ ہنر کھینچ کے تہذیب ہنر سے
تحسینِ سخن پاؤں گا اربابِ نظر سے

معلوم ہے، آسان نہیں مدح کی منزل
ناقص ہے طلب اور وہ مطلوب ہے کامل
ذرّہ ہوں سرِ فرش، کہاں عرش کے قابل
لیکن مرے جذبے کی جوانی ہے مرادِ دل
دل ہے تو کوئی منزلِ دشوار نہیں ہے
میں اُس کا ثناخواں ہوں، فلک جس کی زمیں ہے

مقصودِ سرِ بزم ہے جبریلؑ کی توصیف — اسلام کی تاریخ سے روشن ہے یہ تالیف
نذرِ اسدُاللہؑ نہ کیوں ہوں گُلِ تصنیف — شاگرد کی تعریف ہے استاد کی تعریف
پڑھ لوں گا تمنائے سخن لوحِ نظر پر
پھیلے ہیں مرے ہاتھ، یداللہؑ کے دَر پر

اللہ نے بخشی ہے جنہیں عقدہ کُشائی — زیبا ہے انہیں کے درِ اقدس پہ رسائی
دنیا سے جُدا ہے مرا اندازِ گدائی — پاؤں گا وہ دولت جو کسی نے نہیں پائی
رضواں سرِ مجلس دُرِ نایاب چُنیں گے
جبرئیلؑ کی مدحت ہے فرشتے بھی سُنیں گے

جبریلؑ ہیں تخلیق میں وہ رمزِ مشیّت — سینے سے لگائے جسے آدمؑ کی فضیلت
کچھ وقت سے پوچھوں تو کہاں وقت کی نوبت — تزئینِ کتب ہے لبِ صادق سے وضاحت
تقدیر کے ہمراز، مقدر کے دھنی ہیں
آدمؑ سے جو پہلے ہیں یہ وہ پنجتنی ہیں

کیسے کہوں پابندِ سن و سال ہیں جبریلؑ — سرِ احدیت ہے یہ آئینۂ تشکیل
تشریحِ سخن میں کوئی تشبیہ نہ تمثیل — میں سوچ رہا تھا کہ پکارے لبِ تخیّل
خلقت میں جو پائے تھے وہ انوار عیاں ہیں
ہر دور کہے گا، یہ جواں تھے، یہ جواں ہیں

ان پر اثرِ آب و ہوا کچھ بھی نہیں ہے — زندہ ہیں، قوی ہیں، یہ غذا کچھ بھی نہیں ہے
پیکر میں اُجالوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے — معصوم ہیں امکانِ خطا کچھ بھی نہیں ہے
ہر حال میں وابستۂ حکمِ صمدی ہیں
جو کچھ یہ ازل میں تھے، ابد میں بھی وہی ہیں

جبریلؑ نے دیکھا ہے وہ نظارۂ وہ منظر جب حمدِ الٰہی میں رہا نورِ پیمبرؐ
وہ بارگہِ قدس وہ تقدیس کا محور باران کرم عابدِ اوّل کی ادا پر
اس وقت بھی اک تحفۂ اعزاز ملا تھا
جبریلؑ کو تسبیح کا انداز ملا تھا

اوراقِ فضائل میں عجب شانِ خدا ہے حیراں ہیں جہاں دیدۂ حیرت وہ لکھا ہے
انجام سے آغاز کا آغاز ہوا ہے آدمؑ کا بدن تُربتِ احمدؐ سے بنا ہے
آدمؑ میں جو خوش رنگیِ طینت نظر آئی
جبریلؑ کے ہاتھوں کی ریاضت نظر آئی

ہاتھوں کی ریاضت کے لئے سجدۂ جبریلؑ یا جلوۂ تسلیم سے چمکا رُخِ تعمیل
قدرت کی بھری بزم میں ابلیس کی تذلیل گویا ہوئی دو زاویۂ فکر کی تشکیل
ابلیس کو ہر طرح سے ناکام بنایا
جبریلؑ کے ایمان کو اسلام بنایا

لاریب، یہ انسان کی حرمت کے محافظ تہذیب کے رکھوالے، شرافت کے محافظ
ہر رُخ ہے حق آموز محبت کے محافظ جبریلؑ ہیں قانونِ شریعت کے محافظ
یہ حُسنِ فضیلت بھی ہے جبریلؑ امیں میں
عقد آدمؑ و حواؑ کا پڑھا خُلدِ بریں میں

اسلام کی دنیا پہ وہ جبریلؑ کا احساں ذرّیتِ آدمؑ کے لئے حکمتِ یزداں
آغازِ تمدّن میں، تمدّن کا چراغاں کہتے ہیں یہاں عالمِ عفت کے نگہباں
ترویج کیا حُور سے آدمؑ کے پسر کو
اس واقعہ پر ناز ہے عصمت کے شجر کو

طوفان نے جب نوحؑ کو گرداب دکھائے	پانی کی طرح بڑھنے لگے موت کے سائے
جبریلؑ نے اس وقت بھی کچھ نام بتائے	یوں کہیے جو دل میں تھے زباں پر وہی آئے
جب چُوم لئے نام سفینے کی جبیں نے
پیاسے کی طرح پی لیا پانی کو زمیں نے

طوفان کے پیتے ہی زمیں ہوش میں آئی	پھر اہلِ سفینہ کو ملی جلوہ نُمائی
مٹی ہوئی زرخیز، نئی فصل اُگائی	یُوں پنجتنِ پاک نے کی عقدہ کُشائی
جبریلؑ جو اسمائے گرامی نہ بتاتے
سب دشت دجبل ایک سمندر نظر آتے

نمرود کو تعزیرِ براہیمؑ کی خواہش	خواہش کے پسِ پردہ وہ شیطان کی سازش
ایسے میں نمائندۂ توحید کی تابش	جبریلؑ نے کی معجزۂ حق کی نمائش
یہ واقعہ پوشیدہ نہیں اہلِ نظر سے
انگارے چمن ہو گئے جبریلؑ کے پر سے

سچ ہے جسدِ نور کہاں اور کہاں آگ	کوثر ہو جہاں موج پہ بیکار وہاں آگ
یہ عرش کی منزل ہے نہ پہنچے گی یہاں آگ	سورج نہیں جل سکتا بنے سارا جہاں آگ
شعلوں میں براہیمؑ جو محفوظ کھڑے ہیں
آیات کے چھینٹے رُخِ آتش پہ پڑے ہیں

داؤدؑ بتا سکتے ہیں اسرارِ حضوری	کیا علم زرہ ساز نہیں علمِ زبوری
جبریلؑ کہیں گے، یہ نتیجہ ہے شعوری	لوہا بھی پگھلتا ہے اگر ہاتھ ہوں نُوری
معلوم ہوئی وجہ حقیقت نظری کی
جبریلؑ شناسی بھی ضرورت ہے نبیؑ کی

جبریلؑ کے ممنون ہیں دنیا کے اُجالے لائے ہیں نبیوں کی فضیلت کے قبالے
اسرارِ خدا کر کے سلیمانؑ کے حوالے یہ بھی ہیں سلیمانؑ کی ہوا باندھنے والے
دلچسپ جو کچھ آمدِ خوشبوئے سبا ہے
جبریلؑ کے ہونٹوں سے خدا بول رہا ہے

جبریلؑ وہ کارندۂ دربارِ الٰہی مقدور جسے عالمِ افلاک پہ شاہی
خود کہتی ہے موسیٰؑ کی کمالات نگاہی جبریلؑ ہیں توریت کی عظمت پہ گواہی
اے اہلِ نظر، کیوں نہ کہوں بات کھلی ہے
جبریلؑ کی محنت، یدِ بیضا میں چھپی ہے

کیا رنگ چڑھے چادرِ گردوں کی دھنک پر حاوی نہیں کانٹے کی خلش گُل کی مہک پر
دنیا رہی مغرور صلیبوں کی چمک پر جبریلؑ امیں لے گئے عیسیٰؑ کو فلک پر
پیغامِ بقا وقتِ فنا لائے ہیں جبریلؑ
واللہ، مسیحاؑ کے بھی کام آئے ہیں جبریلؑ

تعلیمِ زبور، آئینہ برداریِ تورات انجیل کی تحریر تو قرآن کی آیات
بنیادِ مذاہب ہے بہر طور یہ اک بات گلدستۂ تقدیس ہیں جبریلؑ کے حالات
ہر مصحفِ وحدت کا خلاصہ یہ سبق ہے
جو منکرِ جبریلؑ ہے، وہ منکرِ حق ہے

کس شان سے شدّاد نے جنت بھی بنائی ہر شاخِ شجر، لعل و جواہر سے سجائی
جبریلؑ کہاں سنتے ہیں دعوائے خدائی ہر چیز ہوا ہو گئی وہ ضرب لگائی
شدّاد کی جنت ہے نہ آشفتہ سری ہے
جبریلؑ کے شہپر کی صدا گونج رہی ہے

کیا چیز ہے ابنائے زمانہ کی رعونت — مٹ جائے گی اک پل میں گناہوں کی سیاست
قرآن سے پوچھے کوئی جبریلؑ کی طاقت — مٹھی میں تغیر ہے اشارے میں قیامت
جب ذرّۂ شہپر سے خبر لیتے ہیں جبریلؑ
اک آن میں طبقہ بھی اُلٹ دیتے ہیں جبریلؑ

جبریلؑ وفا بھی ہیں، تقاضائے وفا بھی — عادل کے پرستار، عدالت کی نوا بھی
لے جاتے ہیں گیتی سے فقیروں کی صدا بھی — ہونٹوں پہ سنبھالے ہیں رُسولوں کی دُعا بھی
اللہ کی قدرت کے نقیبِ ازلی ہیں
تقریر جو کرتے ہیں سرِ عرش یہی ہیں

منظر ہے انہیں رونقِ بازارِ نبوّت — یہ جانتے ہیں منصب و معیارِ نبوّت
ہر قصرِ نبوّت میں مددگارِ نبوّت — کہتے ہیں انہیں واقفِ اسرارِ نبوّت
آنکھوں میں ہیں اندازِ رئیسانِ وفا کے
جبریلؑ حُدی خواں ہیں، سفیرانِ خدا کے

جبریلؑ نمِ دیدۂ احساس و محبت — جبریلؑ خمِ گیسوئے لیلائے اطاعت
جبریلؑ رَمِ آہوئے میدانِ شریعت — جبریلؑ دمِ قافلۂ رشد و ہدایت
خود عقل ہیں اور فخرِ عقیلانِ جہاں ہیں
جبریلؑ تو قرآں میں نبوّت کی زباں ہیں

آئینۂ مہتاب، انہیں گردِ مسافت — خادم کی طرح مشتریِ عالمِ رفعت
پوشیدہ نہیں ان سے عطارد کی عبارت — یہ کرتے ہیں مرّیخ کے گلشن میں سیاحت
یہ خیر ہیں، کرتے ہیں سفر خیر کی خاطر
سیّارے بلاتے ہیں انہیں سیر کی خاطر

واقف ہیں یہ ہر دور کے انساں کی زباں سے خود لائے ہیں، ازبر ہیں، انہیں سارے صحیفے
یوں حال سمجھ لیتے ہیں ماضی سے گزر کے جیسے کوئی تاریخ کو اک لفظ میں پڑھ لے
کیا جلوۂ موجود ہے، کیا رنگِ عدم ہے
ان کے لئے سورج کا سفر، ساغرِ جم ہے

جبریلؑ حقیقت کے گلستاں کی وہ مہکار کونین جسے پیش کریں پھولوں کی دستار
خود کہتے ہیں لیلائے خرد کے لب و رخسار جبریلؑ نے چوما تو بڑھی عصمتِ کردار
ایک ایک نبیؑ کی حدِ معلوم ہیں جبریلؑ
معصوم قسم کھائیں وہ معصوم ہیں جبریلؑ

ممکن ہی نہیں قدرتِ جبریلؑ سے انکار اللہ کی قدرت کا نمونہ ہے یہ کردار
وہ لفظ جو دنیائے لغت کیلئے دُشوار جبریلؑ کے ہونٹوں پہ ہے آساں دمِ گفتار
آزاد ہیں ہر حلقۂ زنجیرِ جہاں سے
گن سکتے ہیں ذرّاتِ زمیں کا بکشاں سے

جبریلؑ ہیں اسمائے جلالی کے وہ مظہر دیکھیں تو پہاڑوں کے جگر چاک ہوں یکسر
چاہیں تو زمیں توڑ دیں مثلِ درِ خیبر کھولیں جو زباں مُہر ہو پانی کی زباں پر
تاحدِ نظر کوہِ ہمالہ کو اُچھالیں
مرضیِ خدا ہو تو سمندر بھی اٹھالیں

یہ پیکرِ خوشبوئے خرد عارفِ کامل یہ حُسنِ فلک نیّرِ ایوانِ فضائل
ان کیلئے آیات، یہ آیات کے حامل یہ روح میں بستے ہوں تو کیسے نہ کہے دل
پائندہ محبت کی خبر لائے ہیں جبریلؑ
جو شام نہ دیکھے وہ سحر لائے ہیں جبریلؑ

سب رنگ ہیں گلدستۂ تحریر میں دیکھو
کچھ نکہتِ گلشن کے تقاضے بھی تو سمجھو
اُٹھیں گے حجابات اگر ذوقِ نظر ہو
جس نور سے جبریلؑ ہیں اُس نور سے پوچھو
جُز کُل سے جُدا ہو کے بھی وابستۂ کُل ہے
جبریلؑ کا دل آئینۂ ختمِ رُسلؐ ہے

جبریلؑ ہیں اس طرح ملائک میں نمایاں
جس طرح محمدؐ ہیں سرِ عالمِ امکاں
جبریلؑ کا دم بھرتی ہے یوں گردشِ دوراں
جس طرح محمدؐ کے فضائل میں ہے قرآں
جبریلؑ ہیں یوں قائلِ اقوالِ محمدؐ
جس طرح محمدؐ کے لئے آلِ محمدؐ

سورۃ متشابہ ہو کہ آیت کوئی محکم
تنزیلِ موخر ہو کہ تنزیلِ مقدم
واضح دلِ جبریلؑ پہ سب مطلق و مبرم
پھر کیوں نہ یہ اندازِ تکلم ہو مسلّم
جبریلؑ پہ سب مرحلے آسان ہوئے ہیں
پہلے تو یہی حافظِ قرآن ہوئے ہیں

کہتا ہے محمدؐ سے گلے ملنے کا منظر
قرباں ہے تجلیِ ملک حُسنِ بشر پر
عبداللہؑ کی تقدیر کو چھاتی سے لگا کر
تفویض کیا علمِ لدنی کا سمندر
دیکھے تو کئی رنگِ کرم ربِ عُلا کا
جبریلؑ نے منہ چوما ہے محبوبِ خدا کا

محرابِ عبادات میں دامانِ خطر میں
میدان میں، بستی میں، ہر اک راہ گزر میں
تپتے ہوئے صحراؤں میں تکلیفِ سفر میں
دشمن سے بھری وادیوں میں، دشت میں، در میں
اسلام کے ناصر ہیں نگہبانِ نبیؐ ہیں
جبریلؑ محمدؐ کے لئے نادِ علیؑ ہیں

معقول ہو مضمون تو کیسا رُخِ تجہیل　　محرومِ حقیقت ہو تو بیکار ہے تاویل
کیسے کہوں خیبر میں کٹے شہپرِ جبریلؑ　　پروازِ حقیقت نظر آتی ہے یہ تخئیل
یہ بات وہ سمجھیں گے جو شائستہ نظر ہیں
معصوم کی تلوار ہے، معصوم کے پَر ہیں

جبریلؑ نے پر دھوپ میں گیتی پہ بچھائے　　اس بات کے معنی کوئی معصوم بتائے
پڑتے ہیں جہاں مرحب ورہوار کے سائے　　حیران ہوں جبریلؑ وہاں کیوں نظر آئے
سایہ کئے اندازِ وغا دیکھ رہے ہیں
جبریلؑ تو حیدرؑ کی ادا دیکھ رہے ہیں

اب سامنے آیا پرِ جبریلؑ کا سایا　　راوی نے یہاں لطف عقیدت کا اُٹھایا
لیکن نگہِ عقل نے یہ راز بتایا　　اب رنگِ عقیدت بہ حقیقت نظر آیا
جبریلؑ نے خوش ہو کے اشارے جو کئے تھے
تلوار کے بوسے لبِ گیتی نے لئے تھے

ہم نے لبِ جبریلؑ سے پائے وہ مناقب　　جو سارے زمانے کے فضائل پہ ہیں غالب
یوں کلمۂ رحمت ہے برائے ابوطالبؑ　　جس طرح دُرود احمدِؐ مختار پہ واجب
جائیں گے کہاں، قافلے آشفتہ سری کے
فردوس کے مختار ہیں ماں باپ نبیؐ کے

ہر آیتِ قرآں میں کئی عالمِ افکار　　ہر عالمِ افکار، ہزار آئینہ بردار
ہر آئینے میں سلسلۂ عالمِ انوار　　ہر عالمِ انوار میں جبریلؑ کا کردار
سب جلوے تو جبریلؑ کے کردار میں گم ہیں
جبریلؑ رُخِ احمدِؐ مختار میں گم ہیں

دمسازِ دمِ رفرف و براق ہیں جبریلؑ　　قدموں میں ہیں سب فاصلے مشتاق ہیں جبریلؑ
اک قادرِ مطلق ہے یہ اطلاق ہیں جبریلؑ　　غائب ہیں مگر حاضرِ آفاق ہیں جبریلؑ
ہر شخص کہاں شمعِ سرِ طور کو دیکھے
خود نورِ مجسّم ہو تو اس نور کو دیکھے

جو عرش پہ ارشاد ہوا، فرش پہ لائے　　احکامِ خدا احمدِؐ مرسل کو سنائے
آیات سے حالات کے ایوان سجائے　　جب آمنہؑ کے لالؐ نے چاہا، چلے آئے
وحدت کے پیامی ہیں، رسالتؐ کا یقیں ہیں
قرآن امانت ہے جو جبریلِؑ امیں ہیں

جبریلؑ ہیں وہ آئینہ سبع مثانی　　عصمت کے ستاروں کی جہاں جلوہ فشانی
وہ قولِ حسنؑ، شانِ بیاں، حُسنِ معانی　　یہ نفسِ پیمبرؐ کے لئے لائے ہیں پانی
سلمانؓ کی مانند یہ خادم ہیں نبیؐ کے
قنبرؓ کی طرح ہاتھ دھلائے ہیں علیؑ کے

جبریلؑ کی ہر سانس بہارِ حرمینؑ　　یہ خمسۂ تحریر میں اک شاہدِ عینی
جبریلؑ کی ہر فکر نجیب الطرفینؑ　　یہ مصطفویؐ ہیں یہ تجلائے حسینیؑ
کس درجہ مودّت ہے انہیں آلِ عباؑ سے
یہ زیرِ کساء آئے ہیں خالق کی رضا سے

میداں میں جنہیں لائے پیمبرؐ انہیں معلوم　　نفسوں میں فقط حیدرِؑ صفدر انہیں معلوم
عورات میں صرف ایک ہی دخترؑ انہیں معلوم　　بیٹوں کی جگہ آئے جو دلبر انہیں معلوم
جبریلؑ نقیبِ شرفِ آلِ عباؑ ہیں
نجران میں یہ فتحِ پیمبرؐ کی دُعا ہیں

یہ بُلبلِ سدرہ کے لقب سے ہیں ملقب معراج پہ ہے لفظ تقرب وہ مقرب
منصوص من اللہ انہیں رفعتِ منصب منصب جو بڑا ہے تو رہائش بھی ہے انسب
معلوم ہے جس فخر کی مسند پہ ملیں گے
جبریلؑ درِ آلِ محمدؐ پہ ملیں گے

افسانۂ ہستی کا خلاصہ ہے یہ سُرخی جبریلؑ کے جو دوست وہ لاریب ہیں قدسی
جادو نظر آتی ہے جنہیں وحیِ الٰہی وہ لوگ ہیں لاتفسدو فی الارض کے باغی
ایماں نہیں رکھتے جو رسالتؐ کے امیں پر
پانی کی طرح خون بہاتے ہیں زمیں پر

صدیوں کے کلیجے پہ بغاوت کی فصیلیں آفاق کے دامن میں فسادات کی جھیلیں
انصاف پہ منڈلاتی ہوئی ظلم کی چیلیں تہذیب کے اجسام میں گاڑی ہوئی کیلیں
محشر میں تو بے لفظ و بیاں رہ نہیں سکتیں
جبریلؑ کی آنکھوں سے نہاں رہ نہیں سکتیں

کون ان سے چھپائے گا کسی دورِ کہن کو پہچانتی ہے ان کی نظر خارِ چمن کو
معلوم ہے سب زخم نگارانِ سخن کو یہ جانتے ہیں وقت کے ہر عہد شکن کو
عادل کی عدالت میں یہ تفصیل پڑھیں گے
تاریخِ ستم، حشر میں جبریلؑ پڑھیں گے

واقف ہیں شب و روز کی تاریخِ سفر سے دنیا کی ہوا تولتے ہیں جنبشِ پَر سے
مربوط ہیں کونین کی ہر راہ گزر سے جوان سے جدا ہو گا وہ گزرے گا کدھر سے
یہ حکمِ خدا ہے کہ ابھی ضبط کئے ہیں
جبریلؑ سب اعمال کی فہرست لئے ہیں

حیران تھا میں اس کے سوا کیا کہوں کیا ہیں		بولا غمِ شبیرؑ مرے درد رسا ہیں
یہ ناظرِ کُل، واقعۂ کرب و بلا ہیں		جبریلؑ تو مقتل میں انیسِ شہدا ہیں

مظلوم کے ہر زخم کو تفصیل سے پُوچھو
شبیرؑ پہ کیا گزری ہے جبریلؑ سے پوچھو

چھائے اُفقِ ذہن پہ عاشور کے حالات		پلکوں پہ مصائب کی گھٹا بن گئی برسات
اُبھرے ہیں عجب درد بھرے چند سوالات		شاید لبِ جبریلؑ سے مل جائیں جوابات

یہ جرأتِ گفتار نہیں دل کی صدا ہے
مجبور ہوں میں دردِ جگر پوچھ رہا ہے

دنیا سے نہ پوچھوں گا یہ دنیا ہے ستمگر		اس نے تو گل و خار کو سمجھا ہے برابر
یہ درد کی آواز سُنیں شاہدِ محضر		ابھری ہے جو مظلوم کے شاعر کی زباں پر

کہنے کو اس آواز کا انداز نیا ہے
لیکن یہ تمام اہلِ مودّت کی صدا ہے

آغوشِ رسالتؐ کا سماں یاد تو ہو گا		ہاتھوں پہ کوئی غنچہ دہاں یاد تو ہو گا
وہ بوسۂ سلطانِؐ زماں، یاد تو ہو گا		کس بچے نے چُوسی تھی زباں یاد تو ہو گا

ہر آنکھ سے بے ساختہ کیوں اشک بہے تھے
محبوبِؐ خدا کس کا گلا چوم رہے تھے

بچے کا گلا چُومنا اور اشک بہانا		ننھا سا بدن سینۂ اقدس سے لگانا
حضرتؐ کا لبِ صبر سے حیدرؑ کو بتانا		اس لالؑ کو نیزے پہ ہے قرآن سُنانا

خوشبو کی قبا دے کے تمام اہلِ زمن کو
یہ پھول بچائے گا رسالتؐ کے چمن کو

اس پھول کا کیا نام ہے جبریلؑ بتائیں   جس پھول کی خیرات ہیں خوشبو کی قبائیں
محضر کے مطابق لبِ تاریخ ہلائیں   آنکھوں سے جو دیکھے ہیں وہ حالات سُنائیں

کس طرح سحر درد کا پیغام ہوئی ہے
زہراؑ کے غریبوں پہ کہاں شام ہوئی ہے

کیوں ماہیِ بے آب ہوئے ساقیِ کوثرؑ   کس دشت کے دریا پہ ہوا خشک سمندر
کیوں دُھوپ کی شمشیر تھی ہر تارِ نظر پر   کس پیاسے مسافر کے لئے روئے پیمبرؐ

پلکوں پہ جو تصویر بناتے رہے آنسو
کیا تیروں پہ اک لاش دکھاتے رہے آنسو

وہ کونسی تحریرِ فلک تھی جسے پڑھ کر   آئینۂ محضر میں نظر آ گیا محشر
وہ کونسا جملہ تھا جہاں رُک گئے سرورؑ   آنکھیں سرِ زہراؑ پہ رکھیں چُوم لی چادر

کیوں گھیر لیا غم کے اندھیروں نے نبیؐ کو
کیا دیکھ لیا شامِ غریباں میں کسی کو

یہ چند سوالات، یہ احساس کے طوفاں   جبریلؑ کو لے آئے سرِ دشتِ غریباں
عاشور کا دن نکلا اُجالے ہوئے حیراں   فطرت کو ملا مرثیۂ شاہِ شہیداں

افلاک ہلے وقت کے لرزیدہ قدم سے
سورج کا بدن جلنے لگا، شعلۂ غم سے

ہر فکر نے اک درد کا آئینہ دکھایا   ہر حرف نے دریائے غم و رنج بہایا
ہر لفظ مصائب کا سمندر لئے آیا   ہر بیت نے مجلس کو یہ پیغام سُنایا

اس فرشِ عزا پر غمِ صابر کی طرح ہیں
جبریلؑ یہاں مہدیِؑ آخر کی طرح ہیں

اس بات سے دنیائے خرد کو نہیں انکار — جو ہر نہ ہو جس میں، وہ عمل کاغذی تلوار
مرہونِ تصنّع نہیں اخلاص کا معیار — جبریلؑ ہیں مجلس میں، سنبھل چشمِ عزادار
پلکوں سے ذرِ اشک اُٹھا لیتے ہیں جبریلؑ
زہراؑ کی طرح سب کو دُعا دیتے ہیں جبریلؑ

اک دن میں محمدؐ کے بھرے گھر کی تباہی — یا چہرۂ تاریخ پہ تا حشر سیاہی
یہ ظلم چھپا سکتے نہیں کاتبِ شاہی — جبریلؑ ہیں ناقابلِ تردید گواہی
ہر واقعہ میزانِ قیامت میں تُلے گا
جبریلؑ وہاں ہوں گے، وہاں راز کُھلے گا

برسات کی مانند بیانِ غمِ شبیرؑ — اشکوں کے ورق تکملۂ صبر کی تحریر
تحریر کی جاں گردشِ احساس کی زنجیر — جبریلؑ تڑپ جائیں وہ عاشور کی تصویر
یلغار اندھیروں کی اُجالوں کے چمن پر
زخموں کی ردا چاند ستاروں کے بدن پر

وہ عرشۂ مقتل وہ اذانِ علی اکبرؑ — جبریلؑ کی نظروں میں جوانیِ پیمبرؐ
اللہ ہو اکبر، کی صدا خشک لبوں پر — یا منزلِ معراج پہ لیلیٰؑ کا گلِ تر
پائی یہ سند شرحِ ھواللہ ہو احد سے
اکبرؑ کی اذاں بڑھ گئی جبریلؑ کی حد سے

مقتل کے موذّن کا وہ لاشہ سرِ مقتل — وہ خون کے بستر پہ گلِ احمدِؐ مرسل
برچھی کا نشاں سینے میں اک ٹوٹا ہوا پھل — وہ دھوپ جہاں سایہ فگن موت کا آنچل
اُس وقت زر و مال کے دیوانوں کو دیکھا
جبریلؑ نے حیرت سے مسلمانوں کو دیکھا

وہ چند جیالے، وہ ہزاروں سے لڑائی　　وہ دین کے پروانوں کی ایمان نمائی
وہ اہلِ خدا ناز کرے ساری خدائی　　وہ لشکرِ شبیرؑ کی معبود رسائی
مقتل کی مہم، قافلۂ صبر نے سر کی
جبریلؑ نے آدمؑ کے مقدّر پہ نظر کی

جبریلؑ نہ بھولیں گے وہ مظلومیِ شبیرؑ　　اک عالمِ تنہائی اور اک میّتِ بے شیر
حیدرؑ کی جوانی کہوں یا ننھی سی تصویر　　جبریلؑ بھی تھرا گئے، وہ صبر کی شمشیر
جب ظلم پہ یہ صبر کی شمشیر پڑی تھی
ماں خیمے میں شبیرؑ کی مانند کھڑی تھی

تلوار سے تربت نما گہوارہ بنانا　　گہوارے میں سویا ہوا ایک چاند لٹانا
کچھ کانپتے لفظوں میں زمیں کو یہ سنانا　　اصغرؑ ترا مہماں ہے اسے جھولا جھلانا
اس ننھے مجاہد نے کہاں دودھ پیا ہے
قاتل نے ابھی تیر سے سیراب کیا ہے

جبریلؑ کی آنکھوں میں ہے وہ آخری منظر　　جس کے لئے تیار ہوا نامۂ محضر
ایک پیاسے کو ہر سمت سے گھیرے ہوئے لشکر　　وہ نیزہ وہ سوفار وہ تلواریں وہ خنجر
یہ جذبۂ تسلیم تو پایا نہ کسی نے
ہر زخم پہ تکبیر کہی سبطِ نبیؐ نے

وہ عصر کا سجدہ، وہ تن و سر میں جدائی　　مجبور بہن خاک پہ اور نیزے پہ بھائی
جبریلؑ کا وہ ضبط، وہ فضّہؑ کی دہائی　　خیموں کی جگہ شامِ غریباں نظر آئی
زینبؑ کے قریں دیکھ کے زہراؑ و علیؑ کو
جبریلؑ نے پرسہ دیا مقتل میں نبیؐ کو

ممکن ہے یہ بکھری ہوئی لاشوں سے کہا ہو جیتے رہو! اے مرضیِ معبود کے بندو
مقتل کی فضاؤں میں سکوں گھولنے والو زنجیروں میں جکڑے ہوئے بیمار کو دیکھو
قرآں تو سرِ نوکِ سناں بول رہا ہے
بیمار نئے غم کی ادا تول رہا ہے

جبریلؑ کے استاد کی تائید ہے قیصرؔ یہ مرثیہ بھی قدر سے دیکھیں گے سخنور
جب تک ہے دبستانِ غمِ سبطِ پیمبرؐ تابندہ رہے گا حشمِ مجلس و منبر
معیارِ ادب مرثیہ گوئی کا شرف ہے
گلدستۂ فن صدقۂ دربارِ نجف ہے

◆◆◆

maablib.org

وحدتِ مذہب

(دینِ اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے حضرتِ امام حسینؑ کی قربانیاں)

۸۴ بند۔ ۱۹۸۹ء

❖❖

فکرِ مذہب سے بہاراں ہے طبیعت کا گلاب
جس کی خوشبو سے مہکتا ہے شرافت کا نصاب
صاف کہتے ہیں یہ اخلاق و مروّت کے سحاب
ایسی بارش سے تو ہر کشتِ عمل ہے سیراب
باغِ اُلفت کو تعصّب سے سروکار نہیں
مثلِ مذہب تو کوئی نخل، ثمردار نہیں

❖❖

maablib.org

وحدتِ مذہب

فکرِ مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو
نظمِ کردار سے تنظیمِ مشیت سمجھو
کیا ہے اسلام کی معصوم سیاست سمجھو
ابنِ آدمؑ ہو، تمدن کی ضرورت سمجھو
اندھی تقلید میں انسان مہذب تو نہیں
جس سے شرمندہ ہو تہذیب وہ مذہب تو نہیں

دردِ مذہب ہے تو سمجھو، غمِ مذہب کیا ہے
قوم کی روح جو ڈستا ہے وہ عقرب کیا ہے
نور و ظلمت دمِ نظارہ ہیں انسب کیا ہے
تیرگی ذوقِ طلب میں ہے تو مطلب کیا ہے
صبح ہوتے ہوئے کیوں شام کے شیدائی ہو
کیوں اُجالوں میں اندھیروں کے تمنائی ہو

روشنی دی ہے خدا نے شبِ ہستی کے لئے
مذہب ادراک ہے توحید پرستی کے لئے
مصرفِ ذہن مناسب نہیں پستی کے لئے
کیوں طلب کرتے ہو ویرانیاں بستی کے لئے
خیر تنظیم بغیر آئینہ ضبط نہیں
شر سے نسبت ہے تو مذہب سے کوئی رابط نہیں

کیوں کوئی بات ہو وابستہ، بربادیِ فکر　　کیوں کوئی لفظ ہو شرمندۂ ناشادیِ فکر
وسعتِ قلب تو ہے باعثِ آبادیِ فکر　　کوئی فرقہ ہو عقیدت میں ہو آزادیِ فکر
فائدہ کیا ہے الجھنے میں اور الجھانے میں
عقل کو صرف کرو مسئلہ سلجھانے میں

جن کی بنیاد جہالت ہے اُلجھتے ہیں وہی　　علم والوں سے بہت دور ہے آشفتہ سری
تفرقہ ساز نہیں پیروِ تعلیمِ نبیؐ　　حکمِ خالق سے مسلماں کا مسلماں ہے اُخی
اپنی کوتاہیِ سیرت کے جو خود واصف ہیں
معنیِ حبلِ متیں سے وہی ناواقف ہیں

جس قدر بھی ہیں تمدّن کے اصولِ زرّیں　　درحقیقت ہیں وہ سب خاتمِ مذہب کے نگیں
ان نگینوں سے اگر کوئی سروکار نہیں　　پھر تو انسان بہر حال ہے وحشت آگیں
زمرۂ عدل نے یہ فیصلہ یوں لکھا ہے
بے اصولوں کے پنپنے سے لہو برسا ہے

نگہِ عقل سے دیکھو تو سہی رنگِ حیات　　جو بشر ہے وہ رواں ہے طرفِ منزلِ ذات
قابلِ غور نہیں دوسرے انسان کی بات　　اپنی باتوں پہ یہ ایمان کہ جیسے آیات
علمِ ناپختہ سے بے سود حوالہ دے کر
گفتگو کرتے ہیں مذہب کا سہارا لے کر

نورِ ایثار ہے دراصل وہ اعجازِ نظر　　جس نے دنیا کو سکھایا ہے محبت کا ہنر
ہر سحر آکے یہ دیتی ہے خبر بادِ سحر　　آبِ نفرت سے تو سرسبز نہیں کوئی شجر
آج کانٹا ہے تو کل پھول نظر آئے گا
خود کو گلزار کرو شہر مہک جائے گا

ایک انسان کا سینہ ہو اگر مثلِ چمن
رشکِ فردوس بنے فکر و نظر کا آنگن
پھیل جائے کچھ اس انداز سے خوشبوئے سخن
ہر طرف جھوم اٹھے انجمنِ روح و بدن
یوں بھی سلجھے ہوئے جذبوں کی فراوانی ہو
پوری بستی کی فضا منظرِ ایمانی ہو

فکرِ مذہب سے بہاراں ہے طبیعت کا گلاب
جس کی خوشبو سے مہکتا ہے شرافت کا نصاب
صاف کہتے ہیں یہ اخلاق و مروت کے سحاب
ایسی بارش سے تو ہر کشتِ عمل ہے سیراب
باغِ اُلفت کو تعصب سے سروکار نہیں
مثلِ مذہب تو کوئی نخل ثمردار نہیں

فکرِ مذہب میں خیالات پہ آتا ہے نکھار
دیدہ و دل سے گلے ملتی ہے رحمت کی پھوار
شیشۂ نطق سے ڈھل جاتا ہے نفرت کا غبار
انسیت جس کی کنیزی میں ابھرتا ہے وہ پیار
لے کے پیغام کسی حرفِ تمنا کی طرح
آدمی پھرتا ہے پیکر میں مسیحا کی طرح

فکرِ مذہب رُخِ ایماں کے لئے حسن و جمال
شوقِ تکمیلِ وفا جذبۂ تسلیم کی ڈھال
فکرِ مذہب ہے وہ دوشیزۂ عصمت کی مثال
جس کی معصوم اداؤں میں ہے تطہیرِ خیال
لوگ خوشنودیِ معبود کا دم بھرتے ہیں
اسی رستے پہ محبت کا سفر کرتے ہیں

فکرِ مذہب ہے اخوت کا مقدس پیغام
اہلِ دانش جسے دیتے ہیں مساوات کا نام
شیوۂ دل شکنی کب ہے عقیدت کا نظام
احترامِ بشریت سے بغاوت ہے حرام
یعنی انساں کی نگاہوں میں تمام انساں ہیں
عزتِ نفس کی منزل پہ سبھی یکساں ہیں

دوستو آؤ ذرا معنیِ مذہب سمجھیں   طبعِ انصاف لئے نور کی دنیا میں چلیں
جس میں کیفِ مدنیت ہے وہ آواز سنیں   جہاں کعبے کی فضائیں ہیں وہ منظر دیکھیں
کربلا کیا ہے نجف' کیا ہے' مدینہ کیا ہے
بحرِ مذہب جسے چومے، وہ سفینہ کیا ہے

زندگی ایک مسافت ہے تو اے اہلِ نظر   اس مسافت کے لئے چاہئے اِک راہ گذر
صاف رستہ ہو تو آرام سے کٹتا ہے سفر   کوئی اندیشۂ آئندہ نہ کچھ خوف و خطر
جس نے ذریتِ آدمؑ کو مؤدب رکھا
نام اس راز کا اللہ نے مذہب رکھا

باغِ ہستی میں ازل سے ہے بہارِ مذہب   بزمِ انساں کا مقدّر ہے وقارِ مذہب
کس زمانے میں نہیں نقش و نگارِ مذہب   وقت ہر وقت رہا آئینہ دارِ مذہب
جلوۂ کن فیکون سے یہ خبر ملتی ہے
شیشۂ فجر میں مذہب کی سحر ملتی ہے

حمد کا لہجۂ آغاز بیانِ مذہب   نشرِ توحیدِ مسلسل بہ زبانِ مذہب
محورِ نام و نشاں نام و نشانِ مذہب   گلشنِ ظاہر و باطن ہے جہانِ مذہب
عقل کی آبرو مذہب کے قلمدان سے ہے
ذاتِ وحدت کا تعارف اسی عنوان سے ہے

حُسنِ تخلیق حقیقت میں ہے نورِ مذہب   نورِ اوّل کی تجلّی ہے ظہورِ مذہب
کنزِ مخفی سے ملاتا ہے شعورِ مذہب   خودمشیّت کی ضرورت ہے سرورِ مذہب
وقت کا پھول کھلا ہے اسی خوشبو کے لئے
یہی پیمانۂ برحق ہے من و تو کے لئے

عبد و معبود میں اک وجہِ تعلق ہے ضرور	ہم نے تشریحِ من و تو سے یہ سمجھا ہے حضور
عرشِ اعظم سے صدا دیتا ہے وحدت کا غرور	بندگی عجز کے جلووں سے اگر ہو معمور

چشمِ مذہب سے جو تسلیم و رضا کو سمجھا
درحقیقت وہی انسان خدا کو سمجھا

اس کی بنیاد ہے دراصل فقط مرضیٔ رب	کسی انسان کی ایجاد نہیں ہے مذہب
لب آغاز سے کہتی ہے یہ تاریخِ ادب	صرف افراد کی کثرت نہیں مذہب کا سبب

عرش پر نام پڑھانے کا یہی مطلب ہے
چشمِ آدمؑ میں خلافت کی ضیا مذہب ہے

دوشِ تخلیق اٹھائے ہے لوائے مذہب	جلوۂ صبحِ مشیت ہے ضیائے مذہب
حکمِ سجدہ ہے فرشتوں کو برائے مذہب	باغِ آیات میں کہتی ہے فضائے مذہب

یہ تخیل بھی وضاحت کے لئے انسب ہے
سجدہ آدمؑ کو نہیں معرفتِ مذہب ہے

رُخِ انساں کی سحر ہو گئی جلوے بکھرے	نامِ آدمؑ کا بڑھا معنیٔ مذہب پھیلے
زندگی فصلِ عبادت ہوئی سجدے برسے	مسکرانے لگے تقدیسِ چمن کے رشتے

ہر طرف وحدتِ کردار کا اعلان ہوا
جس نے مذہب کو نہ سمجھا وہی شیطان ہوا

کام آئی نہ خودی، کفر ہوا داغِ جبیں	جادۂ حق سے پھرا ہو گیا ابلیس لعیں
جس کا دل ضدِ حقیقت ہو وہ انسان نہیں	قابلِ غور ہے یہ بات یہاں اہلِ یقیں

لب پہ شکوہ نہ کبھی آئے اطاعت یہ ہے
جان دے حرمتِ مذہب پہ عبادت یہ ہے

ظلم قابیل ہے مذہب سے بغاوت کی نمود　　ذکرِ ہابیلؑ ہے مظلوم سے اُلفت کا وجود
اہلِ حق آج بھی کہتے ہیں بحکمِ معبود　　دہریت، شیوۂ لعنت ہے تو مذہب ہے درود
حق کو حق کہنے کی بے باک ادا ہے مذہب
اپنے اللہ سے پیمانِ وفا ہے مذہب

صحنِ کونین کو مذہب کا مدینہ کہیے　　لوحِ محفوظ کو مذہب کا نگینہ کہیے
شوق سے منزلِ قوسین کا زینہ کہیے　　کشتیِ نوحؑ کو مذہب کا سفینہ کہیے
ردِ آفت کے لئے خاص وظیفہ لکھا
نوحؑ نے عصمتِ مذہب کا صحیفہ لکھا

وہ صحیفہ جسے پڑھ کر ہوا طوفاں خاموش　　ورنہ تا حشر تھے سب شہر و بیاباں خاموش
شکر یہ ہے نہ رہی رحمتِ یزداں خاموش　　ورنہ سب تھے صفت گورِ غریباں خاموش
پانچ ناموں کے وسیلے سے یہ اعجاز ہوا
جو بھنور موت نے ڈالا وہی دم ساز ہوا

یہاں معلوم ہوا کیا ہے مصائب کا علاج　　یہاں آنکھوں نے پڑھا شورشِ طوفاں کا مزاج
یہاں گویا ہوئی انسان کی عقلِ محتاج　　کون ہیں وہ جنہیں ملتا ہے زمانے سے خراج
گونج اٹھی نوحؑ کی آواز یہ شانِ رب ہے
اُلفتِ پنجتنِ پاکؑ مرا مذہب ہے

زورِ مذہب ہے براہیمؑ کے تیشے کا عمل　　جس نے پل بھر میں نکالے رسنِ کفر کے بل
ضربِ مذہب سے گرے صنعتِ آذر کے محل　　ہم جسے کہتے ہیں پتھر یلے خداؤں کی اجل
کیا خدا تھے کہ خدائی کو بچایا نہ گیا
گردنیں کس نے اڑائیں یہ بتایا نہ گیا

لوحِ افکار پہ جب آیا ہے الحاد کا زنگ نورِ مذہب نے دیا قلب کو ایمان کا رنگ
نارِ نمرود سے مشہور ہے کیا عقل کی جنگ کہہ دیا عقل نے کردار ہے مذہب کی اُمنگ
آگ کے شعلوں نے جب پھولوں کی نکہت پائی
چشمِ تاریخ نے مذہب کی صداقت پائی

غیر فانی ہیں مشیّت کی ہوا کے جھونکے آئینہ ہو گئے تسلیم و رضا کے رستے
بارشِ حق ہوئی تو ریت کے موتی برسے شمعِ تبلیغ کو تحریر کے فانوس ملے
حق نظر، مصحفِ مذہب کے ورق کھولتے ہیں
مثلِ موسیٰؑ کوئی بولے تو شجر بولتے ہیں

دفعِ ظلمت کے لئے جب کوئی تارا چمکا حسب ماحول جہاں نورِ نبوت پھیلا
ہر پیمبرؑ نے زمانے کو یہ پیغام دیا میرے ساتھ آؤ چلو راستہ سچائی کا
جس نے اس حکم سے تابندگیِ دل پائی
وہی زندہ ہے، اسی شخص نے منزل پائی

زندگی اصل میں کیا چیز ہے منزل کیا ہے وہ سمجھتا ہے جو قرآں پہ یقیں رکھتا ہے
چند سانسوں کی یہ دنیا بھی کوئی دنیا ہے دارِ عقبٰی میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے
راہِ بے ربط سے منزل کا تعلق کب ہے
انبیاؑ جس کے مسافر ہیں وہی مذہب ہے

عام اک یہ نظریہ ہے بہ الحادِ نظر ایک منزل کے لئے سینکڑوں ہیں راہ گذر
اپنی مرضی سے کسی راہ پہ آ جائے بشر کوئی تخصیص کا پہلو نہ کسی بات کا ڈر
یہ عقیدہ ستم آرائیِ اغیار کا ہے
اس میں رُخ سورۂ الحمد سے انکار کا ہے

صاف ہے سورۂ الحمد میں فرمانِ دُعا وہ دُعا جس کی تجلّی میں ہے مذہب کی بقا
پالنے والے کی تعریف میں دُرِ یکتا رشتۂ عابد و معبود بہ معراجِ وفا
اپنے خالق سے شعورِ ابدی کی خواہش
سیدھے رستے پہ وہ ثابت قدمی کی خواہش

سیدھا رستہ بھی انہیں کا جنہیں بخشیں نعمات ان کا رستہ نہیں مغضوب رہی جن کی حیات
ان سے بھی دور میسّر جنہیں گمراہیِ ذات یہ دُعا ہے جو عیاں کرتی ہے مذہب کی صفات
آئیں تو جلوۂ تفسیر میں آنے والے
نظر آ جائیں گے نعمات کے پانے والے

ایک نقطہ بخدا شرح گرِ بسم اللہ درحقیقت ہے حقیقت نظرِ بسم اللہ
شجرِ حق کی قسم وہ ثمرِ بسم اللہ جس کے دامن میں مکمل اثرِ بسم اللہ
دین کی جان ہے، مذہب کے لئے رہبر ہے
علم کے شہر سے پوچھو یہی نقطہ در ہے

آئیں اور وحدت مذہب کے طلب گار سنیں ڈھل گیا سورۂ کوثر میں جو کردار سنیں
جس پہ کردار کی تصدیق وہ گفتار سنیں خلق و احسان کا منہ بولتا معیار سنیں
اپنی ہستی میں جو تکمیلِ رضائے رب ہیں
ان کے قدموں کے نشاں آئینہ مذہب ہیں

انہی قدموں کے نشاں راہِ صداقت کے چراغ مدنیت کے جمالاتِ محبت کے چراغ
قافلے والوں کی تقدیرِ قیادت کے چراغ صبحِ منزل جنہیں چومے وہ شریعت کے چراغ
ان چراغوں سے جو انسان ضیا پاتا ہے
نور کی چھاؤں میں منزل پہ پہنچ جاتا ہے

صرف خوشنودیِ خالق ہے بشر کی منزل سرخرو جذبۂ تسلیم سے ہے جذبۂ دل
اس سفینے کے لئے حق ہے بہارِ ساحل کشتیِ نوحؑ کا جس پر ہو یقینِ کامل
اس میں جو آیا وہ محفوظ رہا پار ہوا
جو نہیں آیا وہی ڈوب کے فی النار ہوا

حفظِ مذہب کے لئے بول رہا ہے قرآں یہاں تردید سے قاصر ہے شعورِ انساں
پانچ سوروں میں ہے الحمد سے آغازِ بیاں یعنی الحمد میں وہ حمد کے پیکر ہیں عیاں
پنجتن پاکؑ جنہیں خلقِ خدا کہتی ہے
ان کو اللہ نے دستارِ قیادت دی ہے

عرش سے آئی ہوئی ساری کتابوں کی قسم سب میں ہے پنجتنِ پاکؑ کی توصیف رقم
ان سے مذہب کا نشاں ان سے ہے تہذیب میں دم نسلِ آدمؑ انہیں انوار سے رکھتی ہے بھرم
ان کے رستے پہ اگر ان کی اطاعت ہو گی
ساری دنیا میں شرافت ہی شرافت ہو گی

جادۂ پنجتنی، دین کی بھرپور لگن وہ لگن جس سے تمدّن کا سنہرا گلشن
پھر نہ کانٹوں بھرے الفاظ نہ حرفوں کی چبھن پھر نظر آئیں گے سب گل بہ دہن، شہدِ سخن
وہ مہک آئے گی ہر ذہن کی پھلواری سے
آدمی دل نہ لگائے گا دل آزاری سے

کر لیا جس نے مودّت کے اُجالوں کا حصار اسی انساں کو ملا حُبِّ پیمبرؐ کا خمار
اس مسلماں کو حقیقت میں ہے اسلام سے پیار جس سے اللہ کے بندوں کو نہ پہنچے آزار
کلمہ جس شخص کے ہونٹوں پہ بہ ایقان نہیں
وہ ابوجہل کی صف میں ہے مسلمان نہیں

حرمتِ کلمۂ اسلام ہے اسلام کا نام — اسی حرمت کا تحفظ ہے حسینؑ پیغام
کربلا رکھتی ہے وہ درسِ بقا، فکرِ دوام — جس کی تنویر پہ ہر دور میں سورج کا سلام
زندگی مصطفویؐ نور سے تابندہ ہے
کربلا، روشنیٔ مذہب پائندہ ہے

موت کے شعلوں میں حق بات پہ قائم رہنا — پیاس کی آگ میں دریا کا برابر بہنا
سینکڑوں برچھیوں اور تیروں کی بارش سہنا — یعنی اللہ اکبر سرِ مقتل کہنا
قوتِ مذہب لاریب دکھانے کے لئے
یہ ادا چاہیے باطل کو مٹانے کے لئے

روزِ عاشور اک انسان کی قدرت دیکھو — خوں کی برسات میں جذبے کی صداقت دیکھو
سرخیٔ زخم سے گلشن کی حفاظت دیکھو — ظلم کی دھوپ میں مظلوم کی ہمت دیکھو
معرکہ جبر سے ہے صبر کی تلوار کے ساتھ
معنیٔ حمد و بیاں ملتے ہیں کردار کے ساتھ

یہاں ایمان ہے مذہب کی توانائی پر — یہاں ملتا ہے یقیں دین کی سچائی پر
عبد سر دیتا ہے معبود کی یکتائی پر — یہاں مقتل کی سند ہے شفق آرائی پر
بات میں سبطِ پیمبرؐ بھی پیمبرؐ نکلا
سوکھے ہونٹوں سے یہاں چشمۂ کوثر نکلا

ردِّ بیعت میں جو پنہاں تھی پیمبر کی بقا — ابنِ زہراؑ نے اسے خون سے تحریر کیا
حاکمِ شام کا اس طرح سے تختہ اُلٹا — نام تاریخ نے لکھا بھی تو لعنت لکھا
آج بھی کہتے ہیں اُجڑے ہوئے آثارِ یزید
کربلا صبح ہے اور شام ہے دربارِ یزید

اہلِ احساس سے پوچھو بہ تقاضائے شعور — کس نے تحریر کیا فکر و نظر کا دستور
کون مذہب کا نگہبان تھا یومِ عاشور — کس نے قدموں سے کچل ڈالا حکومت کا غرور
بزمِ تابندگیِ ذکر سجائی کس نے
راہِ بیداریِ احساس دکھائی کس نے

لبِ تاریخ سے آواز یہ دیتی ہے خبر — صاحبِ خیر سے اُلجھا جو نمائندۂ شر
کربلا بن گئی میزان، کھلے دو منظر — خیر کی ناؤ تھی اور شر کے سمندر کا بھنور
ناؤ میں آلِ نبیؐ صبر کی پتوار کے ساتھ
اور بھنور بولتی جبر کی جھنکار کے ساتھ

سینۂ دشت پہ طوفاں تھا مگر وہ طوفاں — جس کی گردش پہ ہوا لفظِ قیامت حیراں
خون کے فرش پہ اس طرح سے بکھرا قرآں — ظلمِ اُمت سے پیمبرؐ بھی ہوئے نوحہ کناں
ظہر تک لوٹ لیا باغِ وفا دنیا نے
لاش پر لاش اٹھائی پسرِ زہراؑ نے

عصر کے وقت نہ عباسؑ نہ اکبرؑ سا پسر — پھول سی لاش تھی چلّو میں تھا خونِ اصغرؑ
بیکسی میں سوئے افلاک وہ بیکس کی نظر — کبھی خوں رنگ زمیں سے یہ سخن تھے لب پر
سونپتا ہوں تجھے یہ پھول امانت کرنا
کربلا، تو مرے اصغرؑ کی حفاظت کرنا

دن ڈھلا اور بڑھے ظلم و ستم کے سائے — زخم کچھ اور مسافر کے بدن نے پائے
لوگ شبیرؑ کو تیروں کی زمیں پر لائے — سچ ہے ایسے میں جو عباسؑ بہت یاد آئے
کیا کہوں، بکھری ہوئی لاشوں کی جانب دیکھا
کبھی دریا تو کبھی خیموں کی جانب دیکھا

سجدۂ عصر نے آواز دی اناللہ تشنہ لب ذبح ہوا فاطمہؑ کا نورِ نگاہ
سرِ مظلوم بھی نیزے پہ چڑھایا گیا آہ اب شہادت ہوئی اللہ کی وحدت پہ گواہ
سرِ نیزہ جو تلاوت کی صدا گونج گئی
مذہبِ آلِ محمدؐ کی بقا گونج گئی

آگ خیموں میں لگی لٹ گیا سامانِ حرم صرف بیمار تھا باقی، وہ نگہبانِ حرم
ایسے حالات میں یہ منزلِ ایمانِ حرم بن گیا حمدِ خدا حالِ پریشانِ حرم
بکھرے انگاروں پہ اک آیتِ اعجاز ابھری
تازیانوں میں بھی تکبیر کی آواز ابھری

چھپ کے سورج نے کہا، شامِ غریباں آئی رو دیئے قبر میں حیدرؑ، وہ اُداسی چھائی
گردشِ وقت کہاں آلِ نبیؐ کو لائی کھل گئے بال تو یاد آیا بہن کو بھائی
کہا زینبؑ نے بہت دور وطن ہے بھیّا
کے آواز دے، مجبور بہن ہے بھیّا

اِک طرف لہجۂ فریاد میں اِک اور صدا کہاں سوتے ہیں علمدارِ شہنشاہِ وفاؑ
اُجڑے دربار کے پہرے پہ ہیں بنتِ زہراؑ جانے کس سمت سکینہؑ گئی ڈھونڈو تو ذرا
میرے سرتاج تسلی انہیں آ کر دے دو
سرِ کلثومؑ کھلا ہے کوئی چادر دے دو

کٹ گئی رات، بڑھا سلسلۂ رنج و تعب جانبِ کوفہ چلی وہ سپہِ لا مذہب
مسکراتے رہے غارت گر، تہذیب و ادب بے ردا اونٹوں پہ آیاتِ شرف نورِ نسب
یہ ستم صحنِ زمانہ میں کہاں برسے تھے
ایک رسّی میں یتیموں کے گلے باندھے تھے

ارضِ مقتل سے جدائی وہ قیامت کا سماں　　جس کی تفصیل میں پتھر کے بھی آنسو ہوں رواں
ایک آواز تھی میرا علی اکبرؑ ہے کہاں　　کہہ رہی تھی کسی چھ ماہ کے معصوم کی ماں

باپ کے پاس رہو، ننھے مسافر، بیٹا
ماں ہوئی قید، خدا حافظ و ناصر بیٹا

خون روتی ہوئی اِک ننھی سی جاں غم آشام　　جس کے ہونٹوں پہ فقط اپنے چچا جان کا نام
دے رہی تھی یہ لبِ نہر ہواؤں کو پیام　　کہہ دو عمّو سے گرفتار سکینہؑ کا سلام

سامنا کیسی مصیبت کا ہے پوچھا بھی نہیں
واپس آؤں گی سفر سے یہ بھروسا بھی نہیں

قافلہ کوفے میں داخل ہوا زینبؑ سنبھلیں　　درد کی لہر سے اب ضبط کی لہریں اُبھریں
یہ وہی شہر تھا جس میں کبھی شہزادی تھیں　　اشک پلکوں پہ رُکے بھائی سے کچھ باتیں کیں

کہا ماں جائے ترے نام پہ قرباں زینبؑ
لیکے آئی ہے بڑی جنگ کا ساماں زینبؑ

کہا ماں جائے نہیں دل میں غموں کے بھالے　　اب تو ہر زخم پہ جرأت نے ہی پردے ڈالے
کیا سمجھتے ہیں یہ مغرور زمانے والے　　ڈال دوں گی لبِ حاکم پہ فنا کے تالے

اسدؑ اللہ کی شمشیر نظر آؤں گی
اب میں زینبؑ نہیں، شبیرؑ نظر آؤں گی

فرقتِ عونؑ و محمدؑ سے ملی ہے وہ اُمنگ　　جس نے ہمت کو دیا جعفرِؑ طیار کا رنگ
کیا یہ اسلام کے غدار ہیں، کیا تیغ و تفنگ　　اپنے خطبوں سے دکھاؤں گی میں عباسؑ کی جنگ

جوہرِ مرتضویؑ لفظ کی تلوار میں ہے
اپنے ناناؐ کی بصیرت مرے افکار میں ہے

ساری دنیا سے کہے گی مرے بازو کی رسن — شام کے تخت پہ بیٹھا ہے نبیؐ کا دشمن
وہ مہ و مہر جو مقتل میں ہیں بے گور و کفن — وہی اسلام کی جاں ہیں وہی قرآں کے بدن
آلِ عمرانؑ کا مذہب بخدا غالب ہے
کربلا، مظہرِ ایمانِ ابوطالبؑ ہے

کوئی پروا نہیں دُرّوں سے کمر ہو زخمی — سنگ باری بھی کرے شوق سے یہ قوم شقی
خوفِ زنداں ہے نہ کچھ آب و غذا کی سختی — قوتِ نادِ علیؑ ہے جگرِ بنتِ علیؑ
ابھی وحشت کے محل زیر و زبر کرنا ہیں
کوفہ و شام کے خیبر مجھے سر کرنا ہیں

میرے ناناؐ نے دیا تھا جو حکومت کا نظام — اس کے برعکس اٹھے دولتِ دنیا کے غلام
نورِ مذہب سے تصادم پہ تلی ظلمتِ شام — اب نظر آئے گا آشفتہ سروں کو انجام
بخدا وارثِ خلعت نے بقا پائی ہے
حشر تک شام کے نمرود کی رسوائی ہے

کہہ رہی تھی ابھی شبیرؑ سے یہ شہؑ کی بہن — قلبِ سجادؑ میں اُترے پھوپھی اماں کے سخن
بیڑیاں پہنے لگیں وقت کا سیلاب محن — بول اٹھا ہاتھوں کی ہتھکڑیوں سے طوقِ گردن
جس میں سورج بھی سما جائے وہ دامن ہو گی
کربلا، زینبؑ و سجادؑ سے روشن ہو گی

اب یہ دو جذبے تھے قربانیِ شبیرؑ کی بات — یعنی اسبابِ بقا دو متکلم آیات
جس قدر بڑھتی گئی ظلم و ستم کی برسات — یہی آیات بنیں خونِ شہیداں کی حیات
جذبۂ ضبط کی پیکار بہر طور بڑھی
کربلا اور بڑھی اور بڑھی اور بڑھی

یا علیؑ کہہ کے ہوئے داخلِ دربارِ حرم   قدمِ شیرِ خدا بن گئے زینبؑ کے قدم
سامنے تختِ مزین پہ تھا حاکم اظلم   کرسیوں پر ستم ایجاد رئیسانِ ستم
شادیانوں کی فضاؤں میں جو طوفاں دیکھا
سرِ عباسؑ کو سجادؑ نے گریاں دیکھا

تخت کے سامنے صف بستہ ہوئے سب قیدی   عمرِ سعد نے فہرست شہیدوں کی پڑھی
بات جس وقت اسیروں کے تعارف پہ ہوئی   بنتِ زہراؑ سے مخاطب ہوا ملعون شقی
کون جیتا ہے، کسے ہار ہوئی، دیکھ لیا
تم نے انجامِ حسینؑ ابنِ علیؑ دیکھ لیا

جھوٹ تھا وہ بنی ہاشمؑ کی قیادت کا بیاں   جھوٹ تھا آلِ محمدؐ کی فضیلت کا بیاں
جھوٹ، سب جھوٹ، وہ قرآں کی صداقت کا بیاں   سچ ہے اولادِ اُمیہ کی حکومت کا بیاں
رسیاں باندھ کے لشکر جو یہاں لایا ہے
یہ تو اللہ کا تم سب پہ عذاب آیا ہے

جھوٹ کا لفظ جو زینبؑ نے سنا فرمایا   اے جفا کیش، ترے جھوٹ کا تجھ پر سایا
تو نے مذموم تکلم سے بھلا کیا پایا   شکر ہے سب کی نظر میں ترا مذہب آیا
سچ تو یہ ہے کہ محمدؐ کی بضاعت ہم ہیں
جسے قرآن بھی پڑھتا ہے وہ آیت ہم ہیں

دیکھ اے ابنِ زیاد، آج کا اندازِ غرور   کل ترے سامنے انجام بھی لائے گا ضرور
دے لے ایذاؤں پہ ایذائیں سمجھ کر مجبور   اب ترا نام ہے تاریخ کے دل کا ناسور
تو نے اولادِ اُمیہ کی غلامی کی ہے
ہم نے توحید کے پرچم کو سلامی دی ہے

تو نے اللہ کے قانون کو کب ہے مانا نشۂ زر میں شہادت کو نہیں پہچانا
ٹوٹ جائے گا ستم گر ترا تانا بانا تو بتا رحمتِ کونینؐ ہیں کس کے نانا
ہاں بہت جلد گناہوں کی سزا پائے گا
دیکھنا تجھ پہ قیامت کا عذاب آئے گا

یاد رکھ، ہم ہیں من اللہ وہ معصوم نسب جن کے ہر سانس کی معراج ہے خوشنودیِ رب
تو سمجھتا ہے اسیری ہوئی ذلت کا سبب ہم تو مقصد کے لئے موت بھی کرتے ہیں طلب
یہ ترے سامنے نیزوں پہ جو سر آئے ہیں
فتحِ مظلوم کے خورشید و قمر آئے ہیں

سن کے شہزادیِ اسلام کا بھرپور جواب سل گیا وقت کے ڈر سے دہنِ خانہ خراب
کھل گیا بر سرِ دربار نئی صبح کا باب جس نے زینبؑ کو دیا فاتحِ کوفہ کا خطاب
طشت میں رکھے ہوئے سر نے جو بازو چومے
دور سے آئی ہوئی ماں نے بھی گیسو چومے

اس کے بعد آ گئے زنداں میں عزادارِ حسینؑ خاک پر بیٹھ گئے مونس و غم خوارِ حسینؑ
ایک حلقے میں ہوئے حوصلہ بردارِ حسینؑ سج گیا آنسوؤں کے نور سے دربارِ حسینؑ
ایک اک لاش نگاہوں میں جو لہرانے لگی
کربلا کوفے کے زنداں میں نظر آنے لگی

کیا تعجب ابوطالبؑ نے بہ اذنِ داور ہاتھ رکھ کر سرِ زینبؑ پہ کہا ہو رو کر
مرحبا آئینہ دارِ جگرِ پیغمبرؐ اس مصیبت میں یہ ہمت یہ شجاعت یہ جگر
دل میں کچھ خوفِ مسافت، نہ غمِ زنداں ہے
میری بیٹی، ابوطالبؑ پہ ترا احساں ہے

اے کمالاتِ پیمبرؐ کے چمن کی خوشبو عظمتِ بازوئے عباسؑ ہیں تیرے بازو
شدّتِ صبر میں تو نے جو پیئے ہیں آنسو ان سے کہتا ہے مرے سارے جوانوں کا لہو
دین کی زندگی دربار میں تقریر سے ہے
عزمِ شبیرؑ میں دم، خواہرِ شبیرؑ سے ہے

کیا عجب آئی ہو زنداں میں وہ دُکھیاری بھی فاتحِ منزلِ کوفہ ہوئی جس کی بیٹی
کیا عجب فاطمہؑ زہرا سے یہ کہتے ہوں نبیؐ کم نہیں میرے نواسوں سے نواسی میری
اپنے نانا کی صداقت کا بیاں رکھتی ہے
میری زینبؑ، مرے حیدرؑ کی زباں رکھتی ہے

یہ بھی ممکن ہے کہ اس حلقے میں اِک خستہ جگر سر جھکائے ہوئے کہتی ہو وہاں رو رو کر
سر تو دیکھا مرے والی، درِ کوفہ میں مگر کس جگہ دفن ہوا جسم نہیں کوئی خبر
چند لمحات رہائی کے نہیں پا سکتی
قبر پہ شمع جلانے بھی نہیں آ سکتی

کیا عجب مجلسِ زنداں میں بپا ہو یہ سخن کربلا تو ہی چھپا لینا غریبوں کے بدن
کیا عجب کہتی ہو یوں بھی کوئی پابندِ محن میں یہاں ہوں، سرِ مقتل ہے مرا غنچۂ دہن
بات اکبرؑ کی جوانی پہ جب آئی ہو گی
ایک برچھی دلِ مادر نے بھی کھائی ہو گی

کیا تعجب کوئی بچی بھی یہ کرتی ہو بیاں میرے بابا سے یہ کہہ دو کہ میں سوؤں گی کہاں
سب سے چھپ کر تو میں لاشے پہ گئی تھی گریاں عالمِ قید سے لے جائے گا اب کون وہاں
کتنی اس شہر سے تا نہر مسافت ہو گی
لینے آ جائیں گے عمّو جو محبت ہو گی

محبتِ آلِ محمدؐ سے ہے مذہب کی سحر	شدتِ اشک میں دنیا سے یہ کہہ دو قیصر
اپنے خالق سے اسی شخص نے پائے ہیں ثمر	جس کی تقدیر ہوئی اجرِ رسالتؐ کی خبر

روحِ اسلام بہر گام حسینؑ اور قرآں
ایک مذہب کے ہیں دو نام حسینؑ اور قرآں

◆◆◆

تربیّت

(تربیّت کی اہمیت اور حضرت زینبؑ کے تربیّت یافتہ بچوں کے کارنامے)

۸۲ بند۔ ۱۹۹۱ء

maablib.org

❖ ❖

زندہ قوموں کا تبسّم، تربیّت کی داستاں
حوصلے جن کے ستارے تربیّت وہ کہکشاں
سُن رہا ہوں، پڑھ رہا ہوں اہلِ دانش کا بیاں
آسماں سے کم نہیں ہے تربیّت کا سائباں
یہ حقیقت روحِ معنیٰ ہے فسانے کے لیے
تربیّت میں جلوۂ رب ہے زمانے کے لیے

❖ ❖

تربیّت

تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے   تربیت رنگِ عمل ہے آدمی تصویر ہے
حکمتِ ہستی میں یہ اِک نسخۂ اکسیر ہے   تربیت بے داغ ہو تو معنیِ تطہیر ہے
کتنے محکم فیصلے ہیں اس عبادت کے لیے
تربیت کردار ہے معیارِ سیرت کے لیے

تربیت باغِ تمدّن کا نظامِ اعتبار   تربیت پھولوں کے مستقبل کی پائندہ بہار
اس کی خوشبو ہے جسے کہیے طبیعت کا سنگھار   تربیت کی زرنگاری سے زمانہ زر نگار
آدمی نے وقت کو سمجھا اسی کی چھاؤں میں
تربیت برقِ سفر ہے روشنی کے پاؤں میں

زندگی اِک آئینہ جس کی جلا ہے تربیت   عقل قندیلِ جہانبانی، ضیا ہے تربیت
خواہشِ دل کے پنپنے کی ادا ہے تربیت   شوق ہے چہرہ، جمالِ ارتقا ہے تربیت
مسکراتے ہیں سنہرے خواب اس تعبیر میں
تربیت کی قوتیں ہیں پنجۂ تسخیر میں

تربیّت سے ہم نے پایا احترامِ زندگی   تربیّت سے عرشِ عظمت ہے مقامِ زندگی
حرفِ زرّیں لکھ گئے شائستہ کامِ زندگی   تربیّت نسلوں کی بیداری بنامِ زندگی
اس ہوائے عطر باراں سے چمن آباد ہے
تربیّت ہر عہد میں اقدار کی بنیاد ہے

تربیّت کی جلوہ فرمائی فروغِ کاروبار   تربیّتِ صحن معیشت میں ہوائے خوشگوار
سچے جذبے کی اعانت، سچی محنت کا وقار   تربیّت مزدور کی آنکھوں میں اُجرت کا خمار
یہ امورِ زندگی میں وقت کی میزان ہے
تربیّت انسان کے اوصاف کی پہچان ہے

تربیّت ہے بازوؤں میں کامیابی کی سکت   دردِ ناکامی حصولِ تربیّت سے معذرت
دولتِ اہلِ ادب ہے یہ جوازِ منفعت   علم سونا ہے تو سونے پر سہاگہ تربیّت
قدرِ انساں یوں بڑھی ہے تربیّت پانے کے بعد
جیسے ہیرا آبرو پائے ترش جانے کے بعد

آگے بڑھنے کے لئے فکر ونظر کی راہ پر   تربیّت اپنی طبیعت کو بھی دیتا ہے بشر
روز و شب تحقیق، حرف و لفظ پر دامِ نظر   تربیّت کی روشنی ہے تربیّت کا اِک سفر
ذہن و دل کے ساتھ حُسنِ نظم کی ترغیب ہے
تربیّت، بکھرے ہوئے افکار کی ترتیب ہے

بدخصالی دور میں پاکیزہ خصلت کی قسم   متقی نظروں سے اظہارِ مروّت کی قسم
غصہ پینے میں کسی معصوم عادت کی قسم   ایک ہستی میں کمالِ آدمیّت کی قسم
عزّتِ آغاز ہے جس میں یہ وہ انجام ہے
تربیّت اچھی، تو پورے خانداں کا نام ہے

تربیت کے سب ادارے،مکتبے ،دانش کدے　　کارفرما خدمتِ انسانیت کے سلسلے
کاش یہ نکلیں تعصب کی اندھیری رات سے　　تربیت بخشیں انہیں جھونکے نسیمِ صبح کے
پارسا بن کر مناتے ہیں جو شامِ تربیت
زہر دیتے ہیں زمانے کو بنامِ تربیت

سب سمجھتے ہیں حقیقت کو چھپانا ہے گناہ　　ضد بری ہے نور کو ظلمت بتانا ہے گناہ
سادہ خوش ظرفوں کو کم ظرفی سکھانا ہے گناہ　　تربیت کو شیوۂ باطل بنانا ہے گناہ
ظلم کی وسعت پناہی معدلت کا خون ہے
تربیت کا خون بھی انسانیت کا خون ہے

زندہ قوموں کا تبسم، تربیت کی داستاں　　حوصلے جن کے ستارے، تربیت وہ کہکشاں
سن رہا ہوں پڑھ رہا ہوں اہلِ دانش کا بیاں　　آسماں سے کم نہیں ہے تربیت کا سائباں
یہ حقیقت روحِ معنی ہے فسانے کے لئے
تربیت میں جلوۂ رب ہے زمانے کے لئے

تربیت ماحول کی بربادیوں کا انسداد　　تربیت حفظِ شریعت میں شعورِ اجتہاد
اس نے کاٹے ہیں زمانے کے تمام ابنِ زیاد　　تربیت ضربِ حسینؑ، قاطعِ اہلِ فساد
حرمتِ گلشن پہ غنچوں کو گواہی کر دیا
تربیت نے شیر خواروں کو سپاہی کر دیا

تربیت وہ در ہے جس پہ سر جھکاتا ہے سماج　　تربیت سے فتح کی منزل حکومت کا مزاج
تربیت کرتی ہے ناسورِ غلامی کا علاج　　تربیت سے عسکری صولت کو ملتا ہے خراج
بات سچی ہے تو کہہ دیں گے نگہبانِ وطن
تربیت کے دوش پر ہے پرچمِ شانِ وطن

تربیت سے پھولتی پھلتی ہے شاخِ ارتقا
تربیت کی ابتدا لکھتی ہے شرحِ انتہا
اس تقاضائے وفا میں ہے تجلائے وفا
تربیت آغوشِ مادر میں پیمبرؐ کی دعا
فرشِ کعبہ پر کمالِ علم کی پہچان ہے
تربیت بنتِ اسدؑ کی گود میں قرآن ہے

انقلابِ مصطفیٰؐ کی روشنی میں دیکھیے
سب سے پہلی درس گاہِ آگہی میں دیکھیے
آیئے صحنِ حرم کی دلکشی میں دیکھیے
تربیت کا حسن آغوشِ نبیؐ میں دیکھیے
ایک نومولود سے کچھ گفتگوئے ناز ہے
یا بہارِ تربیت کا منفرد آغاز ہے

شاہکارِ خالقِ کونین ختمِ مرسلینؐ
اپنے ہاتھوں پر لئے ہیں ایک تصویرِ حسیں
بول اٹھا تیرہ رجب کی صبح سے نورِ مبیں
اب محمدؐ کو ملا ہے ناصرِ دنیا و دیں
بے زباں بچے کا مستقبل نمایاں ہو گیا
چاند اب سورج کے جلووں کا نگہباں ہو گیا

تولتی ہے پھول میزانِ نگاہِ مصطفیٰؐ
مسکرا کر کہہ رہا ہے تربیت کا سلسلہ
دیکھ لیجے غور سے اے آمنہؑ کے مہ لقا
گلشنِ تبلیغ کی خوشبو ہے یہ روحِ وفا
نورِ ایمانِ ابوطالبؑ ہے یہ تنویر ہے
دینِ وحدت آپؐ ہیں یہ آپ کی شمشیر ہے

اک طرف دیوارِ کعبہ کے تبسم کی پکار
قوتِ بازو مبارک دو جہاں کے تاجدار
چوم کر پیشانیِ مولود پڑھیے بار بار
شاہِ مرداں، شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار
دل میں دل رکھ لیجیے، جوہر میں جوہر ڈھالیے
اے محمدؐ اپنی سیرت میں یہ پیکر ڈھالیے

سنگِ اسود کی مبارک باد کا عالم جُدا — وہ زبانِ حال سے کچھ، گفتگو کچھ التجا
اے شہنشاہِ رسالتؐ، اے رئیس انبیاءؑ — آپ کو معلوم ہے کیا چیز ہے یہ مہ لقا
اس کی رگ رگ میں ادائے کامرانی چاہیے
بابِ خیبر توڑ دے ایسی جوانی چاہیے

وقت کی آواز اے محبوبِ خلاقِ جہاں — تربیت کے نام پر معصوم کو دیجے زباں
آج ہاتھوں پر جسے جھولا جھلایا ہے یہاں — کل یہی ہوگا سرِ میداں رسالت کا جواں
تربیت اس کی بطرزِ خاص فرمائیں گے آپؐ
لافتیٰ کا تاج مستقبل میں پہنائیں گے آپؐ

غنچۂ عمرانؑ محمدؐ کے لبوں سے مل گیا — بات کا معیار اپنی آیتوں سے مل گیا
پیار کا سارا فسانہ دو دلوں سے مل گیا — نور پھیلا سرخرو ہو کر رگوں سے مل گیا
جوہری بڑھ کر جسے چومے وہ جوہر کیوں نہ ہو
جب سمندر ساتھ دے، دریا سمندر کیوں نہ ہو

آ گیا ان منزلوں پر کاروانِ ماہ و سال — ظلم نے گھیرا جہاں ختمِ نبوّت کا نہال
بن گئی چشمِ ابو طالبؑ حفاظت کا سوال — سامنے آیا چراغِ زندگی، حیدرؑ سا لال
بندگی عمرانؑ کے دربار میں حاضر ہوئی
تربیت ایمان کی پوشاک میں ظاہر ہوئی

باپ کے ہونٹوں پہ حرف و لفظ کی بیداریاں — جیسے گلزارِ سخن میں بے خزاں پھلواریاں
شام کو تسخیر کرنے میں سحر آثاریاں — مصطفیٰؐ کی بات رکھنے کے لئے تیاریاں
اپنے سب ارماں تھے، اپنی روشنی کے سامنے
دل کی ساری داستاں رکھ دی علیؑ کے سامنے

اپنی چھاتی سے لگایا اور کہا ہاں، اے علیؑ آج سے تو ہے محمدؐ کا نگہباں اے علیؑ
کم نہ ہو میری وفاؤں کا چراغاں اے علیؑ ہاں تجھے لکھنی ہے اب تاریخِ ایماں اے علیؑ
باندھ لے اپنی کمر شائستہ کامی کے لئے
تجھ کو پالا ہے محمدؐ کی غلامی کے لئے

اے علیؑ سن لے یہ ایمانِ ابوطالبؑ کی بات میرا مذہب ہے ترے آقا محمدؐ کی حیات
ہر قدم جس کے لئے قربان کی ہے اپنی ذات صرف اس کا دینِ برحق ہے مری راہِ نجات
ہر نفس پر قلب کی دل بستگی قالب سے ہے
کلمۂ اسلام کردارِ ابوطالبؑ سے ہے

اے علیؑ میرا بھتیجا ہے مرا نورِ نظر تیرا سینہ چاہیے اب اس کے سینے کی سپر
اے علیؑ تیری رگوں میں ہے مرا خونِ جگر اب محمدؐ کے قدم کی خاک ہو اور تیرا سر
اے علیؑ جس نے چبائی ہے زباں اچھی طرح
اس کے سائے میں تجھے رہنا ہے سائے کی طرح

اب علیؑ کو وقت نے بخشا شبابِ تربیت ڈھل گیا تعبیر کے سانچے میں خوابِ تربیت
کاتبِ تقدیر نے لکھا نصابِ تربیت ظلمتیں اُبھریں تو اُبھرا آفتابِ تربیت
قصرِ باطل ضربتِ حق سے پریشاں ہو گئے
نغمۂ وحدت ابوطالبؑ کے ارماں ہو گئے

بجلیاں چمکیں، اڑایا رزم گاہوں نے غبار کفر کے مقتل میں آئی موت کی تازہ بہار
مالکِ دوزخ نے چن چن کے بلائے اہلِ نار بڑھ کے رضوان نے کہا لاسیف الّا ذوالفقار
قوتِ بازو کی قوت پر پیمبرؐ جھوم اُٹھے
سر پہ تاجِ لافتیٰ آیا تو حیدرؑ جھوم اُٹھے

گھپ اندھیروں پر شفق پرور اُجالے چھا گئے   بُت پرست اپنے بتوں کی ناتوانی پا گئے
سب کے سب جس وقت کلِّ کفر سے گھبرا گئے   کلِّ ایماں کی سند جبریلؑ لے کر آ گئے

حیدری تلوار انعامِ مشیّت ہو گئی
فتحِ پیغمبرؐ ابوطالبؑ کی محنت ہو گئی

جان لیوا منزلِ غم سے گزرنا دیکھیے   دل جہاں ٹوٹے وہاں دل کا سنورنا دیکھیے
موت کے شعلوں میں چہرے کا نکھرنا دیکھیے   برچھیوں میں راحتوں کی بات کرنا دیکھیے

روزِ محشر تک شبِ ہجرت جوانی پا گئی
نیند کیا آئی علیؑ کو، تربیّت کام آ گئی

سیرتِ حیدرؑ، ابوطالبؑ کی تصویرِ وفا   یا کمالِ ناز پر بنتِ اسدؑ کی مامتا
دیکھیے کس شان سے یہ سلسلہ آگے بڑھا   اب علیؑ و فاطمہ زہراؑ ہیں اور دینِ خدا

فکر یہ ہے کس طرح شرعِ نبیؐ محفوظ ہو
دم گھٹے تاریکیوں کا، روشنی محفوظ ہو

آنے والے وقت میں خونخوار طوفاں دیکھ کر   وحشتوں سے بستیوں کی گود ویراں دیکھ کر
احمدؐ مرسل کی محنت کو پریشاں دیکھ کر   موت اور اسلام کو دست و گریباں دیکھ کر

حیدرؑ و زہراؑ نے غم سے دامنِ دل بھر لیا
کلمۂ وحدت بچانے کا تہیّہ کر لیا

خوش ہوئی وحدت کچھ اس صورت ہوئی تقسیمِ کار   ذمہ داروں کی ادا پر آ گیا قدرت کو پیار
کیا تعجب، انبیاؑ سے ہو کلامِ کردگار   میرے بندو آؤ دیکھو دینِ فطرت کی بہار

وہ شرف، یہ آبرو، وہ نور، یہ تنویر ہیں
حیدرؑ و زہراؑ مرے اسلام کی تقدیر ہیں

کیا تعجب، پڑھ رہے ہوں منقبت روح الامینؑ یا علیؑ، یا ایلیاؑ، مشکل کشائے مرسلیں
یا جنابِ فاطمہؑ تفسیرِ قرآنِ مبیں آپ جیسا آپ دونوں کے سوا کوئی نہیں
مرد و زن پہ خالقِ کونین کا انعام ہے
آپؑ دونوں کا نظامِ تربیت اسلام ہے

اِک طرف نفسِ پیمبرؐ، فاتحِ بدر و حنین اپنی مسند پر لیے بیٹھے ہیں اپنے نورِ عین
ایک پہلو میں حسنؑ ہیں ایک پہلو میں حسینؑ جیسے ایوانِ امامت میں نمازِ مشرقین
نور کے پیکر امامِ دو جہاں کی چھاؤں میں
جیسے سورج ہو زمیں پر آسماں کی چھاؤں میں

اک طرف روحِ نبیؐ، بنتِ نبیؐ مریمؑ وقار عظمتوں کی شاہزادی، عصمتوں کی تاجدار
زینبؑ و کلثومؑ کے چہروں پہ ہوتی ہے نثار جیسے اپنی زندگی کو زندگی کرتی ہو پیار
تا قیامت مسکراتی صبحیں شامِ غم سے ہیں
جیسے ساری آیتیں ان آیتوں کے دم سے ہیں

عزمِ حیدرؑ بن گیا مقصود پیغمبرؐ کی راہ لوحِ پیشانی پہ اُبھرا جلوۂ غیرت پناہ
شبرؑ و شبیرؑ کے چہروں پہ جب ڈالی نگاہ ضبط کی توفیق لے کر آ گئی ہونٹوں پہ آہ
ٹکڑے ٹکڑے دل نکلنے کی صدا آنے لگی
ایک صحرا سے قیامت کی ہوا آنے لگی

گفتگو شبرؑ سے کی اے راحتِ جاں، اے حسنؑ میری آنکھیں دیکھتی ہیں شام کے وہ اہرمن
جو لہو سے تر کریں گے روشنی کا پیرہن کم نہ ہو خوشبوئے حمد و نعت میرے گلبدن
اپنے دشمن کو ہرانا ضربتِ کردار ہے
کاٹنا باطل کی گردن، صلح کی تلوار ہے

خیمۂ انسانیت پر تیر برسائیں گے لوگ صلح کرکے صلح کی شرطوں سے پھر جائیں گے لوگ
زہر دے کر قتل کی ایسی سزا پائیں گے لوگ تا قیامت قاتلِ کردار کہلائیں گے لوگ
اُف ری دنیا، نور کو ظلمت بتایا جائے گا
گیت گائے جائیں گے قرآں چھپایا جائے گا

لیکن اے باغِ رسالتؐ کے نمائندہ گلاب پوری حکمت سے سمجھنا ہے مزاجِ انقلاب
وقت کے غارت گروں کو اس طرح دینا جواب آیتیں کہہ دیں ترے قربان اے قرآں مآب
نقشۂ حالات بدلا، مصلحت کے وار سے
چھین لی تیغِ سیاست، شام کے زردار سے

دشمنِ دیں لاکھ اٹھائیں تہمتوں کی آندھیاں عصمتِ قلب و نظر سے زندگی ہے کہکشاں
کہکشاں جس کی فضیلت نور کا سیلِ رواں نور کے سیلِ رواں پہ غلبۂ ظلمت کہاں
اس اشارے کو وہ سمجھے گا جسے ادراک ہے
خاک جس نے بھی اڑائی، اس کے منہ پر خاک ہے

جانبِ شبیرؑ جب دیکھا تو کچھ آنسو گرے آنسوؤں نے گرتے گرتے کیا کہا کوئی سُنے
یا علیؑ اب تربیت کچھ اور ہے دل تھامیے کہیے کتنے امتحاں درکار ہیں اس لال سے
زندگی میں کیسی کیسی مشکلوں کے رنگ ہیں
اس مسافر کے لئے کتنے محاذِ جنگ ہیں

آنسوؤں کی چھاؤں میں فرمایا اے میرے حسینؑ تیری ہمت سے جواں ہوگا ضمیرِ مشرقین
تو نے چوسی ہے زبانِ مصطفےٰؐ اے نورِ عین تو بچائے گا سرِ مقتل وقارِ قبلتین
ہائے کیا تنہائیاں ہوں گی تنِ صد پاش پر
دشت کے ذرّے لہو روئیں گے تیری لاش پر

آئینہ ہے صورتِ محضر وہ دورِ اضطراب
مبتلا ہو جائیں گے زنجیرِ زر میں شیخ و شاب
مسجدوں میں آئے گی جب گردشِ جامِ شراب
منبروں پہ رقص ہوگا خون روئے گی کتاب
انتقامِ غزوۂ بدر و اُحد کے نام پر
موت کی ضربیں لگائی جائیں گی اسلام پر

زر کے بل بوتے پہ دوڑے گی سیہ کاری کی لہر
قریہ قریہ پھیل جائے گا نظامِ جبر و قہر
نامِ بیعت پر سنہرے جال ہوں گے شہر شہر
بند ہوگی پیاس کے ماروں پہ اک صحرا کی نہر
جانتا ہوں میں جہاں خیمے جلائے جائیں گے
پھول سے بچے بھی نیزوں پر اٹھائے جائیں گے

اے حسینؑ، اے انبیاءؑ کی محنتوں کے پاسباں
دوشِ پیغمبرؐ ہے تیری عظمتوں کا ترجماں
طالبِ بیعت ہو جب فرعون خصلت حکمراں
اس طرح انکار کرنا بول اٹھیں کون و مکاں
زندگیِ اہلِ حق شبیرؑ کا انکار ہے
دینِ پیغمبرؐ نواسے کے لہو کی دھار ہے

اے حسینؑ، اس شان سے قائم ہو میزانِ عمل
فکر کی معراج کہلائے دبستانِ عمل
اس طرح ذہنوں میں پھیلے بوئے گلدانِ عمل
دین کا مضموں پڑھا جائے بعنوانِ عمل
تیری قربانی نظامِ حریت کی جان ہو
عظمتِ انساں کی تیرے نام سے پہچان ہو

علمِ زہراؑ میں شہِ مرداں کی ساری گفتگو
مامتا کا جیسے لوٹا جائے باغِ آرزو
بھائیوں کے بعد بہنوں کا جہادِ سرخرو
کھینچ لایا آنسوؤں کے ظرف میں دل کا لہو
بھیگی پلکوں نے قیامت کا چراغاں کر دیا
جلتے خیموں کو تصور میں نمایاں کر دیا

زینبؑ و کلثومؑ کے سر چوم کر اتنا کہا　　صبر کی معصوم کلیو تم ہو زہراؑ کی بقا
ننھے ننھے بازوؤں کو تھام کر دی یہ دعا　　بھائیوں کی استقامت دے تمہیں میرا خدا

انتہائے غم کی موجوں سے گزرنا ہے تمہیں
جلتی کشتی میں سمندر پار کرنا ہے تمہیں

جلتی کشتی بے بسی و بے کسی بعدِ حسینؑ　　زغۂ اہلِ جفا میں زندگی بعدِ حسینؑ
غمزدوں پہ بے حیاؤں کی ہنسی بعدِ حسینؑ　　بے ردائی اور دیارِ اجنبی بعدِ حسینؑ

کلمہ پڑھنے والوں کے الفاظ خنجر کی طرح
شام کا دربار ہے خونی سمندر کی طرح

شام کے دربار میں جانا تو گھبرانا نہیں　　اپنے خالق پر بھروسہ اپنے خالق پر یقیں
جس قدر چاہیں ستائیں دشمنِ دنیا و دیں　　شکر کے سجدے میں دل کے ساتھ جھک جائے جبیں

پست ہو جائے نہ ہمت قہقہوں کے شور سے
تخت الٹنا ہے تمہیں، مظلومیت کے زور سے

بعد زہراؑ، تربیّت اقدارِ زہراؑ پر چلی　　یعنی حیدرؑ کی دعائے خاص پیکر میں ڈھلی
دامنِ اُم البنینؑ میں آئے عباسِؑ علیؑ　　جیسے گلزارِ ولایت یں ولی ابن ولی

پاسبانِ عترتِ اطہارؑ حاصل ہو گیا
خود وفا بولی مرا معیار حاصل ہو گیا

لحہ لحہ ثانیِ حیدرؑ کا قد بڑھنے لگا　　یوں سمجھیے جانب منزل چلا مہر و وفا
پیکرِ عباسؑ پر آغوشِ مادر کی ہوا　　انقلابِ تربیت پا کر نیا پہلو ملا

جذبۂ اُم البنینؑ اُبھرا برائے فاطمہؑ
بن گئی بچے کا گہوارہ دعائے فاطمہؑ

جس کا گہوارہ دعائے فاطمہ زہراؑ بنے   پھر تو لازم ہے وہ اپنی شان میں یکتا بنے
قلبِ مادر کی طلب وہ کم سے کم ایسا بنے   جس کا دل غمخوارئ شبیرؑ میں دریا بنے

ساری دنیا جھوم اٹھے وہ منفرد احساس ہو
ایک ہی شبیرؑ ہے تو ایک ہی عباسؑ ہو

فاطمہؑ کے لال نے جس وقت ہاتھوں پر لیا   نور کے غنچے سے شوقِ دید کا منظر کھلا
چاند اُبھرا اپنے سورج سے گلے ملنے لگا   آئینے میں عکس اترا تربیت نے دی صدا

کیا وضاحت کیجئے اس خوبئ تقدیر کی
بن گئی عباسؑ کی سیرت، زباں شبیرؑ کی

تربیت کی منزلِ اظہار دشتِ کربلا   جس کی گرمی دو نظریوں میں تصادم کی ہوا
اک طرف ظلمت نمائی، دولتِ جرم و خطا   اک طرف انساں نوازی، روشنی پرور فضا

اک طرف فرعونیت کے ناگ بل کھائے ہوئے
اک طرف موسیٰؑ نظر جادو شکن چھائے ہوئے

ایک جانب دہر کے رسوا نظر ذلت مزاج   ایک جانب اشرفِ دنیا و دیں غیرت مزاج
ایک جانب ظلم طینت، سنگدل، وحشت مزاج   ایک جانب رحمتِ کونینؐ کے رحمت مزاج

ایک جانب، فکر کا رشتہ ابو سفیان سے
ایک جانب، ذہن و دل کا رابطہ قرآن سے

اِک طرف خود اپنے دشمن، بدنہاد و بد ضمیر   تربیت کے لفظ سے نا آشنا، زر کے اسیر
اک طرف خوشبو بدن، مہتاب چہرہ، مستنیر   تربیت کے ہر مقدس رنگ میں آیت نظیر

اک طرف شورِ ستم تخریب عالم کے لیے
اک طرف پوری محبت نسلِ آدم کے لیے

ایک جانب شام کے پالے ہوئے آشفتہ سر   ایک جانب صبحِ کعبہ کے نمائندہ بشر
تربیّت کے دو نمونوں میں تصادم دیکھ کر   صحنِ بحر و بر میں گونجی یہ صدائے بحر و بر
طالبِ بیعت کو پیغامِ فنا لائے حسینؑ
تربیت معراج پر آئی نظر، آئے حسینؑ

کیا یزیدِ نحس کی ہستی کہاں کا تختِ شام   کثرتِ لشکر سے گھبراتے نہیں وحدت نظام
سورۂ کوثر نے بخشا ہو جسے کوثر کا نام   کیا مٹائے گا اسے غارت گری کا اژدہام
کس میں ہمت اس کی بیداریِ ہمت چھین لے
طالبِ بیعت سے جو احساسِ بیعت چھین لے

تربیت کیا ہے شبِ عاشور سے پوچھے کوئی   آبروئے تربیّت ہے شدتِ تشنہ لبی
خشک ہونٹوں نے عبارت بہتے پانی پر لکھی   چند پیاسے ہیں نظامِ مصطفٰیؐ کی زندگی
یہ حقیقت ایک سورج ہے دلِ ادراک پر
کربلا میں آسماں سویا ہے فرشِ خاک پر

ایک ایسی رات جس کی چھاؤں میں بستے ہیں دن   جس کے فرشِ بندگی پر نوجواں، کم سن، مُسِن
موت سے آنکھیں ملانے کی ادائے مطمئن   جس کا انجامِ سفر آوازِ ہل من ناصرٍ
جس کے دم سے تربیّت کا بولتا دستور ہے
دیدۂ تاریخ میں وہ اک شبِ عاشور ہے

فاطمہؑ کے لال نے گل کر دیا روشن چراغ   اب ستارے بن گئے سارے اُجالوں کا دماغ
مسکرائے اپنے سینوں میں وفا پرور ایاغ   روح نے انگڑائیاں لیں کھل گئے سجدوں کے باغ
حرف سمٹے اپنے عنواں میں کنایہ بن گئے
حلقۂ مولاؑ میں، سب مولاؑ کا سایہ بن گئے

اپنے دل کی دھڑکنوں سے گفتگوئے اہلِ دل
نصرتِ دینِ خدا ہے آرزوئے اہلِ دل
کم نہ ہوگی حشر تک یہ جستجوئے اہلِ دل
وقت پڑنے پر لہو سے ہو وضوئے اہلِ دل
اہلِ دل کے سامنے کیا ہے جوازِ زندگی
ابنِ زہراؑ کی اطاعت ہے نمازِ زندگی

باوفا انصار نے بخشی دلوں کو تربیت
ٹھوکروں میں آگئی سارے جہاں کی تمکنت
آیتوں میں دیکھ کر سبطِ نبیؐ کی منزلت
اپنی تیغوں سے کہا کیا ہے یزیدی سلطنت
دین پہ مرنا حیاتِ جاوداں کا نام ہے
تختۂ ظالم اُلٹ دینا ہمارا کام ہے

لشکرِ باطل سمجھتا ہے اکیلے ہیں حسینؑ
بیکس و مجبور ہے بنتِ نبیؐ کا نورِ عین
غم سے گھبرائے گا ابنِ فاتحِ بدر و حنین
سر جھکا دے گا حبیبِ کبریّا کے دل کا چین
لیکن اس دنیا کی سب سوچوں سے بالا ہیں حسینؑ
نورِ اوّل جس پہ نازاں، وہ اُجالا ہیں حسینؑ

سیدۂ کے لال کا دل ہے دلِ خیر البشرؐ
چھو نہیں سکتی کسی کی وسعتِ فکر و نظر
جس کا سینہ ہو کمالِ مصطفےٰؐ سے بہرہ ور
مسکرا کر پاؤں رکھتا ہے اجل کی آگ پر
تشنگی بڑھ کر فراتِ زندگی بن جائے گی
روشنی، اب کربلا کی روشنی کہلائے گی

شدّتِ احساسِ نصرت میں وہ آوازِ حبیبؑ
دوستو، ہم صاحبِ تقدیر ہیں ہم خوش نصیب
کون کہتا ہے ہمیں اس دشتِ غربت میں غریب
ہم درِ زہراؑ پہ ہیں اجرِ رسالتؐ کے نقیب
مقصدِ فرزندِ زہراؑ کی حفاظت چاہیے
دیکھ لو عباسؑ کو، ایسی اطاعت چاہیے

رات گزرے گی تو آئے گا اک ایسا انقلاب
چہرۂ تاریخ سے اُبھرے گا لافانی شباب
اہلِ ایماں خون کی دھاروں سے لکھیں گے کتاب
پھیل جائے گا زمانے میں شہیدوں کا نصاب
صبح کا سورج ثبوتِ کامیابی لائے گا
اب جو صحرا ہے وہ شہرِ کربلا کہلائے گا

جانثارانِ امامت کا یہ عالم دیکھ کر
سارے سیارے ہوئے قرباں شبِ عاشور پر
آنے والی صبح نے بھیجی ستاروں کو خبر
یہ شبِ عاشور ہے اجرِ رسالت کی سحر
ابنِ زہراؑ کے مہ و خورشید کی کیا بات ہے
آسماں حیرت کرے، وہ نور کی برسات ہے

خیمۂ زینبؑ میں کیا کہیے دلِ زینبؑ کا حال
صبح کیا حالات ہوں گے اس تصور سے نڈھال
سر جھکائے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں دونوں لال
دیکھتی ہیں بنتِ زہراؑ اپنے تابندہ جمال
خون کے آنسو اگر احساس کے پردوں میں ہیں
مامتا ہے سارے ارماں پیار کی نظروں میں ہیں

کہہ رہی ہیں چاند سی پیشانیوں کو چوم کے
دیکھتی ہوں پھول سے چہرے ہیں کملائے ہوئے
پپڑیاں ہونٹوں کی کہتی ہیں زبانِ حال سے
اپنے ماموں کی طرح پیاسے ہیں میرے لاڈلے
یوں تو قحطِ آب کی برسات سارے گھر پہ ہے
تشنگی کا خاتمہ ننھے علی اصغرؑ پہ ہے

اے مرے عونؑ و محمدؑ یاد رکھنا میری بات
آج وقتِ فجر سے بدلے گا رنگِ کائنات
جب مصلوں سے اٹھیں گے ناصرانِ خوش صفات
مقتلوں میں نصب ہو جائے گی میزانِ حیات
جس قدر رازِ شہادت ہیں وہ سب کھل جائیں گے
برچھیوں کی نوک پر اہلِ وفا تُل جائیں گے

جب اٹھے رن میں قیامت کی گھٹا، اے لاڈلو　　جب سرِ میداں ہو آغازِ وغا، اے لاڈلو
جب سنو ہل من مبارز کی صدا، اے لاڈلو　　سب سے پہلے تم اجازت مانگنا، اے لاڈلو
سب کہیں زینبؑ کے دونوں لال سبقت لے گئے
جعفرِؑ طیار کے پوتے اجازت لے گئے

میرے بچو، اب تمہارے سامنے ہے امتحاں　　امتحاں اس طرح دینا سرخرو ہو جائے ماں
پھول سے جسموں پہ ہو گی بارشِ تیغ وسناں　　ہاں مرے شیرو پڑھوں گی میں بدن کی سرخیاں
دشت میں بادِ صبا خوش ہو کے گیسو چوم لے
اس طرح لڑنا، مرا عباسؑ، بازو چوم لے

بات جب ہے یوں ہوں فوج شام پہ دونوں کے وار　　الاماں کا شور ہو غارت گروں میں بار بار
بہتے پانی سے طبیعت میں نہ ہو کچھ اضطرار　　میں بھی دیکھوں تم کو ماموں جان سے کتنا ہے پیار
گلشنِ ایماں شہادت سے نکھارا جائے گا
کل مرے ماں جائے کا صدقہ اُتارا جائے گا

پہلے سجدوں میں دعائیں تھیں کہ تم زندہ رہو　　ساری دنیا کی خوشی حاصل رہے، پھولو پھلو
ماں کے ارمانوں کا باغیچہ کھلے دولھا بنو　　اب تمنا ہے لہو کی سیج پر بستر کرو
پہلے میرے تھے تمہارے چاند چہروں کے لئے
اب تمہیں آراستہ کرنا ہے زخموں کے لئے

کاش سب سے پہلے زینبؑ کو ملے اتنی خبر　　مقصدِ شبیرؑ پر قرباں ہوئے دونوں پسر
کاش سارے گھر کی یہ آواز ہو بعدِ سحر　　دے دیا زینبؑ نے صدقہ بچ گیا زہراؑ کا گھر
ٹل گئیں ساری بلائیں چین کے دن آئیں گے
کوئی کہہ دے اب بہن بھائی مدینے جائیں گے

اس ادائے تربیّت پہ جھوم اٹھی روحِ بتولؑ — بول اٹھا قرآن یہ احساس ہے اصلِ اصول
آفریں صد آفریں، اے نازشِ باغِ رسولؐ — گلشنِ اسلام کی خوشبو میں تیرے دونوں پھول
ثانیِ زہراؑ تری توقیر نورِ عین ہیں
اپنی منزل پر یہ دونوں لال بھی حسنینؑ ہیں

کیا تعجب جعفرؑ طیار نے دی ہو صدا — اے علیؑ کی لاڈلی، اے فخرِ جعفرؑ، مرحبا
مرتبہ تو نے بڑھایا میرے عبداللہؑ کا — آلِ جعفرؑ ہے شریکِ امتحانِ کربلا
میری بیٹی تجھ پہ یہ اللہ کا انعام ہے
اب ترے عونؑ و محمدؑ سے ہمارا نام ہے

کیا تعجب ہے ابوطالبؑ یہ منظر دیکھ کر — خلد میں کہتے ہوں اے پروردگارِ بحر و بر
میری زینبؑ ہے مری ساری ریاضت کا ثمر — تو اسے شبیرؑ کر دے زندگی کی راہ پر
میری دنیا میں اُجالا ہی اُجالا بھر دیا
آج زینبؑ نے ابوطالبؑ کو زندہ کر دیا

کیا عجب فرما رہے ہوں اپنی بیٹی سے نبیؐ — فاطمہ زہراؑ تری عزت ہے تیری لاڈلی
تربیّت پر جب کبھی مضمون لکھے گا کوئی — خود پکارے گی شبِ عاشور کی یہ روشنی
آبروئے احمدِ مختارؐ ہے زینبؑ کا نام
تربیّت میں دین کا معیار ہے زینبؑ کا نام

◆◆◆

maablib.org

منقبت

قیصر بارھوی

کیا جلوہ گر ہے زیرِ کِسا شانِ فاطمہؑ
وحدت کی گفتگو ہے بعنوانِ فاطمہؑ

حسنینؑ ہیں تجلّیِ دامانِ فاطمہؑ
یا فاطمہؑ کی گود میں قرآنِ فاطمہؑ

وِرثے میں ہیں کمالِ رسالتؐ کی وسعتیں
ممکن نہیں احاطۂ امکانِ فاطمہؑ

احمدؐ کے اختیارِ شفاعت سے پُوچھیے
میزانِ روزِ حشر ہے، میزانِ فاطمہؑ

عرفانِ فاطمہؑ کا تصور نہ کیجیے
ایمانِ کُل ہے صاحبِ عرفانِ فاطمہؑ

ہوتے نہ گر علیؑ ولی کائنات میں
ملتا نہ کوئی ہمسر و ہم شانِ فاطمہؑ

قرآن بولنے لگا فضہؓ کی شان میں
کچھ پڑ گیا جو سایۂ دامانِ فاطمہؑ

شبیرؑ کربلا میں جو پیغام دے گئے
ظاہر ہوئی تھی شانِ دبستانِ فاطمہؑ

عاشور کو وہ تشنہ دہانوں کی صورتیں
بے آب کِھل رہا تھا گلستانِ فاطمہؑ

کاسہ دُرِ سخن سے اگر بھر گیا تو کیا
قیصر ہے خاکِ پائے فقیرانِ فاطمہؑ

(منتخب اشعار)

آئینۂ انقلاب

(امام حسینؑ کی فضیلتیں اور قربانیوں کے ثمرات)

۷۶ بند۔ ۱۹۹۳ء

◆◆

maablib.org

❖❖

فرشِ عزا بچھا ہو، بیانِ رثا نہ ہو
عاشور کا خیال ہو، آہ و بکا نہ ہو
مجلس میں آ کے دل میں کوئی کربلا نہ ہو
زینبؑ تو روئیں اور ہمیں واسطہ نہ ہو

بزمِ عزا ہے درد کو تشکیل کیجیے
اس کو مشاعرے میں نہ تبدیل کیجیے

❖❖

آئینۂ انقلاب

ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے   فصلِ عزا سے رسمِ وفا پر شباب ہے
جس میں کمالِ فکر کی ہر آب و تاب ہے   وہ سرخرو نصاب، حسینی نصاب ہے
کیجیے نگاہ مصحفِ غم کی سطور پر
سورج بجھے ہوئے ہیں زمینِ شعور پر

تیز آندھیوں سے وقت نے لکھی ہے داستاں   گلدستۂ فرات پہ حیراں ہے آسماں
خونِ سحر بچھا گیا گیتی پہ کہکشاں   پیاسے ہیں زندگی کے سمندر پہ حکمراں
یہ تبصرہ اٹل ہے زبانِ حیات پر
قبضہ ہے اہلِ بیتؑ کا ناممکنات پر

صدیوں سے شہرِ فکر یہ کہتا ہے بار بار   اے صاحبانِ نقد و نظر، حریت شعار
رودادِ غم سے علم کی دنیا ہے زر نگار   انسانیت کی جان ہیں اشکوں کے آبشار
حیران جس پہ آئینۂ مشرقین ہے
اس معجزے کا نام عزائے حسینؑ ہے

موجِ ثباتِ اشک فشانی میں دیکھیے　　اوجِ حیات درد بیانی میں دیکھیے
نہرِ شعور، تشنہ دہانی میں دیکھیے　　کردار مرثیے کی جوانی میں دیکھیے
عرشِ خرد ادب کے اسی زاویے میں ہے
معراجِ روح و جسم فقط مرثیے میں ہے

صحرا میں رشکِ نوحؑ سفینہ ضرور ہے　　طوفاں میں جو بسا وہ مدینہ ضرور ہے
نیزے پہ گفتگو کا قرینہ ضرور ہے　　لٹ کر جو بڑھ گیا وہ خزینہ ضرور ہے
پامال پھول، باعثِ فصلِ بہار ہیں
کاٹے ہوئے درخت بڑے سایہ دار ہیں

سوزِ حیات، پردۂ نوحہ گری میں ہے　　غم سے نجات حلقۂ غم پروری میں ہے
آنکھوں کی آبرو ہے تو مژگاں تری میں ہے　　تسکینِ قلب صبر کی بارہ دری میں ہے
خوشبوئے صبر، صحنِ طلب میں اگر نہیں
کتنا ہی ظرفِ علم سہی معتبر نہیں

حق بستگیِ ذہن ہے بنیادِ اعتبار　　میزانِ عدل سے بشریت ہے استوار
جب تک مزاج پر ہے تعصب کا اختیار　　ممکن نہیں کہ رمزِ حقیقت ہو آشکار
پڑھیے تو واقعاتِ الم دل کی آنکھ سے
صحرا کی دھوپ روئی ہے ساحل کی آنکھ سے

ماتم نے جوش و ہوش کی دنیا سجائی ہے　　آہوں سے حرف ولفظ نے تاثیر پائی ہے
مقتل نے انقلاب کی آیت سنائی ہے　　مظلوم بے کسوں کی خدا تک رسائی ہے
یہ سچ ہے یوں یقین میں جس طرح نون ہے
آفاق پر محیط شہیدوں کا خون ہے

رونا تو کوئی پستیِ ہمت نہیں حضور   پانی میں بجلیوں کی قیامت بھی ہے ضرور
ڈھلتا ہے جس کی دھار سے داغِ رُخِ شعور   لاریب وہ ہے چشمِ بشر میں خدا کا نور
غم کی نمی تموّج کوثر سے کم نہیں
آنسو بھی روشنی کے سمندر سے کم نہیں

سمجھے ہیں جس کو رونے رُلانے کی گفتگو   یہ تا ابد ہے سارے زمانے کی گفتگو
کیا ہے حکومتوں کے فسانے کی گفتگو   یہ ہے زمیں کو عرش بنانے کی گفتگو
دونوں جہاں کا حسنِ سعادت لئے ہوئے
اشکِ عزا ہیں اجرِ رسالتؐ لئے ہوئے

پھنکتا ہے جب حرارتِ غم سے کوئی بدن   کہتا ہے یہ تصورِ تقسیمِ جان و تن
لازم ہیں آدمی سے اس انداز میں سخن   لگ جائے آنسوؤں کی جھڑی دور ہو گھٹن
کتنا عجیب نسخۂ صحت نمائی ہے
رونے میں زندگی ہے، اجل سے رہائی ہے

پتھر نہیں ہے دل تو ذرا غور کیجئے   انساں پہ کیا بنے گی بھرا گھر اگر لٹے
جب اپنے چاند تاروں کی لاشیں ہوں سامنے   روئے نہ فرطِ غم سے تو کیا آدمی ہنسے
فطرت یہی ہے لذّتِ غم پاس چاہئے
انساں میں کچھ تو غیرتِ احساس چاہئے

احساس جیسی نعمتِ عظمیٰ اگر نہ ہو   کیا فرق عیش و غم ہے کسی کو خبر نہ ہو
اک لمحہ بھی مطابقِ فطرت بسر نہ ہو   الفاظ میّتوں کی طرح ہوں اثر نہ ہو
ہر خار بے حسی کے مکمل عذاب کا
پیتا ہے خون علم و عمل کے گلاب کا

اظہارِ حق نہیں ہے تو کردار کچھ نہیں کردار کچھ نہیں ہے تو گفتار کچھ نہیں
غفلت بھری حیات کے آثار کچھ نہیں سچ ہے کہ بے شعور کا معیار کچھ نہیں
فرشِ عزا پہ خواہشِ دنیا لئے ہوئے
بیٹھا ہے روشنی میں اندھیرا کئے ہوئے

دیکھا ہے اس ادا سے بھی احساس پر شباب وہ شخص جس کا سنگ دلی میں نہ تھا جواب
مجلس میں سن کے دسویں محرم کا انقلاب بے ساختہ پکار اٹھا یوں بہ اضطراب
سارا غرور توڑ دیا اس خیال نے
گھر کس طرح لٹا دیا زہراؑ کے لال نے

جو صاحبِ قلم ہیں صداقت کے ترجماں تائید حرف حرف کریں گے بیک زباں
حظ و نشاط ہی تو نہیں مقصدِ بیاں لازم ہے کربلا ہو کمالِ سخنوراں
محرومِ شانِ عدل کوئی تجزیہ نہیں
جس میں رثا کی بات نہیں مرثیہ نہیں

مقصد ہو جب ستائشِ ذاتی سے ہمکنار انسان مرثیے کو بناتا ہے اشتہار
مجلس میں واہ واہ کا بڑھتا ہوا خمار شاعر کے قلب و ذہن پہ لاتا ہے یہ غبار
پہلو رثائیت کا نہیں ہے تو کیا ہوا
تائیدِ فکرِ غیر کا حق تو ادا ہوا

کہنے کو کربلا سے تعلق مگر کہاں آنکھوں میں رنگِ فن ہے شہیدوں کا در کہاں
طوفان اضطراب محیطِ نظر کہاں کس طرح روئے اہلِ حرم یہ خبر کہاں
یوں بھی تخیلات کا گلشن ہرا ہوا
پرسے کی بات میں ہے تبسم بھرا ہوا

فرشِ عزا بچھا ہو بیانِ رثا نہ ہو　　عاشور کا خیال ہو آہ و بکا نہ ہو
مجلس میں آ کے دل میں کوئی کربلا نہ ہو　　زینبؑ تو روئیں اور ہمیں واسطہ نہ ہو
بزمِ عزا ہے درد کو تشکیل کیجئے
اس کو مشاعرے میں نہ تبدیل کیجئے

جو مرثیہ شناس ہیں اتنا مجھے بتائیں　　کیا روحِ تعزیت ہو تبسم بھری ادائیں
وہ بزم جس میں سیدہؑ کائنات آئیں　　افسوس ہم چراغِ تصنع وہاں جلائیں
جس وقت ساکنانِ فلک بھی فغاں کریں
ہم فاطمہؑ سے حُسنِ تخیل بیاں کریں

در پردہ سازشوں کے تقاضے یہی تو ہیں　　جتنے عزا شکن ہیں وہ حربے یہی تو ہیں
اقدار کے خلاف ذریعے یہی تو ہیں　　روکیں جو سیلِ اشک طریقے یہی تو ہیں
سیلابِ احتجاج نہ رک جائے سوچئے
اپنا سرِ شعور نہ جھک جائے سوچئے

شعلوں سے اپنا چاک گریباں نہ سیجئے　　باہر کی روشنی سے چراغاں نہ کیجئے
توڑے جو بندِ ہوش وہ ساغر نہ پیجئے　　غالب ہو فکرِ غیر یہ موقع نہ دیجئے
آدابِ معرفت کی حفاظت ہے مرثیہ
کلثومؑ نے دیا ہے، امانت ہے مرثیہ

منزل ہے مرثیے کی عزا خانۂ امامؑ　　ملتا ہے زندگی کو جہاں مستقل نظام
کس نے کہا یہاں نہ ملیں گے ادب کے جام　　مجلس میں ہے حفاظتِ قرآں کا اہتمام
کچھ اور ارتقا کا سبب ہے تو لائیے
قرآں سے بڑھ کے کوئی ادب ہے تو لائیے

مغرب کے شاعروں کا اثر لیجئے مگر
تقلید کے جنوں کو نہ کہیے نئی سحر
ذاتی نمائشوں کی روش عام دیکھ کر
کیوں ضربتیں ہیں خاص تقاضائے فکر پر
مقصد پہ غور کیجئے خالص نگاہ سے
کیا فائدہ جو ہٹ گئے منزل کی راہ سے

ذہنی تعیشات اگر ہیں مآل کار
شاعر کبھی نہ خود کو لکھیں مرثیہ نگار
ہاں وہ جو آنسوؤں کو سمجھتے ہیں ذوالفقار
وہ جانتے ہیں ظالم و جابر سے کارزار
مظلومیت ہے تاب و تواں سر جھکا نہیں
اشکوں کا قافلہ ہے جو اب تک رکا نہیں

اشکوں کا قافلہ کہیں رک جائے گا اگر
دنیا ادب کا نام نہ لے گی زمین پر
مظلومیت نہ ہو گی جہاں مرکزِ نظر
انساں کہیں گے وقت کا آئینہ دیکھ کر
مطلق شعورِ درد بیانی نہیں رہا
کیا رہ گیا جو آنکھ میں پانی نہیں رہا

جو آبرو نگاہ ہیں وہ صاحبِ حیا
رکھتے ہیں اپنی فکر میں دستورِ کربلا
آنسو بغیر کچھ نہیں لفظوں کا ارتقا
جوشِ نمو نہو تو شجر کب ہرا ہوا
دل خاک صاف ہوں گے، زمانے کی گرد سے
ہر باغِ فکر پھولتا پھلتا ہے درد سے

درد آشنا نہیں تو کوئی دل بھی دل نہیں
فرشِ عزا نہیں ہے تو کس کام کی زمیں
ملتا ہے اس نگاہ کو گلدستۂ یقیں
جو چشمِ تر کی حد میں پڑھے داستانِ دیں
اہلِ عزا جو اشک طلب، غم اساس ہیں
وہ ساحلِ فرات سے کوثر شناس ہیں

غم سے بڑھا شعور کی بیداریوں کا نام　　غم کی عطا وفا کی طلب گاریوں کا نام
غم سے خدا پسند جہانداریوں کا نام　　زندہ ہے غم کے نام سے غمخواریوں کا نام
ہر دل عزیز اس کی بدولت ہے آدمی
غم کے بغیر پیکرِ وحشت ہے آدمی

غم آدمی کے واسطے انصاف کا جمال　　غم روشنیِ قلب ہے، غم جلوۂ خیال
بُنتے ہیں کم نگاہ جو محسن کشی کے جال　　اک روز ان کے سامنے آئے گا یہ سوال
محنت کسی کی نسبتِ احساں کسی سے ہے
اس بے رُخی کا واسطہ کس روشنی سے ہے

انسانیت یہی ہے کہ غم کو دغا نہ دیں　　فردِ عمل کو مظہرِ خیرالعمل کریں
کیا بارگاہِ غم کی ہدایات ہیں سنیں　　زندہ رہے شعورِ وفا وہ چلن چلیں
جس میں بنامِ ذات حمیّت کا خون ہے
ایسی طلب تمام صداقت کا خون ہے

جتنے حریصِ شہرتِ دنیا ہیں وہ بشر　　عقبیٰ کی نعمتوں سے مسلسل ہیں بے خبر
خوش ہیں جو دوسروں کو مٹانے میں سربسر　　وہ اپنا تیشہ مارتے ہیں اپنے پاؤں پر
یہ جادۂ گناہ کہاں، مرثیہ کہاں
اہلِ ستم کی راہ کہاں، مرثیہ کہاں

زیبا نہیں بجھے ہوئے کردار پر غرور　　پھولوں سے دور اور خلشِ خار پر غرور
پیکر پہ ناز کاغذی دیوار پر غرور　　بیساکھیوں پہ چلتے ہیں رفتار پر غرور
ایسے ہی لوگ کوئی سہارا نہ پائیں گے
گرداب میں پھنسے تو کنارا نہ پائیں گے

رکھتے نہیں جو غم انہیں کیا علم کیا ہے غم　　معصوم ہستیوں کی طرف رہنما ہے غم
جس پر خوشی نثار ہو وہ آسرا ہے غم　　جشنِ تخیلات نہیں کربلا ہے غم
اس کے جلو میں معرکۂ انقلاب ہے
کہتے ہیں جس کو صبر، وہ غم کا شباب ہے

خلعت کے اعتبار سے ہر دل میں ہے نمو　　ہر ذہن، ہر مزاج ہے میزانِ رنگ و بو
لیکن جہاں شعور مرا، مر گیا لہو　　زندہ لہو نے پائی ہے توفیقِ آبرو
لازم ہے اضطراب کے چشمے اُبل پڑیں
پُر درد واقعہ ہو تو آنسو نکل پڑیں

نا آشنائے درد، شقاوت کا رنگ ہے　　دل بے گداز ہو تو جبلّت کا رنگ ہے
تائیدِ ظلم قتلِ حمیّت کا رنگ ہے　　غیرت کشی یزید کی بیعت کا رنگ ہے
آواز کیا جو مل گئی آوازِ جبر میں
انساں تو کائنات سموتا ہے صبر میں

محسوس اک بشر کو اگر ہو غمِ بشر　　ہمدردیوں کی چھاؤں نظر آئے ہر نظر
ابھرے فصیل وقت سے، نکہت بھری سحر　　تسبیحِ اتحاد ہو تقدیرِ دشت و در
دعویٰ ہے کوئی مفلسِ خیرالعمل نہ ہو
پورے معاشرے میں صدائے خلل نہ ہو

اخبار صبح لائے شرافت کی سرخیاں　　حاصل خبر خبر سے ہو تسکین قلب و جاں
یوں بے نشاں ہو شام کی وحشت کا ہر نشاں　　اہلِ قلم، قلم سے یہ لکھ دیں بیک زباں
ہر لفظ کی زبان پہ ایماں کی بات ہے
تاریخ صرف حرمتِ انساں کی بات ہے

وہ عہد جس میں حرمتِ انساں ہو پاش پاش　　وہ عہد جس کا ظلم بنے روح کی خراش
وہ عہد جس میں پھولتے پھلتے ہوں بدقماش　　وہ عہد جس کے دوش پہ ہو روشنی کی لاش
غم ہی وہاں جفاؤں کی شب سے نجات ہے
اس عہد میں حسینؑ کا ماتم حیات ہے

تعزیر کے حصار میں تکبیر چاہیے　　ہر لفظ کربلا ہو وہ تقریر چاہیے
اک لمحہ بھی نہ شکوۂ تقدیر چاہیے　　پیدا ہو انقلاب وہ تدبیر چاہیے
اُبھرے یہ بات گریہ و ماتم کی بات سے
مظلوم نے خراج لیا کائنات سے

سنتے ہیں اہلِ درد یہ آوازِ کربلا　　شہ رگ سے بھی قریب مددگار ہے خدا
ہاں وہ گروہِ جرات و ہمت ہے مدعا　　کہہ دے جو اہلِ جبر سے بے خوف برملا
کافی ہیں چند، کثرتِ اغیار کچھ نہیں
نامِ حسینؑ چاہئے ہتھیار کچھ نہیں

نامِ حسینؑ جس نے لکھا لوحِ قلب پر　　اس کو ملی فضیلتِ کردار کی سحر
کہتا ہے زندگی سے وہی صاحبِ نظر　　اے زندگی، شہادتِ عظمیٰ پہ غور کر
جلوے ملیں گے مقتلِ اہلِ خدا میں آ
تجھ کو تلاشِ حق ہے، تو آ، کربلا میں آ

مقتل میں سو رہے ہیں وہ جانباز حق ادا　　جن کو خراج دیتی ہے اسلام کی بقا
دنیا سے کہہ رہا ہے گلستانِ مصطفےٰؐ　　ہر عہد کی حیات ہے خوشبوئے کربلا
جو لوگ بیکسوں کی زیارت کو آئیں گے
اک دن انہیں رسولؐ گلے سے لگائیں گے

ہر تربتِ شہید پہ زہراؔ ہے نوحہ گر مجلس کا اہتمام ہے دن رات خاک پر
زائر یہ کہہ کے آنکھوں سے ملتے ہیں سنگِ در اس عظمتِ نصیب پہ قربان بحر و بر
زندہ ہیں سب حسینؑ کے زندہ پیام سے
انسانیت جواں ہے محرّم کے نام سے

ہر دور میں ہلالِ محرم ہے وہ کتاب جس کے حروف رکھتے ہیں اسلام کا نصاب
کس نے کہا کہ جبر کا خنجر ہے کامیاب انسان تیغِ صبر سے کرتا ہے انقلاب
میدانِ کربلا نے یہ منظر دکھا دیا
انساں نے قتل گاہ کو سورج بنا دیا

وہ قتل گاہ دیکھیے میدانِ کربلا منظر میں ایک شہرِ شہادت بسا ہوا
وہ خون سے لکھا ہوا بے مثل واقعہ تعمیرِ خیمہ گاہ سے آتی ہے یہ صدا
اصغرؑ کے بعد، خیمے میں کیسے گئے حسینؑ
کس طرح اہلبیتؑ سے رخصت ہوئے حسینؑ

تنہائیوں کے تیر بدن میں چھپے ہوئے یادوں کے ماہتاب نظر میں بسے ہوئے
بچوں کے اشک دل کے ورق پر سجے ہوئے سوکھے لبوں سے درد کا دریا پیے ہوئے
سب کا غمِ فراق سہا ہو گا کس طرح
مولاؑ نے الوداع کہا ہو گا کس طرح

خیمے سے باہر آ کے عجب ہو گا دل کا حال منظر میں ہوں گے خاک پہ انصارِ خوش خصال
ممکن ہے کربلا سے بھی کرتے ہوں یہ سوال اے کربلا کہاں ہیں وہ مردانِ بے مثال
بے کس کی زندگی کے سہاروں کو لے لیا
تو نے مرے تمام ستاروں کو لے لیا

گھوڑے پہ جب سوار ہوئے ہوں گے آخری   فرمایا ہو گا اے فرسِ دلبرِ نبیؐ
تو دیکھتا ہے سبطِ پیمبرؐ کی بے کسی   بے شک تری وفا میں نہ آئی کوئی کمی
خالی ہو تیرا ذہن وہ ساعت قریب ہے
لے چل مجھے مقامِ شہادت قریب ہے

وہ اہلِ دل جو رکھتے ہیں اپنے جواں پسر   چھاتی پہ ہاتھ رکھ کے بتائیں یہ سوچ کر
اکبرؑ سا لال ڈھونڈ رہی ہو اگر نظر   کس اعتبارِ فکر سے ٹھہرے دلِ پدر
احساس پر لپیٹ کے غم کی خراش کو
چوما تو ہو گا باپ نے بیٹے کی لاش کو

بیٹے کی لاش چوم کے دل کو سنبھالنا   جُز شکر، کوئی لفظ نہ منہ سے نکالنا
پورا مزاج ضبط کے سانچے میں ڈھالنا   صدیوں کو ایک لمحے کے سائے میں پالنا
مظلوم تین روز کے، پیاسے سے پوچھیے
یہ واقعہ نبیؐ کے نواسے سے پوچھیے

اغلب ہے سمتِ نہر کہا ہو بچشمِ غم   یہ بیکسی بھی دیکھ لو اے میرے ذی حشم
عباسؑ تم تھے جس کے محافظ قدم قدم   اب وہ ہے اور چار طرف لشکرِ ستم
تم تو وفا کی سیج پہ آرام پا گئے
سب غم سمٹ کے دلبرِ زہراؑ پہ آ گئے

عباسؑ کیا سنو گے مرے درد کی خبر   آیا ہوں میں سکینہؑ کو بے ہوش چھوڑ کر
عباسؑ یاد ہو گا مدینے سے وہ سفر   فہرست پڑھ کے روئے تھے تم جس کے نام پر
وہ حرملہ کے تیر سے بے جان ہو گیا
جھولے سے آ کے دشت میں اصغرؑ بھی سو گیا

خاموشیوں سے پوچھئے کیا تھا وہاں جواب		مظلوم کے جگر میں اٹھی موجِ اضطراب
اس موج میں تھا اکبرؑ و عباسؑ کا شباب		آنکھوں میں پھر گیا علی اصغرؑ کا انقلاب
آیا خیال معرکہ تاحدِ ظہر ہو
سب کے لہو پہ عصر کی تکبیر مہر ہو

دنیا سمجھ رہی تھی غریب الوطن کی جنگ		ظلمت سے تھی یہ روشنیِ پنجتنؑ کی جنگ
کیا کہیے تین روز کے تشنہ دہن کی جنگ		قرباں تھی کائنات کے ہر صف شکن کی جنگ
غالب جو دیکھا فوج پہ تنہا حسینؑ کو
تاریخِ کارزار نے چوما حسینؑ کو

حاکم تمام زورِ حکومت کے باوجود		ہتھیار اور فوجوں کی کثرت کے باوجود
اپنی درندہ صورت و وحشت کے باوجود		سب سے زیادہ ظلم کی شدّت کے باوجود
مرضیِ تاجدارِ صداقت نہ لے سکا
خیبر کشا کے لال سے بیعت نہ لے سکا

معلوم یہ ہوا کہ حقیقت کچھ اور ہے		کہتے ہیں جس کو دین وہ قدرت کچھ اور ہے
فطرت پہ حکمراں بشرّیت کچھ اور ہے		قرآں ہو معترف وہ طبیعت کچھ اور ہے
جیتے ہیں ہر نفس جو مشیّت کے نام پر
مرتے ہیں وہ خوشی سے شہادت کے نام پر

ظاہر میں فوجِ شام کی خونخوار برچھیاں		مجروح کر رہی تھیں مسافر کی پسلیاں
لیکن یہ بات لکھ گئیں زخموں کی سرخیاں		ہاں اب اڑیں گی سارے یزیدوں کی دھجیاں
ابلِ خدا کے فتحِ مسلسل کا نام ہے
اب زندگی حسینؑ کا نقشِ دوام ہے

اسلام نے بہ فخر کہا، مرحبا حسینؑ
اے قاطعِ غرورِ جفا، مرحبا حسینؑ
تم ہو پیمبروں کی بقا، مرحبا حسینؑ
قربانیاں بنامِ خدا، مرحبا حسینؑ
چومے فلک، زمیں پہ وہ خورشید بو دیے
عاشور میں تمام زمانے سمو دیے

آخر لہو میں ڈوب گئی عصر کی اذاں
اب اک غریب جسم تھا اور ناوک و سناں
برسیں دلِ بتولؑ پہ تیغوں کی بجلیاں
خیموں سے کہہ رہی تھیں یہ زخموں کی کہکشاں
خوں بار آنسوؤں کا چراغاں قریب ہے
زہراؑ کے گھر پہ شامِ غریباں قریب ہے

رفتارِ وقت پر جو شہِ دیںؑ نے کی نظر
تیروں نے جا نماز بچھا دی زمین پر
یعنی نمازِ عصر پڑھی کتنی مختصر
سجدے میں عبدیت کے مدارج سمیٹ کر
کیا فرضِ بندگی ہے بتایا حسینؑ نے
گلدستۂ نماز بچایا حسینؑ نے

سجدے میں پشت، سر پہ چلا خنجرِ جفا
آندھی چلی، زمین ہلی، سر جدا ہوا
زہراؑ کا چاند، نیزۂ خولی پہ آ گیا
نیزہ ہوا بلند تو فضہؑ نے دی صدا
آؤ ربابؑ، چہرۂ سرتاج دیکھ لو
زینبؑ کہاں ہو، بھائی کی معراج دیکھ لو

جھولے کے پاس بیٹھی ہوئی غمزدہ ربابؑ
ہر اشک پر سجائے تھی تنہا سا اک گلاب
فضہؑ کے لفظ بن گئے طوفانِ اضطراب
بکھرا کے بال سوئے فلک یوں کیا خطاب
پروردگار، میری وفا میں کمی نہ ہو
مجھ کو ترے حسینؑ سے شرمندگی نہ ہو

معیارِ صبر بخش گئے سیدِ زمنؑ توفیقِ ضبط چاہتی ہوں ربِّ ذوالمنن
برباد ہو چکا تری زہراؑ کا سب چمن لیکن تری خوشی ہے تو منظور ہر محن
روؤں نہ بنتِ شاہِ مدینہؐ کے سامنے
ٹپکے نہ کوئی اشک، سکینہؑ کے سامنے

سرتاج کو سناں کی بلندی پہ دیکھ کر فرمایا تھرتھراتے لبوں سے بچشمِ تر
آغاز تھا عروجِ رسالتؐ کے دوش پر انجام ہے تلاوتِ قرآں بریدہ سر
لاریب آپ ختمِ نبوّت کا نور ہیں
مردہ یہ فوجِ شام ہے زندہ حضورؑ ہیں

گذریں قیامتیں شہِ والاؑ کے سامنے خالی ہوا یہ گھر دلِ زہراؑ کے سامنے
شرمندہ ہوں میں اس بھری دنیا کے سامنے کیوں مجھ کو موت آئی نہ آقاؑ کے سامنے
کب تک لہو بھرے ہوئے آنسو رُلائے گا
کیا جانے اب یہ وقت کہاں لے کے جائے گا

بھاوج کا حال دیکھ کے زینبؑ تڑپ گئی اک بار آنسوؤں کی جھڑی میں پکار اٹھی
بھیّا کٹے گی کیسے غریبوں کی زندگی کس کس کو میں سنبھالوں بتاؤ مرے اَخی
بچی علم سے لپٹی ہے کیسے جُدا کروں
بے ہوش ہے تمہاری سکینہؑ میں کیا کروں

بھیّا، تمہارے عشقِ خدا پر بہن فدا کس حال میں ہیں اہلِ حرم دیکھ لو ذرا
سکتے میں اب تو مادرِ اکبرؑ ہیں مبتلا ہوش آئے گا انہیں تو بتاؤ کہوں گی کیا
بربادیوں کی دھوپ میں زخموں کا باغ ہے
تازہ ابھی تو گیسوؤں والے کا داغ ہے

رُخ کر کے سوئے نہر یہ کہتی ہے بار بار   عباسؑ جیسے بھائی کی بیوہ وفا شعار
سبطِ نبیؐ کی لاش پہ دوڑیں گے اب سوار   کیا سو رہے ہو اے پسرِ شاہِ ذوالفقار
آ جاؤ کوئی لمحۂ تاخیر اب نہیں
چھن جائے سر سے چادر زینبؑ عجب نہیں

لتاں مجھے نہ روکیے جاؤں گا نہر پر   بھیّا تڑپ کے کہتا ہے عباسؑ کا پسر
دیکھوں تو کیسے آئے گی خیموں میں فوجِ شر   لاؤں گا بابا جان کو میں ہاتھ جوڑ کر
دیکھا نہیں جلال، مرے بابا جان کا
لاشہ گرے گا فوج کے اک اک جوان کا

شعلے اٹھے، تڑپ گئے اہلِ حرم تمام   زینبؑ یہ کہہ رہی تھی کہ جلنے لگے خیام
بے ہوش تھا بخار میں بیمار تشنہ کام   اب کس کا ڈر تھا لوٹنے آئی سپاہِ شام
شانہ ہلا کے بنتِ علیؑ نے کہا، اٹھو
سجادؑ اٹھو، رسولؐ کا گھر لٹ گیا، اٹھو

طاقت نہیں ہے ہاتھوں میں کیسے تمہیں اٹھاؤں   اے لال اب تو کوئی نہیں ہے کسے بلاؤں
اے لال کچھ بتاؤ کہاں سب کو لے کے جاؤں   ہر سانس اب قیامتِ کبریٰ ہے کیا بتاؤں
اس فوج میں درندے ہیں انساں کوئی نہیں
کلمہ تو پڑھ رہے ہیں مسلماں کوئی نہیں

تم پر ہے کائناتِ شریعت کا انحصار   اے لال اب تمہی ہو امامت کے تاجدار
آنکھیں تو کھولو، وقت نہیں کرتا انتظار   بے وارثوں کے تم ہی محافظ ہو میں نثار
میداں میں سر برہنہ نکلنے کا حکم ہے
یا آج سب کو آگ میں جلنے کا حکم ہے

سجادؑ اٹھے پھوپھی کے سہارے سے اور کہا یہ کیا ہوا، مری پھوپھی امّاں، یہ کیا ہوا
فخرِ بتولؑ آپ کے سر پر نہیں ردا ہاں اب یقین ہو گیا مارے گئے چچا
سب جانثارِ سیّدِ والا گذر گئے
تنہا میں رہ گیا، مرے بابا گذر گئے

جلتے ہوئے خیام جو دیکھے بچشمِ تر اک آہِ سرد بھر کے یہ لائے زبان پر
اب ہے یہی مشیّتِ خلاقِ بحر و بر تا شام اہلِ بیتؑ کا ہو بے ردا سفر
صدمے بھی خون روئیں وہ صدمے اٹھائے گا
سجادؑ طوق پہنے ہوئے ساتھ جائیگا

قیصر اب اس کے بعد نمایاں ہوئی وہ شام اہلِ عزا میں شامِ غریباں ہے جس کا نام
پیاسوں کی جانماز تھی خاکسترِ خیام کہتا تھا گرم خاک پہ سجدوں کا اہتمام
اس بندگی سے دینِ خدا پر شباب ہے
اب تا ابد یہ آئینہ انقلاب ہے

◆◆◆

maablib.org

معراجِ نفس

(روزے کی فضیلت اور حضرت علیؑ کی شہادت)

۷۳ بند۔ ۱۹۷۲ء

◆◆

❖❖

عروجِ ذہن، اسی شہر کی صداقت ہے
نظر کا نور، اسی شہر کی زیارت ہے
سکونِ قلب، اسی شہر کی عبادت ہے
علاجِ روح، اسی شہر کی محبت ہے
علیؑ کا باغِ امامت نقیب ہے اس کا
دیارِ علمِ رسالتؐ، خطیب ہے اس کا

❖❖

معراجِ نفس

خدا کے شہر سے گذرا جو کاروانِ خیال   رُخِ شعور پہ لہرا گیا نشانِ خیال
متاعِ دل ہوئی آرائشِ جہانِ خیال   قلم کی بات بنی ہو کے ہم زبانِ خیال
بساطِ ذہن پہ جدت کے باغ کھلنے لگے
گلاب قدر، نہالِ زباں کو ملنے لگے

گلاب قدر کی فصلِ بہار کیا کہنا   نفس نفس میں انوکھا خمار کیا کہنا
دمِ خمار شریعت سے پیار کیا کہنا   خدا پسند سکون و قرار کیا کہنا
عروسِ کیف، جمالِ بقا دکھانے لگی
حیات اپنی جوانی پہ مسکرانے لگی

فضائے دل سے برسنے لگے وہ پیمانے   نثار کیجئے ہوش و خرد کے میخانے
سرورِ جامِ مودّت زمانہ کیا جانے   اسی نشے کے دھنی ہیں تمام فرزانے
خودی کا راز اسی بے خودی میں پایا ہے
یہی نشہ مجھے شہرِ خدا میں لایا ہے

وفورِ شوق میں اک ماہ کے سفر کی قسم　　سفر میں کہکشاں اندازِ رہگذر کی قسم
تجلیاتِ عبادت کے مستقر کی قسم　　سکونِ شب کی قسم، جلوۂ سحر کی قسم
ملی وہ روشنی اس جادۂ مسافت میں
گئے کلیمؑ سرِ طور جس کی حسرت میں

قدم قدم پہ وہ شہرِ خدا کی جلوہ گری　　جسے سلام کرے انتہائے دیدہ وری
وہ حکمتِ عملی ہو کہ حکمتِ نظری　　یہ اعتراف کہے گا یہ عالمِ بشری
خدا کے شہر کی تنویر جس نظر میں نہیں
اسی کی قدر، کسی چشمِ معتبر میں نہیں

لگی جو فکر کو بازارِ شہرِ حق کی ہوا　　نظر نظر میں سمایا خلوص کا سودا
پکارنے لگی اشیائے معرفت کی ضیا　　یہ نور مل نہیں سکتا بغیرِ نقدِ وفا
ثبوت نقدِ وفا کا بہم کرے کوئی
کھلی ہوئی ہیں دکانیں خرید لے کوئی

خدا کے شہر کی آراستہ دکانوں میں　　وہ لعل ہیں جو میسّر نہیں خزانوں میں
کہاں ملیں گے یہ دنیا کے کارخانوں میں　　سجے ہوئے ہیں جو رحمت کے شامیانوں میں
یہاں تکبّرِ شاہی نہ کوئی فرمائے
کوئی رئیسِ عمل ہو تو سامنے آئے

یہی وہ شہر ہے جو عارفوں کی منزل ہے　　اسی کے سائے میں روحانیت کی محفل ہے
یہی وہ شہر ہے جو مہر و ماہ کا دل ہے　　اسی کی روشنی ظلمت پہ ضربِ قاتل ہے
نجات اہلِ خرد ہے اسی سفینے میں
خدا ملے گا اسی حمد کے مدینے میں

اسی مدینے کے دامن میں آسمان و زمیں   بکھیرتے ہیں تجلیِ آفتابِ یقیں
یہیں سے ملتا ہے انسانیت کو نورِ مبیں   حجابِ طالب و مطلوب اٹھ رہا ہے یہیں
نظر کے سامنے صورت گرِ حقیقت ہے
اسی مقام پہ معراجِ آدمیّت ہے

ہوائے شہر میں روشن بصیرتوں کے چراغ   زمانے والوں کو دیتے ہیں روشنی کا دماغ
دماغ ہی سے تو ملتا ہے منزلوں کا سراغ   جہاں یہ کہئے ہیں چودہ ہدایتوں کے ایاغ
ایاغِ نور اسی گلستاں کو کہتے ہیں
یہاں رضا کے سمندر میں چاند بہتے ہیں

پکارتا ہے فضا میں فضیلتوں کا سحاب   اسی نگر میں ہے فصلِ عبودیت شاداب
کھلے ہیں شاخِ طبیعت پہ گل برنگِ ثواب   ثواب میں چمنِ بندگی کا عہدِ شباب
شبابِ فکر و نظر نے ہمیں بتایا ہے
اسی میں خضرؑ نے آبِ حیات پایا ہے

عروجِ ذہن، اسی شہر کی صداقت ہے   نظر کا نور، اسی شہر کی زیارت ہے
سکونِ قلب اسی شہر کی عبادت ہے   علاجِ روح اسی شہر کی محبت ہے
علیؑ کا باغِ امامت نقیب ہے اس کا
دیارِ علمِ رسالتؐ خطیب ہے اس کا

دکھا رہے ہیں اسی شہر کے یمین و یسار   حیاتِ دائم و صائم کا لازوال نکھار
کہاں سے لائے گی دنیا یہ گرمیِ بازار   رواں ہو جس کے جلو میں پیمبروںؑ کی قطار
پیمبروںؑ کی مقدّس قطار کہتی ہے
خدا نے اہلِ وفا سے وفا خریدی ہے

ہے فرضِ عین بحکمِ رسولؐ و حکمِ امامؑ — خدا کے شہر کا عرفاں بہ شانِ استحکام
یہی ہے دامنِ قرآں میں کبریا کا پیام — خدا کا شہر ہے خوشنودیِ خدا کا نظام
بصد خلوص جو اس شہر کو بسائیں گے
وہ خوش نصیب سرِ حشر مسکرائیں گے

خدا کا شہر بیانِ عمل کا ہے عنواں — کتابِ حق میں خدا نے اسے کہا رمضاں
تعارفِ رمضاں میں یہ رنگِ نو یہ بیاں — عطائے ربِّ جہاں ہے مری بساط کہاں
جواہرات جو ہیں دامنِ سخن کے لئے
حقیر تحفہ ہے سرکارِ پنجتنؑ کے لئے

کلیدِ ماہ سے کھلتا ہے جب درِ رمضاں — سعادتوں سے سنورتی ہے گردشِ دوراں
برنگِ شکر یہ کہتی ہے زاہدوں کی زباں — نصیب ہو گئی خوشبوئے گلشنِ یزداں
پیامِ لذّتِ جاں لے کے عابدوں کے لئے
شباب عرش سے آتا ہے ساجدوں کے لئے

نئی اداؤں سے ہوتی ہیں مسجدیں آباد — نہال ہوتے ہیں اسلام کے فرشتہ نہاد
ہر ایک سانس میں خلاقِ کائنات کی یاد — کہ جیسے پھول کی خوشبو سے ہو صبا دلشاد
نماز پڑھتے ہیں اس طرح آگہی والے
علیؑ کے سامنے ہوں، جس طرح علیؑ والے

وفا کی جھیل میں کھلتا ہے یوں دعا کا کنول — کہ جیسے دامنِ گردوں میں چاند کی مشعل
عمل کی شاخ پہ لگتا ہے یوں خلوص کا پھل — کہ جیسے صبح کے ہونٹوں پہ روشنی کی غزل
سرور ملتا ہے قرآن کی تلاوت میں
کہ جیسے نظمِ خدا پنجتنؑ کی مدحت میں

قدم قدم بنی آدم کا جاگتا احساس   نظر نظر میں اخوت کا دلربا احساس
تمام اہلِ تمدّن میں حق نما احساس   کہ جیسے بھائی کو ہوتا ہے بھائی کا احساس
ہر اک خیال سے پاکیزگی برستی ہے
جو رحمتوں سے بھری ہے یہی وہ بستی ہے

نفس کی آمد و شد میں بہشت کی مہکار   قدم کی خاک، زمانے کا عارضی گلزار
دل و دماغ میں وحدانیت کے نقش و نگار   یہ سب ہوں جمع تو بنتا ہے اہلبیتؑ کا پیار
یہ اہلبیتؑ کا وہ پیار ہے جو دائم ہے
فنا ہے سب کو اسی کی بہار قائم ہے

فضیلتِ رمضاں ہے فضیلتِ اسلام   بغیر اس کے ہے ناقص محبّتِ اسلام
جسے نصیب نہیں ہے یہ حکمتِ اسلام   وہ ذہن پا نہیں سکتا حقیقتِ اسلام
بنامِ فرض شعاعیں خرد کے نور میں ہیں
مہِ صیام کے جلوے رُخِ شعور میں ہیں

اسی میں آیا امامت کا دوسرا خورشید   اسی کے چاہنے والوں کو ہے بشارتِ عید
حقیقتوں کی تمنّا، اسی کی حسرتِ دید   اسی سحر کی طلب ہے حیاتِ نو کی نوید
نصیب خلق اسی ماہ کی محبت ہے
اسی کا عہدِ جوانی حسنؑ کی صورت ہے

یہیں ملا ہے عنایات ایزدی کا وہ نور   بشر کو جس نے کیا سرخرو خدا کے حضور
یہیں ملی لبِ انساں کو وہ شرابِ طہور   ملیں گے جس کے تصدق میں خلد و حور و قصور
مکیں ہے جس کی شب قدر وہ مکاں ہے یہی
رواں ہے جس میں خدائی وہ کارواں ہے یہی

خدا شناس اسی کی گلابیوں میں ڈھلے ۔ اسی کی گود میں اللہ کے سفیر پلے
زمیں کے چاند اسی فرشِ کہکشاں پہ چلے اسی فصیل پہ آیات کے چراغ جلے
اسی کے نور سے روشن رُخِ رسولؐ ہوا
اسی کے سائے میں قرآن کا نزول ہوا

حکایتِ ازلی ہے صداقتِ ازلی صداقتِ ازلی میں حقیقتِ ابدی
حقیقتِ ابدی ہے ولائے آلِ نبیؐ ولائے آلِ نبیؐ کردگار کی مرضی
یہ کردگار کی مرضی وہی تو پاتا ہے
جو آستانۂ زہراؑ پہ سر جھکاتا ہے

بیانِ صوم نہیں ہے مری بساط مگر حسینیتؑ کے اُجالوں میں ہے عقابِ نظر
میں کر رہا ہوں حقیقت کی وادیوں میں سفر ضرور پاؤں گا روزے کی عظمتوں کے گہر
بقائے فکر سے مقصد کو زندگی دیں گے
یہی گہر تو مجھے تاجِ شاعری دیں گے

مرا شعار ہے تبلیغِ دیں برنگِ سخن ہے ابتدا سے یہی میری شاعری کا چلن
مرے نصیب میں ہے صدقۂ حسینؑ و حسنؑ ہے آج بھی یہ صدائے نگاہ و قلب و دہن
خدا کے شہر سے اب روزہ دار بن کے گذر
چمن سے عشق اگر ہے بہار بن کے گزر

فروغ دیں کے گلستاں میں دوسری ہے بہار نگار طبع نے چھیڑا عبادتوں کا ستار
یقیں کے صحن میں چھٹنے لگے وفا کے انار حواس و ہوش پہ آیا ہے رحمتوں کا نکھار
زباں فضیلت روزہ بیان کرنے لگی
حیات پڑھ کے دعائے سحر نکھرنے لگی

وفا کی روح، اطاعت کی شان ہے روزہ شرافتِ بنی آدمؑ کی جان ہے روزہ
خدائے عشقِ بشر کا بیان ہے روزہ عبادتیں ہیں تکلّم زبان ہے روزہ
اسی شعور سے تکمیلِ آدمیّت ہے
یہی شرف تو بلاواسطہ عبادت ہے

ریاضِ عقل میں خوشبو کی لہر ہے روزہ کفِ وجود پہ جلووں کی نہر ہے روزہ
برائیوں کے لئے جامِ زہر ہے روزہ سرِ گناہ پہ اک ضربِ قہر ہے روزہ
جنم لیا اسی گلشن میں پارسائی نے
اسی میں نور بنے ہیں دلوں کے آئینے

تمام حکمتِ ربِّ جلیل ہے روزہ ہدایتوں کی مکمل سبیل ہے روزہ
جہانِ قلب و جگر کی فصیل ہے روزہ ادائے فرض کی روشن دلیل ہے روزہ
پیامِ راحتِ جاں ہے نمازیوں کے لئے
جہادِ نفس ہے وحدت کے غازیوں کے لئے

غمِ جہاں کا مناسب علاج ہے روزہ اصولِ صبر و رضا کا رواج ہے روزہ
ضمیرِ عبد کو عزّت کا تاج ہے روزہ کمالِ خیر ہے خیرالمزاج ہے روزہ
اسی سے قومِ اخوت جمال ہوتی ہے
اسی نہال سے فطرت نہال ہوتی ہے

نگار خانۂ ہستی کی روشنی روزہ دل ونگاہ کے پھولوں کی تازگی روزہ
جہانِ روح میں اندازِ دلکشی روزہ بہ ہر کتاب طریقِ پیمبری روزہ
امامتوں میں اسی معرفت کے جوہر ہیں
رسالتیں بھی اسی عطر سے معطر ہیں

معاونت کے سویروں کی رہگذر روزہ یگانگت ہے ثمر جس کا وہ شجر روزہ
معاشرے میں مساوات کی سحر روزہ کمالِ جذبۂ ایثار کی خبر روزہ
اسی نے زیست کو ہمدردیوں میں ڈھالا ہے
شرافتوں کو اسی خوش ادا نے پالا ہے

برنگِ شوق حقیقت کی جستجو روزہ بہ شوقِ فکر قناعت کی آرزو روزہ
بہ فکرِ حسن محبت کی گفتگو روزہ بہ حسنِ ظرف مودّت کی آبرو روزہ
یہ آبرو ہو تو دل کی کلی بھی کھلتی ہے
رضائے آلِ محمدؐ اسی سے ملتی ہے

غبارِ دل جو مٹا دے وہ آب ہے روزہ گناہِ فکر کا دشمن، ثواب ہے روزہ
فساد و شر پہ اجل کا عذاب ہے روزہ سوالِ جرم کا قاتل جواب ہے روزہ
معاشرے کو سکوں آشنا بناتا ہے
یہی اصول تو انسانیت سکھاتا ہے

نظر کو منظرِ فہم و شعور ہے روزہ شعور کے لئے قندیلِ طور ہے روزہ
گرفتگی میں غذائے سرور ہے روزہ زبانِ خشک پہ صہبائے نور ہے روزہ
وفا پرست اسی جستجو میں رہتے ہیں
اسی جہاد کو معراجِ نفس کہتے ہیں

ادائیں جس کی ہیں واجب وہ قصر ہے روزہ خودی کی رمز طبیعت کا حصر ہے روزہ
اگر اطاعتِ معصومِ عصر ہے روزہ تو ہر قدم پہ من اللہ نصر ہے روزہ
اسی ادا پہ تو رندانِ ہوش مرتے ہیں
اسی میں ساغرِ توحید رقص کرتے ہیں

جہاں معالجِ ہوش و حواس ہے روزہ   وہاں عروجِ خرد کی اساس ہے روزہ
جہاں شکستِ گمان و قیاس ہے روزہ   وہاں یقین کے پھولوں کی باس ہے روزہ
اسی میں یوں غمِ قلب و نگاہ جلتے ہیں
کہ جیسے حبِّ علیؑ میں گناہ جلتے ہیں

متابعت میں صداقت کا بانکپن روزہ   وفا کے دشت میں خوشبوئے نسترن روزہ
خدا کے نام پہ تطہیر جان و تن روزہ   حسینیوںؑ کے لئے اسوۂ حسنؑ روزہ
بجھے گی پیاس اسی جستجو کے گلشن میں
رواں ہے چشمۂ کوثر اسی کے دامن میں

شکستہ پر کے لئے وجہِ بال و پر روزہ   مریضِ ہجر کو تسکینِ چارہ گر روزہ
وطن سے دور محبت کی رہگذر روزہ   زمیں کے پہلے مسافر کا راہبر روزہ
قبولیت کا ترانہ اسی اُمنگ میں ہے
دعائے حضرتِ آدمؑ اسی کے رنگ میں ہے

جو حق نما ہے وہ پیمانۂ یقیں روزہ   فدا ہیں جس پہ خدا والے وہ حسیں روزہ
یہی سمجھ کے تو رکھتے ہیں مومنیں روزہ   خدا کا حکم، رسالتؐ کا دل نشیں روزہ
رہِ حیات سے جو سر بکف گذرتے ہیں
وہ حق شناس مجاہد اسی پہ مرتے ہیں

اگر سلیقہ ناز و نیاز ہے روزہ   تو سوزِ عشق میں وجہِ گداز ہے روزہ
اگر مفصل حق و مجاز ہے روزہ   تو عینِ عشق بشرطِ نماز ہے روزہ
اگر نماز سے وابستہ اس کا نور نہیں
تو یوں سمجھئے تکلم تو ہے، شعور نہیں

ذرا صحیفۂ ماضی میں دیکھ اے ہمدم   خدا کے شہر سے گذرا ہے کاروانِ حرم
انہیں کے پاس ہے صوم و صلوٰۃ کا پرچم   خدا نے جن کو کہا اہلبیتِ خیرِ اُمم
عبادتیں ہیں علیؑ و بتولؑ کی محنت
خدا کا دین ہے آلِ رسولؐ کی محنت

وہ نورِ عینِ رسالتؐ وہ سیّدہؑ وہ بتولؑ   جنہیں خدا نے دیئے تھے حسنؑ حسینؑ سے پھول
حصارِ کون و مکاں ہے انہی کے پاؤں کی دھول   پیمبروںؑ کی دعائیں ہیں جن کے دم سے قبول
وہ اس خیال سے غافل نہ تھیں کسی صورت
انہیں عزیز تھا روزہ، نماز کی صورت

نہ اہتمامِ سحر تھا نہ کاوشِ افطار   غذائے نانِ جویں تھی متاعِ لیل و نہار
حریر و مخمل و کمخواب سے نہ تھا سروکار   رسولِ پاکؐ نے بخشی تھی رحمتوں کی دستار
کہاں یہ روشنی، چشمِ فلک نے دیکھی تھی
نبیؐ کی بیٹی نے روزے میں چکی پیسی تھی

ملی تھی بعدِ علالت حسینؑ کو صحت   تمام گھر کی مسرّت وہ حاصلِ عترت
نبیؐ کی آلؑ تھی اور تین روزوں کی منّت   جھکے تھے سجدۂ خالق میں نازشِ وحدت
نمازیوں نے نمایاں رُخِ ثواب کیا
ادائے شکر میں روزے کا انتخاب کیا

ہے یادگار وہ افطارِ صوم کا منظر   طعام کے لئے تیار آلِ پیغمبرؐ
کہ دفعتاً کسی محتاج نے کہا در پر   مرا سلام ہو، اے فاخرانِ نوعِ بشر
غریب و مفلس و نادار کی صدا سن لو
مرا سوال بھی اے آلِ مصطفٰےؐ سُن لو

صدائے مفلس و نادار پر اٹھے حیدرؑ　　خود اپنے حصے کا کھانا اٹھایا ہاتھوں پر
بہ اضطراب اٹھیں سیّدہؑ بہ دیدۂ تر　　حسنؑ حسینؑ بھی مغموم ہو گئے یکسر
بھرا جو دامنِ سائل نبیؐ کے پیاروں نے
زمیں کو چوم لیا آسماں کے تاروں نے

خدا پرستوں نے پانی سے جب کیا افطار　　شریکِ حال تھا فضہؓ کا حق نما کردار
اسی طرح سنی سائل کی تین روز پکار　　اسی طرح سے لٹایا خزانۂ ایثار
خوشی سے رنج سہے، تین دن غذا کے لئے
مگر غریب کا دل رکھ لیا خدا کے لئے

اس امتحان میں پایا جو کامیاب عمل　　فلک پہ جھوم اٹھی رحمتِ رحیمِ ازل
ملا یہ آلِ محمدؐ کو کارِ خیر کا پھل　　کھلا رسولؐ کے ہونٹوں پہ آیتوں کا کنول
رہِ خدا میں جو ایثار کے چراغ ہوئے
وہ ہل اتی کی فضاؤں میں باغ باغ ہوئے

انہیں کے واسطے اترے ہیں نعمتوں کے طبق　　دکھا گیا حدِ احساس جن کے دل کا ورق
انہیں کے ہاتھ میں ہے دو جہاں کا نظم و نسق　　جو دے گئے ہیں مساواتِ زندگی کا سبق
خراج لے گئے وہ لوگ درد مندوں سے
سکھا گئے جو محبت خدا کے بندوں سے

انہیں کو زیب ہے تقسیمِ بادۂ کوثر　　جو مہربان ہو خونِ جگر کے پیاسوں پر
انہیں کی گردِ قدم ہے ردائے شام و سحر　　بتا گئے جو بشر کو علاجِ دردِ بشر
شرابِ مرضیِ خالق وہی تو پی کے گئے
جو اپنے ہاتھ سے دشمن کا زخم سی کے گئے

وہ کیوں نہ خلق نبی کی حیات کہلائیں ' جو شفقتوں سے یتیموں کے ہاتھ دھلوائیں
تحائف ان کے لئے کیوں نہ خلد سے آئیں جو بے کسوں کو خوشی سے لباس پہنائیں
بھنور میں کشتیِ دیں کا وہی کنارا تھے
خدا کے بعد جو بیواؤں کا سہارا تھے

انہیں کے نام ہیں خلدِ بریں کی جاگیریں معاف کر گئے جو خادموں کی تقصیریں
دکھا گئے وہی رحم و کرم کی تنویریں جو آپ کھول گئے قیدیوں کی زنجیریں
بنا گئے وہی اپنا خدائے عادل کو
پلا گئے ہیں جو شربت خود اپنے قاتل کو

جبینِ صوم پہ لکھی ہے وہ حکایتِ غم کیا ہے خلق نے جب روزہ دار کا ماتم
مہِ صیام میں انیسویں سحر کی قسم کیا ہے خون میں ڈوبی ہوئی شفق نے رقم
رئیسِ شہرِ خدا، روزہ دار کو مارا
خدا کے گھر میں عبادت گذار کو مارا

صلوٰۃ و صوم کی دنیا میں مچ گیا کہرام لہو میں ڈوب گیا زندگی کا پہلا امامؑ
بجھائی تھی بنِ ملجم نے زہر میں وہ حسام دکھا کے داغِ جگر کہہ رہا تھا ماہِ صیام
خزاں کا دور نبیؐ کے چمن میں آیا ہے
خدا کے شہر کا سورج گہن میں آیا ہے

لحد میں احمدِ مرسلؐ ہوئے تھے نوحہ کناں بہشت میں ابو طالبؑ کی روح تھی گریاں
ملا وہ درد، پریشاں ہوا دلِ قرآں وفورِ آہ سے اسلام دے رہا تھا دھواں
خدا کے شیر کی حالت جو غیر ہوتی تھی
دلِ حسنؑ کی طرح ذوالفقار روتی تھی

شگفتہ نظر آیا جو بوترابؑ کا سر ہوا زمیں کا ارادہ کہ چھوڑ دوں محور
ملی جو راہ میں خورشیدِ آسماں کو خبر کہ آج میرا شہنشاہ ہے چراغِ سحر

لرز لرز کے کہا، اب کہاں قیام کروں
سفر کو آگ لگے، ماتمِ امامؑ کروں

پکارتا تھا یہ بجھتا ہوا مہِ کامل علیؑ کے بعد یہ دنیا ہے درد کی منزل
جب آفتاب ہی باقی نہیں تو کیا حاصل علیؑ کے بعد اُجالوں کی زندگی مشکل

نشانِ غم کو زمانہ مٹا نہیں سکتا
یہ داغ اب مرے سینے سے جا نہیں سکتا

خلا نورد ستارے یہ دے رہے تھے صدا غضب ہے صاحبِ معراج کو یہ رنج ملا
زمانہ جب کبھی اس رہ گذر میں آئے گا فلک سے بات کرے گی بشر کی عقل رسا

ابھی تصورِ علمِ ابوترابؑ نہیں
علیؑ کے پاؤں کی مٹی ہے ماہتاب نہیں

صدائے علم تھی، میرا جلال ختم ہوا جہاں میں نقص رہے گا کمال ختم ہوا
مثال ختم ہوئی، بے مثال ختم ہوا جواب جس کا نہیں وہ سوال ختم ہوا

امینِ وحیِ قیامت اسی کو کہتا ہے
علیؑ کا خون نہیں خونِ علم بہتا ہے

درِ بتولؑ پہ روتے تھے روزہ دار بتولؑ غموں سے چور تھے محبوبِ کردگار کے پھول
عجیب رنگ میں تھا انتظارِ نفسِ رسولؐ کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ فضہؑ جگر فگار و ملول

تمام زخمِ پدر تھا نگاہِ زینبؑ میں
پڑی ہوئی تھیں مصلے پہ سجدۂ رب میں

بلند ہو گئی فضّہؑ کی دکھ بھری آواز   وہ آ گئے شہِ مرداں امامِ شاہِ حجاز
پڑھی ہے مسجد کوفہ میں آخری وہ نماز   کہ اب نصیب نہ ہو گا یہ فخرِ ناز و نیاز
جبیں پہ زخم لئے روزہ دار آئے ہیں
نبیؐ کے لاڈلے خیبر کشا کو لائے ہیں

سنی جو فضّہؑ کی آواز دوڑے اہلِ حرم   اٹھیں مصلے سے زینبؑ مگر اٹھے نہ قدم
صدا یہ بھائیوں کو دی بہن ہے کشتۂ غم   خدا کے واسطے آ جاؤ اب لبوں پہ ہے دم
بہن نثار شہِ لافتیٰؑ کو لے آؤ
حرم سرا میں امامِ ہدیٰؑ کو لے آؤ

بہن کے درد بھرے دل پہ رو دیے بھائی   شہِ انام کی صورت بہن کو دکھلائی
گلے میں ڈال کے بانہیں پدر کی شیدائی   پکاری اے مرے بابا یہ کیا خزاں آئی
یہ کیسا زخم سرِ شاہِ دیں پہ دیکھتی ہوں
تمام زہر کی رنگت جبیں پہ دیکھتی ہوں

کہا علیؑ نے ہمارا سفر تمام ہوا   اب ایک روز کا مہمان ہے یہ عبدِ خدا
ملے گا صبح کو اکیسویں کی جامِ قضا   خدا کا شکر ادا ہو رہا ہے عہدِ وفا
شگاف سر کے لہو سے سکون پانا ہے
بہ حالِ صوم خدا کے حضور جانا ہے

جہادِ صبر بڑی چیز ہے مری زینبؑ   اسی عمل نے مٹائے تمام رنج و تعب
مصیبتوں میں ملا ہے لباسِ مرضیِ رب   ابھی تو ایک ہی تلوار ہے غموں کا سبب
ہزار زخم بدن میں مرے پسر کے لئے
زمانہ آگ لئے ہے نبیؐ کے گھر کے لئے

علیؑ کا زخم تو باندھا گیا ہے نورِ نظر
سناں کی نوک ہے اور میرے نورِ عین کا سر
علیؑ کے واسطے روئیں گی سب مری دُختر
مرے حسینؑ پہ رونے نہ دیں گے بانیِ شر
علیؑ کو قبر ملے گی کفن مہیا ہے
مرے غریب کا جلتی زمیں پہ لاشا ہے

ابھی سے اے مری زینبؑ یہ رنج و غم کا ہجوم
ابھی تو نرغۂ اہلِ جفا نہیں معلوم
ابھی سے اے مری زینبؑ یہ حالتِ مغموم
ابھی تو مرحلۂ شام ہے تیرا مقسوم
ابھی سے صدمۂ فرقت محال ہے زینبؑ
ابھی تو تیری ردا کا سوال ہے زینبؑ

سنا جو زینبِ مضطر نے یہ کلامِ پدر
کمالِ ضبط سے اتنا کہا بہ دیدۂ تر
ہوا ہے آج سے آغازِ کربلا کا سفر
مصیبتوں میں گھرا آج سے رسول کا گھر
حسینؑ کے لئے ہر دکھ اٹھاؤں گی بابا
میں سر کھلے اسی کوفے میں آؤں گی بابا

پھر اس کے بعد جو اکیسویں سحر آئی
پدر کی لاش تھی، روزہ تھا اور بہن بھائی
حسنؑ نے آخری پوشاک جبکہ پہنائی
نجف کی سمت چلا مصطفےٰؐ کا شیدائی
ہوا یہ غل اسدِ کردگار جاتا ہے
خدا کے شہر سے اب روزہ دار جاتا ہے

قلم کو روک لے قیصر مآل کار کے ساتھ
بیانِ صوم ہوا خوب اختصار کے ساتھ
جسے ہے عشق، شہنشاہِ ذوالفقار کے ساتھ
رواں رہے گا شریعت پہ اعتبار کے ساتھ
اگر فضیلتِ روزہ سے ہمکنار نہیں
قسم خدا کی رسولِؐ خدا سے پیار نہیں

◆◆

منقبت

قیصر بارھوی

فطرت کو جب، ادائے جہاں پروری ملی
مجھ کو غمِ حسینؑ سے وابستگی ملی

تقسیم کیں جو ربِّ ازل نے، ولایتیں
مجھ کو بنامِ کرب و بلا شاعری مِلی

برسے جہاں پہ عشرتِ پیہم کے زمزمے
مجھ کو شعورِ دَرد ملا، آگہی مِلی

پھولوں کے جام بادۂ شبنم سے بھر گئے
مجھ کو برنگِ اشکِ سخن دوستی ملی

کچھ اہلِ زندگی کو ملیں تاجداریاں
مجھ کو فقیریٔ درِ آلِ نبیؐ ملی

کچھ وہ جنہیں زمین پہ اُونچے محل مِلے
مجھ کو ابوترابؑ ملے، قنبریؓ مِلی

کچھ کم نظر، غرور میں فرعون بن گئے
مجھ کو یزیدیوں کے لئے دشمنی مِلی

گردش میں آ گئے جو ستاروں کے قافلے
مجھ کو دیارِ دل کے لئے رہروی مِلی

غارت گروں نے ظلم کے ہتھیار لے لئے
مجھ کو سُرورِ امن مِلا، آشتی مِلی

قیصرؔ اسی کے جشنِ ولادت کی دُھوم ہے
جس کے طفیل سلطنتِ شاعری مِلی

(منتخب اشعار)

قرآن کی کہانی

(قرآنِ مجید کی اہمیت اور نیزے پر امام حسینؑ کی تلاوت)

۵۲ بند۔ ۱۹۶۹ء

❖❖

محفل میں نمایاں تو ہوئے سینکڑوں قاری
لیکن جسدِ شوق رہا روح سے عاری
حجروں میں قیامت کی ہوئی، سجدہ گذاری
لیکن اسے کیا کہیے بجز کفر نگاری
اس طرح بھی انساں ہوسِ زر میں پھنسے ہیں
معصوم گلے کاٹ کے، سجدوں میں گئے ہیں

❖❖

قرآں کی کہانی

قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سُن لو — سرمایۂ فطرت پہ جو بیداد ہے سُن لو
دنیا بھی کہاں تک ستم ایجاد ہے سُن لو — اک خون میں ڈوبی ہوئی روداد ہے سُن لو
کیوں جلوۂ احساس نہیں قلب و نظر میں
دیکھو تو سہی، تیر ہے قرآں کے جگر میں

زخموں سے بھرا سورۂ عمران کا سینہ — یٰسین کے چہرے پہ ہے خوں رنگ پسینہ
اشکوں میں ڈھلی قسمتِ بطحا و مدینہ — صد پاش ہے تطہیر کا انمول نگینہ
صدیوں کا سفر کر کے بھی مغموم ہے قرآں
دیکھو تو سہی صورتِ مظلوم ہے قرآں

خاموش لبوں پر ہیں تکلم کے اشارے — دنیا نے بھی کیا نیزہ و خنجر نہیں مارے
دامن میں سمائی ہوئی آیات کے پارے — کہتے ہیں چلے ہم پہ بہت ظلم کے آرے
تحریر میں بکھرے ہوئے نقطوں کی صدا ہے
چھلنی دل آیات کو اُمّت نے کیا ہے

بے چین ہے جبریلؑ کا لایا ہوا دستور غمگیں ہے سرِ عرش سے آیا ہوا دستور
رنجور ہے قدرت کا سجایا ہوا دستور کہتا ہے محمدؐ کا سنایا ہوا دستور
صدمے جو ملے ہیں مجھے ایوانِ جہاں سے
اے اہلِ جہاں، آؤ سنو میری زباں سے

کہنے کو تو اُمت نے مجھے سر پہ بٹھایا آنکھوں سے لگایا کبھی سینوں میں سجایا
کہنے کو تو دنیا نے پڑھا پڑھ کے سنایا لیکن مرے مقصد کی طرف کوئی نہ آیا
جتنے مرے پیکر تھے پریشاں نظر آئے
زندانوں سے لاشے اٹھے نیزوں پہ سر آئے

ہر دور میں بخشا مجھے وحدت نے تکلم چھینا گیا لیکن مرے ہونٹوں کا تبسم
ٹکرا گیا ایقان سے دنیا کا توہم مغموم تلاوت رہی مسرور ترنم
یوں دُور کیا علم کو اوصافِ عمل سے
آیت کی جگہ فال نکالی ہے غزل سے

محفل میں نمایاں تو ہوئے سینکڑوں قاری لیکن جسدِ شوق رہا روح سے عاری
حجروں میں قیامت کی ہوئی، سجدہ گذاری لیکن اسے کیا کہیے بجز کفر نگاری
اس طرح بھی انساں ہوسِ زر میں پھنسے ہیں
معصوم گلے کاٹ کے، سجدوں میں گئے ہیں

تسخیر ہوئے ملک، بڑھائے گئے لشکر کلمے کی اشاعت ہوئی شمشیر کے بل پر
احکام چلے، جبر و تشدّد کے سمندر تفریحِ طبیعت کے لئے جلتے رہے گھر
لا تفسد و فی الارض کا فرمان بھلایا
دولت پہ تو مرتے رہے، انسان بھلایا

کعبے میں تو کثرت سے نظر آتے ہیں حجاج　　آنکھوں سے مگر دور، عبادات کی معراج
اے کاش کبھی سوچتے یہ عقل کے محتاج　　کیوں لٹ گیا میں کیوں مرا گھر ہو گیا تاراج
کیا مجھ پہ گزرتی ہے یہ سوچا نہ کسی نے
دشمن ہیں مرے کون، یہ دیکھا نہ کسی نے

تحریمِ حرم کے لئے احرام تو باندھا　　قائم رہا احساس پہ غفلت کا اندھیرا
سوچا ہی نہیں کیا ہے عدالت کا تقاضا　　ہر طرح سے کردار پہ غالب رہی دنیا
کعبے کی جو قسمت ہے وہ منظر نہیں دیکھا
دیوار کو بوسے تو دیے در نہیں دیکھا

میں پردۂ توحید سے آیا ہوا اعجاز　　سینے میں لئے قدرتِ معبود کا انداز
پہلے تو بنا، آدمؑ و حوا کی تگ و تاز　　بعد ان کے کبھی شیثؑ کبھی نوحؑ کی آواز
جب نوحؑ نے کچھ نام سفینے پہ لکھے تھے
دنیا کو مری شرح کے عنوان ملے تھے

عنوان پڑھے رُک گئی طغیانیِ طوفاں　　پانی پہ فدا ہو گئی بیداریِ انساں
پھر بھی نہ یہ سوچا کہ ہوئے کون نگہباں　　احسان فراموش بنے پیروِ شیطاں
جو اپنے پیمبرؐ کی محبت سے جدا تھے
لاریب، وہی خمسۂ وحدت سے جدا تھے

پڑھتا کوئی گذرے ہوئے طوفان کی تحریر　　عبرت کا صحیفہ تھا کہ ایمان کی تحریر
صحراؤں کے سینے پہ بڑی شان کی تحریر　　سمجھا گئی یہ بات وہ ایقان کی تحریر
جو لوگ پیمبرؐ کے سفینے میں نہیں ہیں
وہ رحمتِ یزداں کے مدینے میں نہیں ہیں

کیا چیز تھے نمرود کی تدبیر کے شعلے　　جیسے دلِ ابلیس کی تقصیر کے شعلے
کیا یاد نہیں کفر کی تصویر کے شعلے　　ظالم کے خیالات میں تعزیر کے شعلے
اس دم جو پکارا مجھے تسلیم کی خاطر
قالین تھا پھولوں کا، براہیمؑ کی خاطر

بیٹے کا گلا دستِ براہیمؑ میں خنجر　　تکمیلِ محبت کی ادا، عزمِ پیمبرؑ
قربانیِ حیواں ہوئی بیٹے کی جگہ پر　　کہیے جسے ذرّیتِ آدمؑ کا مقدر
آئندہ جو لکھی گئی معراجِ شہادت
پیغمبرِؐ آخر کو ملا تاجِ شہادت

کہتا ہے زرہ سازیِ داوٗدؑ کا عالم　　تھا پنجۂ داوٗدؑ میں اعجاز مرا دم
آثارِ زبور آج بھی کہتے ہیں یہ پیہم　　توحید کا جلوہ ہے مری شانِ مکرم
جب میری کہانی لبِ معصوم سنائے
فولاد میں کیوں موم کی تاثیر نہ آئے

تاثیر فصاحت سے وہ معصوم ترنم　　کہتے ہیں جسے عاشقِ وحدت کا تکلم
انساں کی طرح فطرتِ حیواں میں تلاطم　　وہ لحن، وہ آواز کے پھولوں کا تبسم
انداز جو مخلوق کا دل کھینچ رہے تھے
داوٗدؑ نے کچھ میرے ہی الفاظ کہے تھے

ہر گوشۂ عالم پہ سلیمانؑ کی شاہی　　یا زیرِ نگیں جن و بشر، طائر و ماہی
سطوت پہ وہ محکوم ہواؤں کی گواہی　　دربار میں وہ بارشِ الطافِ الٰہی
منشائے سلیمانؑ پہ آصفؒ کی دعا سے
میں لایا تھا بلقیس کو گلزارِ سبا سے

وہ مہرِ سلیمانؑ بخدا نعمتِ اکبر   قیمت میں جسے کہئے حکومت کا مقدر
جس وقت روانہ ہوئی صدیوں کے سفر پر   کوفے میں نمازِ اسداللہؑ سے مل کر
اس طرح سے خیرات ہوئی راہ خدا میں
ملتا ہی نہیں جس کا جواب اہلِ سخا میں

بڑھتی رہی تبلیغ کے دریا کی روانی   تبلیغ کا دریا تھا کہ وحدت کی کہانی
پیتی رہی دنیا مری تاثیر کا پانی   تاثیر کا پانی تھا کہ اعجاز بیانی
ہر بحر میں وابستہ رہا خلقِ خدا سے
روشن دلِ الیاسؑ ہوا میری ضیا سے

میں نے ہی نبوّت کی ہر اک بات بنائی   سورج کی کرن خوردہ ماہی کو دکھائی
میں نے ہی سیہ وقت میں کی جلوہ نمائی   تقدیرِ نبوّت تھی مری عقدہ کشائی
یونسؑ نے جو گھبرا کے مرا نام لیا تھا
حق نے لحدِ آب سے آزاد کیا تھا

ہر درد کو آرام کی صورت، مری ہستی   ہر غم کے لئے مژدۂ راحت، مری ہستی
ہر قلب کو تسکین مشیّت، مری ہستی   ہر فکر کو عرفانِ حقیقت، مری ہستی
جب اس نے مرے ذکر کو محبوب کیا تھا
میں نے ہی علاجِ غمِ ایوبؑ کیا تھا

یعقوبؑ کے ہونٹوں پہ دعا بن کے جب آیا   میں نے قفسِ چاہ سے یوسفؑ کو چھڑایا
معصوم کو الزامِ زلیخا سے بچایا   اور خواب کی تعبیر کا سب علم سکھایا
زندان میں جب میرے توسّل سے دُعا کی
اللہ نے یوسفؑ کو حکومت بھی عطا کی

کیا یاد نہیں صاحبِ توریت کی حالت کیا بھول گئے طور کے جلنے کی حکایت
ربِّ ارنی میں دلِ معصوم کی جرات وہ جراتِ معصومؑ وہ انکارِ مشیّت
ایسے میں جو بے ہوشیِ موسیٰؑ کی خبر تھا
وہ صرف مری جلوہ نمائی کا اثر تھا

فرعون کے گھر میں وہ پیمبرؑ کی حفاظت کانٹوں میں ہو جس طرح گلِ تر کی حفاظت
بچے کے مقدر سے وہ مادر کی حفاظت کہیے جسے عصمت کے سمندر کی حفاظت
بے شاخ کوئی برگ و ثمر جی نہیں سکتا
معصوم کبھی شیرِ دگر پی نہیں سکتا

پیغمبرِ آخر پہ لگاتے ہیں جو الزام ان کو نہیں عصمت کے معانی سے کوئی کام
سرخیلِ نبوّت کا ملا ہو جسے انعام موسیٰؑ سے فضیلت میں سرفراز ہے وہ نام
شہکار میں ہو نقص کبھی ہو نہیں سکتا
دائی کا پیئے دودھ نبیؐ، ہو نہیں سکتا

شاہد ہے مسیحایِ عیسیٰ بنِ مریمؑ آئینہ مجھے کیفیتِ نبضِ دو عالم
میرا ہی شرف، صاحبِ انجیل کا پرچم بے دم کو مرے نام کے صدقے میں ملا دم
گہوارۂ آغوش میں گویا مرا دم تھا
گردوں پہ اٹھانا مرا اندازِ کرم تھا

عیسیٰؑ کی سکونت جو مسلّم ہے فلک پر قانونِ مشیّت کا تقاضا ہے سراسر
آئے گا رسالتؐ کا محافظ کوئی رہبر آخر میں کوئی ذات یقیناً ہے مقرر
دونوں بخدا دین پناہی کے لئے ہیں
عیسیٰؑ بھی تو مہدیؑ کی گواہی کے لئے ہیں

پھر جلوۂ تبلیغ نئے رنگ سے اُبھرا عالم پہ ہویدا ہوا توحید کا منشا
یوں ابرِ کرم چہرۂ ایجاد پہ برسا خلاقِ جہاں نے مجھے صورت سے نوازا
تجسیم کیا رحمتِ کامل سے سجا کر
آخر مجھے ظاہر کیا محبوب بنا کر

جس وقت ہوا شہرِ براہیمؑ کی زینت سینے سے لگی خانۂ توحید کی عظمت
دیکھا مرا چہرہ تو اڑی کفر کی رنگت سرگرمِ تبسم ہوئی اسلام کی حالت
فطرت مرا اندازِ عمل دیکھ رہی تھی
پتھریلے خداؤں کو اجل دیکھ رہی تھی

جاری مرے لب پر جو ہوا نعرۂ تکبیر آندھی کی طرح پھیل گیا شعلۂ تاثیر
الحاد کے پاؤں میں پڑی موت کی زنجیر انجام سے ٹکرائی ابوجہل کی تقدیر
بطحا کی زمیں گونج اٹھی میری صدا سے
بجھنے لگے باطل کے دیے حق کی ہوا سے

کم ظرف نگاہوں نے جو دیکھا مرا عالم تدبیر مرے قتل کی ہونے لگی پیہم
ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کوئی مونس و ہمدم برگشتہ ہر اک دل تھا تو ہر آنکھ تھی برہم
کوڑا کہیں راہوں میں گرایا گیا تن پر
پتھراؤ زمانے نے کیا میرے بدن پر

اٹھتے تھے کہیں ہاتھوں میں خنجر مری خاطر بچھتے تھے کہیں کانٹوں کے بستر مری خاطر
سینے تھے جفاؤں کے سمندر مری خاطر حد ہے کہ ستم گر تھے ستم گر مری خاطر
شمشیر بہ کف برسرِ پیکار تھی دنیا
اک میرے لئے درپئے آزار تھی دنیا

ایسے میں جو سایہ ابوطالبؑ کا ملا تھا　　میں ظلم کے سورج کی تمازت سے بچا تھا
کیا کیا نہ مرے محسنِ اوّل نے کیا تھا　　بیٹوں سے زیادہ مجھے محفوظ رکھا تھا
اس طرح مرا ساتھ دیا راہِ خدا میں
ہر وقت مری ڈھال رہا اہلِ جفا میں

سینہ ابوطالبؑ کا نہ تھا، دین کا گھر تھا　　وہ مصدرِ اسلام تھا، ایماں کا شجر تھا
ایثار کا، جرأت کا، شرافت کا گہر تھا　　حق یہ ہے کہ توحید کا معیارِ نظر تھا
سو یا سبقِ فرض زمانے کو پڑھا کے
دنیا سے سدھارا مجھے پروان چڑھا کے

اس شان سے تبلیغ کا رستہ ہوا ہموار　　خلاقِ دو عالم نے عطا کی مجھے تلوار
تلوار پہ کعبے نے لکھا حیدرِ کرار　　اس نام کی برکت سے بڑھی دین کی رفتار
دل بن گئی اُلفت مرے سینے میں سمٹ کر
میں جھوم اٹھا قوتِ بازو سے لپٹ کر

اللہ رے مرے قوتِ بازو کا سہارا　　جس طرح کسی ناؤ کو مل جائے کنارا
یکبار مجھے وحیِ مشیّت نے پکارا　　اب حکمِ خدا میں نہیں تاخیر گوارا
اس وقت یہ فرمان خدا اوڑھ کے اٹھا
میں ختمِ نبوّت کی رداد اوڑھ کے اٹھا

اعلانِ رسالت سے پریشانیِ کفار　　کفار کی یلغار سے اسلام کی پیکار
پیکار میں پڑتی ہوئی تلوار پہ تلوار　　تلوار کے آئینے میں وہ موت کی جھنکار
میدان جو کفار کی لاشوں سے بھرا تھا
میں قوتِ بازو کی طرف دیکھ رہا تھا

بدر و احد و خندق و خیبر کی کہانی   دنیا کو مرے قوتِ بازو کی نشانی
وہ جرات عنتر ہو کہ مرحب کی جوانی   ہر ایک پہ غالب مری تلوار کا پانی
جو کچھ تھا شرف، نفسِ پیمبرؐ کے لئے تھا
ہر فتح کا سہرا سرِ حیدرؑ کے لئے تھا

میدان میں لاکھوں سے کبھی میرا بتانا   یہ قوت بازو ہے مرا بھول نہ جانا
حقدار کو ہاتھوں پہ کئی بار اٹھانا   حجت کے لئے شکلِ اولی الامر دکھانا
نکلا تھا جو اکملتُ لکم میری زباں سے
وہ اصل میں وارث کا تعارف تھا جہاں سے

دنیا نے مگر سب مرے احسان بھلائے   پڑھتے تھے جو کلمہ، وہ مرے کام نہ آئے
یوں زہر بھرے تیر مرے دل پہ لگائے   زہراؑ کے پسر خون کے دریا میں نہائے
یوں لوٹ لیا باغ، مری نورِ نظر کا
لاشہ تھا کڑی دھوپ میں ہر برگ و ثمر کا

اغلب تھا کہ ڈوبے مری محنت کا سفینہ   اغلب تھا کہ غالب ہو جہالت کا قرینہ
اغلب تھا کہ ٹکڑے ہو صداقت کا نگینہ   اغلب تھا مٹے حرمتِ بطحا و مدینہ
محنت کو مری دے کے دلاسہ نکل آیا
میداں میں مرا چھوٹا نواسہ نکل آیا

میں کیا کہوں کیا تھی مرے شبیرؑ کی ہمت   شبیرؑ کی ہمت نے بچا لی مری عزت
صحرا کی تپش، گرم ہوا، عالمِ غربت   بچوں کے تڑپنے کی صدا، پیاس کی شدّت
سینے میں بڑے صبر کا سامان لیے تھا
شبیرؑ مرے عزم کا طوفان لیے تھا

جس وقت بڑھا میری طرف خنجرِ باطل　　فوراً مرے شبیرؑ ہوا مدِّ مقابل
گردابِ یزیدی جو اٹھا صورتِ قاتل　　شبیرؑ ہی ٹھہرا مری آیات کا ساحل
جو ہاتھ اٹھا، اپنا ہدف مجھ کو بنا کر
وہ ٹوٹ گیا پنجۂ شبیرؑ میں آ کر

عاشورِ محرّم کا ورق دیکھ لے انساں　　فوجوں میں گھرا تھا مری عظمت کا نگہباں
بکھرا ہوا پانی کی طرح خونِ عزیزاں　　ہاتھوں پہ لئے لاشِ جواں، دین کا سلطاں
ظالم نے جو خونِ علی اکبرؑ میں بھری تھی
دراصل وہ برچھی مرے سینے پہ لگی تھی

شبیرؑ کا وہ یوسفِؑ ثانی، علی اکبرؑ　　وہ بولتا اک میرا مرقع، مرا پیکر
وہ لال جو زینبؑ کا کلیجہ، دلِ مادر　　وہ چاند جو خط کھینچتا جاتا تھا زمیں پر
سر پیٹ کے خوشبو نکل آئی تھی چمن سے
بہتا تھا لہو سورۂ یوسفؑ کے بدن سے

قربانیِ اکبرؑ کی ادا اور دلِ شبیرؑ　　دیکھی نہیں کونین نے یہ صبر کی تصویر
اکبرؑ کی جوانی سے ہوئی دین کی تعمیر　　خود بول اٹھی خوابِ براہیمؑ کی تعبیر
بے شک سرِ خلعت کے لئے تاج یہی ہے
معیارِ براہیمؑ کی معراج یہی ہے

بھولے گا نہ اسلام وہ اصغرؑ کا تبسّم　　قربانیوں کی آخری آیت کا تکلّم
وہ تیر، وہ بے شیر، وہ فطرت میں تلاطم　　اک پھول سے بچے کا وہ فوجوں سے تصادم
وحدت کے کمالات کی تصویر بچا لی
اک نقطے نے آیات کی توقیر بچا لی

آخر میں دیا سجدۂ آخر نے وہ پیغام　　شبیرؑ مری جان ہے، شبیرؑ مرا نام
سر کٹ گیا مظلوم کا مقتل میں ہوئی شام　　زندہ رہیں آیاتِ بقا پا گیا اسلام
قرات جو سرِ نیزہ پہ ترتیل ہوئی تھی
تفسیر میں "والعصر" کی تکمیل ہوئی تھی

تن خاک پہ تھا نیزے پہ سر کرتا تھا اعلان　　مرتا نہیں وحدت کے صحیفوں کا نگہبان
انصاف اگر ہوگا تو کہہ دیں گے مسلمان　　قرآن سے شبیرؑ ہے شبیرؑ سے قرآن
قرآں کے حوالے سے جو حق بات کہیں گے
وہ مجلسِ شبیرؑ سے وابستہ رہیں گے

کیا مجلسِ شبیرؑ نہیں غم کی کہانی　　کیا منظرِ عاشور نہیں مرثیہ خوانی
دیکھو تو عزاداروں کے اشکوں کی روانی　　اشکوں کی روانی ہے مودّت کی نشانی
بکھرے ہیں جو مظلوم کی تصویر بنا کے
آنسو نہیں موتی ہیں وہ زہراؑ کی دعا کے

جس نے بھی جہاں ذکر کیا کرب و بلا کا　　جس گھر میں بھی مظلوم کا ماتم ہوا برپا
ملتا ہے جہاں اُجڑے ہوئے باغ کا پرسا　　سر کھولے ہوئے فرش پہ آجاتی ہیں زہراؑ
دیتی ہیں دعا چوم کے غمخواروں کے آنسو
لے جاتی ہیں دامن میں عزاداروں کے آنسو

◆◆◆

منقبت

قیصر بارھوی

حریّت کے دائرے میں فکر کی زنجیر ہے
میں حسینی ہوں مری آواز عالمگیر ہے

کیا گلستانِ تخیّل، کیا بیانِ انقلاب
جو مرے دامن میں ہے وہ صدقۂ شبیرؑ ہے

یا علیؑ کہہ کر چلا ہوں جادۂ تبلیغ پر
ذوقِ منزل ہمسفر ہے رہنما تکبیر ہے

یوں مرے اشعار میں ہے گرمیِ حُبِّ علیؑ
جیسے ٹھنڈے بادلوں میں قُلزمِ تبخیر ہے

ایک دن رُوح و بدن کی دشمنی کُھل جائے گی
شیشۂ میزان میں ہر کردار کی تصویر ہے

منصب و دولت پہ اترائے نہ کوئی آدمی
خواب ہے ہر سلطنت، گردِ فنا تعبیر ہے

زندگی کو دیکھیے چشمِ زہیر قینؑ سے
ساغرِ تسلیم سے بربادیِ تکفیر ہے

دیدۂ حُرؑ ہے تو پھر یہ فیصلہ ہو جائے گا
کیا مقامِ فخر ہے، کیا منزلِ تحقیر ہے

جذبۂ اکبرؑ ہو یا پیمانۂ جوشِ حبیبؑ
زندگی مقتل میں میزانِ جوان و پیر ہے

مصطفیٰؐ کو اور آلِ مصطفیٰؐ کو دیکھیے
مختلف آیات لیکن ایک ہی تفسیر ہے

(منتخب اشعار)

جنابِ سیّدہؑ

(حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فضائل اور دردناک مصائب)

۶۲ بند۔ ۱۹۹۳ء

◆◆

❖❖

وہ سیّدہؑ، وہ فاطمہؑ، آئینۂ نبیؐ
پیغمبری کی روح، جگر گوشۂ نبیؐ
اسلام پروری میں شرف بستۂ نبیؐ
منصب نہ ہو سوال تو ہم رتبۂ نبیؐ
زیبا ہے سر پہ عصمتِ عالم کا تاج بھی
جانِ پدر بھی اور محمدؐ مزاج بھی

❖❖

جنابِ سیّدہؑ

رکھیے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں　　تقدیس گلفشاں ہے تکلّم کی راہ میں
اُلجھے نہ تارِ فکر کسی اشتباہ میں　　قرآن ہے پناہِ رسالتؐ پناہ میں
پورے معاشرے کی ضمانت دیے ہوئے
اسلام کے حروف ہیں پیکر لیے ہوئے

خلاقیت کی شان، وہ پیکر، وہ روشنی　　جیسے دکھائے کنزِ خفی نقشۂ جلی
حدِّ جلا پہ آئینۂ حسنِ بندگی　　یہ حسنِ بندگی ہے فقط عترتِ نبیؐ
قائم ہیں سب اصولِ حرم عرض و طول میں
قرآں کلام کرتا ہے صحنِ رسولؐ میں

صحنِ رسولؐ کیا ہے مشیّت کی جلوہ گاہ　　یہ جلوہ گاہِ محورِ دیں، آسماں پناہ
نظارۂ شرف پہ کھبے عرش کی نگاہ　　وحدت کی روشنی ہیں اسی گھر کے مہر و ماہ
زندہ نماز ان کے قیام و قعود سے
کعبہ خدا کا گھر ہے انہی کے سجود سے

آیات کے وجود کی آیت بیانیاں مصحف جنھیں سلام کریں وہ نشانیاں
حرفوں میں انبیائے سلف کی کہانیاں لفظوں کے سلسلے ابدی کامرانیاں
آراستہ شعور کی راہِ ثبات ہے
ہر بات کاروانِ ادب کی حیات ہے

سردارِ کائنات کا وہ مقصدِ عظیم روئے زمیں پہ سب کے لئے رحمتِ رحیم
یعنی بجز خدا نہیں کوئی احد کریم ہر شخص اختیار کرے راہِ مستقیم
فردِ عمل پہ خیرِ عمل کی جلا بھی ہو
منظر میں بولتا ہوا دینِ خدا بھی ہو

اصلاحِ آلِ آدمؑ و حواؑ پہ وہ نظر یعنی شعورِ زیست ہو فطرت سے بہرہ ور
شرم و حیائے عالمِ نسواں ہو باخبر ہر نہج پر دوشالۂ عصمت ہو زیب سر
مطلق شریعتِ ابدی پر عمل رہے
جینا ہے دین پر یہ ارادہ اٹل رہے

یہ لازوال فکر ہے وہ بے خزاں چمن صحرا بھی جس کے دم سے ہوئے سبز پیرہن
دشت و جبل کے ہونٹ سناتے ہیں یہ سخن فکرِ نبیؐ سے ہے مدنیت میں بانکپن
زندہ جو کاروانِ تمدّن کا نام ہے
سب آمنہؑ کے نورِ نظر کا نظام ہے

سرمایۂ رسولؐ وہ گلدستۂ رسولؐ معصوم تاجدارِ امامت ہیں جس کے پھول
پھولوں میں اک شگفتہ کلی طاہرہ بتولؑ عصمت مآب، کنزِ حیا، مرکزِ اصول
کیا حلقۂ اصول کا زرّیں نظام ہے
خوشبو ہے جس کا نام، وہ زہراؑ کے نام ہے

خوشبوئے گلستانِ رسالت پہ گفتگو
یہ منزلِ کلامِ فرشتوں کی آرزو
بن جائیں حرف و لفظ دو عالم کی آبرو
ممکن ہے پھر تخیلِ توصیف میں نمو

کیسے رکھوں جو عقلِ رسا پر محیط ہیں
زہراؑ کے وصف ارض و سما پر محیط ہیں

خالق جسے بنائے دلِ نورِ اوّلیں
پرنور جس کے دم سے ہے یہ دہر کی جبیں
حق الیقیں ہو جس کیلئے منزلِ یقیں
اس کی فضیلتوں کا احاطہ، نہیں نہیں

پیکر میں سب خصالِ رسالتؐ لئے ہوئے
بیٹی ہے اپنے باپ کی سیرت لئے ہوئے

سیرت ہو جس کی سیرتِ سلطانِ انبیاءؑ
اس کا وجود عظمتِ ایوانِ انبیاءؑ
کیسے نہ ہو وہ نکہتِ بستانِ انبیاءؑ
جھولا جسے جھلائے سلیمانِ انبیاءؑ

دنیا میں جنتوں کی ہوا خوریاں ملیں
سبحان ربنا کی جسے لوریاں ملیں

وہ سیّدہؑ، وہ فاطمہؑ، آئینۂ نبیؐ
پیغمبری کی روح، جگر گوشۂ نبیؐ
اسلام پروری میں شرف بستۂ نبیؐ
منصب نہ ہو سوال تو ہم رتبۂ نبیؐ

زیبا ہے سر پہ عصمتِ عالم کا تاج بھی
جانِ پدر بھی اور محمدؐ مزاج بھی

ماں سے وراثتاً وہ سرافرازیٔ نسب
تاریخ بھی سنے تو پکارے، ادب ادب
وابستۂ جلالِ شرف، ملکۂ عرب
سب دبدبہ جلالِ خدیجہؑ سے منتسب

ماں نے تمام زر جو دیا دین کے لیے
ایثار بن گیا دلِ یٰسین کے لیے

تاثیر کی گلابیاں ماں کی دعا ہوئیں سب روشنیاں آئینۂ مصطفیٰؐ ہوئیں
آیات ایک جسم کی صورت عطا ہوئیں سمٹیں جو رحمتیں تو دلِ فاطمہؑ ہوئیں
گلشن کی شاخ شاخ، ثمر دیکھنے لگے
ماں باپ لازوال سحر دیکھنے لگے

خیرالانامؐ، صبحِ نظر، روشنی صفات نورِ نظر میں دیکھ کے اسلام کی حیات
بولے برنگِ شکر کہ اے ربِّ کائنات اب فاطمہؑ کی بات سے ہے مصطفیٰؐ کی بات
یارب اسے وہ زیورِ حق انتساب دے
جو تیرے دیں کو میرے عمل کا شباب دے

دُرِّ یتیم کی یہ دعا اور مستجاب محبوب کا سوال تو محبوب کا جواب
حوروں نے یوں برنگِ قصیدہ کیا خطاب شہزادیٔ زمان و مکاں عرش انتساب
ہر چیز کائناتِ نبیؐ پر نثار ہے
دنیا تو فاطمہؑ کے قدم کا غبار ہے

خاتونِ فرش و عرش، سکونِ دلِ رسولؐ مریمؑ صفت، سرشتۂ تخلیق میں بتولؑ
بالواسطہ دعاؤں میں سرنامۂ قبول وہ نورِ حق، سلام کریں روشنی کے پھول
جیسے دعائے نور میں قدرت کا نور ہے
یوں فاطمہؑ کا دینِ خدا میں ظہور ہے

اللہ اکبر، آئینۂ روئے حق نگار کلمے کے حرف زینتِ لب، حمدِ افتخار
حی علی الصلاح کے موتی گلے کا ہار ہاتھوں میں صدق و نور کے کنگن سدا بہار
خیرالعمل کے دُرِّ نجف دونوں کان میں
توحید کی تمام صداقت زبان میں

تسبیحِ ربِّ ارض و سما حاصلِ دہن   منشائے کردگار کی پوشاک زیب تن
گویا نصابِ عظمتِ اسلام ہر سخن   پورا مزاج مرضیِ پیغمبرِ زمن
وابستۂ خیال وہ جلوے شعور کے
لب کیا کھلے چھلک گئے پیمانے نور کے

تکمیلِ بندگی کی ادا ہر نفس بہم   تہذیبِ جادۂ ابدیت قدم قدم
وہ احتیاط ناز کرے حرمتِ حرم   خوشنودیِ خدا کے تبسّم سے محترم
دل یوں الگ تعیّشِ لیل و نہار سے
جس طرح عرش دور زمیں کے غبار سے

ہر خطۂ زمیں کو ابد گیر روشنی   ارضِ عرب پہ فاطمہ زہراؑ کی زندگی
انسانیت جواب نہ لائے وہ آگہی   کل عالمِ نساء کے لئے روح پروری
ساری بصیرتوں کا احاطہ کیے ہوئے
اک مختصر حیات، زمانے لیے ہوئے

جس کے حروفِ حق کے لئے تا ابد شباب   چوبیس سال عظمتِ نسواں کی وہ کتاب
معصوم انقلاب میں ہر لمحہ کامیاب   ہر لمحۂ وجود میں معصوم انقلاب
کردارِ فاطمہؑ سے اگر کچھ قریب ہے
ہر سانس کو تفسیرِ قرآں نصیب ہے

بربادیِ شعور ہو جس وقت رونما   فاسد جہاں ہو سلطنتِ فکر کی ہوا
منزل رسا ہے بنتِ پیمبرؐ کا نقشِ پا   انسانیت کو غیب سے آتی ہے یہ صدا
مربوط حق جو علم و عمل کا بیان ہے
عورت میں بھی امورِ قیادت کی شان ہے

جب سجدۂ ریا ہو سرِ آستانِ وقت جب خود غرض مزاج بنیں پاسبانِ وقت
اپنا ضمیر بیچ دیں جب مفتیانِ وقت لازم ہے آئے کوئی سعادت نشانِ وقت
دیکھے جو اہلِ حرص کی بزمِ نشاط کو
تسبیحِ فاطمہؑ سے اُلٹ دے بساط کو

معیارِ زندگی کی طلب گار عورتیں بنتِ نبیؐ کی راہِ عمل پر اگر چلیں
دعویٰ ہے صرف نور ہو، سب ظلمتیں مٹیں وہ آبروئے فکر و نظر دے خدا انہیں
گھر میں تمام جلوۂ ایماں دکھائی دے
دنیا کے گیت ختم ہوں قرآں سنائی دے

غالب رہے تمیز، سفید و سیاہ کی موجِ ثواب ناؤ ڈبو دے گناہ کی
صورت بدل کے سلسلہ رسم و راہ کی خوشبو ملے نظامِ رسالتؐ پناہ کی
بھر دے زمانہ رنگِ مودّت فضاؤں میں
خنداں ہوں دل اطاعتِ زہراؑ کی چھاؤں میں

جانِ معاشرہ ہے وہ گھر، فاطمہؑ کا گھر زندہ ہے جس کے سائے سے تاریخِ بام و در
بعدِ رسولؐ چار طرف غربتِ نظر ضربِ معاش اور چمنِ سیّدالبشرؐ
دنیا جو بھر گئی نگہِ تخت و تاج میں
شامل ہوا سوالِ فدک احتجاج میں

وہ احتجاجِ فاطمہؑ زہرا بنامِ حق جس نے عدالتوں کو دیا اِک پیامِ حق
یعنی جہاں ہو فکر شکستِ نظامِ حق اُمّت کی بیٹیاں ہوں معیّن قیامِ حق
آئے نہ دل پہ زنگ، خیالِ کثیف سے
آیت نہ ہو ضعیف، حدیثِ ضعیف سے

کتنا ہی سخت مرحلہ پیشِ نگاہ ہو دربارِ خوف یا غضبِ بادشاہ ہو
منظر سنان درد ہو یا ضربِ آہ ہو ہر دم نظر میں دینِ رسالتؐ پناہ ہو
دستِ خرد میں حق طلبی کا نشاں رہے
اسلام پروری کا ارادہ جواں رہے

اسلام پروری ہے وہ سامانِ زندگی سجتا ہے جس کے نور سے ایوانِ زندگی
اسلام وہ تدبّرِ شایانِ زندگی خود موت بھی جہاں ہے نگہبانِ زندگی
پھر کیوں نظامِ جبر سے خائف نظر رہیں
لب پر خدا کا نام، ہتھیلی پہ سر رہیں

بے شک شعورِ پیرویِ بنتِ مصطفیٰؐ اک مستقل حصولِ شرافت کا سلسلہ
لیکن اک اور بھی ہے مودّت کا مدعا یہ بھی پڑھیں کہ مرتبۂ فاطمہؑ ہے کیا
سر کھل گیا تو چھپنے لگا آفتاب بھی
تعظیم کو اٹھے ہیں رسالت مآبؐ بھی

وہ خانۂ علیؑ میں رفاقت کی انتہا قرآں مزاج، اُلفتِ زوجین کی ادا
ہم فکر و ہم خیال و ہم آواز و ہم رضا ہر حال میں تبسمِ دینِ خدا ملا
پھل کیا ملے ریاضِ وفا کی بہار کو
پیار آ گیا مشیّتِ پروردگار کو

آنگن میں دو گلاب کھلے روحِ گلستاں دو کلیاں مسکرائیں مہکنے لگا مکاں
کچھ اور مہرباں ہوا خلّاقِ دو جہاں دونوں گلاب پا گئے سرداریِ جناں
ماں باپ کے لبوں سے وہ کامل دعا ملی
کلیوں کو آبروئے چمن کی ردا ملی

دونوں گلاب، اسمِ مبارک حسنؑ حسینؑ دونوں امام، قصرِ امامت کی زیب وزین
انسانیت نواز، تجلائے قبلتین دونوں شرف پناہ، پیمبرؐ کے دل کا چین
نورِ خدا کے آئینے اُمت کو مل گئے
دو چاند آسمانِ شریعت کو مل گئے

کلیاں بنامِ زینبؑ و کلثومؑ ذی وقار باغیچۂ بتولؑ پہ انعامِ کردگار
وہ سیّدہ کی لاڈلیاں، سیّدہ شعار وہ بیٹیاں، علیؑ بھی کہیں باصد افتخار
ان صورتوں سے بات سرانجام ہو گئی
شکرِ خدا، حفاظتِ اسلام ہو گئی

یہ باغِ فاطمہؑ، یہ ابد آشنا بہار تا حشر آبروئے تمدّن خدا کا پیار
انساں اگر ہوں ان کی مودّت سے تابدار ممکن نہیں کسی بھی زمانے میں خلفشار
پاکیزگیِ قلب و نظر مستقل رہے
رشکِ جناں یہ آئینۂ آب و گِل رہے

بڑھتی رہی عنایتِ اللہ الصمد ہر سانس میں وہ معرفتِ واحد و احد
تبلیغِ بالعمل جو ہوئی دین کی مدد آیا امینِ وحیؑ سنبھالے ہوئے سند
پیشِ خدا یہ مرتبہ بنتِ رسولؐ کا
قرآن پڑھ رہا ہے قصیدہ بتولؑ کا

وصفِ بتولؑ اور لبِ قرآں زہے نصیب وہ منزلِ خطابِ خدا بن گیا خطیب
پھر کیوں نہ معترف ہوں حقیقت نظر ادیب زہراؑ بحدِ نور ہیں، اللہ سے قریب
یوں بھی نوازشات کی برسات ہو گئی
ان کی کنیز شاملِ آیات ہو گئی

زہراؑ ہیں اپنی شان میں وہ شانِ منتہا ہر انتہائے فکر بھی کہتی ہے مرحبا
تکمیلِ کار جود و کرم معدنِ سخا ان کی عطا ہے باعثِ تنزیلِ ہل اتیٰ
ساری خدائی میں شرفِ امتیاز ہے
رضواں کو ان کے در کی گدائی پہ ناز ہے

دنیا سے کہہ رہا ہے بیانِ مباہلہ تاریخ کیا دکھائے گی ایسا مقابلہ
حقانیت کی فتحِ مبیں کا معاملہ جس کی کوئی مثال نہیں، وہ مجادلہ
ہتھیار صرف جنبشِ لب اور کچھ نہیں
حق پر ہے کون یہ ہے سبب اور کچھ نہیں

نجران کی زمیں پہ نصاریٰ کا اژدہام وہ راہبوں کی تمکنتیں، جوش میں عوام
جس وقت آئے ختمِ رسالتؐ شہِ انام ارض و سما کی آنکھوں سے دیکھا یہ اہتمام
حق کی شعاعیں وسعتِ میداں پہ چھا گئیں
زہرا نساءنا کے دوشالے میں آ گئیں

آگے رسولؐ پشت پہ اک دخترِ رسولؐ نانا کے دونوں پہلو میں دونوں گلِ بتولؑ
پیچھے علیؑ محافظِ گلدستۂ اصول مربوط اس ادا سے وہ قدرت کے پانچ پھول
یعنی متاعِ فتحِ پیمبرؐ ہیں فاطمہؑ
عصمت کے ہر گلاب کا محور ہیں فاطمہؑ

وہ بے مثال مسئلہ رزقِ حلال کا گندم جو لائے محنتِ ذاتی سے مرتضیٰؑ
زہراؑ نے چکی پیس کے آٹا بنا لیا دیکھے جو دونوں ہاتھوں میں چھالے تو یہ کہا
نکلے نہ حرفِ شکوہ زبانِ بتولؑ سے
یارب میں سرخرو رہوں نفسِ رسولؐ سے

زہراؑ کے اس بیان پہ تاریخ کا سوال
کس سے چھپا ہے صابرہ زندگی کا حال
دیکھے تو کوئی بنتِ پیمبرؐ کے ماہ و سال
دن ہوں سیاہ رات، اٹھائے ہیں وہ ملال
جس میں نہ کوئی غم ہو وہ ساعت نہ دے سکے
اُمت، نبیؐ کی بیٹی کو راحت نہ دے سکے

اپنے نبیؐ کی نورِ نظر پر ستم کے تیر
کیا اس کے بعد بھی رُخِ اُمت ہے مستنیر
رکھتے ہیں کیا جواب، زر و مال کے اسیر
اس در پہ آگ جس کی بدولت ہوئی امیر
دل سے تمام نقشۂ غیرت مٹا دیا
کیسے کلام، "بضعۃ منی" بھلا دیا

اللہ رے وہ اہلِ زمانہ کی بے رُخی
ویراں ہوا شعور، حمیت نہیں رہی
معصومہ بے پدر سے وراثت بھی چھین لی
یہ بے رخی تباہیِ احساس بن گئی
فاقوں میں جس نے شکر کے سجدے ادا کیے
دنیا نے اس کو خون کے آنسو عطا کیے

پامالیِ مروّت و اخلاق، الاماں
مرجھا گیا وفا کا چمن آ گئی خزاں
بولی تڑپ تڑپ کے یہ ماحول کی زباں
یہ کیسا وقت آ گیا خلاقِ انس و جاں
حد ہے کہ آنسوؤں سے نہ دامن بھگو سکی
بستی میں اپنے باپ کو بیٹی نہ رو سکی

بستی سے دور ایک مکاں اور فاطمہؑ
برگشتگیِ اہلِ جہاں اور فاطمہؑ
بابا کی یاد آہ و فغاں اور فاطمہؑ
تنہائیوں میں اشکِ رواں اور فاطمہؑ
عالم وہ بیتِ درد میں، حزن و ملال کا
رونا بھی ناگوار محمدؐ کی آلؑ کا

کرتی رہی سوال محمدؐ کی لاڈلی　　کیوں اہلِ شہر کچھ بھی نہیں فرقتِ نبیؐ
دیکھا کسی رسولؐ کی امت میں یہ کبھی　　پرسہ بھی تم نہ دے سکے اللہ ری بے حسی
لازم ہے کچھ تو شرم خدا و رسولؐ سے
رونے کا حق بھی چھین رہے ہو بتولؑ سے

چھایا حیاتِ بنتِ نبیؐ پر وہ اضطرار　　تڑپے تہہِ مزار بھی محبوب کردگار
دربار میں کھڑی رہی عصمت کی تاجدار　　اس واقعہ پہ آج بھی انساں ہیں اشکبار
اتنی تو بات کھل گئی قتلِ شعور سے
آذر مزاج پھر گئے قرآں کے نور سے

دربار کے دیے ہوئے زخموں نے کہہ دیا　　دنیا میں چند روز کی مہماں ہے فاطمہؑ
وقت آ گیا تو بنتِ پیمبرؐ نے دی صدا　　فضہؒ مری شریکِ ریاضت، قریب آ
تیری سرشت میں ہے وفا جانتی ہوں میں
فضہؒ تجھے بہن کی طرح مانتی ہوں میں

فضہؒ ترے سپرد ہے اب میرا گلستاں　　تو میرے بعد ہے مرے بچوں کی پاسباں
بچے تجھے سمجھتے ہیں میری طرح سے ماں　　اب میرا پیار تیری محبت سے ہو عیاں
احساسِ رنج ہو نہ کسی نورِ عین کو
رکھنا سکوں سے میرے حسنؑ اور حسینؑ کو

فضہؒ یہ میرے لال ہیں معصوم، کم سخن　　میں نے ہزاروں ناز سے پالا ہے اے بہن
رکھنا خیال ان میں ہو جب کوئی بے وطن　　میں جانتی ہوں زہر پئے گا مرا حسنؑ
ہوش و حواس ضبط کے سانچے میں ڈھالنا
فضہؒ مرے حسنؑ کا کلیجہ سنبھالنا

فضہؑ مرے حسینؑ پہ روئے گی بے کسی
صحرا کی نذر ہو گی مرے گھر کی روشنی
لٹ جائے گی تمام کمائی بتولؑ کی
خلاقِ دو جہاں تجھے بخشے گا زندگی
رکھنا خیال، صدمۂ زہراؑ سوا نہ ہو
زینبؑ کے سر سے چادرِ زینبؑ جدا نہ ہو

آخر میں بوترابؑ سے اتنا کیا کلام
میرا سلام لیجیے، اے صاحبِ انام
زہراؑ پہ اس جہاں کے مراحل ہوئے تمام
میں جا رہی ہوں چھوڑ کے یہ عارضی مقام
اکھڑی ہے سانس وقت میں وسعت کوئی نہیں
کہہ دیجیے کہ مجھ سے شکایت کوئی نہیں

فرمایا بوترابؑ نے اے جانِ مصطفیٰؐ
تم سے مجھے ہو کوئی شکایت یہ کیا کہا
کاٹی تمام عمر بہ خوشنودیِ خدا
قرآن جس پہ ناز کرے وہ عمل کیا
تابندگیِ شرعِ نبیؐ فاطمہؑ سے ہے
روشن چراغِ مصطفویؐ فاطمہؑ سے ہے

ناگاہ فاطمہؑ نے کیا خُلد کا سفر
رونے لگے وصیِ پیمبرؐ جھکا کے سر
شورِ فغاں میں ڈوب گیا فاطمہؑ کا گھر
فضہؑ پکاری پاؤں کے تلوؤں کو چوم کر
اے شاہزادی، اے مری مخدومہ، الوداع
عصمت کی روح، صابرہ، مظلومہ، الوداع

وہ جوشِ غم وہ فاطمہؑ کے پھول بے قرار
سب سے زیادہ زینبؑ و کلثومؑ اشکبار
غمگیں فضا پہ لکھ گئے آنکھوں کے آبشار
اٹھتا ہے اب جنازۂ خاتونِ روزگار
منظر میں احترامِ وصیت لئے ہوئے
تابوت پر بھی رات ہے پردہ کئے ہوئے

تابوت سوئے قبرِ پیمبرؐ ہوا رواں　　جس طرح گلستاں کی طرف بوئے گلستاں
لیکن وہ بے ضمیر نظر آئے درمیاں　　مشہور ہیں جو آلِ نبیؐ کے عدوئے جاں
خوشبو تڑپ کے رہ گئی گلشن نہ مل سکا
بیٹی کو اپنے باپ کا دامن نہ مل سکا

اے جنت البقیع مدینہ، سلام لے　　ٹکڑا دلِ رسولؐ کا سونپا گیا تجھے
ظاہر یہ غم ہے آج بھی قبرِ بتولؑ سے　　روضہ گرایا دشمنِ آلِ رسولؐ نے
صدیوں کے بعد بغض کی حالت وہی رہی
پیکر بدل گئے پہ شقاوت وہی رہی

اے جنت البقیع وہ دن آئے گا ضرور　　غارت گروں کا خاک میں مل جائے گا غرور
انسان سے کہے گا خود انسان کا شعور　　اسلام کی حیات ہے آلِ نبیؐ کا نور
اک دن تمام قصرِ رعونت گرائیں گے
پھر بے مثال روضۂ زہراؑ بنائیں گے

قیصرؔ بہ ذکرِ فاطمہ زہراؑ دعا کرو　　یارب امامِ وقت کا جلدی ظہور ہو
آواز آئے اہلِ مودّت اٹھو اٹھو　　جلدی چلو مدینۂ خیرالوریٰ چلو
مجلس بپا ہے روضۂ بنتِ رسولؐ میں
ذکرِ حسینؑ چاہیے باغِ بتولؑ میں

◆◆◆

منقبت

قیصر بارھوی

آنکھوں میں اُن کا چہرۂ تاباں لیے ہوئے
بیٹھا ہوں کائنات کا عنواں لیے ہوئے

کیا روشنی ہے، مہرِ درخشاں لیے ہوئے
عباسؑ ہیں تجلیِ یزداں لیے ہوئے

حُسنِ کلام و صورتِ عباسؑ کی قسم
بیٹھا ہوں دل کی رحل پہ قرآں لیے ہوئے

اُم البنینؑ کے لیے عباسؑ کا وجود
ماں ہے تمام دولتِ ایماں لیے ہوئے

عباسؑ میں علیؑ کی شجاعت ہے اس طرح
جیسے علیؑ جلالتِ یزداں لیے ہوئے

عباسؑ اس طرح ہیں دُعائے بتولؑ میں
قرآں ہو جیسے مقصدِ قرآں لیے ہوئے

عباسؑ کی نگاہ میں چہرہ حسینؑ کا
جیسے چمن متاعِ بہاراں لیے ہوئے

عباسؑ نے اُٹھایا ہے توحید کا علم
پنجے میں قوتِ شہِ مرداںؑ لیے ہوئے

عباسؑ ہیں محافظِ گلزارِ پنجتنؑ
سرمایۂ اطاعت و عرفاں لیے ہوئے

قیصرؔ تمھیں پسند کہاں ہے کوئی چمن
تم ہو حسینیت کا گلستاں لیے ہوئے

(ججِ شعر)

جنابِ فاطمہ بنتِ اَسدؑ

(حضرتِ فاطمہ بنتِ اسدؑ کے کارنامے اور حضرتِ زینبؑ کے مصائب)

۸۷ بند۔ ۱۹۹۵ء

maablib.org

بنتِ اسدؑ اک شخصیّت، اک پیکرِ تسلیم
یہ منزلِ تکریم پہ صحت گرِ تکریم
کب ان کے فضائل میں کرے گا کوئی ترمیم
حد یہ ہے کہ تعظیم کریں معنیِ تعظیم
یہ بھی صفتِ آمنہؑ، فخرِ دوجہاں ہیں
قرآں کی قسم، بولتے قرآن کی ماں ہیں

جنابِ فاطمہؑ بنتِ اسدؑ

زوجِ ابوطالبؑ کا شرف حسنِ شرف ہے　　یہ حسنِ شرف نازشِ انوارِ سلف ہے
شک اس میں کہاں آئینہ خورشید بکف ہے　　اس دائرۂ نور میں کعبہ ہے، نجف ہے
کم تو نہیں یہ فضل و کرم ذاتِ اُحد کا
جو سب سے بڑا گھر ہے وہ گھر بنتِ اسدؑ کا

ماضی کے دریچوں سے برستی ہوئی خوشبو　　تاریخ کے شانوں پہ مہکتے ہوئے گیسو
تقدیس میں ڈھالے ہوئے لفظوں کی ترازو　　اسلام کی تفصیل میں تجلیل کے پہلو
جتنا بھی شرف عرشِ عبارت پہ عیاں ہے
زوجِ ابوطالبؑ کی فضیلت کا نشاں ہے

کہتی ہے نظر، آئینۂ فرد نسب پر　　ہاں ان کا ادب فرض ہے دنیائے ادب پر
قدرت کی عجب مہر ہے عظمت کے سبب پر　　یہ نور کی تحریر ہیں سیمائے عرب پر
ہر طرح سے وابستۂ حسنِ ازلی ہیں
گلزارِ حرم ناز کرے یہ وہ کلی ہیں

دانستۂ گلزارِ حرم، نکہتِ افکار　　یہ کہہ کے بڑھاتی ہے مری روح کا معیار
صد آفریں، خوشنودیِ حیدرؑ کے طلب گار　　اس مدح سے تکمیلِ مودّت کا ہے اظہار

دنیا میں یقیناً گلِ توقیر کھلے گا
محشر میں صلہ، نفسِ پیمبرؑ سے ملے گا

دیکھے تو کوئی شجرۂ سلطانِ رسالتؐ　　ہاشمؑ کے چمن زار پہ گلباریِ رحمت
گلباریِ رحمت میں وہ اِک شاخِ سعادت　　اک پھول کو ہے باغ براہیمؑ سے نسبت

شادابیِ توحید میں یہ پھول سند ہے
ہاشمؑ کا جگر بند ہے، نام اس کا اسدؑ ہے

کردارِ اسدؑ دامنِ مکہ میں ہے بے داغ　　یا دینِ براہیمؑ کا آئینۂ ابلاغ
اس شیر سے کیا ربط بڑھاتے اموی زاغ　　جس کے لئے مسکن ہو شرافت کا بھرا باغ

دھبہ کہیں ہوتا تو یقیناً کہیں ملتا
ڈھونڈے سے بھی اک حرفِ مخالف نہیں ملتا

تقدیرِ اسدؑ ہو گئی قدرت سے وہ تنویر　　حیراں ہو جسے دیکھ کے ہر جلوۂ تقدیر
تخلیق میں مستقبلِ اسلام کی تحریر　　یا عالمِ نسواں میں نئی صبح کی تصویر

ماں باپ کو تقدیس کا اک آئینہ دے کر
عفت ہوئی تجسیم، رُخِ فاطمہؑ لے کر

زیبائشِ تحریر ہیں یہ نقش اسدؑ کے　　آنکھوں میں حق آگاہ اب وجد کے طریقے
معیارِ زباں، وحدتِ معبود کے نغمے　　تزئینِ جبیں مطلقیؐ ہاشمی سجدے

رشتہ نہ رکھا وقت کی مسموم ہوا سے
اصنام پرستوں میں، تعلق تھا خدا سے

یہ فاطمہؑ وہ نام سرافرازِ دوامی — تسلیم جسے کرتے ہیں اسمائے گرامی
یہ فرض کی توقیر ہے یہ عرش مقامی — اس طرح بھی قدرت جسے دیتی ہے سلامی
ہر دور پہ غالب، مرا انعام رہے گا
کعبے کی طرح خلق میں یہ نام رہے گا

پاتی جو زمانے کی نظر، گوشۂ تقصیر — تقلیدِ ابوجہل سے کرتی اسے تعبیر
تحریر کے اوراق سنا دیتے یہ تحریر — لیکن لب تقدیرِ اسدؑ پر ہے یہ تقریر
کچھ خوف نہیں سایا ہے عصمت کے شجر کا
جلوہ کسی دیوار میں ہے میری سحر کا

قصرِ بنی ہاشمؑ کے خدا آشنا جلوے — دیتے ہیں یہ آواز صداقت کے اُفق سے
اسلام کی تبلیغ جہاں تاب سے پہلے — خوش بختیِ نسواں ہیں قیادت کے نمونے
دو روشنیاں شرحِ ھواللہُ احد ہیں
اک آمنہؑ ذی جاہ، تو اک بنتِ اسدؑ ہیں

اک مسندِ ہستی پہ تجلی گرِ عظمت — اک نقشۂ تخلیق پہ نقشِ ابدیّت
اک باعثِ تقدیس شرف گاہِ رسالت — اک معدنِ تہذیب گہر دار امامت
ایمان کی ہر شمعِ فروزاں ہے انہی سے
دنیائے مشیّت میں چراغاں ہے انہی سے

دونوں کو ملے شرعِ براہیمؑ کے انوار — دونوں میں گلستانِ حقیقت ہیں ثمردار
دونوں کی فضیلت پہ چلائی گئی تلوار — محرومِ سعادت رہے دنیا کے قلمکار
اک سمت جو در پردہ تعصب ہے نبیؐ سے
اک سمت عداوت نظر آتی ہے علیؑ سے

اربابِ نظر جانتے ہیں صورتِ حالات　　کس طرح سجائے گئے تاریخ کے صفحات
سوغات کہیں ہے کہیں دربار کی خیرات　　ایسے میں کہاں عدلِ بیاں، عدلِ مساوات
رودادِ حقیقت کی جہاں شمع جلی ہے
تاریخ وہاں کس لئے خاموش رہی ہے

خاموشیِ تاریخ کے پردوں نے پکارا　　رُکتا ہے اندھیروں سے کہیں نور کا دھارا
کعبے کے تبسّم سے یہ ملتا ہے اشارا　　وحدت کی حفاظت میں ہے مدحت کا ستارا
دنیا کی فنا رنگ ہوائیں ہیں تو کیا ہے
ایوانِ مودّت کے چراغوں کو بقا ہے

کیا چیز ہیں تدبیرِ مورّخ کی اڑانیں　　بے کار ہیں کاغذ پہ یہ لفظوں کی کمانیں
کچھ بھی تو نہیں راہِ تجسّس کی چٹانیں　　روکیں مجھے دنیائے مخالف کی زبانیں
دشواریِ پیہم نظر آئیں گی جہاں سے
میں یا علیؑ کہتا ہوا گزروں گا وہاں سے

بنتِ اسدؑ اک شخصیّت، اک پیکرِ تسلیم　　یہ منزلِ تکریم پہ صحت گرِ تکریم
کب ان کے فضائل میں کرے گا کوئی ترمیم　　حد یہ ہے کہ تعظیم کریں معنیِ تعظیم
یہ بھی صفتِ آمنہؑ فخرِ دوجہاں ہیں
قرآں کی قسم، بولتے قرآن کی ماں ہیں

بنتِ اسدؑ اک آیتِ حق، محورِ تجلیل　　ظلمت کدۂ وقت میں یہ نور کی قندیل
اس طرح بھی گویا ہیں لبِ فکر بہ تفصیل　　استاد کی ماں ہیں تو ادب کرتے ہیں جبریلؑ
معلوم ہوا ان کا مکاں عرشِ بریں ہے
درباں ہوں ملائک، تو بڑی بات نہیں ہے

کہتا ہے یہ مجھ سے دہنِ خانۂ مدحت لازم ہے یہ ہر لفظ کھلے بابِ عقیدت
ہر بابِ عقیدت پہ کہے رنگِ طبیعت دنیا میں درِ بنتِ اسدؑ ہے درِ جنت
خیرات ملے گی گلِ تقدیر کھلے گا
رضوان اسی در کے فقیروں میں ملے گا

عرفانِ درِ بنتِ اسدؑ ہے جنہیں حاصل رکھتے ہیں وہ ہر سانس میں ایمان کی منزل
یوں کون ہے سرمایۂ حق سے متموّل خالق نے دیے نسل میں بارہ مہِ کامل
ایک ایک نفس، راہِ مشیّت پہ رواں ہے
مثلِ ابوطالبؑ یہ نبیؐ پر نگراں ہے

بیٹوں سے سوا آمنہؑ کے لال سے اُلفت یا پردۂ اُلفت میں نبوّت کی حفاظت
ہر لحہ محمدؐ کے لئے کوششِ راحت کیسے نہ ہو یہ امر، پسندیدۂ قدرت
اسلام نوازی کے اس اندازِ بقا میں
بنتِ اسدؑ اِک نام ہے آیاتِ خدا میں

ترشے ہوئے پتھر ہوں جہاں فکر پہ حاکم ماحول میں ہوں قلت و کثرت متصادم
مظلوم تڑپتے رہیں، ہنستے رہیں ظالم جب خون کے دریا ہوں زمانے کے عزائم
اس وقت تمنائے خوش انجام یہی ہے
سینے میں محمدؐ رہیں، اسلام یہی ہے

جعفرؑ کو کبھی پیار کے لہجے میں سنانا اے لال محمدؐ سے کبھی منہ نہ پھرانا
یہ ماں کی نصیحت ہے اسے بھول نہ جانا بدلیں نہ مرے لفظ، بدل جائے زمانا
فرق آئے نہ غیرت میں زر و مال کی خاطر
زندہ رہو صرف آمنہؑ کے لال کی خاطر

شوہر کی طرح بنتِ اسدؑ نے بھی یہ سمجھا اس شام کی تقدیر میں لازم ہے سویرا
حالات بتاتے ہیں بدل جائے گی دنیا ہونے کو ہے خورشیدِ نبوّت سے اُجالا
اِک نور جو ظاہر ہے محمدؐ کی جبیں پر
پھیلے گا یہ سورج کی طرح روئے زمیں پر

پہلو میں عقیلؓ آئے تو اکثر یہ بتایا تکمیلِ وفا کے لئے میں نے تمہیں پایا
میں دودھ نہ بخشوں گی اگر تم نے ستایا اللہ رکھے باپ کے ایثار کا سایا
دل ہو ابوطالبؑ کا، مرے نورِ نظر ہو
ہر سانس محمدؐ کی اطاعت میں بسر ہو

اس رنگ بصیرت نے سجایا رُخِ افکار تنویرِ جہانتاب میں ڈھلتا رہا کردار
جس طرح محمدؐ بڑھے اس طرح بڑھا پیار پھر کیوں نہ کہوں جھوم اٹھی وقت کی رفتار
کیوں لہر نہ اٹھی دل محبوب احد میں
ماں بول رہی تھی نگہِ بنتِ اسدؑ میں

ممتا سے بھرا دل جو ہوا موجبِ آرام دم ساز محمدؐ نظر آئے سحر و شام
رخصت ہوا بچپن تو جوانی ہوئی اتمام اب فکرِ معیشت بھی ہوئی حوصلہ انجام
کام آئے ذریعے چچی اماں کی دعا کے
سامانِ تجارت ہوا سائے میں چچا کے

سامانِ تجارت میں وہ سامانِ خدیجہؑ کہتے ہیں جسے دین پہ احسانِ خدیجہؑ
وہ نفع کی مقدار، وہ ایقانِ خدیجہؑ ایقان سے کچھ اور بڑھی شانِ خدیجہؑ
کیا نورِ شرف آئینۂ ذات میں پایا
اک ربط سا معصوم خیالات میں پایا

معصوم خیالات ہوئے عقد کا پیغام　　اسلام سے کچھ قبل وہ آگاہیِ اسلام
خوشنودیِ خالق سے ہوئی بات سرانجام　　خطبہ ابوطالبؑ نے پڑھا صورتِ اسلام
پہلے جو زبانِ ابوطالبؑ پہ سجے ہیں
قرآن کا آغاز وہی لفظ ہوئے ہیں

جب سورۂ الحمد کی تفسیر میں دیکھا　　الحمد کے حرفوں نے پڑھا نور کا سہرا
سہرے میں ازل آئینہ پھولوں کا تجلّا　　یا جلوہ فشاں خالقِ کونین کا منشا
دولہا سے ملا حسن، دو عالم کے چمن کو
سلطانۂ کونین کیا حق نے دلھن کو

اب بنتِ اسدؑ کے لئے محور تھے وہ انوار　　کہیے جنہیں صناعیِ معبود کے شہکار
صحنِ ابوطالبؑ جو ہوا نور کا گلزار　　ظلمت حسد آور ہوئی جلنے لگے کفار
سفیانیت آوازۂ تکفیر سے اُبھری
رودادِ ستم خنجر و شمشیر سے اُبھری

بڑھتے ہی گئے خنجر و شمشیر کے سائے　　فتنے بہت آوارہ نصیبوں نے اٹھائے
منحوس قدم بولہبیت نے جمائے　　پوشیدہ جو تھے ظلم کے چہرے نظر آئے
بنتِ اسدؑ ایسے میں خدیجہؑ کی سپر تھیں
چشمِ ابوطالبؑ کی طرح حسنِ نظر تھیں

مثلِ ابوطالبؑ جو کیا وقت کو تسخیر　　پھر خوابِ خوش آئندہ کی ملنے لگی تعبیر
یوں کہیے محمدؐ کی دعا بن گئی تاثیر　　اب کفر کے سینے میں لگا کفر کا ہر تیر
جلووں کا طبق دوشِ فضا پر نظر آیا
دیوارِ حرم جھوم اٹھی، در نظر آیا

سب جانتے ہیں کس کے لئے تھا یہ نیا در
در ہوتے ہوئے کس لئے اک اور بنا در
کیوں اور کسی کے لئے پہلے نہ کھلا در
خاموش رہا شہر مگر بول اٹھا در
زوجِ ابوطالبؑ تمہیں کس بات کا ڈر ہے
سب کے لئے کعبہ ہے تمہارے لئے گھر ہے

یہ مرتبۂ بنتِ اسدؑ افضلِ عالم
بے مثل سرِ ارضِ جہاں شانِ مکرّم
کیوں فکر کریں اس شرفِ ذات پہ مریمؑ
اللہ کرے جس کو معظم وہ معظم
مطلق یہاں گنجائشِ جذبات نہیں ہے
حق دار نے حق پایا ہے، خیرات نہیں ہے

برسا ہے عجب ابرِ کرم بنتِ اسدؑ پر
یہ تارِ نفس بن گیا رحمت کا سمندر
قربان ہوا اک مہِ نو پر شہِ خاور
حاصل ہوا سرمایۂ تبلیغِ پیمبرؐ
مسرور کیا قوتِ بازو سے نبیؐ کو
اللہ نے کعبے میں اُتارا ہے علیؑ کو

کعبے میں علیؑ آئے تو کعبے نے پکارا
اب دیکھے زمانہ مری قسمت کا ستارا
روکے تو کوئی چشمۂ توحید کا دھارا
اب طولِ ابد کو ہے یہ قدرت کا اشارا
اسلام سے وابستگیاں عام ہوئی ہیں
اب بنتِ اسدؑ مادرِ اسلام ہوئی ہیں

اب آ گیا کعبے کے لبوں پر یہ ترانا
زیرِ قدمِ بنتِ اسدؑ اب ہے زمانا
مٹ جائے گا اب کفر کا بے رنگ فسانا
کعبے کی بقا ہے ابوطالبؑ کا گھرانا
ایمان کی ہر بات بصد شان رہے گی
اب تیرہ رجب دین کی پہچان رہے گی

چمکا ہے یہاں اک رُخِ مدحت صفتِ ماہ پیاسا کوئی جس طرح پہنچ جائے سرِ چاہ
مولودِ حرم پر لبِ فطرت نے کہا واہ نانا تو اسدؑ اور نواسا اسداللہؑ
خلقت میں شجاعت کا ہنر بول رہا ہے
بچہ، درِ خیبر کو ابھی تول رہا ہے

شاید رُخِ آئندہ دکھاتا ہو یہ منظر خیبر میں تسلسل سے وہ ناکامیِ لشکر
اس وقت پیمبرؐ کا یقیں نادِ علیؑ پر چالیسویں دن گونج اٹھی ضربتِ حیدرؑ
اسلام کی بازوئے محمدؐ نے مدد کی
حیدرؑ کے لقب میں ہے دعا بنتِ اسدؑ کی

پڑھتے تو ابوجہل کے اژدر کی کہانی کعبے میں ہے زوجِ ابوطالبؑ کی زبانی
تاریخ میں پائندہ رہے گی یہ نشانی بچے میں سمٹ آئی پیمبرؐ کی جوانی
دو انگلیاں اس طرح تھیں اژدر کے دہن میں
جیسے کوئی تلوار ابوجہل کے تن میں

اک اور بھی دلچسپ عبارت نظر آئی وہ خاک بت کفر سے آلودہ سلائی
مکار ابوجہل کی آشفتہ سرائی موسیٰؑ کا عصا بن گئی ننھی سی کلائی
منظر بھی غضب ناک، طمانچہ بھی غضب کا
اک ہاتھ سے منہ پھر گیا فرعونِ عرب کا

اس جرأت برجستہ پہ مادر کی نگاہیں یا پیار بھری گردنِ فولاد میں باہیں
خِلقت سے ادھر باطلِ ناکام کی آہیں قدرت سے ادھر فکر و نظر کے لئے راہیں
لاریب دلِ بنتِ اسدؑ پر یہ عیاں ہے
قبضے میں امامت ہوئی بچہ بھی جواں ہے

دریائے مہ و سال میں بہتے ہوئے حالات   اوراقِ تغیّر پہ زمانے کی روایات
بکھرے ہوئے ذہنوں کے جنوں بستہ مسامات   ماحول کے ہونٹوں سے سناتے رہے یہ بات
اب روشنیِ غارِ حرا رُک نہیں سکتی
دنیا سے محمدؐ کی صدا رُک نہیں سکتی

اعلانِ رسالتؐ سے بڑھی گرمیِ احساس   بیدار نگاہوں سے گرا عالمِ وسواس
اخلاص کے شیشوں میں طبیعت ہوئی عکاس   چمکی دلِ کفار میں برقِ حسد و یاس
اس دور میں اقدامِ وفا دیکھ رہی تھی
ماں فخر سے حیدرؑ کی وغا دیکھ رہی تھی

ہر جنگ میں ابنِ ابوطالبؑ کی شجاعت   زوجِ ابوطالبؑ کی تمنا بہ قیادت
ہر لمحہ یہی فکر، یہی روحِ طبیعت   پیغمبرِ اعظمؐ کی رضا، دین کی خدمت
توحید کے سجدے ہوں کہ میدانِ وغا ہو
ہر سمت ابوطالبؑ کے چراغوں کی ضیا ہو

مجبوریِ حالات میں ہجرت کا وہ عالم   اسلام ادائے شبِ ہجرت سے ہے محکم
سب اہلِ صنم قتلِ پیمبرؐ پہ منظّم   بستر پہ پیمبرؐ کے علیؑ قاطعِ ہر غم
وہ خواب سے وابستگیِ نفسِ نبیؐ تھی
یا تربیتِ بنتِ اسدؑ جاگ رہی تھی

صدمے کی وہ تحریر دلِ بنتِ اسدؑ پر   قبرِ ابوطالبؑ سے جدائی کا وہ منظر
مکے سے مدینے گئیں ہمراہِ پیمبرؐ   یا آخری منزل کی طرف لایا مقدر
راحت بہ عمل وجہِ تسلی بہ سخن تھیں
زہراؑ پہ خدیجہؑ کی طرح سایہ فگن تھیں

او جھل نہ رکھا لاڈلی زہراؑ کو نظر سے منہ اس کا دھلایا تو کبھی بال سنوارے
بچپن میں سلاتی جو رہیں لوریاں دے کے عادت کے مطابق کبھی سوئی نہیں پہلے

مانندِ تلاوت یہ ادا شام و سحر تھی
قرآں کی طرح، چہرۂ زہراؑ پہ نظر تھی

شاید لبِ تقدیر پہ آیا ہو یہ اس دم اے بنتِ اسدؑ آپ کی اُلفت ہے مقدّم
زہراؑ ہے گلِ نور کی خوشبوئے مکرّم پیکر میں یہ گل عصمتِ عالم ہے مجسّم

عطر و حرمِ گوہرِ یکتا نہیں کوئی
حیدرؑ کے سوا ہمسرِ زہراؑ نہیں کوئی

وہ وقت بھی اب دور نہیں ارضِ جہاں پر اِک نغمۂ حق آئے گا دنیا کی زباں پر
جھومے گی بقا وجہِ بقا نام و نشاں پر اُترے گا ستارہ شہِ مرداںؑ کے مکاں پر

تکمیل بصد شان ہے، شانِ اب و جد کی
زہراؑ تو دلھن ہے پسرِ بنت اسدؑ کی

یہ حسرت و ارماں تھے فقط مرضیِ داور قادر بہ یقیں کون ہے دنیا کے سفر پر
اک دن سرِ حیدرؑ سے اٹھا سایۂ مادر حیدرؑ سے زیادہ ہوئے مغموم پیمبرؐ

ہر بات جو دلداری و شفقت سے بھری تھی
ایسی تو کوئی ماں بھی نہیں جیسی چچی تھی

ممکن نہیں خوش بختیِ مخدومہ سے انکار ایسی تو فضیلت کا کبھی بھی نہیں اظہار
تکفین میں ملتا نہیں اس طرح کا معیار پوشاکِ رسالت سے کفن ہو گیا تیار

وابستہ تنِ پاک سے خوشبوئے نبیؐ ہے
یہ بات حقیقت میں، حیاتِ ابدی ہے

اس طرح بھی اک شان فضیلت نظر آئی — سورج کی طرح زیرِ لحد روشنی پائی
تدفین کی منزل پہ بھی نازاں ہے خدائی — عصمت کے شہنشاہ نے خود قبر بنائی
مس ہو گئی مٹی جو پیمبرؐ کے بدن سے
دامانِ لحد مل گیا جنت کے چمن سے

فارغ جو ہوئے شاہِ اُمم قبر بنا کر — گھر میں گئے بادیدۂ نم سر کو جھکا کر
زہراؑ سے یہ فرمایا کلیجے سے لگا کر — پرسہ ہمیں دو نورِ نظر اشک بہا کر
لمحاتِ سکوں آج خفا ہو گئے بیٹی
اب ہم بھی اماں سے جدا ہو گئے بیٹی

اغلب ہے یہاں غیب سے آئی ہو یہ آواز — صدمہ یہ بہت ہے مگر اے دین کے دمساز
آئے گا ترے بعد وہ عہدِ ستم انداز — گھر جائیں گے آفت میں تری شرع کے جانباز
مرجھائے گا ہر غنچہ دہن بنتِ اسدؑ کا
تلواروں سے بکھرے گا چمن بنتِ اسدؑ کا

پہلے تو ہے زہراؑ کے لئے دورِ اذیّت — وہ دورِ اذیّت جو شرر بار مصیبت
اے میرے نبیؐ غیر سے کیا کوئی شکایت — حد یہ ہے کہ بن جائے گی دشمن تری اُمت
کون اٹھ گیا دنیا سے یہ احساس نہ ہو گا
زہراؑ کا تو مرقد بھی ترے پاس نہ ہو گا

وہ پھول جو باغیچۂ زہراؑ میں کھلیں گے — توڑیں گے انہیں اہلِ جفا تیغ و تبر سے
لے اٹھ گئے اب وہ رُخِ ایجاد سے پردے — عاشور کو دریا کے قریں دیکھ وہ لاشے
جلتے ہوئے خیمے میں اسیرانِ ستم ہیں
وہ شامِ غریباں ہے وہ کچھ اہلِ حرم ہیں

یہ تیرے ہی ناموس ہیں اے میرے پیمبرؐ — بیٹھے ہیں سرِ خاک جو مجبور کھلے سر
تیری ہی نواسی ہے جگر پارۂ حیدرؑ — وہ پیکرِ غم بالوں کو ڈالے ہوئے رُخ پر
زینبؑ اسے کہتے ہیں وقارِ اب و جد ہے
یہ زندگیِ آمنہؑ و بنتِ اسدؑ ہے

تیرے لئے باغِ ابوطالبؑ ہوا پامال — اے ساری خدائی کے بھرم آمنہؑ کے لال
پہرے پہ ہے وہ قتل ہوئے جس کے جواں سال — پہچان ذرا کون ہے یہ حال سے بے حال
پردیس میں اُجڑے ہوئے گھر کی نگراں ہے
یہ ثانیِ زہراؑ ترے اسلام کی جاں ہے

لاشے نہیں یہ سب ہیں شہادت کے گلِ تر — میدان میں بکھرے ہوئے لاشوں پہ نظر کر
یہ تیرے نواسے کا پسر ہے علی اصغرؑ — اک ننھی سی میّت جو نظر آتی ہے بے سر
مٹی میں چھپایا جسے مظلوم پدر نے
نیزے سے نکالا ہے اسے بانیِ شر نے

گھوڑوں سے جسے روند کے ہنستے رہے اعدا — وہ سامنے تیروں میں پرویا ہوا لاشا
شبیرؑ ہے وہ تیری زباں چوسنے والا — ٹکڑا کوئی سالم ہی نہیں جس کے بدن کا
لاشے پہ جو معصوم کوئی اشک فشاں ہے
یہ دخترِ شبیرؑ ہے، شبیرؑ کی جاں ہے

انساں کو سدا خون رُلاتا ہوا منظر — اے دُرِّ یتیم آج ذرا دیکھ یہ محشر
سہمی ہوئی فریاد یتیموں کے لبوں پر — ذرّوں کے بھنور میں شرف و نور کے پیکر
زنجیر کی جھنکار ہے اور طوقِ گراں ہے
ہر اُجڑی ہوئی گود میں آہوں کا دھواں ہے

اُجڑی ہوئی گودوں کی نگہدار ہے زینبؑ   بھائی کی طرح دین کی دیوار ہے زینبؑ
آہوں میں عجب ضبط کا معیار ہے زینبؑ   عباسؑ ہے اور حیدر کرارؑ ہے زینبؑ
یہ حوصلہ بنتِ اسدؑ بول رہا ہے
سجادؑ کے شانے پہ جو ہاتھ اپنا رکھا ہے

آساں تو نہیں آگ کے دریا سے گذرنا   ہر سانس پہ شعلوں کے تموّج سے اُبھرنا
طوفانِ ستم سے کسی منزل پہ نہ ڈرنا   ڈوبے جہاں انسان وہاں پار اُترنا
کعبہ کیا محفوظ، مدینے کو بچایا
زینبؑ نے رسالتؐ کے سفینے کو بچایا

کوفے کی فضا شام کا ماحول قیامت   بازار میں دربار میں زینبؑ کی خطابت
اندازِ خطابت میں وہ تفسیرِ شہادت   تفسیرِ شہادت میں امامت کی حفاظت
ہر لفظ کو تلوار بناتی ہوئی گذری
تکفیر کے سب حرف مٹاتی ہوئی گذری

سجدوں کا حسیں فرش سرِ خاک بچھا کر   تاریکیوں پہ شکر کے مہتاب سجا کر
تسلیم و رضا درد کی لہروں میں بسا کر   زندان میں اک قبر سکینہؑ کی بنا کر
جس وقت رہائی کی خبر پا گئی زینبؑ
ماںجائے سے ملنے کے لئے آ گئی زینبؑ

ماںجائے کی تربت نظر آئی تو پکاری   اٹھو، مرے بھیّا بہن آئی ہے تمہاری
پوچھو تو ذرا قیدِ ستم کیسے گزاری   بازار تھے اور ثانیِ زہراؑ کی سواری
ماںجائے بڑے زخم ہیں زینبؑ کے بدن پر
پتھر بھی تو ہر سمت سے برسے ہیں بہن پر

بھیّا یہ عجب وقت مقدر نے دکھایا　　میں آئی ہوں کوئی مجھے لینے نہیں آیا
قاسمؑ ہے کہاں کیوں پھوپھی اماں کو بھلایا　　عباسؑ نے بھی پردۂ محمل نہ اٹھایا
اب تک وہ غیورانِ اب و جد نہیں آئے
ماں آئی ہے اور عونؑ و محمدؑ نہیں آئے

بھیّا میں سمجھتی ہوں شکایت نہیں انسب　　کچھ تو کہو کیا آج یہ زینبؑ نہیں زینبؑ
پوری ہو تمنا مری مر جاؤں اگر اب　　کیا مجھ سے خطا ہوگئی، کیوں روٹھ گئے سب
حد یہ ہے وہ میرا مہِ انور نہیں ملتا
میں ڈھونڈ رہی ہوں علی اکبرؑ نہیں ملتا

بھیّا یہ بتا دو علی اصغرؑ ہے کہاں پر　　پہنچا دو خدارا لحدِ غنچہ دہاں پر
کیسے کہوں اس وقت گذرتی ہے جو ماں پر　　جز صبر نہیں اب بھی کوئی حرف زباں پر
بھولی نہیں اس تیر سے مذبوح پسر کو
آنکھوں میں بسائے ہیں ربابؑ اپنے جگر کو

ممکن ہے کیا ہو یہ بیانِ غم و آلام　　اے میری چچی آپ تو سوتی ہیں بہ آرام
میں دیکھتا ہوں جو مری زینبؑ کا ہے انجام　　جس وقت دوبارہ، وہ مدینے سے گئی شام
اشکوں سے مسافت کا ہر اک زخم سیا ہے
زینبؑ نے بھرے گھر کو بہت یاد کیا ہے

دربار میں عابدؑ کی دوبارہ طلبی، آہ　　پھر آلِ محمدؐ کے لئے صدمۂ جانکاہ
زینبؑ جو سفر میں رہی، فضہؓ رہی ہمراہ　　رستے میں نظر آ گیا وہ باغ بھی ناگاہ
پہلے جہاں مظلوموں کو ٹھہرایا گیا تھا
جس میں سرِ شبیرؑ کو لٹکایا گیا تھا

اس شاخ کے نزدیک گئی ثانیِ زہراؑ بھائی کے تصور سے ہوا دل تہ و بالا
صرف اتنا کہا تھام کے ہاتھوں سے کلیجا اب تو مجھے پاس اپنے بلا لو مرے بھیّا
کچھ عقدہ کشائی، پسرِ عقدہ کشا ہو
مر جاؤں تو صدقہ سرِ عابدؑ کا ادا ہو

اِک دشمنِ حیدرؑ نے وہاں آ کے قضارا زینبؑ کے سرِ پاک پہ اک بیلچہ مارا
دو ٹکڑے ہوا سر تو چھٹا خون کا دھارا زینبؑ نے تڑپتے ہوئے لفظوں میں پکارا
الفاظِ دُعا آج اثر پا گئے فضّہؓ
بھائی مجھے لینے کے لئے آ گئے فضّہؓ

زینبؑ کی شہادت پہ بھی شائد شہِ عالمؑ کہتے ہیں چچی جان کے مرقد پہ بصد غم
اب شام کی بستی میں کیا جائے گا ماتم شبیرؑ کے مقتل سے وہاں جائیں گے اب ہم
رُلوائے گا زہراؑ کا بیاں بنتِ اسدؑ کو
پرسہ دیا جائے گا وہاں بنتِ اسدؑ کو

دل کہتا ہے زینبؑ کے مصائب کا یہ منظر بادیدۂ نم دیکھ رہے ہوں گے پیمبرؐ
ممکن ہے کہا ہو لحدِ بنتِ اسدؑ پر یہ آپ کی پوتی ہے رسولوںؐ کا مقدر
طوفان سے کشتی کو بچا لائی ہے زینبؑ
میری چچی اماں، مرے کام آئی ہے زینبؑ

قیصؔر تجھے تاریخ رثا یاد رکھے گی مقبول مجالس ہے تری مرثیہ گوئی
کیا چیز ہے تدبیرِ حسد اہلِ حسد کی مانند علیؑ دیں گی صلہ بنتِ اسدؑ بھی
یہ مرثیہ لاریب اضافہ ہے شرف میں
پڑھنا ہے اسے بارگہِ شاہِ نجف میں

◆◆

عزادارِ حسینؑ

(عزاداری کی اہمیت اور کربلا میں حضرتِ زینبؑ کی آہ وزاری)

۲۷ بند۔ ۱۹۶۱ء

◆◆

❖❖

بیداریِ نظر ہے، عزاداریِ حسینؑ
میزان خیر و شر ہے، عزاداریِ حسینؑ
ایمان کی سپر ہے، عزاداریِ حسینؑ
ہر شام کی سحر ہے عزاداریِ حسینؑ

بربادیِ رعونتِ شاہی اسی میں ہے
اسلام دشمنوں کی تباہی اسی میں ہے

❖❖

عزادارِ حسینؑ

انساں کی آبرو ہے عزادارِ حسینؑ　　دل ہے شجر، نمو ہے عزادارِ حسینؑ
تقدیسِ رنگ و بو ہے عزادارِ حسینؑ　　معصوم گفتگو ہے عزادارِ حسینؑ
اہلِ عزا کا درد جو پہچانتا نہیں
وہ آدمی نمازِ وفا جانتا نہیں

کردار کی زباں ہے عزادارِ حسینؑ　　فطرت کی ترجمان ہے عزادارِ حسینؑ
بے مثل داستان ہے عزادارِ حسینؑ　　گیتی پہ کہکشاں ہے عزادارِ حسینؑ
ہر لحہ روشنی کا مقدس پیام ہے
خیرالعمل اسی کی تجلی کا نام ہے

بیدارِ نظر ہے، عزادارِ حسینؑ　　میزان خیر و شر ہے، عزادارِ حسینؑ
ایمان کی سپر ہے، عزادارِ حسینؑ　　ہر شام کی سحر ہے، عزادارِ حسینؑ
بربادیِ رعونتِ شاہی اسی میں ہے
اسلام دشمنوں کی تباہی اسی میں ہے

حسنِ رُخِ وفا ہے عزادارِیِ حسینؑ　　روحِ گلِ بقا ہے عزادارِیِ حسینؑ
میں کیا بتاؤں کیا ہے عزادارِیِ حسینؑ　　اللہ کی رضا ہے عزادارِیِ حسینؑ
صدیوں کے ہے سفر کا احاطہ کیے ہوئے
یہ سلسلہ ہے، طولِ قیامت لیے ہوئے

روحِ صد انقلاب عزادارِیِ حسینؑ　　اک رہنما نصاب، عزادارِیِ حسینؑ
ظلمت کا سدباب عزادارِیِ حسینؑ　　ہر ظلم کا جواب، عزادارِیِ حسینؑ
اس کا وجود خاتمۂ ہر فساد ہے
یہ داستانِ صبرؑ شبابِ جہاد ہے

درسِ عروجِ ذات' عزادارِیِ حسینؑ　　موجِ یمِ صفات، عزادارِیِ حسینؑ
اک لازوال بات، عزادارِیِ حسینؑ　　قرآن کی حیات، عزادارِیِ حسینؑ
مجلس نہیں ہے صرف روایات کے لیے
سامان ہے تحفظِ آیات کے لیے

اے دوستو، تحفظِ آیات کی قسم　　بزمِ شعور، فرشِ عزا سے ہوئی بہم
تقدیسِ فکر سے ہے قلم کار محترم　　صدقہ غمِ حسینؑ کا ہے دولتِ قلم
لفظوں کو آبروئے صداقت عطا ہوئی
قرآں ہو مطمئن وہ عبارت عطا ہوئی

اک ایسی داستاں ہے عزادارِیِ حسینؑ　　جس کے سفر پہ دنگ ہے تاریخِ مشرقین
شعلے تھے فرش راہ تو خنجر تھے جانبین　　ایسے میں کس طرح بڑھی آوازِ قبلتین
ٹوٹا ہے جال، اہلِ ستم کے جنون کا
یہ معجزہ ہے آلِ پیمبرؐ کے خون کا

کیا تھا جنونِ اہلِ ستم یہ نہ پوچھیے　　اپنی مثال آپ شقاوت کے سلسلے
یہ سلسلے چھپائے گئے پر کہاں چھپے　　وہ منزلیں کہ روحِ خیالات چیخ اٹھے
جس کے جلو میں جلوۂ عالم سمٹ گیا
وہ روشنی کا باغ اندھیروں میں کٹ گیا

بعدِ یزید سامنے آئے بہت یزید　　جو اپنی ظلمتوں کو سمجھتے رہے مفید
عاشور کو بھی کم نظروں نے منائی عید　　جو کھیل جانتے رہے خونِ رگِ شہید
نیت بندھی خمارِ حکومت کے سامنے
ساغر چلے، کھلی ہوئی آیت کے سامنے

عہدِ بنی اُمیّہ گیا ظلمتوں کے ساتھ　　موجود سرکشی تھی مگر سرکشوں کے ساتھ
غارت گری کی بورہی غارتگروں کے ساتھ　　جاری سلوکِ جبر رہا بےکسوں کے ساتھ
کہنے کو صحنِ وقت میں تبدیلیاں ہوئیں
لیکن فضائیں اور شقاوت فشاں ہوئیں

کیا یاد آئے نشۂ زر میں خدا کا نام　　لڑتا رہا نظامِ سحر سے سوادِ شام
آواز دے رہے تھے چھلکتے سنہرے جام　　کیسا کوئی رسولؐ کہاں کا کوئی امام
دنیا تعیشات سے آباد چاہیے
اُجڑے مدینہ، رونقِ بغداد چاہیے

اِک حکمِ عام کوئی نہ لے کربلا کا نام　　مٹ جائے خاندانِ رسولؐ خدا کا نام
کوشش تھی نقدِ زر سے خریدیں وفا کا نام　　باقی نہ ہو کسی بھی حسینؑ آشنا کا نام
بھولے سے تذکرہ نہ ہو آلِ رسولؐ کا
گل کر دو ہر چراغ مزارِ بتولؑ کا

تاریخ کہہ رہی ہے کچھ ایسے بھی واقعات   بغداد میں تھے چند عزادار نیک ذات
وہ ایک گھر میں فضلِ خدا سے جوان سات   بہنوں کے دل کا چین تو ماں باپ کی حیات
ماں باپ نے عزا میں نئے رنگ بھر دیے
ساتوں جواں حسینؑ پہ قربان کر دیے

بیٹوں کا خوں زمیں پہ بہا، غم نہیں کیا   غالب رہی تمام غموں پر صفِ عزا
لاشیں تڑپتی دیکھیں تو یاد آئی کربلا   پرسہ دیا حسینؑ کو سب نے بصد بکا
بکھرے ہوئے نبیؐ کے گلِ تر نظر میں تھے
عباسؑ و قاسمؑ و علی اکبرؑ نظر میں تھے

دیوار میں چنے گئے وہ صاحبِ کرم   پڑھتے تھے جو حسینؑ کی تسبیح دم بدم
زنجیریں خون رو کے پکاریں قدم قدم   حد سے بڑھا ہے صبر تو حد سے بڑھا ستم
اس درجہ وحشتوں کو نمایاں کیا گیا
لاشوں پہ قہقہوں کا چراغاں کیا گیا

ظالم حکومتوں کے مظالم، قدم قدم   برسات جس کا آئینہ وہ بارشِ ستم
ظاہر کیا کسی نے جو سبطِ نبیؐ کا غم   گھر اس کا جل کے خاک ہوا، سر ہوا قلم
کیا کہیے بات حاکمِ ظلمت پناہ کی
آنکھیں نکال دی گئیں اہلِ نگاہ کی

کیا کیا بھنور حیات کے دریا میں آئے ہیں   دریا نے بھی سفینوں پہ آنسو بہائے ہیں
سادات کے لہو سے مکاں تک نہائے ہیں   نیزوں پہ شیر خواروں کے لاشے اٹھائے ہیں
بہنوں سے بھائی، ماؤں سے بیٹے بچھڑ گئے
ویران گودیاں ہوئیں، جھولے اُجڑ گئے

سارے عرب میں خونِ غریبانِ زندگی　　جیسے خزاں بکھیر دے بستانِ زندگی
وحشت کی آندھیوں میں شریفانِ زندگی　　پکڑے ہوئے تھی موت گریبانِ زندگی
ان مرحلوں پہ عظمتِ کردار دیکھیے
طوفان اور حیات کے مینار دیکھیے

اہلِ عزا جو آئے ہیں صدیاں گزار کے　　اس فاصلے کو دیکھیے منصف نگاہ سے
پڑھیے مسافرانِ مودّت کے حوصلے　　بازو کہیں کٹے ہیں تو برچھے کہیں لگے
کس کس طرح حیات کا نقشہ بکھر گیا
نوحہ پڑھا کسی نے، تو خنجر گذر گیا

لیکن شعورِ حق و صداقت کے قافلے　　قرآں کی رو سے اہلِ مودّت کے قافلے
مظلومِ کربلا کی محبت کے قافلے　　یعنی، حسینیتؑ کی حفاظت کے قافلے
آباد ہو کے نادِ علیؑ کے حصار میں
طوفانِ صبر بن کے گئے ہر دیار میں

سب کچھ بھلا کے یاد رکھا دشتِ کربلا　　پردیس کی زمیں پہ بچھائی صفِ عزا
اولاد یاد آئی تو اشکوں سے کہہ دیا　　لوٹا ہے شامیوں نے بھرا گھر بتولؑ کا
ہر زخمِ دل بھرا ہے فقط اس خیال نے
اکبرؑ کی لاش اٹھائی ہے زہراؑ کے لال نے

مائیں یتیم بچوں سے کہتی تھیں بار بار　　مولاؑ کو اپنے یاد کرو، تم پہ ہم نثار
عباسؑ کے یتیموں کی باتیں ہیں یادگار　　کیا کہہ رہے تھے سبطِ نبیؐ سے وہ گلعذار
بابا نہیں تو کیا ہے علَم ہم اٹھائیں گے
سرکارؑ، ہم سکینہؑ کو پانی پلائیں گے

بہنوں نے کھا کے بھائیوں کے خون کی قسم دنیا کو یہ بتایا کہ مجلس کریں گے ہم
ذرّوں کی کوئی فکر نہ بے پردگی کا غم چادر سے ہم بنائیں گے عباسؑ کا علَم
نامِ عزا پہ قوتِ جانباز ہم بھی ہیں
زینبؑ کے احتجاج کی آواز ہم بھی ہیں

کہتا تھا نوجوانوں کا اندازِ گفتگو ماتم کریں گے حاکمِ جابر کے روبرو
ہم ہیں غلامِ اکبرؑ میں سرخرو ہم کاٹ دیں گے دیوِ ستم کی رگِ گلو
روکے گا کون ذکرِ شہِ مشرقین کو
ہم اپنا خون دیں گے عزائے حسینؑ کو

یہ عزم، یہ ثبات، یہ ہمت یہ ولولے نسلوں میں زندگی کی طرح منتقل ہوئے
منظر میں آئے تعزیہ خانے، علم سجے منظوم دل کا درد ہوا مرثیے بڑھے
ہر ملک میں مطابقِ حالات غم ہوا
اُبھرے قلم، بیانِ شہادت رقم ہوا

جس دم فراتِ درد کی موجیں رواں ہوئیں آہیں جو آنسوؤں سے ملیں بجلیاں ہوئیں
سہمی ہوئی حکایتیں اب داستاں ہوئیں جو حسرتیں دلوں میں چھپی تھیں عیاں ہوئیں
سیرابیِ شعور کے دریا نکل پڑے
ہونٹوں سے یا حسینؑ کے چشمے اُبل پڑے

آب و ہوا کے ساتھ وہ بیداریِ مزاج ماحول کی فضاؤں میں انسانیت کا راج
مانوس ہو کے وقت بھی دینے لگا خراج تحریکِ انقلاب میں شامل ہوا سماج
نورِ وفا سے روح ضیا بار ہو گئی
دنیا کی ہر زبان عزادار ہو گئی

گلزارِ عقل و فکر میں آئی نئی بہار شاعرادیب لے کے بڑھے، طبعِ زرنگار
حاصل ہوا تکلّمِ انساں کو اعتبار یعنی بلاغتوں پہ فصاحت ہوئی نثار
تہذیبِ حرف و لفظ بڑھی اس ادا کے ساتھ
ہر کاروانِ فکر چلا، کربلا کے ساتھ

مظلوم کی زمیں پہ ہوا سجدۂ سخن پہنا سخنوروں نے صداقت کا پیرہن
بولی ادب شناس ادیبوں کی انجمن تخیّلِ کربلا سے ہے معراج علم وفن
اوجِ نظر ہے فاطمہؑ کے نورِ عین سے
یکتائیاں ملی ہیں مزاجِ حسینؑ سے

اس نقطۂ نظر سے سنورتی رہی حیات حسنِ عمل کے ساتھ نکھرتی رہی حیات
احساس کے جلو میں گذرتی رہی حیات ظلمت کدوں میں روشنی کرتی رہی حیات
جوہر شناس نقدِ سخن تولنے لگے
انساں روشنی کی زباں بولنے گے

سمٹا یہ کہہ کے دائرۂ ظلمتِ خیال اب کربلا کے نور میں ہے وسعتِ خیال
شبیرؑ سے ملی ہو جسے دولتِ خیال وابستہ اس کے ذہن سے ہے نکہتِ خیال
فطرت جو کربلا کے چمن سے قریب ہو
پتھر کو بھی گلاب کی خوشبو نصیب ہو

سنتے تھے رات دن جو طلسمی کہانیاں ان کے لبوں پہ آئی محرم کی داستاں
بے رحمیاں تھیں جن کے خیالوں کی پاسباں اب سن رہے تھے وہ کسی مظلوم کی فغاں
شیشے طبیعتوں کے نئے رنگ پا گئے
کانٹوں میں تازہ پھولوں کے اوصاف آ گئے

نبضِ معاشرہ کو حرارت ہوئی نصیب نفرت زدوں کو روحِ محبت ہوئی نصیب
ذہنوں کو روشنیِ حقیقت ہوئی نصیب نامِ عزا پہ علم کی دولت ہوئی نصیب
میدانِ کربلا کی طرف ہر نظر گئی
آغوشِ نظم و نثر اُجالوں سے بھر گئی

پھیلا جہاں میں تذکرہَ انقلابِ فکر لے کر اڑے دلوں کے سمندر سحابِ فکر
ہر صاحبِ ضمیر سے بولی کتابِ فکر زندہ ہیں کربلا کے قیادت مآب فکر
آزادیِ ضمیر کی تلوار ہیں حسینؑ
سب قافلوں کے قافلہ سالار ہیں حسینؑ

ہاں بالخصوص جس پہ ہوا ذکرِ کربلا مشہور وہ مقام عزاخانہ ہو گیا
لہرا گیا جو پرچمِ عباسؑ باوفا منبر سے آبشارِ خطابت رواں ہوا
بے لوث عالموں کی زباں پُراثر ہوئی
آنکھوں سے نور برسا، دلوں میں سحر ہوئی

اُبھرے خطیب شعلہ بیانی لئے ہوئے لفظوں میں روشنی کی روانی لئے ہوئے
بحرِ سخن، جہانِ معانی لئے ہوئے کشتِ رثا میں علم کا پانی لئے ہوئے
نقشہ کھنچا شہادتِ عظمیٰ کے پھول کا
دریا بہا مصائبِ آلِ رسولؐ کا

اہلِ عزا ہلالِ مُحرم کو دیکھ کر فرشِ عزا پہ بیٹھ گئے یوں بچشمِ تر
جیسے اُجڑ گیا ہو ابھی فاطمہؑ کا گھر جیسے پکارتی ہو کوئی ماں برہنہ سر
لازم ہے ذکرِ درد مرے نورِ عین کا
میں پرسہ لینے آئی ہوں اپنے حسینؑ کا

مجلس میں حاضرین کی آنکھوں کا آبشار
ہر تارِ اشک درد کی برچھی سے تار تار
سوز و سلام و مرثیہ خوانی بروئے کار
یعنی عروج پر غمِ مظلوم کی بہار
پیاسوں کی یاد حشر کا منظر لئے ہوئے
پلکیں ہوں جیسے لاشۂ اصغرؑ لئے ہوئے

چشمِ تصورات میں طوفانِ اضطراب
طوفانِ اضطراب میں تصویرِ انقلاب
تصویرِ انقلاب میں ایثار کا شباب
لکھتا ہو جیسے اپنے لہو سے کوئی کتاب
تاریخ دم بھرے وہ زبان و بیان ہے
مقتل میں زندگی کا شجر آسمان ہے

پوچھے یہ بات چشمِ عزادار سے کوئی
مقتل میں کس کے زخم ہیں معراجِ بندگی
ڈوبے ہیں جس کے چاند ستارے وہ آدمی
تقسیم کر رہا ہے زمانے کو روشنی
برسا کے نور شرعِ رُخِ کائنات پر
قرآن لکھ رہا ہے جبینِ حیات پر

آتے نہ قتل گہہ میں اگر ابنِ مرتضیٰؑ
کھلتا نہ فرشِ ارض پہ گلدستۂ وفا
یہ فکر کی سحر، یہ تمدّن، یہ ارتقا
تحفہ ہے کائنات کو سبطِ رسولؐ کا
انسان کو ادائے جہاں ساز مل گئی
دنیا کے ہر غریب کو آواز مل گئی

ہم اپنے محسنوں کو بھلا دیں، نہیں نہیں
انسانیت کی شمع بجھا دیں، نہیں نہیں
کلمے کا نقش دل سے مٹا دیں، نہیں نہیں
خود اپنے گھر کو آگ لگا دیں، نہیں نہیں
جس میں جلے ہیں خیمے وہ میدان یاد ہے
اسلام پر شہیدوں کا احسان یاد ہے

ممنونِ خاندانِ پیمبر ہے زندگی　　پیاسوں نے ہر بشر کو دیا جام آشتی
کہتے ہیں آج صاحبِ انصاف آدمی　　توڑا ہے بیکسوں نے غرورِ شہنشہی
ظالم کے ہر خیال کا نقشہ بدل گیا
نمرودِ شام اپنے ہی شعلوں میں جل گیا

وہ ذکر، جس کے دم سے بشر کی بقا کا ذکر　　وہ ذکر، جس کے آئینے میں انبیاؑ کا ذکر
وہ ذکر، جو بہ رشتۂ خوں مصطفےؐ کا ذکر　　وہ ذکر، جس کی تاب وتواں ہو خدا کا ذکر
ایمان کی زباں سے ادا بالیقیں کرے
انساں کا فرض ہے کہ اسے دل نشیں کرے

قرآن میں شعائرِ اللہ کا بیاں　　ہر کلمہ گو پہ صورتِ خورشید ہے عیاں
منجانب خدا ہیں جو وحدت کے ترجماں　　بے شک وہی ہیں رشد وہدایات کے نشاں
مقتل میں جن کے دم سے اذاں کا نظام ہے
اسلام ان کے خون کی دھاروں کا نام ہے

جو لکھ گئے ہیں اپنے لہو سے نصابِ حق　　تا حشر ان کا ذکر رہے گا شبابِ حق
جو موت کے بھنور میں ہیں جرات مآبِ حق　　اہلِ خدا وہی ہیں وہی کامیابِ حق
پھر کیوں نہ اعتبارِ زبان و قلم رہے
حق ہے جو ان کی بات دلوں پر رقم رہے

عاشور ہے کتابِ غریباں لئے ہوئے　　آیات رو رہی ہیں عبارت کوئی پڑھے
اک دوپہر میں کٹ گئے سوکھے ہوئے گلے　　میدان سرخ ہوگیا پیاسوں کے خون سے
آسیب شام صبح کے گلشن پہ چھا گیا
نوکِ سناں پہ بولتا قرآن آ گیا

اہلِ حرم کے بال کھلے جل گئے خیام وہ شام آئی شامِ غریباں ہے جس کا نام
وہ بے کسی، وہ آلِ پیمبرؐ فلک مقام وہ قید ہو گئے جنہیں قرآں کرے سلام

سلطانِ انبیاؑ کے صحیفے بکھر گئے
شہروں میں اہلِ بیتِؑ نبی ننگے سر گئے

وہ ریسماں وہ ننھے یتیموں کی گردنیں فریاد بن کے چیخ اٹھیں ظلم کی حدیں
کیوں ظالموں نے کاٹ دیں احساں کی رگیں کوئی خدا پرست نہیں اہلِ شام میں

کیا کیا ستم جہانِ ستم زار سے ملے
بچوں کا دم گھٹا، تو فقط قہقہے ملے

شہرِ دمشق میں وہ تماشائی الاماں چاروں طرف سجے ہوئے دروازہ و مکاں
دروازہ و مکاں پہ ہجومِ ستم گراں اور درمیاں میں کعبۂ سردارِ مرسلاں

جو بے کسوں کی آنکھوں سے اس دم بہے نہیں
وہ بے قرار اشک ابھی تک تھمے نہیں

غیرت شکن یزید کے دربار کی فضا اہلِ خدا کے سامنے وہ دشمنِ خدا
کرسی نشیں تمام جفا کار، بے حیا اور اک طرف کھڑی ہوئی اولادِ مصطفےٰؐ

ماحول فرقِ ظلم پہ تلوار بن گیا
اسلام صبرِ عابدؑ بیمار بن گیا

فضہؓ کے پیچھے زینبؑ و کلثومؑ خستہ حال انسانیت کے سامنے انسانیت کی ڈھال
دربارِ کم نظر میں، شرافت کا وہ زوال ملتی نہیں زمانہ میں جس کی کوئی مثال

کیسے کہوں کہ سوئے نجف دیکھتی رہیں
شہزادیاں زمیں کی طرف دیکھتی رہیں

حاکم کے آگے طشت میں سبطِ نبیؐ کا سر معصوم کے لبوں پہ چھڑی اور بد گہر
وہ ہونٹ چومتے تھے جنہیں سیّدالبشرؐ یہ کہہ کے ان پر ضرب لگاتا تھا فتنہ گر

جادوئے مصطفےٰؐ کا اثر ختم ہو گیا
جو نازشِ حرم تھا وہ گھر ختم ہو گیا

پھر اس کے بعد شام کے زنداں میں وقتِ شام — تاریکیاں تھیں اور حرمِ سیّدالانام
فرشِ زمیں پہ شامِ غریباں کے تشنہ کام — تھا بندگانِ شکر میں سجدوں کا اہتمام
سوکھے لبوں پہ شرحِ پیمبرؐ سمٹ گئی
ہر شب، نمازِ شب کے اُجالوں میں کٹ گئی

گویا تھا یوں اسیروں کی پیشانیوں کا نور — ان قیدیوں پہ ناز کرے گا چراغِ طور
اندازِ بے کسی نے ابھارا ہے وہ شعور — توڑا ہے جس نے سلطنتِ ظلم کا غرور
دنیائے صبر چھا گئی جبرِ شدید پر
لعنت کرے گا سارا زمانہ یزید پر

مشکل ہے چھ برس کی عزادار کا بیاں — کس نے سنی سکینہؑ کی سہمی ہوئی فغاں
مظلومِ کربلا کی وہ معصوم نوحہ خواں — لیتی رہی طمانچوں کی بارش میں ہچکیاں
تارِ نفس میں یاس کے موتی پرو گئی
عمو کا نام لیتے ہی بے ہوش ہو گئی

یہ کیسا انقلاب تھا کوئی مجھے بتائے — زنداں میں اپنے باپ کو بیٹی نہ رونے پائے
عباسؑ کی بھتیجی طمانچوں کے غم اٹھائے — اسلام اور یہ درد کی تصویر ہائے ہائے
بچی تڑپ تڑپ کے جہاں سے گذر گئی
تنہائیوں میں پہلی عزادار مر گئی

زنداں کے بعد گورِ غریبانِ کربلا — صحرا میں تربتوں پہ ہوئی مجلسِ عزا
پیاسوں کی یاد، اہلِ حرم، گریہ و بکا — زینبؑ کے آنسوؤں نے عجب مرثیہ پڑھا
احساسِ درد بڑھ گیا، تکمیلِ صبر سے
بے کس بہن لپٹ گئی بھائی کی قبر سے

الفاظ یہ کہ اے مرے ماں جائے تشنہ کام — میں آ گئی، قبول ہو ماں جائی کا سلام
چھوٹا سا قافلہ ہے، نہیں اب ہجومِ عام — پوچھو تو کیسے فتح کیا ہے دیارِ شام
جی بھر کے داستانِ مصیبت سناؤں گی
جو بازوؤں پہ نیل پڑے ہیں دکھاؤں گی

پہلے انہیں دعائیں، جو قبریں بنا گئے پامال، خستہ جسم زمیں میں چھپا گئے
مٹی سے بوترابؑ کا گلشن کھلا گئے یعنی نشانِ باغِ شہیداں بتا گئے

جو احترام کر گئے آلِ رسولؐ کا
ان کے لئے سلام ہے بنتِ بتولؑ کا

پھر قبر سے لپٹ کے پکاریں بصد فغاں کیا اب سکوں ملا مرے مظلوم بھائی جاں
وہ وقت یاد آتا ہے آئی تھی جب یہاں خیمہ تھا میرے واسطے خیموں کے درمیاں

اک دن وہ تھا اٹھے تھے مرے احترام کو
یا اب ترس رہی ہوں جوابِ سلام کو

بھیّا میں کیا بتاؤں یہاں سے کہاں گئی بازو بندھے، شرابیوں کے درمیاں گئی
بارش میں تازیانوں کی میں ناتواں گئی کوفے میں لے کے قافلۂ بے کساں گئی

محوِ غرور تخت پہ وہ بد نہاد تھا
میں سر کھلے تھی، سامنے ابنِ زیاد تھا

میں سن رہی تھی فاسق و ظالم کی گفتگو جس کے ہر ایک لفظ میں فرعونیت کی بو
دربار میں بھرے تھے زمانے کے سفلہ جو ہنستے تھے آیتوں پہ وہ قرآن کے عدو

کم ظرف تھے درندۂ خونخوار کی طرح
آلِ نبیؐ کھڑی تھی گنہگار کی طرح

کوفے کے بعد شام کی جانب کیا سفر اہلِ حرم سوار تھے اونٹوں پہ ننگے سر
اونٹوں کو تیز تیز چلاتے تھے بد سیَر آیا کسی کو رحم نہ عابدؑ کے حال پر

کیا کیا ستم غریب پسر نے اٹھائے ہیں
اہلِ جفا نے راہ میں کانٹے بچھائے ہیں

کیسے بتاؤں شام کے دربار کی جفا بیٹھے تھے زرق برق لباسوں میں بے حیا
اُف وہ یزید اور وہ تکبر کی انتہا نفسِ نبیؐ کی بیٹی سے محوِ کلام تھا

فضہؓ نے ایسے وقت میں جرات دکھائی تھی
دربار کو جھنجوڑ کے غیرت دلائی تھی

زنداں میں قید ہو گئی آلِ رسولؐ پاک زنداں بھی وہ کہ دن میں اندھیرا تھا خوفناک
کیا واقعہ بیان کروں دل ہے چاک چاک میں آئی ہوں چھپا کے سکینہؑ کو زیرِ خاک
اک ناتواں نے کتنی مصیبت اٹھائی ہے
عابدؑ نے قید خانے میں تربت بنائی ہے

بھیا عجب تھا وقت کہ جب ہم فغاں نصیب ماتم کناں تھے مرقدِ معصوم کے قریب
بھیا وہاں ربابؑ کی حالت ہوئی عجیب لپٹا رہی تھی قبر کو سینے سے وہ غریب
برسات ہو غموں کی تو فریاد کیا کرے
گھر جس کا لٹ گیا ہو وہ ناشاد کیا کرے

بھیا پڑھوں ربابؑ کے ان آنسوؤں کے تار خاموشیوں سے جن کو ملی حشر کی پکار
یوں دیکھتی تھی قبرِ سکینہؑ کو بار بار جیسے ابھی اٹھے گی، وہ معصوم بے قرار
کیا ہو سوال ایسے میں ہوش و حواس کا
قربان ہو یقین وہ عالم تھا یاس کا

کچھ تھرتھراتے ہونٹوں سے کرتی تھی اتنی بات بولو سکینہؑ، کیسے گذاروں غموں کی رات
کیوں تم نے ساتھ چھوڑ دیا میری خوش صفات کیا مل گئی طمانچوں کی تکلیف سے نجات
سب واقعاتِ درد سنائے ہیں باپ کو
کیا نیلے نیلے داغ دکھائے ہیں باپ کو

بھیا بتاؤ، کیا کرے یہ غمزدہ بہن عابدؑ کا حکم ہے کہ چلیں جانبِ وطن
بھیا دلِ ربابؑ ہے ٹکڑے بصد محن کہتی ہے سب سے چوم کے اصغرؑ کا پیرہن
اصغرؑ کے پاس قبر پہ بیٹھی رہوں گی میں
سب جائیں، کربلا میں اکیلی رہوں گی میں

قیصرؔ بیانِ ثانیِ زہراؑ ہے وہ خطاب جس کے سبب عزائے حسینؑ پہ ہے شباب
جاری رہے تا کہ بنتِ ابوترابؑ ہر مجلسِ عزا سے اٹھے تازہ انقلاب
دل سے کسی طرح اثرِ درد کم نہ ہو
صرف اک غمِ حسینؑ ہو اور کوئی غم نہ ہو

◆◆◆

شاعرِ دربارِ حسینؑ

(شاعرِ دربارِ حسینؑ کا مرتبہ اور حضرتِ زینبؑ کے خطبات)

۷۱ بند۔ ۱۹۵۵ء

◆◆

❖❖

آ جائے اگر جوش پہ دریائے معانی
تھم جائے وہیں قلزمِ کوثر کی روانی
یوں رنگ پہ آئے مری اعجاز بیانی
شرمائے تغیّر پہ زلیخا کی جوانی
آہوں کی تپش، درد کی تاثیر بدل دوں
حُرؑ کہتے ہی مضمون کی تصویر بدل دوں

❖❖

شاعرِ دربارِ حسینؑ

میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں　　میں زمزمہ پردازِ شہیدِ ازلی ہوں
گمنام ہوں لیکن صفتِ مہر جلی ہوں　　حاصل ہے بہتر کی ولایت وہ ولی ہوں
مہکا ہے جو بستانِ سخن مدح و ثنا سے
لایا ہوں یہ خوشبو چمنِ کرب و بلا سے

بیجا نہیں کہدوں جو مودّت کی بنا پر　　کوثر سے فزوں، میرے تخیل کا سمندر
کیا کیفیتِ جام ہے، کیا گردشِ ساغر　　آئے تو مری موجِ طبیعت کے برابر
سچ کہتا ہوں کیا موجۂ کوثر کی تڑپ ہے
اس موج میں خونِ علی اصغرؑ کی تڑپ ہے

آئے جو تصور میں جمالِ علی اکبرؑ　　ہر لفظ ہو آئینۂ توصیفِ پیمبرؐ
یاد آئے اگر ہیبتِ عباسؑ دلاور　　ہر مصرع بنے جلوہ گرِ شوکتِ حیدرؑ
یا ابنِ مظاہرؓ جو مرے لب سے نکل جائے
مفہوم کی پیری بھی جوانی سے بدل جائے

ہو جلوہ فشانی پہ جب آئینۂ افکار قرطاس پہ ہو روشنیِ طور کا اظہار
نظروں میں سما جائے بہتر کا جو کردار موسیٰؑ کو غش آ جائے مگر میں رہوں ہشیار
وہ جلوہ جو موسیٰؑ کے دل اور سینے میں دیکھوں
میں اُلفتِ شبیرؑ کے آئینے میں دیکھوں

آ جائے اگر جوش پہ دریائے معانی تھم جائے وہیں قلزمِ کوثر کی روانی
یوں رنگ پہ آئے مری اعجاز بیانی شرمائے تغیر پہ زلیخا کی جوانی
آہوں کی تپش، درد کی تاثیر بدل دوں
حُرؑ کہتے ہی مضمون کی تصویر بدل دوں

جس وقت سما جائیں مری آنکھوں میں یکبار جذبات حبیبِ اسدیؑ وہب کا ایثار
قاسمؑ کا عمل، حوصلۂ مسلمِؑ جرار اکبرؑ کی اذاں طاعتِ عباسِؑ علمدار
معراج پہ اسلام کی دنیا نظر آئے
اللہ کی توحید کا نقشا نظر آئے

تحریر میں آ جائے اگر ذکرِ عبادت پھرنے لگے آنکھوں میں وہ ہنگامِ قیامت
جب دلبرِ زہراؑ تھا گرفتارِ مصیبت سر نیزے پہ اور ہونٹوں پہ قرآں کی تلاوت
جب عشقِ الٰہی کی ادا جھوم رہی تھی
قدرت لبِ شبیرؑ کو جب چوم رہی تھی

لکھنا ہو جب انسان کی غیرت کا فسانہ یاد آئے وہ اسلام کا تاریک زمانہ
جب شام میں تھا احمدِ مرسلؐ کا گھرانا ہوتا تھا ہر اک گام پہ دُرّوں کا نشانہ
جس وقت مسلمانوں میں غیرت نہ حیا تھی
جب فاطمہؑ کی لاڈلی محتاجِ ردا تھی

اے میرے ہم آواز تجھے کیا نہیں معلوم   کس واسطے روتی ہے مری فطرتِ مغموم
لازم بشریت میں ہے غمخواریِ مظلوم   ظالم سے تنفر ہے ہر اِک قلب پہ مرقوم
ہمدردیِ مظلوم شرافت پہ یقیں ہے
ظالم سے جو مل جائے وہ انسان نہیں ہے

کیوں آج مرے حال پہ حسرت کی نظر ہے   غافل تجھے کچھ فلسفۂ غم کی خبر ہے
غم ہی تو مہذب گرِ دنیائے بشر ہے   آنسو جسے کہتا ہے وہی نورِ بصر ہے
تو کس لئے برگشتہ ہے کیفیتِ غم سے
قرآن کی تمہید ہوئی لفظِ الم سے

سمجھا نہیں تو نے مرا اندازِ پریشاں   کس واسطے رہتا ہوں سدا چاک گریباں
کیوں برقِ الم ہے مرے نغمات میں پنہاں   کچھ تو ہے کہ آنکھوں سے اٹھا کرتا ہے طوفاں
کیوں درد بھری ہے مرے اشعار کی دنیا
آ تجھ کو دکھاؤں دِلِ غمخوار کی دنیا

آ نقشۂ ترتیب میں، اس ارض جہاں پر   برباد جہاں ہو گیا بستانِ پیمبرؐ
توڑا ہے جہاں موت نے زہراؑ کا گلِ تر   معصوم کی گردن پہ جہاں پھر گیا خنجر
آیا تھا جہاں فاطمہؑ کا چاند گہن میں
جس جا تھے نبیؐ زادیوں کے ہاتھ رسن میں

وہ دشتِ بلا، کرب و بلا نام ہے جس کا   اُترا تھا وہیں قافلۂ یثرب و بطحا
دسویں کو محرّم کی وہیں حشر ہوا تھا   اٹھا تھا کمر باندھ کے احمدؐ کا نواسا
دل میں یہ ارادہ تھا کہ باطل کو کچل دوں
اسلام کی بگڑی ہوئی تقدیر بدل دوں

اک دشمنِ اسلام جو تھا حاکمِ اظلم　　معذور، بداعمال، ذلیلِ بنی آدم
بد خصلت و بدکار و بد انجامِ دو عالم　　یعنی کہ یزیدِ اموی کفرِ مجسم
کم ظرف جو تھا، مائلِ تکرار ہوا تھا
شبیرؑ سے بیعت کا طلب گار ہوا تھا

وہ کہتا تھا قبضے میں زمانے کا ہے لشکر　　یہ کہتے تھے حاصل ہے مجھے قوتِ حیدرؑ
وہ کہتا تھا دولت مری قاروں سے فزوں تر　　یہ کہتے تھے خادم ہیں مرے در کے ابوذرؓ
وہ کہتا تھا دنیا میں مرا نام رہے گا
یہ کہتے تھے ہاں داخلِ دشنام رہے گا

وہ کہتا تھا قرآں کی فضیلت نہ رہے گی　　یہ کہتے تھے ممکن نہیں وحدت نہ رہے گی
وہ کہتا تھا احمدؐ کی شرافت نہ رہے گی　　یہ کہتے تھے ظالم کی حکومت نہ رہے گی
وہ کہتا تھا اب کعبے میں ناقوس بجے گا
یہ کہتے تھے کیا کہتا ہے، سر میرا کٹے گا

وہ کہتا تھا دنیا میں رہے گا مرا فرماں　　یہ کہتے تھے انجام سے واقف نہیں ناداں
وہ کہتا تھا مشکل ہے مرے واسطے آساں　　حاصل ہے مجھے تاجِ شہنشاہیِ دوراں
یہ کہتے تھے ہاں صاحبِ شمشیر نہ کہنا
تختہ نہ الٹ جائے تو شبیرؑ نہ کہنا

کہتا تھا یزید اب مجھے حاصل ہے وہ قوت　　خطبے میں مرے بعد ہو اب ذکرِ رسالتؐ
غالب ہو شریعت پہ مرا حکمِ خلافت　　خود آلِ نبیؐ کی ہو مرے ہاتھ پہ بیعت
جھک جائیں زمانے کی جبینیں مرے در پر
آ جائے خزاں دینِ محمدؐ کے شجر پر

فرماتے تھے شبیرؑ کہ آنے دے وہ ہنگام　　کیا چیز ہے ظالم تری قوت ترے احکام
بیعت کا بہانہ ہے تری موت کا پیغام　　مٹتی ہے مٹائے سے کہیں شوکتِ اسلام
جس وقت زوال آئے گا نانا کے شجر کو
قربان کروں گا علی اکبرؑ سے پسر کو

واللہ کہا تھا جو وہی کر کے دکھایا　　وقت آیا تو اسلام پہ گھر بار لٹایا
غم کون سا تھا جو نہ کلیجے پہ اٹھایا　　دوزخ سے مگر نانا کی اُمّت کو بچایا
حیرت ہے اگر کوئی مسلمان نہ مانے
کافر ہے، جو شبیرؑ کا احسان نہ مانے

اللہ رے یہ فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر　　تلواریں تھیں پہلو پہ تو سینے پہ کبھی تیر
پیاسے رہے غربت میں پھری حلق پہ شمشیر　　لیکن یہ زمانے کو سبق دے گئے شبیرؑ
وقت آئے تو مرنے سے کنارا نہیں کرتے
لیکن، کبھی توہین گوارا نہیں کرتے

لائے تو کوئی دہر میں اس طرح کا ایثار　　پیدا تو کرے فاطمہؑ کے لال کا کردار
ڈھونڈے تو کوئی کیفیّتِ نفس کا مختار　　آخر لبِ تاریخ سے ہو جائے گا اظہار
کہتی ہیں مسلسل یہ حدیں ارض و سما کی
شبیرؑ کی وحدت ہے خدائی میں خدا کی

میدان میں یوں برچھیاں کھاتے نہیں دیکھا　　یوں پیاس میں تلوار چلاتے نہیں دیکھا
یوں سر رہِ خالق میں جھکاتے نہیں دیکھا　　یوں دولتِ اولاد لٹاتے نہیں دیکھا
کب گذرا یہ عالم کس بیکس کی نظر سے
اس طرح جنازے نہیں نکلے کسی گھر سے

مشکل ہے جواں لال کی میت کا اٹھانا
آساں نہیں بے شیر کی تربت کا بنانا
شبیرؑ کا دیکھے تو ذرا قلب زمانہ
منظور کیا کنبے کا دربار میں جانا
دنیا سے گئے تین شب و روز کے پیاسے
اسلام کا پردہ رکھا زینبؑ کی ردا سے

افسوس، وہ عاشور کے دن حشر کا منظر
طوفان میں وہ کشتیِ اولادِ پیمبرؐ
وہ خون میں ڈوبے ہوئے زہراؑ کے گلِ تر
بکھرے ہوئے قرآن کے پارے تھے زمیں پر
قرآن لٹا حافظِ قرآن کھڑے تھے
سر کھل گیا زینبؑ کا مسلمان کھڑے تھے

یوں پھر گئے اولادِ پیمبرؐ سے مسلماں
نسبت نہ رکھیں جس سے کسی دین کے انساں
بڑھتے رہے سادات پہ یوں ظلم کے طوفاں
ہے جن کے لئے دیدۂ تاریخ بھی حیراں
سر بستہ ہوا تھا جو مدینے کی فضا میں
وہ راز کھلا معرکۂ کرب و بلا میں

جب داخلِ کوفہ ہوئی اولادِ پیمبرؐ
اونٹوں پہ رسن بستہ، پریشان، کھلے سر
عابدؑ سے یہ زینبؑ نے کہا اے مرے دلبر
کس شہر میں لائے ہیں ہمیں ظلم کے خوگر
گھبراتا ہے دل صورتِ آلام ہے بیٹا
بتلاؤ تو اس شہر کا کیا نام ہے بیٹا

آباد ہیں اس شہر میں کس دین کے انساں
کافر ہیں یہاں لوگ کہ رہتے ہیں مسلماں
وابستۂ انجیل ہیں یا پیروِ قرآن
کیا واقفِ توحید ہے اس شہر کا سلطاں
تعریف یہاں کس کی بیاں ہوتی ہے بیٹا
اس شہر میں وحدت کی اذاں ہوتی ہے بیٹا

اس شہر میں لیتا ہے کوئی نامِ پیمبرؐ اس شہر میں رہتا ہے کوئی عاشقِ حیدرؑ
خاموش ہو کیوں، کچھ تو کہو عابدِؑ مضطر اس شہر میں دیکھا ہے کوئی واقفِ جعفرؑ
شیدا ہے یہاں پر کوئی زہراؑ کے چمن کا
اس شہر میں ہے کوئی طرفدار حسنؑ کا

یہ سن کے تڑپنے لگا عابدؑ کا کلیجا گردوں پہ نظر ڈال کے آغاز کو دیکھا
پھر بولے کہ اے میری پھوپھی، ثانیِ زہراؑ اس شہر کو دنیا کی زباں کہتی ہے کوفا
ظاہر میں تو اسلام کی آباد زمیں ہے
پر آلِ محمدؐ کا کوئی دوست نہیں ہے

عابدؑ نے لیا نام جو کوفے کا تو یکبار زینبؑ کی نگاہوں میں پھرے حیدرؑ کرار
افسوس کہ دیکھا تھا جہاں باپ کا دربار لائی تھی وہیں گردشِ غم کر کے گرفتار
شہزادی جہاں پر کبھی کہلائی تھی زینبؑ
افسوس، رسن بستہ وہاں آئی تھی زینبؑ

اتنے میں کسی شخص نے لشکر سے یہ پوچھا مارا ہے کسے، لوٹا ہے یہ قافلہ کس کا
تھا کون، بنے جس کے حرم آج تماشا تھا کون خطا وار ملی جس کو یہ ایذا
لشکر نے کہا صرف بغاوت کی سزا ہے
باغی تھا حکومت کا، جسے لوٹ لیا ہے

زینبؑ نے سنا لفظِ بغاوت تو سنبھل کر خطبہ یہ دیا مثلِ نبیؐ، صورتِ حیدرؑ
زندہ ہے وہی کہنے کو مظلوم کی خواہر پردہ نہ پڑے گا مرے بھائی کے لہو پر
یہ حق و صداقت کی صدا چھا کے رہے گی
ہر ذرّے سے آوازِ حسینؑ آ کے رہے گی

احمدؐ کے نواسے پہ بغاوت کا ہے الزام
کہتے ہو کہ باغی کا یہی ہوتا ہے انجام
انصاف کرو، کون ہوا باغی، اسلام
کس نے نہ دیا احمدِ مختارؐ کا پیغام
وہ کون ہے جو نشۂ دنیا میں پڑا ہے
قرآں کی حفاظت کے لئے کون کھڑا ہے

اے کوفیو، کیوں بھول گئے صدق بیانی
انصاف ہے دنیا میں حقیقت کی نشانی
گر یاد نہیں تم کو محمدؐ کی زبانی
محفوظ ہے قرآن میں کس گھر کی کہانی
جو حافظِ قرآں ہیں وہ تفسیر سنا دیں
ہے کن کے لئے آیۂ تطہیر بتا دیں

تم کو یہ گماں ہے کہ مٹا نامِ شریعت
قائم ہوئی بدکارِ زمانہ کی خلافت
تم کو یہ گماں ہے کہ بجھی شمعِ امامت
باقی نہ رہا اب کوئی اندیشۂ بیعت
لیکن بخدا، ظلم کی قوت نہ رہے گی
اسلام کے دشمن کی حکومت نہ رہے گی

اے کوفیو، کس گھر سے ملی تم کو ہدایت
کس گھر نے سکھائے تمہیں آئینِ حکومت
اے کوفیو، کس گھر نے دیا نورِ محبت
کس گھر نے عطا کی تمہیں قرآن کی دولت
کس گھر کے سبق نے تمہیں انسان بنایا
بولو، تمہیں کس گھر نے مسلمان بنایا

کیوں تم نے رکھا ظلم روا کچھ تو بتا دو
کس جرم پہ دی ہے یہ سزا کچھ تو بتا دو
نفرت کا سبب، وجہِ جفا کچھ تو بتا دو
اے کوفیو اس گھر کی خطا کچھ تو بتا دو
خاموش ہو کیوں، حق کی صدا کوئی نہیں ہے
شاید یہ خطا ہے کہ خطا کوئی نہیں ہے

بولو، مرے نانا نے کسی گھر کو جلایا قیدی کسی مظلوم مسافر کو بنایا
بولو، مرے بابا نے یتیموں کو رُلایا اور لوٹ کے بیواؤں کو سر ننگے پھرایا
دیکھا ہے کسی اہلِ وطن، غیر وطن نے
دُرّے کسی معصوم کو مارے تھے حسنؑ نے

تقریر یہ کرتی تھی ابھی زینبؑ ناچار ناگاہ نظر آنے لگا کوفے کا دربار
غیرت کا پسینہ ہوا ماتھے پہ نمودار دل میں یہ خیال آیا کہ جاؤں گی نہ زنہار
ناقے سے کہا بہرِ خدا، رُخ نہ ادھر کر
حیوان ہے لیکن مرے پردے پہ نظر کر

یہ کہہ کے سرِ پاک اٹھایا تو یہ دیکھا کچھ کہتا ہے نیزے پہ محمدؐ کا نواسا
ظاہر رُخِ انور پہ ہے اک اشکوں کا دریا کیا کہہ دیا ماں جائے نے ماں جائی نے سمجھا
کچھ اتنا اثر کر دیا اشکوں کے سخن نے
اپنا لیا بھائی کے اشارے کو بہن نے

بھائی کا اشارہ تھا، بہن ہوش میں آؤ مظلوم برادر کی وصیت نہ بھلاؤ
طوفان میں کشتی ہے مرا ہاتھ بٹاؤ بھائی سے محبت ہے تو آنسو نہ بہاؤ
پروا نہ کرو آج، اگر ظلم ہوا ہے
تم صبر کرو صبر، خدا دیکھ رہا ہے

زینبؑ مری محنت کہیں برباد نہ جائے بیکس کی ریاضت پہ زوال آنے نہ پائے
پردیس میں جو دولتِ اولاد لٹائے اس دل کے ارادوں پہ کہیں حرف نہ آئے
زینبؑ ابھی آغاز ہے انجام نہیں ہے
یہ منزلِ کوفہ ہے ابھی شام نہیں ہے

دربار میں جاتے ہوئے گھبراتی ہو ہمشیر کیا آج نگاہوں میں نہیں ہمتِ شبیرؑ
بالوں سے عبث منہ کے چھپانے کی ہے تدبیر کیا میری بہن سر پہ نہیں چادرِ تطہیر
کچھ غم نہ کرو آج بظاہر جو کھلا ہے
بیٹی کے سرِ پاک پہ اماں کی ردا ہے

لو جاؤ بہن، ہمتِ شبیرؑ دکھا دو ایوانِ ستم کے در و دیوار ہلا دو
انسان کی سوئی ہوئی تہذیب جگا دو دنیا کو مری فتح کا پیغام سنا دو
بڑھتے ہوئے سیلاب کا رُخ موڑ دو زینبؑ
اسلام کے غدّار کا منہ توڑ دو زینبؑ

شکوہ نہ کرو، قاسمِ مضطر کی قسم ہے کھولو نہ زباں اپنے برادر کی قسم ہے
آہیں نہ بھرو، لاشۂ اصغرؑ کی قسم ہے غصے میں نہ آؤ، علی اکبرؑ کی قسم ہے
بھائی کے عمل، وقت کی رفتار کو دیکھو
زنجیروں کو اور عابدؑ بیمار کو دیکھو

بھائی کے اشارے میں جو تلقین سی پائی تھرّا گئی اک دم اسداللہؑ کی جائی
برچھی وہ تصور نے کلیجے پہ لگائی اٹھارہ برس والے کی صورت نظر آئی
مجبور ہوئی ہاتھ بندھے تھے جو کمر سے
اکبرؑ کی بلائیں لیں مگر دستِ نظر سے

پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ کی بھائی سے تقریر اچھا مرے ماں جائے نہ گھبرائے گی ہمشیر
خوش ہو کے اٹھائے گی ہر اک ذلت و تحقیر زینبؑ کی رضا کچھ نہیں جو مرضیِ شبیرؑ
ماں جائے کا ہر حکم بجا لائے گی زینبؑ
لے جائیں گے جس طرح چلی جائے گی زینبؑ

اب چشم کہیں اشک جو بھر لائے تو کہنا — غم سے دلِ زینبؑ جو سکوں پائے تو کہنا
پیشانیِ خواہر پہ شکن آئے تو کہنا — ظالم کی حکومت نہ اُلٹ جائے تو کہنا
یہ منزلِ دشوار کو آسان کرے گی
بھیّا، یہ بہن فتح کا اعلان کرے گی

اسلام کے دشمن کو یہ ہو جائے گا معلوم — جھکتے نہیں تلوار سے اسلام کے مخدوم
بھیّا میں زمانے کو بتا دوں گی یہ مفہوم — حق پر ہو تو ظالم کو مٹا دیتا ہے مظلوم
ہے کفر عبث، مصطفویؐ شان کے آگے
جادو کبھی چلتا نہیں قرآن کے آگے

بھیّا مجھے اکبرؑ کی قسم دی ہے تو سن لو — خطبوں سے ہلا دوں گی میں ایوانِ ستم کو
پروا نہیں اب شام کی گلیوں میں گذر ہو — کیا کرتی ہے اب خواہرِ مظلوم یہ دیکھو
دربارِ جفا کار ہو یا قید کی راتیں
دہراؤں گی مانجائے کے کردار کی باتیں

درپیش جو اب شام کا رستہ ہے تو کیا ہے — رستے میں جفاؤں کا اندھیرا ہے تو کیا ہے
ہاتھوں کو پسِ پشت جو باندھا ہے تو کیا ہے — بھیّا مجھے کانٹوں پہ بھی چلنا ہے تو کیا ہے
اس لال پہ قربان ہر اک آن رہوں گی
میں عابدِ مضطر کی نگہبان رہوں گی

مانجائے سے مانجائی نے اتنا ہی کہا تھا — کچھ دور پہ اک لاشۂ بے سر نظر آیا
پہلے اسے زینبؑ نے بڑے غور سے دیکھا — پھر ضبط کے انداز میں عابدؑ سے یہ پوچھا
اے نورِ نظر خون کے رشتے پہ یقیں ہے
بیٹا، یہ کہیں لاشۂ مسلمؑ تو نہیں ہے

عابدؑ نے کہا کیسے کہوں اے پھوپھی اماں   لاریب یہی ہیں مرے مظلوم چچا جاں
ہے پاؤں میں باندھی ہوئی رسی سے نمایاں   لاشے کو یہاں کھینچ کے لائے ہیں مسلماں
بابا کی طرح یہ بھی رہے قیدِ جفا میں
یہ کوفے کے بازار میں وہ کرب و بلا میں

یہ سنتے ہی اک بار جھکی ثانیِ زہراؑ   شاید یہی بے ساختہ جھکنے کا سبب تھا
احساس کے عالم میں یہ لاشے سے تھی گویا   اچھا ہوا بھیا مجھے سر ننگے نہ دیکھا
پردیس میں سر اپنا تو کٹوا دیا مسلمؑ
بچوں کو مگر کس کے حوالے کیا مسلمؑ

القصہ ہوئے اہلِ حرم داخلِ دربار   مصروف جہاں بادہ کشی میں تھے خطا کار
آواز یہ دی شمر نے ہاں قیدیو، ہشیار   اب سامنے حاکم ہے، خبردار خبردار
مطلق نہ ہلیں ہونٹ یہ تاکید ہے سب سے
سر اپنا اٹھائے نہ کوئی پاسِ ادب سے

ناقوں پہ جو بیٹھے ہیں وہ نیچے اُتر آئیں   حاکم نہ غضب ناک ہو یہ خیر منائیں
کیا جانیے کس رنگ میں نازل ہوں سزائیں   فکر اپنی کریں وارثوں کی یاد بھلائیں
ہے ابن زیاد آج مسرت کے نشے میں
لازم ہے رسن، جملہ اسیروں کے گلے میں

یہ سنتے ہی ناقوں کا ٹھہرنا تھا قیامت   ناقوں سے اسیروں کا اترنا تھا قیامت
بچوں کا نئے ظلم سے ڈرنا تھا قیامت   اس دور سے زینبؑ کو گزرنا تھا قیامت
سنبھلا نہ گیا ہاتھ پسِ پشت بندھے تھے
ایسے ہی گری جیسے کہ عباسؑ گرے تھے

کہتے ہیں کہ اس وقت فقط عابدِ بیمار   زنجیر سنبھالے ہوئے دوڑے تھے بہ دشوار
فضہؓ کی صدا آئی تھی یا حیدرؑ کرار   کہتے ہیں پکاری تھی سکینہؑ جگر افگار
کیا نہر پہ سوتے ہو، چلے آؤ چچا جان
درّے پھوپھی اماں کو نہ کھلواؤ چچا جان

عابدؑ کے سہارے سے محمدؐ کی نواسی　　معصوم سکینہؑ کی طرف دیکھ کے اٹھی
اٹھی تو بڑے ضبط کے انداز میں بولی　　عابدؑ مرے مقسوم کی تحریر یہی تھی
دنیا کا جو ارمانِ جفا ہے وہ نکل جائے
اسلام کی گرتی ہوئی دیوار سنبھل جائے

بعد اس کے قطاروں میں کھڑے ہو گئے قیدی　　گنتی ہوئی نیزوں پہ شہیدوں کے سروں کی
حاکم نے بنِ سعد سے تفصیل جو پوچھی　　ہونے لگی پہلے سرِ شبیرؑ کی پیشی
یوں طشت میں سر آیا ستم گار کے آگے
جیسے کوئی قرآن ہو میخوار کے آگے

بدخواہ نے دیکھا جو سرِ سبطِ پیمبرؐ　　نخوت کی اداؤں سے یہ کہنے لگا ہنس کر
کیوں ابنِ علیؑ، کس کو ہوئی فتح میسر　　کس کو مرے لشکر نے دیا موت کا ساغر
جو عرش سے اتری تھی وہ شمشیر کہاں ہے
اب آلِ محمدؐ کی وہ توقیر کہاں ہے

پھر دیکھ کے عابدؑ کو سلاسل میں گرفتار　　یوں کہنے لگا قہر کی آنکھوں سے جفا کار
شاید یہی شبیرؑ کا فرزند ہے بیمار　　ہے موت کا پیغام جسے طوقِ گراں بار
صد شکر نبی زادیاں تشہیر ہوئی ہیں
رسوائیاں احمدؐ کے گھرانے کو ملی ہیں

یہ لاف زنی سنتے ہی شبیرؑ کی خواہر　　کہنے لگی کیا کہتا ہے، خاموش، ستمگر
دولت ہے ترے پاس ہمیں دین میسر　　قرآن میں ہے عزتِ اولادِ پیمبرؐ
کم ہو نہیں سکتی کبھی توقیر ہماری
اسلام کی تقدیر ہے تشہیر ہماری

اے ابنِ زیاد، اتنا بتا دے ترا لشکر　　میدان میں کس طرح لڑے وارثِ حیدرؑ
جب سبطِ نبیؐ آئے تھے بعدِ علی اصغرؑ　　کیا کیا نہ کھلے عرش کی شمشیر کے جوہر
کہہ دے کوئی معراجِ وغا تھی کہ نہیں تھی
لشکر میں، دہائی کی صدا تھی کہ نہیں تھی

حاضر ہے بنِ سعد، تری فوج کا سردار موجود ہے کھولے تو زباں، شمرِ ستم گار
انصاف سے کہہ دیں ترے پیدل ترے اسوار کس کو مرے بھائی سے ہوئی جرأتِ پیکار
مرنے کی ہوا میں، کسے جینے کا یقیں تھا
وہ کون بہادر تھا جو فرّار نہیں تھا

ملتا نہ اگر واسطۂ احمدِ مرسلؐ بھائی کو اگر رحم نہ آتا سرِ مقتل
کیا چیز تھے کوفے کی گھٹا شام کا بادل ظالم سرِ دربار نکلتے ترے کس بَل
لیکن مرے ماںجائے نے اُمت پہ نظر کی
یہ ہار نہیں، جیت ہے زہراؑ کے پسر کی

اے ابنِ زیاد آج بھرا ہے ترا دربار بیٹھے ہیں بڑی شان سے دولت کے پرستار
ہوتا جو کوئی آج محمدؐ کا طرف دار ہم پردہ نشینوں پہ گذرتی نہ یہ زنہار
بے پردگی ناموسِ رسالتؐ کے لئے ہے
کافی یہ طمانچہ تری عبرت کے لئے ہے

گونجی سرِ دربار جو زینبؑ کی یہ آواز ٹکرا گئی ماضی سے خیالات کی پرواز
کچھ لوگوں کو یاد آنے لگے حیدریؑ انداز ہونے لگا ہمدردیِ مظلوم کا آغاز
شرمندگیِ فکر ہر انسان سے کھیلی
کوفے کی فضا، درد کے طوفان سے کھیلی

گھبرا کے اٹھا ابنِ زیادِ ستم آرا داروغۂ زنداں کو جفا جو نے پکارا
بولا یہ اسیروں کی طرف کر کے اشارا لے جا انہیں جلدی، نہیں تاخیر گوارا
دربار کا انداز دگر دیکھ رہا ہوں
بدلی ہوئی لوگوں کی نظر دیکھ رہا ہوں

چلنے جو لگے اہلِ حرم جانبِ زنداں آنکھوں سے بہن بھائی کے سر پہ ہوئی قرباں
اس وقت مگر بول اٹھی گردشِ دوراں قربان ترے قافلہ سالارِ غریباں
منہ توڑ دیا دشمنِ اولادِ نبیؐ کا
اعلان کیا فتحِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا

◆◆

فریاد

(شاعر کی رُسولِ خدا سے فریاد اور آلِ رسولؐ کے مصائب)

(۶۶ بند۔ ۱۹۶۸ء)

◆◆

❖❖

قربانیاں تو خیر بڑی چیز ہیں، حضورؐ
ہمدردیِ زباں سے بھی دنیا رہی ہے دور
کیسے کہوں انہیں بھی ملا دین کا شعور
جن کی نگاہ چھوڑ گئی کبریا کا نور
وہ لوگ کیا سمجھتے خدا کی کتاب کو
مٹی نہ دے سکے جو رسالت مآبؐ کو

❖❖

فریاد

اے جبریلِ فکر مدینہ دکھا مجھے
کلمہ پڑھے نظر، وہ نگینہ دکھا مجھے
وادیِ لم یزل کا خزینہ دکھا مجھے
جو ظرفِ بحر ہے وہ سفینہ دکھا مجھے
طوفاں چھپا ہوا ہے غمِ دل کی لہر میں
آنکھیں قلم بنیں گی، محمدؐ کے شہر میں

برسا رہا ہے خون، مرے آنسوؤں کا ابر
سینے میں حشر خیز ہے بے چینیوں کی قبر
یاد آ رہا ہے ظلم پرستوں کا عہدِ جبر
وہ عہدِ جبر جس نے رلایا جہانِ صبر
زخموں کی دھوپ میں ہے سفر، بے قرار ہوں
اسلام نوحہ گر ہے، تو میں اشکبار ہوں

پرواز کر رہا ہے جو احساس کا عقاب
جرأت بھی ہے، بُراق طبیعت کی ہم رکاب
پڑتی ہے دل کے شیشے پہ اک ضربِ اضطراب
فریاد بن گیا ہے تخیل کا انقلاب
صدیوں کو مرثیے کی فضاؤں میں ڈھال کے
کاغذ پہ رکھ رہا ہوں کلیجہ نکال کے

ارمان ہے کہ پہلے وہاں جاؤں ننگے سر — آرام کر رہے ہیں جہاں سیّد البشرؐ
آواز دوں لحد پہ گریبان پھاڑ کر — مولاؐ سلام لو تو کہوں مقصدِ سفر
ہونٹوں پہ وہ حقیقتِ فریاد و آہ ہے
انسانیت میں جس کا چھپانا گناہ ہے

کھولوں زباں، حضورِ دو عالم کے روبرو — اُمّت کا انحراف ہو عنوانِ گفتگو
تقدیسِ کائنات کا بہتا ہوا لہو — جذبات پر انڈیل دے تاریخ کے سبو
محسن کشوں کی بات جو نکلے زبان سے
ٹکرائے زندگی کی فغاں، آسمان سے

سردارِ انبیاؐ سے کروں اس طرح خطاب — مولاؐ تمہارے بعد ہوا طرفہ انقلاب
ڈالے ہوئے تھے رُخ پہ جو اسلام کی نقاب — ان کے عمل سے پھوٹ پڑا کفر کا شباب
ایماں فروش وقت کے فرزند ہو گئے
کچھ لوگ سرکشوں کے خداوند ہو گئے

گھر میں پڑی تھی میّتِ سرکارِ دو جہاںؐ — میّت کے پاس فاطمہ زہراؑ تھی نیم جاں
حسنینؑ کہہ رہے تھے کہ نانا گئے کہاں — کہرام تھا قبیلۂ عمراںؑ کے درمیاں
جتنے تھے حق پرست، وہ سب اشکبار تھے
دنیا کے لوگ محوِ غمِ اقتدار تھے

اہلِ وفا میں فرقتِ شاہِ زمن کی بات — اربابِ ظلم و جور میں دار و رسن کی بات
زہراؑ کے گھر حضورؐ کے غسل و کفن کی بات — اُمت کی انجمن میں حصولِ چمن کی بات
طوفانِ رنج و غم تھا دلِ بوترابؑ میں
دنیا پڑی تھی مشغلۂ انتخاب میں

وہ آخری پیمبرؐ توحید کا سفر
وہ چند عارفانِ خدا اور خدا کا گھر
قرآں کا وزن بوذرؓ و سلمانؓ کے دوش پر
وہ شیرِ کردگار کا رونا جھکا کے سر
ایسے میں بے وفائی دنیا نظر میں تھی
یا غربتِ مسافرِ بطحا نظر میں تھی

جس وقت جا رہا تھا رسالتؐ کا تاجدار
تھا دیدنی بلالؓ کی آنکھوں کا آبشار
دریا بنا ہوا تھا مودّت کا شاہکار
لیکن صدائے ارض مدینہ تھی بار بار
افسوس، ایک عمر جو پہلو نشیں ہوئے
وہ میّتِ رسولؐ میں شامل نہیں ہوئے

فریادِ مسجدِ نبویؐ تھی کہ الاماں
تہذیب کے لبوں سے نکلنے لگا دھواں
رخصت ہوئی بہارِ چمن آ گئی خزاں
تا حشر اب سنائے گی تاریخ کی زباں
سچ ہے وہی نظامِ سیاست میں بڑھ سکے
جو لوگ مصطفےٰؐ کا جنازہ نہ پڑھ سکے

دنیا کا قاعدہ ہے کہ مرتا ہے کوئی جب
جاتے ہیں تعزیت کو بہ اندازِ مستحب
لیکن دکھائی دیتے ہیں کچھ ایسے بے ادب
دشمن ہوئے جو آلِ پیمبرؐ کے بے سبب
دل اور زباں کی بات میں کیا کیا خلل نہ تھا
کلمے پہ لا الٰہ سے آگے عمل نہ تھا

قربانیاں تو خیر بڑی چیز ہیں حضورؐ
ہمدردیِ زباں سے بھی دنیا رہی ہے دور
کیسے کہوں، انہیں بھی ملا دین کا شعور
جن کی نگاہ چھوڑ گئی کبریا کا نور
وہ لوگ کیا سمجھتے خدا کی کتاب کو
مٹی نہ دے سکے جو رسالت مآبؐ کو

اللہ رے مروّت و اخلاق کا زوال ایسا زوال جس کی میسّر نہیں مثال
شرمائے دوستی جو کہوں دوستوں کا حال وہ آگ تھی کہ دور سے جلنے لگے خیال
ہنستے تھے لوگ کیفیتِ دلخراش پر
یا رقص ہو رہا تھا شرافت کی لاش پر

اپنے نبیؐ کے لطف و عنایات بھول کر اسلام کی ردا سے مسلماں تھے بے خبر
غالب تھی عقل پر جو تمنائے مال و زر اہلِ ہوس کی تختِ حکومت پہ تھی نظر
مجمع تھا رہزنوں کا قیادت کے روپ میں
عزت کا انتقال تھا بیعت کے روپ میں

یوں کہیے وقت بدلا تو چہرے بدل گئے عنوان خون رو دیے، قصے بدل گئے
کیا بعد کا سوال تھا پہلے بدل گئے جتنے اسیرِ نفس تھے، اتنے بدل گئے
کیا کیا مزاج و عقل کو رسوائیاں ملیں
کعبہ میں کفر خیز جبیں سائیاں ملیں

لائی وہ رنگ صحنِ زمانہ کی دھوپ چھاؤں فرشِ حرم پہ آ گئے سفیانیت کے پاؤں
حرص و ہوا نے خوب چلے سرکشی کے داؤں محشر تھا قریہ قریہ قیامت تھی گاؤں گاؤں
ایسی چلیں ہوائیں سیاست کے شہر سے
مسموم ہر فضا ہوئی بدعت کے زہر سے

مانندِ شب، فریبِ عمل کی سیاہیاں بربادیِ چمن پہ مکمل گواہیاں
عالم پناہیوں میں تھیں ظلمت پناہیاں ظلمت پناہیوں میں مسلسل تباہیاں
دنیا کا باغ تیغِ تعصب سے کٹ گیا
لشکر بہت بڑھے مگر اسلام گھٹ گیا

برباد ہو رہے تھے اصولِ متابعت　　اِک اِک قدم تھی شرعِ نبیؐ میں مداخلت
حکمِ خدا سے جس کی ہوئی تھی ممانعت　　جاری ہوئی وہ بات بعنوانِ مصلحت
افکارِ حال رشتۂ ماضی سے جڑ گئے
مانوس جس سے تھے اسی عادت پہ مڑ گئے

کیسے بھلا سکے گا کوئی واقعہ نگار　　بعدِ حضورؐ دامنِ یثرب کا انتشار
آئینۂ طریقِ عبادت پہ وہ غبار　　جس نے کیا مذاقِ اطاعت کو داغدار
پہنچی یہاں پہ بات شعورِ عوام کی
گردِ طلب میں چھپ گئی منزل امام کی

مولاؑ میں کیا کہوں کہ زمانے نے کیا کیا　　باقی رہی نہ حرمتِ اصحابِ با وفا
حق بات پر ملی تھی ابوذرؓ کو یہ سزا　　صحرا کی نذر ہو گیا کنبہ غریب کا
نورِ وفا چھپا لیا ربذہ کی شام نے
غربت میں دم نکل گیا بیٹی کے سامنے

وہ بے بسی کا وقت وہ صحرائے بے کسی　　تنہائیوں کی دھوپ میں مجبور زندگی
آنکھوں کے آگے باپ کی میت پڑی ہوئی　　دنیا سے کہہ رہی تھی ابوذرؓ کی لاڈلی
انجام کیا یہی ہے صداقت کے پھول کا
بے گور و بے کفن ہے صحابی رسولؐ کا

انسانیت کے محسنِ اعظمؐ، سنو سنو　　تقدیرِ محفلِ بنی آدم، سنو سنو
کیوں ہے جہاں میں گریہ و ماتم، سنو سنو　　اپنی کہانی قبلۂ عالم، سنو سنو
شکوہ نہیں حضورؐ فقط عرضِ حال ہے
اُمت جواب دے نہ سکے وہ سوال ہے

آتا ہے میرے ہونٹوں پہ جب فاطمہؑ کا نام
کہتا ہے آنسوؤں سے مصائب کا اختتام
محبوبِ کبریاؐ نے کیا جس کا احترام
اس فاطمہؑ پہ روئے مدینے کے صبح و شام
مریمؑ کا زہد، جس کے برابر نہ ہو سکا
اس فاطمہؑ کو چین میسّر نہ ہو سکا

قربان جس پہ آیۂ تطہیر کی نقاب
ایسی نقاب جس میں نبوت کی آب و تاب
خاتونِ عرش و فرش کا جس کو ملا خطاب
جس کا عمل حضورؐ کی تقدیس کا شباب
اشکوں سے اس کے گھر میں چراغاں، ہزار حیف
سمجھے نہ اس کی شان مسلماں، ہزار حیف

وہ فاطمہؑ جو سرورِ کونینؐ کا جگر
قرآن کی گواہیاں جس کے وقار پر
وہ جس کی ذات معنیِ اسلام سربسر
وہ فاطمہؑ جو عصمتِ عالم کی تاجور
اس کے نہال ٹھنڈی ہوا کو ترس گئے
اس فاطمہؑ پہ ظلم کے بادل برس گئے

کیسے کہوں وہاں پہ کوئی کلمہ گو بھی تھا
دعوائے فاطمہؑ پہ جہاں فیصلہ ہوا
ختم الرسلؐ نے بضعۃ منی جسے کہا
اس کا بیاں دلیلِ صداقت نہ ہو سکا
وہ فاطمہؑ جو مرکز تائید رب ہوئی
اس کے مطالبے پہ گواہی طلب ہوئی

خود کہہ رہا ہے غیرتِ اسلام کا بیان
دربار میں رسولؐ کی بیٹی، خدا کی شان
اِک باغ کا سوال کرے مصطفےٰؐ کی جان
انکار پر تلی ہو مسلمان کی زبان
قرآں تو انبیاؑ کی وراثت بیاں کرے
دعوائے فاطمہؑ پہ بشر این و آں کرے

اس وقت سے تصورِ انساں ہے نوحہ گر جس وقت شام ہوگئی احساس کی سحر
وہ خود روی وہ دین کی توہین الحذر محفل سے فاطمہؑ کا نکلنا بچشمِ تر
اس وقت کیوں نہ جرات بے پیر چھن گئی
جب فاطمہؑ کے ہاتھ سے تحریر چھن گئی

تحریر چھین لینے پہ ضبطِ ابوالحسنؑ کوزے میں بند غیظ کا دریائے موجزن
خاموش ایسے وقت پہ یزداں کا بُت شکن یا سامنے تھی صورتِ پیغمبرؐ زمن
تیور جو ذوالفقار کو تڑپا کے رہ گئے
مولاؑ ضرور بھائی سے کچھ بات کہہ گئے

ورنہ کہاں شغال کہاں کبریا کا شیر دیوارِ ظلم توڑتا عمرانؑ کا دلیر
بدر و اُحد کے معرکے جس نے کئے ہوں زیر ایسے میں وہ امیرِ شجاعت لگائے دیر
طوفان میں سفینۂ اُمت کا پاس تھا
نفسِ نبیؐ کو دین کی حُرمت کا پاس تھا

کھنچتی جو ذوالفقار تو بہتی لہو کی نہر ڈھلتا خدا کے قہر میں خیر الورا کا شہر
کعبے کو روند ڈالتی سفیانیت کی لہر تکبیر کی صداؤں کو ملتا اجل کا زہر
دراصل معجزہ تھا یہ زوجِ بتولؑ کا
اسلام نام ہو گیا نفسِ رسولؐ کا

جس وقت خالی ہاتھ چلی دُخترِ نبیؐ بے چین ہو کے ارضِ مدینہ پکار اٹھی
افسوس شمعِ غیرتِ احساس بجھ گئی اس واقعے پہ روئے گی تا حشر زندگی
جس فاطمہؑ کو مالکِ جنت خدا کرے
انسان اس کو خون کے آنسو عطا کرے

سرکارؐ کیا بیان کروں ماجرائے غم ملتے نہیں مجھے کسی مذہب میں یہ ستم
سرکارؐ شرم سے سرِ انسانیت ہے خم اپنی جگہ سوال ہے اسلام کا بھرم
معلوم ہو گیا یہ نتیجہ شعور سے
دنیا نے انتقام لیا تھا حضورؐ سے

تاریخ کے ورق پہ لکھا ہے وہ انتقام جس کو نہ دھو سکیں گے کبھی وقت کے غمام
یوں بھی چلی تھی شہ رگِ اسلام پر حسام تھا فاطمہؑ کے گھر کو جلانے کا انتظام
جس کو خدا نے عزتِ عالم بنا دیا
دنیا نے اس پہ جلتا ہوا در گرا دیا

وہ فاطمہؑ وہ جلتا ہوا در، ہزار حیف وہ آگ وہ حضورؐ کی دختر، ہزار حیف
وہ ریسماں وہ گردنِ حیدرؑ، ہزار حیف وہ بے کسی وہ فاتحِ خیبرؑ ہزار حیف
اُمت نے خوب اجرِ رسالت ادا کیا
جو منزلِ رسولؐ تھا وہ گھر جلا دیا

پہلوئے فاطمہؑ پہ لگی ضرب الحذر وہ ضرب جو شہادتِ معصوم کی خبر
زخمی ہوئی جو بنتِ شہنشاہِ بحر و بر بولی تڑپ کے جانب گردوں اٹھا کے سر
جتنے بھی ظلم ہیں سرِ محشر سناؤں گی
میں فاطمہؑ ہوں تیری عدالت میں آؤں گی

وہ مرثیہ وہ سیّدہؑ دوجہاں کی بات شرمندہ جس کے سامنے احساسِ کائنات
روئے گی اس بیان پہ اسلام کی حیات پڑتے یہ غم دنوں پہ تو بن جاتے وہ بھی رات
طوفانِ درد سینۂ اہلِ نظر میں ہے
یہ مرثیہ عدالتِ خیرالبشرؐ میں ہے

تعمیرِ بیتِ حزن سے ظاہر ہوا حضورؐ آہیں بھریں کسی نے مدینے سے دور دور
اُمت کا یہ شعور تھا یا شدّتِ غرور دنیا سنے گی اب لبِ تاریخ سے ضرور
اُمت شریکِ رنج و مصیبت نہ ہو سکی
بستی میں اپنے باپ کو بیٹی نہ رو سکی

سرکارؐ نورِ عین کا آخر سفر سنو تھرائے کائنات وہ دردِ جگر سنو
سرکارؐ سن سکو تو یہ غم کی خبر سنو کیسے گئی زمانے سے نورِ نظر سنو
آیا سفر کا روز تو حالت عجیب تھی
حسنینؑ پاس تھے، کبھی زینبؑ قریب تھی

یہ کہہ کے چومتی تھی کبھی سینۂ حسنؑ قربان جاؤں تیرے کلیجے پہ گلبدن
جس دم پیئے گا زہر مرا غیرتِ چمن آواز دے گی خون سے چھلکی ہوئی لگن
اسلام والو، یہ بھی تماشہ ہے دیکھ لو
مظلوم فاطمہؑ کا کلیجہ ہے دیکھ لو

کہتی تھی یوں حسینؑ کو لپٹا کے بار بار صدقے ہو فاطمہؑ مرے معصوم گلعذار
تو ہی سنے گا وقت پہ توحید کی پکار تو ہی ہے میرے لال شہادت کا تاجدار
ہیں بے شمار زخمِ بدن، تیرے واسطے
صحرا کی دھوپ ہو گی کفن تیرے واسطے

پھیلا کے دونوں ہاتھ یہ زینبؑ سے تھا کلام اے لاڈلی رہے گا ترے دم سے میرا نام
اُمت نے یوں کیا ہے جفاؤں کا انتظام میرے لئے مدینہ ہے تیرے لئے ہے شام
سر کھول دے ذرا سا تو گیسو کو چوم لوں
آ میری بے وطن، ترے بازو کو چوم لوں

زینبؑ مجھے بھی صدمۂ دربار ہے مگر	تو ایک روز جائے گی بلوے میں ننگے سر
خوش ہیں جو میرے ہاتھ سے تحریر چھین کر	لے جائیں گے حسینؑ کو نیزے کی نوک پر
زینبؑ اسی کی زد پہ مرا لالہ فام ہے
یہ دور پیش خیمۂ طوفانِ شام ہے

زینبؑ مرا خدا تجھے ہمت عطا کرے	بھائی کی طرح صبر کی دولت عطا کرے
دنیا کے ظلم سہنے کی قوت عطا کرے	پردیس میں علیؑ کی خطابت عطا کرے
طوفان لاکھ آئیں، کہیں منہ نہ موڑنا
زینبؑ مرے حسینؑ کو تنہا نہ چھوڑنا

زینبؑ خدا کرے ترا دل ہو دلِ حسینؑ	رکھے ترے قدم پہ جبیں عزمِ مشرقین
بارش ہو تازیانوں کی جب میری نورِ عین	دینا غریب ماں کی وصیت سے دل کو چین
مقتل میں سارا کنبہ ہو سر پر ردا نہ ہو
لیکن ترے لبوں پہ کبھی بددعا نہ ہو

باہیں گلے میں ڈال کے فضہؓ سے تھا بیاں	فضہؓ مری بہن، مرے بچوں کی پاسباں
اغلب ہے تھوڑی دیر میں چھٹ جائے یہ مکاں	جی بھر کے آج دیکھ لے پھر فاطمہؑ کہاں
مشکل کوئی پڑی تو برابر اٹھائی ہے
تو میری زندگی میں بہت کام آئی ہے

فضہؓ مجھے یقین ہے تو میرے بعد بھی	بچوں کی پرورش میں کرے گی نہ کچھ کمی
فضہؓ ترے سپرد ہے باغیچۂ نبیؐ	میرے حسنؑ حسینؑ تو اولاد ہیں تری
میری طرح کنیزِ رسولؐ جہاں ہے تو
فضہؓ میں اور کیا کہوں زینبؑ کی ماں ہے تو

ہاں کوئی وقت آئے تو اتنا رہے خیال
چھپ جائیں تیری پشت سے زینبؑ کے سر کے بال
فضہؓ میں جانتی ہوں جو کوفے میں ہو گا حال
دیکھیں گے مسکرا کے اسیروں کو بد خصال
حلقے میں ہو گی آلِ نبیؐ سر کھلے ہوئے
زینبؑ کے ہاتھ ہوں گے رسن میں بندھے ہوئے

یہ بات کہہ کے خدمتِ حیدرؑ میں عرض کی
یا بوترابؑ احمدِؐ مختار کے وصی
لو آج اس جہان سے یہ غمزدہ چلی
کر دو معاف مجھ سے اگر کچھ خطا ہوئی
دنیا نے جو دیا ہے وہ صدمہ نہ جائے گا
باباؐ کے پاس جا کے مجھے چین آئے گا

ایسے میں بوترابؑ کے چہرے کا اضطراب
الفاظِ فاطمہؑ کا بنا اس طرح جواب
فاقوں میں جس کی سجدہ گزاری ہو کامیاب
دنیا اسی کو چین نہ دے، اُف رے انقلاب
جو حجتِ خدا ہو خدائی کے واسطے
اس کی حیات، آسیہ سائی کے واسطے

حجرے میں پھر وہ زینبؑ و کلثومؑ کے سخن
اماں پڑی ہو کس لئے پہنے ہوئے کفن
کیسی ہوا لگی ہے کہ ٹھنڈا ہوا بدن
کیا مل گئے حضور کو پیغمبرِؐ زمن
کیا ہو گیا کہ آنکھ بھی اب کھولتی نہیں
اماں بتاؤ کیا ہوا کیوں بولتی نہیں

اماں کیا ہے آج تو سب سے زیادہ کام
نہلا کے ہم کو کپڑے بدلنے کا اہتمام
بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے پیار کا نظام
تیار کر کے رکھ دیا کیوں شام کا طعام
بھیا حسنؑ حسینؑ کو دیکھو جواب دو
اماں ہماری باتوں کا کچھ تو جواب دو

فضہؓ لگا کے پاؤں کے تلوؤں سے اپنا سر ‏ ‏ چلّا رہی تھی ہائے دلِ سیدالبشرؐ
بالیں پہ مرتضیٰؑ تھے جھکائے ہوئے نظر ‏ ‏ لپٹے ہوئے کفن سے حسنؑ تھے بچشمِ تر
میت کے آس پاس سبھی سوگوار تھے
لیکن حسینؑ ایک طرف اشکبار تھے

پلٹیں اُدھر علیؑ کی نگاہیں جو ایک بار ‏ ‏ لختِ جگر کے حال پہ دل ہو گیا فگار
واز دی، حسینؑ یہاں آؤ میں نثار ‏ ‏ کیا بات اتنی دور ہو کیوں میرے گلعذار
اس غم کا کچھ تو جذبۂ اظہار چاہیے
تم کو بھی ماں کا آخری دیدار چاہیے

اس دم لبِ حسینؑ سے نکلا ہوا جواب ‏ ‏ تھا آنسوؤں کے واسطے طوفانِ اضطراب
ایسا جواب، رو دیئے جس پر ابوترابؑ ‏ ‏ جس نے کیا تھا فکر کی دنیا میں انقلاب
اتنا کہا کہ میں یہیں آنسو بہاؤں گا
لتاں اگر بلائیں گی مجھ کو تو آؤں گا

پھر اس کے بعد کیا کہوں سرکار کیا ہوا ‏ ‏ مولاؑ کی لاڈلی کا بدن تھرتھرا گیا
ابھرا کفن تو بندِ کفن ٹوٹنے لگا ‏ ‏ آئی یہ فاطمہؑ کی صدا آ حسینؑ آ
تو سب کا لاڈلا ہے ہر اک ناز اٹھاؤں گی
آ میرے لال، تجھ کو گلے سے لگاؤں گی

دوڑے حسینؑ ماں کی محبت کو دیکھ کر ‏ ‏ پھر ماںتا کی چھاؤں تھی اور غمزدہ پسر
دنیا سے کہہ رہی تھی یہ تقدیر کی نظر ‏ ‏ آئے گی فاطمہؑ اسی بیٹے کی لاش پر
بستی لٹے گی عالمِ ویراں کی گود میں
کٹ جائیگا حسینؑ کا سر ماں کی گود میں

دیکھا جو بوترابؑ نے یہ ماستا کا حال کہنے لگے حسینؑ سے بس میرے نونہال
غالب ہے کائنات پہ مرضیِ ذوالجلال لازم ہے اب اٹھاؤ جنازہ بصد ملال
بزمِ جہاں کی منزلِ آخر بھی چاہیے
اے نورِ عین فکرِ مسافر بھی چاہیے

آخر اٹھا جنازۂ معصومۂ جہاں تطہیر کی تمام فضاؤں کے درمیاں
یہ بات کہہ کے رات کے آنسو ہوئے رواں اے آسمان دیکھ قیامت ہوئی عیاں
خوشبو تڑپ کے رہ گئی گلشن نہ مل سکا
بیٹی کو اپنے باپ کا دامن نہ مل سکا

پہلوئے مصطفٰےؐ سے جدا، بنتِ مصطفٰےؐ سرکار ہی بتائیں یہ کیا ماجرا ہوا
اس جبر کی مثال نہیں ہے شہِ ہدٰاؑ ہاں اس کے بعد خون رلاتی ہے کربلا
کچھ اس طرح نگاہِ زمانہ بدل گئی
زہراؑ کے سارے باغ پہ تلوار چل گئی

عاشور کے لبوں پہ قیامت کی داستان اب تک ہے یوں مصیبتِ زہراؑ کی ترجماں
عباسؑ سا جوان ہو جس گھر کا پاسباں افسوس اس پہ شامِ غریباں ہوئی عیاں
تاریخ کی زبان پہ یہ لفظ آئے ہیں
دُرّے کمر پہ ثانیِ زہراؑ نے کھائے ہیں

زہراؑ سے پوچھ لیجئے اے فخرِ کائنات بعدِ حسینؑ کیا ہیں اسیری کے واقعات
وہ بیڑیاں، وہ طوق، وہ سجادؑ نیک ذات ضربِ گراں ہے عالمِ احساس پر یہ بات
نازل ہو جس پہ صَلِّ علیٰ آسمانوں سے
خوں میں نہائے اس کا بدن تازیانوں سے

لم پناہ، دیکھ لیں کوفے سے تا بہ شام　　ہر سمت بام و در پہ وہ امت کا اژدہام
وں پہ سر ہیں اونٹوں پہ ناموس خستہ کام　　اک سارباں کے حال پہ ہنستے ہوئے عوام
اس سارباں کے شکر کا انداز دیکھ لیں
یہ شکر ہے کہ صبر کا اعجاز دیکھ لیں

سجادؑ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے مہار　　کہتے ہیں صبر دے مجھے اے میرے کردگار
کچھ غم نہیں جو راہ میں بکھرے ہوئے ہیں خار　　پیشِ نگاہ ہے مرے شبیرؑ کا شعار
شانِ وفا میں رنگ بھروں گا اسی طرح
دربارِ شام فتح کروں گا اسی طرح

ہتھکڑیاں چوم چوم کے لشکر سے گفتگو　　تم رائیگاں سمجھتے ہو مظلوم کا لہو
انصاف ہو گا شافعِ محشر کے روبرو　　نیزوں پہ جن کو لائے ہو وہ سر ہیں سرخرو
چھینی ہیں تم نے چادریں آلِ رسولؐ سے
اب حشر میں جواب ملے گا بتولؑ سے

◆◆◆

maablib.org

مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؒ

(مولانا مصطفیٰ جوہرؒ کی شخصیت کے محاسن اور عاشورہ محرم کے مصائب)

۷۸ بند ۔ ۱۹۹۴ء

❖❖

یہ کہہ کے بڑھ رہی ہے عقیدت کی روشنی
سورج کی طرح نظم ہو جوؔہر کی زندگی
تفصیلِ زندگی پہ کھُلے چشمِ جوہری
شاعر نے حرف و لفظ میں تصویر کھینچ دی
تکمیلِ قدر آئینۂ قدر ہو گیا
انساں ہلال بن کے چلا بدر ہو گیا

❖❖

مولانا محمد مصطفیٰؒ جوہر

منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے
ایسا گلاب جس کی مہک لاجواب ہے
مقصود حرف و لفظ وہ خوشبو نصاب ہے
اب جس کا مستقر چمنِ بوترابؑ ہے
اک منفرد خیال سجا کر دماغ میں
آئینے بو رہا ہوں عقیدت کے باغ میں

روشن چراغِ فن ہے فصیلِ خلوص پر
پیشِ نظر ہے سب سے جدا منزلِ سفر
الفاظ قافلہ ہیں معانی ہیں راہ بر
محتاط زاویوں میں ہے بینائیِ ہنر
زرّیں نکات ڈھونڈ کے طالبؔ نگاہ سے
گزروں گا کامیاب تکلّم کی راہ سے

خورشیدِ مدعا کے لئے جلوۂ شعور
برجِ کمال تک مجھے لے جائے گا ضرور
تابِ نظر ہے مظہرِ انسانیت کا نور
دُور اے جہانِ تنگ نظر، دُور دُور دُور
عرفانِ مرثیہ ہے سمندر شناس ہوں
میں بھی خدا کے فضل سے جوہر شناس ہوں

عبدِ خدا کا ذکر عبادت سے کم نہیں اوصاف مردِ حق میں حیات آفریں نگیں
یہ بھی ہے جزوِ دیں بہ تقاضائے علمِ دیں بخشے جو حسن روح وہ سیرت ہو دلنشیں
اوراقِ دل سے حرفِ ہنر چن رہا ہوں میں
جوہر پہ گفتگو ہے گہر چن رہا ہوں میں

اظہارِ حرفِ حق ہے، سخنور کی آبرو ایقان ہے نمازِ سخن کے لئے وضو
ممکن نہیں بیانِ صداقت میں کچھ غلو انسانیت کی بات سے انساں ہے سرخرو
وہ جس کا خاتمہ روشِ قنبریؓ سے ہو
کیسے نہ اس کا نام رقم روشنی سے ہو

چھپتا نہیں غبارِ زمانہ سے آفتاب گیتی ہیں سب، فلک ہے فقیرِ ابوترابؑ
بیدار خلد کے لئے دنیا ہے مثلِ خواب یہ اور بات کانٹوں میں پلتا رہا گلاب
کانٹوں کا دائرہ تو ستم آشنا رہا
پھول اپنے آسماں کی طرف دیکھتا رہا

پیشِ نظر ہے آج اسی پھول کی حیات زندہ رہا جو صورتِ گلدستۂ صفات
کیسے بھلاؤں وقت کے دانشوروں کی بات وہ پھول آبروئے چمن تھا بہ حسنِ ذات
خوشبو جہانِ فکر میں تقسیم کر گیا
وہ پھول اپنا رنگ زمانے میں بھر گیا

اہلِ حسد نے لاکھ بچھائے حسد کے جال تابندۂ کمال رہا مظہرِ کمال
احساس کی زباں ہے یہاں شیوۂ مقال اہلِ نظر سمجھتے ہیں خاموشیِ سوال
منبر پہ کب عناد کی تفصیل زیب ہے
پانی وہیں مرے گا جہاں پر نشیب ہے

جو زندگی کو خیرِ عمل کا لباس دے
جو خود سے خواہشات کا ہر لمحہ چھین لے
ہر سانس پر جو مدحتِ آلِ عبأ لکھے
جو کھینچ لے دلوں کی طنابیں نگاہ سے
وہ عمدۃ المزاج یقیناً عظیم ہے
ایسے بشر کی بات رہِ مستقیم ہے

وہ جس کا دل ہو مزرعۂ دینِ محمدیؐ
اُگتی ہے اس کے سینۂ اقدس میں روشنی
خوشبوئے احتیاط بنے جس کی آگہی
اس بندۂ خدا سے عبارت ہے زندگی
قرآں کے سائے میں جو مودّت اساس ہے
وہ دیدۂ عمل سے ابوذرؓ شناس ہے

آباد جس کے دل میں ہو سچائیوں کا شہر
بیدار رکھتی ہو جسے خوفِ خدا کی لہر
نقدِ حرام جس کی نظر میں مثالِ زہر
بخشے غمِ حسینؑ جسے آنسوؤں کی نہر
اس کا بیان جذبۂ تعمیر چاہیے
آنکھوں میں اس فقیہ کی تصویر چاہیے

رنگ آشنائے وقت ہیں واقف بہ اعتبار
کس رنگ سے برتی رہی دین کی بہار
وابستگیِ حق ہے تو کہہ دیں گے حق نگار
اے کربلا شناس مبلّغ ترے نثار
تابانیِ شرف سے دلوں کو سجا گیا
کیا ہے حسینیت" یہ عمل سے بتا گیا

یہ کہہ کے بڑھ رہی ہے عقیدت کی روشنی
سورج کی طرح نظم ہو جوہرؔ کی زندگی
تفصیلِ زندگی پہ کھے چشمِ جوہریؔ
شاعر نے حرف و لفظ میں تصویر کھینچ دی
تکمیلِ قدر آئینۂ قدر ہو گیا
انساں ہلال بن کے چلا، بدر ہو گیا

شہرِ حسین گنج سرِ خطۂ بہار تاریخ میں وہ حکمت و تاریخ کا دیار
پایا اسی دیار نے اک دُرِ تابدار یوں کہیے مل گیا دلِ مسلم کا اعتبار
تقدیر نے کہا گہرِ ارتقا کہو
صدقہ ہے مصطفیٰؐ کا اسے مصطفیٰ کہو

یوں مصطفیٰ کے نام سے اُبھری وہ روشنی قد جس کا چومنے لگی رفتار زندگی
چشمِ حکیم وقت میں راہیں تھیں وقت کی منزل جہاں تھی شمعِ تجسّس وہیں جلی
کھجوہ مقام اوّل اصلاح بن گیا
ظرفِ شعور علم کا مصباح بن گیا

مصباحِ علم جلوۂ منزل رسا کے ساتھ پہنچا جو لکھنؤ میں تو پھیلا ادا کے ساتھ
باتیں وہ بولتی ہوئی علمی فضا کے ساتھ پیاسے کو جیسے ربط ہو آبِ بقا کے ساتھ
سارے کمال ظرفِ تمنا میں بھر گئے
یوں کہیے ایک نہر میں دریا اُتر گئے

کامل اساتذہ سے تلمّذ بہ اہتمام شاگرد کے لبوں پہ فضیلت فروغِ جام
پہنائیں جس کو تاجِ شرف مرجعِ انام لاریب فخرِ قوم ہے وہ منفرد مقام
کیسے نہ وہ اصول میں تابندہ کار ہو
جو باقرالعلوم کا آئینہ دار ہو

کیوں اس کی مدح میں نہ زمانے کے لب کھلیں ہم عصر صاحبانِ نظر جس کا دم بھریں
کیوں نیّرانِ وقت نہ اس کو خراج دیں جس کو ظہورِ قوم وسیع النظر کہیں
اکمل نہ کیوں وہ فکرِ خفی و جلی میں ہو
جس کا وقار چشمِ رضا فلسفی میں ہو

ورثے میں ذوق علم جو پایا تھا بے حساب
ہر بزم اہلِ علم پڑھی صورت کتاب
بڑھتی گئی نگاہ، سرکتے گئے حجاب
صورت گرِ شبابِ تعلم ہوا شباب
تخلیق کر کے آئینے طبعِ جلیل سے
قائل کیا زمانے کو حسنِ دلیل سے

حسنِ دلیل سحرِ تکلم میں ڈھل گیا
برقِ یقیں سے عالمِ تشکیک جل گیا
آخر ہوا جو لفظ زباں سے نکل گیا
بدلا نہ زورِ طبع زمانہ بدل گیا
پوشیدہ کب رہی ہے کسی حق ادا کی بات
جوہر کھلے تو پھیل گئی مصطفےٰ کی بات

شہرت سے بے نیاز مسافت برائے علم
بس اتنی فکر کوئی ملے رہنمائے علم
ذکرِ نبیؐ و آلِ نبیؑ ہو صدائے علم
بس یہ طلب کہ تن پہ سجالوں قبائے علم
اس آرزو سے دامنِ اُمید بھر لیا
فطرت کو الکتاب سے خورشید کرلیا

اس روشنی کے شہر میں یکجا ہوئے علوم
فکری اُفق پہ چھا گئے مہر و مہ و نجوم
مہر و مہ و نجوم شعورِ نظر کی دھوم
کچھ بالخصوص آئینے کچھ جلوے بالعموم
ہر دم خیال سلسلۂ خاص و عام کا
سب کے لئے اٹل تھا نتیجہ کلام کا

رطب اللساں نے پی لیا جامِ لسانیات
محضر کیا تمام نظامِ لسانیات
سینے میں نصب کر کے خیامِ لسانیات
روشن کئے چراغ بنامِ لسانیات
دیکھا کچھ اس طرح ادبی کائنات کو
اک روشنی کا شہر بنایا حیات کو

اسنادِ علم لے کے وطن میں کیا قیام
ایسا قیام جس نے بڑھایا وطن کا نام
ماں باپ کی دعائیں ہوئیں شہرۂ دوام
لیکن بدستِ کفر اٹھا وہ فسادِ عام
گلشن جلے تو پھولوں کے لاشے بکھر گئے
اجسادِ بے گناہ میں خنجر اُتر گئے

تقسیمِ ہند اور وہ حالات دردناک
برسی ہر ایک شہر پہ غارت گری کی خاک
خونیں فضائیں دامنِ تہذیب چاک چاک
راہِ اجل سے قافلے آئے دیارِ پاک
یہ قافلے تھے جوہرِ قابل لئے ہوئے
یعنی سفینے آئے تھے ساحل لئے ہوئے

مسکن کیا جو شہرِ کراچی کو مستقل
بنیادِ صبر ہو گئی تاثیر آب و گِل
ہجرِ وطن کے زخم نظر آئے مندمل
پھر منزل رضا پہ بجی بزمِ اہلِ دل
اس بزم پر وہ بارشِ آداب ہو گئی
دنیا فراتِ علم سے سیراب ہو گئی

بڑھتی رہی جو علم کے آبِ رواں کی لہر
چلتا رہا نویدِ حرم پر مزاجِ دہر
پھیلی خطیبِ فکر کی آواز شہر شہر
تریاقِ حق نے ختم کیا بے خودی کا زہر
گمراہ وقت جلوۂ احساس پا گئے
کتنے گھرانے دین کی دنیا میں آ گئے

شائستگانِ ذوق سے ذہن آفریں خطاب
فرشِ طلب پہ جیسے برستا ہوا سحاب
ہر نکتہ لاجواب تو ہر لفظ انتخاب
بارش وہ آیتوں کی وہ تفسیرِ الکتاب
ہر جامِ دل تجلیِ ایماں سے بھر دیا
ذرّوں کو فرطِ نور سے مہتاب کر دیا

احباب و اقربا سے مروّت شعاریاں سچے معاشرے کے لئے زر نگاریاں
حق آگہی کے سائے میں وہ حق گذاریاں جیسے گلوں کی باغِ تمدّن میں کیاریاں
اک لطفِ دلکشی کی مقدّس پھوار سے
یا چشمِ باغباں کا تکلّم بہار سے

جویانِ علم جب بھی درِ مصطفےٰ پہ آئے آنکھوں نے روشنی کے نئے آسماں دکھائے
گل کاریِ شعور نے تازہ چمن کھلائے مہکی حیات فکر کے وہ پھول مسکرائے
سچ ہے نظر میں قوّتِ جاں پروری تو ہو
پتھر بھی بولتے ہیں کوئی جوہری تو ہو

پیشِ نگاہ خلقِ خدا کی بھلائیاں مردم شناسیوں میں وہ اُلفت نمائیاں
مشکل کشاؑ کے نام پہ مشکل کشائیاں نادِ علیؑ کی چھاؤں میں حاجت روائیاں
کتنا ہے کس کا دردِ مصیبت خبر رکھی
ہر آدمی کے شیشۂ دل پر نظر رکھی

تقویٰ مزاج، قلب سے اکثر یہ گفتگو جوہر ہے میری بات اگر تو ہے سرخرو
اے دل ترا کمال ہے منزل کی جستجو میری نماز حق ہے اگر تو ہے باوضو
اے دل ترا شرف سبب احترام ہے
دنیائے مصطفےٰ تری عصمت کا نام ہے

شاہد ہے اس ادا پہ وہ ہنگامِ نیم شب وہ مصطفےٰ وہ جوہری سجدے بنامِ رب
حرفِ دعا کا سلسلہ زینت فروز لب پلکوں پہ آنسوؤں کی چمک گوہرِ سبب
مقصد میں پنجتنؑ کو وسیلہ کئے ہوئے
ہاتھوں پہ وہ کھلا ہوا قرآں لئے ہوئے

سچی زبان عبد سے نکلی ہوئی دعا مقبول یوں ہوئی سرِ دربارِ کبریا
تقدیر مسکرائی دُرِ بے بہا ملا نورِ نگاہ، علم کا وارث عطا ہوا
قربانِ خالق دو جہاں کے نظام پر
فرزند مل گیا ابوطالب کے نام پر

فرزند بھی بفضل خدا وہ خطیبِ علم کہیے جسے رئیسِ تکلّم، ادیب علم
کشاف نکتہ ہائے مطالب مجیب علم فخر پدر بہ دانش و حکمت نقیب علم
جس کی نظر محیط فراز و نشیب ہے
علامہ جوہری کا لقب جس کو زیب ہے

ک نکتۂ جمیل بھی ہے طلعتِ مقال اہلِ نظر کہیں گے جسے ندرت کمال
فرزند سے پدر کی فضیلت پہ کیا سوال عالم کا ہے شہادتِ عالم پہ یہ خیال
جوہر گرِ ادب ہے سخن زارِ مصطفےٰ
معیار اہلِ علم ہے معیارِ مصطفےٰ

گردن کبھی جھکی نہ رئیسوں کے سامنے اظہارِ غم کیا نہ عزیزوں کے سامنے
حارس کی اک سبیل غریبوں کے سامنے شفقت بھری نگاہ یتیموں کے سامنے
ہر شاخِ آگہی کو مودّت کا پھل دیا
اپنے عمل کو تول کے درسِ عمل دیا

جو مصطفےٰ شناس ہیں اتنا مجھے بتائیں کیا وجہ افتخار نہیں صبر کی ادائیں
محفوظ ہیں بہ دیدۂ تحقیق وہ فضائیں وقتِ سحر وہ عصمتِ کردار کی دعائیں
یعنی ادائے حق نگہی میں کمی نہ ہو
فاقہ تو ہو پہ صرفِ امانت کبھی نہ ہو

کیا پیروئِ آلِ محمدؐ تھی مرحبا
ہر لمحہ اتباعِ رئیسانِ ہل اتی
اپنے غموں سے بڑھ کے غمِ غیر کی دوا
تکمیل حق روی ہے یہ حق آشنا ادا
افراد مستحق جو لکھے تھے کتاب میں
تا حشر ہیں گواہ سخاوت کے باب میں

غیرت نواز فکر، تکبّر شکن خودی
غربت میں آبروئے توکّل بسی ہوئی
گردش کی ساعتوں پہ سنبھلتی ہوئی خوشی
ہر لحظہ خوشی میں حق آموز دلکشی
سیرت بنامِ آلِ پیمبرؐ یہی تو ہے
اے اہل دل تبسمِ جوہر یہی تو ہے

دیکھا ہے مصطفٰےؐ پہ یہ انعامِ مصطفٰےؐ
ہر فکر میں بسا لیا پیغامِ مصطفٰےؐ
دل پر لکھا جو نامِ خدا نامِ مصطفٰےؐ
کاٹی تمام عمر بہ احکامِ مصطفٰےؐ
لے کر سکوں خمار مودّت نظام سے
ظرفِ کلام بھر لیا علمِ کلام سے

فقہ و اصول فقہ پہ مضبوط دسترس
جس میں کچھ اشتباہ نہ تشویشِ پیش و پس
طبّی و طبعی قوتِ ادراک ہر نفس
تفسیر اور حدیث میں بے مثل نکتہ رس
منطق پہ، فلسفے پہ، ادب کے بیان پر
کامل نگاہِ علم زمان و مکان پر

پختہ شعور سے مدنیّت پہ گفتگو
قرباں ہوں نکتہ دانِ معیشت وہ جستجو
تاریخ کے تمام سوالوں کی آبرو
اخلاقیات ناز کریں وہ خجستہ خو
فردِ عمل پہ ایسے مواقع کثیر ہیں
اربابِ اجتہاد بھی منّت پذیر ہیں

ضبط آزما، سراجِ عمل فخرِ بندگی نبّاضِ قوم، شرعِ نظر، مردِ متقی
بالغ نگاہ، قانعِ رزقِ حلال بھی سادات اپنے دل میں بسائیں وہ اُمتی
تاریخ پڑھ کے جو بھی مشرف ہو دید سے
آنکھیں کھلیں زیارتِ شیخِ مفید سے

لوحِ جبیں پہ شکر کے سجدے سجے ہوئے اعصابِ فکر یادِ خدا میں ڈھلے ہوئے
دنیا کے کام جاذب عقبیٰ بنے ہوئے رگ رگ میں احتیاط کے جلوے بسے ہوئے
قانونِ استطاعت زر دلنشیں کیا
رب کے سوا کسی کو ترّبی نہیں کیا

ایقان طبع، آئینۂ دل، روشنی سیَر غیرت مزاج، صدق بیاں، ناطق الاثر
روشن ضمیر، کشف ادا، صاحب خبر صرف اس لئے کہ سر تھا درِ اہلِ بیتؑ پر
طاہر لبوں پہ حسنِ طلب کام آ گیا
سب کچھ فقیرِ عترتِ اطہارؑ پا گیا

کردار سے تمام دلوں پر رکھی یہ بات فطرت کے نور سے ہے تجلی کائنات
تحصیلِ مال و زر ہی نہیں مقصدِ حیات لازم ہے ضبطِ نفس بشرحِ جمالِ ذات
شکرِ خدا لکھا ہو قناعت کی شال پر
اپنی نظر گواہ بنے اپنے حال پر

سمجھا دیا کوئی نہ تکبر نظر بنے شیرینیِ کلام سے ہر دل میں گھر بنے
آنکھوں میں وہ اثر ہو کہ ذرّہ قمر بنے انسان ہے تو قاطعِ دنیائے شر بنے
سنبھلے قدم قدم شبِ ہستی کی راہ پر
حبِّ علیؑ کی ضرب لگائے گناہ پر

دل کہہ رہا ہے یوں بھی لکھوں شانِ مصطفےٰ
جھومے بہ فرطِ ناز دبستانِ مصطفےٰ
اے مصطفےٰ، مفسرِ قرآنِ مصطفےٰ
تیرا وجود ناشر فرمانِ مصطفےٰ
اس طرح ذکرِ آیۂ تطہیر کر گیا
آواز نور بن کے دلوں میں اتر گیا

دل میں بسا کے حضرتِ حجّت کا انتظار
ہونٹوں پہ لا کے خواہشِ لبیک بار بار
حبِّ نبیؐ و آلِ نبیؐ پر ہوا نثار
لاریب اس ادا سے شہادت ہے آشکار
حاصل ہے معرفت جسے اپنے امامؑ کی
جاگیر ہے بہشتِ بقا اس کے نام کی

علم و عمل کی شان کا یہ رُخ بھی دیکھئے
اہلِ نظر کمال سعادت کہیں جسے
کیا روز و شب دعائیں تھیں ماں باپ کیلئے
سرمایۂ نجاتِ بشر ہیں یہ سلسلے
یہ بات کس طرح سببِ منزلت نہ ہو
عاشور کا عمل ہو تو کیوں مغفرت نہ ہو

عاشور کے عمل میں نظر آئی کربلا
ابھری غموں کی سطح، اُبھر آئی کربلا
آہوں کے ساتھ خاک بسر آئی کربلا
اشکوں سے مل کے دل میں اتر آئی کربلا
پایا درِ حسینؑ کلی دل کی کِھل گئی
آنکھوں کو بند کرتے ہی بینائی مل گئی

اس عارضی حیات میں تھا جس کا انتظار
وہ دائمی حیات ہوئی روح کی بہار
ہر لمحہ جس کے غم میں رکھا خود کو سوگوار
وہ مل گیا تو ختم ہوا سارا اضطرار
تکمیلِ عشق جلوۂ دنیا بھلا گئی
منزل ملی، سکون ملا، نیند آ گئی

عشرے کو وقتِ عصر جو غالب تھا یہ خیال　　مقتل میں کیسے ہوگا وہ پیاسا علیؑ کا لال
آنکھوں کے آگے خاک پہ اکبرؑ سا خوش جمال　　تنہائیوں کی دھوپ میں وہ بیکسی کی ڈھال

لے کر تمام دردِ مسلسل پہنچ گیا
جوہر کا دل حسینؑ کے مقتل پہنچ گیا

مولاؑ کی قتل گاہ پہ جوہر کے دل کا حال　　لفظوں میں جو سما نہ سکے یہ ہے وہ خیال
گیتی سے آنسوؤں کا تڑپتا ہوا سوال　　تیروں پہ کس طرح سے رہا فاطمہؑ کا لال

کیا حشر تھا غریب لبوں کی دہائی پر
اک دن میں کیا گذر گئی زینبؑ کے بھائی پر

ایمان کہہ رہا ہے سنی ہو گی یہ صدا　　آ میرے غمگسار، مرے جاں نثار آ
ارماں بہت تھا دیکھ لے چہرہ حسینؑ کا　　اب تو ہوئی زیارتِ مظلوم کربلا

نکلی نہیں جو دل سے وہ برچھی بھی دیکھ لے
چہرے پہ تازہ خون کی سرخی بھی دیکھ لے

میرے فقیہ، میرے مبلّغ، مرے خطیب　　دنیا میں تو عمل سے رہا ہے مرے قریب
تجھ کو گلے لگائیں گے عباسؑ خوش نصیب　　اب تیرا گھر ہے متصلِ خانۂ حبیبؑ

لفظِ یقیں کو معنیِ حق الیقیں ملے
جوہر کو اب جواہرِ خلدِ بریں ملے

ہاں اہلِ بزم اب ہے یہ احساس کی صدا　　چھائے دل و دماغ پہ عاشور کی فضا
مرحوم کے مزار پہ ہو مجلسِ عزا　　ارضِ نجفِ حسن سے نظر آئے کربلا

ہر سنگ دل بھی روئے وہ منظر بیاں ہو
یعنی شہادت علی اصغرؑ بیاں ہو

سنتا ہوں دشتِ درد سے وہ داستانِ غم　　خود جس پہ اشک بار ہوا امتحانِ غم
کس طرح بے زباں نے لکھی ہے زبانِ غم　　تا حشر اب لکھیں گے اسے ترجمانِ غم
منظر میں کائنات کا دل پاش پاش ہے
مظلومیت کے عرش پہ ننھی سی لاش ہے

وہ کربلا، وہ خیمہ، وہ جھولا، وہ بے زباں　　جھولے پہ سر جھکائے ہوئے اک غریب ماں
وہ انتہا کی پیاس، وہ ننھے لبوں پہ جاں　　آنسو پلائے ماں مگر آنسو بھی اب کہاں
حسرت بھری نظر میں فقط اک سوال ہے
یارب تجھے خبر ہے، یہی میرا لال ہے

اتنا کلام چاند سے ماتھے کو چوم کر　　جھولے میں یوں نہ مجھ سے بچھڑ نا مرے پسر
لے جائیں گے ضرور تمہیں شاہِ بحر و بر　　قرباں ابھی تو ہونا ہے زہراؑ کے لال پر
خاموشیوں سے مارنا اہلِ عناد کو
بیٹا پدر کی گود میں جانا جہاد کو

لائے ہیں کتنی لاشیں اٹھا کر شہِ انامؑ　　سبطِ رسولؐ سب سے زیادہ ہیں تشنہ کام
تم بھی جوان ہوتے اگر میرے لالہ فام　　اعدا سے لیتے عونؑ و محمدؑ کا انتقام
کس منہ سے جاؤں زینبؑ کبریٰ کے سامنے
شرمندگی ہے ثانیِ زہراؑ کے سامنے

اے کاش تم بھی دیکھتے دنیا کے چند سال　　تعلیمِ جنگ دیتے علمدارِؑ باکمال
منہ چومتے سجا کے تمہیں شاہِ خوش خصالؑ　　تم بھی دکھاتے جوہرِ شمشیر میرے لال
لیلیٰؑ کی طرح تم کو بھی یہ ماں سنوارتی
میں سب سے پہلے صدقۂ اکبرؑ اُتارتی

یہ گفتگو ربابؑ کے ہونٹوں پہ تھی اِدھر　　خیمے میں آئے سیدِ ابرارِ حق سیر
سب سے جدا مسافرِ مقتل پہ کی نظر　　آنسو نکل پڑے علی اصغرؑ کے حال پر
فرمایا اے ربابؑ تحمل سے کام لو
اصغرؑ بھی جا رہے ہیں کلیجے کو تھام لو

اس امتحان سے بھی گزرنا ہے اے ربابؑ　　مانگو دعا حسینؑ ہو مقصد میں کامیاب
قربانیوں کی جاں ہے یہ روحِ چمن گلاب　　اصغرؑ لئے ہیں عالمِ اسلام کا شباب
سوچو نہ یہ کہ پیاس کی شدت سے دم نہیں
ان کا جہاد، فاتحِ خیبر سے کم نہیں

ہاں اے ربابؑ آج سے تاریخِ زندگی　　حاصل کرے گی اہلِ قلم سے یہ بات بھی
اصغرؑ کی ماں ہے شمعِ شہادت کی روشنی　　غنچے نے پورے باغ کی قسمت سنوار دی
احساس پر محیط قلمکار دے دیا
دینِ خدا کو فتح کا ہتھیار دے دیا

شہؑ نے بڑھائے ہاتھ ہمکنے لگا پسر　　کلیوں سی مٹھیاں کھلیں دیکھا رُخِ پدر
بولیں ربابؑ واہ مرے دل، مرے جگر　　تم اپنی پیاس بھول گئے شہؑ کو دیکھ کر
کس نے کہا یہ حوصلۂ ناتمام ہے
اب سمجھی کمسنی بھی جوانی کا نام ہے

ایسا تو آج تک نہ ہوا کوئی شہ سوار　　لڑنے چلے ہو باپ کے ہاتھوں پہ، میں نثار
لشکر سے ہے مقابلہ اے میرے شیر خوار　　ٹھہرو کہ آستین چڑھا دے یہ دل فگار
عباسؑ کے بھتیجے ہو، اکبرؑ کے بھائی ہو
اس طرح جنگ کرنا ابد تک دہائی ہو

ماں کے لبوں پہ رہ گیا حسرت بھرا کلام		لے آئے اپنے چاند کو رن میں شہِ انامؑ
ہاتھوں پہ تھا جو صورتِ قرآں وہ لالہ فام		کون و مکاں پہ چھا گئی مظلومیِ امامؑ
جیتا نبیؐ کا لال یہ پیغام آ گیا
اصغرؑ کے مسکرانے کا ہنگام آ گیا

اصغرؑ کا مسکرانا، ابد گیر زندگی		جس نے نظامِ جبر کی گردن مروڑ دی
ننھے گلے پہ تیر کی رفتار روک لی		ماں کی دعا تو باپ کی ہمت پکار اٹھی
اے بے زباں مجاہدِ اسلام، مرحبا
زندہ رکھا رسولؐ کا پیغام، مرحبا

غنچہ دہن کے خون کی تلوار دیکھ کر		ابرِ شکست چھا گیا دشمن سپاہ پر
پتھر تھے جن کے دل، وہ پکارے بچشمِ تر		اس واقعہ پہ روئے گا دنیا کا ہر بشر
مستقبل حیات میں احساس ہو گیا
صبرِ حسینؑ فاتحِ تاریخ ہو گیا

چلّو میں لے کے خونِ پسر ابنِ بوترابؑ		صحرا کی گرم خاک سے کرنے لگا خطاب
کیوں اے زمیں قبول ہے، یہ دولتِ ربابؑ		آواز دی زمیں نے کہ اے آسماں جناب
مجھ سے یہ بارِ درد اٹھایا نہ جائے گا
اصغرؑ کا خوں گلے سے لگایا نہ جائے گا

چاہا فلک کی سمت اُچھالیں تو ایک بار		آئی صدا فلک سے کہ اے عرش افتخار
بھاری ہے عرش و فرش سے یہ خونِ شیر خوار		کہیے اسے امانتِ محبوبؐ کردگار
جس وقت کبریا کی عدالت میں جائیں گی
زہراؑ اسی کو لے کے قیامت میں آئیں گی

آخر ملا امامؑ نے چہرے پہ وہ لہو جیسے نمازِ عشق خدا کے لئے وضو
معراج پر وہ سجدۂ آخر کی آرزو لاشِ پسر سے کہنے لگے شاہِؑ نیک خو
اصغرؑ ضعیف باپ کا یہ حال دیکھ لو
میں کس قدر غریب ہوں، اے لال، دیکھ لو

ایسے میں لاش اٹھائے ہوئے شاہؑ تشنہ کام مقتل کی سرزمیں سے چلے جانبِ خیام
آگے کبھی بڑھے، کبھی پیچھے ہٹے امام یہ فکر تھی ربابؑ سے کیا ہوگا اب کلام
کس طرح مسکرائے، یہ کیسے سناؤں گا
اصغرؑ نے کیسے جنگ لڑی کیا بتاؤں گا

میزانِ مصلحت میں تلی انتہائے غم آنکھوں نے اک مقام چنا رک گئے قدم
عباسؑ یاد آئے جھکے شاہؑ ذی حشم چھوٹی سی ایک قبر بنائی بصد الم
دامن زمیں کا اپنے کلیجے سے بھر دیا
پانی کہاں تھا اشکوں سے چھڑکاؤ کر دیا

ماں انتظار کرتی رہی شام ہو گئی پامال شہؑ کی لاش ہوئی شام ہو گئی
اُجڑے خیام، آگ لگی، شام ہو گئی نوکِ سناں پہ شمع جلی، شام ہو گئی
قرآں سنایا نیزے پہ جب آفتاب نے
دیکھا سرِ سناں سرِ اصغرؑ رباب نے

قیصر نہالِ نظم کے یہ بے خزاں گلاب ترتیب میں ہیں صورتِ گلدستۂ ثواب
حق سے دعا یہ مانگ بہ توفیقِ مستجاب اے مالکِ زمان و مکاں خالق الغیاب
صدقے میں مصطفےٰؐ کے درِ مصطفےٰؐ رہے
دنیا میں خانوادۂ جوہر سدا رہے

◆◆

روشنیِ فکر و عمل

(خانۂ کعبہ کی عظمت اور مولودِ کعبہ حضرت علیؑ کی شہادت)

۲۷ بند ـ ۱۹۹۷ء

❖❖

شاخِ تخلیق پہ مہکا ابوطالبؑ کا گلاب
وقت نے پائی وہ خوشبو کہ نہیں جس کا جواب
شل ہوئے پیکرِ الحاد کے سارے اعصاب
دینِ فطرت نے کہا مل گیا دُرِّ نایاب
ہر پیمبرؑ کی دعا آج اثر لائی ہے
روشنی صورتِ انساں میں نظر آئی ہے

❖❖

روشنیِ فکر و عمل

آیئے خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں
جس سے روشن رُخِ اسلام وہ تنویر پڑھیں
ابو طالبؑ کی دعا کہتی ہے تاثیر پڑھیں
ایک دیوار پہ لکھی ہوئی تقریر پڑھیں
زندگی روشنیِ فکر و عمل پائے گی
دل ہے مومن تو عبارت نظر آ جائے گی

چومیے اُس کا قلم جس نے یہ تقریر لکھی
خوابِ ظلمت سے نکل آئے وہ تعبیر لکھی
قبلِ آیات جو آیات کی تفسیر لکھی
بول اُٹھا عزمِ پیمبرؐ مری تقدیر لکھی
نسلِ آدم نے پنپنے کی ادا پائی ہے
اِس عبارت سے تو قرآن میں جان آئی ہے

یہ وہ تحریر ہے تخلیقِ دو عالم کی قسم
جس کے سائے میں بڑھا قافلۂ لوح و قلم
کیا بھلائے گا کوئی قصۂ دیوارِ حرم
دستِ قدرت میں ہے مولودِ حرم کا پرچم
لبِ وحدت نے زمانے کو یہ سمجھایا ہے
منفرد شان سے کعبہ میں کوئی آیا ہے

آنے والے کے تعارف میں ہے کعبے کا بیاں　　وہ بیاں جس پہ رسولوںؑ کے صحیفے نازاں
صحنِ تاریخ دکھائے کوئی ایسا انساں　　لامکاں جس کے لیے وقف کرے اپنا مکاں
کتنے دلچسپ سوالات ہیں اِس منظر میں
ایک بچے کی ولادت ہے خدا کے گھر میں

کسی مولود کی یہ شان، نہ دیکھی نہ سُنی　　ایسی تخلیق بصد آن نہ دیکھی نہ سُنی
یوں کوئی ذات بہ عرفان، نہ دیکھی نہ سُنی　　پوری دُنیا میں یہ پہچان، نہ دیکھی نہ سُنی
چہرۂ علم تجلّی کشِ معلوم بھی ہے
حرمتِ کعبہ میں شامل کوئی معصوم بھی ہے

چاند سورج کی مسافت سے زیادہ ہے یہ بات　　رہنمایٔ شب و روز ہے کعبے کی حیات
ہر زمانے کا مقدّر ہے نزوُلِ برکات　　کم نہ ہو گی کبھی دیوارِ حرم کی خیرات
حشر تک ماہِ رجب جشنِ طرب لائے گا
مسکرانے میں عبادت کا مزہ آئے گا

وہ تبسّم جسے حاصل ہو عبادت کا شرف　　پوچھے آج اُسی سے بہ تقاضائے نجف
وہ گُہر جس کے لیے خانۂ یزداں ہے صدف　　کس کے ارمانوں کی تصویر ہے اور کس کا خلف
کوئی کیا اُس کے تعارف میں زباں کھولے گا
اپنے محبوب کے لہجے میں خدا بولے گا

باغباں کیفِ دعا میں ہے گُلِ تر کے لئے　　حسرتِ مہرِ مبیں ہے مہِ انور کے لئے
مضطرب طالبِ نظّارہ ہے منظر کے لئے　　منتظر چشمِ پیمبرؐ ہے برادر کے لئے
قدرتِ خالقِ کونین عیاں ہونے لگی
باغِ ایجاد کی ہر چیز جواں ہونے لگی

دیکھیے منظرِ ماضی میں وہ دلکش منظر　　وقت قربان ہوا تیرہ رجب کے رُخ پر
صحنِ کعبہ سے گلے ملنے لگا حُسنِ سحر　　عالمِ وجد میں دی بادِ بہاری نے خبر
فرش کو عرش کی زیبائیاں دی جاتی ہیں
فاطمہ بنتِ اسدؑ سوئے حرم آتی ہیں

آمدِ بنتِ اسدؑ خانۂ یزداں کی طرف　　اک مسافر کی مسافت ہے نگہباں کی طرف
اُم ایماں کے قدم جنتِ ایماں کی طرف　　جیسے خوشبو کا سفر اپنے گلستاں کی طرف
بیتِ شوہر سے جو معبود کے گھر آتی ہیں
یہ بُلائی ہوئی مہمان نظر آتی ہیں

کس نے دیکھا کسی انسان کا یہ استقبال　　جس کو تسلیم کریں حشمت و جاہ و اجلال
کلمہ پڑھتی ہے زمانے کی تمنائے کمال　　محوِ حیرت ہے یہاں حضرتِ مریمؑ کی مثال
وہاں انکار چلی جائیں تأسف نہ کریں
یہاں اصرار کہ آ جائیں تکلّف نہ کریں

اس سے بڑھ کر نہیں اظہارِ فضیلت کوئی　　کب ہے اس شان سے مطلوبِ مشیّت کوئی
لائے اس طرح سے گلدستۂ رحمت کوئی　　یہ شرف پائے بعنوانِ ولادت کوئی
اُس کی ہستی بخدا سب سے جداگانہ ہے
جس کے اعزاز میں کعبہ بھی زچہ خانہ ہے

معترض کہتے ہیں دیوار سے کیسے آئیں　　ناز ہے خانۂ معبود کو ایسے آئیں
یا علیؑ کی جو صدائیں رگ و پے سے آئیں　　کوئی آیا ہے نہ آئے گا یہ جیسے آئیں
اس حقیقت سے کسی شخص کو انکار نہیں
اسمِ اعظم کے لئے کوئی بھی دیوار نہیں

اسمِ اعظم لئے داخل ہوئیں زوجِ عمرانؑ بولی دیوار اس آمد پہ دو عالم قرباں
ڈالیاں لے کے اترنے لگیں حورانِ جناں عرش سے آئی صدا آج سجا میرا مکاں

آمدِ نور سے ظلمت کے ستوں ہلتے ہیں
آج انسان کو معنیِ سحر ملتے ہیں

وہ سحر آئی وہ عمرانؑ کا مقدر چمکا ماں کی آغوش میں تقدیر کا اختر چمکا
ہر طرف نور کی برسات ہوئی گھر چمکا یوں سمجھ لیجئے خورشید زمیں پر چمکا

روئے خورشید سے یوں گرمیِ وحدت برسی
تین سو ساٹھ خداؤں پہ قیامت برسی

شاخِ تخلیق پہ مہکا ابوطالبؑ کا گلاب وقت نے پائی وہ خوشبو کہ نہیں جس کا جواب
شل ہوئے پیکرِ الحاد کے سارے اعصاب دینِ فطرت نے کہا مل گیا دُرِ نایاب

ہر پیمبرؑ کی دعا آج اثر لائی ہے
روشنی صورتِ انساں میں نظر آئی ہے

ایک آواز، محمدؐ کو بلائے کوئی یہ خبر سیدِ عالمؐ کو سُنائے کوئی
ایک معصوم کو معصوم دکھائے کوئی چاند آیا ہے یہ سورج کو بتائے کوئی

جلوہ مرکز سے جُدا ہو کے کہاں جائے گا
آئینے دو ہیں مگر ایک نظر آئے گا

کوئی اللہ کے محبوب سے جا کر کہدے شکر ہے حسرتِ دیدار سے پردے اُٹھے
تم نے مانگیں تھیں شب و روز دعائیں حق سے آج لایا ہے اِک انسان تمہارے جلوے

اپنی پہچان کا منہ بولتا عنوان پڑھو
جانِ عمرانؑ ہو تم، سورۂ عمران پڑھو

آ گئے سیدؑ عالم تو نظارہ تھا عجیب
کیفِ نظارہ میں قدرت کا اشارہ تھا عجیب
یعنی وحدت کے ادارے کا شمارہ تھا عجیب
دستِ رحمت پہ محبت کا ستارہ تھا عجیب
جس پہ قربان ہوں کونین وہ صورت دیکھی
آنکھ مولود نے کھولی تو رسالتؐ دیکھی

ننھی آنکھوں کی قسم عکسِ رسالتؐ کی قسم
غنچۂ لب کی قسم، بوئے نبوّت کی قسم
لوحِ محفوظ کی برجستہ تلاوت کی قسم
ایک بچے میں رسولوںؑ کی فضیلت کی قسم
فن کی معراج نے گلدستۂ فن چوم لیا
یعنی مستقبلِ قرآں نے دہن چوم لیا

لبِ معصوم پہ یوں آ گئیں آیاتِ زبور
جیسے ہر سانس میں ہو سینۂ داوٗدؑ کا نور
فکرِ توریت سے یوں ظرفِ طبیعت معمور
جیسے ہر لفظ کی جاں موسیٰؑ عمراں کا شعور
نقشِ انجیل اُبھارے بنِ مریم کی طرح
صاف قرآن پڑھا سرورِ اعظم کی طرح

مسئلہ نام کا آیا تو کھلا بابِ ہنر
بڑھ کے رضوان اُٹھا لائے ادب کا دفتر
گفتگو حسن تجسس میں بڑھی یہ کہہ کر
فیصلہ چاہئے منجانبِ ربِّ اکبر
ہر زمانے کے لئے دین کا سرمایہ ہو
نام ایسا ہو کہ پہلے نہ کبھی آیا ہو

دفترِ حرف و بیاں پڑھ کے یہ بولے جبریلؑ
اے خدا اسمِ محمدؐ کی نہیں کوئی عدیل
تیرے محبوب کا محبوب ہے یہ نقشِ جمیل
نام اس کا بھی ترا نام ہو اے ربِّ جلیل
آئی آواز ولی ابنِ ولی آیا ہے
میں علی ہوں، مرا بندہ بھی علیؑ آیا ہے

لائے جبریلِ امیں، نامِ خدا نامِ علیؑ — قسمتِ دینِ مبیں نامِ خدا نامِ علیؑ
خاتمِ حق کا نگیں، نامِ خدا نامِ علیؑ — روحِ ایمان و یقیں، نامِ خدا نامِ علیؑ
پیار بن کر جو محمدؐ کے لبوں پہ آیا
آئی آوازِ امامت، مرا محور آیا

وقت نے لوحِ مقدر پہ قصیدہ لکھا — تا ابد جس کی عبارت وہ جریدہ لکھا
عہدِ بے مثل، دو عالم میں چنیدہ لکھا — حالِ آئندہ بہ اوصافِ حمیدہ لکھا
معجزوں سے صفتِ دیدہ و ابرو لکھدی
ہر نفس مرضیِ معبود کی خوشبو لکھدی

دستِ قدرت نے لکھا چاند سی پیشانی پر — یا علیؑ عظمتِ اسلام کا سہرا ترے سر
بخدا کم نظری ہے ترے دشمن کی نظر — تیری نعلین کی مٹی ہے مخالف لشکر
اب ترے سامنے کیا کوئی ٹھہر سکتا ہے
تو وہ قوت ہے محمدؐ نے جسے مانگا ہے

جو محمدؐ کی طلب حاصلِ اسلام وہی — پوری مخلوق پہ اللہ کا انعام وہی
وجہ آیات وہی مقصدِ پیغام وہی — پیار کرتا ہے جسے نامِ خدا، نام وہی
فکرِ مستقبلِ ہستی کی خبر لائی ہے
آیتِ نادِ علیؑ آج اتر آئی ہے

آیتِ نادِ علیؑ اور محمدؐ کی نظر — جس طرح سامنے ہو آئینۂ فتح و ظفر
دیدۂ خیرِ بشر میں وہ طرح دارِ بشر — جیسے اسلام یہ کہتا ہو مجسم ہو کر
کوئی خطرہ نہیں تبلیغِ رسالتؐ کے لئے
میں تو آیا ہوں محمدؐ کی حفاظت کے لئے

آیتِ نادِ علیؑ آج سے ہے وہ دیوار　　جس سے ٹکرا کے فنا ہو گی سپاہِ کفار
آج خوش ہو کے یہ کہتے ہیں رسولِ مختار　　اب مرے سامنے ہے میرے ارادوں کی بہار
موت کے سائے ہر اک سمت نظر آئیں گے
اب زمانے کے ابو جہل کدھر جائیں گے

آیت نادِ علیؑ پڑھ کے جو کرتے ہیں حصار　　اُن سے ٹکرا کے سنبھلنا بخدا ہے دشوار
جو اڑاتے ہیں فسادات سے دہشت کا غبار　　وہی اسلام کے دشمن ہیں وہی ہیں غدار
صاف آواز ہے یہ حیدری جراروں کی
آیتِ نادِ علیؑ موت ہے غداروں کی

اس قصیدے کو جو کعبے کی جبیں پر دیکھا　　سینۂ کفر میں اک بغض کا شعلہ بھڑکا
وقت نے بدر و احد خندق و خیبر میں کہا　　کون حیدرؑ کے سوا اشجعؑ تاریخ ہوا
سیرتِ نفسِ پیمبرؐ ہے نصابِ اسلام
اب تو حیدرؑ کی جوانی ہے شبابِ اسلام

قاتلِ لشکرِ کفار پہ دنیا کی نظر　　جیسے خاروں کی حراست میں اکیلا گلِ تر
اپنے سر دین کی تقدیر کا سہرا لے کر　　گھر گیا اہلِ حسد میں ابو طالبؑ کا پسر
ہر طرف دشمنِ سلطانِ رسالتؐ اُبھرے
تھی جنہیں شرکِ ابو جہل سے نسبت اُبھرے

قریہ در قریہ چلی بُغض و عداوت کی یہ لہر　　شہرتِ ظلم کا طوفاں چلا شہر بہ شہر
بستی بستی میں نظر آنے لگا عالمِ قہر　　کھل گئے شام کے عفریت، بہی خون کی نہر
پختہ سازش سے فسادات جنم لینے لگے
سر پھرے موت کے شعلوں کو ہوا دینے لگے

شام سے کہہ کے اُٹھی شام کی منحوس ہوا　　اب نہ کعبے کا قصیدہ نہ جدارِ کعبہ
ختم ہو جائے گی عمرانؑ کی تاثیرِ دُعا　　اب نہ دنیا میں کوئی واقفِ حیدرؑ ہو گا
نورِ کعبہ کا حوالہ بھی نہ دے گا کوئی
آلِ عمرانؑ کا اب نام نہ لے گا کوئی

اس دمِ زہر پہ عمران کے گلشن کا جواب　　عظمتِ کعبہ ہے کعبے کا ابد گیر گلاب
آلِ عمرانؑ کی سیرت ہے پیمبرؐ کا نصاب　　حاکمِ شام کا ہر خواب ہے دیوانے کا خواب
کعبہ زندہ ہے تو کعبے کا ولی زندہ ہے
مسندِ بزم ہو یا رزم، علیؑ زندہ ہے

ابو طالبؑ کے چمن زار سے سن کر یہ بیاں　　ایک مرکز پہ سمٹ آئے منافق انساں
اُنہیں منظور تھی شادابیِ اسلام کہاں　　خونِ اسلام بہانے کو اُٹھے دشمنِ جاں
یعنی تبدیلیِ منزل ہوئی جادے بدلے
نقدِ زر سامنے آیا تو ارادے بدلے

گوہرِ کعبہ نے مسجد میں شہادت پائی　　بخدا افضلِ کونین فضیلت پائی
حشر تک حق نے علیؑ نام کی طلعت پائی　　رُخِ باطل نے فقط شام کی ظلمت پائی
سامری جن پہ فدا ہو وہ سپیرے نکلے
ماہ و خورشید سے لڑنے کو اندھیرے نکلے

حرم و دیر میں اب رنگِ تصادم اُبھرا　　جو پسِ لفظ چھپا تھا وہ تکلّم اُبھرا
گیت رقصاں ہوئے قرآں کا تبسّم اُبھرا　　کسی طوفان کی آمد کا تلاطم اُبھرا
اک براہیمؑ نظر سے کسی نمرود کی جنگ
یا کسی عبد سے اِک دشمنِ معبود کی جنگ

لوگ یوں تجزیۂ شام و سحر کرنے لگے
ہر نفس عین تذبذب میں بسر کرنے لگے
حسبِ اعمال زمانے میں سفر کرنے لگے
خیر و شر اپنے وسائل پہ نظر کرنے لگے
خیر کے نور نے دُنیا کو اُجالے بخشے
شر نے تاریخ کو مقتل کے حوالے بخشے

خیر کے ہونٹوں پہ ہر وقت بصد خیر دُعا
اے خدا امن سے وابستہ رہے خلقِ خدا
شر نے تکمیلِ شرارت کا یہ انداز رکھا
ہر قدم اہلِ شرافت سے جفا رنگِ دغا
خیر کا حُسنِ عمل خیرِ عمل کی خاطر
شر کی ہر بات فقط جنگ و جدل کی خاطر

خواہشِ خیر زمانے میں کہیں جنگ نہ ہو
کسی انسان پہ دامانِ زمیں تنگ نہ ہو
آبِ نفرت سے سرِ شیشۂ دل زنگ نہ ہو
زندگی نور کا آئینہ رہے سنگ نہ ہو
جو بھی صحرا میں ہے گلزار نشیں ہو جائے
پانچ دریاؤں سے شاداب زمیں ہو جائے

سینۂ شر میں یہ ارمان اُجڑ جائے چمن
موت کی سیج پہ سو جائیں شریفانِ وطن
اب نہ پیمانۂ انصاف بنے صلحِ حسنؑ
سر اُٹھا کر نہ چلے کوئی حقیقت بہ دہن
ہر طرف عیش ہو دولت کی فراوانی ہو
خطۂ ارض پہ میخوار کی من مانی ہو

خیر کا عزم، ہر آبادیِ شر ہو برباد
کسی بستی کا مقدّر نہ بنے شورِ فساد
قہقہوں میں نہ دبے غم نفسوں کی فریاد
ہو نہ حاکم کسی کوفے میں کوئی ابنِ زیاد
نہ لگے آگ کہیں، کوئی نہ دُرّے کھائے
کوئی بچّی سرِ مقتل نہ طمانچے کھائے

شر کی آنکھوں میں تڑپتے ہوئے پیاسے بچے نھنے ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے خالی کوزے
کوئی ایسا نہیں کس سے کوئی پانی مانگے صرف اک بات، لبِ نہر کسی لاشے سے
آپ کے بعد ستم ہوں گے یہ معلوم نہ تھا
شمر کے سامنے ہم ہوں گے یہ معلوم نہ تھا

خیر سے ''نصر من اللہ'' کی آیت کے سخن قوتِ صبر سے ہے زندگیِ روح و بدن
کیا شر انگیزیِ شر، کیا تپشِ رنج و محن وسعت بحر پہ غالب ہے دلِ تشنہ دہن
دشتِ غربت میں جو غیرت کا محافظ ہو گا
وہی دنیائے صداقت کا محافظ ہو گا

شر ابوجہل کی فطرت سے وہ بہتا ہوا زہر جس کو تخریب کے ہونٹوں نے کہا موت کی لہر
سو گئے جس کے اشارے سے بڑے قریہ و شہر خونِ احساس ہوا پھیل گئی آتشِ قہر
شہرِ نخوت میں ہوائے عجب انداز آئی
شام کے تخت سے فرعون کی آواز آئی

خیر ہے اصل میں مولودِ حرم کی سیرت جس کا صدقہ ہے تمام اہل وفا کی عزت
حق کو حق کہنے کی توفیق، حمیّت، جرأت ایسے کردار سے زندہ ہے بشر کی حُرمت
جذبۂ حق سے جو مقتل میں اذاں دیتا ہے
پوری تہذیب وہ انسان بچا لیتا ہے

خیر و شر جمع ہوئے فیصلہ کن منزل پر کربلا بن گئی میدان، رُکے دو لشکر
اک طرف کفر کی اُلفت کے ہزاروں پیکر اک طرف حاصلِ اسلام بہتر صفدر
اک طرف خواہشِ زر سینوں میں بھرنے والے
اک طرف مصطفویؐ بات پہ مرنے والے

اک طرف ذہنِ حکومت میں یہ فرسودہ خیال   چہرۂ آلؑ سے مٹ جائے گا کعبے کا خیال
حسنِ آیات پہ نازاں ہیں جو قرآن جمال   گرمیِ تشنہ لبی میں انہیں جینا ہے محال
کثرتِ فوج سے دم سینوں میں رُک جائیں گے
برچھیاں سایہ فگن ہوں گی تو جھک جائیں گے

یادِ ماضی میں کبھی خونِ اب وجد سے کلام   پی گئی کتنا لہو صرف علیؑ کی صمصام
انتقام اپنے بزرگوں کا رہا جذبۂ خام   اب تو اولادِ علیؑ ہے ہدفِ حاکمِ شام
لفظ بیعت میں جو اِک راز ہے کھل جائے گا
اب تو نیزے پہ سرِ سبطِ نبیؐ آئے گا

آ گیا وقت، پیمبرؐ کے نواسے نے کہا   زورِ حق ہے مجھے کمزور نہ سمجھے دُنیا
محبتِ آلؑ سے ہے جاہ و جلالِ کعبہ   ورنہ اس کعبے کی تقدیر تھے پتھریلے خدا
لوگ کعبے کے وہ دن رات نہیں لا سکتے
بُت شکن آ گیا، اصنام نہیں آ سکتے

برچھیاں کیا ہیں، کوئی خوف نہیں ہے بخدا   صرف سجدے میں جُھکے گا سرِ ابنِ زہراؑ
تین دن گزرے کسی خیمے میں پانی نہ گیا   پھر بھی کس نے مرے بچوں کی زباں سے یہ سُنا
سانس رکنے لگا سینے میں روانی دے دو
کیا ہے بیعت ہمیں منظور ہے، پانی دے دو

پسِ بیعت کوئی سازش ہے تو ہو کیا پرواہ   بے خطا ہوں بخدا کوئی نہیں میرا گناہ
سایۂ رحمتِ حق سب سے بڑی جائے پناہ   اپنے کردار پہ ہے آیۂ تطہیر گواہ
سیرتِ سیدِ کونین کا مظہر ہوں میں
خامسِ آلِ عبا، دلبرِ حیدرؑ ہوں میں

صحنِ آفاق پکارا نہیں شبیرؑ نہیں   تیرے معصوم تو ہیں مُہرِ امامت کے نگیں
جان ہونٹوں پہ مگر مرضیِ مولا پہ یقیں   دل ترا صبر کا قرآن، یہ آیاتِ مُبیں
دفترِ حکمتِ یزداں کے شمارے یہ ہیں
آسماں احمدِ مرسلؐ ہیں، ستارے یہ ہیں

اے دلِ فاطمہؑ زہرا ترا رتبہ ہے عظیم
تیری عصمت کا سخن زار ہے قرآنِ کریم
منقبت ریز تری مدح میں ہر عقلِ سلیم
تجھ سے جو دور وہ آوارۂ تہذیب رجیم
بزمِ ہستی میں جسے بھی ترا عرفان نہیں
باغیٔ شرعِ پیمبرؐ ہے، وہ انسان نہیں

روحِ زہراؑ وہ ترے بھانجے زینبؑ کے پسر
جانِ عبداللہؑ، وہ گلدستۂ باغِ جعفرؑ
دونوں کمسن ہیں مگر دونوں وقارِ مادر
پھول سے جسموں پہ وہ برچھیاں، تلواریں، تبر
کب تصور میں بھی کچھ ربط رکھا پانی سے
حشر کی پیاس میں منہ پھیر لیا پانی سے

لاشۂ ابنِ حسنؑ یا وہ حسنؑ کے ٹکڑے
مثلِ قاسمؑ کہیں دیکھے نہیں تن کے ٹکڑے
خشک پتوں کی طرح شاخِ چمن کے ٹکڑے
ارضِ مقتل پہ سجے پھول بدن کے ٹکڑے
اس تخیل سے بھری آنکھوں سے برسا پانی
پیاس بڑھتی رہی قاسمؑ نے نہ مانگا پانی

کہا دریا نے کہ اے ساقیٔ کوثر کے پسر
تیرے عباسؑ کے آنسو ہیں رُخِ دریا پر
اب نہ ہوگا کوئی اس طرح وفا کا پیکر
مشک بھر کر بھی لبوں کو نہ کیا شیر نے تر
چوم کر پاؤں یہ کہتا رہا بہتا پانی
اس طرح کرتے ہیں دریا کا کلیجا پانی

آئی آواز یہ کعبے کے اضافی در سے
اے حسینؑ ابنِ علیؑ پوچھ درِ خیبر سے
پیاس کا کتنا تعلق تھا لبِ حیدرؑ سے
کیا تقابل ہے یہاں لاشِ علی اکبرؑ سے
یوں کہاں حوصلہ فطرت پہ سجاتا ہے کوئی
دل میں برچھی ہو تو کیا لاش اٹھاتا ہے کوئی

لیکن اے سبطِ نبیؐ، روحِ نبیؐ، جانِ نبیؐ
تیرا اصغرؑ ہے وہ چھ ماہ کا ہم شکلِ علیؑ
جس کے خاموش تکلّم سے نئی لہر اُٹھی
اِک اشارے کی وہ آواز جو قدرت نے سُنی
حشر تک عالمِ فطرت میں تلاطم سمجھا
تیر سے ہونٹ کھلے سب نے تبسّم سمجھا

یہ بھی تاریخِ شہادت میں ہے فکری پہلو   آنکھ تو آنکھ ہے پتھر بھی بہائے آنسو
سرخیِ فتح وہ بے شیرؑ کا معصوم لہو   حاصلِ باغِ رسالتؐ ہوئی جس کی خوشبو

دل پگھل جائے کچھ اس درد کے پہلو نکلے
اِسی منزل پہ تو قاتل کے بھی آنسو نکلے

ہائے وہ آخری قربانی وہ تنہائی وہ لاش   لاش کو دیکھ کے احساس کے چہرے پہ خراش
روح کا آئینہ صد پاش، کلیجہ صد پاش   پھول دفنانے کی خاطر کسی منزل کی تلاش

ایسی منزل جہاں کوئی نہ جگانے آئے
جھولا بن جائے لحد بچے کو نیند آ جائے

پیچھے خیموں کے نظر آ گئی اک صاف زمیں   لاش کو جلتی ہوئی ریت پہ رکھ کر شہِ دیں
اپنے معصوم سے بولے، مرے بے شیر، حزیں   سوچتا ہوں کہ یہیں قبر ہو سو جاؤں یہیں

تیر سے ذبح ہوئے اور ستم کیا ہو گا
سوچتا ہوں سرِ بے شیر قلم کیا ہو گا

لے تو جاؤں میں تمہیں خیمے کے اندر مرے لال   غم سے مر جائیں گے ناموسِ پیمبرؐ مرے لال
ہائے کن آنکھوں سے دیکھے گی وہ مادر مرے لال   یہ بیاں ہو گا سکینہؑ کے لبوں پر مرے لال

رُخ پہ کیسا ہے لہو، کس لئے چپ ہو بابا
میرے بھائی کو مری گود میں دے دو بابا

ننھی سی قبر جو تلوار سے تیار ہوئی   چشمِ افلاک غم و رنج سے خونبار ہوئی
صبرِ مظلوم کی اک حد جو نمودار ہوئی   کربلا ہلنے لگی زلزلہ آثار ہوئی

باپ نے جب علی اصغرؑ کی جبیں کو چوما
ماں نے بے ساختہ خیمے میں زمیں کو چوما

کیا عجب ماںتا کہتی ہو زمیں سے رو کر   اے زمیں تجھ کو اگر شہؑ نے دیا ہو اصغرؑ
اتنا کہنا مرے اصغرؑ سے کہ اے نورِ نظر   ماں کو معلوم نہیں کیا ہوا مقتل میں اُدھر

کسی بچّے کا لہو رنگ فضا کاٹ گیا
شور سنتی ہوں کہ اک تیر گلا کاٹ گیا

کیا عجب یوں بھی ہوا ک مامتا کے دل کی صدا — اے زمیں جس کا گلا کاٹ گیا رنگِ فضا
ایسا کمسن تو نہیں کوئی بھی اصغرؑ کے سوا — ہاں مرے لال کو عباسؑ کی ہمت ہو عطا
اتنا معلوم ہے، ایک ایک ستم گر رویا
جنگ ایسی تھی کہ مُنہ پھیر کے لشکر رویا

بند کی قبر تو یہ کہہ کے اُٹھے شاہِ زمنؑ — کربلا پیار سے رکھنا یہ مرا غنچہ دہن
اب مرے بعد یہاں آئیں گے میرے دشمن — برچھیاں قبر سے لے جائیں گی بچے کا بدن
وقت یوں بھی مرے اس لال کو تڑپائے گا
تن سرِ خاک، تو سر نیزے پہ آ جائے گا

بعدِ سرورؑ جو گئیں شامِ غریباں میں ربابؑ — اک قیامت کا اندھیرا تھا کہ خونی گرداب
بکھرے پھولوں میں نظر آیا وہ ننھا سا گلاب — منفرد رنگ شہادت کہ نہیں جس کا جواب
خونِ معصوم پہ یوں کوئی نہ شاہد ہو گا
کون اس عمر کا دنیا میں مجاہد ہو گا

کیا عجب، سب سے جُدا اشدتِ غم چھائی ہو — کیا عجب، لاشِ پسر سینے سے لپٹائی ہو
کیا عجب گود کی گرمی، وہاں یاد آئی ہو — کیا عجب ہونٹوں پہ ماں بھی یہ سخن لائی ہو
رنگِ احساس میں گھر بھر سے سوا کام کیا
مرحبا، اے مرے معصوم بڑا کام کیا

کیا عجب پوتے کی میّت پہ یہ کہتے ہوں علیؑ — میرے اصغرؑ مری طاقت ہے تری تشنہ لبی
نسلِ آدم یہ تری جنگ نہ بھولے گی کبھی — جنبشِ لب میں عجب قوتِ لشکر بھر دی
آج سے تا بہ ابد فکر کا یہ محور ہے
عزتِ نامِ علیؑ نامِ علی اصغرؑ ہے

کیا مٹائے گا کوئی ذکرِ علیؑ اے قیصر — غمِ شبیرؑ ہے تا حشر تحفظ کی سحر
مرثیہ پڑھتے ہیں حیدرؑ کے فضائل پڑھ کر — کربلا رکھتی ہے کعبے کا مکمل منظر
امن کا شور جہاں بغضِ علیؑ پر ہو گا
عالمِ خیر نہیں ہو گا وہاں شر ہو گا

◆◆◆

پاکستان میں اُردو مرثیے کی روایت کو مستحکم کرنے میں جن مرثیہ نگاروں نے اہم کردار ادا کیا ہے اُن میں قیصر بارہوی کا نام خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک قیصر بارہوی کا خاص وصف یہ ہے کہ انہوں نے مرثیے کی لکھنوی روایت کو قائم رکھتے ہوئے معاصر زندگی کو مرثیہ کا اہم حصہ بنالیا ہے۔ وہ مرثیے کے ایک اہم شاعر تھے لیکن اپنی زندگی میں انہوں نے اپنے کام کو مدوّن نہیں کیا۔ اس لیے اُن کی رحلت کے چند برس بعد ہی اُن کے مرثیے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے طویل عرصے کی تلاش و جستجو کے بعد مرحوم کے مسوّدات کو سامنے رکھ کر تمام مرثیوں کو انتہائی سلیقے سے یکجا کر دیا ہے۔ ان کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ اُن باکمال مصنفین میں سے ہیں جنہوں نے اُردو مرثیے پر بیش بہا کام کیا ہے اور مرثیہ نگاری کی تاریخ کو مربوط کر دیا ہے۔ قیصر بارہوی کے مرثیوں کی یہ تدوین اہم اور یادگار ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا وہ قابلِ قدر کارنامہ ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ انہوں نے جتنی محنت اور مہارت کے ساتھ یہ مرثیے مرتب و مدوّن کیے ہیں یہ انہی کا حصہ ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

9 جنوری 2007ء

E-215، ای۔ایم۔ای سوسائٹی

ملتان روڈ، لاہور۔ پاکستان